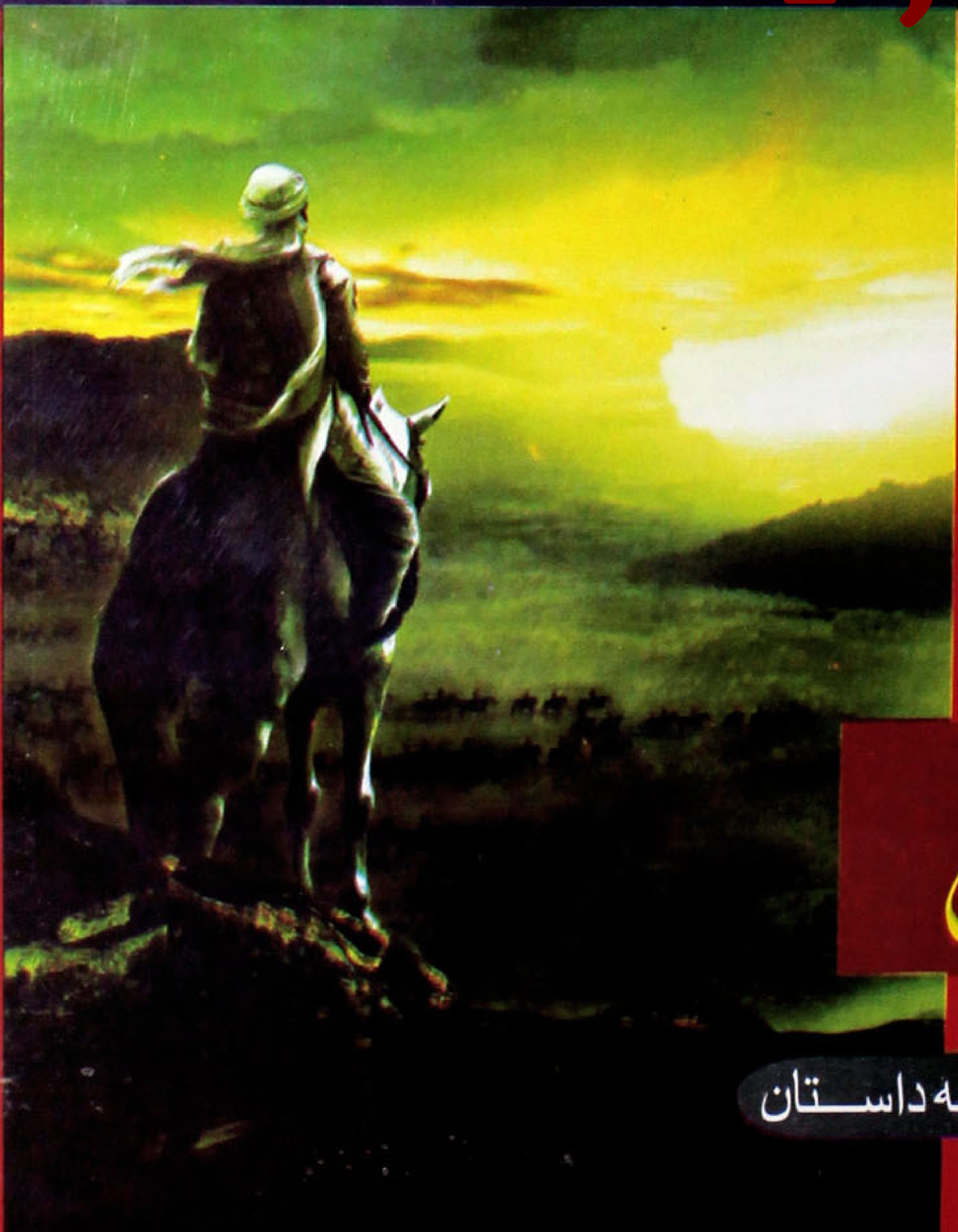
داستان ایمان فروشوں کی

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

جلد چہارم، پنجم

4 , 5



التمش

مکتبہ داستان

داستان ایمان فروشوں کی

(جلد چہارم، پنجم)

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

حکایت پبلشرز
26-پٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ، لاہور۔
فون: 37356541

نام کتاب	....	داستان ایمان فروشوں کی (جلد چہارم، پنجم)
مصنف	....	التمش
ناشر	....	وقاص شاہد مکتبہ داستان، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
سن اشاعت	....	جون 2013ء
قیمت	....	600 روپے

ملنے کے پتے

حکایت پبلشرز

26-پٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ، لاہور۔

فون: 37356541-37321898

علم و عرفان پبلشرز

40۔اُردو بازار، لاہور۔فون نمبر: 37352332-37232336

ویلکم بک پورٹ

اُردو بازار، کراچی

اشرف بک ایجنسی

کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر

کمیٹی چوک، راولپنڈی

جہانگیر بکس

بوہڑ گیٹ، ملتان

خزینہ علم و ادب

الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہِ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ (ناشر)

فہرست

تعارف

''داستان ایمان فروشوں کی'' کا چوتھا حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ ہماری اُبھرتی ہوئی نسل کا کردار مجروح ہو چکا ہے۔ اس قومی المیہ کے اسباب سے بھی آپ واقف ہوں گے، اگر نہیں تو ہم بتاتے ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بچوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ان کی نصابی کتابوں میں بھی ان روایات کا ذکر نہیں ملتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور نوجوان ایسی کہانیوں کے عادی ہو گئے ہیں، جن میں تفریح اور لذیذ مواد زیادہ ہوتا ہے اور جن میں سنسنی، سسپنس، ہنگامہ آرائی اور جنسیت ہوتی ہے اور جو جذبات میں ہلچل بپا کر دیتی ہے۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے لیکن بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے دشمن نے جو یہودی بھی ہے اور ہندو بھی، انسان کی اس فطری ضرورت کو اسلام دشمن مقاصد اور پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ جو فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور کہانیاں، رسالے اور فلمیں مقبول ہوئی ہیں، ان کا خالق ہمارا دشمن ہے اور انہیں ہمارے ملک میں پھیلانے کا کام دشمن ہی کر رہا ہے۔ یہ زہریلا ادب ہمارے ہاں اس حد تک مقبول ہو گیا ہے کہ غیر اسلامی نظریات کی حامل کہانیاں بھی پاکستانیوں نے دل و جان سے قبول کر لی ہیں۔ پاکستان کے زر پرست ناشروں، رسالوں کے مالکوں اور قلم کاروں نے دیکھا کہ ان کہانیوں سے تو دولت کمائی جا سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی قومی سود و زیاں کو نظر انداز کر کے فحاشی کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے اور ہمارے مفاد پرست ناشروں نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنی اُبھرتی ہوئی نسل کے انفرادی اور قومی کردار کے تحفظ اور نشوونما کے لیے ''حکایت'' میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی سچی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے ہم تین حصے کتابی صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ چوتھا حصہ پیش خدمت ہے۔ ان کہانیوں میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور آپ کے بچوں کے فطری مطالبات کی تسکین کریں گے، ان میں سنسنی بھی ہے، سسپنس بھی اور یہ کہانیاں آپ کو قدم قدم پر چونکائیں گی، مگر

ان کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ اس قومی جذبے اور ایمان کو زندہ و بیدار کریں گی، جسے ہمارا دشمن فحش اور اخلاق سوز کہانیوں کے ذریعے کمزور بلکہ مُردہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک جنگ میدان میں لڑی جسے صلیبی جنگوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ دوسری جنگ زمین دوز محاذ پر لڑنی پڑی۔ یہ جاسوسوں اور کمانڈو فورس کی جنگ تھی۔ یہ مختلف اوقات کی تفصیلی اور ڈرامائی وارداتیں ہیں، جن میں آپ کو سلطان ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سراغ رسانوں، تخریب کاروں، گوریلوں اور کمانڈو عسکریوں کے سنسنی خیز، ولولہ انگیز اور چونکا دینے والے تصادم، زمین دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔

صلیبیوں نے مسلمانوں کے ہاں تخریب کاری، جاسوسی اور کردار کشی کے لیے غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک لڑکیاں استعمال کی تھیں، اس لیے یہ عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں بن گئیں۔

اگر آپ سچے دل سے فحش اور مخرب اخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ''داستان ایمان فروشوں کی'' کے سلسلے کی کہانیاں پڑھنے کو دیں۔

عنایت اللہ (مرحوم)
مدیر ''حکایت'' لاہور
یکم جنوری ۱۹۷۹ء

راہِ حق کے مُسافر

بادشاہ ایک جھونپڑے میں چھپا ہوا تھا۔ یہ واقعہ اپریل ۱۱۷۵ء (رمضان المبارک ۵۷۰ھ) کا ہے، جب تین مسلمان حکمران...... نورالدین زنگی کا بیٹا الملک الصالح، گمشتگین اور سیف الدین غازی...... سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں آئے تھے۔ اُن کی پشت پناہی صلیبی کر رہے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں گھوڑے، اونٹ، آتش گیر سیال کے مٹکے اور دیگر اسلحہ دیا تھا۔ صلیبیوں نے ضروری نہیں سمجھا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو میدانِ جنگ میں ہی شکست دیں۔ اصل مقصد شکست دینا اور سرزمینِ عرب پر قبضہ کر کے اسلام کو ختم کرنا تھا۔ فلسطین صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی دو تین کمزوریاں بھانپ لی تھیں۔ یہ تھیں اقتدار کی ہوس، زر، زن اور عیش پرستی۔ صلیبی یورپ سے یہ توقع لے کر آئے تھے کہ وہ اپنے برتر اسلحہ، فوجوں کی افراط اور بحری جنگی قوت سے مسلمانوں کو تھوڑے سے عرصے میں ختم کر کے قبلۂ اوّل اور خانہ کعبہ پر قابض ہو جائیں گے اور اسلام کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

مذہب کوئی درخت نہیں جسے جڑوں سے کاٹ دیا جائے تو سوکھ کر ختم ہو جائے گا۔ مذہب کسی ایک کتاب یا کتابوں کے انبار کا نام نہیں، جسے جلا دیا جائے تو مذہب جل کر راکھ ہو جائے گا۔ مذہب، عقائد اور نظریات کا نام ہے جو انسان کے ذہن و دل میں محفوظ ہوتے ہیں اور انسان کو اپنا پابند کیے رکھتے ہیں۔ انسانوں کو قتل کر دینے سے عقائد اور نظریات ختم نہیں ہو جاتے، کسی مذہب کو ختم کرنے کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ ذہنوں اور دلوں میں تعیش پسندی اور لذت پرستی ڈال دی جائے۔ عقائد اور نظریات کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگتی ہے اور انسان آزاد ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہودیوں اور صلیبیوں نے مسلمانوں کے لیے یہی جال تیار کیا۔ سرزمین عرب اور مصر میں لا کر بچھایا تو مسلمان اُمراء اس میں آنے لگے۔ ملت اسلامیہ کی بدبختی ہے کہ مسلمان اقتدار اور عورت کی خاطر عقیدے قربان کر دیا کرتا ہے۔

نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے دور میں یہ میٹھا زہر مسلمان حکمرانوں اور اُمراء کی رگوں میں اُتر چکا تھا اور صلیبی فلسطین پر قابض ہو چکے تھے۔ متعدد مسلمان ریاستیں ایسی تھیں جن پر صلیبیوں کا قبضہ تو نہیں تھا لیکن ریاستوں کے اُمراء کے دلوں پر انہیں کا قبضہ تھا۔ صلیبی اور یہودی، مسلمانوں کی کردارکشی میں اس حد تک کامیاب ہو چکے تھے کہ کسی بھی مسلمان سالار کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ سلطنت اسلامیہ کا وفادار ہے۔ زنگی اور ایوبی کے لیے یہ غدار بہت بڑا مسئلہ بن گئے تھے۔ ۱۱۷۵ء۔۱۱۷۴ء میں سلطان ایوبی اور فلسطین کے درمیان کلمہ گو بھائی حائل ہو گئے تھے۔ صلیبی دُور بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔ سلطان ایوبی ہر میدان میں صلیبیوں کو شکست پہ شکست دیتا چلا آ رہا تھا مگر صلیبیوں نے مسلمان اُمراء کو ہی اُس کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ اس کا بے حد تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ نورالدین زنگی کا اپنا بیٹا الملک الصالح اسماعیل اُس کی وفات کے بعد سلطان ایوبی کے مخالف کیمپ میں چلا گیا۔

وہ بادشاہ جو اپریل ۱۱۷۵ء میں ایک جھونپڑے میں بیٹھا تھا، الملک الصالح کا اتحادی سیف الدین غازی تھا۔

ان کا تیسرا اتحادی گمشتگین تھا۔ آپ اس معرکے کی تفصیل پڑھ چکے ہیں جس میں سلطان ایوبی نے ان تینوں کی متحدہ فوج کو ایسی شرمناک شکست دی تھی کہ تینوں اپنی اپنی فوج کے مرکز (ہیڈ کوارٹر) کے خیمے ساز و سامان سمیت چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اُن کے جو جنگی قیدی سلطان ایوبی کی فوج نے پکڑے تھے، انہیں مسلمان سمجھ کر رہا کر دیا گیا تھا۔ یہ سلطان ایوبی کی قوم پرستی اور کشادہ ظرفی تھی جو اُسے مہنگی پڑی۔ یہ قیدی واپس گئے تو انہیں فوج میں لے کر چند دنوں میں بکھری ہوئی فوجیں منظم کر لی گئیں۔ یہ تو چند دنوں بعد کی بات ہے۔ میدانِ جنگ سے الملک الصالح، سیف الدین غازی اور گمشتگین کا بھاگنا بڑا عجیب تھا۔ انہیں ایک دوسرے کا ہوش نہیں تھا۔ گمشتگین حرن کا قلعہ دار تھا جو بغداد کی خلافت کے تحت تھا لیکن جنگ سے پہلے اُس نے خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ وہ بھاگا تو حرن جانے کی بجائے حلب چلا گیا جسے الملک الصالح نے اپنا دارالخلافہ بنا رکھا تھا۔ وہ اس خوف سے حرن نہیں گیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی تعاقب میں آکر اُسے پکڑ لے گا۔

سیف الدین ایک اور شہر موصل اور اس کے مضافات کا حکمران امیر تھا۔ وہ حکمران ہی نہیں، سالار بھی تھا۔ میدانِ جنگ کے داؤ پیچ سے واقف تھا، جنگجو تھا مگر اُس نے اپنا ایمان بیچ ڈالا تھا جو مومن کی تلوار بھی ہوتا ہے، ڈھال بھی۔ وہ میدانِ جنگ میں بھی حرم کی چیدہ چیدہ لڑکیوں اور ناچنے والیوں کو ساتھ لے گیا تھا۔ شراب کے مٹکوں کے علاوہ خوب صورت پرندے بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہ عیش و عشرت کا یہ سارا سامان وہیں چھوڑ کر بھاگا تھا۔ اُس کے ساتھ بھاگنے والوں میں اُس کا نائب سالار اور ایک کمان دار بھی تھا۔ اُسے موصل جانا تھا لیکن سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دشمن کے عقب میں چلے گئے تھے۔ انہوں نے دشمن کی بکھری ہوئی فوج کے لیے پسپائی محال کر دی تھی۔

سیف الدین اور اُس کے دونوں ساتھیوں نے شاید چھاپہ ماروں کی کوئی پارٹی دیکھ لی تھی جس سے بچنے کے لیے وہ موصل کے راستے سے بھٹک گئے۔ یہ علاقہ اُس دور میں عجیب تھا۔ ریگستان بھی تھا، چٹانی بھی اور کہیں سرسبز بھی۔ وہاں اُنہیں چھپنے کی جگہیں ملتی رہیں۔ وہ موصل سے تھوڑی ہی دور تھے۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ انہیں چاندنی رات میں کچھ مکان نظر آئے۔ سیف الدین نے پہلے ہی مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک سفید ریش بوڑھا باہر آیا۔ اُس کے سامنے تین گھوڑ سوار کھڑے تھے جو اِس قدر بُری طرح ہانپ رہے تھے کہ بوڑھے نے پوچھا...... ''معلوم ہوتا ہے تم بھی موصل کی فوج کے سپاہی ہو اور بھاگ کر آئے ہو۔ میں دو دنوں سے سپاہیوں کو گزرتے دیکھ رہا ہوں۔ وہ پانی پینے کے لیے رُکتے ہیں اور موصل کو چلے جاتے ہیں''۔

''یہاں سے موصل کتنی دُور ہے؟'' سیف الدین نے پوچھا۔

''اگر تمہارے گھوڑوں میں دم ہے تو سحری تک پہنچ سکتے ہو''۔ بوڑھے نے کہا...... ''یہ گاؤں موصل کا ہی ہے''۔

''اگر تمہارے پاس جگہ ہو تو کیا ہم رات تمہارے ہاں گزار سکتے ہیں؟'' سیف الدین نے پوچھا۔

''جگہ دِل میں ہوا کرتی ہے''۔ بوڑھے نے جواب دیا۔ ''گھوڑوں سے اُترو اور اندر چلو''۔

☆

ایک کمرے میں وہ تینوں مشعل کی روشنی میں بیٹھے تو بوڑھے نے اُن کے لباس غور سے دیکھے۔

''ہمیں پہچاننے کی کوشش کر رہے ہو؟'' سیف الدین نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں دیکھتا ہوں کہ تم سپاہی نہیں ہو؟'' بوڑھے نے کہا...... ''تمہارا رُتبہ سالاری تک ہو سکتا ہے''۔

''یہ والیٔ موصل سیف الدین غازی ہیں''۔ نائب سالار نے کہا ... ''تم نے کسی معمولی آدمی کو پناہ نہیں دی، تمہیں اس کا انعام ملے گا۔ میں نائب سالار ہوں اور یہ کمان دار ہیں''۔

''ایک بات غور سے سن لو میرے بزرگ!'' سیف الدین نے کہا...... ''ہوسکتا ہے ہمیں تمہارے گھر زیادہ دن رُکنا پڑے۔ ہم دن کے وقت باہر نہیں نکلیں گے، کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہم یہاں ہیں۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو تمہیں سزا ملے گی اور اگر تم نے یہ راز چھپائے رکھا تو انعام ملے گا جو مانگو گے، ملے گا''۔

''میں نے والیٔ موصل کو پناہ نہیں دی''۔ بوڑھے نے کہا...... ''آپ بھولے بھٹکے، مصیبت کے مارے میرے ہاں آئے ہیں۔ جتنے دن رہیں گے، خدمت کروں گا۔ اگر آپ چھپ کر رہنے کے خواہش مند ہیں تو چھپائے رکھوں گا اور مجھے آپ کے ساتھ اس لیے بھی دلچسپی ہے کہ میرا بیٹا آپ کی فوج میں سپاہی ہے''۔

''ہم اُسے ترقی دیں گے''۔ نائب سالار نے کہا۔

''اگر آپ اُسے فوج سے سبکدوش کر دیں تو میرے لیے یہ بہت بڑا انعام ہوگا۔'' بوڑھے نے کہا۔

''ہاں''۔ سیف الدین نے کہا...... ''ہم اُسے فوج سے سبکدوش کر دیں گے، ہر باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کا بیٹا زندہ رہے''۔

''میں نے اُس کی زندگی کی آرزو کبھی نہیں کی''۔ بوڑھے نے کہا...... ''میں نے اُسے اپنی قوم کی فوج میں بھیج کر خدا کے سپرد کر دیا تھا۔ میں بھی سپاہی تھا۔ آپ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے جب میں فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ اللہ آپ کے والد مرحوم قطب الدین کو جنت عطا فرمائے۔ میں اُن کے دور میں سپاہی تھا۔ ہم نے کفار کے خلاف معرکے لڑے ہیں مگر میرے بیٹے کو آپ اپنے بھائیوں کے خلاف لڑانے لے گئے ہیں۔ میں اُس کی شہادت کا آرزومند تھا، موت کا نہیں''۔

''صلاح الدین ایوبی نام کا مسلمان ہے''۔ سیف الدین نے کہا...... ''اس کے خلاف جنگ جائز ہے، بلکہ فرض ہے''۔

''محترم بزرگ!'' نائب سالار نے کہا...... ''اِن باتوں کو آپ نہیں سمجھ سکتے، ہم بہتر جانتے ہیں کہ کون مسلمان اور کون کافر ہے''۔

''میرے بیٹو!'' بوڑھے نے کہا...... ''عبرت حاصل کرو، میری عمر پچھتر سال ہوگئی ہے۔ میرا باپ نوے برس کی عمر میں مرا تھا اور اُس کا باپ پچاس برس کی عمر میں میدانِ جنگ میں شہید ہوا تھا۔ دادا نے اپنے وقتوں کے قصے کہانیاں میرے باپ کو سنائے تھے۔ میرے باپ نے وہ میرے سینے میں ڈال دیئے تھے۔ اس طرح میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ بادشاہی کی ہوس نے جسے بھی بھائی سے لڑایا وہ ایک نہ ایک دن بھاگ کر کسی غریب کے جھونپڑے میں جا چھپا۔ جو تم سے پہلے گزر گئے ہیں اُن کا بھی یہی انجام ہوا تھا۔ تمہاری تین فوجوں کو صلاح الدین ایوبی کی ایک فوج نے پسپا کیا ہے اور جس حالت میں پسپا کیا ہے وہ دو دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ دس فوجیں ہوتیں تو وہ بھی اسی طرح بھاگتیں جو حق پر ہوتے ہیں وہ فتح حاصل کرتے ہیں اور جب انہیں شکست ہوتی ہے تو وہ بھاگتے نہیں، اُن کی لاشیں میدانِ جنگ سے اُٹھائی جاتی ہیں۔ وہ چھپتے نہیں''۔

''تم صلاح الدین ایوبی کے حامی معلوم ہوتے ہو''۔ سیف الدین نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غصے کی جھلک تھی۔ ''ہمیں تم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے''۔

''میں آپ کا حامی ہوں''۔ بوڑھے نے کہا..... ''میں اسلام کا حامی ہوں۔ میں اپنے تجربے کی روشنی میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنے بھائیوں کے دشمن کو دوست سمجھا اور یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ آپ کے مذہب کا دشمن ہے۔ آپ کی شکست کا سبب یہی ہے۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں، اگر صلاح الدین ایوبی کی فوج یہاں اچانک آ گئی تو آپ کو چھپائے رکھوں گا، دھوکہ نہیں دوں گا''۔

اتنے میں ایک جوان اور خوب صورت لڑکی کھانا لے کر کمرے میں آئی۔ اُس کے پیچھے ایک جوان عورت آئی۔ اُس کے ہاتھ میں بھی کھانا تھا۔ سیف الدین کی نظریں لڑکی پر جم گئیں۔ وہ کھانا رکھ کر چلی گئیں تو سیف الدین نے بوڑھے سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔

''چھوٹی میری بیٹی ہے''۔ بوڑھے نے جواب دیا..... ''اور بڑی میری بہو۔ میرے اُس بیٹے کی بیوی جو آپ کی فوج میں ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری بہو بیوہ ہو گئی ہے''۔

''اگر تمہارا بیٹا مارا گیا تو میں تمہیں بے اندازرقم دوں گا''۔ سیف الدین نے کہا..... ''اور اپنی بیٹی کے متعلق تمہیں کوئی فکر نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کسی جھونپڑے میں کسی سپاہی کی دلہن بن کر نہیں جائے گی۔ ہم نے اسے اپنی زوجیت کے لیے پسند کر لیا ہے''۔

''میں نے نہ اپنا بیٹا بیچا ہے، نہ بیٹی کو بیچوں گا''۔ بوڑھے نے کہا..... ''جھونپڑے میں پل کر جوان ہونے والی بیٹی کسی سپاہی کے جھونپڑے میں ہی اچھی لگتی ہے۔ میں آپ سے ایک بار پھر درخواست کرتا ہوں کہ مجھے لالچ نہ دیں۔ آپ میرے مہمان ہیں۔ میزبانی کا ہر فرض ادا کروں گا''۔

''تم سو جاؤ''۔ سیف الدین نے بوڑھے سے کہا..... ''ہمیں تم پر بھروسہ ہے اور خوشی ہے کہ ہماری ریاست میں تم جیسے صاف گو اور با اصول بزرگ موجود ہیں''۔

بوڑھا چلا گیا تو سیف الدین نے اپنے ساتھیوں سے کہا..... ''اس قسم کے انسان دھوکہ نہیں دیا کرتے..... تم نے اس کی بیٹی کو غور سے دیکھا تھا؟''

''اچھا موتی ہے''۔ نائب سالار نے کہا۔

''حالات ذرا بہتر ہو لیں تو یہ موتی اپنی جھولی میں ہوگا''۔ سیف الدین نے مُسکرا کر کہا، پھر چونک کر اپنے نائب سالار سے کہنے لگا..... ''تم موصل کی خبر لو، فوج کو یکجا کرو، صلاح الدین ایوبی کی سرگرمیاں بھانپو اور مجھے بہت جلدی بتاؤ کہ میں موصل آ جاؤں یا کچھ دیر زِکا رہوں..... اور تم.....'' اُس نے کمان دار سے کہا..... ''حلب والوں کو بتا دو کہ میں کہاں ہوں۔ خود جاؤ یا کسی کو بھیجو''۔

دونوں روانہ ہو گئے۔ سیف الدین جو شراب میں بدمست ہو کر حسین سے حسین تر لڑکیوں سے دِل بہلا کر محل میں سونے کا عادی تھا، ایک کچے سے مکان کے فرش پر سو گیا۔

☆

اس سے ایک روز پہلے کا واقعہ ہے کہ میدانِ جنگ سے ایک سپاہی بھاگا ہوا موصل کی طرف جا رہا تھا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا تھا، رُکتا تھا اور آہستہ آہستہ چلانے لگتا تھا۔ کبھی گھوڑا روک کر گھبراہٹ کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھتا تھا۔ وہ عام راستے سے کچھ ہٹ کر جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُس پر خوف طاری ہے اور اُس کا ذہن اُس کے قابو میں نہیں۔ ایک جگہ اُس نے

گھوڑا روکا، اُترا اور قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو زاروقطار رو پڑا، وہاں سے وہ اُٹھا نہیں۔ سر ہاتھوں میں لے کر بیٹھا رہا۔

یہ فوجیں جب سلطان ایوبی سے شکست کھا کر بکھری اور پسپا ہوئی تھیں، سلطان ایوبی کے کئی ایک جاسوس اُن میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا طریقہ تھا کہ دشمن جب پسپا ہوتا تھا تو کچھ جاسوس بھاگے ہوئے سپاہیوں یا جنگ کی زد میں آئے ہوئے گاؤں کے مہاجرین کے بہروپ میں دشمن کے علاقے میں چلے جاتے اور دشمن کی تنظیم نو، عزائم اور دیگر کوائف دیکھ کر اطلاعیں فراہم کرتے تھے۔ دمشق سے جب الملک الصالح اپنی فوج کے ساتھ بھاگا تھا تو بھی جاسوسوں کی خاصی تعداد فوج اور بھاگے ہوئے شہریوں کے ساتھ چلی گئی تھی۔ جیسا کہ پہلے وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی آدھی جنگ جاسوسی کے نظام سے جیت لیا کرتا تھا۔ جاسوسی کے لیے جن آدمیوں کو منتخب کیا جاتا، وہ غیر معمولی طور پر ذہین، ٹھنڈے مزاج والے، فیصلے کی اہلیت اور خوداعتمادی رکھنے والے لڑاکے اور پھرتیلے ہوتے تھے۔

اپریل ۱۱۷۵ء میں سلطان ایوبی نے اپنے مسلمان دشمنوں کی متحدہ فوج کو شکست دی تو اُس کی انٹیلی جنس کے سربراہ، حسن بن عبداللہ نے اُن جاسوسوں کو جو اس کام کے لیے تربیت یافتہ تھے، دشمن کی بکھری ہوئی فوج میں شامل ہو کر حلب، موصل اور حرن تک جانے اور دشمن کے آئندہ عزائم معلوم کرنے کو بھیج دیا۔ اُن میں بعض دشمن کی فوج کے لباس میں تھے اور بعض دیہاتی لباس میں۔ اُن کا جانا بہت ہی ضروری تھا، کیونکہ یہ خطرہ ہر لحظہ موجود تھا کہ دشمن تنظیم نو (ری گروپنگ) کر کے جوابی حملہ کرے گا۔ سلطان ایوبی نے دشمن کو جو نقصان پہنچایا تھا، اس سے اُسے اندازہ تھا کہ دشمن ری گروپنگ میں خاصے دن صرف کرے گا۔ دشمن کی تین فوجیں تھیں۔ سلطان ایوبی کو یہ بھی معلوم تھا کہ اُس کے تینوں دشمن دِلی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ نہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک کی خواہش یہ تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو شکست دے کر سلطنت اسلامیہ کا مختارِ کُل اور شہنشاہ بن جائے۔ وہ ایک دوسرے کے بھی خلاف تھے مگر فی الحال صورت یہ تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو اپنا مشترک دشمن سمجھتے تھے۔ اِس لیے یہ امکان موجود تھا کہ وہ تینوں فوجوں کو ایک فوج کی صورت میں منظم کر لیں گے اور جوابی حملہ کریں گے۔

سلطان ایوبی یہ بھی جانتا تھا کہ عیاشیوں کے دلدادہ میدانِ جنگ میں نہیں ٹھہر سکتے، لیکن اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اُس کے دشمنوں کو صلیبیوں کی مدد اور پشت پناہی حاصل ہے اور اُن کے پاس صلیبی مشیر بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمان سالاروں میں دو تین ایسے تھے جو قیادت کی اہلیت رکھتے تھے۔ اِن میں مظفر الدین ابنِ زین الدین خاص طور پر قابلِ ذکر تھا۔ وہ سلطان ایوبی کی فوج میں سالار رہ چکا تھا، اس لیے سلطان ایوبی کے داؤ و پیچ کو خوب سمجھتا تھا۔ صلیبی مشیروں اور مظفر الدین جیسے سالاروں نے سلطان ایوبی کو بہت چوکس کر دیا تھا۔

اُسے جو عنصر زیادہ پریشان کر رہا تھا وہ اُس کی اپنی فوج کی کیفیت تھی جو تسلی بخش کہلائی جا سکتی تھی لیکن یہ خطرہ تھا کہ وہ فوری طور پر دوسری جنگ نہیں لڑ سکے گا۔ جانی نقصان کم نہ تھا۔ دشمن کو شکست تو دے دی گئی تھی مگر کچھ قیمت بھی دینی پڑی تھی جو تھوڑی نہیں تھی۔ سلطان ایوبی کے لیے ایک مشکل یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مستقر سے دُور تھا۔ رسد اس کے ساتھ تھی لیکن طویل جنگ کی صورت میں رسد کی کیفیت مخدوش ہو سکتی تھی۔ اُس نے قریبی آبادیوں سے بھرتی شروع کرا دی تھی۔ لوگ بھرتی ہو رہے تھے۔ اِن میں زیادہ تر تیغ زنی، تیر اندازی اور گھوڑ سواری سے واقف تھے، لیکن فوج کی صورت میں لڑانے کے لیے ٹریننگ کی ضرورت تھی۔ ٹریننگ شروع کر دی گئی تھی اور اُس کے ساتھ ہی سلطان ایوبی نے پیش قدمی جاری رکھی تا کہ کام کے علاقوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ اُسے بعض مقامات مزاحمت کے بغیر مل گئے اور وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں

دُور دُور تک سبزہ ہی سبزہ تھا اور پانی کی افراط تھی۔ فوج اور جانور تھک کر چور ہو چکے تھے۔ جانوروں کی یہ حالت تھی کہ اتنا زیادہ سبزہ اور پانی دیکھ کر وہ بھول ہی گئے کہ اُن کا استعمال اور فرائض کیا ہیں۔

سلطان ایوبی نے وہیں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ دیکھ بھال کے دستے موزوں جگہوں پر بھیج دیئے۔ جاسوس پہلے ہی چلے گئے تھے۔ اُسے حکم دینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ یہ نظام ایک مشین کی طرح از خود چلتا تھا۔ یہ مقام جہاں سلطان ایوبی نے قیام کیا تھا ترکمان کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا پورا نام حباب الترکمان (ترکمان کا کنوآں) تھا۔

''بھرتی اور تیز کردو''۔ سلطان ایوبی نے اپنی مرکزی کمان کی پہلی کانفرنس میں کہا..... ''اجتماعی طور پر لڑنے کی تربیت اور زیادہ تیز کردو۔ خدا نے تم پر کرم کیا ہے کہ تمہیں بڑا ہی احمق دشمن دیا ہے۔ اگر ان لوگوں میں کچھ سوجھ بوجھ ہوتی تو وہ پسپا ہو کر اس جگہ اکٹھے ہو جاتے۔ جنگی جانوروں اور سپاہیوں کے لیے یہ مقام جنت سے کم نہیں۔ یہاں تمہارے جانور اتنا چارہ کھالیں گے کہ دس روز بغیر چارے کے لڑسکیں گے..... میرے دوستو! دشمن کو حقیر نہ سمجھنا۔ فوج کو آرام دو لیکن تیاری کی حالت میں رہنا۔ طبیبوں سے کہو کہ راتوں کو نہ سوئیں، زخمیوں کو بہت جلد صحت یاب کریں اور بیماروں کو دن رات نگرانی میں رکھیں..... اور یاد رکھو، ہمارا مقصد اپنے بھائیوں کو قتل کرنا یا انہیں بُرا بھلا کہنا اور دھتکارنا نہیں۔ ہماری منزل فلسطین ہے، اگر آپس میں دست و گریبان ہوتے رہے تو صلیبی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ نظر فلسطین پر رکھو اور راستے میں جو رکاوٹ آئے، اسے روندتے چلے جاؤ''۔

اسی مقام پر سلطان صلاح الدین ایوبی کو الملک الصالح کی طرف سے صلح کا پیغام ملا تھا جس کا تفصیلی تذکرہ پچھلی قسط میں کیا گیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اپنی شرائط پر صلح نامہ قبول کرلیا تھا۔ اس سے اُسے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ اُس کے دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ سلطان ایوبی نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ اپنے بھائیوں کو دشمن نہیں سمجھتا عالی ظرفی کا یہ مظاہرہ کیا تھا کہ اُس نے دشمن کے جو جنگی قیدی پکڑے تھے، انہیں مختصر سا وعظ دے کر رہا کر دیا تھا۔ الملک الصالح کے صلح نامے پر اپنی مہر ثبت کرنے سے پہلے بھی اُس نے کوئی کڑی شرط نہ رکھی، کیونکہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو ذہن نشین کرانا چاہتا تھا کہ تمہارا دشمن میں نہیں ہوں، صلیبی ہیں۔

اس پیغام نے اُسے جو اطمینان دیا تھا، وہ تین چار دنوں سے زیادہ نہ رہا، کیونکہ اُسے الملک الصالح کا ایک اور پیغام ملا۔ اُس نے کھول کر دیکھا تو یہ اُس کے نام نہیں بلکہ سیف الدین غازی کے نام تھا جو غلطی سے قاصد سلطان ایوبی کے پاس لے آیا تھا۔ (پچھلی قسط میں اس پیغام کا بھی تفصیلی ذکر کیا گیا ہے) اس پیغام سے یہ ظاہر ہوا کہ سیف الدین غازی (سلطان ایوبی کا دشمن نمبر دو) نے الملک الصالح کو لکھا تھا کہ اُس نے سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کر کے غلطی کی ہے اور اپنے اتحادیوں کو دھوکہ دیا ہے۔ سیف الدین کے اُس پیغام کے جواب میں الملک الصالح نے اُسے لکھا تھا کہ تم لوگ بے فکر رہو، میں نے صلاح الدین ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا ہے تاکہ وہ اس حالت میں ہم پر نہ آدھمکے، جبکہ ہماری فوجیں فوری طور پر مقابلے کے لیے تیار نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کی نظر حلب پر ہے۔ اُس کی فوج بھی ابھی حملے کے لیے تیار نہیں۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے اُسے صلح کا جھانسہ دیا ہے۔ تم لوگ اپنی اپنی فوج کو منظم کرو۔ صلیبی مشیر میری فوج کو تیزی سے منظم اور تیار کر رہے ہیں۔ تم مجھ سے اتفاق کرو گے کہ ہم ابھی لڑنے کے قابل نہیں۔

اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ الملک الصالح نور الدین زنگی کا بیٹا تھا جس کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔ نور الدین زنگی فوت ہو گیا تو انتظامیہ اور فوج کے مفاد پرست حکام بالا نے الملک الصالح کو نور الدین زنگی کا جانشین بنا کر اُسے سلطان

کا خطاب دے دیا، پھر اُسے اپنے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنالیا۔ سلطنت اسلامیہ بکھرنے لگی۔ سلطان ایوبی مصر سے دمشق گیا۔ الملک الصالح اور اس کے حواری دمشق کی فوج کے کچھ حصے کے ساتھ بھاگ کر حلب چلے گئے اور اس شہر کو دارالسلطنت بنا لیا۔ الملک الصالح کو حواری استعمال کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو صلح کا دھوکہ انہیں لوگوں نے صلیبی مشیروں کے مشورے سے دیا تھا مگر پیغام سیف الدین کے پاس جانے کی بجائے سلطان صلاح الدین کے ہاتھ آ گیا۔ یہ اُس دور کی تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ قاصد یہ پیغام غلطی سے سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا، لیکن مسلمان مورخین نے جن میں سراج الدین قابلِ ذکر ہے، وثوق سے لکھا ہے کہ قاصد سلطان صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا۔

سلطان ایوبی کو اس پیغام نے پریشان کر دیا لیکن اُس نے پریشانی سے متاثر ہو کر فوری طور پر کوچ اور حملے کا حکم نہ دیا۔ دشمن کی طرح اُسے بھی اپنی فوج کی کیفیت کو بہتر بنانے کی ضرورت تھی۔ اُس کے پیشِ نظر سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ اُس کا دشمن اپنے مستقر کے قریب تھا اور وہ خود مستقر سے بہت دُور۔ رسد کا راستہ طویل اور غیر محفوظ ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اندھا دھند پیش قدمی کا قائل نہ تھا۔ جاسوسوں کی مستند رپورٹوں کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھتا تھا۔ اس کی بجائے وہ دشمن کو آگے آنے کی مہلت دیتا تھا۔ چنانچہ اُس نے حسن بن عبداللہ سے کہا کہ وہ کچھ اور جاسوس دشمن کے علاقے میں بھیج دے جو بہت جلدی معلومات حاصل کر کے بھیجیں۔ اس کے علاوہ اُس نے کچھ اور ضروری انتظامات کیے۔ اُس نے اپنی مرکزی کمان سے کہا کہ وہ حملہ نہیں کرے گا، بلکہ دشمن کو حملے کی مہلت دے گا تا کہ وہ اپنے اڈے سے دُور نکل آئے۔ اِن ہدایات کے بعد وہ دُور دُور کی زمین کا جائزہ لینے لگا جہاں اُسے دشمن کو لڑانا تھا۔

☆

ذکر اُس سپاہی کا ہو رہا تھا جو میدانِ جنگ سے بھاگ کر موصل کی سمت جا رہا تھا۔ وہ موصل یعنی سیف الدین غازی کی فوج کا سپاہی تھا۔ اس فوج کا بہت سارا حصہ تو اجتماعی طور پر پسپا ہوا تھا جو سپاہی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تھے، وہ بکھر کر اکیلے اکیلے بھاگ گئے تھے۔ یہ سپاہی اکیلے بھاگنے والوں میں سے تھا۔ وہ پریشانی کے عالم میں تھا۔ اُس نے ایک جگہ گھوڑا روکا، نماز پڑھی اور دعا کرتے رو پڑا۔ پھر وہ اُٹھا نہیں، سر ہاتھوں میں لے کر بیٹھا رہا۔ ایک گھوڑ سوار اُس کے قریب جا رُکا۔ سپاہی عالمِ خیال میں ایسا محو تھا کہ گھوڑے کے قدموں کی آہٹ بھی اُسے بیدار نہ کر سکی۔ سوار گھوڑے سے اُترا اور سپاہی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ تب اُس نے بدک کر اوپر دیکھا۔

''یہ تو میں بتا سکتا ہوں کہ تم میدانِ جنگ سے پسپا ہو کر آئے ہو''۔ سوار نے اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن تم اس طرح کیوں بیٹھے ہو؟ اگر زخمی ہو تو میں کچھ مدد کروں؟''

''میرے جسم پر کوئی زخم نہیں''۔ سپاہی نے جواب دیا اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہا..... ''میرے دل میں گہرا زخم آیا ہے''۔

یہ گھوڑ سوار جو اُس کے پاس آ بیٹھا تھا، سلطان ایوبی کے اُن جاسوسوں میں سے تھا جنہیں دشمن کی پسپائی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دشمن کے علاقوں میں جانے کو بھیجا گیا تھا۔ اُس کا نام داؤد تھا۔ ٹریننگ کے مطابق وہ اس سپاہی کا غور سے جائزہ لے رہا تھا۔ اُسے وہ استعمال کر سکتا تھا۔ اپنی ذہانت سے وہ سمجھ گیا کہ یہ سپاہی جذباتی لحاظ سے اُکھڑا ہوا ہے اور یہ شکست کی دہشت کا اثر ہے۔ اُس نے سپاہی کے ساتھ ایسی باتیں کیں کہ سپاہی کے دل میں جو غبار تھا وہ باہر آ گیا۔

''سپاہ گری میرا خاندانی پیشہ ہے''۔ سپاہی نے کہا..... ''میرا باپ سپاہی تھی، دادا بھی سپاہی تھا۔ سپاہ گری ہمارا ذریعۂ معاش بھی ہے اور ہماری رُوح کی غذا بھی۔ میں اللہ کا سپاہی ہوں۔ اپنے مذہب اور اپنی قوم کے لیے لڑتا ہوں۔

ہے معلوم تھا کہ صلیبی ہمارے مذہب کے بدترین دشمن ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارا قبلۂ اوّل صلیبیوں کے قبضے میں ہے۔ میرے باپ نے مجھے دوستی اور دشمنی کی تاریخ زبانی سنائی تھی۔ میں اسلامی جذبے سے فوج میں شامل ہوا تھا۔ تھوڑا رصہ گزرا ہمیں بتایا جانے لگا کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کا دوست ہے اور بدکار آدمی ہے۔ اس سے پہلے ہم سنتے تھے کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کے خلاف لڑ رہا ہے اور صلیبی اُس سے ڈرتے ہیں اور وہ صلیبیوں سے قبلۂ اوّل آزاد کرائے گا۔ ہماری فوج کے امام نے بھی ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف بہت بُری بُری باتیں بتائیں......

''ہم اپنی ریاست کے والی سیف الدین غازی کو سچا سمجھتے رہے۔ ایک روز ہماری فوج کو کوچ کا حکم ملا۔ ہم بھر آئے تو جنگ ہوئی۔ جنگ کے دوران ہمیں پتہ چلا کہ ہم مسلمان فوج کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ یہ صلاح الدین ایوبی کی فوج تھی۔ اس فوج کے سپاہی نعرے لگا رہے تھے...... ''حق کے خلاف نہ لڑو مسلمانو۔ تمہارے دشمن صلیبی ہیں، ہم نہیں، ہمارا ساتھ دو، قبلۂ اوّل کو آزاد کراؤ، عیاش حکمرانوں کے لیے نہ لڑو، میں نے اُس فوج کے جھنڈے دیکھے جن پر کلمۂ طیبہ لکھا ہوا تھا...... میرے دوست! میں نے اُن سپاہیوں کو جس طرح لڑتے دیکھا، اُس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اللّٰہ ان کے ساتھ ہے، ہمارے ساتھ نہیں۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ تیر کدھر سے آ رہے ہیں اور شعلے کہاں سے اُٹھ رہے ہیں......

''ایک جگہ چٹان پھٹی ہوئی تھی۔ میرے دل پر موت کا نہیں، خدا کا خوف ایسا طاری ہوا کہ میرے بازوؤں میں طاقت نہ رہی کہ تلوار کا وزن اُٹھا سکتے۔ گھوڑے کی باگیں کھینچے کی ہمت نہ رہی۔ میں نے گھوڑا پھٹی ہوئی چٹان کے اندر کر لیا۔ میں بزدل نہیں ہوں مگر میرا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ باہر تلواریں ٹکرا رہی تھیں، گھوڑوں کا شور تھا اور مجھے نعرے سنائی دے رہے تھے...... ''رمضان شریف میں بھائیوں کے خلاف نہ لڑو'' ...... مجھے یاد آیا کہ ہمیں حکم ملا تھا کہ جنگ میں روزے معاف ہوتے ہیں۔ مجھے پتہ چلا کہ صلاح الدین ایوبی کے سپاہی روزے سے تھے۔ میں اُس وقت تک اُن میں سے تین سپاہیوں کو قتل کر چکا تھا۔ اُن کا خون میری تلوار پر جم گیا تھا۔ سپاہی اپنی تلوار پر خون دیکھ کر خوش ہوا کرتا ہے مگر میں اپنی تلوار کو دیکھنے سے گھبرا رہا تھا کیونکہ میری تلوار کے ساتھ میرے بھائیوں کا خون تھا......

''مجھ میں اب وہاں سے باہر نکلنے اور لڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں وہیں دبکا رہا۔ صلاح الدین ایوبی کے ایک سوار نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے للکارا۔ اُس نے برچھی مجھ پر سیدھی کی۔ میں نے خون آلود تلوار اُس کے گھوڑے کے قدموں میں پھینک دی اور کہا...... ''میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں، نہیں لڑوں گا'' ...... گھمسان کی جنگ کچھ دُور تھی۔ یہ سوار شاید چھاپہ مار تھا اور چھپے ہوئے سپاہیوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ آگے آ گیا اور مجھ سے پوچھا...... ''تمہیں احساس ہو گیا ہے کہ تم خدا کے سچے مسلمانوں کے خلاف لڑ رہے ہو؟'' ...... میں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا اور کہا کہ یہ گناہ مجھ سے کرایا گیا ہے۔ مجھے گمراہ کیا گیا ہے۔ اُس نے مجھ سے برچھی لے لی۔ تلوار تو میں پہلے ہی پھینک چکا تھا۔ اُس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا......

''خدا سے اپنے گناہ کی بخشش مانگو اور اُدھر کو نکل جاؤ۔ پیچھے نہ دیکھنا۔ میں اللّٰہ کے حکم سے تمہاری جان بخشی کرتا ہوں'' ......

''میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ میدانِ جنگ میں دشمن جان بخشی نہیں کیا کرتا۔ میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جو راستہ اُس نے بتایا تھا، گھوڑا اُس پر ڈال دیا۔ وہ محفوظ راستہ تھا۔ میں میدانِ جنگ سے دُور نکل آیا۔ رات کو میں ایک جگہ رُکا اور سو گیا۔ خواب میں مجھے وہ تین سپاہی نظر آئے، جنہیں میں نے جنگ میں قتل کیا تھا۔ اُن کے جسموں سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ میرے اِردگرد آہستہ آہستہ گھوم رہے تھے۔ اُن کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ وہ مجھے کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ خاموش تھے۔ میرے دل پر ایسا خوف طاری ہو رہا تھا جس سے جسم سے جان نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے بچوں کی طرح

چیخنا شروع کر دیا اور میری آنکھ کھل گئی۔ اتنی ٹھنڈی رات میں بھی میرے جسم سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ خوف سے مرا جا رہا تھا۔ میں نفل پڑھنے لگا اور روتا رہا......

''میں تین چار دنوں سے بھٹک رہا ہوں۔ رات کو میں سو نہیں سکتا۔ دن کو کہیں چین نہیں آتا۔ رات کو خواب میں اُن تین سپاہیوں کو دیکھتا ہوں جو میری تلوار سے قتل ہوئے ہیں اور دن کے وقت اِن ویرانوں میں وہ مجھے اپنے اردگرد گھومتے محسوس ہوتے ہیں، نظر نہیں آتے۔ اگر وہ سوار جس نے مجھے چٹان میں چھپا ہوا دیکھ لیا تھا، مجھے قتل کر دیتا تو اچھا ہوتا۔ اُس نے میری جان بخشی کر کے مجھ پر بہت بڑا ظلم کیا ہے، اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اپنے آپ کو ختم کر لیتا۔ میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین مجاہدوں کو قتل کیا ہے''۔

''تم زندہ رہو گے''۔ داؤد نے اُسے کہا...... ''یہ خدا کی رضا ہے کہ تم مرو گے نہیں۔ میدانِ جنگ سے تم زندہ نکل آئے ہو، تمہارے پاس خودکشی کرنے کے لیے کوئی ہتھیار نہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے تم سے کوئی نیکی کا کام کرانے کے لیے زندہ رکھا ہے۔ خدا نے تمہیں موقع دیا ہے کہ گناہ کا کفارہ ادا کر دو''۔

''تم مجھے یہ بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی کے متعلق مجھے جو بُری بُری باتیں بتائی گئی تھیں وہ سچی ہیں یا جھوٹی؟''

''بالکل جھوٹی''۔ داؤد نے جواب دیا...... ''بات صرف یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کو یہاں سے نکال کر خدا کی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے اور سیف الدین اور اُس کے دوست اپنی اپنی بادشاہی کے خواہش مند ہیں۔ انہوں نے صلیب کے پجاریوں کے ساتھ گہری دوستی کر لی ہے اور اُن کی مدد سے یہ سب صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے آئے تھے''...... داؤد نے اُسے پوری تفصیل سے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی کیا ہے اور کیا ارادے رکھتا ہے۔ موصل کے حکمران سیف الدین کے متعلق اُسے بتایا کہ وہ اتنا عیاش ہے کہ میدانِ جنگ میں بھی عیاشی کا سامان ساتھ لے گیا تھا۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ میں صلاح الدین ایوبی کے ان تین سپاہیوں کے خون کا خراج کس طرح ادا کر سکتا ہوں''۔ سپاہی نے داؤد سے پوچھا...... ''اگر یہ بوجھ میرے دل سے نہ اُترا تو میں بہت بُری موت مروں گا۔ اگر مجھے کہو تو میں والیٔ موصل سیف الدین کو قتل کر دوں''۔

''ایسی بھی کوئی ضرورت نہیں''۔ داؤد نے کہا...... ''تم پسند کرو گے کہ میں تمہارے ساتھ چلوں؟''

''تم کون ہو؟'' سپاہی نے پوچھا...... ''میں نے یہ تو تم سے پوچھا ہی نہیں کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آئے ہو، کہاں جا رہے ہو؟...... میرا نام حارث ہے''۔

''میں موصل جا رہا ہوں''۔ داؤد نے جھوٹ بولا...... ''وہیں کا رہنے والا ہوں۔ جنگ کی وجہ سے میں راستے سے دُور جا رہا ہوں۔ اگر تمہارا گاؤں راستے میں پڑتا ہے تو وہاں رُکوں گا''۔

''میرا گاؤں دُور نہیں''۔ سپاہی حارث نے کہا...... ''تم میرے گھر نہیں رُکو گے تو زبردستی روکوں گا۔ تم نے میری زخمی رُوح کو سکون دیا ہے۔ میں نے اتنی اچھی باتیں کبھی نہیں سنی تھیں۔ میں گھر ہی جاؤں گا۔ موصل کی فوج میں اب کبھی نہیں جاؤں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ تم مجھے نجات کا راستہ دکھا سکو گے''۔

☆

والیٔ موصل سیف الدین غازی بوڑھے کے کچے سے مکان میں فرش پر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ وہ کئی راتیں جاگا تھا۔ آج رات وہ اتنی گہری نیند سویا کہ مکان کے باہر والے دروازے پر دستک ہوئی تو اُس کی آنکھ نہ کھلی۔ رات آدھی گزر

گئی تھی۔ سفید ریش بوڑھے کی آنکھ کھل گئی۔ اُس کی بیٹی اور بہو بھی جاگ اُٹھیں۔ بوڑھے نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا...... ''معلوم ہوتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا بھگایا ہوا موصل کا کوئی اور کمان دار یا سپاہی آیا ہے۔ راستے میں گھر نہیں ہونا چاہیے''۔

اُس نے دروازہ کھولا تو باہر دو گھوڑے کھڑے تھے۔ سوار اُتر آئے تھے۔ حارث نے سلام کیا تو بوڑھا اُس کے ساتھ لپٹ گیا مگر اُس نے محبت کی بے تابی کا اظہار الفاظ میں نہ کیا۔ ''میرے عزیز بیٹے! مجھے خوشی ہے کہ حرام موت سے بچ آئے ہو، ورنہ جب تک میں زندہ رہتا لوگوں سے یہی سنتا رہتا کہ تمہارا بیٹا اسلامی فوج کے خلاف لڑا تھا''...... اُس نے اپنے بیٹے کے ساتھ داؤد کے ساتھ ہاتھ ملایا۔

داؤد کچھ کہنے لگا تھا۔ بوڑھے نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ دی، پھر سرگوشی میں کہا...... ''تمہارا بادشاہ اور سالارِ اعلیٰ سیف الدین غازی اندر سویا ہوا ہے۔ گھوڑے خاموشی سے دوسری طرف لے جا کر باندھ دو اور اندر آ جاؤ''۔

''سیف الدین غازی؟'' حارث نے حیرت سے کہا...... ''یہاں کیسے آ گیا ہے؟''

''شکست کھا کر''۔ بوڑھے نے سرگوشیوں میں جواب دیا...... ''اندر چلو''۔

گھوڑے دوسری طرف سے اندر لے جا کر باندھ دیئے گئے۔ داؤد اور حارث کو بوڑھا اندر لے گیا۔ حارث ہی اُس کا وہ سپاہی بیٹا تھا جس کے متعلق اُس نے سیف الدین کو بتایا تھا۔ حارث داؤد کو اُس کمرے میں لے گیا جہاں اُس کی بیوی اور جوان بہن تھی۔ اُس نے باپ سے کہا...... ''اس کا نام داؤد ہے۔ اس سے بہتر اور کوئی دوست نہیں ہو سکتا''۔

''کیا تم بھی بھاگ کر آئے ہو؟'' بوڑھے نے داؤد سے پوچھا۔

''میں فوجی نہیں ہوں''۔ داؤد نے جواب دیا...... ''موصل جا رہا ہوں، جنگ نے مجھے راستے سے ہٹا دیا تھا۔ حارث مل گیا تو میں اس کے ساتھ چل پڑا''۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ والیٔ موصل ہمارے گھر میں کیسے آیا ہے؟'' حارث نے اپنے باپ سے پوچھا۔

سفید ریش باپ نے اُسے بتایا کہ وہ کس طرح آیا ہے۔ ''آج ہی رات آیا ہے''۔ اُس نے کہا...... ''اُس کے ساتھ ایک نائب سالار اور کمان دار تھا۔ ان دونوں کو اُس نے کہیں بھیج دیا ہے۔ میرے کانوں میں اُس کے یہ الفاظ پڑے تھے کہ فوج کو یکجا کر دو اور مجھے بتاؤ کہ میں موصل آ جاؤں یا ابھی چھپا رہوں...... میں اُس وقت دروازے کے قریب تھا''۔

''کیا آپ نے اُس کی باتوں سے محسوس کیا ہے کہ یہ موصل کی فوج کو یکجا کر کے فوری طور پر لڑنا چاہتا ہے''۔ داؤد نے پوچھا۔

''ابھی تو وہ اتنا ڈرا ہوا ہے کہ مجھے کہتا تھا کہ کسی کو پتہ نہ چلنے دوں کہ یہ یہاں ہے''۔ بوڑھے نے جواب دیا...... ''میں اپنے تجربے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اس کا ارادہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کا ضرور ہے۔ اپنے کمان دار کو اُس نے موصل کی بجائے کسی اور طرف بھیجا ہے''۔

''میں اسے قتل کروں گا''۔ حارث نے کہا...... ''اس نے مسلمان کو مسلمان کے خلاف لڑایا ہے۔ اللہ اکبر کے نعرے لگانے والوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا ہے۔ مجھے پاگل کیا ہے''۔ وہ غصے سے بے قابو ہو کر اُٹھا۔ دیوار کے ساتھ اُس کے باپ کی تلوار لٹک رہی تھی۔ وہ لے لی۔

باپ نے پیچھے سے اُسے دبوچ لیا۔ داؤد نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔ حارث بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ باپ نے اُسے

کہا کہ پہلے میری بات سن لو۔ داؤد نے بھی اُسے روکا اور کہا کہ ایسے فیصلے کرنے سے پہلے سوچ لینا اچھا ہوتا ہے۔ ہم اسے قتل کر کے ہی چین کا سانس لیں گے لیکن پہلے آپس میں صلاح مشورہ کر لیں۔ حارث مان تو گیا لیکن پھنکار رہا تھا۔ غصے کی شدت سے اُس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

''اسے قتل کرنا کوئی مشکل کام نہیں''۔ بوڑھے نے اپنے بپھرے ہوئے بیٹے کو بٹھا کر کہا..... ''وہ گہری نیند سویا ہوا ہے۔ اسے تو میرے یہ ناتواں بازو بھی قتل کر سکتے ہیں۔ اس کی لاش کو چھپایا بھی جا سکتا ہے مگر اس کے جو دو ساتھی چلے گئے ہیں، وہ ہمیں چھوڑیں گے نہیں۔ وہ ہمیں شک میں پکڑ لیں گے۔ تمہاری جوان بیوی اور جوان بہن کے ساتھ بہت بُرا سلوک کریں گے۔ اگر ہم انہیں بتائیں گے کہ والی موصل چلا گیا ہے تو وہ نہیں مانیں گے، کیونکہ اس نے انہیں کہا ہے کہ وہ یہیں واپس آئیں''۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیف الدین کو سچا سمجھتے ہیں''۔ حارث نے کہا..... ''آپ مسلمان کے خلاف مسلمان کی لڑائی کو بھی جائز سمجھتے ہیں''۔

''یہ بھی ایک وجہ ہے کہ میں اسے اپنے گھر میں قتل نہیں کرنا چاہتا''۔ بوڑھے نے کہا۔ ''میں نے اسے صاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ میں اسے سچا نہیں سمجھتا۔ اس نے مجھے کہا کہ تم صلاح الدین ایوبی کے حامی معلوم ہوتے ہو۔ اس نے مجھے یہ لالچ بھی دیا ہے کہ اگر تمہارا بیٹا جنگ میں مارا گیا تو اس کے عوض بہت رقم دوں گا۔ میں نے اُسے کہا ہے کہ اپنے بیٹے کی شہادت کا خواہش مند ہوں، حرام موت یا رقم کا نہیں۔ سیف الدین میرے خیالات جان گیا ہے۔ اگر ہم نے اسے قتل کر کے لاش غائب کر دی تو اس کا نائب سالار فوراً مجھے پکڑے گا اور کہے گا کہ تم صلاح الدین ایوبی کے حامی ہو، اس لیے تم نے والی موصل کو قتل کر دیا ہے''۔

''داؤد بھائی!'' حارث نے داؤد سے پوچھا..... ''تم بتاؤ میں کیا کروں۔ تم نے میری جذباتی حالت دیکھی تھی۔ تم نے کہا تھا کہ خدا نے مجھے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لیے زندہ رکھا ہے۔ اس سے بڑھ کر نیکی کا اور کام کیا ہو سکتا ہے کہ حکمران کو قتل کر دوں جس نے ہزاروں مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرایا ہے۔ تم دانش مند انسان ہو''۔

''اس ایک آدمی کو قتل کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا''۔ داؤد نے کہا..... ''اس کے دوست بھی ہیں جو حلب میں ہیں اور حرن میں بھی۔ ان کے بہت سے سالار ہیں اور ان کی تین فوجیں ہیں۔ اکیلے سیف الدین کے قتل سے یہ سب صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار نہیں ڈال دیں گے۔ ہتھیار ڈلوانے کا طریقہ اور ہوتا ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان سب کو میدانِ جنگ میں ایسا بے بس کر دیا جائے کہ یہ ہتھیار ڈال دیں اور صلاح الدین ایوبی کی شرائط ماننے پر مجبور ہو جائیں''۔

''یہ کام صلاح الدین ایوبی کے سوا اور کون کر سکتا ہے؟'' حارث نے کہا..... ''میرے سینے میں جو آگ بھڑک رہی ہے، وہ کس طرح سرد ہوگی؟ مجھے خدا تین مجاہدین اسلام کا خون کیونکر بخشے گا؟''

داؤد بہت خوش تھا کہ اُسے موالی موصل یہیں مل گیا ہے۔ وہ حارث اور اُس کے باپ کو یہ بتانے سے جھجک رہا تھا کہ وہ جاسوس ہے۔ جاسوس کو جذبات میں آ کر اپنا پردہ نہیں اُٹھانا چاہیے، مگر پردہ اپنے اُوپر ڈالے رکھنے سے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے تو یہ سوچ لیا تھا کہ سیف الدین جہاں بھی جائے گا وہ اس کا تعاقب کرے گا اور اُس کی سرگرمیوں کو غور سے دیکھے گا، لیکن اتنے دن حارث کے گھر میں ٹھہرنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ اسے باپ بیٹے کے تعاون کی ضرورت تھی۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ وہ اعتماد میں لے یا نہ لے، اُس نے اُن کے ساتھ اپنے انداز سے باتیں شروع کر دیں۔ اُس نے دیکھا کہ

حارث تو سیف الدین کو قتل کرنے پر تُلا ہی ہوا تھا۔ اُس کا باپ بھی صلاح الدین ایوبی کے اس دشمن کا نام حقارت سے لیتا تھا۔

''اگر میں آپ کو ایسا طریقہ بتاؤں جس سے سیف الدین آئندہ اُٹھنے کے قابل نہ رہے تو کیا آپ میرا ساتھ دیں گے؟'' داؤد نے اُن سے پوچھا۔

''میرے بیٹے کی طرح تم جذبات سے نہیں سوچ رہے تو میں تمہارا ساتھ دوں گا''۔ حارث کے باپ نے کہا۔

''اور میں قتل سے ہٹ کر اور کچھ نہیں سنوں گا''۔ حارث نے کہا

''اگر تم اپنی عقل اور اپنے جذبات کی لگام میرے ہاتھ میں دے دو تو تمہارے ہاتھوں ایسا کام کراؤں گا جو تمہاری روح کو سکون اور چین سے مالا مال کر دے گا''۔ داؤد نے دونوں کو بڑی غور سے دیکھا۔ حارث کی بیوی اور بہن ذرا الگ ہٹ کر بیٹھی سن رہی تھیں۔ داؤد نے انہیں بھی غور سے دیکھا اور کہا..... ''مجھے قرآن دو''۔

حارث کی بہن نے اُٹھ کر قرآن اُٹھایا۔ آنکھوں سے لگایا، چوما اور داؤد کو دے دیا۔ داؤد نے بھی قرآن پاک کو آنکھوں سے لگایا، چوما اور قرآن کھولا۔ اُس نے ایک جگہ اُنگلی رکھی اور پڑھا:

''شیطان نے اُن کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور خدا کی یاد اُن کے ذہنوں سے نکل گئی ہے۔ یہ جماعت شیطان کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اُٹھانے والا ہے، جو لوگ خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ذلیل وخوار ہوں گے''۔

یہ اٹھائیسویں پارے کی اٹھارہویں اور انیسویں آیات (سورۃ الحشر) تھیں جو قرآن کھلتے ہی سامنے آگئیں۔ داؤد نے کہا..... ''یہ اللہ پاک کا کلام ہے۔ میں نے مرضی سے یہ صفحہ نہیں کھولا۔ یہ الفاظ اپنے آپ میرے سامنے آئے ہیں۔ یہ خدا کا فرمان ہے اور یہ خدا کی بشارت ہے۔ قرآن پاک نے ہم سب کو بتا دیا ہے کہ یہ جماعت شیطانون کا لشکر ہے، لیکن میں اپنے پیر استاد کا سبق تمہیں پڑھانا چاہتا ہوں۔ بے شک قرآن پاک نے فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ذلیل وخوار ہوں گے، لیکن وہ اُس وقت تک ذلیل وخوار نہیں ہوں گے جب تک ہم کوشش کر کے اُن کی ذلت وخواری کا سامان پیدا نہیں کریں گے۔ یہ ہم سب پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم انہیں ذلیل وخوار کریں''۔

اُس نے قرآن پاک دونوں ہاتھوں پر رکھ کر آگے کیا اور سب سے کہا..... ''سب اپنا اپنا دایاں ہاتھ خدا کے اس پاک کلام پر رکھو اور کہو تم راز سے پردہ نہیں اُٹھاؤ گے اور دشمن کو شکست دینے میں اپنی جانیں قربان کر دو گے''۔

سب نے جن میں دونوں خواتین بھی شامل تھیں، قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے''۔ داؤد نے کہا.....

''خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک تمہاری زبان میں اُتارا ہے۔ تم اس مقدس کتاب کا ایک ایک لفظ سمجھتے ہو، اگر تم نے اس قسم سے انحراف کیا تو اس کی سزا قرآن پاک میں لکھی ہوئی ہے۔ تم بھی اسی ذلت ورسوائی میں پھینک دیئے جاؤ گے جو شیطان کے لشکر کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے؟''

''تم کون ہو؟'' بوڑھے نے حیرت زدہ آواز میں داؤد سے پوچھا..... ''تم کسی بہت بڑے عالم کے مرید معلوم ہوتے ہو''۔

''میرے پاس کوئی علم نہیں''۔ داؤد نے کہا..... ''میرے پاس عمل ہے۔ میں قرآن کی روشنی میں جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں آیا ہوں۔ یہ سبق مجھے کسی عالم نہیں، صلاح الدین ایوبی نے دیا ہے۔ میں موصل کا نہیں، دمشق کا باشندہ ہوں، اور میں سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہوں۔ یہ ہے وہ راز جس کی تم سب نے قسم کھائی ہے کہ اس سے پردہ نہیں اُٹھاؤ

گے۔ مجھے تم سب کے تعاون کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین دلاؤ کہ جو میں کہوں گا، وہ کرو گے''۔

''ہم قسم کھا چکے ہیں''۔ بوڑھے نے کہا...... ''تم اپنا مقصد اور مُدعا بیان کرو''۔

''مجھے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہے''۔ داؤد نے کہا...... ''میں جس کے سینے سے راز نکال کر سلطان صلاح الدین ایوبی تک پہنچانا چاہتا ہوں، وہ مجھے اسی چھت کے نیچے مل گیا ہے جس کے نیچے میں بیٹھا ہوں۔ خدائے ذوالجلال نے مجھے فرشتوں کی راہنمائی دی اور یہاں پہنچا دیا ہے۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ سیف الدین اور اس کے دوستوں کے ارادے اور سرگرمیاں کیا ہیں، اگر یہ لوگ جنگ کی تیاریاں کریں تو انہیں تیاری سے پہلے یا تیاری کی حالت میں ختم کیا جاسکتا ہے۔ ان کے ارادے قبل از وقت معلوم کرنا ضروری ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی تیار نہ ہو اور یہ لوگ اچانک حملہ کر دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا''۔

''کیا مجھے اجازت ہوگی کہ اپنی فوجوں کو دھوکے میں مسلمانوں کے خلاف لڑانے والوں کو قتل کر دوں؟''۔ حارث نے پوچھا۔

''یہ میں بتاؤں گا''۔ داؤد نے جواب دیا...... ''بعض حالات میں قتل نہ کرنا فائدہ مند ہوتا ہے۔ تمہیں ہر قدم ٹھنڈے مزاج سے اُٹھانا ہوگا۔ ہمیں سیف الدین پر نظر رکھنی ہے اور اس کا تعاقب کرنا ہے۔ جس طرح یہ یہاں آ کر چھپ گیا ہے، اسی طرح میں اور حارث چھپے رہیں گے اور دیکھتے رہیں گے کہ یہ کیا کرتا ہے''۔

☆

سیف الدین اسی مکان کے ایک کمرے میں گہری نیند سویا رہا۔ صبح طلوع ہوئی۔ بوڑھے نے جھانک کر دیکھا۔ وہ سویا ہوا تھا۔ سورج خاصا اُوپر آ گیا تھا، جب اُس کی آنکھ کھلی۔ حارث کی بہن اور بیوی نے اُس کے آگے ناشتہ رکھا۔ اس نے حارث کی بہن کو غور سے دیکھا اور کہا...... ''تم ہماری جو خدمت کر رہی ہو، اس کا ہم اتنا صلہ دیں گے جو تمہارے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ ہم تمہیں اپنے محل میں رکھیں گے''۔

''اگر ہم آپ کو اسی جھونپڑے میں رکھیں تو کیا آپ خوش نہیں رہیں گے؟'' لڑکی نے ہنس کر پوچھا۔

''ہم تو صحرا میں بھی رہ سکتے ہیں''...... سیف الدین نے کہا...... ''لیکن تم پھولوں کے ساتھ سجا کر رکھنے والی چیز ہو''۔

''کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے نصیب میں محل میں دوبارہ جانا لکھا ہے؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''ایسی بات تم نے کیوں کہی ہے؟''

''آپ کی حالت دیکھ کر''...... لڑکی نے کہا...... ''بادشاہ کا جھونپڑے میں چھپنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس کی سلطنت چھن گئی ہے اور اُس کی فوج ساتھ چھوڑ گئی ہے''۔

''فوج نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا''...... سیف الدین نے کہا...... ''میں ذرا آرام کے لیے یہاں رُک گیا ہوں۔ محل صرف میرے نصیب میں نہیں، تمہارے نصیب میں بھی لکھا ہوا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟''

حارث کی بیوی کمرے سے نکل گئی تھی۔ بہن سیف الدین کے پاس بیٹھ گئی اور کہنے لگی...... ''اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو صلاح الدین ایوبی کو شکست دیئے بغیر محل کا نام نہ لیتی، اگر آپ نے مجھے پسند کیا ہے تو میں آپ کو بتاتی ہوں کہ مجھے آپ کا بھاگنا اور چھپنا بالکل پسند نہیں۔ جنگجو بادشاہوں کی طرح باہر نکلیں۔ اپنی فوج کو اکٹھا کریں اور سلطان صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیں''۔

لڑکی بھولی بھالی شکل کی تھی۔اُس کی سادگی میں حسن تھا۔سیف الدین اُسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایسی مُسکراہٹ تھی جس میں شیطانیت بھی تھی اور محبت بھی۔

''میں شہزادی نہیں ہوں''......لڑکی نے کہا......''ان چٹانوں اور صحراؤں میں پیدا ہوئی اور یہیں جوان ہوئی ہوں۔میں سپاہی کی اولاد اور سپاہی کی بہن ہوں۔آپ کے ساتھ محل میں نہیں، میدانِ جنگ میں جاؤں گی۔میرے ساتھ آپ تیغ زنی کا مقابلہ کریں گے؟ چٹانوں کے اوپر نیچے میرے ساتھ گھوڑا دوڑائیں گے؟''

''تم صرف خوب صورت ہی نہیں، جنگجو بھی ہو''......سیف الدین نے اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔''ایسے پیارے بال میں نے پہلی بار دیکھے ہیں''۔

لڑکی نے اُس کا ہاتھ آہستہ سے پرے کر دیا اور کہا......''بال نہیں بازو۔ابھی آپ کو میرے بالوں کی نہیں میرے بازوؤں کی ضرورت ہے۔مجھے بتائیں آپ کا ارادہ کیا ہے؟''

''تمہارا باپ خطرناک آدمی ہے''......سیف الدین نے کہا......''وہ صلاح الدین ایوبی کا حامی ہے اور مجھے شاید پسند نہیں کرتا۔مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے دھوکہ دے گا''۔

لڑکی الھڑ سی ہنسی ہنس پڑی اور بولی......''وہ بوڑھا آدمی ہے۔معلوم نہیں، آپ کے ساتھ اُس نے کیا باتیں کی ہیں۔ہمارے سامنے رات سے وہ آپ کی تعریفیں کر رہا ہے۔اُس نے صلاح الدین ایوبی کا صرف نام سنا ہے۔اُس کے متعلق اور کچھ نہیں جانتا۔اس سے آپ نہ ڈریں۔ضعیف آدمی آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔مجھے آزمائیں''۔

سیف الدین نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو لڑکی پیچھے ہٹ گئی۔کہنے لگی......''میں آپ کو اپنے جسم سے محروم نہیں کروں گی۔اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر دوں گی، لیکن اُس وقت جب آپ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر آئیں گے۔آپ اس وقت مشکل میں ہیں۔مجھ سے دُور رہیں۔مجھے یہ بتائیں کہ آپ کا ارادہ کیا ہے؟''

سیف الدین عیاش اور زن پرست انسان تھا۔جوان اور خوب صورت لڑکی اس کے لیے عجوبہ نہیں تھی لیکن اس لڑکی میں اُس نے یہ عجیب بات دیکھی کہ وہ اس کے آگے جھجک نہیں رہی تھی۔اس کے آگے تو ہر لڑکی سدھائے ہوئے جانور کی طرح اشاروں پر ناچا کرتی تھی۔اس لڑکی نے اُس پر ایسا وار کیا کہ اس کی غیرت بھڑک اُٹھی۔

''سنو لڑکی!''......اُس نے کہا......''تم نے میری مردانگی کا امتحان لینا چاہا ہے۔میں اب اُس وقت تمہارے جسم کو ہاتھ لگاؤں گا جس وقت میرے ہاتھ میں صلاح الدین ایوبی کی تلوار ہوگی اور میں اُسی کے گھوڑے پر سوار ہوں گا۔مجھ سے وعدہ کرو کہ تم میرے پاس آجاؤ گی''۔

''مجھے اپنے ساتھ میدانِ جنگ میں لے چلیں''......لڑکی نے کہا۔

''نہیں''......سیف الدین نے کہا......''مجھے ابھی فوج تیار کرنی ہے۔میں نے ایک آدمی کو موصل بھیج دیا ہے۔میں نے انہیں کہلا بھیجا ہے کہ فوجیں اکٹھی کرو اور فوراً صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دو، تاکہ وہ ہمارے شہروں کا محاصرہ کرنے آگے نہ آسکے۔آج شام تک میرے دونوں آدمی واپس آجائیں گے تو معلوم ہوگا کہ حلب اور حرن کی فوجیں کس حالت میں ہیں۔ہم شکست تسلیم نہیں کر رہے۔جوابی حملہ کریں گے اور فوراً کریں گے''۔

سیف الدین کی شخصیت یہی کچھ تھی۔زن پرستی اور ایمان فروشی نے اُس کا کردار اتنا کھوکھلا کر دیا تھا کہ اُس نے ایک الھڑ اور سیدھی سادی لڑکی سے متاثر ہو کر اُسے راز کی بھی ایک دو باتیں بتا دیں۔لڑکی نے اُس کا ہاتھ چوم لیا اور

کمرے سے نکل گئی۔

☆

''اُس کے ساتھ جو دو آدمی آئے تھے، اُن میں سے ایک کو اُس نے موصل بھیجا ہے اور دوسرے کو حلب''...... حارث کی بہن اپنے باپ کو، حارث اور داؤد کو بتا رہی تھی...... ''اُس کا ارادہ یہ ہے کہ تینوں فوجوں کو اکٹھا کر کے صلاح الدین ایوبی پر فوراً حملہ کیا جائے تا کہ وہ آگے آ کر ان کے شہروں کو محاصرے میں نہ لے سکے۔ اس کے جو دو آدمی گئے ہوئے ہیں، وہ آ کر اسے بتائیں گے کہ فوجیں لڑنے کے حالت میں ہیں یا نہیں''...... سیف الدین نے اُسے جو کچھ بتایا تھا وہ اُس نے اپنے باپ، بھائی اور داؤد کو بتا دیا۔

یہ لڑکی جس کا نام فوزی تھا، کوئی ایسی چالاک اور ہوشیار لڑکی نہیں تھی۔ اُسے خدا نے ذہانت اور جذبہ عطا کیا تھا۔ داؤد نے اُسے بتایا تھا کہ وہ سیف الدین کے دل سے راز نکالے۔ فوزی کو اُس نے طریقہ بھی بتایا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہ شخص عیاش اور بدکار ہے۔ اس لیے اُس کے جال سے بچ کر رہنا۔ فوزی نے یہ کام خوش اسلوبی سے کرلیا۔ اُس نے سیف الدین سے جو باتیں کہلوائی تھیں، ان سے داؤد کو یہ پتہ چل گیا کہ سیف الدین کا پیچھا کرنا ضروری ہے۔

آدھی رات سے کچھ دیر پہلے بوڑھے کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دروازے پر دستک سنی اور گھوڑے کو ہنہناتے بھی سنا تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا، باہر سیف الدین کا نائب سالار کھڑا تھا۔ بوڑھا اُس کا گھوڑا دوسری طرف لے گیا اور نائب سالار اندر چلا گیا۔ بوڑھے نے جا کر نائب سالار سے کھانے کے متعلق پوچھا، اُس نے انکار کر دیا۔ بوڑھے نے غلاموں کی طرح اُن سے سلوک کیا۔ سیف الدین نے اُسے کہا کہ وہ جا کر سو جائے۔ بوڑھا رعایا کی طرح کے آداب سے وہاں سے نکلا۔ اُس نے داؤد کو جگایا اور دونوں نے دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔

''گمشتگین کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ حلب میں الملک الصالح کے ساتھ ہے''...... نائب سالار کہہ رہا تھا...... ''میں نے موصل میں جو حالات دیکھے ہیں وہ کوئی ایسے بُرے نہیں کہ ہم لڑ ہی نہ سکیں۔ صلاح الدین ایوبی ترکمان رُک گیا ہے۔ صلیبیوں کے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ وہ الجزیرہ، دیار اور بقر اور اردگرد کے علاقوں سے لوگوں کو فوج میں بھرتی کر رہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ فوری طور پر پیش قدمی نہیں کرے گا۔ پیش قدمی ضرور کرے گا، جو طوفانی ہوگی۔ اس کی فوج کی خیمہ گاہ بتا رہی ہے کہ وہ وہاں زیادہ دن قیام کرے گا۔ وہ غالباً اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ ہم لڑنے کے قابل نہیں رہے۔ ہماری جو فوج موصل پہنچی ہے، اس کی نفری ایک تہائی سے کچھ زیادہ کم ہے۔ یہ سپاہی مارے گئے ہیں اور ان میں لاپتہ بھی شامل ہیں''۔

''تو کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ ہم اسی فوج سے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیں؟''...... سیف الدین نے پوچھا۔

''صرف ہماری فوج حملے کے لیے کافی نہیں''...... نائب سالار نے جواب دیا...... ''الملک الصالح اور گمشتگین کو ساتھ ملانا ضروری ہے۔ ہمارے مشیروں (صلیبیوں) نے بھی یہی مشورہ دیا ہے''۔

''تم نے انہیں بتا دیا ہے کہ میں کہاں ہوں؟''...... سیف الدین نے پوچھا۔

''میں نے یہ جگہ نہیں بتائی''...... نائب سالار نے جواب دیا...... ''انہیں یہ بتایا ہے کہ آپ ترکمان کے مضافات میں گھوم پھر رہے ہیں اور صلاح الدین ایوبی کی نقل و حمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں، تا کہ اگلے معرکے کا منصوبہ تیار کیا جاسکے...... میرا خیال ہے کہ تین چار روز بعد آپ کو موصل چلے جانا چاہیے''۔

''مجھے حلب کی خبر معلوم کر لینے دو''...... سیف الدین نے کہا...... ''وہ (کمان دار) کل شام تک واپس آجائے گا۔ تم جانتے ہو کہ گمشتگین شیطان کی فطرت کا انسان ہے۔ اسے اپنے قلعے (حرن) میں چلے جانا چاہیے تھا۔ حلب میں وہ کیا کر رہا ہے؟ میں موصل جانے سے پہلے حلب جاؤں گا۔ گمشتگین بے شک ہمارا اتحادی ہے مگر میں اُسے اپنا دوست نہیں کہہ سکتا۔ مجھے الملک الصالح کے سالاروں کو اس پر بھی قائل کرنا ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے ستانے سے فائدہ اُٹھائیں اور وقت ضائع کیے بغیر حملہ کر دیں۔ میں اب یہ مشورہ بھی دوں گا کہ تینوں فوجیں ایک مرکزی کمان کے ماتحت ہونی چاہئیں اور ان کا ایک سالارِ اعلیٰ ہونا چاہیے۔ ہم نے صرف اس لیے شکست کھائی ہے کہ ہماری فوجوں کی کمان الگ الگ تھی۔ ہمیں ایک دوسرے کے منصوبے اور چالوں کا علم ہی نہیں تھا، ورنہ مظفر الدین نے صلاح الدین ایوبی کے پہلو پر جو حملہ کیا تھا وہ کبھی ناکام نہ ہوتا''۔

''مرکزی کمان آپ کے پاس ہونی چاہیے''...... نائب سالار نے کہا۔

''اور ہمیں اپنے دوستوں سے بھی ہوشیار رہنا چاہیے''...... سیف الدین نے کہا اور پوچھا...... ''صلیبی ہمیں مدد دیں گے؟''

''وہ اپنی فوج تو نہیں دیں گے''...... نائب سالار نے جواب دیا...... ''اونٹ، گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ دیں گے''...... نائب سالار نے پوچھا...... ''یہاں آپ نے کوئی خطرہ تو محسوس نہیں کیا؟''

''نہیں''...... سیف الدین نے کہا...... ''بوڑھا قابلِ اعتماد معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بیٹی جال میں آگئی ہے لیکن جذباتی اور جوشیلی ہے۔ کہتی ہے پہلے صلاح الدین ایوبی کو شکست دو، اُس کی تلوار لاؤ، اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر آؤ اور میں تمہارے ساتھ چلی چلوں گی''۔

نائب سالار نے قہقہہ لگایا۔ حارث، اُس کا باپ اور داؤد دروازے کے ساتھ کان لگائے سن رہے تھے۔ سیف الدین اور اُس کے نائب سالار کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ تھا کہ اس گھر میں صرف ایک بوڑھا اور دو لڑکیاں ہی نہیں، دو جوان مجاہد بھی ہیں جو کسی بھی موزوں موقعے پر اُسے قتل کر دیں گے۔ سیف الدین کو ذرا سا بھی شک نہیں ہوا تھا کہ اُس نے فوزی کو اپنے جال میں نہیں پھانسا، بلکہ خود اُس کے جال میں آگیا ہے۔

☆

داؤد اور حارث اندر رہے۔ سیف الدین اور اُس کا نائب سالار ڈیوڑھی کے ساتھ والے کمرے میں بند رہے۔ دن کے دوران فوزی تین چار بار اس کمرے میں گئی، وہ چونکہ اس سے دو ہاتھ دُور رہتی تھی، اس لیے سیف الدین اس کی طرف اور زیادہ کھچا آتا تھا۔ فوزی سے اُس نے پوچھا...... ''تمہارا بھائی میری فوج میں سپاہی ہے، میں اُسے جیش کا کمان دار بنا دوں گا''۔

''ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں''...... فوزی نے کہا...... ''اگر وہ زندہ نہ ہوا تو ہم بے آسرا ہو جائیں گے''۔

''اس صورت میں تمہارے باپ کو اور تمہارے بھائی کی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا''...... سیف الدین نے کہا۔

فوزی کا باپ بھی سیف الدین کے پاس جاتا رہا۔ اُس نے عملی طور پر سیف الدین کو یقین دلا دیا کہ وہ اس کا

رات کو پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ بوڑھے نے دروازہ کھولا باہر سیف الدین کا وہ کمان دار کھڑا تھا جسے اُس نے حلب روانہ کیا تھا۔ بوڑھے نے اُسے سیف الدین کے کمرے میں بھیج دیا اور اُس کا گھوڑا دوسرے گھوڑوں کے ساتھ باندھ کر کمان دار سے کھانے کے متعلق پوچھنے گیا۔ کمان دار بہت تیز آیا تھا، کہیں رُکا نہیں تھا، اس لیے راستے میں کچھ کھا نہیں سکا تھا۔ بوڑھا اندر کھانا لینے کے لیے گیا تو فوزی نے کہا کہ وہ کھانا لے جائے گی اور باتیں سنے گی۔

وہ کھانا لے کر گئی تو کمان دار بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ سیف الدین نے کہا...... ''تم بات کرو، یہ اپنی بچی ہے''۔

فوزی کمان دار کے آگے کھانا رکھ کر سیف الدین کے قریب بیٹھ گئی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ اس کے اتنی قریب بیٹھی تھی۔ سیف الدین نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ فوزی نے ہاتھ چھڑایا نہیں، ورنہ صلیبیوں کا یہ دوست ہاتھ سے نکل جاتا۔

''حلب کی فوج کا جذبہ قابلِ تعریف ہے''۔ کمان دار نے بات شروع کی۔ فوزی نے سیف الدین کی اُنگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کو اُنگلیوں سے مسلنا اور اس کے ہیرے کو بچوں کے سے اشتیاق سے دیکھنا شروع کر دیا جیسے اُسے کمان کی باتوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ ہو، لیکن اُس کے کان اسی طرف لگے ہوئے تھے۔ کمان دار کہہ رہا تھا۔ ''الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کو صلح کا پیغام بھیجا ہے''۔

''صلح کا پیغام!'' سیف الدین نے بدک کر پوچھا۔

''جی ہاں، صلح کا پیغام''...... کمان دار نے کہا...... ''لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ اس نے صلاح الدین ایوبی کو دھوکہ دیا ہے۔ اس کے صلیبی دوست اُس کی فوج کے سامان کا نقصان پورا کر رہے ہیں اور اُسے اُکسا رہے ہیں کہ وہ موصل اور حرن کی فوجوں کو مشترکہ کمان میں لا کر صلاح الدین ایوبی پر فوراً حملہ کرے۔ اگر صلاح الدین ایوبی کی فوج نے ستا لیا اور اس نے اسی علاقے سے لوگوں کو بھرتی کر کے نفری پوری کر لی تو پھر اُسے روکنا محال ہو جائے گا۔ جاسوس خبر لائے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی نے ترکمان کے سبزہ زار میں لمبے عرصے کے لیے پڑاؤ کر لیا ہے اور پیش قدمی کی تیاریاں بہت تیزی سے کر رہا ہے۔ الملک الصالح کے سالار بھی یہی کہتے ہیں کہ ترکمان کے مقام پر صلاح الدین ایوبی پر فوری حملہ ہونا چاہیے......

''میں نے حلب کی فوج کے ایک صلیبی مشیر کے ساتھ بات کرنے کا موقع پیدا کر لیا تھا۔ میں نے انجان بن کر اُسے کہا کہ ہم فوری حملے کے قابل نہیں۔ اُس نے کہا کہ یہ تمہاری بہت بڑی جنگی لغزش ہوگی۔ صلاح الدین ایوبی پر حملے کا مقصد یہ نہیں ہوگا کہ اُسے شکست دی جائے۔ مقصد یہ ہوگا کہ اُسے تیاری کی مہلت نہ دی جائے۔ اُسے ترکمان کے علاقے میں پریشان رکھا جائے اور ایسی لڑائی لڑی جائے جو طویل ہو، جنگ نہ ہو، معرکے لڑے جائیں۔ یہ معرکے صلاح الدین ایوبی کے انداز کے ہی ہوں، یعنی ضرب لگاؤ اور بھاگو، شب خون مارو اور کوشش کرو کہ ترکمان کے سبزہ زار سے جہاں پانی کی بھی بہتات ہے، صلاح الدین ایوبی کو پیچھے ہٹا دیا جائے تا کہ اس کی فوج کو چارہ اور پانی نہ مل سکے''۔

''بہت اچھی ترکیب ہے''...... سیف الدین نے کہا...... ''ایسی جنگ میرا شیر، سالار مظفر الدین لڑ سکتا ہے۔ وہ بہت عرصہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ رہا ہے میں کوشش کروں گا کہ تینوں فوجوں کی مشترکہ کمان مجھے مل جائے۔ میں صلاح الدین ایوبی کو صحرائی لومڑی کی طرح دھوکے دے دے کر ماروں گا''۔

فوزی نے سیف الدین کی تلوار لے لی اور اُسے نیام سے نکال کر دیکھنے لگی۔ وہ بالکل بھولی بنی ہوئی تھی۔

''میں نے کوشش کی تھی کہ الملک الصالح کے ساتھ میری ملاقات ہو جائے''...... کمان دار نے کہا...... ''لیکن سالاروں اور دوسرے حکام نے اُسے ایسا گھیرا ہوا ہے کہ میں اُسے مل نہ سکا۔ یہ باتیں اُس کے سالاروں سے معلوم کی ہیں''۔

''تمہیں آج پھر حلب جانا ہوگا''......سیف الدین نے کہا......''الملک الصالح کو یہ پیغام دینا کہ تم نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کر کے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔تم نے اُس کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔اُس کے ہاتھ مضبوط کر دیئے ہیں۔وہ ہم میں سے کسی کو بھی نہیں بخشے گا۔تم ابھی بہت چھوٹے ہو،گھبرا گئے ہو،یا تمہارے سالاروں نے لڑائی سے بچنے کے لیے تمہیں مشورہ دیا ہے''......سیف الدین نے اس موضوع کا طویل پیغام دیا اور کمان دار سے کہا......''تمہیں سحر کی تاریکی میں نکل جانا چاہیے۔دن کے وقت تمہیں اس گاؤں میں کوئی نہ دیکھے''۔

یہ تھا،وہ پیغام جس کا ذکر تاریخ میں آیا ہے۔کمان دار کچھ دیر آرام کر کے حلب کو روانہ ہوگیا۔

☆

فوزی نے جو کچھ سنا تھا،وہ داؤد کو بتا دیا۔یہ معلومات بھی کام کی تھیں۔حارث اور اُس کا باپ گہری نیند سو گئے۔ داؤد کسی کام سے باہر نکلا۔فوزی بھی دبے پاؤں نکل آئی۔داؤد اپنے گھوڑے کے پاس جا رکا۔فوزی بھی وہیں چلی گئی۔

''مجھے اس سے کوئی بڑا کام بتاؤ''......فوزی نے کہا......''میں تمہارے لیے جان بھی دے سکتی ہوں''۔

''میرے لیے نہیں،اپنی قوم کے لیے اور اپنے مذہب کے لیے جان دینا''......داؤد نے کہا......''تم جو کام کر رہی ہو،وہ بہت بڑا ہے۔ہم جو جاسوس ہیں،اسی کام میں اپنی جانیں قربان کر دیا کرتے ہیں۔یہ کام میرا تھا جو میں تم سے کرا رہا ہوں۔میں نے تمہیں خطرے میں ڈال دیا ہے''۔

''خطرہ کیسا؟''

''تم اتنی چالاک لڑکی نہیں ہو فوزی''......داؤد نے کہا......''سیف الدین بادشاہ ہے،وہ اس جھونپڑے میں بھی بادشاہ ہے''۔

''تو کیا بادشاہ مجھے کھا جائے گا؟''......فوزی نے کہا......''میں چالاک تو نہیں،سیدھی سادی بھی نہیں ہوں''۔

''تم نے بادشاہی کی چمک دیکھی تو تمہاری آنکھیں بند ہو جائیں گی''......داؤد نے کہا......''ان لوگوں نے اسی چمک سے اندھا ہو کر ایمان بیچا ہے اور اسلام کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔میں ڈرتا ہوں کہیں تم بھی اس جال میں نہ آ جاؤ''۔

''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''میں کہیں کا بھی رہنے والا نہیں''......داؤد نے جواب دیا......''میں جاسوس اور چھاپہ مار ہوں۔جہاں دشمن کے ہاتھ چڑھ گیا،وہیں مارا جاؤں گا اور جہاں بھی مارا جاؤں گا،وہ میرا وطن ہوگیا۔شہید کا لہو جس زمین پر گرتا ہے وہ زمین سلطنت اسلامیہ کی ہو جاتی ہے۔اُس زمین کو کفر سے پاک کرنا ہر مسلمان کا فرض بن جاتا ہے۔ہماری ماؤں اور بہنوں نے ہمیں جوان کیا اور خدا کے حوالے کر دیا ہے۔انہوں نے اپنے دلوں پر پتھر رکھ لیے ہیں اور اس خواہش سے دست بردار ہوگئی ہیں کہ ہم انہیں کبھی ملیں گے''۔

''تمہارے دل میں اپنے گھر جانے کی،اپنی ماں کو دیکھنے کی،بہن سے ملنے کی خواہش تو ہوگی''......فوزی نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''انسان خواہشوں کا غلام ہو جائے تو فرض دھرے رہ جاتے ہیں''......داؤد نے کہا......''جان سے پہلے جذبات قربان کرنے پڑتے ہیں۔تمہیں بھی یہ قربانی دینی ہوگی''۔

فوزی اس کے قریب ہوگئی اور بولی۔''مجھے اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو؟''

''نہیں''......داؤد نے کہا۔

''کچھ دن میرے پاس رہ سکتے ہو؟''......فوزی نے پوچھا۔

''میرے فرض نے ضرورت سمجھی تو رہوں گا''......داؤد نے کہا......''مجھے اپنے پاس رکھ کر کیا کرو گی؟''

''تم مجھے اچھے لگتے ہونا''......فوزی نے کہا......''تم جب سے آئے ہو، تمہاری باتیں سن رہی ہوں، ایسی باتیں میں نے کبھی نہیں سنی تھیں۔ میرے دِل میں آتی ہے کہ تمہارے ساتھ رہوں اور......''

''مجھے زنجیر نہ ڈالو فوزی''......داؤد نے کہا......''اپنے آپ کو بھی جذبات کی زنجیر سے آزاد رکھو۔ ہمارے سامنے بڑے کٹھن راستے ہیں۔ ایک دوسرے کا ہاتھ ضرور تھامیں گے، اکٹھے چلیں گے مگر ایک دوسرے کے قیدی نہیں بنیں گے''......اُس نے ذرا دیر سوچ کر کہا......''فوزی تم زیادہ دُور تک میرا ساتھ نہیں دے سکو گی۔ مجھے تمہاری عصمت بھی عزیز ہے۔ کام جو مردوں کا ہے، وہ مرد ہی کریں گے''۔

فوزی نے آہ لی اور اُداس سی ہو گئی۔ اس نے داؤد کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور گھوم کر وہاں سے ہٹنے لگی۔ داؤد نے لپک کر اُس کا بازو پکڑ لیا اور اپنے قریب کر کے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ فوزی اس کے ساتھ لگ گئی اور جذبات سے کانپتی آواز میں بولی......''جو کام مردوں کا ہے، وہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ میری عصمت کوئی ایسا کچا دھاگا نہیں کہ ذرا سے جھٹکے سے ٹوٹ جائے گا۔ میں تمہیں اپنی عصمت پیش نہیں کر رہی۔ تم مجھے اچھے لگتے ہو، تمہاری باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔ تم نے مجھے جو راستہ دکھایا ہے، وہ میرے دِل کو بہت اچھا لگا ہے۔ میں تمہارے قریب اس لیے ہو گئی ہوں کہ شاید تمہیں میرے وجود سے اپنی ماں کی اور بہن کی بو باس مل جائے۔ تم بہت تھکے ہوئے ہونا داؤد! مجھے میرے بھائی کی بیوی نے بہت سی باتیں بتائی ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ مرد جب تھکا ہوا گھر آتا ہے تو عورت کے سوا اس کی تھکن اور کوئی دُور نہیں کر سکتا۔ عورت نہ ہو تو مرد کی رُوح مرجھا جاتی ہے۔ میں ڈرتی ہوں کہ تمہاری روح مرجھا گئی تو......تو کیا ہو گا داؤد؟''

داؤد ہنس پڑا اور اس کے گال تھپکا کر بولا۔''تمہاری اِن بھولی بھالی باتوں نے میری روح کو تر و تازہ کر دیا ہے''۔

''تمہیں میری کوئی بات بُری تو نہیں لگی؟''......فوزی نے پوچھا......''میرے بھائی کو تو نہیں بتاؤ گے کہ میں تمہارے پاس آئی تھی؟''۔

''نہیں''......داؤد نے کہا......''تمہارے بھائی کو کچھ نہیں بتاؤں گا اور تمہاری کوئی بات بھی مجھے بُری نہیں لگی''۔

''ہماری منزل ایک ہے داؤد''......فوزی نے کہا......''مجھے معلوم نہیں کہ دل کی بات کس طرح کہی جاتی ہے''۔

''تم نے دل کی بات کہہ دی ہے فوزی!''......داؤد نے کہا......''اور میں نے سمجھ لی ہے۔ تم نے ٹھیک کہا ہے کہ ہماری منزل ایک ہے، مگر یہ نہ بھولنا کہ راستے میں خون کی ندی بھی ہے جس پر کوئی پُل نہیں۔ اگر تم ہمیشہ کے لیے میری ہو جانا چاہتی ہو تو ہمارا نکاح لہو کی تحریر ہو گی، پھر ہماری لاشیں ایک دوسری سے دُور بھی ہوئیں تو ہم اکٹھے ہو جائیں گے۔ راہِ حق کے مسافروں کی شادیاں آسمانوں میں ہوتی ہیں اور باراتیں کہکشاں کے رستے جایا کرتی ہیں۔ ان کی خوشی میں سارا آسمان ستاروں کی چراغاں کیا کرتا ہے''۔

فوزی جب وہاں سے چلی تو اُس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی۔ اس مُسکراہٹ میں مسرت کا تاثر کم اور ایسا تاثر زیادہ تھا جس میں عزم تھا اور کچھ کر گزرنے کا اِرادہ۔

☆

دودنوں کے بعد کمان دار واپس آ گیا جو الملک الصالح کے نام سیف الدین کا پیغام لے کر گیا تھا۔ اس کی ملاقات الملک الصالح سے نہیں ہو سکی تھی، پیغام اُس تک پہنچا دیا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ پیغام کا تحریری جواب دے گا۔ کمان دار وہاں بتا آیا تھا کہ سیف الدین کہاں ہے اور جس گھر میں وہ بیٹھا ہے، اس کی نشانیاں کیا ہیں...... سیف الدین اپنے پیغام کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔ جواب نہ آیا اور وہ پریشان ہونے لگا...... تیسرے چوتھے دن وہ بہت ہی بے چین ہو گیا۔

''کیوں نہ میں خود ہی حلب چلا جاؤں'' ...... اُس نے اپنے نائب سالار سے کہا...... ''اگر حلب کی فوج نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح اور جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا ہے تو ہمیں اپنے متعلق بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔ گمشتگین (والی حرن) کا کچھ بھروسہ نہیں۔ ہم تنہا تو نہیں لڑ سکتے۔ ہمیں صلیبیوں کے ساتھ مل کر کوئی اور منصوبہ بنانا پڑے گا''۔

''کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ الملک الصالح صلح کا معاہدہ توڑ دے؟'' ...... نائب سالار نے پوچھا۔

''یہ ممکن ہے'' .... کمان دار نے کہا...... ''میں نے اُس کے جن سالاروں اور کمان داروں سے بات کی ہے، وہ کہتے تھے کہ الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کو دھوکہ دیا ہے، اگر اُس نے دھوکہ نہیں دیا تو بھی زیادہ تر سالار اور دوسرے حکام اس معاہدے کو تسلیم نہیں کرتے۔ مشیر (صلیبی) تو فوری حملے کے حق میں ہیں''۔

''آپ کو حلب چلے جانا چاہیے'' ...... نائب سالار نے اُسے کہا...... ''اور میں موصل چلا جاتا ہوں''۔

''تم ایک بار پھر حلب چلے جاؤ'' ...... سیف الدین نے کمان دار سے کہا...... ''الملک الصالح کو بتا دو کہ میں آ رہا ہوں۔ تم روانہ ہو جاؤ گے تو اگلی رات میں بھی روانہ ہو جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے وہ مجھے ملنا نہ چاہے۔ شہر سے باہر المبارک نام کے جو چشمے ہیں، میں وہاں قیام کروں گا۔ الملک الصالح سے کہنا کہ مجھے وہاں ملے۔ اگر وہ نہ ملنا چاہے تو مجھے المبارک آ کر بتا دینا''۔

''کیا آپ کا اکیلے جانا مناسب ہے؟'' ...... نائب سالار نے پوچھا۔

''اِن علاقوں میں کوئی خطرہ تو نہیں'' ...... سیف الدین نے کہا...... ''میں رات کو جاؤں گا، کسی کو کیا خبر کہ والی موصل جا رہا ہے''۔

''صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں اور چھاپہ ماروں کا کوئی بھروسہ نہیں'' ...... نائب سالار نے کہا...... ''اُن سے ہماری کوئی جگہ محفوظ نہیں''۔

''مجھے جانا ضرور ہے'' ...... سیف الدین نے کہا...... ''خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔ آج تم موصل کو روانہ ہو جاؤ۔ میں کل رات حلب کو روانہ ہو جاؤں گا''۔

جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں، اُس وقت داؤد اور حارث کے کان دروازے کی درز کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ دونوں وہاں سے ہٹ گئے اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔ داؤد گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اُسے سیف الدین کا تعاقب کرنا تھا لیکن کس طرح؟ سوچ سوچ کر اُس کے دماغ میں ایک ترکیب آ گئی۔

''ہم سیف الدین کے محافظ بنیں گے اور اُس کے ساتھ حلب جائیں گے'' ...... داؤد نے حارث سے کہا...... ''ہم اچانک اُس کے سامنے جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم اُس کی فوج کے سپاہی ہیں''۔

''اگر اُس نے کہہ دیا کہ دونوں موصل چلے جاؤ تو کیا کرو گے؟'' ...... حارث نے پوچھا۔

''میں اپنا جادو چلانے کی کوشش کروں گا'' ...... داؤد نے کہا

''اگر یہ بھی ناکام ہو گیا تو؟''

''پھر یہ بھی حلب نہیں جائے گا''...... داؤد نے کہا...... ''الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کر لی ہے تو سیف الدین اُس معاہدے کو منسوخ کرانے کے لیے حلب نہیں پہنچ سکے گا''...... اُس نے حارث کو سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

اُسی رات سیف الدین بند کمرے میں اپنے نائب سالار اور کمان دار کے پاس بیٹھا انہیں آخری ہدایات دے رہا تھا۔ رات کا پہلا پہر تھا۔ پہلے کمان دار وہاں سے نکلا، حارث کے باپ نے اُسے گھوڑا کھول دیا تھا، کچھ دیر بعد نائب سالار بھی چلا گیا۔ سیف الدین اکیلا رہ گیا۔ وہ لیٹ گیا۔ اچانک کمرے کا دروازہ دھماکے سے کھلا، وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ دیکھا، فوزی سراپا مسرت اور خوشی بنی ہوئی تھی۔ وہ دوڑتی آئی اور اُس کے پاس بیٹھ کر اس نے سیف الدین کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

''میرا بھائی آ گیا ہے''...... فوزی نے خوشی سے دیوانہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''اُس کے ساتھ اُس کا ایک دوست ہے''۔

''تم نے انہیں بتایا ہے کہ میں یہاں ہوں؟''...... سیف الدین نے پوچھا

''ہاں!''...... فوزی نے کہا...... ''میں نے بتا دیا ہے اور وہ اتنے خوش ہیں کہ آپ سے ملنے کی اجازت مانگتے ہیں''۔

''انہیں لے آؤ''۔

☆

داؤد اور حارث سیف الدین کے سامنے گئے۔ فوجی انداز سے سلام کیا اور سیف الدین کے اشارے سے اُس کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے کپڑوں، اور چہروں پر گرد ڈال لی تھی اور سانسیں اس طرح لے رہے تھے جیسے بہت تھکے ہوئے ہوں۔ سیف الدین نے اُن سے پوچھا کہ وہ کون سے دستے میں تھے۔ حارث چونکہ اُس کی فوج کا سپاہی تھا، اس لیے ان سوالوں کا جواب اُسی نے دیا۔ داؤد کو تو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔

''تم اتنے دن کہاں رہے ہو؟''...... سیف الدین نے پوچھا۔

''ہمیں بتاتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہماری فوج کس طرح پسپا ہوئی''...... داؤد نے کہا...... ''ہمیں بھی پسپا ہونا تھا لیکن میں اسے ساتھ لے کر ایک چٹان پر چھپ گیا اور یہ دیکھنے لگا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج تعاقب میں آتی ہے یا کہیں پڑاؤ کرتی ہے۔ میں نے جاسوسی شروع کر دی۔ آپ کو شاید یاد ہو گا کہ آپ نے صلیبی مشیروں سے چھاپہ مار جیش تیار کرائے تھے۔ میں بھی ایک جیش میں تھا۔ میں نے گہری دلچسپی سے تربیت حاصل کی تھی۔ جنگ میں یہ تربیت بہت کام آئی۔ جنگ ختم ہو گئی تو میں نے اس تربیت سے فائدہ اُٹھایا اور سوچا کہ میں اگر بھاگوں تو اپنی فوج کے لیے دشمن کے کچھ راز بھی لیتا چلوں۔ یہ (حارث) مل گیا۔ اسے میں نے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج پیش قدمی کرتی رہی اور ہم دیکھتے رہے۔ اگر ہمارے ساتھ سات آٹھ سپاہی ہوتے تو ہم شب خون مار مار کر اس فوج کا بہت نقصان کرتے......

''ہم نے صلاح الدین ایوبی کی فوج کو ترکمان کے علاقے میں پڑاؤ کرتے دیکھا ہے۔ فوج نے خیمے جس طرح گاڑے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے جیسے فوج وہاں لمبے عرصے کے لیے ٹھہرے گی۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ ہماری فوجیں گھبرا کر بھاگ آئی ہیں۔ اس سے پوچھیں، ہم نے دشمن کی فوج کی جولاشیں دیکھی ہیں، اُن کی تعداد چند سو نہیں چند ہزار ہے اور زخمیوں کا تو کوئی حساب نہیں۔ ہم نے رات کو اُن کی خیمہ گاہ کے قریب جا کر دیکھا ہے۔ اللہ توبہ، زخمیوں کا کراہنا برداشت نہیں ہوتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آدھی فوج زخمی ہے۔ امیر محترم! اللہ آپ کا اقبال بلند کرے۔ آپ بہتر جانتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے۔ ہم آپ کے غلام ہیں جو حکم دیں گے، بجا لائیں گے۔ میرا خیال یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج لڑ ز

کے قابل نہیں۔ اگر آپ اپنی فوج فوراً اکٹھی کر کے حملہ کر دیں تو صلاح الدین ایوبی کو آپ دمشق پہنچا سکتے ہیں"۔

سیف الدین داؤد کی رپورٹ دلچسپی سے سن رہا تھا۔ وہ شکست خوردہ تھا، اس لیے وہ ایسی باتیں سننے کو ترس رہا تھا، جو اُسے یہ تسکین دیں کہ اُسے شکست نہیں ہوئی اور وہ بھاگا نہیں، بلکہ اس کی فوج اور اس کے اتحادی گھبرا کر بھاگے تھے۔ داؤد اُس کی یہ نفسیاتی ضرورت پوری کر رہا تھا۔ یہ اُس کی کمزوری تھی جس کے اثر سے داؤد کی باتیں اُسے ذہنی سکون دے رہی تھیں۔

"ہم موصل جا رہے تھے"...... داؤد نے کہا...... "اس (حارث) کا گاؤں راستے میں پڑتا تھا۔ یہ کہنے لگا کہ گھر والوں سے ملتے چلیں۔ ہم یہاں آئے تو اس کے محترم والد نے بتایا کہ آپ یہاں ہیں۔ یقین نہ آیا۔ آپ کو یہاں دیکھ کر بھی ہمیں یقین نہیں آ رہا کہ آپ یہاں ہیں۔ ہم یہ باتیں آپ تک پہنچانا چاہتے تھے، خدا نے ہم پر بڑا ہی کرم کیا ہے"۔

"ہم تمہاری باتیں سن کر بہت خوش ہوئے ہیں"...... سیف الدین نے بادشاہوں کی طرح کہا...... "تمہیں اس بہادری کا انعام ملے گا"۔

"ہمارے لیے اس سے بڑا اور انعام کیا ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کی برابری میں بیٹھے آپ کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں"...... حارث نے کہا...... "ہم آپ کے لیے جانیں دے کر اپنی روحوں کو خوش کرنے کو بے تاب ہیں"۔

"معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"...... داؤد نے پوچھا۔

"وہ دونوں چلے گئے ہیں"...... سیف الدین نے کہا...... "میں بھی چلا جاؤں گا"۔

"ہم پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ آپ یہاں کیوں رُکے ہوئے ہیں"...... حارث نے کہا...... "اور اب کہاں جا رہے ہیں۔ میں آپ سے بہت شرمسار ہوں کہ آپ کو میرے گھر والوں نے اس گندے سے کمرے میں رکھا اور فرش پر بٹھا رکھا ہے"۔

"میری خواہش یہی تھی"...... سیف الدین نے کہا...... "میں یہیں چند دن گزارنا چاہتا تھا۔ تم کسی کو نہ بتانا کہ میں یہاں ہوں"۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"...... داؤد نے پوچھا۔

"میں حلب جاؤں گا"...... سیف الدین نے جواب دیا...... "وہاں سے موصل چلا جاؤں گا"۔

"لیکن آپ اکیلے ہیں"...... داؤد بولا...... "آپ کے ساتھ کوئی محافظ نہیں"۔

"اس علاقے میں کوئی خطرہ نہیں"...... سیف الدین نے کہا...... "اکیلا چلا جاؤں گا"۔

"گستاخی کی معافی چاہتا ہوں"...... داؤد نے کہا...... "اس علاقے کو دشمن سے خالی نہ سمجھیں۔ جو میں جانتا ہوں، وہ آپ نہیں جانتے۔ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار گھوم پھر رہے ہیں۔ کسی نے آپ کو پہچان لیا تو ہم دونوں ساری عمر پچھتاتے رہیں گے کہ ہم آپ کے ساتھ کیوں نہ چلے گئے۔ اتفاق سے ہم آ گئے ہیں۔ ہمارے پاس گھوڑے ہیں، ہتھیار ہیں، ہم آپ کے ساتھ چلیں گے، ویسے بھی کوئی حکمران محافظوں کے بغیر کہیں جاتا اچھا نہیں لگتا"۔

سیف الدین کو محافظوں کی ضرورت تھی۔ وہ تو پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔ داؤد نے اُسے اور ڈرا دیا۔ اُس نے انہیں کہ وہ اپنے کپڑے صاف کر لیں اور اگلی رات چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ وہ اندر چلے گئے اور سیف الدین فوزی کا انتظار کرنے لگا، لیکن فوزی اُس کے کمرے میں نہ گئی۔ دن کو داؤد اور حارث اس کے لیے کھانا لے گئے۔ اُس کے پا

بیٹھے رہے اور دن گزر گیا۔

☆

جس وقت یہ تین مسلمان حکمران صلاح الدین ایوبی پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے، وہاں سے کچھ دُور صلیبی کمانڈروں اور حکمرانوں کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ وہ الملک الصالح، گمشتگین اور سیف الدین کی متحدہ افواج کی شکست پر غور کر رہے تھے۔ ان میں تقریباً سب سلطان ایوبی کے مقابلے میں آ کر شکست کھا چکے تھے۔

''ان تین مسلمان فوجوں کی شکست دراصل ہماری شکست ہے'' ...... ریمانڈ نے کہا ...... ''جہاں تک میں جانتا ہوں، صلاح الدین ایوبی کی فوج کی نفری زیادہ نہیں تھی''۔

''مجھے آپ کی رائے سے اتفاق نہیں'' ...... ایک مشہور فرانسیسی بادشاہ ریتالٹ نے کہا ...... ''ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ مسلمان آپس میں ٹکرائیں تو اُن میں سے کسی فریق کو فتح یا شکست ہو۔ ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہے اور ایک فریق ہمارے ہاتھ میں کھیلتا رہے۔ ہمارا بدترین اور خطرناک دشمن صلاح الدین ایوبی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کے مسلمان بھائی اس کے راستے میں حائل رہیں اور اُس کی طاقت ضائع کرتے رہیں۔ اگر اُس کے مسلمان حریفوں کی طاقت ضائع ہو رہی ہے تو ہوتی رہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر اُس کے حریف ہمارے خلاف متحد ہو جائیں''۔

''میں آپ کو مسلمان علاقوں اور حکمرانوں کی پوری کیفیت سناتا ہوں جو ہمارے مشیروں نے بھیجی ہیں'' ...... ایک کمانڈر نے کہا ...... ''صلاح الدین ایوبی کی دشمن تینوں فوجوں کی جذباتی حالت یہ ہے کہ سپاہیوں میں لڑنے کا جذبہ خطرناک حد تک کم ہو گیا ہے۔ اُن کا جانی نقصان بھی بہت ہوا اور وہ بے شمار اسلحہ اور سامان پھینک آئے ہیں۔ وہ فوری طور پر لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ ہم نے انہیں جو مشیر دے رکھے ہیں، انہوں نے مسلمان حکمرانوں کو بڑی مشکل سے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی حباب الترکمان کے خوب صورت علاقے میں خیمہ زن ہے۔ وہ فوری طور پر پیش قدمی نہیں کر رہا۔ ہمارے مشیر پوری کوشش کر رہے ہیں کہ حلب، حرن اور موصل کی فوجیں خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہوں، حملہ کر دیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کو بے خبری میں جا لیں گی۔ اُسے مارنے کا یہی ایک طریقہ ہے''۔

''اور یہ طریقہ شاید کامیاب نہ ہو'' ...... آگسٹس نے کہا ...... ''کیونکہ ایوبی بے خبر کبھی نہیں بیٹھا۔ اُس کا جاسوسی کا نظام ہر لحہ بیدار اور سرگرم رہتا ہے۔ اُسے آنے والے واقعات اور حملوں کی اطلاع دو دن پہلے مل جاتی ہے۔ ہمارے جو مشیر مسلمانوں کے ساتھ ہیں، انہیں سختی سے ہدایت دو کہ اپنے جاسوسوں کو اور زیادہ تیز کر دیں اور اُن کی تعداد بھی بڑھا دیں۔ انہیں یہ کام دیں کہ تمام علاقوں میں گھومتے پھرتے رہیں اور ایوبی کے جاسوسوں کو پکڑیں۔ جب مسلمان فوجیں حملے کے لیے کوچ کریں تو جاسوس اور چھاپہ مار دُور دُور بکھر جائیں۔ جہاں کوئی مشکوک آدمی اِدھر اُدھر جاتا نظر آئے تو اُسے پکڑ لیں ...... مسافروں کو بھی روک لیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایوبی کو حملے کی خبر اُس وقت ہو جب اُس کے مسلمان بھائیوں کے گھوڑے اُس کی خیمہ گاہ میں داخل ہو کر اُس کی فوج کا کشت و خون شروع کر دیں''۔

''یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ صلاح الدین ایوبی اُن علاقوں سے جو اُس کے قبضے میں ہیں، فوج کے لیے بھرتی کر رہا ہے اور لوگ بھرتی ہو رہے ہیں'' ...... ایک اور کمانڈر نے کہا ...... ''یہ سلسلہ رُکنا چاہیے۔ اُس کا ایک طریقہ تو یہ ہے جو ہم نے اختیار کر رہے ہیں کہ اس پر جلدی حملہ کرایا جائے تاکہ اُسے تیاری کی مہلت نہ ملے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان

علاقوں میں اخلاقی تخریب کاری کی وہی مہم چلائی جائے جو ہم نے مصر میں چلائی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے بہت سے آدمی اور کئی ایک کارآمد اور قیمتی لڑکیاں پکڑی گئیں اور ماری گئی ہیں، لیکن یہ قربانی تو دینی ہی پڑے گی۔ ہم بھی تو مرتے ہیں۔ صلیب کی خاطر ہمیں خود بھی مرنا ہے اور اپنی اولاد کو بھی مروانا ہے۔ مسلمانوں کے ذہنوں پر حملہ ضروری ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ ہم صلاح الدین ایوبی کو اس خطے سے بے دخل نہیں کر سکے۔ اُس نے مصر میں پاؤں جما لیے ہیں اور یہاں بھی آ گیا ہے۔ اُس کی کامیابی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ میدانِ جنگ کا استاد ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ انتظامیہ کا ماہر ہے اور تیسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ اُس نے اپنے سپاہیوں میں قومیت اور مذہب کا جنون پیدا کر رکھا ہے۔ ہمارے خلاف لڑنے کو وہ مذہبی عقیدہ سمجھتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کے چھاپہ مار بھیڑیوں کی طرح ہماری فوج پر شب خون مارتے ہیں۔ اس جنون اور اس عقیدے کو تباہ کرنا ضروری ہے''۔

''ہم نے ہمیشہ انسان کی اس کمزوری سے فائدہ اُٹھایا ہے جسے فرار اور لذت پرستی کہتے ہیں''...... شاہ آگستس نے کہا...... ''جن مسلمانوں کے پاس دولت ہے، وہ حکمران بننا چاہتے ہیں۔ ہم نے اُن کی اسی کمزوری کو استعمال کیا ہے۔ ہمیں کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ایک اور مہم شروع کرنی ہے۔ یہ ہے ایوبی کے خلاف نفرت کی مہم۔ اس کے خلاف انتہائی گھٹیا باتیں مشہور کردو، لیکن یہ کام تم نہیں کرو گے بلکہ مسلمانوں کی زبانیں استعمال کی جائیں گے۔ اپنے مخالفین اور دشمنوں کو بدنام کرنے کے لیے اپنے کردار اور اخلاق کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ اپنے مفاد کو سامنے رکھنے چاہیے۔ تمہارا دشمن حیثیت، رُتبے اور شہرت کے لحاظ سے جس قدر بلند ہو، اُس پر اتنے ہی گھٹیا اور پست الزام عائد کرو۔ سو میں سے پانچ آدمی تو تمہاری بات مان جائیں گے''۔

''اس دوران اپنی جنگی تیاریاں جاری رکھو''...... ایک کمانڈر نے کہا...... ''ہمیں بہت وقت مل گیا ہے۔ آپ نے بہت کامیابی سے مسلمانوں میں حکومت پرستی کا مرض پیدا کر کے انہیں آپس میں ٹکرایا ہے۔ اگر ہم مسلمانوں میں اپنے دوست پیدا نہ کرتے تو آج صلاح الدین ایوبی فلسطین میں ہوتا۔ ہم نے اُسی کی قوم اُس کے راستے میں کھڑی کردی ہے''۔

''میں حیران ہوں''...... ریمانڈ نے کہا...... ''کہ یہی مسلمان سپاہی ایوبی کی فوج میں ہیں۔ وہ ہمارے دس دس سپاہیوں پر بھاری ہوتے ہیں مگر یہی مسلمان سپاہی ایوبی کے حریفوں کی فوج میں تھے اور ایسی بُری شکست کھا گئے کہ بکھرے ہوئے بھاگے''۔

''یہ عقیدے اور نظریے کا کرشمہ ہے جسے مسلمان ایمان کہتے ہیں''...... رینالٹ نے کہا...... ''جو سپاہی یا سالار اپنا ایمان نیلام کر دیتا ہے۔ اس میں لڑنے کا جذبہ نہیں رہتا۔ اُسے زندگی اور اُجرت عزیز ہوتی ہے۔ اسی لیے ہم نے کرداری کُشی کو ضروری سمجھا ہے۔ ان لوگوں میں جنسیت اور نشے کی عادت پیدا کرو، پھر تمہیں سپاہی اور گھوڑے مروانے کی ضرورت نہیں پڑے گی''۔

اس کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ حلب میں تینوں مسلمان فوجوں کو یکجا کر کے ایک کمان میں رکھا جائے، انہیں واجبی سی مدد دی جائے۔ انہیں ایک محاذ پر رکھا جائے، لیکن ان تینوں میں تفرقہ بھی پیدا کیا جائے۔

رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ حارث کے گاؤں پر نیند کا غلبہ تھا۔ اُس کے گھر سے تین گھوڑے نکلے۔ ایک سیف الدین سوار ہوا۔ دوسرے پر حارث اور تیسرے پر داؤد۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں جو انہوں نے فوجی انداز سے عمودی پکڑ رکھی تھیں۔ انہیں الوداع کہنے کے لیے حارث کا باپ، بہن اور بیوی دروازے کے باہر کھڑی

تھیں۔ حارث کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ سیف الدین فوزی پر نظریں جمائے ہوئے تھا اور فوزی داؤد کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے سیف الدین کی اور اپنے بھائی کی بھی موجودگی کو نظرانداز کر دیا تھا۔ ''خدا حافظ، خدا حافظ'' کی آوازیں سنائی دیں اور تینوں سوار چل پڑے۔

گھوڑے تاریکی میں روپوش ہو گئے۔ فوزی اُن کے ٹاپ سنتی رہی۔ جوں جوں ٹاپو دھیمے ہوتے گئے۔ فوزی کے کانوں میں داؤد کی آواز بلند ہوتی گئی...... ''راہِ حق کے مسافروں کی شادیاں آسمانوں میں ہوا کرتی ہیں، اُن کی باراتیں کہکشاں کے رستے جایا کرتی ہیں''۔

وہ جب اندر جا کر سونے کے لیے لیٹی تو بھی اُس کے گرد داؤد کے یہی الفاظ گونج رہے تھے۔ اچانک یہ سوال اس کے ذہن میں آیا...... ''کیا میں داؤد کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہوں؟'' ...... وہ شرمسار ہو گئی، پھر اُسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ اُسے داؤد کے یہ الفاظ یاد آئے...... ''راستے میں خون کی ندی بھی ہے جس پر کوئی پُل نہیں'' ...... اُس کے ذہن میں خون موجیں مارنے لگا۔ شادی ایک بے کار سا خیال بن کر ذہن سے نکل گیا۔

سیف الدین اور اُس کے محافظوں نے رات سفر میں گزار دی۔ صبح طلوع ہوئی تو سیف الدین آگے آگے جا رہا تھا۔ داؤد اور حارث اتنا پیچھے تھے کہ اُن کی باتیں سیف الدین کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ گھوڑوں کے قدموں کی بھی آوازیں تھیں۔

''معلوم نہیں، تم مجھے کیوں روک رہے ہو؟'' ...... حارث نے جھنجھلا کر داؤد سے کہا...... ''یہاں ہم اسے قتل کر کے لاش کہیں دبا دیں تو کسی کو ہم پر قتل کا شک نہیں ہو سکتا''۔

''اسے زندہ رکھ کر ہم اس کی پوری فوج کو قتل کرا سکیں گے'' ...... داؤد نے کہا...... ''یہ مر گیا تو اس کی فوج کی کمان کوئی اور لے لے گا۔ مجھے راز معلوم کرنا ہے، تم اپنے آپ کو قابو میں رکھو''۔

دوپہر سے کچھ پہلے انہیں حلب کے مینار نظر آنے لگے۔ اس سے الگ ہٹ کر المبارک کا سبزہ زار تھا، جہاں قدرتی چشمے تھے۔ اس جگہ کے قریب پہنچے تو سیف الدین کا وہ کمان دار جو الملک الصالح کے لیے اُس کی ملاقات کا پیغام لایا تھا۔ دوڑتا آیا، اُس نے بتایا کہ الملک الصالح انتظار کر رہا ہے۔ المبارک کے سبزہ زار میں داخل ہوئے تو الملک الصالح کے دو سالار استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ اُس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اُس کے لیے چشمے کے کنارے خیمہ نصب کیا جائے۔ وہ اسی جگہ قیام کرنا چاہتا تھا۔ تاریخ میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ اُس نے شہر میں الملک الصالح کے محل میں جانا کیوں پسند نہیں کیا تھا۔ اُس نے داؤد اور حارث کو اپنے ساتھ رکھا۔ اُس کے لیے نہایت خوش نما اور کشادہ خیمہ نصب کر دیا گیا۔ ملازم بھی آ گئے اور خیمے نے وہاں محل کا منظر بنا دیا۔ الملک الصالح نے اُسے قلعے میں رات کے کھانے پر مدعو کیا اور وہیں ملاقات طے ہوئی۔

☆

شام کو سیف الدین اور الملک الصالح کی ملاقات ہوئی۔ قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی یادداشتوں ''سلطان یوسف پر کیا افتاد پڑی'' (سلطان ایوبی کا پورا نام یوسف صلاح الدین ایوبی تھا) میں اس ملاقات کو ان الفاظ میں بیان کیا ...... ''آخر کار یہ طے پایا کہ الملک الصالح اور سیف الدین والیٔ موصل کی ملاقات ہو گی۔ ملاقات قلعے میں ہوئی جہاں الملک الصالح نے سیف الدین کا استقبال کیا۔ سیف الدین نے کمسن شہزادے (الملک الصالح) کو گلے سے لگا لیا اور رو ملاقات کے بعد سیف الدین اپنے خیمے میں چلا گیا جو چشمہ المبارک کے پاس تھا۔ وہاں اُس نے بہت دن قیام کیا''۔

دو وقائع نگاروں نے جو کوائف قلمبند کیے تھے، وہ اس طرح ہیں کہ سیف الدین نے الملک الصالح سے کہا کہ اُس نے اس کے پیغام کا جواب نہیں دیا۔ الملک الصالح حیران ہوا۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے دوسرے ہی دن تحریری جواب بھیج دیا تھا جس میں اُس نے لکھا تھا کہ آپ فکر نہ کریں، صلح کا معاہدہ محض دھوکہ ہے جو وقت حاصل کرنے کے لیے سلطان ایوبی کو دیا گیا ہے۔

''مجھے آپ کا کوئی پیغام نہیں ملا''...... سیف الدین نے کہا...... ''میں تو اس پر پریشان تھا کہ آپ نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر کے غلطی کی ہے اور ہمیں دھوکہ دیا ہے''۔

الملک الصالح کے ساتھ اس کے دو سالار بھی تھے۔ انہوں نے اسی وقت اُس آدمی کو بلایا جسے پیغام دیا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ قاصد کون تھا۔ قاصد کو بلانے گئے تو معلوم ہوا کہ جس روز وہ پیغام لے کر گیا تھا، اُس روز کے بعد کسی کو نظر نہیں آیا۔ اس اطلاع پر بھاگ دوڑ شروع ہوگئی۔ قاصد کا کچھ پتہ نہ چلا۔ کسی کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ وہ کہیں اکیلا رہتا تھا، وہاں اُس کا سامان پڑا تھا، وہ خود نہیں تھا...... یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنا اہم پیغام صلاح الدین ایوبی تک پہنچا دیا گیا ہے۔

یہ معاملہ الملک الصالح کے صلیبی مشیروں تک پہنچا تو انہوں نے یہ فیصلہ دیا...... ''قاصد صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا یا سیف الدین کی طرف جاتے ہوئے قاصد ایوبی کے جاسوسوں یا چھاپہ ماروں کے ہتھے چڑھ گیا، انہوں نے اُسے قتل کر دیا ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صلاح الدین ایوبی نے جنگی تیاریاں تیز کر دی ہوں گی۔ یہ بھی ہوسکتا کہ وہ حملے میں پہل کر دے۔ اس کا یہ علاج ہے کہ تینوں فوجوں کو فوراً اکٹھا کیا جائے اور ایوبی پر حملہ کر دیا جائے''۔

صلیبی یہی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان جنگ جاری رہے۔ ایک ہی دن میں موصل اور حرن پیغام بھیج دیئے گئے کہ افواج جس حالت میں ہیں، حلب پہنچیں۔ حرن کے امیر گمشتگین نے کچھ پس و پیش کی لیکن سب کے درمیان بیٹھ کر وہ کھلی مخالفت نہ کر سکا۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ تینوں افواج ایک ہائی کمانڈ کے تحت ہوں گی اور سپریم کمانڈر سیف الدین ہوگا۔ گمشتگین نے اپنی فوج شامل تو کر دی لیکن خود حلب میں رہنا پسند کیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ سیف الدین کے ماتحت نہیں رہنا چاہتا۔

دو تین دنوں میں تینوں فوجیں حلب میں جمع ہوگئیں۔ صلیبیوں نے اسلحہ اور سامان بھیج دیا تھا۔ انہوں نے مزید سامان کا وعدہ کیا اور افواج کو کوچ کرا دیا۔ حملے کا پلان عجلت میں بنایا گیا تھا۔ کوچ کو پوشیدہ رکھنے کے لیے نقل و حرکت رات کو کی گئی۔ دن کو پڑاؤ کرنا تھا۔ اس کے علاوہ یہ انتظام بھی کیا گیا کہ چھاپہ ماروں کی خاصی تعداد کوچ کے راستے دائیں بائیں اس ہدایت کے ساتھ پھیلا دی گئی کہ کوئی مسافر بھی نظر آئے تو اُسے پکڑ کر حلب بھیج دو، تاکہ فوج کا کوچ خفیہ رہے۔

کوچ سے پہلے سیف الدین نے داؤد اور حارث کو بلایا۔ انہیں شاباش دی اور کہا کہ انہوں نے مشکل کے وقت میں اُس کا ساتھ دیا ہے۔ جنگ کے بعد انہیں ترقی ملے گی اور انعام بھی۔ اُس نے حارث سے کہا...... ''تمہاری بہن کا میرے سر پر ایک قرض ہے۔ میں اُس کے سامنے اُس وقت جاؤں گا جب میں یہ قرض ادا کرنے کے قابل ہوں گا''۔ حارث کو حیرت میں دیکھ کر اس نے کہا...... فوزی نے کہا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی تلوار لے کر اور اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر آؤ گے تو میں تمہارے ساتھ چلی چلوں گی...... حارث! میں اگر فاتح واپس آیا تو تمہاری بہن موصل کی ملکہ ہوگی''۔

''انشاء اللہ''۔ حارث نے کہا...... ''ہم آپ کو فاتح لائیں گے، کیا تینوں فوجیں اکٹھی جا رہی ہیں؟''

''ہاں!'' سیف الدین نے جواب دیا......''اور میں تینوں کا سالارِ اعلیٰ ہوں گا''۔

''زندہ باد''۔ داؤد نے کہا......''اب بھاگنے کی باری صلاح الدین ایوبی کی ہے''۔

داؤد اور حارث نے غلامانہ انداز سے جوشیلی باتیں کر کے اور فوزی کا نام بھی بار بار لے کر اُس سے پلان کا خاکہ بھی معلوم کر لیا اور نقل و حرکت کا انداز بھی پوچھ لیا۔

''تم دونوں اپنی فوج میں چلے جاؤ''۔ سیف الدین نے کہا......''میرا محافظ دستہ آ گیا ہے۔ میں تم دونوں کو ہمیشہ یاد رکھوں گا''۔

☆

تینوں فوجوں کا کوچ رات کو ہوا۔ داؤد اور حارث موصل کی ایک فوج کے جیش میں شامل ہو گئے تھے۔ حارث کو تو کئی سپاہی جانتے تھے، کیونکہ وہ اسی فوج کا تھا۔ داؤد کے متعلق حارث نے بتایا کہ والیٔ موصل کا بھیجا ہوا آدمی ہے۔ کوچ کی حالت میں کسی نے داؤد کے متعلق چھان بین نہ کی۔ رات کو تینوں فوجیں تین کالموں میں چلتی رہیں۔ آدھی رات کے بعد علاقہ چٹانی آ گیا، جہاں کئی جگہوں پر کالم کی ترتیب گڈمڈ ہو گئی۔ داؤد نے حارث سے کہا......''یہاں سے نکلو، موقعہ اچھا ہے''۔

رات کے اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دونوں نے گھوڑے آہستہ آہستہ ایک طرف کرنے شروع کر دیئے اور فوج سے دُور ہٹتے گئے۔ داؤد کی سکیم یہ تھی کہ دُور جا کر گھوڑے سرپٹ دوڑا دیں گے۔ دن کو تینوں افواج پڑاؤ کریں گی اور وہ دونوں ترکمان پہنچ جائیں گے اور صلاح الدین ایوبی کو حملے کی خبر دے دیں گے۔ اس طرح اُسے حملے کی اطلاع ایک دن پہلے مل جائے گی اور وہ دشمن کے استقبال کا انتظام کر لے گا۔ داؤد کو اپنی سکیم کی کامیابی پر مکمل اعتماد تھا مگر اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اردگرد کے علاقے میں چھاپہ مار اور جاسوس پھیلا دیئے گئے ہیں۔

وہ دونوں دور دائیں طرف نکل گئے۔ جب دیکھا کہ فوج سے وہ بہت دُور محفوظ فاصلے پر آ گئے ہیں تو انہوں نے ترکمان کا رُخ کر لیا لیکن گھوڑے دوڑائے نہیں، رفتار ذرا سی تیز کر دی۔ وہ گھوڑوں کو تھکانے سے بھی گریز کر رہے تھے کیونکہ انہیں منزل تک رُکے بغیر پہنچنا تھا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ صبح کا اُجالا نکھرنے لگا تو داؤد گھوڑے سے اُترا اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر اُس طرف دیکھنے لگا جدھر افواج جا رہی تھیں۔ اُسے دُور گرد کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہ افواج سے بہت دُور ہیں مگر یہ اُس کی غلطی تھی۔ اُسے کوئی دیکھ رہا تھا۔ نیچے آ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ یہ ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں کا علاقہ تھا۔ وہ دو ٹیلوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ آگے موڑ تھا۔ وہ موڑ پر پہنچے تو آگے سے چار گھوڑ سوار آ گئے۔ چاروں نے برچھیاں اُن کی طرف کر دیں اور رُک گئے۔

''گھوڑوں سے اُترو''۔ گھوڑ سوار نے رعب سے کہا۔

''ہم مسافر ہیں''۔ داؤد نے کہا۔

''مسافر موصل کی فوج کی وردی میں نہیں ہوا کرتے''۔ گھوڑ سوار نے کہا......''مسافروں کے پاس یہ ہتھیار نہیں ہوا کرتے جو تم نے اُٹھا رکھے ہیں......تم جو کوئی بھی ہو تمہیں ہمارے ساتھ حلب چلنا ہو گا۔ ہم تمہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ گھوڑے موڑو''۔

یہ حلب کے چھاپہ مار تھے جو مشکوک آدمیوں کو پکڑ کر حلب لے جانے کو تمام علاقے میں پھیلا دیئے گئے تھے۔ سواروں نے ان دونوں کو گھیرے میں لے لیا۔ داؤد نے حارث سے آہستہ سے کہا......''وقت آ گیا ہے بھائی''......

حارث نے اپنے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا۔ گھوڑے نے اگلی دونوں ٹانگیں اُٹھادیں۔ حارث نے ایڑ لگائی۔ گھوڑے نے جست لگائی۔ حارث نے سامنے والے گھوڑسوار کے سینے میں برچھی اُتار دی لیکن اُس کے بائیں جو سوار تھا اُس کی برچھی حارث کے کندھے میں اُتر گئی۔ داؤد تجربہ کار چھاپہ مار تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہیں سے گھمایا اور ایک اور سوار کو بے خبری میں لے لیا۔ وہ چار تھے اور یہ دو۔ یہ جگہ گھوڑوں کی لڑائی کے لیے موزوں نہیں تھی۔ دونوں طرف ٹیلے تھے۔ تھوڑی دیر گھوڑے کودتے پھلانگتے رہے۔ برچھیاں ٹکراتی رہیں۔ حارث گھوڑے سے گر پڑا۔ داؤد کو بھی زخم آئے تھے جن میں دو تین گہرے تھے، لیکن اُس نے ہوش ٹھکانے رکھے۔

آخر چاروں سوار مارے گئے یا شدید زخمی ہو کر گر پڑے۔ داؤد بھی شدید زخمی تھا۔ اُس نے دیکھا کہ معرکہ ختم ہو گیا ہے تو اُس نے حارث کے گاؤں کا رُخ کر لیا۔ حارث کو دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ مر گیا ہے اور اُسے یہ بھی یقین تھا کہ وہ خود بھی مر جائے گا، لیکن وہ سلطان ایوبی کو حملے سے قبل از وقت خبردار کرنے کے لیے زندہ رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کا خون اتنا زیادہ بہہ گیا تھا کہ اُس کی زین اور گھوڑے کی پیٹھ بھی لال ہو گئی تھی۔ اُس نے اندازہ کر لیا تھا کہ ترکمان دُور ہے اور حارث کا گاؤں قدرے کم دُور۔ اُس کی نظر حارث کے باپ پر تھی۔ اُسے اُمید تھی کہ وہ زندہ پہنچ گیا تو بوڑھے سے کہے گا کہ اپنے شہید بیٹے کی روح کی تسکین کے لیے ترکمان پہنچو اور سلطان ایوبی کو خبردار کر دو۔

اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑا جتنا زیادہ چلتا تھا، داؤد کے جسم سے خون اتنا ہی زیادہ نکلتا تھا۔ پیاس سے اُس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیر چھانے لگا۔ وہ سر کو جھٹک جھٹک کر راستہ دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اُس نے آیتہ کریمہ کا ورد شروع کر دیا اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آسمان کی طرف منہ کر کے بلند آواز سے کہتا..... ''زمین و آسمان کے مالک! تجھے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا واسطہ، مجھے تھوڑی سی زندگی عطا کر دے''..... اُس کے نیچے گھوڑا بڑی اچھی چال دوڑتا جا رہا تھا مگر داؤد کے زخم کھلتے جا رہے تھے اور وہ محسوس کر رہا تھا جیسے اُس کے جوڑ بھی الگ ہو رہے ہوں۔ ایک بار تو اُس کا سر ایسا ڈولا کہ وہ گھوڑے سے گرتے گرتے بچا۔ وہ چونک کر سنبھل گیا۔

☆

وہ ایک بار پھر گھوڑے سے گرنے لگا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر سنبھل نہ سکا۔ اُسے اپنے پاؤں کے نیچے زمین محسوس ہوئی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا تھا۔ وہ ذرا سا اپنے آپ میں آیا تو اُسے پتہ چلا کہ یہ رات کا اندھیرا ہے اور اُسے کسی نے تھام رکھا ہے۔ اُسے وہ دشمن سمجھ کر آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگا تو اُس کے کانوں میں ایک نسوانی آواز پڑی..... ''داؤد! تم گھر میں ہو، گھبراؤ نہیں''..... اُس نے آواز پہچان لی۔ یہ فوزی کی آواز تھی۔ وہ غشی کی حالت میں منزل پر پہنچ گیا تھا۔ آیتہ کریمہ نے اُسے روح کی روشنی عطا کی تھی۔

''بابا کہاں ہیں؟'' اُس نے اندر جا کر پوچھا۔

''وہ باہر چلے گئے ہیں''..... فوزی نے کہا..... ''وہ کل یا پرسوں آئیں گے''۔

فوزی اور اُس کی بھابی اُس کے زخم دھونے لگیں تو اُس نے پانی مانگا۔ پانی پی کر اُس نے کہا..... ''فوزی! تم نے کہا تھا کہ مردوں کے کام عورتیں بھی کر لیا کرتی ہیں''..... وہ رُک رُک کر بڑی مشکل سے بول رہا تھا..... ''میرے زخم نہ دھوؤ۔ بے کار ہے، میرے اندر خون نہیں رہا..... میں ٹھیک ہوتا تو برداشت نہ کرتا کہ تمہیں اس گھر سے باہر جانے دیتا مگر یہاں مسئلہ میری اور تیری ذات کا نہیں۔ یہ ایک امانت کا مسئلہ ہے۔ یہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناموس

کا مسئلہ ہے"...... اُس نے فوزی کو ترکمان کا راستہ سمجھایا اور اُسے پیغام دیا کہ حلب، حرن اور موصل کی فوجیں کس طرح مشترکہ کمان میں حملے کے لیے آرہی ہیں، کدھر سے آرہی ہیں اور اُن کا پلان کیا ہے۔ اُس نے فوزی کو بتایا کہ اُس کا بھائی اس فرض کی ادائیگی میں شہید ہو گیا ہے۔

فوزی تیار ہوگئی اور اُس کے ساتھ حارث کی بیوی بھی تیار ہوگئی۔ ایک گھوڑا گھر میں تھا، دوسرا داؤد کا تھا۔ فوزی اور اُس کی بھابھی داؤد کو اس حالت میں چھوڑ کر جانے سے گھبرا رہی تھیں۔

"فوزی!" داؤد نے نحیف آواز میں کہا۔۔۔۔۔ "میرے قریب آؤ"...... وہ اُس کے قریب آئی تو اُس نے لڑکی کا ہاتھ تھام کر اور مُسکرا کر کہا...... "راہِ حق کے مسافروں کی شادیاں آسمانوں میں ہوا کرتی ہیں، اُن کی باراتیں کہکشاں کے رستے جایا کرتی ہیں۔ ہماری شادی کی خوشی میں آسمان پر ستاروں کی چراغاں ہوگی"...... اور اُس کا سر ایک طرف لڑھک گیا۔ فوزی نے اُسے بلایا مگر اُس کی بارات کہکشاں کے راستے چل پڑی تھیں۔

فوزی کو داؤد سب کچھ بتا کر شہید ہوا تھا۔ فوزی اور اُس کی بھابھی نے گھر اللہ کے حوالے کیا۔ گھوڑے پر زین ڈالی اور اُس پر فوزی کی بھابھی سوار ہوگئی۔ فوزی نے داؤد کے گھوڑے کو پانی پلایا اور سوار ہوگئی۔ زین پر خون کی تہہ جمی ہوئی تھی...... دونوں گھوڑے گاؤں سے نکل گئے۔ دونوں لڑکیاں اللہ کے بھروسے پر جا رہی تھیں۔ اس راستے سے وہ واقف نہیں تھیں۔ داؤد نے فوزی کو ایک ستارہ سمجھا دیا تھا۔ وہ اس ستارے کی راہنمائی میں چلتی گئیں۔

اُدھر تینوں افواج دن بھر قیام کر کے رات کو چل پڑی تھیں۔ ترکمان زیادہ دُور نہیں تھا۔ سلطان ایوبی ترکمان میں آنے والے طوفان سے بے خبر تھا۔ اُس نے دیکھ بھال کا انتظام کر رکھا تھا مگر اُس کے دشمن نے بھی اب کے اچھے انتظامات کیے تھے۔ اُس نے اپنے چھاپہ ماروں کو بتا دیا تھا کہ ترکمان کے قریب انہیں سلطان ایوبی کے ایسے آدمی ملیں گے جو دیہاتی لباس میں یا خانہ بدوشوں کے بھیس میں ہوں گے اور وہ دیکھ بھال کر رہے ہوں گے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کا اس طوفان سے بچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کا بے خبری میں دبوچے جانا یقینی تھا۔ اپنے سالاروں سے وہ کہہ رہا تھا کہ حلب، حرن اور موصل والے اتنی جلدی حملہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے، حالانکہ اُسے سیف الدین کی طرف الملک الصالح کا بھیجا ہوا پیغام مل گیا تھا۔

فوزی اور اُس کی بھابھی پر جیسے دیوانگی طاری تھی۔ انہیں یہ احساس ہی نہیں رہا تھا کہ وہ مستورات ہیں اور اُن کے راستے میں کیسے کیسے خطرے ہیں۔ رات انہوں نے گھوڑوں پر گزار دی۔ صبح کا نور پھیلنے لگا تو وہ ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں کے قریب سے گزر رہی تھیں۔ فوزی نے ایک چٹان کے سہارے ایک آدمی کو بیٹھے دیکھا۔ اُس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔ اُس کا سر ڈھلک گیا تھا۔ فوزی نے اپنی بھابھی سے کہا کہ کوئی زخمی معلوم ہوتا ہے، لیکن رُکیں گے نہیں۔ معلوم نہیں کون ہے۔ انہیں اُس کے قریب سے گزرنا تھا۔ وہ آدمی اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گھوڑے قریب گئے تو فوزی نے چیخ کر کہا...... "حارث"...... اور وہ گھوڑے سے کود گئی۔

وہ حارث تھا۔ وہ شہید نہیں ہوا تھا لیکن اُس کا زندہ رہنا بھی معجزہ تھا۔ اُس کے جسم پر برچھیوں کے بہت سے زخم تھے۔ لڑکیوں نے گھوڑے کے ساتھ پانی کے چھوٹے چھوٹے مشکیزے باندھ رکھے تھے۔ انہوں نے حارث کو پانی پلایا۔ اُسے ذرا سا ہوش آیا تو اُس نے پوچھا...... "میں گھر میں ہوں؟ داؤد کہاں ہے؟"

فوزی نے اُسے ساری بات بتا دی اور بتایا کہ وہ اس وقت کہاں ہیں اور کدھر جا رہی ہیں۔ حارث نے کہا......

''مجھے گھوڑے پر ڈال لو اور ترکمان کی طرف گھوڑے دوڑا دو''۔

دونوں لڑکیوں نے اُسے گھوڑے پر بٹھا دیا۔ فوزی اُس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ حارث روح کی قوت سے زندہ تھا، ورنہ اُس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ نہیں بچا تھا۔ یہ فرض کی لگن کا کرشمہ تھا۔ فوزی نے اُس کی پیٹھ اپنے سینے سے لگا رکھی تھی اور اُسے ایک بازو سے پکڑا ہوا تھا۔ وہ سرگوشیوں میں فوزی کو راستہ بتا رہا تھا۔

سلطان ایوبی کی دشمن افواج سیف الدین کی کمان میں ترکمان کے قریب پہنچ رہی تھیں۔ اِدھر فوزی، حارث اور حارث کی بیوی ایک محفوظ سمت سے ترکمان کی طرف جا رہی تھیں۔ اُفق سے آسمان گہرا بادامی ہوتا جا رہا تھا اور یہ رنگ اوپر ہی اوپر اُٹھتا جا رہا تھا۔ فوزی کی بھابھی نے اُفق کی طرف دیکھا تو اُس نے گھبرا کر چلا کر کہا...... ''فوزی، اُدھر دیکھو''...... حارث نے سرگوشی کی...... ''کیا ہے فوزی؟''

''آندھی'' فوزی نے کہا اور اس کے دل پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

اس خطے کے لوگ ان آندھیوں سے واقف تھے۔ یہ علاقہ بے شک چٹانی تھا لیکن کچھ حصے ریتلے تھے اور اردگرد ریگزار تھا۔ آندھی جب آتی تھی چٹانوں کو ریت میں دفن کر جاتی تھی۔ انسانوں اور جانوروں کے لیے یہ قیامت ہوتی تھی، لیکن یہ جو آندھی آ رہی تھی وہ اس خطے کی چند ایک بھیانک آندھیوں میں سے ایک تھی اور اس آندھی نے تاریخی حیثیت حاصل کر لی۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد اکبر خان (رنگروٹ) نے اپنی انگریزی کتاب ''گوریلا وارفیئر'' میں چند ایک یورپی مورخوں اور مسلمان وقائع نگاروں کے حوالے دے کر لکھا ہے...... ''جس روز الملک الصالح، گمشتگین اور سیف الدین کی متحدہ افواج سلطان صلاح الدین ایوبی پر بے خبری میں حملہ کرنے کے لیے ترکمان کے قریب پہنچ گئیں تو ایسی آندھی آئی کہ اپنی ناک سے ایک بالشت آگے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ سلطان ایوبی کو معلوم نہیں تھا کہ اس آندھی میں اُس پر ایک اور طوفان آ رہا ہے''۔

تاریخ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ متحدہ افواج نے سلطان ایوبی پر حملہ کرنے میں تاخیر کر دی جو سالارِ اعلیٰ کی لغزش تھی، لیکن راہِ حق کے مسافروں کی مدد خدا کیا کرتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ خدائے ذوالجلال نے دو مسلمان لڑکیوں کے جذبہ حریت کی لاج رکھ لی تھی۔ ایک بہن اپنے زخمی بھائی کو سینے سے لگائے مجاہدینِ اسلام کو کفر کی یلغار سے خبردار کرنے کو دوڑی جا رہی تھی، اُسے کوئی غم نہ تھا کہ اُس کا بھائی مر رہا ہے۔

آندھی اتنی تیزی سے آئی کہ کسی کو سنبھلنے کا موقعہ نہ ملا۔ متحدہ افواج چٹانوں کی اوٹ میں بکھر کر پناہ گزین ہوئیں۔ گھوڑے اور اونٹ بے لگام ہو گئے۔ کمانڈروں کو اطمینان تھا کہ آندھی گزر جائے گی اور فوجوں کو منظم کر لیا جائے گا، مگر آندھی کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔

☆

سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ کی بھی حالت بہت بُری تھی، خیمے اُڑ رہے تھے۔ بندھے ہوئے گھوڑوں اور اونٹوں نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔ ریت کی بوچھاڑوں کے ساتھ کنکریاں اور ریزے جسموں میں داخل ہوتے محسوس ہوتے تھے۔ چیخیں ایسی، جیسے بدروحیں اور چڑیلیں چیخ رہی ہوں۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا مگر پتہ چلتا تھا کہ سورج کو بھی آندھی اُڑا لے گئی ہے۔ کمانڈر چلاتے پھر رہے تھے۔ سپاہی اُڑتے خیموں کو سنبھالتے، گرتے اور اُٹھتے تھے۔

تین چار سپاہی ایک چٹان کی اوٹ میں دبکے بیٹھے تھے۔ ایک گھوڑا جو آہستہ آہستہ چل رہا تھا، اُن پر چڑھ گیا۔ سپاہیوں نے اِدھر اُدھر گرتے چلا چلا کر کہا...... ''گھوڑا اِدھر کو بدبخت۔ کہیں اوٹ میں ہو جاؤ''...... گھوڑا رُکا تو ایک سپاہی نے

اپنے ساتھیوں سے کہا..... '' کچھ اور نہ کہنا،عورت ہے''.....ایک اور نے کہا..... ''یہ دوعورتیں ہیں''۔

وہ فوزی اور اُس کی بھانجی تھیں۔سپاہیوں نے یہ سمجھ کر آندھی میں راستہ بھول کر اِدھر آنکلی ہیں،اُن کے گھوڑوں کی باگیں پکڑلیں اور انہیں چٹان کی اوٹ میں کرنے لگے۔

''ہمیں سلطان ایوبی تک پہنچاؤ''۔فوزی نے آندھی کی چیخوں میں چلا کر کہا... ''سلطان صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟ ہم بہت ضروری پیغام لے کر آئی ہیں،ورنہ سب مارے جاؤ گے''۔

سپاہیوں نے گھوڑے پر ایک لہولہان زخمی کو بھی دیکھ لیا تھا۔انہوں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑیں اور بڑی ہی مشکل سے سلطان ایوبی کے خیمے تک پہنچے مگر وہاں کوئی خیمہ نہیں تھا۔خیمہ اُڑ گیا تھا۔ایک کمانڈر نے دیکھ لیا اور لڑکیوں کو سلطان ایوبی تک لے گیا۔سلطان ایک عمودی چٹان کی اوٹ میں بیٹھا تھا۔اُس کی حفاظت کے لیے قناتیں تان دی گئی تھیں۔لڑکیوں کو دیکھ کر سلطان ایوبی تیزی سے اُٹھا۔سب سے پہلے حارث کو گھوڑے سے اُتارا گیا۔وہ ابھی زندہ تھا۔لڑکیاں گھوڑوں سے اُتریں اور تیزی سے بولتے ہوئے فوزی نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ متحدہ فوج حملے کے لیے آگئی ہے۔حارث نے سرگوشیوں میں ضروری باتیں بتائیں اور وہ بولتے بولتے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

اس سے کچھ دیر بعد آندھی کا زور تھمنے لگا۔سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو بلایا اور حکم دیا کہ خیمے سنبھالنے کی ضرورت نہیں۔سپاہیوں کو جیشوں اور دستوں میں اکٹھا کرو۔چھاپہ مار دستے فوراً بلاؤ۔اُس نے سالاروں کو بتایا کہ کیا ہونے والا ہے اور رات کے اندر اندر کیا کیا نقل وحرکت کرنی ہے۔

آندھی کا زور کچھ اور کم ہو گیا لیکن رات کا اندھیرا پھیل گیا۔سیف الدین کی متحدہ افواج اپنے آپ کو سنبھالنے میں مصروف ہو گئیں۔بہت سے سپاہی سو گئے۔رات کا حملہ اس بدنظمی کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا۔جانور بھی اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ رہے تھے۔آدھی رات کے بعد افواج پر نیند کا غلبہ طاری ہو گیا۔سلطان ایوبی کا کیمپ جاگ رہا تھا اور وہاں بے پناہ سرگرمی تھی۔سیف الدین کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اُس کے دائیں اور بائیں سے دو تین میل دُور اُس فوج کا حصہ گزرتا جا رہا ہے جسے وہ بے خبری میں تباہ کرنے آیا تھا۔

☆

صبح طلوع ہوئی۔متحدہ افواج بُری طرح بکھری ہوئی تھیں۔رسد اُڑ گئی تھیں۔بعض گھوڑوں نے منہ زور ہو کر سپاہیوں کو کچل ڈالا تھا۔افواج کو عجلت سے منظم کیا گیا۔آدھے سے زیادہ دن اسی میں گزر گیا۔سیف الدین نے تینوں افواج کے سالاروں کو حکم دیا کہ چونکہ سلطان ایوبی بے خبر ہے،اس لیے سامنے سے کھلا حملہ کر دیا جائے۔

دن کے پچھلے پہر حملہ کیا گیا۔دائیں بائیں چٹانیں اور سرسبز ٹیلے تھے۔ان سے حملہ آوروں پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔سامنے سے آگ کے گولے آنے لگے۔آتش گیر مادے کی ہانڈیاں گرتی اور پھٹتی تھیں۔سیال مادہ بکھر جاتا تھا۔اس پر جب منجنیقوں کے پھینکے ہوئے آگ کے گولے گرتے تھے تو زمین مہیب شعلے اُگلتی تھی۔حملہ رُک گیا۔سیف الدین نے افواج کو پیچھے ہٹا لیا اور حملے کی ترتیب اور سکیم بدل دی مگر اُس کی افواج پیچھے ہٹیں تو عقب سے اُن پر ایسا شدید اور تیز حملہ ہوا کہ افواج کا شیرازہ بکھر گیا۔یہ حملہ سلطان ایوبی کے اپنے مخصوص سٹائل کا تھا۔حملہ آوروں کی تعداد تھوڑی تھی۔گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے۔سواروں کی برچھیاں اور تلواریں چلیں اور وہ غائب ہو گئے۔

ایسے ہی حملے پہلوؤں پر ہوئے۔سیف الدین کی مرکزی کمان ختم ہو گئی۔رات آئی۔حملہ رات کو بھی جاری

رہے۔ سیف الدین اور پیچھے ہٹا تو اُس پر تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار رات بھر سرگرم رہے۔ صبح ابھی دُھندلی تھی، جب سلطان ایوبی نے ایک چٹان پر چڑھ کر میدانِ جنگ کی کیفیت دیکھی۔ اُس کے سامنے اب جنگ کا آخری مرحلہ تھا۔ اُس نے قاصد کو اپنے ریزرو دستوں کے کمانڈر کی طرف دوڑا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سرپٹ دوڑتے گھوڑوں نے زمین ہلا ڈالی۔ پیادہ دستے دائیں اور بائیں سے نکلے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے آسمان پھٹنے لگا۔

سیف الدین کی افواج اس قابل نہیں رہی تھیں کہ اس حملے کی تاب لا سکیں۔ گھیرا ابھی تھا اور گھیرا مکمل تھا۔ سامنے سے شدید حملہ آ گیا۔ سیف الدین کی افواج کا جذبہ تو ختم ہو چکا تھا، خود سیف الدین دِل چھوڑ بیٹھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ کمان اُس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے اور افواج لڑنے کے قابل نہیں رہیں۔ سوار زخمی سپاہیوں کو روند رہے تھے۔ آخر انہوں نے فرداً فرداً ہتھیار ڈالنے شروع کر دیئے۔ سلطان ایوبی کی وہ فوج جو سیف الدین کے عقب میں تھی، آگے آ رہی تھی۔ دائیں بائیں سے چھاپہ مار ہلے پہ ہلہ بول رہے تھے۔ سیف الدین کی افواج شکنجے میں پس گئیں۔

سیف الدین کے مرکز تک پہنچے تو وہاں شراب کی صراحیوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا، وہاں سے جو قیدی پکڑے گئے، انہوں نے بتایا کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ آخری بار ایک چٹان کی اوٹ میں دیکھا گیا تھا، پھر نظر نہیں آیا۔ اُسے سلطان ایوبی کے حکم سے بہت تلاش کیا گیا مگر وہ کہیں بھی نظر نہ آیا۔ وہ نکل گیا تھا۔ اپنی افواج کو سلطان ایوبی کے رحم و کرم پر چھوڑ کر وہ بھاگ گیا تھا۔

رات ایک خیمے میں جو ترکمان کے سبزہ زار میں خاص طور پر نصب کیا گیا تھا فوزی اپنے بھائی کی لاش کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھی...... ''میں نے خون کی ندی پار کر لی ہے جس پر کوئی پُل نہیں ہوتا۔ حارث! میں نے تمہارا فرض ادا کر دیا ہے''۔

سلطان ایوبی اُس خیمے میں داخل ہوا تو فوزی نے پوچھا...... ''سلطان! کیا خبر ہے؟ میرے بھائی کا خون رائیگاں تو نہیں گیا؟''

''اللہ نے دشمن کو شکست دی ہے، تم فاتح ہو، میری بچی! تم......'' اور سلطان ایوبی کی آواز رقت میں دب گئی۔ اُس کے آنسو بہہ نکلے۔

جانباز، جنات اور جذبات

ترکمان کا معرکہ ختم ہو چکا تھا یا سلطان صلاح الدین ایوبی کے کم از کم اُن نائب سالاروں اور کمانڈروں کی نگاہ میں یہ معرکہ ختم ہو چکا تھا، جنہوں نے الملک الصالح، سیف الدین اور گمشتگین کی متحدہ افواج کو اُن کی توقعات کے خلاف بے ترتیب اور بزدلانہ پسپائی پر مجبور کر دیا تھا۔ سلطان ایوبی کے فاتح کمانڈروں کے سامنے دشمن کی لاشیں پڑی تھیں، زخمی تڑپ رہے تھے، منہ زور گھوڑے اور زخمی گھوڑے اور اونٹ زخمیوں اور لاشوں کو کچل رہے تھے۔ دشمن کے جو سپاہی بھاگ نہیں سکے تھے، وہ ہتھیار پھینک کر الگ جمع ہوتے جا رہے تھے۔ بے انداز تلواریں، ڈھالیں، برچھیاں، کمانیں، تیروں سے بھرے ہوئے ترکش، خیمے، فوجیوں کا ذاتی سامان جس میں نقدی اور قیمتی اشیاء بھی تھیں، دُور دُور تک بکھری ہوئی تھیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اُس مقام پر کھڑا تھا جو اُس کے دشمن اتحادیوں کے سپریم کمانڈر سیف الدین غازی کا ہیڈ کوارٹر اور اس کی رہائش گاہ تھی۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سیف الدین اپنی افواج کو بکھرتا اور سلطان ایوبی کی فوج کو یقینی فتح کی طرف بڑھتا دیکھ کر کسی کو بتائے بغیر بھاگ گیا تھا۔ اُس کا فرار خفیہ تھا اور شرمناک بھی۔ اُس کے ساتھ اُس کے حرم کی منتخب لڑکیاں تھیں، ناچنے گانے والیاں اور اُن کے سازندے تھے۔ سونے کے سکوں اور دیگر نقدی کی بوریاں بھری ہوئی تھیں۔ یہ رقم افواج کی تنخواہ تھی اور یہ سلطان ایوبی کے آدمیوں کو خریدنے کے لیے بھی استعمال ہوتی تھی۔ سیف الدین کی یہ رہائش گاہ دلکش کپڑوں کے خیموں، قناتوں اور شامیانوں سے بنی تھی۔ یہ کپڑے کی دیواروں اور چھتوں کا محل تھا۔ اُس دور کے جنگجو حکمران ایسے محل اور تمام تر آسائشیں اور عشرت کا سامان ساتھ رکھتے تھے۔ سیف الدین بھی انہیں حکمرانوں میں سے تھا۔ اُس نے شراب کی صراحیاں، رنگا رنگ پیالے اور مٹکے بھی ساتھ رکھے ہوئے تھے۔

سلطان ایوبی کپڑوں کے اس دلفریب محل کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نظر پلنگ پر پڑی، وہاں تلوار پڑی تھی۔ سیف الدین ایسا بوکھلا کر بھاگا تھا کہ تلوار ساتھ لے جانا بھول گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے تلوار اُٹھالی۔ نیام سے نکالی۔ تلوار چمک رہی تھی۔ سلطان ایوبی اس تلوار کو دیکھتا رہا۔ اپنے ساتھ کھڑے دو سالاروں کی طرف دیکھ کر اس نے کہا..... ''مسلمان کی تلوار پر جب عورت اور شراب کا سایہ پڑ جاتا ہے تو یہ لوہے کا بے کار ٹکڑا بن جاتی ہے۔ اس تلوار کو فلسطین فتح کرنا تھا مگر صلیب نے اسے اپنے گناہوں میں ڈبو کر اپنی طرح لکڑی کا ڈنڈا بنا ڈالا ہے جو تلوار شراب سے بھیگ جائے وہ لہو کے رنگ سے محروم رہتی ہے۔''

اس سے ملحق ایک وسیع اور خوشنما خیمے میں جوان، حسین اور نیم عریاں لڑکیاں ڈری سہی ہوئی بیٹھی تھیں۔ انہیں اپنا انجام کچھ اور نظر آ رہا تھا۔ فاتح فوج کے قبضے میں آ کر وہ جانتی تھیں کہ اُن کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ ایسی دلکش لڑکیوں کو دیکھ کر کون درندہ نہیں بن جاتا، لیکن انہیں جب سلطان ایوبی کا یہ حکم سنایا گیا کہ وہ آزاد ہیں اور وہ جہاں جانا چاہیں، بتادیں تا کہ وہاں تک انہیں حفاظت اور باعزت سے بھیجا جا سکے تو وہ اور زیادہ خوف زدہ ہو گئیں۔ انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا گیا۔ سلطان ایوبی میدانِ جنگ میں عورت کے وجود کو برداشت نہیں کیا کرتا تھا۔ اُن لڑکیوں سے پوچھا گیا کہ اُن کی تعداد

کتنی تھی تو انہوں نے بتایا کہ ان میں سے دو لاپتہ ہیں۔ ان کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ وہ مسلمان نہیں تھی اور وہی دو سیف الدین پر چھائی رہتی تھیں۔ یہی کہا جاسکتا تھا کہ وہ سیف الدین کے ساتھ بھاگ گئی ہیں۔

اُس دور کی جنگوں میں عموماً یوں ہوتا تھا کہ جنگ ختم ہوتے ہی فاتح فوج مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑتی تھی۔ زیادہ تر فوجی شکست خوردہ فوج کے اعلیٰ کمانڈر کی رہائش گاہ یعنی مرکز پر دھاوا بولتے تھے، کیونکہ وہاں خزانہ، شراب اور عورتیں ہوتی تھیں۔ ایک طوفانی ہڑبونگ اور بعض اوقات دنگا فساد برپا ہو جاتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے احکام سخت تھے۔ کسی افسر کو بھی اُس کا عہدہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو، اجازت نہیں تھی کہ مالِ غنیمت کو ہاتھ لگائے۔ مالِ غنیمت سمیٹنے اور ایک جگہ جمع کرنے کا کام کسی ایک دستے کے سپرد کیا جاتا تھا۔ اُس کی تقسیم سلطان ایوبی خود کرتا تھا۔ ترکمان کے معرکے کے بعد سلطان ایوبی نے مالِ غنیمت کے متعلق کوئی حکم نہ دیا۔ اُس نے اپنے اور دشمن کے زخمیوں کو اُٹھانے، مرہم پٹی کرنے اور جنگی قیدیوں کو الگ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

سلطان ایوبی میدانِ جنگ میں نظم و نسق اور ڈسپلن کی سختی سے پابندی کراتا تھا۔ اس معرکے میں دشمن بے ترتیبی سے بھاگا تھا۔ سلطان ایوبی کے بعض دستوں نے تعاقب بھی کیا تھا لیکن اُس کی ٹریننگ ایسی تھی کہ تعاقب میں بھی دستے اور جیش ترتیب میں اور ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں رہتے تھے۔ سلطان ایوبی نے تعاقب رُکوا دیا اور دائیں اور بائیں پہلو کو اسی طرح تیار رکھا تھا جس طرح جنگ سے پہلے تھے۔ حملے میں اُس نے دوسرے دستے، چھاپہ مار اور ریزرو کی کچھ نفری استعمال کی تھی۔ معرکہ ختم ہونے کے بعد بھی اُس نے پہلوؤں کے دستوں کو سمیٹا نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے محفوظہ (سٹرائیک فورس) کو فوراً واپس بلا کر اُسے اپنی کمان میں لے لیا تھا۔

''دشمن کے ساز و سامان اور جانوروں وغیرہ کے متعلق کیا حکم ہے؟'' ایک سالار نے سلطان ایوبی سے پوچھا اور کہا...... ''لڑائی ہمارے حق میں ختم ہو چکی ہے''۔

''میں ابھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوا''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''لڑائی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ میرے سبق اتنی جلدی بھول نہ جایا کرو۔ ہم نے دشمن کی مرکزیت اور جمعیت کو بکھیرا ہے۔ کیا ہمارے کسی دستے نے اس کے پہلوؤں پر حملہ کیا تھا؟...... نہیں کیا تھا۔ مجھے شک ہے کہ اس کے دونوں نہیں تو ایک پہلو محفوظ ہے۔ وہ آخر تین فوجیں تھیں۔ اُن کے سالار ایمان فروش ہو سکتے ہیں، ایسے اناڑی نہیں ہو سکتے کہ اُن کے جو دستے لڑائی میں شامل نہیں ہوئے، انہیں وہ جوابی حملے کے لیے استعمال نہ کریں۔ ہو سکتا ہے اُن کا محفوظہ بھی محفوظ اور تیار ہو''۔

''اُن کی مرکزی کمان ختم ہو چکی ہے سلطان محترم!'' سالار نے کہا...... ''انہیں حکم دینے والا کوئی نہیں رہا''۔

''صلیبیوں کا خطرہ بھی ہے'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''گو مجھے کسی طرف سے بھی اطلاع نہیں ملی کہ صلیبی فوج کہیں قرب و جوار میں موجود ہے لیکن یہ علاقہ چٹانی ہے۔ یہاں ٹیلے اور وسیع نشیب بھی ہیں۔ بعض جگہوں پر جنگل بھی ہیں اور کچھ حصہ ریگستانی بھی ہے۔ نظر دُور تک نہیں دیکھ سکتی۔ دشمن اور سانپ پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ مرتے مرتے ڈنک مار دیتا ہے۔ مجھے سیف الدین کے سالار مظفر الدین کی کوئی خبر نہیں۔ تم سب جانتے ہو کہ مظفر الدین اتنی آسانی سے بھاگنے والا سالار نہیں۔ میں اُس کا انتظار کر رہا ہوں۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔ دستوں کو یکجا کر لو...... مظفر الدین اگر میرے سبق بھول نہیں گیا تو وہ مجھ پر ایک جوابی حملہ تو ضرور کرے گا''۔

☆

سلطان ایوبی کا خطرہ بے بنیاد نہیں تھا۔ آپ نے قرونِ حماۃ کی جنگ میں سیف الدین کے ایک سالار مظفر الدین بن زین الدین کا ذکر پڑھا ہے۔ مظفر الدین سلطان ایوبی کی فوج میں سالار رہ چکا تھا اور اُس کی مرکزی کمان میں اُس کے ساتھ بھی رہا تھا۔ اس لیے اُسے اچھی طرح علم تھا کہ سلطان ایوبی جنگی منصوبہ کن عناصر کو سامنے رکھ کر تیار کرتا اور میدانِ جنگ میں اس میں کس طرح ردّ و بدل کرتا ہے۔ مظفر الدین کچھ تو ذہنی لحاظ سے پیدائشی جنگجو تھا، زیادہ تر تربیت سلطان ایوبی سے حاصل کی، اس لیے اس میں وہ جوہر تھے جو اُسے میدانِ جنگ سے منہ نہیں موڑنے دیتے تھے۔ وہ سیف الدین کا قریبی رشتہ دار (غالباً چچازاد بھائی) تھا۔ جب سلطان ایوبی مصر سے دمشق آیا اور مسلمان اُمراء اُس کے خلاف صف آرا ہو گئے تو مظفر الدین سلطان ایوبی کو بتائے بغیر اس کی فوج سے نکل کر اس کے دشمن کے کیمپ میں چلا گیا تھا۔

ترکمان کے اس معرکے سے پہلے قرونِ حماۃ کے معرکے میں مظفر الدین نے سلطان ایوبی کے پہلو پر ایسا شدید حملہ کیا تھا جس کا مقابلہ سلطان ایوبی نے پہلو کے دستوں کی قیادت اپنے ہاتھ لے کر کیا تھا۔ قاضی بہاؤالدین شداد کی تحریر کے مطابق، اگر سلطان ایوبی خود قیادت نہ کرتا تو مظفر الدین جنگ کا پانسہ پلٹ دیتا۔ سلطان ایوبی مظفر الدین کو فنِ حرب و ضرب کا استاد مانتا تھا۔ اب ترکمان میں اُسے جاسوسوں نے اس کے متحدہ دشمنوں کی افواج کے متعلق جو معلومات دی تھیں، اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ مظفر الدین بھی اِن افواج کے ساتھ ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ قلب میں ہے، دائیں ہے، بائیں ہے یا وہ محفوظہ کا سالار ہے۔ سلطان ایوبی نے چند ایک جنگی قیدیوں سے اس کے متعلق پوچھا تھا۔ انہوں نے یہ تصدیق تو کر دی تھی کہ مظفر الدین لشکر کے ساتھ ہے، مگر یہ کسی کو علم نہیں تھا کہ کہاں ہے۔

''ہو سکتا ہے قیدیوں نے اس پر پردہ ڈال لیا ہو کہ مظفر الدین کہاں ہے''۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا..... ''میں تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ لڑے بغیر بھاگ گیا ہو گا۔ وہ میرا شاگرد ہے۔ میں اس کی جنگی اہلیت سے بھی واقف ہوں اور اُس کی فطرت سے بھی۔ وہ حملہ کرے گا، اگر اُسے یقین ہوا کہ وہ شکست کھا جائے گا پھر بھی وہ حملہ کرے گا۔ اُسے حملہ کرنا چاہیے، ورنہ مجھے مایوسی ہو گی''۔

''صلاح الدین ایوبی یہ نہ کہے کہ مظفر الدین بھی بھاگ گیا ہے''۔ یہ آواز سیف الدین کے سالار مظفر الدین کی تھی جو ترکمان کے میدانِ جنگ سے دو اڑھائی میل دُور سنائی دے رہی تھی...... ''میں لڑے بغیر واپس نہیں جاؤں گا''۔

اُس وقت جب سلطان ایوبی سیف الدین کے رہائشی خیموں میں کھڑا تھا، سیف الدین کا کوئی کمانڈر یہ پیغام لے کر مظفر الدین کے پاس پہنچا تھا کہ سلطان ایوبی کو کسی طرح قبل از وقت پتہ چل گیا تھا کہ اُس پر حملہ آ رہا ہے، اس لیے ہم دھوکے میں آ گئے۔ اب یہاں لڑنا بے کار ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم بھی واپس چلے جاؤ اور اپنے دستوں کو کسی اور بہتر جگہ لڑانے کے لیے بچا کر لے جاؤ۔ سیف الدین نے اُس پیغام میں اپنے متعلق بتایا تھا کہ وہ کسی کو بتائے بغیر میدانِ جنگ سے جا رہا ہے۔

''ہم آپ کا ہر حکم بجا لائیں گے''۔ مظفر الدین کے ایک نائب سالار نے اُسے کہا...... ''لیکن اس حالت میں جبکہ ہماری فوج کے لڑنے والے حصے مارے گئے، زخمی یا قیدی ہو گئے یا بھاگ گئے ہیں۔ اس تھوڑی سی فوج سے جوابی حملہ کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا''۔

''میں اِن دستوں کو ناکافی نہیں سمجھتا جو میرے پاس ہیں''۔ مظفر الدین نے کہا...... ''یہ اُس فوج کا ایک چوتھائی ہیں جو ہم ساتھ لائے تھے۔ سلطان ایوبی اس سے بھی کم نفری سے لڑتا اور کامیاب ہوا کرتا ہے۔ میں اُس کے پہلو پر حملہ کروں گا۔ میں اَب اُسے وہ چال نہیں چلنے دوں گا جو اُس نے قرونِ حماۃ میں چلی تھی۔ تم سب حملے کے لیے تیار رہو''۔

''عالی مقام سیف الدین غازی والیٔ موصل تین فوجوں کی نفری سے ہار گئے ہیں''۔ نائب سالار نے کہا......

''میں اپنے مشورے کو دہراؤں گا کہ اس تھوڑی سی نفری سے حملہ کرنا اسے مروانے والی بات ہے''۔

''میدانِ جنگ میں اپنے حرم اور شراب کے مٹکے ساتھ رکھنے والوں کے پاس تین کی بجائے دس فوجیں ہوں تو بھی اُن کا انجام یہی ہوتا ہے جو والیٔ موصل سیف الدین کا ہوا ہے۔'' مظفر الدین نے کہا...... ''میں بھی شراب پیتا ہوں لیکن یہاں پانی بھی نہ ملے تو میں پرواہ نہیں کرتا۔ سلطان ایوبی مجھے ایمان فروش اور غدار کہتا ہے لیکن میں اس لیے اُس سے لڑنے سے منہ نہیں موڑوں گا کہ وہ مسلمان ہے۔ یہ دو سالاروں کی ٹکر ہوگی۔ یہ دو پہلوانوں کا دنگل ہوگا۔ یہ تیغ زنوں کا مقابلہ ہوگا...... اپنے دستوں کو تیار کرو اور یاد رکھو، صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کی نظریں زمین کے نیچے بھی دیکھ سکتی ہیں۔ اپنے دستوں کو آج رات اور پرے لے چلو اور ہر طرف دُور دُور تک اپنے آدمی چھوڑ دو۔ وہ جسے مشکوک حالت میں گھومتا پھرتا دیکھیں، اُسے پکڑ لیں''۔

اُس نے ایک جگہ منتخب کر لی تھی جہاں دستوں کو چھپایا جا سکتا تھا۔ حملے کے لیے اُس نے کوئی دن اور وقت مقرر نہ کیا۔ اپنے نائب سالاروں سے کہا...... ''سلطان ایوبی میں لومڑی کی چالاکی اور خرگوش کی پھرتی ہے۔ مجھے میرے مخبروں نے بتایا ہے کہ اُس نے ابھی مالِ غنیمت سمیٹا نہیں اور اُس نے اپنی فوج کے پہلوؤں کو بھی نہیں سمیٹا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پیش قدمی نہیں کرے گا اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہمارے جوابی حملے کا خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں وہ کس انداز سے سوچا کرتا ہے۔ میں اُسے یہ دھوکہ دوں گا کہ ہم سب بھاگ گئے ہیں اور اب حملے کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ یہ عقل اور فہم و فراست کی جنگ ہوگی۔ وہ دو دنوں سے زیادہ انتظار نہیں کرے گا۔ اس کی طرح میں بھی اپنے جاسوسوں کو اس کی نقل و حمل دیکھنے کے لیے استعمال کروں گا۔ جونہی وہ مالِ غنیمت سمیٹنے لگے گا اور اس کی توجہ دائیں بائیں سے ہٹ جائے گی۔ ہم اس کے پہلو پر حملہ کر دیں گے''۔

یہی وہ خطرہ تھا جسے سلطان ایوبی محسوس کر رہا تھا۔

☆

سیف الدین کے لشکر پر جس طرح سلطان ایوبی نے بے خبری میں اس کی توقعات اور اس کے خوابوں کے خلاف حملہ کیا تھا، اس کی تفصیلات پچھلی نشست میں سنائی جا چکی ہیں۔ آپ نے پڑھا ہے کہ سلطان ایوبی نے ایک تو اپنے دستے سیف الدین کی فوج کے دائیں بائیں سے اس کے عقب میں بھیج دیئے تھے، ان کے علاوہ اس نے اپنے چھاپہ مار بھی روانہ کر دیئے تھے۔ یہ اس کی کمانڈو فورس تھی جس کے ہر کمانڈر اور سپاہی میں غیر معمولی ذہانت، دلیری اور پھرتی تھی اور یہ تربیت یافتہ جاسوس بھی تھے۔ اس فورس نے چار چار سے لے کر بارہ بارہ کی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر دشمن کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اُن میں ایک ٹولی بارہ سپاہیوں کی تھی جس کے صرف تین سپاہی اور ٹولی کا کمانڈر الناصر زندہ تھے۔

الناصر اپنی ٹولی کے ساتھ ترکمان کے معرکے سے ہی سیف الدین کی متحدہ فوج کے دُور پیچھے چلا گیا تھا۔ اس کا نشانہ عموماً دشمن کی رسد ہوتی تھی۔ اب کے بھی وہ اپنی ٹولی کو گھوڑوں پر لے گیا تھا۔ اُس کے پاس فیتے والے (آتشیں) تیر تھے۔ تھوڑا سا آتش گیر مادہ تھا۔ برچھیاں، تلواریں اور خنجر تھے۔ رسد بہت دور تھی۔ الناصر کو زمین نے یہ سہولتیں مہیا کی تھی کہ یہ میدان یا ریگزار نہیں بلکہ دُور دُور تک چٹانیں، ٹیلے اور نشیبی علاقے تھے جن میں چھپنا آسان تھا۔ دن کے دوران ہدف کے قریب گھوڑے چھپائے جا سکتے تھے۔ اتحادیوں کی افواج کی رسد جس میں فوج کے لیے اناج اور جانوروں کے لیے

خشک گھاس اور دانہ وغیرہ تھا، پیچھے آ رہا تھا۔ اس سامان میں تیر و کمان اور برچھیاں وغیرہ بھی تھیں۔ الناصر نے پہلی ہی رات رسد پر کامیاب چھاپہ مارا تھا۔ بہت سی رسد آتشیں تیروں سے جل گئی تھی۔

دن کو وہ اپنی ٹولی کے ساتھ ایک جگہ چھپا رہا تھا مگر سویا نہیں تھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ دشمن کے فوجی کھڈ نالوں میں اور ٹیلوں کی اوٹ میں اُس کی پارٹی کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اُس نے اپنے سپاہیوں کو اِدھر اُدھر موزوں بلندیوں پر بٹھا دیا تھا۔ اُنہوں نے کمانوں میں تیر ڈال رکھے تھے۔ دشمن کے فوجی دُور سے ہی واپس چلے گئے تھے۔ سورج غروب ہونے کے بعد اس نے چھپ کر رسد کا قافلہ دیکھا۔ قافلے نے پڑاؤ ڈال دیا تھا مگر اس رات شب خون آسان نظر نہیں آتا تھا۔ دشمن نے اِردگرد گشتی پہرے کا بڑا سخت انتظام کر دیا تھا۔ یہ پہرہ پیدل بھی تھا اور گھوڑ سوار بھی۔ اس کے باوجود الناصر نے شب خون کا ارادہ کر لیا۔ دشمن کی ابھی بہت سی رسد باقی تھی۔ یہ سلطان ایوبی کا ایک تباہ کن طریقہ کار تھا۔ دشمن کی رسد کو چھاپہ ماروں سے تباہ کرا دیا کرتا تھا۔ اس کے لیے اُس نے ایسے فوجی تیار کر رکھے تھے جو جذبے کے لحاظ سے جنونی اور خبطی تھے۔ اُن کی دلیری غیر معمولی اور ذہانت اوسط درجہ سپاہیوں سے خاصی زیادہ تھی۔ ان جانبازوں کی دیانت داری کا یہ عالم تھا کہ اتنی دُور جا کر بھی جہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا، وہ فرض شناسی کا جانبازانہ مظاہرہ کرتے تھے۔

الناصر نے رات کو گھوڑے وہیں بندھے رہنے دیئے جہاں دن کو چھپائے تھے۔ اپنی پارٹی کو پیدل لے گیا۔ ایک جگہ سے وہ دشمن کی رسد کے پڑاؤ میں داخل ہو گیا۔ اس نے سامان کے انباروں پر آتش گیر مادہ چھڑک کر آگ لگا دی۔ اپنی ٹولی کو بکھیر دیا۔ سپاہیوں نے شعلوں کی روشنی میں بھاگتے دوڑتے سپاہیوں کو تیروں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ دشمن کے فوجی انہیں تلاش کرنے لگے۔ چھاپہ مار کب تک چھپ سکتے تھے۔ ایک ایک کر کے پکڑے اور مارے گئے۔ ان میں سے وہی تین زندہ رہے جو الناصر کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بہت تباہی مچائی تھی۔ رسد کے ساتھ جو پہرہ دار اور دیگر لوگ تھے، اُنہوں نے ان سب کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ الناصر نے اپنے تین ساتھیوں کو الگ نہ ہونے دیا۔ وہ شعلوں سے دُور ہٹ کر اندھیرے میں گھوڑا گاڑیوں اور خیموں کی اوٹ میں چھپتے، اپنے قریب سے گزرتے سپاہیوں سے بچتے کسی اور ہی سمت کو نکل گئے۔

الناصر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اُسے کوئی ستارہ نظر نہ آیا۔ چھاپہ ماروں کو ستاروں سے سمت معلوم کرنے کی ٹریننگ دی جاتی تھی مگر اُس رات آسمان گرد و غبار کی طرح کے بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ الناصر رسد کے پڑاؤ سے دُور نکل گیا۔ اُسے دشمن کی جلتی ہوئی رسد اور ساز و سامان کے شعلوں کی سرخی دکھائی دے رہی تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے باقی نو سپاہی زندہ ہیں یا شہید ہو چکے ہیں۔ اُس نے دِل ہی دِل میں اُن کی سلامتی کے لیے دُعا کی اور اپنے تین ساتھیوں کو ساتھ لیے اندازے کے مطابق اُس طرف چل پڑا جہاں اُس کی ٹولی کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ وہ رات بھر چلتا رہا۔ دشمن کی رسد کے شعلے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ فضا میں شعلوں کی جو سرخی نظر آتی تھی، وہ بھی غائب ہو گئی۔ اگر یہ سرخی نظر آتی رہتی تو وہ اپنے ٹھکانے تک پہنچ سکتا تھا۔ یہ بھی نہ رہی اور وہ اندھا دھند چلتا گیا۔

زمین کے خدوخال بدل گئے تھے۔ درخت تو کوئی تھا نہیں۔ اُس نے پاؤں تلے سخت زمین کی بجائے ریت محسوس کی۔ ٹیلے اور چٹانیں بھی نہیں تھیں۔ ریت نے اُس کے اور اس کے ساتھیوں کے پاؤں وزنی کر دیئے۔ پانی اور کھانے کی اشیاء گھوڑوں کے ساتھ تھیلوں میں بندھی تھیں اور گھوڑے نہ جانے کہاں تھے۔ اس نے پیاس محسوس کی۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔ اس کے تینوں ساتھی بھی پیاس کی شکایت کر چکے تھے۔ ان سب کی رفتار بھی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ الناصر نے وہیں رُک جانا اور آرام کر لینا مناسب سمجھا۔ اس کے ساتھیوں نے اس اُمید پر چلتے رہنے کا مشورہ دیا کہ کہیں پانی مل

جائے گا۔ اس خطے میں پانی کی قلت تو نہیں تھی لیکن وہ اس خطے کے اُس حصے میں جا نکلے تھے جو ریگزار تھا۔ وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ کچھ دیر اور چلے اور تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

☆

الناصر کی آنکھ کھلی تو اُس کے تینوں سپاہی بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ سورج اُفق سے اُٹھ آیا تھا۔ الناصر نے چاروں طرف دیکھا۔ وہ ریت کے سمندر میں کھڑا تھا۔ اس کا دِل ڈوبنے لگا۔ وہ تو صحراؤں میں جنا پلا اور صحراؤں میں اُس نے لڑائیاں لڑی تھیں۔ وہ ریگزار سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ اُس کی گھبراہٹ کی وجہ یہ تھی کہ اُسے توقع نہیں تھی کہ یہاں ریگستان ہوگا۔ گھبراہٹ کی وجہ یہ بھی تھی کہ اُفق تک پانی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ پیاس سے وہ حلق میں جلن اور چبھن محسوس کر رہا تھا۔ اپنے ساتھیوں کی حالت کا وہ اندازہ کر سکتا تھا۔ اُس نے سورج کے مطابق اُس سمت دیکھا جدھر ترکمان تھا۔ اُسے پہاڑیوں کی ٹیڑھی سی لکیر نظر آئی۔ وہ سیدھا اُس سمت نہیں جا سکتا تھا کیونکہ راستے میں دشمن کی فوج تھی۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ وہ اُٹھے تو اُن کے چہروں پر بھی گھبراہٹ اور تذبذب کے آثار پیدا ہو گئے۔

''ہم دو دن اور بھوکے اور پیاسے رہ سکتے ہیں''۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا...... ''اور ان دو دنوں میں ہم اگر منزل تک نہ پہنچ سکے تو پانی تک ضرور پہنچ جائیں گے''۔

تینوں نے اپنے اپنے خیال اور اندازے کا اظہار کیا مگر وہ بہت دُور نکل گئے تھے۔ اگر اُن کے پاس گھوڑے ہوتے تو مشکل ذرا آسان ہو جاتی۔ نیند نے اُن کے جسموں کو کچھ تازگی دے دی تھی۔

''ساتھیو!'' الناصر نے کہا...... ''خدائے ذوالجلال نے ہمیں جس امتحان میں ڈال دیا ہے، اس میں پورا اُترنا اور کوئی گلہ شکوہ نہ کرنا ہمارا فرض ہے''۔

''یہاں رُکے رہنا تو کوئی علاج نہیں''...... ایک ساتھی نے کہا...... ''پیشتر اس کے کہ سورج ہمارے سروں پر آکر ہمیں جلانے لگے، چل پڑو، اللہ تعالیٰ راستہ دکھائے گا''۔

وہ چل پڑے۔ سمت کا انہوں نے محض اندازہ کیا تھا۔ انہیں دُور کا چکر بھی کاٹنا تھا۔ سورج اوپر آتا رہا۔ ریت گرم ہوتی گئی اور تھوڑی دُور یوں نظر آتا جیسے یہ ریت نہیں پانی ہو۔ زمین سے لرزتا ہوا دھواں سا اوپر کو اُٹھ رہا تھا۔ وہ چاروں صحرا کے قہر سے واقف تھے اور عادی بھی۔ انہیں سراب بھی نظر آنے لگے مگر صحرا کے اس دھوکے سے واقف ہونے کی بدولت انہوں نے ہر سراب کو نظر انداز کیا۔

''ساتھیو!'' الناصر نے کہا...... ''ہم ڈاکو نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سزا نہیں دے گا۔ اگر ہم مر گئے تو یہ موت نہیں شہادت ہوگی۔ دِل میں خدا کو یاد کرتے چلو''۔

''اگر کوئی ایسا مسافر مل گیا جس کے پاس پانی ہوا تو میں ڈاکہ ڈالنے سے گریز نہیں کروں گا''...... ایک سپاہی نے کہا۔ سب ہنس پڑے اور سب نے محسوس کیا کہ ہنسنے کے لیے بھی انہیں طاقت صرف کرنی پڑی تھی...... پھر سورج اُن کے سروں پر آ گیا۔ اوپر سے سورج اور نیچے سے ریت ان سب کو جلانے لگی۔ الناصر ایک جنگی ترانہ گنگنانے لگا۔ ترانہ ختم ہو گیا تو انہوں نے ایک آواز اور ایک لَے میں ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰہ'' کا مترنم وِرد شروع کر دیا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ ریت کے چمکتے ہوئے ذرّے اُن کے نقوش کو مٹاتے جا رہے تھے۔

سورج دوسری سمت نیچے اُترنے لگا۔ چاروں کی آواز دھیمی ہوتی جا رہی تھی۔ قدم وزنی اور رفتار گھٹ گئی تھی۔

ہونٹ خشک ہوگئے اور منہ بند نہیں ہوتے تھے۔ اُن کے سائے جب دوسری طرف بڑھنے لگے تو اُن کا ایک ساتھی خاموش ہوگیا۔ کچھ دیر بعد دوسرے کی بھی زبان جواب دے گئی۔ الناصر اور اس کا تیسرا ساتھی سرگوشیوں میں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰه" کا وِرد کر رہے تھے۔ کچھ دُور گئے تو سرگوشیاں بھی خاموش ہوگئیں۔

"ساتھیو!"......الناصر نے جسم کی بچی کھچی طاقت صرف کرکے کہا......"حوصلہ نہ ہارنا۔ ہمارے جسموں میں ایمان کی بہت نمی ہے۔ ہم ایمان کی طاقت سے زندہ رہیں گے"۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے چہرے کو باری باری دیکھا، وہاں خون کا نام ونشان نہیں تھا۔ سب کی آنکھیں اندر کو چلی گئیں تھیں۔

سورج غروب ہوگیا۔ جوں جوں شام تاریک ہوتی گئی، ریت ٹھنڈی ہوتی گئی۔ الناصر نے ساتھیوں کو رُکنے نہیں دیا۔ خنکی میں ذرا تیز چلا جاسکتا تھا۔ اگر وہ کوئی عام مسافر ہوتے تو کبھی کے گر چکے ہوتے۔ وہ فوجی اور چھاپہ مار تھے۔ اُن کے جسم عام انسانوں کی نسبت کہیں زیادہ صعوبتیں برداشت کرسکتے تھے۔ وہ چلتے گئے اور کچھ فاصلہ طے کر الناصر نے انہیں رُکنے اور سوجانے کو کہا۔

☆

صبح کاذب کے قریب الناصر جاگا۔ آسمان صاف تھا۔ ستاروں کو دیکھ کر اُس نے اندازہ کیا کہ رات کتنی رہتی ہے۔ ایک ستارے کو دیکھ کر اس نے سمت طے کی اور اپنے ساتھیوں کو جگا کر انہیں ساتھ لیا اور سب چل پڑے۔ ان کی رفتار اچھی تھی مگر پیاس انہیں بولنے نہیں دے رہی تھی۔

"یہ ریگستان اتنا وسیع نہیں ہوسکتا"۔ الناصر نے بڑی مشکل سے یہ الفاظ زبان سے نکالے......"آج ختم ہو جائے گا، ہم آج پانی تک پہنچ جائیں گے۔

پانی جو دن کو سراب تھا، اندھیرے میں اُمید بن گیا اور وہ اس اُمید کی طاقت پر چلتے گئے۔ صبح کا اُجالا سپید ہوا پھر اُفق سے سورج اُبھرا۔ ان جانباز مسافروں کو سب سے پہلا صدمہ یہ ہوا کہ پانی کی اُمید دم توڑ گئی۔ ریت تو نہیں تھی، زمین سخت تھی۔ اس میں دراڑیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ پھٹی پھٹی زمین تھی، پاؤں کی جہاں ٹھوکر لگتی تھی۔ وہاں سے ریت اور مٹی اُڑتی تھی۔ آٹھ دس میل دُور زمین سے اُبھرے ہوئے ستون اور مینار سے نظر آتے تھے۔ یہ مٹی کے ٹیلے اور ریتلی چٹانوں کی چوٹیاں تھیں۔ درخت ایک بھی نظر نہیں آتا تھا۔ زمین کی حالت بتاتی تھی کہ صدیوں سے پیاسی ہے اور یہ کسی انسان کا خون پینے سے گریز نہیں کرے گی۔

الناصر نے اپنے ساتھیوں کے چہروں کا جائزہ لیا۔ اس سے اُسے اندازہ ہوگیا کہ اس کے اپنے چہرے کی حالت کیسی ہے۔ اس کے ایک ساتھی کی زبان کچھ باہر نکل آئی تھی۔ ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سوجن تھی۔ یہ علامتیں خوفناک تھیں۔ صحرا نے خراج وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ سلطان ایوبی کے اس جانباز کا خون پیاسی زمین کی بھینٹ چڑھنے لگا تھا۔ دوسرے دو سپاہیوں کی ظاہری حالت یہ تو نہیں تھی لیکن صاف نظر آرہا تھا کہ میناروں جیسے ٹیلوں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ الناصر ان کا کمانڈر تھا۔ اپنی ذمہ داری کا اُسے اتنا زیادہ احساس تھا کہ اُس کا دماغ اُس کے قابو میں تھا۔ اُس کی جسمانی حالت اپنے ساتھیوں سے بہتر نہیں تھی۔ اس نے بولنے کی کوشش کی۔ یہ اُس کی قوتِ ارادی تھی کہ اُس کے منہ سے چند الفاظ نکل آئے۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی مگر یہ ایک ناکام کوشش تھی۔

جوں جوں سورج اُوپر اُٹھتا آرہا تھا، زمین کے غیر مرئی شعلے بلند ہوتے جارہے تھے۔ ان جانبازوں کی رفتار کا

اب یہ حال تھا کہ وہ قدم اُٹھاتے نہیں، پاؤں گھسیٹتے تھے، جس سپاہی کی زبان باہر نکل آئی تھی اس کی برچھی اُس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر اُس نے کمر بند سے تلوار کھولی اور پھینک دی۔ اُس نے یہ حرکات بے خیالی میں کی تھیں۔ اُس کے ہاتھ اپنے آپ کام کر رہے تھے اور وہ ناک کی سیدھ میں چلا جا رہا تھا۔ یہ صحرا کا ایک ظالمانہ اثر ہوتا ہے کہ بھٹکا ہوا پیاسا مسافر نیند میں مختلف حرکات کرنے کے انداز سے اپنے جسم سے بوجھ پھینکنا شروع کر دیتا ہے۔ مختلف اشیاء پھینکنے کے بعد وہ اپنے جوتے بھی اُتار پھینکتا ہے۔ وہ کہیں رُکتا نہیں، چلتا جاتا اور چیزیں پھینکتا جاتا ہے۔ صحرائی مسافر جب جگہ جگہ ایسی اشیاء پڑی دیکھتے ہیں تو وہ اس توقع پر آگے بڑھتے ہیں کہ کچھ ہی دُور آگے ایک لاش پڑی ہو گی یا اُس بدنصیب کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو گا جو راستے میں اپنی آخری متاع بکھیرتا گیا ہے۔

صحرا نے الناصر کے ایک ساتھی کو اس مرحلے میں داخل کر دیا تھا جہاں وہ دُنیا کی اشیاء اور اپنے فرائض سے دستبردار ہو رہا تھا۔ الناصر نے اُس کی برچھی اور تلوار اُٹھالی اور اس سپاہی سے بڑے پیار سے کہا...... ''اتنی جلدی نہ ہارو میرے عزیز دوست! اللہ کا سپاہی مر جاتا ہے، ہتھیار نہیں پھینکا کرتا۔ اپنی عزت اور عظمت کو ریت میں نہ پھینکو''۔

اُس کے ساتھی نے اُسے دیکھا۔ الناصر اُسے دیکھتا رہا۔ سپاہی نے اچانک قہقہہ لگایا اور سامنے دیکھتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ بڑی جاندار آواز میں بولا...... ''پانی...... وہ دیکھو...... باغ...... پانی مل گیا''...... اور وہ آگے کو دوڑ پڑا۔

وہاں پانی تھا نہ پانی کا سراب۔ وہ زمین ایسی تھی جہاں سراب نظر نہیں آیا کرتے۔ سراب ریت کی چمک کا ہوتا ہے۔ اُس پر صحرا کا دوسرا ظالمانہ اثر ہونے لگا تھا۔ یہ تھے واہمے اور ایسے تصورات جو حقیقی روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ پانی کی جھیلیں اور باغ نظر آتے ہیں۔ عمارتیں دکھائی دیتی ہیں۔ یوں بھی نظر آتا ہے جیسے ایک دو میل دور شہر ہے۔ قافلے جاتے یا اپنی طرف آتے دکھائی دیتے ہیں۔ ناچنے اور گانے والیاں بھی نظر آتی ہیں...... اس بے رحم ویرانے نے الناصر کے ایک ساتھی کو فریب دینے شروع کر دیئے تھے۔ صحرا اُس کی جان سے کھیلنے لگا تھا۔ یہ شاید صحرا کی رحم دلی بھی ہے کہ کسی مسافر کی جان لینے سے پہلے اُسے بڑے ہی حسین اور دلفریب تصوروں میں اُلجھا دیتا ہے تاکہ مرنے والا اذیت سے محفوظ رہے۔

الناصر کا ساتھی آگے کو دوڑ پڑا۔ وہی سپاہی جو قدم گھسیٹ رہا تھا، تازہ دم آدمی کی طرح دوڑ رہا تھا مگر یہ دوڑ اُس چراغ کی مانند تھی جو بجھنے سے پہلے آخری بار ٹمٹمایا ہو۔ الناصر اُس کے پیچھے دوڑا اور اُسے پکڑ لیا۔ اس کے دوسرے دو ساتھیوں میں ابھی کچھ دم باقی تھا۔ وہ بھی دوڑے اور اپنے ساتھی پر قابو پالیا۔ وہ اُن سے آزاد ہونے کو تڑپ رہا تھا اور چلا رہا تھا۔ ''چلو جھیل تک چلو، وہ دیکھو، کتنے غزال جھیل سے پانی پی رہے ہیں''۔

ساتھیوں نے اُسے پکڑے رکھا اور وہ آہستہ آہستہ، قدم گھسیٹتے چلتے گئے۔ الناصر نے وہ کپڑا جو اُس کے سر پر رکھا تھا، اُس کے چہرے پر بھی ڈال دیا تاکہ وہ کچھ دیکھ ہی نہ سکے۔

☆

سورج سر کے عین اوپر آ گیا تھا جب ایک اور سپاہی نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا...... باغ میں رقاصہ ناچ رہی ہے۔ لعنت بھیجو پانی پر، چلو ناچ دیکھیں، حُسن دیکھو...... چلو دوستو، وہاں پانی مل جائے گا۔ لوگ کھانا کھا رہے ہیں۔ میں سب کو جانتا ہوں...... چلو...... چلو''۔ اور وہ دوڑ پڑا۔

جس سپاہی کو پہلے واہمہ نظر آیا تھا، وہ کچھ دیر خاموش رہا تھا، اس لیے ساتھیوں نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے ساتھی کو دوڑتا دیکھ کر اُس کے پیچھے دوڑ پڑا اور چلانے لگا...... ''رقاصہ بہت خوب صورت ہے۔ میں نے اُسے قاہرہ میں

دیکھا تھا۔ وہ مجھے جانتی ہے۔ میں اس کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ اُس کے ساتھ شربت پیوں گا''۔

النّاصر کا سر ڈول گیا۔ وہ صحرا کی صعوبتیں برداشت کر سکتا تھا، اپنے ساتھیوں کی یہ حالت اُس کی برداشت سے باہر تھی۔ انہیں سنبھالنا اُس کے بس سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ اُس کی اپنی جسمانی حالت بھی دگرگوں ہو گئی تھی۔ اُس کے ساتھ اب ایک ہی ساتھی رہ گیا تھا جس کا دماغ ابھی ٹھکانے تھا۔ جسمانی لحاظ سے وہ بے شک ختم ہو چکا تھا۔

اُن کے جو دو ساتھی باغ اور رقص کے واہمے کے پیچھے دوڑے تھے، چند قدم دوڑ کر گر پڑے۔ انہیں گرنا ہی تھا۔ اُن کے جسموں میں رہا ہی کیا تھا۔ النّاصر اور اُس کے ساتھی نے انہیں بٹھا کر اپنے سہارے لے لیا اور اُن پر کپڑوں کا سایہ کر دیا۔ اُن کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور سر ڈول رہے تھے۔

''تم اللہ کے سپاہی ہو''۔ النّاصر نے دھیمی سی آواز میں کہنا شروع کیا۔ ''تم قبلۂ اوّل اور خانہ کعبہ کے پاسبان ہو۔ تم نے اسلام کے دشمنوں کی کمر توڑ دی ہے۔ تم سے کفار ڈرتے اور کانپتے ہیں۔ تم شعلوں کو روندنے والے مردِ مومن ہو۔ اس صحرا کو، پیاس کو اور سورج کے قہر کو تم کیا سمجھتے ہو، تم پر اللہ کی رحمت برس رہی ہے۔ تمہیں فرشتے بہشت کی ٹھنڈک پہنچا رہے ہیں..... تمہارا جسم پیاسا ہے، روح پیاسی نہیں۔ ایمان والے پانی کی ٹھنڈک سے نہیں، ایمان کی حرارت سے زندہ رہتے ہیں''۔

دونوں نے آنکھیں کھول دیں اور النّاصر کو دیکھا۔ النّاصر نے مُسکرانے کی کوشش کی۔ اُس نے جذبات کے غلبے سے جو باتیں کہی تھیں، وہ اثر کر گئیں۔ دونوں سپاہی تصوروں اور واہموں کی دُنیا سے نکل کر حقیقت میں آ گئے۔ وہ اُٹھے اور نہایت آہستہ آہستہ چل پڑے۔

صبح روانگی کے وقت انہیں ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں کے جو ستون اور مینار نظر آئے تھے، وہ قریب آ گئے تھے۔ اب وہ بہت بڑے بڑے ہو گئے تھے۔ اُمید رکھی جا سکتی تھی کہ وہاں پانی ہوگا۔ وہاں نشیب اور کھڈ نالے بھی ہو سکتے تھے۔ النّاصر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ پانی کے قریب آ گئے ہیں اور آج شام سے پہلے پانی مل جائے گا، مگر وہ زمین اور وہ ماحول ایسی اور اتنی گرم حقیقت تھی کہ پانی کی اُمید شبنم کے قطرے کی طرح اُڑ گئی۔ وہ ٹیلوں اور ٹیکریوں کے اور قریب چلے گئے۔ اچانک ایک سپاہی دوڑ اُٹھا۔ وہ نعرے لگا رہا تھا..... ''میرا گاؤں آ گیا ہے۔ میں سب کے لیے کھانا پکوانے جا رہا ہوں۔ کنوئیں سے میرے گاؤں کی لڑکیاں پانی نکال رہی ہیں''۔

اُس کے پیچھے دوسرا سپاہی دوڑ پڑا اور چلّانے لگا..... ''مرغابیاں..... مرغابیاں''..... وہ دوڑتے دوڑتے منہ کے بل گرا اور ہاتھ سے مٹی اور ریت اُٹھا کر منہ میں ڈال لی۔

النّاصر اور اُس کا تیسرا ساتھی دوڑے۔ اُس کے منہ سے مٹی نکالی۔ کپڑے سے منہ صاف کیا اور اُسے اُٹھایا، مگر وہ چلنے کے قابل نہیں تھا۔ دوسرا سپاہی بھی گر پڑا تھا اور پیٹ کے بل رینگتے ہوئے کہہ رہا تھا..... ''کنوئیں سے پانی پی لو پھر تمہارے لیے کھانا پکواؤں گا''۔

النّاصر نے اپنے ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھائے اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔ ''اے خدائے ذوالجلال! ہم تیرے نام پر لڑنے اور مرنے آئے تھے، کوئی گناہ نہیں کیا۔ کہیں ڈاکہ نہیں ڈالا، اگر کفار سے لڑنا گناہ ہے تو ہمیں بخش دے، بخش دے صحراؤں کو آگ لگانے والے خدا! میری جان لے لے۔ میرے خون کو پانی بنا دے۔ میرے ساتھی پی کر زندہ رہیں۔ انہوں تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قبلۂ اوّل کے غاصبوں کے خلاف لڑائی لڑی ہے۔ میرے خون کو پانی بنا اور انہیں پلا دے''۔

اُس کے ساتھی آہستہ آہستہ اُٹھے اور ہاتھ آگے کو پھیلا کر یوں چلنے لگے جیسے انہیں کچھ نظر آ رہا ہو، جس تک وہ پہنچنا چاہتے ہوں۔ الناصر اور اُس کے ساتھی نے جو ذہنی لحاظ سے ابھی ٹھیک تھا، اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو وہ بھی قدم گھسیٹنے لگے۔ اُس وقت الناصر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آیا اور چھٹ گیا، جیسے سیاہ گھٹا کا ٹکڑا چاند کے آگے سے گزر گیا ہو۔ اندھیرا گزر جانے کے بعد اُسے محسوس ہوا جیسے اُسے سبزہ زار سا نظر آیا ہو مگر اس کے سامنے ٹیلوں اور چٹانوں کے مینار اور ستون تھے۔ اُس نے ایک لمحے کے لیے سبزہ دیکھا، ضرور تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ وہ سمجھ گیا کہ صحرا اُسے بھی فریب دینے لگا ہے۔

☆

وہ ٹیلوں کے اندر جا رہے تھے۔ یہ ٹیلے چوڑے تھے۔ کوئی اونچا تھا۔ کہیں کہیں کوئی ریتلی چٹان بھی نظر آتی تھی۔ وہ اور آگے گئے تو کسی ندی یا دریا کا خشک پاٹ آ گیا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ صدیوں سے یہاں سے پانی نہیں گزرا۔ الناصر آگے آگے اور اُس کے ساتھی اُس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ الناصر چلتے چلتے رُک گیا۔ اُس نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا دیا، مگر اُسے جو کچھ دکھائی دیا تھا، وہ بدستور نظر آتا رہا...... خشک پاٹ کے بائیں کنارے پر ریتلی چٹان تھی جو اوپر جا کر آگے کو جھک آئی تھی۔ شاید ایک دو صدیاں پہلے اس کے دامن سے پانی ٹکراتا رہا تھا۔ وہاں سے یہ پانی کی ماری ہوئی تھی۔ اُس کی شکل برآمدے کی سی بنی ہوئی تھی۔ چھت خاصی اونچی تھی اور وہاں سایہ تھا۔ اس سائے میں دو گھوڑے کھڑے تھے اور ان کے قریب دو جوان لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اُن کے رنگ گورے اور نقش و نگار بہت دلکش تھے۔

الناصر نے اُن سے دُور رُک کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا...... ''تمہیں بھی وہ دو لڑکیاں اور دو گھوڑے نظر آ رہے ہیں؟''

اُس کے وہ دو ساتھی جو واہموں اور تصوّروں کا شکار ہو چکے تھے، خاموش رہے۔ ایک نے کہا...... ''دُھند ہے، کچھ بھی نظر نہیں آ رہا......'' اور وہ گر پڑا۔

اُس کا وہ ساتھی جو ذہنی لحاظ سے ابھی ٹھیک تھا، سرگوشی میں بولا...... ''میں انہیں دیکھ رہا ہوں''۔

''اللہ ہم پر رحم کرے''۔ الناصر نے کہا...... ''ہم دونوں کے بھی دماغ ماؤف ہو گئے ہیں۔ ہمیں بھی وہ چیزیں نظر آنے لگی ہیں جو حقیقت میں نہیں ہیں۔ جہنم کے اس ویرانے میں اتنی خوب صورت لڑکیاں نہیں آ سکتیں''۔

''اگر ان کا لباس صحرائی خانہ بدوشوں جیسا ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ تصور نہیں، حقیقت ہے''...... اُس کے ساتھی نے کہا...... ''آگے چلو سائے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ لڑکیاں نہیں، ہمارے ذہنوں کا فتور ہے''۔

''مگر میں ہوش میں ہوں''...... الناصر نے کہا...... ''میں تمہیں پہچان رہا ہوں، تمہاری بات سمجھ گیا ہوں۔ میرا دماغ میرے قابو میں ہے''۔

''میں بھی ہوش میں ہوں''...... اس کے ساتھی نے کہا...... ''اگر ہم حقیقت میں لڑکیاں دیکھ رہے ہیں تو جنات ہوں گے''۔

لڑکیاں اس طرح بے حس و حرکت کھڑی انہیں دیکھ رہی تھیں، جیسے بت ہوں۔ الناصر دلیر آدمی تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھا۔ لڑکیاں غائب نہ ہوئیں۔ وہ اُن سے چار پانچ قدم دُور تھا۔ جب ایک لڑکی نے جو دوسری سے عمر میں کچھ بڑی لگتی تھی، دایاں بازو الناصر کی طرف کیا۔ لڑکی کی مٹھی بند تھی۔ اُس نے شہادت کی اُنگلی اور درمیانی اُنگلی آگے کو کر دی۔ الناصر رُک گیا۔ اُس نے اتنی خوب صورت لڑکیاں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ سر کی اوڑھنی سے اُن کے جو بال شانوں

پر پڑے نظر آتے تھے، وہ باریک ریشم کے تار لگتے تھے۔ دونوں لڑکیوں کی آنکھوں کا رنگ بھی دلکش اور عجیب تھا۔ آنکھیں ہیروں کی طرح چمکتی تھیں۔

''تم سپاہی ہو''...... بڑی لڑکی نے کہا...... ''کس کے سپاہی ہو؟''

''سب کچھ بتاؤں گا''...... الناصر نے کہا...... ''مجھے یہ بتادو کہ تم صحرا کا دھوکہ ہو یا جنات کی مخلوق میں سے ہو''۔

''ہم جو کچھ بھی ہیں، تم بتاؤ کون ہو اور اِدھر کیا کرنے آئے ہو''...... لڑکی نے پوچھا...... ''ہم صحرا کا فریب نہیں۔ تم ہمیں دیکھ رہے ہو، ہم تمہیں دیکھ رہی ہیں''۔

''ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار سپاہی ہیں''...... الناصر نے کہا...... ''راستہ بھول کر اِدھر آ نکلے ہیں، اگر تم جنات میں سے ہو تو تمہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واسطہ، میرے اِن ساتھیوں کو پانی پلا دو اور اس کے عوض میری جان لے لو، یہ میری ذمہ داری میں ہیں''۔

''اپنے ہتھیار ہمارے آگے پھینک دو''...... لڑکی نے اپنا بازو نیچے کرتے ہوئے کہا...... ''حضرت سلیمان علیہ السلام کے نام پر مانگی ہوئی چیز سے ہم انکار نہیں کر سکتے۔ اپنے ساتھیوں کو سائے میں لے آؤ''۔

الناصر نے اپنے وجود میں ایک لہر دوڑتی محسوس کی، جیسے سر سے داخل ہوئی اور پاؤں سے نکل گئی ہو۔ وہ انسانوں کا مقابلہ کرنے والا جانباز تھا۔ اُس کے شب خون اُس کے ساتھیوں کو حیران کر دیا کرتے تھے، مگر ان لڑکیوں کے آگے وہ بزدل بن گیا۔ اُس کے دِل پر ایسے خوف کی گرفت تھی جو اُس نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ جنات کی کہانیاں سنتا رہا تھا، جنات سے کبھی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اُسے ہر لحہ توقع تھی کہ یہ دو لڑکیاں اور دو گھوڑے غائب ہو جائیں گے یا شکلیں بدل لیں گے۔ ان کے خلاف وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بے بس اور مجبور ہو گیا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ سائے میں چلیں۔ اُن میں سے ایک تو بے ہوش پڑا تھا۔ اُسے گھسیٹ کر سائے میں لے گئے۔

''اپنے متعلق بتاؤ تم کیا کرکے آئے ہو؟''...... لڑکی نے پوچھا۔

''پانی پلاؤ''...... الناصر نے التجا کی...... سنا ہے جنات ہر چیز حاضر کر دیا کرتے ہیں''۔

''گھوڑوں کے ساتھ مشکیزے ہیں''...... لڑکی نے کہا...... ''ایک کھول لو''۔

الناصر نے ایک گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا مشکیزہ کھولا۔ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے سب سے پہلے بے ہوش ساتھی کے منہ میں پانی ٹپکایا۔ اُس نے آنکھ کھولی اور اُٹھ بیٹھا۔ الناصر نے مشکیزہ اُس کے منہ سے لگا دیا، لیکن اُسے زیادہ پانی نہ پینے دیا۔ باری باری سب نے پانی پی لیا۔ الناصر کا دماغ صاف ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ یہ لڑکیاں تصور یا واہمہ ہوتا تو دماغ میں جان آجانے سے یہ واہمہ غائب ہو جاتا لیکن لڑکیاں وہاں موجود تھیں اور سب سے بڑی حقیقت یہ تھی کہ اُس نے پانی پیا تھا۔ اگر پانی محض تصور ہوتا تو اس سے اُس کے جسم میں تازگی نہ آتی۔ اس نے لڑکیوں کو ایک بار پھر دیکھا اور بڑی غور سے دیکھا۔ اب وہ اُسے اور زیادہ حسین نظر آئیں، وہ یقیناً انسان نہیں تھیں۔

الناصر کی ذہنی، جذباتی اور جسمانی کیفیت یہ تھی کہ اُسے اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے سوچنے کے قابل نہیں رہا۔ اُس کے ساتھیوں کے چہروں پر زندگی عود کر آئی تھی۔ یہ اس تھوڑے سے پانی کا کرشمہ تھا جو اُن کے جسموں میں گیا تھا مگر الناصر کی طرح اُن پر بھی خوف طاری ہو گیا تھا۔ لڑکیاں انہیں خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ باہر کی دُنیا جل رہی تھی۔ زمین ایسے شعلے اُگل رہی تھی جو محسوس ہوتے تھے، نظر نہیں آتے تھے، لیکن جہاں یہ لوگ

بیٹھے تھے، وہ ان شعلوں سے محفوظ تھے۔ اوپر ریتلی چٹان کی چھت تھی اور جگہ خاصی کشادہ تھی۔

بڑی لڑکی نے بازو الناصر کی طرف بڑھایا۔ درمیانی اُنگلی اور شہادت کی اُنگلی آگے کر کے بازو کو گھوڑوں کی طرف گھما کر کہا...... ''وہ تھیلا کھول لاؤ اور اپنے ساتھیوں کو دو''۔

الناصر ایسے انداز سے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا چمڑے کا تھیلا کھول لایا جیسے اُس نے یہ حرکت کسی جادو کے زیر اثر کی ہو۔ اُس نے تھیلا کھولا تو اس میں کھجوروں کے علاوہ کھانے کی کچھ ایسی چیزیں پڑی تھیں جو صرف امیر لوگ کھایا کرتے تھے۔ خشک گوشت بھی تھا جو کھانے کے قابل تھا۔ اُس نے لڑکیوں کو دیکھا۔ بڑی لڑکی نے کہا......

''کھاؤ''...... الناصر نے یہ چیزیں اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں۔ ان سب کے پیٹ پیٹھ سے لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔ کھانا مقدار کے لحاظ سے تھوڑا تھا جو بظاہر ایک آدمی کے لیے کافی تھا، لیکن چاروں سیر ہو گئے۔ انہیں ماحول نکھرا ہوا دکھائی دینے لگا۔ لڑکیوں کا حسن پہلے سے کہیں زیادہ پُرکشش اور پُراسرار ہو گیا۔

''تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گی؟''...... الناصر نے بڑی لڑکی سے کہا...... ''جن اور انسان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ تم آگ ہو، ہم مٹی اور پانی ہیں۔ ہم سب کا خالق خدا ہے۔ ہمیں اپنے خالق کی مخلوق سمجھ کر ہم پر رحم کرو۔ ہمیں ترکمان کے راستے پر ڈال دو۔ تم چاہو تو پلک جھپکتے ہمیں ترکمان پہنچا سکتے ہو''۔

''تم کہیں شب خون مارنے گئے تھے؟''...... بڑی لڑکی نے پوچھا...... ''صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار بھی جن ہوتے ہیں۔ ہمیں بتاؤ کہ تم کہاں گئے تھے اور کیا کر کے آئے ہو''۔

الناصر نے اُسے اپنی تمام کارگزاری سنا دی۔ اُس کی ٹولی نے جس دلیری سے شب خون مارے اور جو نقصان کیا تھا، وہ پوری تفصیل سے سنایا، پھر یہ بتایا کہ وہ کس طرح واپسی کے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

''تم اپنے سپاہیوں سے بہتر سپاہی معلوم ہوتے ہو''...... لڑکی نے کہا...... ''کیا تمہاری فوج کا ہر ایک سپاہی یہ کام کر سکتا ہے، جو تم نے کیا ہے؟''

''نہیں'' الناصر نے جواب دیا...... ''ہم چاروں کو تم انسان نہ سمجھو۔ ہمیں استادوں نے جو تربیت دی ہے، وہ ہر ایک سپاہی برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم صحرائی ہرن کی طرح دوڑ سکتے ہیں۔ عقاب کی طرح ہماری آنکھیں بہت دُور تک دیکھ سکتی ہیں اور ہم چیتے کی طرح حملہ کرتے ہیں۔ ہم میں سے کسی نے بھی چیتا نہیں دیکھا۔ استادوں نے بتایا تھا کہ چیتا کیا ہوتا ہے اور وہ کس طرح حملہ کرتا ہے۔ اس جسمانی پھرتی کے علاوہ ہمارے دماغ دوسرے سپاہیوں کی نسبت زیادہ اچھی طرح سوچ سکتے ہیں۔ ہمیں استادوں نے یہ ہنر بھی سکھایا ہے کہ دشمن کے ملک میں جا کر فوجی راز کس طرح حاصل کیے جاتے ہیں۔ ہم بھیس بدل لیتے ہیں، آواز بدل لیتے ہیں، اندھے بن سکتے ہیں۔ ضرورت پڑے تو ہم آنسو بہا سکتے ہیں اور جب پکڑے جانے کا خطرہ ہو تو ہم اپنی زندگی سے دستبردار ہو کر لڑتے اور نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم قید نہیں ہوتے، شہید ہوا کرتے ہیں''۔

''اگر ہم جن نہ ہوتی تو تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے؟''...... لڑکی نے پوچھا۔

''تم یقین نہیں کرو گی''...... الناصر نے کہا...... ''ہم وہ پتھر ہیں جنہیں عورت کا حسن توڑ نہیں سکتا۔ مجھے یقین ہو جائے کہ تم انسان ہو اور پتہ چل جائے کہ راستہ سے بھٹک گئی ہو تو تم دونوں کو اپنی پناہ میں لے لوں گا اور اپنے ایمان کی طرح قیمتی سمجھوں گا، مگر تم انسان نہیں ہو، تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ تم انسان نہیں ہو۔ تم جیسی لڑکیاں اس جہنم میں نہیں آ سکتیں۔ اب میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ ہمیں پناہ میں لے لو''۔

''ہم انسانوں کی مخلوق سے نہیں''......لڑکی نے کہا......''ہمیں معلوم تھا کہ تم کیا کر رہے ہو، ہمیں معلوم تھا کہ تم راستے سے بھٹک گئے ہو، اگر تم گناہگار ہوتے تو جس صحرا سے تم گزر کر آئے ہو، وہ تمہارا خون پی جاتا اور تمہارے جسم کے گوشت کو ریت بنا کر تمہاری ہڈیاں ننگی کر دیتا۔ اس صحرا نے بھٹکے ہوئے گناہگاروں کو کبھی نہیں بخشا۔ ہم دونوں تمہارے ساتھ تھیں۔ تمہیں جو صعوبتیں برداشت کرنی پڑی ہیں، وہ اس لیے تم پر ڈالی گئی ہیں کہ تم خدا کو بھول نہ سکو اور تمہارے دل سے گناہ کا خیال اور ارادہ نکل جائے۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہم جیسی خوب صورت لڑکیوں کو دیکھ کر تم بھوک اور پیاس کو بھول جاؤ گے اور تمہارے دل پر شیطان کا قبضہ ہو جائے گا''۔

''تم ہمارے ساتھ ساتھ کیوں رہیں؟''......الناصر نے پوچھا۔

''ہمیں اُس نے بھیجا ہے جو صحراؤں میں راستہ بھول جانے والے نیک بندوں کو راہ دکھاتا ہے''......بڑی لڑکی نے کہا......''تم پر خدا نے جو رحمت نازل کی ہے، اُس کا تم حساب نہیں کر سکتے۔ اُس نے ہمیں کہا تھا کہ مرد نزع کے عالم میں بھی شیطان کے اثر سے آزاد نہیں ہوتا۔ اِس ناپاک قبضے سے آزاد کرانے کے لیے خدا نے تمہیں عذاب میں ڈالا ہے، پھر ہمیں حکم ملا کہ اِن کے سامنے آ جاؤ اور انہیں پناہ میں لے لو......ہم جانتے تھے کہ تم نے دشمن کو کس طرح اور کتنا نقصان پہنچایا ہے''۔

''پھر مجھ سے کیوں پوچھا تھا؟''......الناصر نے پوچھا۔

''یہ دیکھنے کے لیے کہ تم کتنا جھوٹ اور کتنا سچ بولتے ہو''......لڑکی نے کہا......''تم سچے ہو''۔

''ہم جھوٹ نہیں بولا کرتے''......الناصر نے کہا......''شب خون مارنے والے خدا کو گواہ بنایا کرتے ہیں۔ اپنی فوج اور اپنے سالاروں کی نظروں سے اوجھل ہو کر ہم اس حقیقت کو دِل میں بٹھا لیتے ہیں کہ ہمیں خدا دیکھ رہا ہے۔ ہم خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتے''......الناصر خاموش ہو گیا اور پوچھا......''تم نے میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گی''۔

''جو ہمیں حکم ملا ہے، اُس کے خلاف ہم کچھ نہیں کر سکتے''......لڑکی نے جواب دیا......''ہمارا سلوک بُرا نہیں ہو گا......ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم اب بول نہیں سکتے۔ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی آنکھیں بند ہو رہی ہیں مگر تمہارے دلوں میں جو خوف ہے، وہ تمہیں سونے نہیں دے رہا۔ دل سے خوف نکال دو اور سو جاؤ''۔

''پھر کیا ہو گا؟''......الناصر نے پوچھا۔

''جو اللّٰہ کا حکم ہو گا''......لڑکی نے جواب دیا......''ہم تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اگر بھاگنے کی کوشش کرو گے تو ان ریتلے ستونوں کی طرح ستون بن جاؤ گے۔ تمہیں دُور سے یہ ستون نظر آئے ہوں گے۔ ان کے اوپر کوئی چھت نہیں۔ یہ مینار لگتے ہیں، اصل میں انسان ہیں......انسان تھے۔ ہمیں حکم نہیں کہ تمہیں دکھاؤں، اگر حکم ہوتا تو کسی بھی مینار پر تم تلوار کی ضرب لگاتے تو اس میں سے خون پھوٹتا''۔

الناصر اور اُس کے ساتھیوں کی آنکھیں خوف سے باہر آنے لگیں۔ اُن کی سانسیں رُک گئیں۔

''یہ روئے زمین کا جہنم ہے''......لڑکی نے کہا......اِدھر وہی آتا ہے جو راہ سے گمراہ ہو جاتا ہے اور وہ کہ جو بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ دکھاتا ہے اور کسی کو نظر نہیں آیا کرتا، انہیں غزال جیسے خوب صورت جانوروں یا ہم جیسی خوب صورت لڑکیوں کے روپ میں آ کر انہیں راہ پر ڈالتا، پانی پلاتا اور انہیں اس دوزخ کی اذیت سے بچا لیتا ہے مگر انسان گناہوں کا اتنا شیدائی ہے کہ غزال کو دیکھتا ہے تو اُس پر تیر چلاتا ہے کہ اُسے مارے اور اُس کا گوشت کھائے اور جب ہم

جیسی عورت کو دیکھتا ہے تو اُسے تنہا اور مجبور سمجھ کر اُسے عیش و عشرت کا ذریعہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ اُس کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ وہ لڑکی سے کہتا ہے کہ آؤ میرے ساتھ، تمہارے ساتھ شادی کروں گا، تم میرے حرم کی ملکہ ہوگی...... ریت اور مٹی کے یہ بے ڈھنگ اور لمبوترے مینار ایسے ہی آدمی تھے، تم ان میں شامل نہیں ہو گے...... سو جاؤ۔ اگر ہمیں دیکھ کر تمہارے دل میں گناہ انگڑائی لے تو اسے بھی سلا دینا، ورنہ تمہارا انجام یہی ہوگا جو تم دیکھ رہے ہو۔ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ جس لذت کی وہ پیداوار ہے، اسی لذت کا شیدائی ہو کر تباہ ہوتا ہے اور بُرے بُرے انجام کو پہنچتا ہے۔ انسان کی اِس کمزوری نے قوموں کے نام و نشان مٹا دیئے ہیں''۔

لڑکی کے بولنے کے انداز میں جادو کا سا اثر تھا۔ یہ کسی پہلو اس دنیا کی لڑکی نہیں تھی۔ اس کے سینے میں ایک مقدس پیغام تھا۔ الناصر اور اُس کے ساتھیوں پر تقدس طاری ہو گیا اور وہ خود فراموشی کے عالم میں سنتے رہے، پھر وہ اونگھنے لگے اور ایک ایک کر کے لڑھک گئے۔ چاروں گہری نیند سو گئے تو بڑی لڑکی نے چھوٹی لڑکی کی طرف دیکھا۔ دونوں مُسکرائیں اور انہوں نے سکون کی لمبی آہ بھری۔

☆

الناصر کو کچھ خبر نہیں تھی کہ جس طرح اُس کا مشن کامیاب ہو چکا ہے اُسی طرح اُس کی فوج ایک ہی ہلے میں اپنے مشن میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اتحادی فوج کو سلطان ایوبی بکھیر کر بھگا چکا تھا۔ اتحادی فوج کا سالارِ اعلیٰ سیف الدین میدانِ جنگ سے لاپتہ ہو چکا تھا اور اب سلطان ایوبی سیف الدین کے ایک سالار مظفر الدین کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ اگر مظفر الدین میدانِ جنگ میں ہوا تو وہ جوابی حملہ ضرور کرے گا۔ سلطان ایوبی کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ مظفر الدین وہیں تھا۔ اُس کے پاس اس فوج کا چوتھائی حصہ تھا جو سلطان ایوبی کے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ چکی تھی۔ اس چوتھائی حصے کو جنگ میں شریک ہونے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ یہ شکست خوردہ فوج کا محفوظہ تھا جو محفوظ تھا اور سلطان ایوبی اُس کی موجودگی سے بے خبر تھا، یہ اس کی چھٹی حس تھی جو اُسے بتا رہی تھی کہ خطرہ ابھی موجود ہے۔ اُس نے اپنے جاسوسوں کو میدانِ جنگ کے اِردگرد دُور دُور تک پھیلا دیا تھا تاکہ کسی بھی جگہ کوئی فوج ہو اُس کی اطلاع فوراً پہنچائیں۔

وہاں ہر فوجی کے ذہن میں یہی خیال تھا کہ سیف الدین کی فوج مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے اور یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اس فوج کا کوئی سپاہی یا افسر زندہ موجود ہوگا۔ اِن میں سے جو زندہ موجود تھے، وہ سلطان ایوبی کی فوج کی حراست میں جنگی قیدی تھے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ خطہ ایسا تھا کہ جس کے خدوخال کئی کئی دستوں کو ایک ایک نشیب میں، چٹانوں کے جھرمٹ میں یا جنگل میں چھپا سکتے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوسی نظام کو یہی دشواری پیش آ رہی تھی، حالانکہ یہ وہ نظام تھا جو دشمن کے پیٹ میں جا کر راز نکال لایا کرتا تھا۔

مظفر الدین نے میدانِ جنگ سے دو اڑھائی میل دُور ایسی جگہ اپنے دستے چھپا رکھے تھے جو اس خطے کا نشیبی علاقہ تھا، وہاں جنگل بھی تھا اور اردگرد چٹانیں بھی۔ وہ اپنے خیمے میں بیٹھا سلطان ایوبی پر حملے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ وہ بہت جلدی میں تھا۔ اس کا ایک نائب سالار خیمے میں داخل ہوا۔ اُس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔

''کوئی نئی خبر ہے؟''...... مظفر الدین نے پوچھا۔

''صلاح الدین ایوبی کی فوج میں کوئی تبدیلی نہیں آئی''...... نائب سالار نے کہا...... ''تفصیل اس سے سن لو، یہ سب کچھ دیکھ آیا ہے''۔

یہ آدمی جاسوس تھا۔ اُس نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی کی فوج نے ابھی ہماری اس فوج کا سامان نہیں اُٹھایا جو بھاگ گئی ہے۔ زخمیوں کو اُٹھا لے گئے ہیں۔ لاشیں بھی اُٹھالی گئی ہیں، ہماری لاشوں کو بھی وہ اپنی لاشوں کے ساتھ الگ الگ قبروں میں دفن کر رہے ہیں''۔

''مجھے اُن کی خبر سناؤ جو ابھی زندہ ہیں''...... مظفر الدین نے کہا...... ''مرنے والوں کو قبروں میں اُترنا ہے، وہ اُتر رہے ہیں۔ کیا ایوبی نے اپنی فوج میں کوئی ردّوبدل کیا ہے؟ اُس کا دایاں بازو وہیں ہے یا اِدھر اُدھر ہو گیا ہے؟''

''قابلِ صد احترام سالار!''...... جاسوس نے کہا...... ''میں سپاہی نہیں، کمان دار ہوں، میں جو خبر دے رہا ہوں، وہ کچھ سوچ اور کچھ سمجھ کر دے رہا ہوں۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ آپ کو خوش کروں اور آپ کی خفگی سے ڈروں۔ میرا مقصد بالکل آپ ہی کی طرح یہی ہے کہ سلطان ایوبی کی فتح کو شکست میں بدلا جائے۔ آپ کچھ جلدی میں معلوم ہوتے ہیں، جلدی ضرور کریں، جلد بازی سے بچیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں، مجھے کہنے دیں۔ مجھے پابند نہ کریں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی نظر سلطان ایوبی کے دائیں پہلو پر ہے کیونکہ یہی ہدف آپ کی آسان زد اور رسائی میں ہے، مگر میں نے اُس کی فوج کے دوسرے حصوں کو بھی پیشِ نظر رکھ کر دیکھا ہے کہ ہم اُس کے دائیں پہلو پر حملہ کریں گے تو سلطان ایوبی فوج کے دوسرے حصوں کو کس طرح استعمال کرے گا''۔

''وہ ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش کرے گا''...... مظفر الدین نے کہا...... ''گھیراؤ وسیع رکھے گا۔ ہمیں گھمائے پھرائے گا اور گھیرا تنگ کرتا جائے گا۔ میں اُس کی چالوں کے متعلق پیش گوئی کر سکتا ہوں''۔

''صلاح الدین ایوبی نے محفوظہ کے اُن دستوں کو جن سے اُس نے ہمارے قلب پر حملہ کیا اور کامیابی حاصل کی ہے پھر سے سمیٹ لیا اور اگلے دستوں سے ایک کوس پیچھے تیار رکھا ہوا ہے۔ آپ ٹھیک سمجھے ہیں کہ سلطان ایوبی ہمارے حملہ آور دستوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرے گا۔ میں قبروں کا جو ذکر کر رہا تھا، وہ بے معنی نہیں تھا۔ سلطان ایوبی کا دایاں بازو جس جگہ ہے اُس سے ڈیڑھ ایک کوس پیچھے ہماری اور ایوبی کی فوج کی لاشوں کے لیے قبریں کھودی گئی ہیں۔ اُن کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ یہ ڈیڑھ ہزار گڑھے ہیں۔ آپ قبر کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی سے واقف ہیں۔ آپ ایسی سمت سے حملہ کریں کہ ایوبی کے دستے پیچھے ہٹیں۔ آپ انہیں قبروں کے قریب لے جائیں۔ دست بدست لڑنے کی بجائے تیروں کا اندھا دُھند استعمال کریں اور انہیں مجبور کر دیں کہ قبروں پر چلے جائیں۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ گھوڑے کھلی ہوئی قبروں میں کس طرح گریں گے۔ ان میں سے جن قبروں میں لاشیں اُتار کر ان پر ڈھیریاں بنادی گئی ہیں، وہ بھی اُن کے لیے رکاوٹ بنیں گی''۔

''ایوبی کے دائیں بازو کی قوت کتنی اور کس قسم کی ہے؟''...... مظفر الدین نے پوچھا۔

''کم از کم ایک ہزار سوار اور ڈیڑھ ہزار پیادے ہیں''...... جاسوس کمان دار نے جواب دیا...... ''یہ دستے تیاری کی حالت میں ہیں۔ آپ انہیں بے خبری میں نہیں لے سکتے''...... اُس نے اس نقشے پر جو مظفر الدین کے آگے پڑا تھا، ایک جگہ اُنگلی رکھ کر کہا...... ''یہ ہے دشمن (ایوبی) کا دایاں بازو۔ میرے اندازے کے مطابق اُس کا پھیلاؤ آٹھ سو قدم ہے۔ اُس کے سامنے کی زمین گڑھوں والی ہے۔ نیچی نیچی گول گول ٹیکریاں بھی ہیں۔ اُس کے دائیں کا علاقہ صاف ہے۔ حملے کے لیے یہ راستہ موزوں نظر آتا ہے مگر حملہ سامنے سے کیا جائے۔ دشمن پیچھے ہٹے گا''۔

''میرا حملہ سامنے کے بے کار راستے سے بھی ہوگا، دائیں جانب سے صاف راستے سے بھی''...... مظفر الد...

نے کہا......" میں قبروں کے گڑھوں اور ڈھیریوں کو استعمال کروں گا"...... اُس نے اپنے نائب سالار سے کہا...... "کوئی بھی آدمی کہیں بھی نظر آئے اسے پکڑ لو۔ یہ علاقہ جنگ کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے۔ اِدھر سے کوئی مسافر نہیں گزرے گا۔ اِدھر سے وہی گزرے گا جو جاسوس ہو گا"۔

☆

دو مسافروں کو شاید معلوم نہیں تھا کہ یہ علاقہ جنگ کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے۔ ایک اونٹ پر سوار تھا۔ وہ بوڑھا تھا۔ اُس کی داڑھی سفید تھی۔ اونٹ پر کچھ سامان بھی لدا ہوا تھا۔ دوسرے نے اونٹ کی مہار پکڑ رکھی تھی۔ وہ دونوں دیہاتی لباس میں تھے۔ وہ اُس جگہ سے گزر رہے تھے جہاں سے مظفر الدین کے چھپے ہوئے دستے نظر آرہے تھے۔ ایک فوجی نے انہیں پکارا۔ وہ نہ رُکے۔ اُن کی رفتار تیز ہو گئی۔ ایک گھوڑ سوار ان کے پیچھے گیا تو وہ رُک گیا۔ سوار نے انہیں ساتھ چلنے کو کہا۔

"ہم مسافر ہیں"...... جوان آدمی نے کہا...... "آپ کا کیا بگاڑ ہے؟ ہمیں جانے دیں"

"حکم ہے کہ یہاں سے جو گزرے اُسے روک لیا جائے"...... گھوڑ سوار نے کہا اور اُنہیں اپنے ساتھ لے گیا۔

اُنہیں ایک خیمے کے سامنے جا کھڑا کیا اور خیمے میں اطلاع دی گئی۔ ایک کمان دار باہر آیا۔ اس نے اُن سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے جو جواب دیا، اس سے کمان دار مطمئن ہو گیا، لیکن اس نے انہیں بتایا کہ انہیں آگے نہیں جانے دیا جائے گا۔ انہیں عزت سے رکھا جائے گا، قید میں نہیں۔ اُن کے اس سوال کا جواب نہ دیا جا سکا کہ انہیں کب تک یہاں رکھا جائے گا۔ یہ پہلے مسافر تھے جنہیں مظفر الدین کے حکم کے مطابق روکا گیا تھا۔ انہیں دو سپاہیوں کے حوالے کر کے کہا گیا کہ وہ اُن کے خیمے میں رہیں گے۔ ان کی کسی نے نہ سُنی۔

انہیں جس خیمے میں رکھا گیا، وہاں یہی دو سپاہی رہتے تھے۔ رات کو سپاہی سو گئے۔ سفید ریش بوڑھا جاگ رہا تھا۔ خیمے میں اندھیرا تھا۔ بوڑھے نے خراٹوں سے اندازہ کیا کہ دونوں سپاہی سو گئے ہیں۔ اس نے اپنے ساتھی کو ٹھوکر ماری۔ دونوں لیٹے لیٹے سرکنے لگے۔ جب خیمے کے دروازے تک پہنچے تو باہر کو سرک گئے۔ باہر خاموشی تھی۔ خیمے سے کچھ دُور جا کر بوڑھے نے اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ اس سے الگ ہو جائے اور کسی اور سمت سے خیمہ گاہ سے باہر نکلے۔ دونوں الگ ہو گئے، اُن کی یہ توقع پوری نہ ہوئی کہ وہاں سارا کیمپ سویا ہوا ہو گا۔ سنتری جاگ رہے تھے۔ ایک سنتری نے اندھیرے میں سائے کو حرکت کرتے دیکھا تو اُسے بلانے کی بجائے اُس کے پیچھے چل پڑا۔

وہ بوڑھا تھا۔ اُس نے سنتری کو دیکھ لیا اور وہ کہیں چھپ گیا۔ سنتری آیا۔ اُسے ڈھونڈنے لگا وہاں کچھ سامان پڑا تھا۔ اس ڈھیر میں کہیں چھپا رہا، پھر اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہاں سے دبے پاؤں نکل گیا۔ بالکل اسی طرح ایک اور سنتری نے اُس کے ساتھی کو دیکھ لیا۔ مظفر الدین نے جاسوسوں پر نظر رکھنے اور انہیں پکڑنے کے بڑے ہی سخت احکام دے رکھے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے جاسوس بہت تیز اور ہوشیار ہیں۔ چنانچہ مظفر الدین نے اُس کے جاسوسوں کو پکڑنے کے لیے خاص قسم کی ہدایات دی تھیں، انہی ہدایات کے مطابق سنتری بوڑھے اور اُس کے ساتھی کو پکارتے نہیں تھے، اُن کا تعاقب کر رہے تھے۔

بوڑھے کا ساتھی بھی چھپ گیا۔ اِدھر بوڑھا بھی ایک سنتری کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بوڑھا اور ایک جگہ چھپا۔ سنتری اُس کے پیچھے آرہا تھا۔ سنتری غلط فہمی میں آگے نکل گیا۔ بوڑھے نے خنجر نکال لیا۔ اُس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اس سنتری سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے خنجر سے ہلاک کر دے گا۔ بوڑھا اُٹھا۔ ابھی دیکھ ہی رہا تھا

کہ کدھر کو نکلے کہ اچانک ایک آدمی اُس کے قریب آرُکا۔ بوڑھے نے ذرّہ بھر توقف نہ کیا۔ خنجر اُس آدمی کے دِل میں اُتار دیا۔ فوراً بعد دوسرا وار کیا۔ اُس آدمی کے منہ سے آواز نکلی اور خاموش ہوگئی۔ وہ آدمی گر پڑا۔

بوڑھا وہاں سے بھاگنے کی راہ دیکھ رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اُسے دبوچ لیا۔ بوڑھے نے جسم کو اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ اُسے دبوچنے والا اس سے الگ ہوکر گرا۔ وہ تیز بھاگا مگر کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ اُس نے جسے گرایا تھا وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ تیز دوڑا اور بوڑھے کو پیچھے سے پکڑ لیا، ساتھ ہی اُس نے شور مچا دیا۔ مشعلیں جل اُٹھیں۔ تین چار سنتری دوڑے آئے۔ انہوں نے مشعلوں کی روشنی میں دیکھا کہ یہ تو کوئی سفید ریش بزرگ ہے مگر ان سب سے آزاد ہونے کے لیے ایسی پھرتی اور ایسی طاقت کا مظاہرہ کر رہا تھا جو اس عمر میں کم ہی کسی انسان میں ہوتی ہے۔ وہ اکیلا تھا۔ سنتری زیادہ تھے۔ وہ ان سے آزاد نہ ہو سکا مگر اس کوشش میں اُس کی سفید داڑھی اُتر کر گر پڑی۔ سب نے دیکھا کہ اُس کے چہرے پر چھوٹی چھوٹی سیاہ داڑھی تھی جو سلیقے سے تراشی ہوئی تھی اور وہ ایک جوان آدمی تھا۔ سفید داڑھی مصنوعی تھی۔

اُسے پکڑ کر اُس جگہ لے گئے جہاں اُس نے ایک سنتری کو خنجر کے دو وار کر کے مار ڈالا تھا۔ مشعل کی روشنی میں سب نے دیکھا کہ وہ کوئی سنتری نہیں بلکہ اسی آدمی کا ساتھی تھا۔ وہ مر چکا تھا۔ اُس آدمی نے جو سفید داڑھی لگا کر بوڑھا بنا ہوا تھا، اپنے ہی ساتھی کو سنتری سمجھ کر ہلاک کر دیا تھا۔ یہ دونوں ساتھی الگ الگ ہو کر کیمپ سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے مگر سنتریوں نے انہیں دیکھ لیا۔ یہ دونوں تعاقب سے بچنے کی کوشش میں اکٹھے ہو گئے۔ سفید داڑھی والے نے اُسے سنتری سمجھا اور نہایت عجلت میں اُسے خنجر سے مار ڈالا۔ لاش کی تلاشی لی گئی۔ اس کے کپڑوں کے اندر سے خنجر برآمد ہوا۔ اُن کے اونٹ پر جو سامان تھا، وہ کھول کر دیکھا گیا تو کوئی سامان نہیں تھا۔ بوریوں میں گھاس پھونس بھر کر سامان کا دھوکہ دیا گیا تھا۔

اس آدمی کو ایک نائب سالار کے خیمے میں لے گئے۔ نائب سالار جاگ اُٹھا۔ اُس نے اس آدمی سے بہت کچھ پوچھا لیکن اُس نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ اس کی سفید داڑھی جو اُس کے چہرے سے اُتری تھی، نائب سالار کو دکھائی گئی۔ اس کے متعلق بھی اُس نے خاموشی اختیار کی مگر یہ ایسے ثبوت تھے جنہیں وہ جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ اُسے کہا گیا کہ وہ تسلیم کر لے کہ وہ سلطان ایوبی کا جاسوس ہے اور اُس کا ساتھی بھی جاسوس تھا۔ اُس نے یہ الزام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اُسے مارا پیٹا گیا۔ بہت پریشان کیا گیا لیکن اُس نے اعتراف نہ کیا کہ وہ جاسوس ہے۔ رات گزر گئی۔

صبح اُسے مظفر الدین کے سامنے لے جایا گیا اور اُسے رات کا واقعہ سنایا گیا۔ اُس کی مصنوعی داڑھی اور اس کے اونٹ کا سامان بھی مظفر الدین کے آگے رکھا گیا۔

''علی بن سفیان کے شاگرد ہو یا حسن بن عبداللہ کے؟'' ...... مظفر الدین نے اس سے پوچھا۔ (علی بن سفیان سلطان ایوبی کی ملٹری انٹیلی جنس کا سربراہ اور حسن بن عبداللہ اس کا نائب تھا)۔

''میں ان دونوں میں سے کسی کو نہیں جانتا'' ...... ملزم نے جواب دیا۔

''میں جانتا ہوں ان دونوں کو'' ...... مظفر الدین نے کہا ...... ''میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا شاگرد ہوں، اُستاد اپنے شاگرد کو دھوکہ نہیں دے سکتا''۔

''میرا آپ کے ساتھ اور سلطان ایوبی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں'' ...... ملزم نے جواب دیا۔

''سنو میرے بدقسمت دوست!'' ...... مظفر الدین نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''میں تمہارے ساتھ بحث نہیں کروں گا۔ میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ تم نالائق اور نکمے ہو۔ تم نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے۔ پکڑا جانا

کوئی عیب نہیں۔تمہاری بدقسمتی کہ تمہارا ساتھی تمہارے ہی ہاتھوں مارا گیا ہے۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہارا کوئی ساتھی یہاں سے ہو گیا ہے اور وہ ایوبی کو اطلاع دے چکا ہے کہ اس جگہ فوج ہے؟ اور یہ بتا دو کہ اس وقت تمہاری فوج کی ترتیب کیا ہے اور دستے کہاں کہاں ہیں۔ان سوالوں کا جواب دو اور میں تمہارے ساتھ قرآن کے نام پر وعدہ کرتا ہوں کہ جنگ ختم ہوتے ہی تمہیں رہا کر دوں گا۔اُس وقت تک پوری عزت سے تمہیں اپنے پاس رکھوں گا''۔

''مجھے آپ کی قسم پر اعتبار نہیں''......ملزم نے کہا......''کیونکہ آپ قرآن سے منحرف ہو چکے ہیں''۔

''کیا میں مسلمان نہیں؟''......مظفرالدین نے تحمل سے کہا۔

''آپ یقیناً مسلمان ہیں''......ملزم نے جواب دیا......''لیکن آپ قرآن کے نہیں صلیب کے وفادار ہیں''۔

''میں اپنی توہین اس شرط پر برداشت کرلوں گا کہ میں نے جو پوچھا ہے، وہ مجھے بتا دو''......مظفرالدین نے کہا......''تمہاری جان میرے ہاتھ میں ہے''۔

''آپ خدا کے ہاتھ سے میری جان چھین نہیں سکتے''......ملزم نے کہا......''آپ ہماری فوج میں رہ چکے ہیں۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہماری فوج کا ہر سپاہی اپنی جان خدا کے سپرد کر چکا ہے۔ میں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ میں اپنی فوج کا جاسوس ہوں اور میرا ساتھی بھی جاسوس تھا۔ میں آپ کے کسی اور سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ میں زندہ ہوں، میری کھال اُتارنی شروع کر دیں۔ میرے منہ سے اپنے سوالوں کا جواب نہیں سن سکو گے......اور میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ شکست آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے''۔

''اس کے ٹخنوں میں رسی ڈالو اور اُس درخت کے ساتھ اُلٹا لٹکا دو''......مظفرالدین نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا اور اپنے خیمے میں چلا گیا۔

☆

''وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے''......حسن بن عبداللہ سلطان ایوبی سے کہہ رہا تھا......''اُن کے پکڑے جانے کا تو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہمارے جاسوسوں کو یہاں پکڑنے والا کون ہے۔انہیں بہت دُور بھی نہیں جانا تھا''۔

''ہوسکتا ہے، وہ پکڑے گئے ہوں''......سلطان ایوبی نے کہا......''وہ جو صبح کے گئے ہوئے شام کے بعد تک نہیں آئے، وہ پکڑے گئے ہوں گے۔اُن کا نہ آنا ظاہر کرتا ہے کہ یہاں پکڑنے والے موجود ہیں۔آج رات کچھ آدمی اور بھیج دو اور ذرا دُور کے علاقے کی دیکھ بھال کراؤ''۔

وہ انہی دونوں جاسوسوں کے متعلق بات کر رہے تھے۔سلطان ایوبی نے ہمیشہ اپنے جاسوسی کے نظام پر بھروسہ کیا اور دشمن کو اسی نظام کی راہنمائی میں ناکوں چنے چبوائے تھے مگر اب اس کا یہ نظام اس کے لیے بے کار ہوتا جا رہا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا مدِمقابل اس کا شاگرد مظفرالدین تھا۔گذشتہ رات سلطان ایوبی کے ایک جاسوس کی لاش ترکمان سے کچھ دُور ویرانے میں پڑی ملی تھی۔اُس کے پہلو میں تیر اُترا ہوا تھا۔مظفرالدین نے اپنے نائب سالاروں سے کہا تھا......''اگر تم صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کے خلاف اقدام کرسکو تو وہ اندھا اور بہرہ ہو جائے۔پھر تم اسے شکست دینے کی سوچ سکتے ہو''......اب سلطان ایوبی کے دو اور جاسوس لاپتہ ہو گئے تھے۔سلطان ایوبی ان دونوں واقعات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔اُس کے حکم پر حسن بن عبداللہ نے چھ چھاپہ مار جاسوس روانہ کر دیئے۔

صبح کی اذان کی پہلی اللہ اکبر گونجی تو سلطان ایوبی کی آنکھ کھلی......وہ خیمے سے باہر نکلا تو اُس کے خادم نے مشعل

جلا کر اس کے خیمے کے آگے رکھ دی۔ اُدھر سے ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا آیا۔ سلطان ایوبی کے سامنے رُک کر وہ گھوڑے سے اُترا اور کہا۔ ''سلطان کا اقبال بلند ہو۔ اپنے دائیں پہلو کے علاقے کے سامنے کسی فوج کی حرکت سنی گئی ہے۔ دیکھ بھال کے لیے دو آدمی آگے گئے تھے۔ انہوں نے تصدیق کی ہے کہ فوج آرہی ہے''۔

سلطان ایوبی نے مرکزی کمان کے سالاروں کے نام لے کر کہا کہ انہیں فوراً بلاؤ۔ وہ زمین پر بیٹھ گیا اور تیمم کیا۔ اُس کے پاس وضو کے لیے وقت نہیں تھا۔ وہیں قبلہ رُو ہو کر اُس نے مصلےٰ بچھائے بغیر نماز پڑھی۔ مختصر الفاظ میں دعا مانگی اور اپنا گھوڑا منگوایا۔

''یہ مظفر الدین کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا''...... سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا...... ''یہ صلیبی نہیں ہوسکتے۔ اُن کے آنے کی سمت یہ نہیں ہوسکتی۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے کہ دشمن ہمارے دائیں پہلو کے دستوں کے سامنے اور دائیں سے آرہا ہے تو خیال رکھنا، یہ دو طرفہ حملہ ہوگا۔ اپنے کسی دستے کو پیچھے نہ ہٹنے دینا۔ پیچھے ڈیڑھ ہزار قبروں کے گڑھے ہیں۔ تمام لاشوں کو ابھی دفن نہیں کیا گیا۔ یہ گڑھے ہمارے سواروں کی قبریں بن جائیں گے''۔

سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار ہوا۔ اُس کے محافظ دستے کے بارہ محافظ اُس کے پیچھے چل پڑے۔ وہ سوار تھے۔ اُس نے آدھی درجن تیز رفتار سوار قاصد بھی ساتھ لے لیے تھے اور ساتھ دو سالار بھی تھے۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور ایک ایسی چٹان پر جاچڑھا، جہاں سے وہ اپنے دائیں بازو کے سامنے کا علاقہ اور اپنے دستوں کو دیکھ سکتا تھا۔ صبح کا دُھندلکا چھٹنے لگا تھا۔ وہ چٹان سے اُترا اور دائیں بازو کے دستوں کے کمان داروں کو بلا کر حکم دیا کہ سواروں کو گھوڑوں پر سوار کردو اور پیادہ دستوں کے تیر اندازوں کو سامنے والے علاقے کے کھڈوں میں اور بلندیوں کے پیچھے مورچہ بند ہونے کو دوڑا دو۔

''اب سے دائیں پہلو کے دستوں کی اعلیٰ کمان میرے پاس ہوگی''...... اُس نے کمان داروں اور نائب سالاروں سے کہا...... ''اپنے قاصد اپنے ساتھ رکھ لو اور میرے ساتھ رابطہ رکھو''۔

سلطان ایوبی کی ٹریننگ میں نقل و حرکت کی برق رفتاری پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ کسی چال کے حکم کی تعمیل حیران کن رفتار سے ہوتی تھی۔ مظفر الدین کی فوج ابھی اتنی قریب نہیں آئی تھی کہ سلطان ایوبی کے دستوں کی حرکات دیکھ سکتی۔

☆

مظفر الدین نے گھوڑ سواروں سے حملہ کیا، جوں ہی اُس کا پہلا سوار دستہ سلطان ایوبی کے دستوں کے سامنے والے علاقے میں آیا اُس کی ترتیب خراب ہوگئی، کیونکہ وہاں کھڈ اور ڈھیروں کی طرح ٹیکریاں تھیں۔ ان کھڈوں میں سلطان ایوبی کے تیر انداز بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے قریب سے اور اپنے اوپر سے گزرتے اور سرپٹ دوڑتے گھوڑوں پر تیر برسانا شروع کردیئے۔ سوار گرنے لگے، جس گھوڑے کو تیر لگتا تھا وہ بے لگام ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے دوڑنے لگتا تھا۔ یہ تو ہر معرکے میں ہوتا تھا۔ مظفر الدین کے لیے یہ صورت حال عجیب نہیں تھی۔ البتہ اُسے یہ پریشانی ہوئی کہ اُس کی توقع کے خلاف سلطان ایوبی کے دائیں بازو کے دستے بیدار تھے اور مقابلے کے لیے تیار۔ اس یلغار میں سلطان ایوبی کے بے شمار تیر انداز کچلے گئے۔ اس قربانی سے سلطان ایوبی نے یہ فائدہ حاصل کیا کہ مظفر الدین کے حملے کی شدت ختم ہوگئی۔ اب سلطان ایوبی جم کر لڑ سکتا تھا۔ مظفر الدین یہ جو توقع لے کر حملہ آور ہوا تھا کہ وہ اچانک آپڑے گا اور سلطان ایوبی کو وہ اپنی چالوں کا پابند کر کے اُسے میدانِ جنگ میں اپنی پسند کے مطابق لڑاتا رہے گا، اُس کی یہ توقع ختم ہوگئی تھی۔

سلطان ایوبی اپنی چالیں چلنے کے لیے آزاد تھا۔ اُس کے چند ایک تیر اندازوں نے مظفر الدین کے گھوڑوں

کے قدموں میں بیٹھ کر جانیں قربان کر دی تھیں، لیکن اپنے سلطان کو وہ بڑا ہی قیمتی جنگی فائدہ دے گئے تھے۔ مظفر الدین کا حملہ آور دستہ کئی ایک گھوڑے اور اُن کے سوار مروا کر آگے نکل آیا۔ آگے سلطان ایوبی خود تھا۔ اُس نے حملہ آوروں کا پھیلاؤ دیکھا تو اُس کے مطابق اپنے سواروں کو ایک حکم دے دیا۔ حملہ آور قریب آئے تو سلطان ایوبی کے بائیں سواروں نے گھوڑے بائیں کو موڑے اور ایڑ لگا دی۔ دائیں کے سواروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ حملہ آوروں کے سامنے کوئی مزاحمت نہ رہی۔ مزاحمت کرنے والے دائیں اور بائیں بھاگ گئے تھے۔

حملہ آوروں کے کچھ گھوڑے دائیں کو مڑے کچھ بائیں کو۔ زیادہ تر ناک کی سیدھ میں چلے آئے۔ سلطان ایوبی کے دائیں بائیں کو بھاگنے والے سواروں نے اندر کو گھوڑے موڑے۔ اب حملہ آوروں کے گھوڑوں کے پہلو اُن کے سامنے تھے۔ انہوں نے ایڑ لگا دی...... دونوں طرف سے سواروں نے ہلہ بولا تو اُن کی برچھیوں کا کوئی وار خالی نہ گیا۔ حملہ آور تو آگے کو دوڑے جا رہے تھے۔ وہ اپنے پہلوؤں کی حفاظت کرنے کے قابل ہی نہیں تھے۔ اُن کی عافیت اسی میں تھی کہ وہ آگے کو نکل جائیں۔ آگے ڈیڑھ ہزار قبریں تھیں۔ حملہ آور کے پیچھے سلطان ایوبی کے سوار آ رہے تھے۔ صورت تعاقب کی بن گئی تھی۔ حملہ آوروں کے گھوڑے کھلی قبروں سے گزرنے لگے۔

مظفر الدین گھبرا جانے والا سالار نہیں تھا۔ اُس نے کم سے کم تعداد سے حملہ کرایا تھا۔ اِس سے اُس نے میدانِ جنگ کا ذائقہ چکھ لیا اور صورتِ حال معلوم کر لی۔ اُس نے فوراً سواروں کی دوسری موج چھوڑ دی۔ سلطان ایوبی کے سواروں نے گھوڑے روک لیے تھے، کیونکہ وہ قبروں سے دُور رہنا چاہتے تھے۔ وہ اگلے حکم کی تعمیل کرنے ہی لگے تھے کہ مظفر الدین کے سواروں کا دوسرا دستہ اُن کے سر پر آ گیا۔ انہیں سنبھلنے کی مہلت نہ ملی۔ یہ عقبی حملہ تھا۔ اس میں سلطان ایوبی کے سواروں کا بہت جانی نقصان ہوا۔ کئی سوار آگے کو بھاگے اور اُن کے گھوڑے قبروں میں گرے۔ اُس کے ساتھ ہی مظفر الدین نے دائیں طرف سے بھی حملہ کر دیا۔

سلطان ایوبی کے لیے صورتِ حال پریشان کن ہو گئی۔ اس نے قاصد کو اس حکم کے ساتھ دوڑایا کہ محفوظہ عقب سے حملہ کرے۔ سلطان ایوبی نے دائیں بازو کے دستوں کو جس طرح تقسیم کیا تھا، وہ بے کار ہو گئی۔ مظفر الدین اُسی کے اصولوں پر لڑ رہا تھا۔ مظفر الدین کی کمزوری یہ تھی کہ اُس کے پاس کمک نہیں تھی۔ سلطان ایوبی نے قاصدوں کے ذریعے اپنے دستوں کے کمانڈروں سے رابطہ رکھ کر انہیں دائیں بائیں بکھیرنا شروع کر دیا اور جب عقب سے اُس کے محفوظہ نے حملہ کیا تو مظفر الدین کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس کا اپنا مرکز خطرے میں پڑ گیا، لیکن اُس نے نکل بھاگنے کی نہ سوچی۔

مورخوں کے مطابق دن کے پچھلے پہر تک دونوں فوجوں نے جو معرکہ لڑا وہ بڑا ہی خون ریز اور بڑا ہی سخت تھا۔ کمان سلطان ایوبی کے ہاتھ میں تھی، ورنہ صورتِ حال کچھ اور ہوتی۔ جہاں تک لڑنے کے جذبے کا اور جنگی قابلیت کا تعلق تھا، مظفر الدین نے سلطان ایوبی کی زبان سے داد و تحسین کے کلمے کہلوا لیے تھے۔ اُسے شکست اس لیے ہوئی کہ اس کے پاس یہی کچھ تھا جو اُس نے آخری بازی پر لگا دیا تھا۔ وہ بازی ہار گیا۔ معرکے کے آخری مرحلے میں سلطان ایوبی نے ریزرو سوار دستے سے ہلہ بولا۔ مظفر الدین کی پوزیشن بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اس نے پسپائی میں خیریت سمجھی۔ سلطان ایوبی نے بہت سے قیدی پکڑے، جن میں مظفر الدین کا ایک مشیر فخر الدین بھی تھا۔ یہ کوئی معمولی سا انسان نہیں تھا، سیف الدین کا وزیر تھا۔ ترکمان کے معرکے میں جب سیف الدین بھاگا تو فخر الدین مظفر الدین کے پاس چلا گیا تھا اور اُس کی حوصلہ افزائی کی تھی کہ وہ سلطان ایوبی پر حملہ کرے۔

یہ معرکہ شوال ۵۷۱ (اپریل ۱۱۷۶ء) میں لڑا گیا تھا۔ بے شک مظفر الدین کو شکست ہوئی تھی اور سلطان ایوبی کے مسلمان دشمنوں کی کمر ٹوٹ گئی تھی مگر سلطان ایوبی کا اتنا زیادہ نقصان ہوا تھا کہ اگلے دو ماہ تک وہ ترکمان سے ہلنے کے قابل نہ رہا۔ اُس کا دایاں بازو ختم ہو گیا تھا جیسے اس کا اپنا بازو مفلوج ہو گیا ہو۔ اُس کے پاس نئی بھرتی آ رہی تھی، لیکن وہ رنگروٹوں کے ساتھ پیش قدمی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے اُسی روز دمشق اور مصر قاصد دوڑا دیئے کہ کمک بھیجو۔ اگر اُس کا اتنا زیادہ نقصان نہ ہوتا تو وہ آگے جا کر حلب، موصل اور حرن وغیرہ پر یلغار کرتا اور اپنے ان مسلمان دشمنوں کو جو فلسطین کے راستے میں حائل ہو گئے تھے، راہِ راست پر لے آتا یا ختم کر دیتا۔

''یہ میری فتح نہیں''......سلطان ایوبی نے اس معرکے کے بعد اپنے سالاروں سے کہا......''یہ صلیبیوں کی فتح ہے۔ وہ ہمیں کمزور کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ انہوں نے میری پیش قدمی کی رفتار سست کر کے فلسطین پر اپنے قبضے کے عرصے کو کچھ اور طویل کر لیا ہے۔ ہمارے یہ مسلمان بھائی کب سمجھیں گے کہ کفار ان کے دوست نہیں ہو سکتے اور اُن کی دوستی میں بھی دشمنی ہوتی ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ تاریخ لکھنے والے ہماری آنے والی نسلوں کو کن الفاظ میں سنائیں گے کہ ہم آپس میں لڑے تھے''۔

اُسے ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اُس کے بھائی جو اُس سے شکست کھا کر بھاگ گئے ہیں، اُس کے قتل کا ایک اور منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اس کا تیسرا دشمن گمشتگین، حشیشین کے سردار شیخ سنان کے ہاں گیا ہوا تھا۔ اُس وقت شیخ سنان عصیات نام کے ایک قلعے میں مقیم تھا۔ اُسے یہ قلعہ صلیبیوں نے دیا تھا جس میں اس نے اپنی فوج رکھی ہوئی تھی۔ اس قلعے میں اس کے پیشہ ور قاتلوں کا گروہ بھی تھا۔

☆

عصیات اور ترکمان کے درمیان اس جہنم نما علاقے میں جہاں سلطان ایوبی کے چار چھاپہ مار بھولے بھٹکے پہنچ گئے تھے۔ سورج اُفق کے قریب چلا گیا تھا۔ چھاپہ ماروں کے کمانڈر الناصر کی آنکھ کھلی۔ وہ اُٹھ بیٹھا۔ دونوں لڑکیاں جاگ رہی تھیں۔ الناصر کے دل پر گھبراہٹ ہو گئی۔ ان لڑکیوں میں سے ایک نے اُس کے ساتھ ایسی باتیں کی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کے ساتھیوں کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کریں گی، پھر بھی الناصر ڈر گیا۔

''انہیں جگاؤ''......بڑی لڑکی نے کہا......''ہمیں دُور جانا ہے''۔

''ہمیں راستے پر ڈال کر جاؤ گی؟''......الناصر نے پوچھا۔

''تم سب ہمارے ساتھ چلو گے''......لڑکی نے جواب دیا......''ہمارے بغیر تم منزل تک نہیں پہنچ سکو گے''۔

الناصر نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ بڑی لڑکی نے چھوٹی لڑکی سے کچھ کہا۔ وہ اُٹھی اور دوسرے گھوڑے کے ساتھ بندھے ہوئے تھیلے سے کچھ نکالا۔ پانی کا مشکیزہ کھولا۔ مشکیزے کا منہ کھول کر اُس نے تھیلے میں سے جو چیز نکالی تھی، وہ مشکیزے میں ڈال دی۔ اُسے ہلایا اور مشکیزہ الناصر کو دے کر کہا......''پانی پی لو۔ منزل تک شاید پانی نہ ملے''۔

الناصر اور اُس کے ساتھیوں نے پانی پی لیا۔ بڑی لڑکی نے چاروں کو کچھ کھانے کو دیا۔ کچھ دیر گزر گئی تو لڑکی نے تھیلے اور مشکیزے گھوڑے کی زینوں کے ساتھ باندھ دیئے۔ سورج نیچے جا رہا تھا۔

''تم نے اس جگہ کو جہنم کہا تھا''......الناصر نے بلند آواز سے کہا......''یہاں تو سبزہ زار ہے۔ تم نے ہمیں اتنی جلدی یہاں کس طرح پہنچا دیا ہے؟''

اُس کے تینوں ساتھی حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

''کیا تم تینوں کو بھی سبزہ زار نظر آ رہا ہے؟''...... بڑی لڑکی نے پوچھا۔

''ہم سبزہ زار میں بیٹھے ہیں''......ایک نے کہا۔

''کیا تم ہماری جان تو نہیں لے لو گی؟''......دوسرے نے کہا......''تم جنات میں سے ہو''۔

''نہیں''......لڑکی نے مُسکرا کر کہا......''ہم تمہیں اس سے زیادہ حسین خطے میں لے جا رہے ہیں''۔

بڑی لڑکی نے الناصر اور اُس کے ایک ساتھی کو پہلو بہ پہلو بٹھا کر دونوں کے گرد اپنے بازو لپیٹ دیئے اور بولی......''میری آنکھوں میں دیکھو''۔

دوسری لڑکی نے الناصر کے دوسرے دو ساتھیوں کو اسی طرح آمنے سامنے بٹھا کر اپنے بازو اُن کے گرد ڈالے اور انہیں اپنی آنکھوں میں دیکھنے کو کہا...... چاروں چھاپہ ماروں کے کانوں میں بڑی لڑکی کے مترنم آواز داخل ہو رہی تھی......

''یہ تمہاری بہشت ہے۔ ان پھولوں کے رنگ دیکھو، ان کی مہک سونگھو، ان میں جو پرندے اُڑ رہے ہیں، وہ دیکھو، کتنے خوب صورت ہیں۔ یہ تمہارا انعام ہے۔ تمہارے پاؤں تلے مخمل جیسی گھاس ہے۔ چشمے دیکھو۔ اُن کا شفاف پانی میٹھا ہے......''

لڑکی کی آواز جادو کی طرح ان چاروں کی عقل پر اور آنکھوں پر اور تمام حسوں پر غالب آتی جا رہی تھی۔ الناصر نے بعد میں حسن بن عبداللہ کو جو بیان دیا تھا، اس میں اس نے بتایا کہ لڑکیوں کی آنکھوں میں دیکھ کر انہیں پانی کے شفاف چشمے نظر آنے لگے۔ ان کے ریشم جیسے بال جو اُن کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے، کسی بڑے ہی دل کش پودے کی پھول دار بیلیں بن گئیں اور انہوں نے اپنے آپ کو ایک باغ میں پایا جس کے حسن کو اور جس کے پھولوں کے رنگوں کو بیان نہیں کر سکتا، وہاں ریت اور مٹی کے لمبے لمبے ٹیلے نہیں تھے، ریگزار نہیں تھا۔ ہرے بھرے درخت اور پودے تھے اور نیچے مخمل جیسی گھاس کا فرش تھا۔ رنگ برنگے پرندے پھدک اور چہچہا رہے تھے......اور وہ اس بہشت میں چلے جا رہے تھے۔

☆

وہ چاروں مخمل جیسی جس گھاس پر چلے جا رہے تھے، وہ درحقیقت ریت تھی۔ کہیں کہیں زمین سخت بھی تھی اور وہ چاروں ایک گیت گنگناتے جا رہے تھے۔ دونوں لڑکیاں اُن سے چند قدم پیچھے گھوڑوں پر جا رہی تھیں۔ اُن کا رُخ ترکمان کی طرف نہیں تھا جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تھی اور جوان چاروں چھاپہ ماروں کی منزل تھی بلکہ اُن کا رُخ عصیات کے قلعے کی طرف تھا جہاں حشیشین کا سردار شیخ سنان رہتا تھا۔ الناصر اور اس کے ساتھیوں کو کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔ اُن کا یہ احساس مردہ ہو چکا تھا کہ وہ جا نہیں رہے، انہیں لے جایا جا رہا ہے۔ اُن کے پیچھے پیچھے جاتی لڑکیاں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ یہ باتیں چھاپہ ماروں کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔

''تم کہتی ہو کہ رات کہیں قیام نہیں کریں گی''...... چھوٹی لڑکی نے بڑی سے کہا......''کیا یہ چاروں رات بھر پیدل چل سکیں گے؟''

''تم نے پانی میں انہیں حشیش کی جو مقدار پلائی ہے، اس کا اثر کل شام تک رہے گا''...... بڑی لڑکی نے کہا......

''اور میں نے انہیں جو کھلایا ہے، وہ تم نے دیکھا ہے۔ ان سے تم بے فکر ہو جاؤ۔ مجھے اُمید ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے ہم عصیات پہنچ جائیں گے''۔

''میں تو انہیں دیکھ کر ڈر گئی تھی''...... چھوٹی لڑکی نے کہا......''یہ تمہارا کمال ہے کہ تم نے ان پر قابو پا لیا اور ان پر

یہ ظاہر کیا کہ ہم جنات ہیں۔ یہ مسلمان جنات کے وجود کو مانتے ہیں''۔

''یہ عقل کا کھیل تھا''...... بڑی لڑکی نے کہا......''میں نے ان کی ذہنی حالت پر قبضہ کیا تھا۔ان کے چہرے اور ان کی چال ڈھال دیکھ کر میں سمجھ گئی تھی کہ صلاح الدین ایوبی کے فوجی ہیں اور راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ میں یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ ہمیں دیکھ کر یہ چاروں ڈر گئے ہیں، اگر ہم ڈر جاتیں اور عورتوں کی طرح بزدلی کا مظاہرہ کرتیں تو یہ چاروں ہمارے ساتھ وہ سلوک کرتے جو تم ساری عمر نہ بھول سکتی۔ اس ویرانے میں کسی کو ہم جیسی لڑکیاں مل جائیں تو وہ انہیں بہنیں اور بیٹیاں نہیں سمجھا کرتا۔ میں نے ان کی جسمانی حالت دیکھی، پھر میں نے مسلمانوں کی یہ کمزوری سامنے رکھی کہ جنات کے معاملے میں یہ قوم توہم پرست ہے۔ میں نے اپنے آپ کو جن بنالیا۔ اس جہنم میں ہم جیسی لڑکیوں کی موجودگی کو ان کی عقل تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔ ہمیں وہ تصور سمجھ سکتے تھے یا جنات۔ میں نے ان سے جس انداز سے بات کی، اس سے انہیں یقین ہوگیا کہ ہم جنات ہیں۔ میں اس قوم کی جذباتی کمزوریوں سے واقف ہوں۔ تمہیں ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ ذرا جلدی سیکھ لو۔ ہم نے سیف الدین جیسے چالاک آدمی کو اپنے اشاروں پر نچا دیا ہے۔ یہ تو سپاہی ہیں''۔

''معلوم نہیں، میں کیوں اس فن میں کامیاب نہیں ہو رہی''...... چھوٹی لڑکی نے کہا......''میرا دل ساتھ نہیں دیتا۔ کوشش کرتی ہوں کہ تم جیسے کمالات دکھا سکوں، لیکن دل سے آواز آتی ہے کہ یہ فریب ہے''۔

''پھر تم ان مردوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہوگی''...... بڑی لڑکی نے کہا......''تم پہلی بار باہر نکلی ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ تم کامیاب نہیں ہوئی۔ تم صرف داشتہ بنی رہی۔ اس طرح تم صلیب کی کوئی خدمت نہیں کر سکتی۔ تم اپنے جسم کو وقت سے بہت پہلے بوڑھا کرلوگی اور یہ مرد تمہیں اُٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ مسلمان اُمراء اور حکمرانوں کے لیے تفریح کا سامان بنیں۔ ہمیں ایک جادو بن کر اُن کی عقل پر غالب آنا ہے۔ ان چاروں فوجیوں میں تم نے توہم پرستی کی جو کمزوری دیکھی ہے۔ وہ ہمارے صلیبی استادوں اور یہودیوں نے پیدا کی ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے انہیں کتنی جلدی اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ میں نے ان چاروں سے ایک بات کہی تھی۔ یہ مجھے میرے استاد نے بتائی تھی۔ وہ یہ تھی کہ انسان ایک لذت کی پیداوار ہے اور وہ ہمیشہ اس لذت کا خواہاں رہتا ہے۔ اس خواہش کو دبانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں لذت پرستی اُبھاری جائے، کیونکہ یہی انسان کی وہ کمزوری ہے جو اسے تباہی تک پہنچاتی ہے۔ تمہیں وہ رات یاد نہیں جب سیف الدین نے ہماری موجودگی میں اپنے ایک سالار سے کہا تھا کہ وہ اس پر غور کرنا چاہتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی سے صلح کرلی جائے۔ میں نے اسی رات اس کے دماغ سے یہ خیال نکال دیا تھا''۔

''عصیات پہنچ لیں تو یہ استادی مجھ میں بھی پیدا کرو''...... چھوٹی لڑکی نے کہا......''مجھے اس کام سے نفرت سی ہوتی جارہی ہے۔ میں ان مسلمان حاکموں کا کھلونا بنی رہی ہوں۔ تم دامن بچالیتی رہی۔ میں نہیں بچا سکی۔ کبھی کبھی کہیں بھاگ جانے کا ارادہ دل میں تڑپتا ہے مگر کوئی راستہ نظر نہیں آتا اور کوئی پناہ نہیں ملتی''۔

''سب کچھ سیکھ جاؤ گی''...... بڑی لڑکی نے کہا......''تمہیں میرے ساتھ تربیت کے لیے ہی بھیجا گیا تھا۔ میں نے تمہاری کمزوریاں دیکھ لی ہیں۔ یہ دُور ہو جائیں گی''۔

الناصر اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا جارہا تھا۔ لڑکیوں نے گھوڑے اُن سے آگے کر لیے تاکہ یہ چاروں راستے سے ہٹ نہ جائیں۔ وہ ایک آواز میں گیت گاتے جارہے تھے۔ ریت، مٹی اور پتھر اُن کے لیے گھاس بنے ہوئے تھے۔

''انہیں کسی دوسری طرف روانہ کر دینا تھا''...... چھوٹی لڑکی نے کہا......''انہیں عصیات لے جاکر کیا کروگی؟''

''اپنے پیر استاد شیخ سنان کے لیے اس سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں ہوسکتا''...... بڑی لڑکی نے جواب دیا......''یہ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار ہیں اور جاسوس بھی۔ مجھے خاص طور پر بتایا گیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک جاسوس پکڑ کر اُس کے ذہن کو اپنے قبضے میں لے لے تو سمجھو کہ تم نے اُس کی فوج کے ایک ہزار سپاہی بے کار کر دیئے ہیں۔ ایوبی نے اپنے چھاپہ ماروں اور جاسوسوں کو جو تربیت دے رکھی ہے۔اس سے وہ اوسط درجہ انسانوں سے بہت اوپر چلے گئے ہیں۔جسمانی لحاظ سے ان میں غیر معمولی پھرتی اور قوتِ برداشت ہوتی ہے اور ذہنی لحاظ سے یہ اپنے فرض کے دیوانے ہوتے ہیں۔ان چاروں نے جو شب خون مارے اور اس تھکن کے بعد صحرا میں جو مصیبت، بھوک اور پیاس برداشت کی ہے، وہ کوئی اور انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ ہماری فوج میں یہ جذبہ نہیں ہے۔ان چاروں کو میں شیخ سنان کے حوالے کروں گی۔اس کے آدمی جو اس فن کے ماہر ہیں، ان چاروں کے اسی جذبے اور جسمانی خوبیوں کو اپنی طرف منتقل کر لیں گے۔تمہیں شاید معلوم نہ ہو کہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کی کئی کوششیں ہو چکی ہیں مگر کامیاب ایک بھی نہیں ہوئی۔ان چاروں کو حشیش اور استادی کے ذریعے ایوبی کے قتل کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے۔یہ اُس کے اپنے چھاپہ مار ہیں، اُس تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں''۔

''کیا صلاح الدین ایوبی پر اس طرح قابو نہیں پایا جا سکتا جس طرح سیف الدین، گمشتگین وغیرہ کو اپنے قبضے میں لیا گیا ہے؟''......چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

''نہیں''۔ بڑی لڑکی نے جواب دیا......''جو انسان لذت سے دست بردار ہو کر ایک مقدس مقصد کو دل میں بٹھائے، اُسے ہم جیسی حسین لڑکیاں اور سونے کے انبار راستے سے نہیں ہٹا سکتے۔ایوبی ایک بیوی کا قائل ہے۔نورالدین زنگی میں بھی یہی خرابی تھی کہ سلطان ہو کر بھی اُس نے گھر میں ایک ہی بیوی رکھی اور مرتے دم تک اُس کا وفادار رہا۔یہی خرابی صلاح الدین ایوبی میں ہے۔کوشش کی جا چکی ہے۔اس پتھر کو موم نہیں کیا جا سکا۔فلسطین پر قبضہ برقرار رکھنے کا یہی طریقہ رہ گیا ہے کہ ایوبی قتل کرا دیا جائے''۔

''مجھے ایسے آدمی اچھے لگتے ہیں جو ایک عورت کے وفادار رہتے ہیں''۔چھوٹی لڑکی نے کہا۔''میں صلیب کی پرستار ہوں اور صلیب کا مقصد سمجھنے کے باوجود کبھی کبھی سوچا کرتی ہوں کہ میں کسی ایک آدمی کے دل میں اُتر جاؤں اور وہ میرے جسم اور میری روح کا حصہ بن جائے''۔

''جذبات سے نکلو''۔ بڑی لڑکی نے اُسے ڈانٹ کر کہا......''اپنے اُس عظیم مقصد کو سامنے رکھو جو تمہیں صلیب نے دیا ہے۔اپنے حلف کو یاد کرو جو تم نے صلیب ہاتھ میں لے کر اُٹھایا تھا۔میں جانتی ہوں تم جوان ہو اور جذبات پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا، لیکن صلیب ہم سے یہ قربانی مانگ رہی ہے''۔

پُراسرار قافلہ چلتا رہا۔الناصر اور اُس کے ساتھی لڑکیوں کے گھوڑوں کے پیچھے پیچھے گاتے، گنگناتے اور قہقہے لگاتے جا رہے تھے۔جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی، اُن کی منزل قریب آتی جا رہی تھی۔

☆

یہ لڑکیاں کون تھیں؟

یہ اُسی قبیل کی لڑکیاں تھیں جن کے متعدد قصے آپ پڑھ چکے ہیں۔صلیبی اور یہودی غیر معمولی طور پر حسین اور دلکش بچیوں کو استادوں کے حوالے کر کے انہیں خصوصی تربیت دیتے تھے۔انہیں ذہنی تخریب کاری، کردار کشی اور اپنے دشمن کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے ڈھنگ سکھاتے تھے۔انہیں سراپا لذت بنا دیا جاتا تھا۔لڑکپن میں انہیں یہ ٹریننگ

دی جاتی تھی کہ اپنے دشمن کی سوچوں پر کس طرح قبضہ کیا جاتا ہے۔ ان لڑکیوں میں شوخی اور بے حیائی پیدا کی جاتی تھی۔ انہیں جذبات سے عاری کر دیا جاتا تھا۔ یہودی چونکہ مسلمانوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے، اس لیے وہ اپنی بچیاں صلیبیوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ صلیبی اپنی لڑکیوں کو بھی استعمال کرتے تھے اور اُن علاقوں میں جن پر اُن کا قبضہ تھا، مسلمانوں کے قافلوں پر حملے کرتے اور کوئی خوبصورت بچی مل جائے تو اُسے اُٹھا لے جاتے تھے، اُسے اپنے مقاصد کے لیے تیار کر لیتے تھے۔

یہ دو لڑکیاں کچھ عرصہ پہلے تحفے کے طور پر صلیبیوں نے والیٔ موصل سیف الدین کو بھیجی تھیں۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ سیف الدین سلطان صلاح الدین ایوبی کا دشمن تھا۔ ان دونوں لڑکیوں کو اس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا کہ ایک تو جاسوسی کرتی رہیں اور دوسرا یہ کہ سیف الدین کو کبھی یہ نہ سوچنے دیں کہ وہ سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کر لے۔ تیسرا مقصد یہ تھا کہ سلطان ایوبی کے خلاف جو مسلمان اُمراء متحد ہو گئے تھے، انہیں اندر سے ایک دوسرے کے خلاف رکھا جائے۔ یہ کام صرف ان دو لڑکیوں کے ہی ذمے نہیں تھا، وہاں صلیبیوں کی پوری مشینری در پردہ کام کر رہی تھی۔ انہوں نے چند ایک مسلمانوں کا ایمان خرید لیا تھا۔ یہ مسلمان اُن کے لیے کام کر رہے تھے۔

سیف الدین اتحادی فوج کا سالارِ اعلیٰ بن کر ترکمان کے مقام پر سلطان ایوبی پر حملہ کرنے گیا تو بادشاہوں کے دستور کے مطابق اپنے حرم کی چیدہ چیدہ لڑکیاں اور ناچنے والیاں بھی میدانِ جنگ میں ساتھ لے گیا۔ یہ دو صلیبی لڑکیاں بھی اُس کے ساتھ گئیں۔ انہیں وہ مسلمان اور معصوم سمجھتا تھا مگر بڑی لڑکی اس کے اعصاب پر آسیب کی طرح غالب آ گئی تھی۔ حرم کی باقی لڑکیوں کو اُس نے اپنا غلام بنا لیا تھا۔

سیف الدین نے جنگل میں جا منگل بنایا۔ وہاں آندھی آئی جس کی آپ تفصیل پڑھ چکے ہیں۔ اس آندھی میں فوزی نام کی ایک لڑکی اپنے بھائی کی لاش گھوڑے پر ڈالے، سلطان ایوبی تک پہنچی اور اُسے بتایا کہ تین اتحادی افواج اُس پر حملہ کرنے کے لیے پہنچ چکی ہیں۔ سلطان ایوبی نے تیزی سے حرکت کی اور سیف الدین کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ سیف الدین کا لشکر بے خبری میں مارا گیا، وہاں معرکہ جو لڑا گیا وہ یک طرفہ تھا۔ میدانِ جنگ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ تھا۔ سیف الدین اتحادی افواج کی کمان نہ سنبھال سکا۔ صاف نظر آنے لگا کہ وہ بھاگ جائے گا۔ یہ دو صلیبی لڑکیاں اُس کے ساتھ تھیں۔ وہ اکیلی نہیں تھیں۔ صلیبیوں کے چند ایک مسلمان ایجنٹ سیف الدین کی فوج میں اچھے عہدوں پر تھے۔ لڑکیوں کا اُن کے ساتھ رابطہ تھا۔ لڑکیاں انہیں اطلاعیں اور خبریں دیتی تھیں اور وہ انہیں صلیبیوں تک پہنچا دیتے تھے۔

انہوں نے دیکھا کہ جنگ کی صورتِ حال ایسی ہو گئی ہے کہ اتحادیوں کے سامنے پسپائی کے سوا کوئی راستہ نہیں تو ان دونوں لڑکیوں کو وہاں سے نکالنے کا ارادہ کیا۔ صلیبیوں کی یہ لڑکیاں بہت قیمتی تھیں۔ سیف الدین میدانِ جنگ میں بھاگا، دوڑا پھر رہا تھا۔ حرم کی لڑکیاں اُس کی رہائش گاہ میں ایک خیمے میں اکٹھی ہو گئی تھیں۔ یہ دو صلیبی لڑکیاں الگ کھڑی تھیں۔ اُن کے آدمی آ گئے، انہیں دو گھوڑے دیئے۔ گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ پانی کے چار چھوٹے مشکیزے اور دو تین تھیلوں میں کھانے کا سامان باندھ دیا۔ خنجر بھی دیئے لیکن اُن کا نہایت کارگر ہتھیار حشیش تھی اور اسی قسم کا ایک اور نشہ جس کا کوئی ذائقہ نہیں تھا، کسی کو دھوکے میں پلایا جاتا تو اُسے پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ پانی یا شربت میں اُسے کچھ اور پلا دیا گیا ہے۔

یہ دونوں نشہ آور اشیاء انہیں اس لیے ساتھ باندھ دی گئی تھیں کہ انہیں کسی مرد کے ساتھ کے بغیر سفر کرنا تھا۔ راستے میں اگر وہ کسی کے ہتھے چڑھ جائیں تو اُسے دھوکے میں یہ نشہ پلا کر بیکار کرنا تھا۔

رات کے وقت جب میدانِ جنگ میں کشت و خون ہو رہا تھا۔ یہ دونوں لڑکیوں کو گھوڑوں پر بٹھا کر دو آدمی ساتھ

گئے۔ ترکمان سے بہت دُور تک یہ آدمی ساتھ رہے، پھر لڑکیوں کو راستہ سمجھا کر واپس آ گئے۔ لڑکیوں کی منزل عصیات کا قلعہ تھا۔ بڑی لڑکی ذہین، تجربہ کار اور دلیر تھی، وہ چھوٹی لڑکی کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئی۔ صبح تک وہ سرسبز علاقے سے دُور نکل گئی تھیں اور اُس علاقے میں داخل ہو گئیں جو اس خطے کا جہنم تھا۔ لڑکیوں کو معلوم تھا کہ اس مقام پر آ کر خشک پاٹ کے اندر اندر جانا ہے۔ علاقہ ڈراؤنا تھا اور تنور کی طرح گرم تھا۔ سورج سر پر آیا تو انہیں چٹان نظر آئی جو نیچے سے اندر کو گئی ہوئی تھی۔ وہ اس کے نیچے رُک گئیں۔ کھانا کھا کر انہوں نے کچھ دیر آرام کیا۔ اتنے میں انہیں الناصر اور اُس کے تین ساتھی آتے دکھائی دیئے۔

انہیں دیکھ کر بڑی لڑکی سمجھ گئی کہ یہ آدمی کس جسمانی اور ذہنی کیفیت میں ہیں۔ اپنی تربیت کے مطابق اُس نے کامیاب اداکاری کی جس سے الناصر ان دونوں کو واہمہ یا جن سمجھ بیٹھا۔ لڑکی کی اداکاری کامیاب تھی۔ اُس نے انہیں پہلے تو پانی اور کھانا دیا پھر انہیں حشیش اور دوسرا نشہ پلا دیا۔ اُس نے اور اُس کے ساتھ کی لڑکی نے انہیں نشہ پلا کر پھولوں، سبزہ زار، پرندوں اور مخمل جیسی گھاس کی جو باتیں کی تھیں، وہ اِن چاروں کے ذہن میں بہشت کا تصور پیدا کرنے کی کوشش تھی۔ یہ حسن بن صباح کا طریقہ تھا کہ لوگوں کو حشیش پلا کر اُن کے ذہنوں میں بڑے حسین تصورات پیدا کیا کرتا اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا تھا۔ اب ایک سو سال بعد شیخ سنان اُس کا جانشین تھا۔ یہ گروہ اب حشیشین یا فدائی کہلاتا تھا۔ بڑی لڑکی کو اس کام کی تربیت حاصل تھی۔ اسے یوں کہہ لیں کہ حشیش اور باتوں کی مدد سے اپنے شکار یا معمول کو ہپناٹائز کر لیا جاتا تھا۔ جتنی دیر حشیش کا نشہ رہتا وہ آدمی اُسی تصور کو حقیقت سمجھتا رہتا تھا جو اُس کے ذہن میں پیدا کیا جاتا تھا۔

الناصر اور اس کے ساتھیوں کو اُس لڑکی نے اپنے قبضے میں لے کر ایک مقصد تو یہ حاصل کرنا چاہا تھا کہ یہ چاروں اُن پر دست درازی نہ کریں یا انہیں اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ دوسرا مقصد اُس وقت اُس کے سامنے آیا تھا جب اُسے پتہ چلا کہ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے اُن چھاپہ مار جاسوسوں میں سے ہیں جن کی اُس نے بہت شہرت سنی اور جن سے اُسے ڈرایا بھی گیا تھا۔ اُس کے تخریب کار ذہن نے سوچ لیا کہ اِن آدمیوں کو شیخ سنان کے حوالے کیا جائے، یہ اُس کے کام آ سکتے تھے۔ اُن دنوں سلطان ایوبی کو قتل کرنے کا ایک منصوبہ تیار ہو رہا تھا۔ اسی مقصد کے لیے حرن کا خودمختار حکمران گمشتگین قلعہ عصیات میں شیخ سنان کے پاس گیا ہوا تھا۔

☆

ترکمان میں مظفرالدین کے حملے کو ناکام کر کے سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا کہ اب جنگ ختم ہوئی ہے۔ اُس نے مالِ غنیمت سمیٹنے کا حکم دے دیا۔ مالِ غنیمت بے انداز تھا۔ غازی سیف الدین کے رہائشی کیمپ سے بے انداز سونا اور نقدی ملی تھی۔ دشمن کی لاشوں سے بھی نقدی اور انگوٹھیوں وغیرہ کی شکل میں سونا ملا۔ دیگر ساز و سامان اور اسلحہ کا کوئی شمار نہ تھا۔ سلطان ایوبی نے فوج کے کام کا سامان فوج میں تقسیم کیا۔ دوسرا حصہ دمشق اور اُن علاقوں کے غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا جو مصر اور شام کی سلطنت (وحدت) میں آ چکے تھے۔ تیسرا حصہ مدرسہ نظام الملک کو دے دیا۔ ایک یورپی مورخ لین پول کے مطابق ایوبی نے اسی مدرسے میں تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ مورخ لکھتا ہے کہ تاریخ میں واضح شہادت ملتی ہے کہ سلطان ایوبی نے مالِ غنیمت میں سے اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا۔

دوسرا مسئلہ جنگی قیدیوں کا تھا۔ یہ سب مسلمان تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں اکٹھا کر کے کہا کہ تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے تھے۔ تمہاری شکست کی وجہ یہی ہے۔ تمہارے حکمران تمہارے مذہب کے بدترین دشمن کے ساتھ دوستی کر کے اُس کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ تمہاری دُنیا بھی خراب ہوئی اور عاقبت بھی۔ اپنے گناہ بخشوانے کا

یہی ایک طریقہ ہے کہ اسلام کے سپاہی بن جاؤ اور اپنے قبلۂ اوّل کو آزاد کراؤ...... سلطان ایوبی کی یہ تقریر جوشیلی اور جذباتی تھی۔ جنگی قیدیوں میں بہت سے نعرے لگانے لگے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سلطان ایوبی کی فوج کے لیے پیش کر دیا۔ اس طرح سلطان ایوبی کی فوج میں تربیت یافتہ سپاہیوں اور عہدے داروں کا اضافہ ہو گیا۔ اس کے باوجود سلطان ایوبی نے پیش قدمی ملتوی کر دی۔ فوج کی تنظیم نو کی ضرورت تھی۔ اُس نے دمشق اور قاہرہ سے کمک بھی منگوا بھیجی تھی۔ زخمیوں کے علاج کا اُس نے وہیں انتظام کر دیا تھا۔ دراصل مظفر الدین کے تصادم نے اُس کی حالت کچھ زیادہ ہی خراب کر دی تھی۔

☆

عصیات کا قلعہ آج کے لبنان کی سرحد کے اندر تھا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید کی تحریر کے مطابق قلعہ عصیات حسن بن صباح کے فرشتے حشیشین کا مرکز اور مستقر تھا۔ اس قلعے میں شیخ سنان کی حکمرانی تھی جو حسن بن صباح کا جانشین تھا۔ اس قلعے میں اُس نے کچھ فوج بھی رکھی ہوئی تھی۔ عصیات ذرا بڑا قلعہ تھا۔ اس سے دُور دُور تین چار چھوٹے قلعے بھی تھے جو شیخ سنان کے حشیشین کے پاس تھے۔ انہیں یہ قلعے صلیبیوں نے دے رکھے تھے۔ صلیبیوں کی کوشش یہ تھی کہ حشیشین کو مسلمان قائدین کے قتل کے لیے اور مسلمان قوم کی کردار کشی کے لیے استعمال کیا جائے، لیکن حشیشین جو اسلام کا ایک فرقہ بن کر اُبھرنا چاہتے تھے کرائے کے قاتل بن کے رہ گئے تھے۔ انہوں نے صلیبی لیڈروں کو بھی قتل کیا تھا۔ انہیں نقدی دے کر کوئی بھی استعمال کر سکتا تھا۔ سلطان ایوبی کے دور میں صلیبیوں نے انہیں اتنی مراعات دیں کہ انہیں قلعے تک دے دیئے۔ وہ اُن کے ہاتھوں نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کو قتل کرانے کی کوشش کرتے رہے۔

نور الدین زنگی کی موت کے متعلق میجر جنرل محمد اکبر خان رنگروٹ نے بعض مورخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ حشیشین کی کارستانی تھی۔ اُسے دھوکے میں کچھ کھلا دیا گیا تھا جس سے وہ چند دنوں بعد فوت ہو گیا۔ اب صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کے منصوبے بن رہے تھے۔ حشیشین صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔

اُس صبح سورج ابھی نہیں نکلا تھا، جب الناصر اور اُس کے تین ساتھی دو صلیبی لڑکیوں کے ساتھ عصیات کے قلعے کے دروازے پر جا رُکے۔ بڑی لڑکی نے کوئی خفیہ الفاظ بولے۔ تھوڑی دیر بعد قلعے کا دروازہ کھل گیا اور یہ قافلہ اندر چلا گیا۔ الناصر اور اُس کے ساتھیوں کو کسی کے حوالے کر کے لڑکیاں شیخ سنان کے پاس چلی گئیں۔ وہ ہر پہلو سے بادشاہ تھا۔ اُس کا انداز اور اُس کی شان و شوکت بادشاہوں جیسی تھی۔ اُسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ وہ بوڑھا ہو چکا ہے۔ اُسے جب بڑی لڑکی بتا رہی تھی کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور اُن کے دوست سیف الدین پر کیا بیتی ہے، شیخ سنان کی نظریں چھوٹی لڑکی پر جمی ہوئی تھیں۔

''یہاں آؤ''۔ شیخ سنان نے بڑی لڑکی سے توجہ ہٹا کر چھوٹی کو اپنے پاس بلایا اور کہا...... ''تم ضرورت سے زیادہ خوب صورت ہو۔ میرے پاس بیٹھو''...... لڑکی کو بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اُنگلیاں اُس کے بالوں میں پھیرنے لگا۔ بولا...... ''تم بہت تھکی ہوئی، آج میرے پاس آرام کرنا''۔

اس لڑکی نے شیخ سنان کو پہلی بار دیکھا تھا۔ لڑکی نے اُسے گھور کر دیکھا جیسے بوڑھے کی یہ حرکت اُسے پسند نہ آئی ہو۔ وہ سرک کر اُس سے دُور ہٹ گئی۔ شیخ سنان نے اُسے پھر بازو سے پکڑا اور اس طرح جھٹکا دے کر اپنے قریب کر لیا جیسے لڑکی نے پرے سرک کر اُس کی توہین کر دی ہو۔ اُس نے بڑی لڑکی سے کہا...... ''اسے ہمارے متعلق کسی نے نہیں بتایا کہ ہم کون ہیں اور ہماری توہین کتنا بڑا جرم ہے؟''

''میں آپ کی لونڈی نہیں''۔ چھوٹی لڑکی بھڑک کر بولی...... ''میرے فرائض میں یہ شامل نہیں کہ جو مجھے گھسیٹ

کر اپنے ساتھ لگا لے، میں اپنا آپ اُسی کے حوالے کر دوں''۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور بولی...... ''میں صلیب کی غلام ہوں، حشیشین کی خریدی ہوئی لونڈی نہیں''۔

بڑی لڑکی نے اُسے ڈانٹ دیا اور خاموش رہنے کو کہا، مگر وہ خاموش نہ ہوئی۔ وہ کہنے لگی...... ''مجھے مسلمانوں کے حرم میں اس شخص نے نہیں دیکھا۔ میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ میں نے تمہارے ساتھ سیف الدین اور اُس کے مشیروں کی عقل پر پردہ ڈالے رکھا ہے، لیکن میرے فرائض میں یہ شامل نہیں کہ اس بوڑھے کے کمرے میں رہوں''۔

''اگر تم اتنی خوب صورت نہ ہوتی تو ہم تمہاری یہ گستاخی کبھی معاف نہ کرتے''۔ شیخ سنان نے کہا اور بڑی لڑکی کو ہدایات دینے کے انداز سے کہنے لگا...... ''اسے لے جاؤ اور اسے عصیات کے قلعے کے آداب سکھاؤ''۔

بڑی لڑکی اُسے باہر چھوڑ آئی۔ اُس نے شیخ سنان سے کہا...... ''آپ کی ناراضگی بجا ہے لیکن ہم اپنے اوپر والوں کی اجازت کے بغیر ہر کسی کا حکم نہیں مان سکتیں۔ میں چونکہ آپ کو جانتی ہوں، اس قلعے میں پہلے بھی آ چکی ہوں۔ اب آپ کے کام کے چار آدمی پھانس لائی ہوں۔ آپ کو اس طرف توجہ دینی چاہیے''...... اُس نے شیخ سنان کو الناصر اور اُس کے ساتھیوں کے متعلق پوری تفصیل سنائی۔

''میں ان آدمیوں سے پورا کام لوں گا''...... شیخ سنان نے کہا...... ''لیکن میں اس لڑکی کو اپنے کمرے میں ضرور رکھوں گا''۔

''یہ کام مجھ پر چھوڑیں''۔ لڑکی نے کہا...... ''وہ کہیں بھاگ تو نہیں چلی۔ کیوں نہ میں اسے آمادہ کر لوں کہ وہ ہنسی خوشی آپ کے پاس آئے۔ آ جائے گی''۔

☆

الناصر اور اُس کے ساتھیوں کو شیخ سنان کے دو آدمی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ وہ بے شک نشے میں تھے لیکن ساری رات پیدل چلتے رہے تھے۔ انہیں ایک کمرے میں لے گئے۔ وہ پلنگوں پر گرے اور سو گئے۔ اُدھر لڑکیاں بھی رات بھر کی جاگی ہوئی تھی، وہ بھی اُس کے کمرے میں جا کر سو گئیں جو انہیں دیا گیا تھا...... دوپہر کے بعد الناصر کی آنکھ کھلی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُس کے ساتھی سوئے ہوئے تھے۔ اس نے گردوپیش کو پہچاننے کی کوشش کی۔ یہ ایک کمرہ تھا۔ اس میں پلنگ تھے اور پلنگوں پر اُس کے تین ساتھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ اُسے سبزہ زار، پھولوں والے پودے، رنگ برنگے پرندے اور مخمل کی طرح کی گھاس یاد آئی۔ لڑکیاں یاد آئیں۔ صحرا اور صحرا کا بے رحم سفر یاد آیا۔ اسے وہ خواب سمجھنے لگا۔ صحرا کا سفر اُسے حقیقت کی طرح یاد تھا۔ لڑکیوں سے ملاقات اور اُس کے بعد کے واقعات اُسے خواب یاد آنے لگے، مگر وہ اب کہاں ہیں؟ یہ سوال اُسے مضطرب کرنے لگا۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کو نہ جگایا۔ اُٹھا اور دروازے میں جا کھڑا ہوا۔ یہ کوئی قلعہ تھا۔ اُسے سپاہی آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ وہ کس فوج کے تھے؟ یہ کون سا قلعہ تھا؟ اُس نے کسی سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ یہ قلعہ دشمن کا ہو سکتا تھا تو کیا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ قید ہو گیا ہے؟ لیکن یہ کمرہ قید خانے کا نہیں تھا۔ وہ جاسوس اور چھاپہ مار تھا۔ اُس نے کسی سے پوچھے بغیر یہ معمہ اپنی عقل سے حل کرنے کا ارادہ کیا۔ اُسے کوئی خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ دروازے سے ہٹ کر وہ پلنگ پر جا بیٹھا۔ باہر اُسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور خراٹے لینے لگا۔ دو آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔

''ابھی سوئے ہوئے ہیں''۔ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا۔

''سویا رہنے دو''۔ دوسرے نے کہا...... ''معلوم ہوتا ہے، انہیں کچھ زیادہ پلا دی گئی ہے...... ان کے متعلق کیا بتایا گیا ہے؟''

''دو صلیبی لڑکیاں انہیں پھانس کر لائی ہیں''۔ پہلے نے جواب دیا...... ''یہ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار جاسوس ہیں۔ بہت دلیر اور عقل مند بتائے جاتے ہیں۔ انہیں تیار کرنا ہے''۔

وہ دونوں چلے گئے۔ الناصر کے جسم کا رواں رواں بیدار ہو گیا۔ اُسے یقین ہونے لگا کہ وہ بہت بڑے دھوکے کا شکار ہو گیا ہے۔ اُسے اب یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ کون سا قلعہ ہے۔ کس علاقے میں ہے اور اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو کس مقصد کے لیے تیار کیا جائے گا۔ وہ اس تلخ حقیقت کو جان گیا تھا کہ کسی قلعے سے فرار ہونا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہوتا ہے۔

لڑکیوں کے کمرے میں یہ کیفیت تھی کہ چھوٹی لڑکی تھوڑی سی دیر سو کر جاگ اُٹھی تھی اور کھڑکی کھول کر اس میں بیٹھی تھی۔ اُس نے سفر کے دوران بڑی لڑکی کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا۔ وہ نوجوان تھی۔ ابھی پختہ کار نہیں ہوئی تھی۔ اپنے جیسی دوسری لڑکیوں کی طرح وہ ابھی اپنے جذبات کو دبا نہیں سکی تھی۔ اُسے پہلی بار باہر بھیجا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ یہ بڑی لڑکی تھی جو تجربہ کار تھی۔ اُس نے بھی دیکھا تھا کہ چھوٹی لڑکی اس زندگی میں کامیاب نہیں ہو رہی۔ اُسے مردوں کو اُنگلیوں پر نچانے کا فن نہیں آیا تھا۔ اُس نے دراصل اس فن کو قبول ہی نہیں کیا تھا۔ بوڑھے بوڑھے سالاروں نے اور سیف الدین نے اُسے کھلونا بنائے رکھا تھا۔ اب وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر آئی اور اتنی کٹھن اور صبر آزما مسافت طے کی، رات بھر سفر کیا مگر آتے ہی شیخ سنان جیسے بوڑھے نے اُسے کہہ دیا کہ میرے کمرے میں رہو۔

بے شک اُسے بچپن سے اس غلیظ طرزِ زندگی کی تربیت دی گئی تھی، لیکن جوانی میں آ کر اس کے اپنے جذبات کا سرچشمہ پھوٹا تو اتنے لمبے عرصے کی تربیت کے اثرات دُھل گئے۔ جن انسانوں کو اُسے پھانسنے اور صلیب کے جال میں اُلجھائے رکھنے کے لیے تیار کیا گیا تھا، اِن انسانوں سے اُسے نفرت ہو گئی اور اپنے پیشے کو وہ حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ کھڑکی کے سامنے بیٹھی بڑے ہی تلخ خیالوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ اُس کے آنسو نکل آئے۔ اُسے نہ کوئی پناہ دکھائی دے رہی تھی، نہ کوئی راہِ فرار۔

بڑی لڑکی جاگ اُٹھی۔ اپنی ساتھی کو کھڑکی میں بیٹھا دیکھ کر اُس کے پاس جا بیٹھی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بولی ...... ''ابتدا میں جذبات کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ کر رہی ہیں، یہ اپنی عیاشی کے لیے نہیں، صلیب کی حکمرانی کے قیام کے لیے کر رہی ہیں۔ اپنے سامنے یہ مقصد رکھو کہ اسلام کا نام و نشان مٹانا ہے۔ ہمارے سپاہی اپنے محاذ پر لڑتے ہیں، ہمیں اپنے محاذ پر لڑنا ہے۔ اپنے ذہن کو وسعت دو۔ اپنے جسم سے دستبردار ہو جاؤ۔ تمہاری روح پاک ہے''۔

''مسلمان اپنی لڑکیوں کو اس طرح استعمال کیوں نہیں کرتے جس طرح ہمیں کیا جا رہا ہے؟'' چھوٹی لڑکی نے پوچھا...... ''ہمارے بادشاہ اور ان کی فوجیں مسلمانوں کی طرح کیوں نہیں لڑتیں؟ چوروں کی طرح مسلمانوں کو قتل کیوں کرایا جاتا ہے؟ صلاح الدین ایوبی کے ان چار چھاپہ ماروں کی طرح صلیب کی فوج کیوں ایسے چھاپہ مار تیار نہیں کرتی؟ صرف اس لیے کہ ہماری قوم میں بزدلی ہے۔ چوری چھپے وار کرنے والے بزدل ہوا کرتے ہیں''۔

بڑی لڑکی سٹپٹا اُٹھی اور بولی...... ''ایسی باتیں کسی اور کے سامنے نہ کر بیٹھنا، ورنہ قتل ہو جاؤ گی۔ اس وقت ہم شیخ سنان کے پاس ہیں۔ اس سے ہمیں بہت بڑا کام لینا ہے۔ اسے ناراض نہ کرو''۔

''مجھے اس شخص سے نفرت ہو گئی ہے''۔ چھوٹی لڑکی نے کہا...... ''یہ کسی ملک کا بادشاہ نہیں۔ کرائے کے قاتلوں کا

سرغنہ ہے۔ میں اسے اس قابل نہیں سمجھتی کہ میرے جسم کو ہاتھ بھی لگائے‘‘۔

بڑی لڑکی نے اُسے بہت دیر کی بحث کے بعد اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ شیخ سنان کے ساتھ اچھی طرح باتیں کرے۔ اس نے چھوٹی کو یقین دلایا کہ وہ شیخ کو اُس کا لالچ اور وعدہ دیئے رکھے گی۔ اُس نے چھوٹی لڑکی سے کہا...... ’’تم نے میرے کمالات دیکھے نہیں؟ میں اِن بادشاہوں کو مٹھی میں لے کر انہیں گمراہ کرنا جانتی ہوں۔ شیخ سنان کو تو میں کچھ بھی نہیں سمجھتی‘‘۔

’’کیا تم ایسی صورت پیدا کرسکتی ہو کہ ہم یہاں سے جلدی نکل جائیں؟‘‘ چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

’’کوشش کروں گی‘‘۔ بڑی لڑکی نے جواب دیا۔ ’’پہلے تو اپنے متعلق یہ اطلاع بھجوانی ہے کہ ہم یہاں ہیں‘‘۔

اتنے میں دو آدمی کمرے میں آئے۔ انہوں نے لڑکیوں سے اِن چار آدمیوں کے متعلق پوچھا۔ بڑی لڑکی نے انہیں بتایا کہ وہ کون ہیں اور انہیں کس طرح اور کیوں لایا گیا ہے۔

’’وہ کس حال میں ہیں؟‘‘ بڑی لڑکی نے پوچھا۔

’’ابھی سوئے ہوئے ہیں‘‘۔ ایک آدمی نے جواب دیا۔

’’انہیں قید میں ڈال دو گے؟‘‘ چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

’’قید میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں‘‘۔ اُس آدمی نے جواب دیا۔ ’’یہاں سے بھاگ کر کہاں جائیں گے‘‘۔

’’کیا ہم انہیں دیکھ سکتی ہیں؟‘‘ چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

’’کیوں نہیں‘‘۔ اُسے جواب ملا...... ’’وہ تمہارا شکار ہے۔ انہیں دیکھو، بلکہ ضرورت بھی یہی ہے کہ تم ان کے پاس جاؤ اور انہیں اپنے جال میں لیے رکھو‘‘۔

کچھ دیر بعد چھوٹی لڑکی بڑی کے روکنے کے باوجود اُس کمرے میں چلی گئی جہاں الناصر اور اُس کے ساتھی سوئے ہوئے تھے۔ الناصر دراصل جاگ رہا تھا۔ چھوٹی لڑکی کو دیکھ کر وہ اُٹھ بیٹھا اور پوچھا...... ’’ہمیں کہاں لے آئی ہو؟ مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو، کیا ہوا اور یہ کون سی جگہ ہے؟‘‘

چھوٹی لڑکی نے الناصر کو بڑی غور سے دیکھا۔ اُس کے ذہن میں بگولا سا اُٹھا۔ یہ جذبات کا بگولا تھا۔ اُس نے سرگوشی میں الناصر سے پوچھا...... ’’فرار ہونا چاہتے ہو؟‘‘

’’میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں‘‘...... الناصر نے جواب دیا...... ’’مجھے جو کچھ کرنا ہوگا، وہ کر کے دکھاؤں گا‘‘۔

لڑکی اُس کے قریب آگئی۔ دھیمی آواز میں بولی...... ’’میں جن نہیں انسان ہوں، مجھ پر بھروسہ کرو‘‘۔

الناصر نے اُسے قہر بھری نظروں سے دیکھا۔ لڑکی اُس کے ساتھ پلنگ پر بیٹھ گئی۔

لڑکی نے اپنی لاش دیکھی

جنات کی دہشت الناصر کے دل ودماغ پر بدستور طاری تھی۔ عرب کا یہ خوبرو جوان سلطان صلاح الدین ایوبی کے اُن چھاپہ ماروں میں سے تھا جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا کرتے تھے۔ صلیبیوں کا یہ کہنا تھا کہ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں سے موت بھی ڈرتی ہے۔ صحراؤں کی صعوبتوں کو، دریاؤں کی تندی کو اور سنگلاخ دیواروں کو خاطر میں نہ لانے والے یہ جانباز آگ میں بھی کود جایا کرتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ دشمن کی رسد وغیرہ کو آگ لگا کر ان میں سے بعض شعلوں کی لپیٹ میں آکر زندہ جل جایا کرتے تھے، مگر جنات اور بھوت پریت ایسی مخلوق تھی جس سے یہ سرفروش ڈر جایا کرتے تھے۔ اِن میں سے کسی نے کبھی جن اور بھوت نہیں دیکھے تھے، صرف کہانیاں اور روائتیں سنی تھیں جنہیں وہ سو فیصد سچ مانتے تھے اور دِل پر جنات کا خوف طاری کیے رکھتے تھے۔

اگر الناصر قلعہ عصیات تک اپنی مرضی سے اور ہوش میں سفر کرتا تو وہ اتنا ڈرا ہوا نہ ہوتا، اگر اُسے قیدی بنا کر لایا جاتا تو بھی وہ نڈر رہتا اور فرار کی ترکیبیں سوچتا، لیکن اُسے حشیش کے نشے میں اور اُس کے ذہن میں غیر حقیقی تصورات ڈال کر لایا گیا تھا۔ اب نشہ اُتر چکا تھا۔ اس نشے میں وہ سبزہ زار اور باغات میں سے گزر کر آیا تھا۔ اُسے یاد آنے لگا کہ زمین کے اس خطے میں کہیں کہیں سبزہ اور باغ ہو سکتا ہے۔ میلوں وسیع علاقہ ایسا جنت نما نہیں ہو سکتا۔ اب اُس کے پلنگ پر وہ لڑکی آبیٹھی تھی جسے وہ جن سمجھا تھا۔ لڑکی اُس کے تصوروں سے زیادہ خوب صورت تھی۔ الناصر اُسے انسان تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ لڑکی نے اُسے کہا کہ وہ اُس پر بھروسہ کرے تو وہ اور زیادہ ڈر گیا۔ اُس نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ جنات بڑے دلکش دھوکے دے کر مارا کرتے ہیں۔ اُسے یہ قلعہ جنات یا بدروحوں کا مسکن معلوم ہونے لگا۔ اُس کے ساتھی ابھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

اُس نے دِل کو حوصلہ دے کر لڑکی سے پوچھا...... ''میں تم پر کیوں بھروسہ کروں؟ تم مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہوگئی ہو؟ ہمیں یہاں کیوں لے آئی ہو؟ یہ جگہ کیا ہے؟''

''اگر تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرو گے تو تمہارا انجام بہت بُرا ہوگا'' لڑکی نے جواب دیا...... ''تم بھول جاؤ گے کہ تم کون تھے۔ تمہارے ہاتھ تمہارے اپنے بھائیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہوں گے اور تم اُس خون کو پھول سمجھ کر خوش ہو گے۔ میں ابھی تمہیں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی کہ میں تم پر اتنی مہربان کیوں ہوگئی ہوں۔ یہ جگہ ایک قلعہ ہے، جس کا نام عصیات ہے۔ یہ فدائیوں کا قلعہ ہے۔ یہاں فدائیوں کا پیغمبر شیخ سنان رہتا ہے۔ فدائیوں کو تم جانتے ہو؟''

''ہاں جانتا ہوں'' الناصر نے جواب دیا...... ''بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور اب یہ بھی جان گیا ہوں کہ تم کون ہو، تم بھی فدائی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ فدائیوں کے پاس تم جیسی خوب صورت لڑکیاں ہوتی ہیں''۔

''میرا ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں'' لڑکی نے جواب دیا...... ''میرا نام لوا ہے''۔

''تمہارے ساتھ ایک اور لڑکی تھی''۔

''اُس کا نام تھیریسیا ہے'' لزا نے جواب دیا...... ''وہ یہیں ہے۔ تمہیں یہاں تک حشیش کے نشے میں لایا گیا ہے''۔

وہ اس سے زیادہ نہ بول سکی، کیونکہ کمرے کے دروازے میں اچانک تھیریسیا آن کھڑی ہوئی تھی۔ تھریسیا نے لزا کو سر کے اشارے سے باہر بلایا۔ لزا باہر نکل گئی۔

''یہاں کیا کر رہی ہو؟'' تھیریسیا نے پوچھا...... ''اُس شخص کے اتنی قریب بیٹھ کر تمہیں خیال نہ آیا کہ مسلمان قابلِ نفرت ہوتے ہیں؟ کیا تم غداری کے جرم کا ارتکاب کرنا چاہتی ہو؟''

لزا کا ذہن خالی ہو گیا۔ اُس کی زبان پر کوئی جواب نہ آیا۔ وہ جذباتی لحاظ سے اپنے پیشے یعنی مسلمان اُمراء کی کردار کشی سے متنفر ہو گئی تھی۔ یہ نفرت اس حد تک پہنچ گئی تھی جہاں انسان اپنے ردِعمل میں بے قابو ہو جاتا ہے اور وہ انتقام کی راہ اختیار کر لیتا ہے یا فرار کی۔

''میں بھی جوان لڑکی ہوں'' ۔تھیریسیا نے اُسے کہا...... ''مجھے بھی یہ مسلمان چھاپہ مار جس کا نام الناصر ہے، اچھا لگتا ہے۔ یہ دل کش جوان ہے، اگر تم یہ کہو کہ یہ تمہارے دل میں اُتر گیا ہے تو میں حیران نہیں ہوں گی۔ مجھے یہ احساس بھی ہے کہ تمہارے دل میں ان بوڑھے مسلمان اُمراء اور اُن کے سالاروں کے خلاف نفرت بھر گئی ہے، جن کے ہاتھوں میں تم کھلونا بنی رہی ہو، مگر اپنے فرائض کو سامنے رکھو، صلیب کی عظمت کو سامنے رکھو، یہ مسلمان تمہارے دشمن ہیں''۔

''نہیں تھیریسیا'' ۔لزا نے پریشان لہجے میں کہا...... ''مجھے اس کے ساتھ وہ دلچسپی نہیں جو تم سمجھ رہی ہو''۔

''پھر اس کے پاس کیوں آ بیٹھی تھیں؟''

''میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتی'' ۔لزا نے اُکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا...... ''معلوم نہیں، ذہن میں کیا آیا تھا کہ میں اس کے پاس آ بیٹھی''۔

''اس کے ساتھ کیا باتیں ہوئی ہیں؟''

''کوئی خاص بات نہیں ہوئی'' ۔لزا نے کہا۔

''تم اپنے فرض میں کوتاہی کر رہی ہو'' ۔تھیریسیا نے کہا...... ''یہ غداری بھی ہے، جس کی سزا موت ہے''۔

''لیکن سن لو تھریسیا!'' لزا نے کہا...... ''میں اس بوڑھے شیخ سنان کے پاس اکیلی نہیں جاؤں گی، اگر اُس نے زبردستی کی تو اُسے یا اپنے آپ کو ختم کر لوں گی''۔

تھیریسیا تو پتھر بن چکی تھی۔ وہ خوب صورت پتھر تھی جس کا رنگ اور جس کی چمک ہر کسی کے دل کو بھاتی ہے اور جسے ہر کوئی اپنی ملکیت میں رکھنا چاہتا ہے، لیکن پتھر کی اپنی کوئی پسند یا ناپسند نہیں ہوتی۔ لزا بھی اُس مقام سے بہت دُور تھی جہاں عورت اپنے جذبات اور اپنی محبت اور نفرت سے دست بردار ہو جایا کرتی ہے۔ تھریسیا نے اُسے کہا...... ''مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی زیادہ جذباتی ہو جاؤ گی، ورنہ ہم یہاں نہ آتیں۔ مگر یہی ایک قلعہ تھا جو قریب تھا۔ تریپولی تک ہمارا پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ شیخ سنان سے تمہیں بچانے کی پوری کوشش کروں گی اور یہاں سے جلدی نکلنے کی بھی کوئی صورت پیدا کر لوں گی۔ تم اپنے قیدی میں اتنی دلچسپی کا مظاہرہ نہ کرو''۔

''سچ بتا دوں تھیریسیا'' ۔لزا نے کہا...... ''میں ان چھاپہ ماروں کو یہاں سے فرار کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہوں۔ تم نہ خود یہاں سے نکل سکو گی، نہ مجھے نکال سکو گی۔ یہ چھاپہ مار ہیں جن کی بہادری کی میں نے حیران کن کہانیاں سن رکھی ہیں۔ انہیں اگر ذرا سا بھی موقعہ فراہم کیا گیا تو یہ فرار ہو جائیں گے اور مجھے اور تمہیں بھی ساتھ لے جائیں گے۔ اس

کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں''۔

''میں ان کی استادی اور بہادری کو مانتی ہوں'' ۔تھیریسیا نے کہا..... ''لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ ہم دونوں یا تم اکیلی ان کے ساتھ نکل گئی تو یہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے، ہمیں ہماری منزل پر نہیں پہنچائیں گے۔ جھوٹے سہارے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرو...... اور سنو!'' تھیریسیا نے کہا ''سنبھالو اور پڑھے بدل لو۔ آج رات کے کھانے پر شیخ سنان نے ہمیں مدعو کیا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ اُس کے ساتھ تمہارا سلوک اور رویہ کیسا ہوگا۔ اس پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ تم اسے ناپسند نہیں کرتیں اور اُس سے بھاگنے کی بھی نہیں سوچو گی۔ مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ حرن کا خود مختار مسلمان حاکم گمشتگین بھی آیا ہوا ہے۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ گمشتگین صلاح الدین ایوبی کا سب سے بڑا دشمن ہے، اُسے اپنا دوست سمجھنا۔ ہم نے بڑی مشکل سے ان مسلمان حکمرانوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور انہیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑا رہے ہیں''۔

☆

لزا کو جب تھیریسیا اپنے ساتھ لے گئی تو الناصر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اُسے کسی حد تک یقین آ گیا تھا کہ لڑکیاں جنات نہیں لیکن لزا کا اُس پر مہربان ہو جانا اُسے پریشان کرنے لگا۔ لزا نے اُسے بتا دیا تھا کہ اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو حشیش کے نشے میں یہاں تک لایا گیا ہے۔ اس سے وہ سمجھ گیا کہ یہ لڑکیاں فدائیوں کے گروہ کی ہو سکتی ہیں۔ اُسے یہ شک بھی ہونے لگا کہ اُسے حشیش کے علاوہ اس نوجوان اور خوب صورت لڑکی کے ذریعے اپنے ہاتھ میں لینے اور اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ وہ چونکہ چھاپہ مار تھا جسے دشمن کے علاقوں میں جانا ہوتا تھا، اس لیے اُسے فدائیوں اور اُن کے طور طریقوں کے متعلق اور حشیش کے اثرات کے متعلق خاص طور پر بتایا گیا اور خبردار کیا گیا تھا۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ جاگ کر وہ بھی اسی طرح حیران ہوئے جس طرح الناصر ہوا تھا۔ وہ تینوں الناصر کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔

''دوستو!'' الناصر نے انہیں کہا...... ''ہم فدائیوں کے جال میں آ گئے ہیں۔ اس قلعے کا نام عصیات ہے۔ یہاں فدائی اور اُن کی فوج رہتی ہے۔ یہ لڑکیاں جنات نہیں ہیں۔ میں ابھی بتا نہیں سکتا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ ہمیں احتیاط کرنی پڑے گی۔ تم سب جانتے ہو کہ فدائی کیا کیا طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اگر مجھے اس کمرے سے باہر نکلنے کا موقع ملا تو قلعے سے فرار کی کوئی ترکیب سوچ لوں گا۔ تم خاموش رہنا۔ یہ لوگ کچھ پوچھیں تو انہیں بہت تھوڑا جواب دینا۔ ان شیطانوں سے بچنا آسان نہیں ہوتا''۔

''کیا یہ ہمیں قید میں ڈال دیں گے؟'' الناصر کے ایک ساتھی نے پوچھا۔

''اگر قید میں ڈال دیں تو ہمیں خوش ہونا چاہیے''۔ الناصر نے جواب دیا...... ''مگر یہ لوگ حشیش اور لڑکیوں کے ذریعے ہمارے ذہن اس طرح بدل دیں گے کہ ہمیں یاد ہی نہیں رہے گا کہ ہم کون تھے اور ہمارا مذہب کیا تھا''۔

''مجھے فرار کے سوا کوئی اور ذریعۂ نجات نظر نہیں آتا'' ...... الناصر کے ایک ساتھی نے کہا۔

''ہم مر جانا پسند کریں گے، ایمان خراب نہیں ہونے دیں گے'' ۔ایک اور نے کہا۔

''ہوشیار رہنا'' ۔الناصر نے کہا...... ''اللہ پر چھوڑو۔ ہم اتنی جلدی اُن کے قبضے میں نہیں آئیں گے''۔

شام گہری ہونے لگی تھی۔ ایک آدمی دو جلتی قندیلیں کمرے میں رکھ گیا۔ اُس نے ان کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔

انہیں بھوک نے پریشان کر رکھا تھا۔ ان کے کمرے سے دور قلعے کے ایک حصے میں سنان کا محل تھا جہاں عورت اور شراب کی رونق تھی۔ سنان کے خصوصی کمرے میں کھانے چنے ہوئے تھے۔ شراب کی صراحیاں رکھی تھیں۔ رنگا رنگ کھانوں کی مہک سے در و دیوار مخمور ہوئے جا رہے تھے۔ کھانے پر شیخ سنان بیٹھا تھا۔ اُس کے ایک طرف تھیریسیا اور دوسری طرف لزا بیٹھی تھی اور اُن کے سامنے گمشتگین بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

گمشتگین کے متعلق کئی بار بتایا جا چکا ہے کہ وہ حرن نام کے ایک قلعے کا گورنر (قلعہ دار) تھا۔ نور الدین زنگی کی وفات کے بعد اُس نے خود مختاری کا اعلان کر کے حرن قلعے اور گرد و نواح کے علاقے کو اپنی ریاست بنا لیا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے مسلمان دشمنوں (الملک الصالح اور سیف الدین) کا اتحادی تھا۔ اُس نے بھی اپنی فوج متحدہ فوج میں شامل کی تھی جسے سلطان ایوبی نے شکست فاش دی تھی۔ گمشتگین خود اپنی فوج کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ تینوں افواج کا سپریم کمانڈر سیف الدین تھا۔ گمشتگین نے اپنے اتحادیوں کی طرح صلیبیوں کے ساتھ دوستانہ گانٹھ رکھا تھا۔ صلیبیوں نے انہیں فوج کی صورت میں تو ابھی کوئی مدد نہیں دی تھی۔ اپنے مشیر، جاسوس اور تخریب کار دے رکھے تھے اور انہیں اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے اعلیٰ قسم کی شراب، حسین لڑکیاں اور رقم دیتے رہتے تھے۔

گمشتگین کو خدا نے سازشی ذہن دیا تھا۔ اپنے دشمن پر وہ زمین کے نیچے سے وار کرتا تھا اور اپنے دوستوں کے خلاف بھی دل میں دشمنی رکھتا تھا۔ اُسے پیار صرف اقتدار سے تھا۔ وہ اپنی ریاست کا مطلق العنان بادشاہ بن کر ریاست میں توسیع کرنے کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ اُسے جو کوئی دوستانہ مدد دیتا تھا، اُسے بھی وہ شکی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے قتل کی کوششوں میں گہری دلچسپی لیتا تھا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اقتدار پسند حکمران کا تختہ صرف فوج اُلٹ سکتی ہے۔ سلطان ایوبی ہی ایک سالار تھا جس کے دل میں قومی جذبہ موجزن تھا۔ اُس کی جنگی قابلیت کے ساتھ اُس کا ایمان اُس کی قوت تھا۔ گمشتگین اُس کی اسی قوت سے ڈرتا تھا۔ اب جبکہ اُس نے اپنی فوج سیف الدین کی کمان میں دے کر ترکمان روانہ کر دی تھی، وہ کسی کو بتائے بغیر شیخ سنان کے پاس قلعہ عصیات میں آ گیا تھا۔ وہ یہی مشن لے کے آیا تھا کہ سلطان ایوبی کے قتل کا کوئی ایسا انتظام کیا جائے جو پہلی قاتلانہ کوشش کی طرح ناکام نہ ہو۔

عصیات میں وہ الناصر اور تھیریسیا کے پہنچنے سے ایک روز پہلے آیا تھا۔ اُسے ابھی معلوم نہیں تھا کہ سیف الدین کی زیر کمان اُس کی فوج کا سلطان ایوبی کے ہاتھوں کیا حشر ہوا ہے۔ وہ افواج کو روانہ کر کے اپنے سازشی دورے پر نکل گیا اور عصیات جا پہنچا تھا۔

☆

''گمشتگین بھائی!'' شیخ سنان نے اُسے کھانے کے دوران کہا..... ''تمہارے دوست تو ترکمان سے بھاگ گئے ہیں''۔ اُس نے تھیریسیا سے کہا..... ''انہیں میدان جنگ کی تفصیل سناؤ''۔

گمشتگین کو اس خبر سے اتنا صدمہ ہوا کہ وہ کچھ بھی نہ بولا۔ اُس کا رنگ اُڑ گیا اور وہ صدمے اور حیرت سے تھیریسیا کی طرف دیکھنے لگا۔ تھیریسیا نے اُسے بتایا کہ سلطان ایوبی نے قلیل سی نفری سے کس طرح متحدہ افواج پر حملہ کیا اور بھگایا ہے۔ سیف الدین کے متعلق تھیریسیا نے بتایا کہ اُس کے وہاں سے روانہ ہونے تک سیف الدین میدان جنگ سے لاپتہ تھا۔ گمشتگین خاموشی سے سنتا رہا۔

''مجھے میرے دوستوں نے ذلیل کیا ہے''۔ گمشتگین نے غصے سے کہا..... ''میں سیف الدین کو ہتیوں

فوجوں کی کمان دینے کے حق میں نہیں تھا مگر میری کسی نے نہ سنی۔ معلوم نہیں میری فوج کس حالت میں ہوگی“۔

”بہت بُری حالت میں“۔ تھیریسیا نے کہا..... ”صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ ماروں نے آپ کی فوجوں کو اطمینان اور خیریت سے پسپا بھی نہیں ہونے دیا“۔

”سنان بھائی! تم جانتے ہو، میں یہاں کیوں آیا ہوں“۔ گمشتگین نے کہا۔

”صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے“۔ سنان نے کہا۔

”ہاں!“ گمشتگین نے کہا..... ”آپ جو مانگیں گے، پیش کروں گا، ایوبی کو قتل کراؤ“۔

”میں نے صلیبیوں اور سیف الدین کے کہنے پر ایوبی کے قتل کے لیے چار فدائی بھیج رکھے ہیں“۔ سنان نے کہا..... ”لیکن مجھے اُمید نہیں کہ وہ اُسے قتل کر سکیں“۔

”مجھ سے الگ اپنا انعام لو“۔ گمشتگین نے کہا..... ”نئے آدمی دو، لیکن یہ آدمی مجھے دے دو۔ یہ کام میں خود کراؤں گا“۔

”یہ آخری چار فدائی ہیں جو میں نے بھیجے ہیں“۔ شیخ سنان نے کہا..... ”میرے پاس قاتلوں کی کمی نہیں، لیکن میں صلاح الدین ایوبی کے قتل سے دست بردار ہوتا ہوں“۔

”کیوں؟“ گمشتگین نے حیران ہو کر پوچھا..... ”ایوبی نے تمہیں کوئی قلعہ دے دیا ہے؟“

”نہیں“۔ سنان نے جواب دیا..... ”اس شخص کے قتل کے لیے میں اپنے بڑے ہی قیمتی فدائی ضائع کر چکا ہوں۔ میرے فدائیوں نے اُس پر سوتے میں خنجروں سے حملہ کیا مگر وہ خود قتل ہو گئے۔ ایک بار اُس پر تیر چلائے گئے، وہ بھی خطا ہو گئے۔ میں تو اب یہ سمجھ بیٹھا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی پر خدا کا ہاتھ ہے۔ اس میں کوئی ایسی قوت ہے کہ اس پر نہ خنجر اثر کرتا ہے، نہ تیر۔ میرے جاسوسوں نے مجھے بتایا ہے کہ ایوبی پر جب قاتلانہ حملہ ہوتا ہے تو حملے کو ناکام کر کے وہ گھبرانے یا غصے میں آنے کی بجائے مُسکراتا ہے اور فوراً بھول جاتا ہے کہ کیا ہوا تھا“۔

”مجھے اپنی اُجرت بتاؤ سنان!“ گمشتگین نے جھنجھلا کر کہا..... ”میں ایوبی کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ تم نے اناڑی قاتل بھیجے ہوں گے“۔

”وہ سب اُستاد تھے“۔ شیخ سنان نے کہا..... ”اُن سے کبھی کوئی بچ کر نہیں گیا تھا۔ وہ موت سے ڈرنے والے نہیں تھے۔ میرے پاس اُن کے بھی استاد موجود ہیں۔ یہ ایسے طریقوں سے قتل کرتے ہیں کہ اُن کا کوئی سراغ نہیں ملتا، لیکن گمشتگین! میں اپنے قیمتی فدائیوں کو یوں ضائع نہیں کروں گا..... تم تین فوجوں سے ایوبی کو نہیں مار سکتے، میرے تین چار آدمی اُسے کس طرح قتل کر سکتے ہیں؟“

”تم ایوبی کے قتل سے جو ڈر گئے ہو، اس کی وجہ کچھ اور ہوگی“۔

”اور وجہ یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں“۔ سنان نے کہا..... ”حسن بن صباح نے تو پیغمبر بننا چاہا تھا لیکن اُس کے مرنے کے بعد ہمارا فرقہ پیشہ ور قاتل بن گیا۔ میں پیشہ ور قاتل ہوں گمشتگین! ایوبی مجھے تمہارے قتل کے لیے اُجرت دے گا تو میں تمہیں بھی قتل کرا دوں گا“۔

”لیکن صلاح الدین بزدلوں کی طرح کسی کو قتل نہیں کراتا“۔ لزا نے کہا..... ”یہی وجہ ہے کہ وہ بزدلوں کے ہاتھوں قتل نہیں ہوتا“۔

''اوہ!'' سنان نے لزا کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر پیار سے کہا..... ''تم نے اسی عمر میں جان لیا ہے کہ جو بزدل نہیں ہوتے، اُن کا بزدل کچھ نہیں بگاڑ سکتے''۔ اُس نے گمشتگین سے کہا۔ ''تم سیف الدین اور الملک الصالح اور صلیبی صرف اس لیے ایک دوسرے کے دوست بنے ہوئے ہو کہ صلاح الدین کے دشمن ہو، ورنہ تمہاری آپس میں کوئی دوستی نہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ ایوبی کو قتل کر کے تم کیا حاصل کر سکو گے؟ وہ مر گیا تو آپس میں لڑو گے..... غور سے سنو گمشتگین! ایوبی کے قتل کے بعد تمہیں اُس سلطنت سے بالشت بھر زمین بھی نہیں ملے گی جو ایوبی نے قائم کر لی ہے۔ اُس کے بھائی اور اُس کے سالار متحد ہیں۔ تم اگر کسی کو قتل کرانا ہی چاہتے ہو تو سیف الدین کو قتل کرا دو اور موصل پر قبضہ کر لو۔ اُسے تم خود قتل کر سکتے ہو۔ وہ تمہیں اپنا دوست اور اتحادی سمجھتا ہے۔ اُسے زہر دلا سکتے ہو۔ اُس پر حملہ کرا سکتے ہو''۔

گمشتگین گہری سوچ میں کھو گیا، پھر بولا..... ''ہاں! سیف الدین کو قتل کرا دو۔ بتاؤ کیا مانگتے ہو''۔

''حرن کا قلعہ''۔ شیخ سنان نے کہا۔

''تمہارا دماغ ٹھکانے ہے سنان؟'' گمشتگین نے کہا..... زر و جواہرات کی صورت میں اپنی قیمت بتاؤ''۔

''زر و جواہرات کے عوض تمہیں چار آدمی دیتا ہوں''..... سنان نے کہا..... ''لیکن یہ میرے فدائی نہیں ہیں، یہ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار ہیں۔ انہیں یہ دونوں لڑکیاں حشیش کے نشے میں ساتھ لائی ہیں۔ میں انہیں کسی کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایسے تجربہ کار آدمی ملتے ہی کہاں ہیں۔ اتفاق سے آ گئے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ حشیش اور میری پریاں انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر ایسا قاتل بنا لیں گی کہ اپنے ماں باپ کا بھی خون بہا آئیں گے۔ میں تمہیں مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ ان کو لے جاؤ۔ تھوڑے دن انہیں اپنی جنت دکھاؤ۔ انہیں اپنے حرم کے شہزادے بنا دو۔ انہیں بتائے بغیر حشیش دو، پھر انہیں شراب کا عادی بنا دو۔ تمہارے اشاروں پر ناچیں گے''۔

''صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار اتنے کچے نہیں ہوتے، جتنا تم سمجھ رہے ہو''۔ گمشتگین نے کہا۔

''تم جانتے ہو گمشتگین، ہم فدائی کہلاتے ہیں۔ انسان کے ذہن کے ساتھ کھیلتے ہیں''۔ شیخ سنان نے کہا..... ''ہم اپنے شکار کے ذہن میں دل فریب تصور ڈال کر اُس کی یہ حالت کر دیتے ہیں کہ وہ تصور کو حقیقت سمجھنے لگتا ہے۔ کسی انسان کے ذہن میں عورت کا حسین تصور پیدا کر دو اور اس کے ساتھ اُسے نشہ دیے جاؤ تو وہ اس تصور کا غلام ہو جاتا ہے۔ انسان کو عورت کے تصوروں میں کھوئے رہنے کا عادی بنا دو، پھر تم اُس کا کردار اور اُس کا ایمان بڑے ہی کم داموں خرید سکتے ہو..... تم ان چاروں کو لے جاؤ۔ یہ نہ سوچو کہ انہیں تم اپنے مقصد کے لیے استعمال نہیں کر سکو گے''۔ سنان نے مسکرا کر کہا..... ''اپنے آپ پر نظر ڈالو۔ عورت، شراب اور عیش پرستی تمہیں کہاں سے کہاں لے آئی ہے۔ مسلمان ہو کر تم مسلمانوں کے دشمن بنے ہو''۔

شیخ سنان نے اُسے اپنی قیمت بتائی۔ سودا طے ہو گیا کہ گمشتگین الناصر اور اس کے ساتھیوں کو اپنے ساتھ حرن لے جائے گا۔ سنان نے اُسے بتایا کہ وہ ان چاروں کو قید خانے میں نہ ڈال دے، بلکہ انہیں شہزادے بنا کر رکھے۔

گمشتگین نے یہ ہدایات سنیں اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ ایک دو دنوں میں وہ ان چھاپہ ماروں کو لے جائے گا۔

☆

گمشتگین وہاں سے نکلا تو شیخ سنان کا ایک آدمی اندر آیا۔ اُس نے پوچھا کہ آج جو چار آدمی لائے گئے ہیں، اُن کے متعلق کیا حکم ہے۔

''حرن کا والی گمشتگین آیا ہوا ہے''۔ سنان نے کہا...... ''وہ انہیں ساتھ لے جا رہا ہے۔ اُن کے کھانے اور آرام وغیرہ کا انتظام کردو۔ ہم اُنہیں نہیں رکھنا چاہتے۔ انہیں یہ نہ بتانا کہ انہیں کہاں بھیجا جا رہا ہے''۔

یہ آدمی چلا گیا۔ اُس نے الناصر اور اُس کے ساتھیوں کے کھانا بھجوایا۔ الناصر نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اُسے شک تھا کہ کھانے میں حشیش ڈالی گئی ہے۔ بہت ہی مشکل سے اُسے یقین دلایا گیا کہ کھانے میں کچھ نہیں ملایا گیا۔ الناصر اور اُس کے ساتھی بھوک سے بے حال ہوئے جا رہے تھے۔ اپنے سامنے اتنا اچھا کھانا دیکھ کر انہوں نے کھانے کا خطرہ مول لے لیا۔

شیخ سنان نے تھیریسیا سے کہا کہ وہ چلی جائے اور لزا کو اُس کے پاس چھوڑ جائے۔ تھیریسیا نے کہا کہ وہ تین چار دن مسلسل سفر میں رہی ہیں، اس لیے آرام کریں گے۔ سنان میں انسانیت کم اور درندگی زیادہ تھی۔ اُس نے لزا کے ساتھ پہلے تو چھیڑ چھاڑ کی جو لزا تھیریسیا کے کہنے کے مطابق برداشت کرتی رہی اور اُس سے گلو خلاصی کرانے کے لیے بہانے بھی تراشتی رہی۔ سنان نے دست درازی شروع کر دی۔ لزا کا مزاج بگڑنے لگا۔ اچانک دروازہ کھلا۔ دربان نے کسی کی آمد کی اطلاع دی۔ سنان نے غصے سے کہا...... ''اس وقت کوئی اندر نہیں آ سکتا''...... مگر اندر آنے والے نے اُس کے حکم کی پرواہ نہ کی۔ وہ دربان کو ایک طرف کر کے اندر آ گیا۔

وہ ایک صلیبی تھا جو اُسی وقت قلعے میں پہنچا تھا۔ سنان اُسے جانتا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی سنان نے اُس کا نام لیا اور خوشی کا اظہار کیا لیکن یہ بھی کہا...... ''تم آرام کرو، صبح ملیں گے''۔

''میں شاید صبح ہی آپ کے پاس آ جاتا''۔ صلیبی نے کہا...... ''لیکن یہاں آتے ہی پتہ چلا ہے کہ یہ لڑکیاں آئی ہیں، مجھے اِن سے بہت کچھ پوچھنا ہے۔ میں انہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں''۔

سنان نے تھیریسیا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا...... ''اسے لے جاؤ''...... اور اُس نے لزا کو اپنی طرف گھسیٹ کر کہا...... ''اسے میں یہیں رکھوں گا''۔

''شیخ سنان!'' صلیبی نے قدرے دبدبے سے کہا...... ''میں دونوں کو لے جا رہا ہوں۔ تم جانتے ہو میں کس کام سے آیا ہوں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ان لڑکیوں کے کیا فرائض ہیں۔ تمہاری بغل میں بیٹھنا اِن کے فرائض میں شامل نہیں''۔ اِس نے لڑکیوں سے کہا...... ''دونوں میرے ساتھ آؤ''۔

دونوں اُچک کر اُٹھیں اور صلیبی کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔

''کیا تم میرے ساتھ دشمنی کا خطرہ مول لینا چاہتے ہو؟'' شیخ سنان نے کہا...... ''تم میرے قلعے میں ہو۔ میں تمہیں مہمان سے قیدی بھی بنا سکتا ہوں اور تم کوشش کر رہے ہو کہ تمہیں مہمان سے قیدی بنا دیا جائے۔'' اُس نے گرج کر کہا...... ''اس لڑکی کو میرے پاس چھوڑ کر باہر نکل جاؤ''۔

''سنان!'' صلیبی نے طنزیہ لہجے میں کہا...... ''کیا تم بھول گئے ہو کہ یہ قلعہ تمہیں ہم نے دیا ہے؟ کیا تمہارے ذہن سے یہ حقیقت بھی اُڑ گئی ہے کہ ہم تمہاری پیٹھ پر ہاتھ نہ رکھیں تو تم اور تمہارے فدائی کرائے کے قاتلوں کے سوا کچھ بھی نہیں رہیں گے؟''

شیخ سنان پر صرف شراب کا نشہ طاری نہیں تھا، وہ اس قلعے کا بادشاہ تھا اور وہ کسی بھی بادشاہ کو کسی بھی وقت ایسے طریقے سے قتل کرا سکتا تھا کہ کسی کو شک تک نہ ہوتا کہ قاتل سنان یا اس کا کوئی فدائی ہے۔ اُس نے صلیبی افسر بھی قتل کرائے تھے۔ یہ صلیبیوں کی آپس کی عداوت کا نتیجہ تھا۔ اُن کا کوئی جرنیل یا کوئی اور فوجی یا غیر فوجی افسر اپنے کسی حریف افسر کو قتل

کرانے کی ضرورت کبھی محسوس کرتا تو اس مقصد کے لیے وہ سنان کی خدمت حاصل کیا کرتا تھا۔ عصیات کے قلعے میں رہتے تو انسان تھے لیکن یہ بدروحوں کا قلعہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے تہہ خانوں میں انسان گم ہو جاتے تھے۔ فدائی پاگل لگتے تھے۔ کسی کو قتل کرنا اُن کے لیے منہ کا نوالہ ڈال لینے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اُس کے محل کا یہ حسن تھا کہ چھتوں اور دیواروں میں رنگا رنگ شیشوں کے ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔ فانوسوں کی روشنی سے ان سے رنگا رنگ شعاعیں نکلتی تھیں۔ یہاں انسان بھول جاتا تھا کہ اس جنت کے اِردگرد بے رحم اور تپتے ہوئے ٹیلے ہیں۔

اس ماحول اور اس حیثیت میں شیخ سنان اپنے آپ کو دیوتا سمجھتا تھا۔ اُس میں حیوانیت اور درندگی زیادہ تھی۔ لزا جیسی لڑکی سے وہ دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے صلیبی سے کہا...... ''میں تمہیں سوچنے کی مہلت دوں گا۔ اس قلعے میں خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے بھی گم کر دیئے جاتے ہیں۔ خدا کو بھی پتہ نہیں چلتا۔ میں اس لڑکی کو قلعے سے باہر نہیں جانے دوں گا۔ تم نے مزاحمت کی تو تم بھی قلعے سے باہر نہیں جا سکو گے''۔

''میرا ایک ساتھی آگے چلا گیا ہے''۔ صلیبی نے کہا...... ''وہ وہاں بتا دے گا کہ میں یہاں ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میں یہاں دو تین روز کے قیام کے آیا ہوں، پھر مجھے کہیں اور جانا ہے۔ ہم اُس معاہدے کے تحت تمہارے ہاں قیام کرتے ہیں جس کے تحت تمہیں یہ قلعہ دیا گیا تھا۔ یہ ہماری پناہ گاہ ہے اور ہمارا عارضی پڑاؤ بھی۔ تم ہماری ہڈیاں غائب کر دو تو بھی تم سے پوچھا جائے گا کہ ہمارا ایک آدمی اور دو لڑکیاں کہاں ہیں''۔ صلیبی نے کچھ سوچا اور کہا...... ''اگر تم صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دو تو اس جیسی ایک درجن لڑکیاں تمہارے حوالے کر دیں گے مگر تم ہماری رقم اور سونا ہضم کرتے رہے، ایوبی کو قتل نہ کر سکے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے چار فدائی ایوبی کے قتل کے لیے بھیج رکھے ہیں، لیکن یہ صرف افواہ معلوم ہوتی ہے۔ ایوبی ابھی تک زندہ ہے اور فاتح ہے''۔

''یہ افواہ نہیں''۔ سنان نے نشے اور غصے سے لرزتے ہوئے کہا...... ''میں نے چار آدمی بھیج رکھے ہیں۔ چند دنوں میں تم خبر سنو گے کہ صلاح الدین ایوبی قتل ہو گیا ہے''۔

''پھر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ہمارے حکمرانوں سے جو انعام و اکرام ملا ہے، اس کے علاوہ میں تمہیں اس (لزا) جیسی دو لڑکیاں اپنی طرف سے دوں گا''۔

''وہ دیکھا جائے گا''...... سنان نے کہا...... ''میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ اس لڑکی کو تم میری خواب گاہ سے باہر لے جا سکتے ہو، اسے قلعے سے باہر نہیں لے جا سکو گے۔ جاؤ، انہیں لے جاؤ۔ میں نے قلعے میں صلیبیوں کے لیے جو کمرے الگ کر رکھے ہیں، وہاں چلے جاؤ، کھاؤ، پیو، عیش کرو اور مجھے سوچ کر جواب دو کہ یہ لڑکی میرے حوالے کرو گے یا نہیں''۔

صلیبی دونوں لڑکیوں کو ساتھ لیے باہر نکل گیا۔ یہ صلیبی جاسوسی اور تخریب کاری کے محکمے کا افسر تھا۔ وہ مسلمانوں کے علاقوں میں گھومتا پھرتا رہا تھا اور اب واپس اپنے علاقے میں جا رہا تھا۔ عصیات کے قلعے میں صلیبیوں کے لیے عارضی قیام کا انتظام کیا گیا تھا جو صلیبی جب چاہتا، اس قلعے میں آ سکتا تھا۔ تھیریسیا بھی اسی سہولت کے تحت لزا اور الناصر کے ساتھیوں کو یہاں لائی تھی اور یہ صلیبی بھی ذرا آرام کے لیے یہاں آیا تھا۔ ایک دو روز بعد اُسے آگے چلے جانا تھا۔ قلعے میں آتے ہی اُسے کسی نے بتایا کہ دو صلیبی لڑکیاں آئی ہیں جو اِس وقت شیخ سنان کے پاس ہیں۔ وہ انہیں دیکھنے کے لیے اندر چلا گیا اور سنان کے ساتھ گرما گرمی کے بعد دونوں لڑکیوں کو وہاں سے لے آیا۔

اُس کے جانے کے بعد شیخ سنان نے اپنے خاص آدمی کو بلا کر کہا...... ''یہ صلیبی اور یہ دونوں لڑکیاں ہماری قیدی

نہیں ہیں لیکن انہیں ان کی مرضی سے قلعے سے نکلنے نہ دیا جائے۔ انہیں اس حق سے محروم کر دیا جائے کہ جب چاہیں قلعے میں آ جائیں، جب چاہیں نکل جائیں۔ ان پر نظر بھی رکھنا...... اور گمشتگین جب چاہے اُن چار قیدیوں کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے، جنہیں آج یہ لڑکیاں باہر سے لائی ہیں''۔

صلیبی کو بتایا گیا کہ حرن کا والی، گمشتگین بھی آیا ہوا ہے اور وہ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا انتظام کرتا پھر رہا ہے۔ اُسے الناصر اور اُس کے ساتھیوں کے متعلق بتایا گیا۔ صلیبی لڑکیوں کو قلعے کے اُس حصے میں لے گیا، جہاں عارضی طور پر آنے والے صلیبیوں کے لیے کمرے مخصوص کیے گئے تھے۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی نے سیف الدین کے سالار مظفر الدین کا حملہ جس طرح پسپا اور اس کی فوج کو جس طرح تہس نہس کیا تھا، وہ پوری تفصیل سے سنایا جا چکا ہے۔ مظفر الدین میدانِ جنگ سے غائب ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی فوج نے جو قیدی پکڑے ان میں سیف الدین کا ایک مشیر فخر الدین بھی تھا جو موصل میں اُس کا وزیر بھی رہ چکا تھا۔ سلطان ایوبی فخر الدین کو جنگی قیدیوں سے الگ کر کے اپنے خیمے میں لے گیا اور اُسے اُسی عزت و احترام سے رکھا جس کا وہ حق دار تھا۔ مالِ غنیمت تقسیم کر کے سلطان ایوبی نے پہلا فیصلہ یہ کیا کہ پیش قدمی یعنی بھاگتے دشمن کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔ بعض مورخین نے سلطان ایوبی کے اس فیصلے کو، اس کی جنگی لغزش کہا ہے لیکن تاریخ اسلام کا یہ مجاہد بہت دُور کی سوچا کرتا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ دشمن کی فوج کا تعاقب کرتا تو اُس کی فوج کو وہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتا اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سلطان ایوبی کے مسلمان دشمن اُس کے قدموں میں گر پڑتے۔

تعاقب نہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مظفر الدین کے ساتھ اس نے جو معرکہ لڑا تھا، اس میں اُسے فتح بہت مہنگی پڑی تھی۔ اُس کی فوج کا جانی نقصان بہت ہوا تھا۔ زخمیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس لیے وہ پیش قدمی کے قابل نہیں تھا۔ اگر وہ پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کرتا تو وہ اپنے محفوظہ کو استعمال کر سکتا تھا، لیکن اس نے ایسا فیصلہ نہ کیا جس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا اور زیادہ خون بہے۔ وہ اپنی قوم کو مزید خون ریزی سے بچانا چاہتا تھا۔

سلطان ایوبی اُس جگہ کھڑا تھا، جہاں سیف الدین کی ذاتی خیمہ گاہ تھی۔ اس میں سے جو کچھ برآمد ہوا، وہ بیان کیا جا چکا ہے۔ سیف الدین کا اپنا خیمہ بذاتِ خود بہت قیمتی تھا۔ یہ ریشمی کپڑوں کا محل تھا۔ قناتیں اور شامیانے ریشمی تھے، پردے ریشمی تھے، اس کے اندر کھڑے ہو کر شیش محل کا گماں ہوتا تھا۔ سیف الدین کا ایک بھتیجا، عزالدین فرخ شاہ سلطان ایوبی کی فوج میں سالار تھا۔ یہ عجیب جنگ تھی اور عجیب دشمنی کہ بھتیجا چچا کے خلاف لڑ رہا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک فوجی تھے جو اپنے خون کے رشتوں کے خلاف لڑ رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے سیف الدین کی یہ خیمہ گاہ دیکھی تو اُس نے اس کے بھتیجے عزالدین کو بلایا اور مُسکرا کر کہا...... ''اپنے چچا کی جائیداد کے وارث تم ہو، میں اس کا خیمہ تمہیں پیش کرتا ہوں۔ یہ سمیٹ لو''۔

سلطان ایوبی نے مُسکرا کر اُسے خیمہ پیش کیا تھا مگر عزالدین کے آنسو نکل آئے۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں اس واقعہ کا ذکر جذباتی انداز میں کیا ہے۔ اس کے مطابق، سلطان ایوبی نے عزالدین کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کہا...... ''عزالدین! تمہارے جذبات کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں، لیکن قرآن کا حکم مانو۔ اگر میرا بیٹا، شرک کا اور جہاد کے راستے میں فسق و فجور کا مرتکب ہو گا تو میری تلوار اس کا سر قلم کرنے سے گریز نہیں کرے گی۔ تم اپنے شکست خوردہ چچا کا خیمہ دیکھ کر آنکھوں میں آنسو لے آئے ہو، میں اپنے شکست خوردہ بیٹے کا کٹا ہوا سر دیکھ کر بھی آنسو نہیں بہاؤں گا''۔

سلطان ایوبی نے اس مقام سے ذرا آگے جا کر لمبے عرصے کے لیے پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ پہاڑی علاقہ تھا۔ اس کا نام ''کوہِ سلطان'' مشہور ہو گیا۔ تاریخ میں بھی کوہِ سلطان آیا ہے۔ وہاں سے حلب پندرہ میل دُور تھا۔ حلب کے متعلق پہلے تفصیل سے سنایا جا چکا ہے۔ الملک الصالح نے اس شہر کو اپنا دارالحکومت اور مستقر بنا لیا تھا اور اب یہ متحدہ افواج کا ہیڈ کوارٹر بن گیا تھا۔ یہ بھی سنایا جا چکا ہے کہ اس شہر کا دفاع اتنا مضبوط اور یہاں کے لوگ (جو سب مسلمان تھے) اتنے دلیر اور جنگجو تھے کہ سلطان ایوبی کا محاصرہ ناکام ہو گیا تھا۔ اب سلطان ایوبی ایک بار پھر اس اہم شہر کو محاصرے میں لینا اور اُس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن اب کے وہ اپنا اڈہ مضبوط کر کے آگے بڑھنے کی سکیم بنا رہا تھا۔

راستے میں دو قلعے تھے۔ ایک کا نام منبج اور دوسرے کا بوزا تھا۔ بعض تاریخوں میں منبج کو ممبس بھی لکھا گیا ہے۔ ان دونوں قلعوں کے اُمراء خود مختار مسلمان تھے۔ ایسے کئی اور قلعے اور کئی جاگیریں تھیں جن پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی۔ اس طرح سلطنت اسلامیہ قلعوں، جاگیروں اور ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی بکھرے ہوئے ان ذرّوں کو یکجا کر کے ایک سلطنت بنانا اور اسے ایک خلافت کے تحت لانا چاہتا تھا۔ دشواری یہ تھی کہ یہ اُمراء اور جاگیردار اپنی الگ الگ حیثیت قائم رکھنے کے لیے خواہش مند تھے۔ وہ اپنی بقاء کے لیے صلیبیوں تک سے مدد لے لیا کرتے تھے۔

سلطان ایوبی نے ایک پیغام بُوزا کے امیر کے نام لکھا اور دوسرا منبج کے امیر کے نام۔ بوزا کو عزالدین کو روانہ کیا اور منبج کو سیف الدین کے مشیر فخر الدین کو۔ فخر الدین جنگی قیدی تھا لیکن سلطان ایوبی نے عزت و احترام سے اُس کا دِل جیت لیا تھا اور فخر الدین نے سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ سلطان ایوبی نے جب اُسے اپنا خاص ایلچی بنا کر منبج جانے کو کہا اور اسے یہ اختیارات بھی دیئے کہ وہ اس کی نمائندگی کرتے ہوئے یہ قلعہ حاصل کرنے کی بات چیت کرے تو فخر الدین نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

''کیا آپ مسلمان نہیں ہیں؟'' ......سلطان ایوبی نے اسے کہا...... ''آپ نے مجھے یوں حیرت سے دیکھا ہے، جیسے میں کسی کافر کو اپنا ایلچی اور نمائندہ بنا کر بھیج رہا ہوں۔ کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں یا اپنے ایمان پر اعتماد نہیں؟...... میں منبج کا قلعہ لینا چاہتا ہوں۔ آپ اس کے امیر کو میرا پیغام پہنچا دیں اور اسے قائل کریں کہ خون خرابے کے بغیر قلعہ ہمیں دے دے اور اپنی فوج ہماری فوج میں شامل کر دے''۔

عزالدین اور فخر الدین روانہ ہو گئے۔

☆

بوزا کے امیر نے عزالدین کا استقبال تپاک سے کیا۔ سلطان ایوبی کا پیغام پڑھا۔ اس میں لکھا تھا...... ''میرے عزیز بھائی! ہم ایک خدا اور ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایک قرآن کے پرستار ہیں مگر ہم سب اس طرح بکھر گئے ہیں جس طرح ایک جسم کے اعضا ریگزار کی ریت پر بکھرے پڑے ہوں۔ کیا یہ جسم حرکت کر سکتا ہے؟ کسی کام آ سکتا ہے؟ اس جسم کا فائدہ صلیبیوں کو پہنچ رہا ہے جو کٹے ہوئے اعضا کو گِدھوں کی طرح کھا رہے ہیں۔ ہمیں ایک اُمت کی صورت متحد ہونا ہے، ورنہ ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔ میں آپ کو ایک اُمت کی صورت میں متحد ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔ اپنی موجودہ حیثیت پر غور کریں۔ آپ اپنی امارات کو زندہ رکھنے کے لیے اپنے دشمن کے آگے بھی ہاتھ پھیلا دیتے ہیں۔ میں آپ تک قرآن کا فرمان پہنچا رہا ہوں۔ اسے سمجھئے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ پہلی ضرورت یہ ہے کہ اپنا قلعہ سلطنتِ اسلامیہ کی ملکیت میں دے دیں اور میری اطاعت قبول کر لیں۔ اس صورت میں آپ کی فوج میری فوج میں

مدغم ہو جائے گی۔ آپ قلعہ دار ہوں گے اور قلعے پر سلطنتِ اسلامیہ کا جھنڈا لہرائے گا۔ اگر آپ کو یہ صورت قبول نہ ہو تو میری فوج کے محاصرے میں لڑنے کی تیاری کر لیں اور اپنے سامنے حلب، موصل اور حرن کی متحدہ فوج کی بربادی اور پسپائی رکھیں، آپ کو فیصلہ کرنے میں سہولت ہوگی۔ میری پیش کش قبول کر لیں اور مجھ سے بہتر سلوک کی توقع رکھیں۔ میری آپ کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں، احکامِ خداوندی کے تحت کر رہا ہوں''۔

بوزا کے امیر نے یہ پیغام پڑھا تو عزالدین کی طرف دیکھا۔ ''عزالدین نے کہا..... ''آپ کا قلعہ مضبوط نہیں اور آپ کی فوج بہت تھوڑی ہے۔ اس فوج کو ہمارے ہاتھوں نہ مروائیں''۔

بوزا کے امیر نے پیش کش قبول کر لی اور سلطان ایوبی کے نام تحریری پیغام دیا کہ وہ آئے اور قلعہ لے لے۔

منبج کے امیر نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ فخرالدین نے اس سے پیغام لکھوالیا اور واپس چلا گیا۔

سلطان ایوبی خود دونوں قلعوں میں گیا۔ وہاں جو فوجیں تھیں، انہیں قلعے سے نکال کر اپنی فوج میں شامل کر لیا اور اپنے دستے قلعوں میں بھیج دیئے۔ دونوں قلعوں میں اس نے رسد وغیرہ رکھ دی لیکن فوج کو قلعہ بند نہ کیا۔ حلب کے قریب اعزاز نام کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس قلعے کے دفاعی انتظامات حلب والوں نے اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔ اس کے قلعہ دار یا امیر نے اپنی وفاداری حلب یعنی الملک الصالح کو دے رکھی تھی۔ سلطان ایوبی حلب کا محاصرہ کرنے سے پہلے اس قلعے کو بھی لڑے بغیر لینا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے ایک سالار الحمیری کو تحریری پیغام کے ساتھ اعزاز کو روانہ کیا۔

اعزاز کے امیر نے سلطان ایوبی کا پیغام پڑھا۔ اس پیغام کے بھی الفاظ وہی تھے جو بوزا اور منبج کے امراء کو لکھے گئے تھے۔ اعزاز کے امیر نے پیغام الحمیری کی طرف پھینک کر کہا..... ''تمہارا سلطان خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام پر ساری دُنیا کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اُسے کہنا کہ تم نے حلب کا محاصرہ کر کے دیکھ لیا تھا۔ اب اعزاز کا محاصرہ کر کے دیکھو''۔

''کیا آپ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا خون بہانا پسند کریں گے؟''..... الحمیری نے کہا..... ''کیا آپ پسند کریں گے کہ ہم آپس میں لڑیں اور صلیبی ہمارا تماشہ دیکھیں؟''۔

''اپنے سلطان سے کہو کہ جا کر صلیبیوں سے لڑے''..... اعزاز کے امیر نے کہا۔

''کیا آپ صلیبیوں سے نہیں لڑیں گے؟''..... الحمیری نے پوچھا..... ''کیا آپ انہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتے؟''

''اِس وقت ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جس نے ہمیں للکارا ہے''..... امیر نے کہا..... ''وہ ہم سے یہ قلعہ بزورِ شمشیر لینا چاہتا ہے''۔

الحمیری اسے قائل نہ کر سکا۔ اُس نے الحمیری کی ذرّہ بھر عزت نہ کی اور اسے چلے جانے کو کہا۔

☆

عصیات کے قلعے میں صلیبی گمشتگین کے پاس بیٹھا تھا۔ تھیریسیا اور لزا بھی اس کے ساتھ تھیں۔ گمشتگین اور صلیبی کی پہلے سے جان پہچان تھی..... صلیبی نے کہا..... ''سنا ہے آپ صلاح الدین ایوبی کو قتل کراتے کراتے سیف الدین کے قتل کا اِرادہ کر بیٹھے ہیں''۔

''کیا آپ نے سنا نہیں کہ سیف الدین نے کیسی بزدلی اور جنگی نااہلی کا مظاہرہ کیا ہے؟''..... گمشتگین نے کہا..... ''یہ لڑکیاں بتاتی ہیں کہ اس نے ہماری تینوں فوجوں کا ایسا بُرا حال کرا لیا ہے کہ اب ہم بڑے لمبے عرصے کے

لیے لڑنے کے قابل نہیں رہے۔ میں بکھری ہوئی فوجوں کو اکٹھا کر کے ایوبی کو حلب سے دُور روکنا چاہتا ہوں، اگر سیف الدین زندہ رہا تو وہ خفت مٹانے کے لیے ایک بار پھر کمان لینے کی ضد کرے گا اور ہمیں ایک اور شکست ہوگی۔ کیوں نہ اُسے ٹھکانے لگا دیا جائے"۔

"سیف الدین اتنی اہم شخصیت نہیں، جتنا آپ سمجھ رہے ہیں"...... صلیبی نے کہا...... "جو ہم جانتے ہیں، وہ آپ نہیں جانتے۔ ہم آپ کے ہر ایک دوست اور ہر ایک دشمن کو آپ سے زیادہ جانتے ہیں، اسی لیے ہم نے آپ کو اپنے مشیر اور اپنے جاسوس دے رکھے ہیں۔ میں جو ایوبی کے علاقوں میں بھیس بدل بدل کر اور اپنے آپ کو خطروں میں ڈال کر مارا مارا پھر رہا ہوں، وہ صرف آپ کی بقا اور آپ کی ریاست کی توسیع کے لیے ہے۔ میں جو حالات دیکھ آیا ہوں، اُن کا تقاضا صرف یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کیا جائے۔ نورالدین زنگی مر گیا تو آپ سب آزاد ہو گئے۔ آپ قلعہ دار سے خودمختار حکمران بن گئے۔ ایوبی مر گیا تو آپ اس سے دُگنے علاقے کے حکمران بن جائیں گے جو آپ کے پاس ہے۔ جنگ وجدل کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل جائے گا۔ میں تر یپولی جا رہا ہوں۔ آپ کی فوج نے گھوڑوں اور اونٹوں کا جو نقصان اُٹھایا ہے، وہ میں بہت جلدی پورا کر دوں گا۔ ہتھیار بھی بھجواؤں گا۔ ہمت نہ ہاریں۔ ایوبی مر گیا تو ہم آپ کو اتنی مدد دیں گے کہ آپ سیف الدین، الملک الصالح اور دوسرے تمام خودمختار اُمراء پر چھا جائیں گے اور آپ کو وہی حیثیت حاصل ہو جائے گی جو آج صلاح الدین ایوبی کو حاصل ہے"۔

اقتدار کی ہوس اور عیش پرستی نے گمشتگین کی عقل پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ اُس کی عقل میں اتنی سی بات نہیں آ رہی تھی کہ یہ صلیبی اپنی قوم کا نمائندہ ہے اور وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اور کر رہا ہے، وہ اپنے قومی مقاصد کی خاطر کہہ اور کر رہا ہے۔ یہ بہت بڑا جاسوس اور تخریب کار تھا جو یہ دیکھتا پھر رہا تھا کہ سلطان ایوبی کے طوفان کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ میدان میں شکست کھا کر صلیبیوں نے یہی طریقہ بہتر جانا تھا کہ سلطان ایوبی کو قتل کرا دیا جائے اور مسلمان حکمرانوں کو ایک دوسرے کا بھی دوست نہ رہنے دیا جائے، تاکہ سلطان ایوبی کے مرنے کے بعد یہ آپس میں لڑتے لڑتے ختم ہو جائیں اور صلیبیوں کو جنگ وجدل کے بعد دُنیائے عرب کی حکمرانی مل جائے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے انہوں نے مسلمان اُمرا کے دماغوں میں زر پرستی اور بادشاہی کا کیڑا ڈال دیا تھا۔

"صلاح الدین ایوبی کے قتل سے تو شیخ سنان بھی دست بردار ہو گیا ہے"...... گمشتگین نے کہا...... "وہ کہتا ہے کہ اُس نے چار اور فدائی بھیج رکھے ہیں لیکن وہ پُرامید نظر نہیں آتا"۔

"اتنے زیادہ قاتلانہ حملے ناکام ہونے کے بعد سنان کو ایوبی کے قتل سے دست بردار ہی ہو جانا چاہیے"...... صلیبی نے کہا...... "ان حملوں کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ فدائی حشیش کے نشے میں جاتے ہیں۔ ایوبی کو صرف وہ آدمی قتل کر سکتا ہے جو ہوش میں ہو اور دِل کی گہرائیوں سے محسوس کرے کہ اُسے صلاح الدین ایوبی کو اپنے ذاتی یا قومی جذبے سے قتل کرنا ہے۔ آپ شاید انسانی فطرت کو نہیں سمجھتے۔ ایوبی پر جو قاتلانہ حملہ کرنے جاتا ہے، اس پر نشے کا اثر ہوتا ہے۔ جوں ہی آگے سے مزاحمت ہوتی ہے، نشہ اُتر جاتا ہے اور حملہ آور اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی بجائے آپ کسی کو جذبات سے اندھا کر کے اور اُس کے دل میں ایوبی کی نفرت پیدا کر کے اس کے قتل کے لیے بھیجیں تو وہ اُسے قتل کر کے ہی رہے گا"۔

"شیخ سنان نے مجھے صلاح الدین ایوبی کے چار چھاپہ مار دیئے ہیں"...... گمشتگین نے کہا...... "اور کہا

ہے کہ انہیں تیار کر کے اُن سے سیف الدین کو قتل کراؤں۔ یہ چھاپہ مار سیف الدین کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ اس لیے یہ اُسے قتل کرنے میں خوشی محسوس کریں گے۔ میں انہیں موقع فراہم کروں گا۔ سیف الدین کو موت کے جال میں لانا میرا کام ہے"۔

"کیوں نہ انہی کو صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے تیار کیا جائے؟"...... صلیبی نے کہا...... "لیکن انہیں حشیش یا کوئی اور نشہ نہ دیا جائے۔ ان پر جذباتیت کا نشہ طاری کیا جا سکتا ہے"۔

"ایسا نشہ آپ ہی طاری کر سکتے ہیں"...... گمشتگین نے کہا۔

صلیبی نے تھیریسیا اور لزا کی طرف دیکھا اور مُسکرایا۔ لزا نے کہا...... "میں چھاپہ ماروں کے کمانڈر کو تیار کر سکتی ہوں جس کا نام الناصر ہے۔ باقی تین کو آپ سنبھالیں"۔

"تم الناصر کو سنبھالو"...... صلیبی نے کہا...... "دوسروں کو ابھی اِن کے حال پر چھوڑ دو، جہاں تک میں انسانی فطرت کو سمجھتا ہوں، الناصر خود ہی اپنے ساتھیوں کو سنبھال لے گا"...... اُس نے پوچھا...... "وہ ہیں کہاں؟ انہیں اس جگہ لے آؤ۔ الناصر کو الگ کمرہ دو اور اُس کے ساتھیوں کو الگ کمرے میں رکھو...... اور تم سب محتاط رہنا۔ سنان نے اس لڑکی پر نظر رکھی ہوئی ہے۔ یہ لڑکی اُسے اتنی پسند آئی ہے کہ اس سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ اُس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ یہ لڑکی (لزا) اس کے حوالے کر دوں، ورنہ میں اُس کا مہمان نہیں قیدی ہوں گا۔ اُس نے مجھے سوچنے کی مہلت دی ہے۔"

"اس کے متعلق آپ پریشان نہ ہوں"...... گمشتگین نے کہا...... "میں ان چار چھاپہ ماروں کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ آپ بھی اور یہ لڑکیاں بھی میرے ساتھ چلیں گی"۔

☆

الناصر اور اُس کے تینوں ساتھیوں کو اُن کمروں میں سے ایک میں لے گئے جو صلیبی فوج کے افسروں کے لیے مخصوص تھا۔ الناصر کو الگ کمرہ دیا گیا جو اُس نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے جدا نہیں ہو گا۔ اُسے تھیریسیا اور لزا اپنے جال میں پھانسنے کے لیے الگ رکھنا چاہتی تھیں۔

"تم ان کے کمانڈر ہو"...... صلیبی نے اُسے کہا...... "تمہیں اپنے ماتحتوں سے الگ رہنا چاہیے"۔

"ہمارے ہاں اونچ نیچ کا رواج نہیں"...... الناصر نے کہا...... "ہمارا سلطان اپنی فوج کے ساتھ رہتا ہے۔ میں معمولی سا کمان دار ہوں، اپنے ساتھیوں سے الگ رہ کر تکبر کا گناہ نہیں کروں گا"۔

"ہم تمہاری تعظیم کرنا چاہتے ہیں"...... صلیبی نے کہا...... "اپنے ہاں جا کر جو جی میں آئے کرنا۔ یہاں تمہیں تمہارے ماتحتوں کے ساتھ رکھ کر ہم تمہاری توہین نہیں کرنا چاہتے"۔

"ہمارے چھاپہ مار کمان دار اپنے سپاہیوں کے ساتھ زندہ رہتے ہیں اور اُن کے ساتھ مرتے ہیں"...... الناصر نے کہا...... "ہم موت کی منزل کے ہم سفر ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوا کرتے۔ اگر ہم آپ کے مہمان ہوتے تو شاید میں آپ کی بات مان جاتا۔ ہم آپ کے قیدی ہیں۔ ہماری قسمت ایک ہے جو اذیت اور صعوبت ایک کو ملے گی، اس سے ہم سب حصہ وصول کریں گے۔ ایک ساتھی کو زندہ رکھنے کے لیے ہم تین ساتھی اپنی جانیں قربان کر دیں گے"۔

"کیا تم ہماری قید سے فرار ہونے کی کوشش کرو گے؟"...... گمشتگین نے مُسکرا کر پوچھا۔

"ہم آزاد ہونے کی کوشش ضرور کریں گے۔ یہ ہمارے فرائض میں شامل ہے"...... الناصر نے کہا...... "مر کر آزاد ہو جائیں یا تم سب کو مار کر۔ ہمیں قید میں رکھنا ہے تو ہمیں زنجیریں ڈال دو، دھوکے نہ دو۔ ہم میدان کے مرد ہیں۔ ہم

سیف الدین اور گمشتگین جیسے ایمان فروش نہیں ہیں''۔

''میں گمشتگین ہوں''...... گمشتگین نے کہا...... ''حرن کا خودمختار حکمران۔ تم نے مجھے ایمان فروش کہا ہے''۔

''میں آپ کو ایک بار پھر ایمان فروش کہتا ہوں''۔ الناصر نے کہا...... ''میں آپ کو غدار بھی کہتا ہوں''۔

''لیکن اب میں ایمان فروش ہوں نہ غدار''...... گمشتگین نے الناصر کو دھوکہ دینے کے لیے جھوٹ بولا...... ''دیکھ لو، جنگ ترکمان میں لڑی جارہی ہے اور میں یہاں ہوں۔ اگر میں تمہارا دشمن ہوتا تو تمہیں اس طرح آزاد نہ رہنے دیتا جس طرح اب ہو۔ سیف الدین اور الصالح سے الگ ہو چکا ہوں۔ تمہیں عزت اور تعظیم سے اس قلعے سے لے جارہا ہوں اور عزت سے رخصت کروں گا۔ تم ہو تو معمولی سے کمان دار لیکن تمہارے سینے میں صلاح الدین ایوبی کی عظمت اور جذبہ ہے''۔

''لیکن میں اپنے ساتھیوں سے الگ نہیں رہوں گا''...... الناصر نے کہا...... ''مجھ سے یہ گناہ نہ کرائیں''۔

''نہ سہی''...... صلیبی نے کہا...... ''اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہو''۔

اُس وقت اُس کے ساتھی ایک کشادہ اور خوش نما کمرے میں تھے جہاں نرم و گداز بستر بچھے ہوئے تھے۔ وہاں ایک خادم بھی تھا جس سے ان تینوں نے پوچھا تھا کہ یہ قلعے کا کون سا حصہ ہے اور یہاں کیا ہوتا ہے۔ خادم نے انہیں بتایا کہ یہ مہمانوں کے کمرے ہیں۔ یہاں صرف وہ مہمان رکھے جاتے ہیں جو اونچے رُتبے کے باعزت لوگ ہوتے ہیں۔ یہ تینوں چھاپہ مار دیکھ رہے تھے کہ اُن کے ساتھ قیدیوں والا سلوک نہیں ہو رہا۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ ایسے نرم بستروں پر انہیں فوراً نیند آ گئی اور وہ گہری نیند سو گئے۔

☆

صلیبی اور گمشتگین نے الناصر کو بہت دیر اپنے ساتھ رکھا، اُس کے ساتھ عزت سے پیش آتے ہوئے ایسی باتیں کرتے رہے جن سے الناصر کے جذبے کی تیزی اور تندی کچھ کم ہو گئی۔ یہ اِن دونوں کی کامیابی کا پہلا قدم تھا۔ لزا اس کمرے سے نکل گئی تھی۔ الناصر اُس وقت اس کمرے سے نکلا جب اس کے ساتھی گہری نیند سو گئے تھے۔ وہ برآمدے میں جارہا تھا۔ ایک نسوانی آواز نے اُسے سرگوشی میں پکارا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ وہ رُک گیا۔ ایک تاریک سایہ آگے آیا۔ یہ لزا تھی جس نے الناصر کا بازو پکڑ کر کہا...... ''اب تمہیں یقین آ گیا ہے کہ میں جن نہیں انسان ہوں؟''

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ کیا ہو رہا ہے''...... الناصر نے جھنجھلاہٹ سے کہا...... ''میں قیدی ہوں اور میری یوں عزت کی جارہی ہے، جیسے میں شہزادہ ہوں''۔

''تمہاری حیرت بجا ہے''...... لزا نے کہا...... ''ذرا سمجھنے کی کوشش کرو، گمشتگین نے تمہیں بتادیا ہے کہ اُس نے صلاح الدین ایوبی کی دشمنی ترک کر دی ہے۔ اب وہ ایوبی کے کسی فوجی کو جنگی قیدی نہیں سمجھتا۔ تم اور تمہارے ساتھی خوش قسمت ہیں کہ تم یہاں آئے ہو اور گمشتگین یہاں تھا۔ دوسری وجہ میری ذات ہے۔ تم میری حیثیت اور رُتبے کو نہیں جانتے۔ میں تمہاری نظر میں بدکار لڑکی ہوں جو حکمرانوں اور اعلیٰ حکام کی تفریح کا ذریعہ بنتی ہوں۔ یہ سب غلط ہے اور تمہارا وہم ہے۔'' لزا نے اسے بازو سے پکڑا اور کہا...... ''آؤ یہاں سے دُور جا بیٹھیں۔ آ جاؤ۔ میں تمہارے وہم دُور کرنا چاہتی ہوں، پھر تم آزاد ہو۔ میرے متعلق جو رائے قائم کرنا چاہو کر لینا''۔

قلعے کا یہ حصہ خوش نما تھا۔ کھلا میدان تھا جس کے وسط میں چٹانیں تھیں۔ ان کے اردگرد سبزہ تھا۔ سبزے میں پھول دار پودے اور درخت تھے۔ قلعہ بہت وسیع و عریض تھا۔ لزا الناصر کو باتوں میں اُلجھا کر کمروں سے دُور چٹان کے

دامن میں لے گئی، جہاں پھولوں کی مہک تھی۔ وہ جب اُدھر جا رہے تھے، اُس وقت صلیبی اور تھریسیا ایک دیوار کے ساتھ کھڑے چھپ کر دیکھ رہے تھے۔

''لزا اسے قابو میں لے لے گی''...... صلیبی نے کہا

''لڑکی جذباتی ہے''...... تھیریسیا نے کہا...... ''اپنے فرائض سے گھبرا کر اسی کے پاس جا بیٹھی تھی۔ اتنی پکی بھی نہیں''۔

''اس عمر میں اسے باہر کی ڈیوٹی پر نہیں بھیجنا چاہیے تھا''...... صلیبی نے کہا...... ''ہم ساتھ ہیں کوئی گڑ بڑ نہیں کرے گی''۔

لزا الناصر سے کہہ رہی تھی...... ''تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں تم پر اتنی مہربان کیوں ہوگئی ہوں۔ تم نے مجھے اپنا دشمن سمجھ کر یہ بات پوچھی تھی۔ میں تمہیں یقین نہیں دلا سکتی کہ دشمنی تمہارے اور میرے بادشاہوں کے درمیان ہے۔ میری اور تمہاری کیا دشمنی ہوسکتی ہے؟''۔

''اور دوستی بھی کیا ہوسکتی ہے؟''...... الناصر نے پوچھا۔

لزا نے گہری آہ بھری اور بازو الناصر کے کندھوں پر رکھ کر کہا...... ''تم پتھر ہو۔ میں نے سنا تھا کہ مسلمانوں کے دل ریشم کی طرح نرم ہوتے ہیں۔ مذہب کو ذرا دیر کے لیے الگ رکھ دو۔ اپنے آپ کو مسلمان اور مجھے عیسائی نہ سمجھو۔ ہم دونوں انسان ہیں۔ ہمارے سینوں میں دل ہیں۔ کیا تمہارے دل میں کوئی خواہش، کوئی پسند اور کسی چیز سے پیار نہیں ہے؟ ہے، ضرور ہے۔ تم مرد ہو۔ تم اپنے دِل پر قابو پا سکتے ہو۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔ میرا دل بے قابو ہوگیا ہے۔ تم میرے دِل میں اُتر گئے ہو۔ ہم تمہیں نشے کی حالت میں قلعے میں لائیں تو شیخ سنان نے حکم دے دیا کہ ان چاروں کو تہ خانے میں بند کر دو۔ اگر تمہیں وہاں لے جاتے تو وہاں سے لاش بن کر نکلتے۔ میں تم جیسے خوب صورت جوان کا یہ انجام برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے شیخ سنان سے کہا کہ یہ تمہارے نہیں ہمارے قیدی ہیں اور یہ ہماری تحویل میں رہیں گے۔ اس بوڑھے کے ساتھ مجھے اور تھیریسیا کو بہت دیر جھک جھک کرنی پڑی۔ اُس نے ایک شرط بتائی، کہنے لگا...... ''تم انہیں تہ خانے سے بچانا چاہتی ہو تو میری خواب گاہ میں آجاؤ''...... میرے دل میں اس بوڑھے کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی۔ میں نے پس و پیش کی تو اُس نے کہا...... ''یہ چاروں تہ خانے میں جائیں گے یا تم میری خواب گاہ میں آؤ گی''...... مجھے بڑی شدت سے محسوس ہوا کہ میں تمہیں آج سے نہیں، بچپن سے چاہتی ہوں اور میں تمہاری خاطر اپنا جسم، اپنی جان اور اپنی آبرو قربان کر دینے کی ہمت رکھتی ہوں''۔

''کیا تم نے اپنی آبرو قربان کر دی ہے؟''...... الناصر نے تڑپ کر پوچھا۔

''نہیں''...... لزا نے کہا...... ''میں نے اُسے وعدے پر ٹالا ہے۔ اُس نے مجھے یہ کہہ کر مہلت دے دی ہے کہ ہم قلعے میں آزاد رہیں گے لیکن ہم اس کے قیدی ہوں گے''۔

''میں تمہاری آبرو کی حفاظت کروں گا''...... الناصر نے کہا۔

''کیا تم نے میری محبت کو قبول کر لیا ہے؟''...... لزا نے بھولے بھالے لہجے میں پوچھا۔

الناصر نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ تو اُسے ٹریننگ میں بتایا گیا تھا کہ صلیبی لڑکیاں حسن و جوانی اور حسین فریب کا جال کس طرح بچھایا کرتی ہیں لیکن یہ زبانی ہدایات تھیں جن کی حیثیت وعظ سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں تھی۔ اُسے ایسے جال سے بچنے کی عملی ٹریننگ نہیں دی گئی تھی، نہ دی جا سکتی تھی۔ اب ایک صلیبی لڑکی نے جال بچھایا تو انسانی فطرت کی کمزوریاں الناصر کی ذات سے اُبھر آئیں اور اس کی عقل و دانش پر غالب آنے لگیں۔ وہ ریگزاروں اور بیابانوں میں موت کے ساتھ

کھیلنے والا انسان تھا۔اس کے احساسات ریت میں دبے رہتے تھے۔اس نے لزا جیسی دلکش لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی۔جہاں تک دیکھنے کا تعلق تھا،لزا کے حسن اور طلسماتی اثر والے تبسم نے اس پر کچھ اثر نہیں کیا تھا مگر اب لزا کے کھلے بکھرے ہوئے ریشم جیسے ملائم بال اُس کے ایک گال سے کبھی اس کے بازو سے مس کر جاتے تھے۔اس کے وجود میں لہری دوڑ جاتی اور وہ ہر بار اپنے جسم کے اندر لرزہ سا محسوس کرتا تھا۔

کئی بار ایسے ہوا تھا کہ دشمن کے تیر اس کے جسم کو چھوتے ہوئے گزر گئے تھے۔برچھیوں نے اس کی کھال چیر دی تھی۔وہ کبھی ذرا نہیں تھا۔جسم کو چھو کر گزرتے تیروں اور برچھیوں نے اس کے جسم پر ایک ثانیے کے لیے بھی لرزہ طاری نہیں کیا تھا۔موت کئی بار اس کے ساتھ لگ کر گزر گئی تھی۔اس کے احساسات میں ذرا سی بھی ہلچل پیدا نہیں ہوئی تھی۔وہ اپنے ہاتھوں لگائی ہوئی آگ کے شعلوں میں سے بھی گزرا تھا مگر کمزور سی ایک لڑکی کے بالوں کے لمس سے اس کے وجود میں بھونچال آ گیا۔اُس نے اس لمس سے بچنے کی ویسی کوشش نہ کی جیسی وہ تیروں اور برچھیوں سے بچنے کے لیے کیا کرتا تھا اور جب لزا اُس کے اور زیادہ قریب ہوگئی تو الناصر نے محسوس کیا کہ لڑکی ابھی اس سے دُور ہے۔

لزا کو ٹریننگ دی گئی تھی کہ اپنے شکار کو کس طرح ہپناٹائز کیا جا سکتا ہے۔اُس نے کر لیا۔الناصر کو ایسی پیاس محسوس ہونے لگی جو صحرا کی پیاس سے بہت مختلف تھی۔پانی اس پیاس کو نہیں بجھا سکتا تھا۔جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی،الناصر کی اصلیت ختم ہوتی جا رہی تھی۔پہلے تو الناصر کا جسم کانپا تھا پھر اُس کا ایمان لرز گیا۔جذبے کی بنیادیں ہل گئیں اور جذبات کے جھکڑ اور زیادہ تند ہوگئے۔

''ہاں!''......الناصر نے مخمور آواز میں کہا۔''میں نے تمہاری محبت کو قبول کر لیا ہے لیکن اس کا انجام کیا ہوگا؟ کیا تم مجھے یہ کہو گی کہ میں تمہارے ساتھ چلوں؟ اپنا مذہب چھوڑ دوں اور تم میرے ساتھ شادی کر لو گی؟''

''میں نے ایسی کوئی بات نہیں سوچی''......لزا نے کہا......''اگر تم نے میرا ساتھ دینے کا ارادہ کر لیا ہے اور تم ہمیشہ کے لیے مجھے اپنی رفیقہ بنانا چاہتے ہو تو میں اپنا مذہب چھوڑ دوں گی۔تم مجھ سے قربانی مانگو،لیکن مجھے وہ محبت دو جو ناپاک نہ ہو۔عارضی محبت تو میں سے جہاں سے چاہوں حاصل کر سکتی ہوں۔تمہیں میری رُوح نے چاہا ہے''۔

الناصر پر طلسم طاری ہو چکا تھا۔رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تھی۔الناصر وہاں سے اُٹھنا نہیں چاہتا تھا۔لزا نے اُسے کہا کہ وہ اپنے کمرے میں چلا جائے۔پکڑے جانے کی صورت میں انجام اچھا نہیں ہوگا۔

☆

الناصر کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ساتھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔وہ لیٹ گیا،لیکن اُسے نیند نہ آئی۔لزا اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو تھیریسیا کی آنکھ کھل گئی۔

''اتنی دیر؟''......تھیریسیا نے کہا۔

''تو کیا پتھر ایک پھونک سے موم ہو جایا کرتے ہیں؟''......لزا نے کہا

''پتھر زیادہ سخت تو نہیں؟''

''مجھے ناکامی کی توقع تو نہیں تھی''......لزا نے جواب دیا......''لیکن مجھے ترکش کا آخری تیر بھی چلانا پڑا۔وہ پوری طرح میرا غلام ہو گیا ہے''۔

''یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں کہ خود ہی کہیں موم نہ ہو جانا''......تھیریسیا نے کہا۔

''آدمی خوب صورت ہے''......لزا نے کہا اور ہنس پڑی۔ کہنے لگی......''مجھے اتنا بھی بھولا بھالا نہ سمجھو، لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ مجھے اس قسم کے بھولے مرد اچھے لگتے ہیں جن کے کردار میں کوئی فریب نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے یہ آدمی اس لیے مجھے اچھا لگا ہے کہ میں سیف الدین جیسے بوڑھے اور عیاش مردوں کے ساتھ رہ کر اُن سے متنفر ہوگئی ہوں''۔

''الناصر سے بھی متنفر ہی رہنا''......تھیریسیا نے کہا......''محبت کے جھانسے کو اور زیادہ طلسماتی بنا لینا۔ یاد رکھنا کہ اس کے ہاتھوں ہمیں صلیبی کے سب سے بڑے دشمن صلاح الدین ایوبی کو قتل کرانا ہے''۔

تھیریسیا نے اُسے کچھ اور ہدایات دیں۔ ایک دو نئے طریقے بتائے اور دونوں سو گئیں۔ الناصر ابھی تک جاگ رہا تھا۔ تنہائی میں اُس نے لزا کی باتوں اور اظہارِ محبت پر غور کیا تو اس کا ذہن تقسیم ہوگیا۔ اسے اپنی ٹریننگ یاد آئی جس میں اُسے صلیبی لڑکیوں کے جادو بھرے جھانسوں کے متعلق بتایا گیا تھا۔ لزا اُسے حسین فریب نظر آنے لگا لیکن اُس کے ذہن میں یہ خیال بھی غالب آجاتا تھا کہ یہ فریب نہیں۔ جہاں تک جسم اور چہرے مہرے کا تعلق تھا، الناصر میں بہت کشش اور جاذبیت تھی۔ اپنے ان اوصاف سے وہ خود بھی آگاہ تھا۔ انسانی فطرت کی کمزوریاں بھی الناصر کو وہم اور وسوسوں اور خوش فہمیوں میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچا اور اُس کی آنکھ لگ گئی۔

اُسے ایک آدمی نے جگایا اور کہا کہ اُسے تھیریسیا نے اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ وہ چلا گیا۔ اس کمرے میں تھیریسیا اکیلی تھی۔

''بیٹھو الناصر!''......تھیریسیا نے کہا......''میں تمہارے ساتھ بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہوں''۔ الناصر اس کے سامنے بیٹھ گیا تو تھیریسیا نے کہا......''میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ رات لزا تمہیں باہر لے گئی یا تم اُسے لے گئے تھے۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ یہ لڑکی بہت بھولی اور معصوم ہے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ تمہیں پسند کرتی ہے، لیکن میں اُسے اور تمہیں اجازت نہیں دے سکتی کہ اس طرح رات رات بھر باہر بیٹھے رہو۔ لزا کو گمراہ کرنے کی کوشش نہ کرو''۔

''میں نے ایسی کوشش نہیں کی''......الناصر نے کہا......''ہم دونوں باتیں کرتے کرتے ذرا دُور نکل گئے تھے''۔

''میں لزا کو یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ تمہاری محبت میں ایسی پاگل نہ بنے کہ اُسے کسی کا ہوش ہی نہ رہے''......تھیریسیا نے کہا......''میں تم سے اُمید رکھوں گی کہ اُس کی کم عمری اور جذباتیت سے فائدہ نہ اُٹھاؤ''۔

''لزا تمہاری طرح شہزادی ہے''......الناصر نے کہا......''اور میں تمہارا قیدی ہوں۔ میں ایک حقیر انسان ہوں۔ لزا کا مذہب کچھ اور ہے اور میرا کچھ اور۔ شہزادی اور قیدی میں اتنی محبت نہیں ہوسکتی''۔

''تم عورت کی فطرت سے شاید واقف نہیں''......تھیریسیا نے کہا......شہزادی اپنے قیدی کو دل دے بیٹھے تو اُسے شہزادہ سمجھ کر اپنے آپ کو اس کا قیدی بنا لیا کرتی ہے۔ محبت مذہب کی زنجیریں توڑ دیا کرتی ہے۔ میں اس کے ساتھ بات کر چکی ہوں۔ وہ کہتی ہے کہ میرا جینا اور میرا مرنا الناصر کے لیے ہیں۔ وہ کہے گا کہ اپنا مذہب چھوڑ دو تو میں گلے سے صلیب اُتار کر پھینک دوں گی۔ تم نہیں جانتے الناصر لزا نے صرف تمہاری خاطر شیخ سنان کو ناراض کر دیا ہے۔ وہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو قید میں ڈال دینا چاہتا ہے لیکن لزا نے اس کے ساتھ دشمنی مول لے کر تمہیں اپنے ساتھ رکھا ہے۔ سنان نے لزا کو جو شرط بتائی ہے وہ صرف اُس لڑکی کے لیے قابلِ قبول ہوسکتی ہے جسے کسی کی محبت نے اندھا کر رکھا ہو۔ اگر ہم اس قلعے سے جلدی نہ نکل سکے تو لزا یہ شرط مان لے گی''۔

''میں ایسا نہیں ہونے دوں گا''......الناصر نے کہا......''میں لزا کی آبرو کی خاطر [illegible]''

''کیا تمہارے دِل میں لزا کی اتنی ہی محبت ہے جتنی اُس کے دل میں ہے؟''۔

''اگر وہ لڑکی ہو کر میری محبت کا اعتراف کرتی ہے اور اس کے اظہار سے نہیں ڈرتی تو میں انکار کیوں کروں؟ میں مرد ہوں۔ میرے دل میں لزا کی محبت ہے''۔

''میں تم سے صرف یہ التجا کرتی ہوں کہ اُسے دھوکہ نہ دینا''...... تھیریسیا نے کہا...... ''تم ہمارے قیدی نہیں ہو، گمشتگین تمہیں اپنا مہمان سمجھ رہا ہے''۔

الناصر کا ذہن جو لزا کے متعلق دو حصوں میں بٹ گیا تھا، صاف ہو گیا۔ اُس پر لزا کی محبت کا نشہ طاری ہو گیا اور وہ اُسے دیکھنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ اس نے تھیریسیا سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ تھیریسیا نے اُسے بتایا کہ وہ رات بھر جاگتی رہی ہے، دوسرے کمرے میں سوئی ہوئی ہے۔ تھیریسیا کا تیر نشانے پر لگا۔ اُس نے لزا کے طلسم کو الناصر کی عقل پر پوری طرح طاری کر دیا...... یہی اس کا مقصد تھا۔ یہ لڑکیاں انتہا درجے کی چالاک تھیں۔ یہی ان کی تربیت تھی۔ وہ انسانی کمزوریوں کے ساتھ کھیلنا خوب جانتی تھیں۔ الناصر وہاں سے اُٹھا تو وہ ہوا میں اُڑ رہا تھا۔ اپنے کمرے میں گیا تو ساتھیوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں گیا تھا۔ اُس نے جھوٹ بولا اور انہیں تسلی دی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ اپنے فرض سے پرے ہٹنے لگا تھا۔

☆

صلیبی گمشتگین کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ گمشتگین اُسے کہہ رہا تھا کہ وہ الناصر اور اس کے ساتھیوں کو ایک دو دنوں میں حرن لے جانا چاہتا ہے۔ اتنے میں تھیریسیا آ گئی۔ اُس نے ان دونوں سے کہا...... ''اِن چھاپہ ماروں کا کمانڈر ہمارے جال میں آ گیا ہے''...... اس نے بتایا کہ کس طرح الناصر کے دِل پر لزا کا قبضہ مکمل اور پختہ کر دیا ہے۔ اس نے کہا...... ''اس آدمی کو صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ آدمی کتنے وقت میں اپنی اصلیت کو بھول کر اپنے سلطان کے قتل کے لیے تیار ہوتا ہے''۔

''میں ان چاروں کو ایک دو دنوں میں حرن لے جانا چاہتا ہوں''...... گمشتگین نے کہا...... ''کیا تم دونوں یا اکیلی لزا میرے ساتھ چلے گی اور میرے ساتھ رہے گی؟ قتل کے لیے الناصر کو لزا ہی تیار کرے گی''۔

''میں لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں''...... صلیبی نے کہا...... ''میں زیادہ دن رُک نہیں سکتا۔ مجھے اپنے حکمرانوں کو جلدی یہ اطلاع دینی ہے کہ حلب، موصل اور حرن کی فوجیں بالکل بے کار ہیں اور اُن فوجیوں کے سالار سوائے بھاگنے کے اور کچھ نہیں جانتے ہیں۔ میں انہیں صورتِ حال سے آگاہ کر کے صلاح الدین ایوبی کو شکست دینے کا کوئی اور طریقہ اختیار کرنے کا مشورہ دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری طرف سے آپ لوگوں کو جو مدد ملتی ہے، وہ بند کر دی جائے''۔

''ایسا نہ کہو''...... گمشتگین نے منت ساجت کے لہجے میں کہا...... ''مجھے ایک موقعہ دو۔ میں ایوبی کو قتل کرا دوں گا پھر دیکھنا میں کس طرح فاتح بن کر دمشق میں داخل ہوتا ہے۔ یہ دونوں لڑکیاں یا صرف لزا مجھے دے دو۔ اس نے چھاپہ ماروں کے کمان دار پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہ اسے تیار کر لے گی۔ الناصر صلاح الدین ایوبی کے پاس بلا روک ٹوک جا سکتا ہے، کیونکہ یہ اُس کا چھاپہ مار ہے۔ وہ ایوبی کو آسانی سے قتل کر سکتا ہے اور یہ بھی تو سوچو، لزا کو آپ لے گئے تو الناصر میرے کسی کام کا نہیں رہے گا''۔

کچھ مباحثے کے بعد صلیبی نے کہا...... ''حرن جانے کی بجائے ہم یہیں رُکے رہتے ہیں۔ یہ دونوں لڑکیاں الناصر کو تیار کر لیں گی اور ہو سکتا ہے کہ اس کے تینوں ساتھیوں کو بھی تیار کیا جا سکے۔ ان کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی کی

نفرت پیدا کرنی ہے''۔

''الناصر کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ بہت کچا آدمی ہے''...... تھیریسیا نے کہا ...''لزا اس کی عقل پر قابض ہو چکی ہے۔ دو تین ملاقاتوں کے بعد وہ لزا کے اشاروں پر ناچنے لگے گا''۔

''آج ان چاروں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاؤ''۔

کھانے کا وقت ہوا تو الناصر اور اُس کے ساتھیوں کو بھی کھانے کے کمرے میں بلا لیا گیا۔ اُن کے ساتھ دوستانہ بے تکلفی پیدا کر لی گئی۔ کھانا ابھی رکھا نہیں گیا تھا کہ شیخ سنان کے ایک خادم نے آکر صلیبی سے کہا کہ اُسے سنان نے بلایا ہے۔ صلیبی چلا گیا۔

''اس لڑکی کے متعلق تم نے کیا سوچا ہے؟''...... شیخ سنان نے پوچھا۔

''میں جب جاؤں گا تو اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا''...... صلیبی نے جواب دیا۔

''تمہارے جانے تک لڑکی میرے پاس رہے گی''...... سنان نے کہا۔

''میں آج ہی چلا جاؤں گا''۔

''جاؤ''...... شیخ سنان نے کہا...... ''اور لڑکی کو یہیں چھوڑ جاؤ، تم اسے قلعے سے باہر نہیں لے جا سکو گے''۔

''سنان!''...... صلیبی نے کہا...... ''اس قلعے کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ مجھے للکارنے کی جرأت نہ کرو''۔

''معلوم ہوتا ہے تمہارا دماغ ابھی ٹھکانے نہیں آیا''...... شیخ سنان نے کہا...... ''آج رات لڑکی کو تم خود میرے پاس لے آنا، خود جاؤ یار ہو، اگر تم رات لڑکی کو نہ لائے تو تم تہہ خانے میں اور لڑکی میرے پاس ہوگی۔ جاؤ، ٹھنڈے دل سے سوچ لو''۔

☆

صلیبی کھانے کے کمرے میں داخل ہوا۔ سب بے تابی سے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ پھنکار رہا تھا۔ کہنے لگا...... ''سنو دوستو! شیخ سنان نے مجھے للکار کر کہا ہے کہ آج رات لزا اُس کے پاس ہوگی۔ اس نے مجھے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ لزا کو میں خود اُس کے پاس لے جاؤں اور اگر میں نہ لے گیا تو وہ مجھے تہہ خانے میں ڈال دے گا اور لزا کو لے جائے گا''۔

''آپ اگر تہہ خانے میں چلے گئے تو کیا ہم مر جائیں گے؟''...... الناصر نے کہا...... ''وہ لزا کو نہیں لے جا سکے گا''۔

''لیکن یہ لڑکی تمہاری کیا لگتی ہے الناصر؟''...... اس کے ایک ساتھی نے پوچھا۔

''تم اپنے آپ کو ہمارا قیدی نہ سمجھو''...... گمشتگین نے کہا...... ''یہ مصیبت ہم سب کے لیے آ رہی ہے''۔

''تم ہمارے نہیں، شیخ سنان کے قیدی ہو''...... صلیبی نے کہا...... ''تم ہمارا ساتھ دو۔ ہم باہر جا کر تمہیں آزاد کر دیں گے۔ اب یہاں سے نکلنے کی سوچو''۔

''مجھے شیخ سنان نے اجازت دے رکھی ہے کہ ان چاروں کو اپنے ساتھ لے جاؤں''...... گمشتگین نے کہا...... ''میں انہیں آج لے جا رہا ہوں۔ جلدی جلدی کھانا کھا لو۔ مجھے شام سے بہت پہلے روانہ ہونا ہے''۔

گمشتگین کا دماغ بہت تیز تھا۔ اس نے کھانے کے دوران سب کو بتا دیا کہ اُس نے کیا سوچا ہے۔ کھانا کھا کر اُس نے اپنے خادموں اور باڈی گارڈوں کو بلایا اور کہا کہ وہ فوراً قلعے سے روانہ ہو رہا ہے۔ سامان فوراً باندھ لیا جائے۔ اسی وقت اس کا قافلہ تیار ہونے لگا۔ اُس کے اپنے گھوڑے کے علاوہ چار گھوڑے باڈی گارڈوں کے تھے۔ چار اونٹ تھے جن پر کھانے پینے کے سامان کے علاوہ خیمے لادے گئے۔ سفر لمبا تھا۔ اس لیے خیمے ساتھ رکھے گئے تھے۔ انہیں ان کے

بانسوں پر لپیٹا گیا تھا۔

گمشتگین شیخ سنان کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ وہ جا رہا ہے اور چاروں چھاپہ ماروں کو بھی ساتھ لے جا رہا ہے۔ اُن کے متعلق سودا طے ہو چکا تھا۔ گمشتگین نے زرو جواہرات کی صورت میں قیمت ادا کر دی تھی۔

''مجھے اُمید ہے کہ میں نے صلیبیوں کے کہنے پر جو چار آدمی بھیج رکھے ہیں وہ صلاح الدین ایوبی کا کام تمام کر کے ہی آئیں''...... شیخ سنان نے کہا...... ''تم سیف الدین کو ان چھاپہ ماروں سے قتل کراؤ۔ تم لوگ لڑ نہیں سکتے۔ اپنے دشمنوں کو چوری چھپے قتل کراؤ...... تمہارا صلیبی دوست اور اُس کی پریاں کہاں ہیں؟''

''اپنے کمرے میں ہیں''...... گمشتگین نے کہا۔

''اُس نے چھوٹی لڑکی کے متعلق کوئی بات تو نہیں کی؟''۔

''اُسے کہہ رہا تھا کہ آج رات شیخ سنان کے پاس چلی جانا''...... گمشتگین نے جواب دیا...... ''وہ آپ سے بہت ڈرا ہوا معلوم ہوتا تھا''۔

''یہاں بڑے بڑے جابر آدمی ڈر جاتے ہیں''...... شیخ سنان نے کہا...... ''کمبخت لڑکی کو مجھ سے یوں چھپا رہا تھا جیسے وہ اس کی اپنی بیٹی ہے''۔

گمشتگین اس سے رخصت ہوا۔ اس کا قافلہ تیار کھڑا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ دو گمشتگین کے آگے ہو گئے اور دو اُس کے پیچھے۔ ان کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ گھوڑوں کے پیچھے الناصر اور اس کے ساتھی اور اُن کے پیچھے سامان سے لدے ہوئے اونٹ تھے۔ قلعے کا دروازہ کھلا۔ قافلہ باہر نکل گیا اور دروازہ بند ہو گیا۔

☆

قافلہ قلعے سے دُور ہی دُور ہوتا گیا اور سورج اُفق کے عقب میں چھپنے لگا۔ سورج نے غروب ہو کر قافلے اور قلعے کو چھپا لیا۔ قلعے میں قندیلیں اور فانوس جل اُٹھے۔ شام پوری طرح تاریک ہو گئی تو شیخ سنان نے اپنے دربان سے پوچھا...... ''وہ صلیبی لڑکی کو لے کر نہیں آیا؟''...... اُسے نفی میں جواب ملا۔ اس نے تین چار بار پوچھا تو بھی اُسے نفی میں جواب ملا۔ اس نے اپنے خصوصی خادم کو بلا کر کہا...... ''اُس صلیبی سے جا کر کہو کہ چھوٹی لڑکی کو لے کر جلدی آئے''۔

خادم اُن کمروں میں میں گیا جہاں صلیبی ٹھہرا کرتے تھے، وہاں کوئی نہیں تھا۔ لڑکیاں بھی نہیں تھیں۔ تمام کمرے خالی تھے۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ قلعے کے باغ میں گھوم پھر کر دیکھا۔ چٹان کے اِردگرد گھوم کر دیکھا۔ وہاں سے بھی مایوس لوٹا اور شیخ سنان سے کہا کہ صلیبی اور لڑکیاں نہیں ملیں۔ سنان نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ اپنی فوج کے کمانڈر کو بلا کر حکم دیا کہ قلعے کے کونوں کھدروں کی تلاشی لو اور صلیبی کو برآمد کرو۔ فوج میں کھلبلی مچ گئی جسے دیکھو بھاگ دوڑ رہا تھا۔ قلعے میں ہر طرف قندیلیں اور مشعلیں متحرک نظر آتی تھیں۔ صلیبی کہیں سے بھی نہ ملا۔ شیخ سنان نے ان آدھ درجن پہرہ داروں کو بلایا جو دروازے پر ڈیوٹی پر تھے۔ ان سے پوچھا کہ گمشتگین کے قافلے کے علاوہ کس کے لیے دروازہ کھولا گیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ حکم کے بغیر کسی کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا اور گمشتگین کے علاوہ کسی اور کے لیے کھولا ہی نہیں گیا۔ انہوں نے گمشتگین کے قافلے کی تفصیل بھی بتائی۔ اس قافلے کے ساتھ صلیبی اور لڑکیاں نہیں تھیں۔

شیخ سنان اپنے کمرے میں پھنکار رہا تھا۔ رات کا پہلا پہر گزر گیا تھا۔ گمشتگین کا قافلہ چلا جا رہا تھا۔ اُس نے اپنا گھوڑا روک کر شتربانوں سے کہا...... اونٹوں کو بٹھاؤ اور انہیں باہر نکالو، مر ہی نہ جائیں''۔

اونٹوں کو بٹھا کران پر لدے ہوئے خیمے اُتارے گئے، خیمے کھولے گئے تو ان میں سے صلیبی، تھیریسیا اور لزا نکلیں۔ وہ پسینے میں نہائے ہوئے تھے۔ گمشتگین انہیں خیموں میں لپیٹ کر قلعہ عصیات سے نکال لایا تھا۔ وہ قلعے سے بہت دُور نکل گئے تھے۔ فدائیوں سے ایسی توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی کہ وہ تعاقب میں آئیں گے۔ یہ فرقہ جنگجو نہیں تھا۔ کسی کے ساتھ آمنے سامنے کی لڑائی کا خطرہ مول نہیں لیا کرتا تھا، پھر بھی گمشتگین نے قافلے کو قیام نہ کرنے دیا۔ لڑکیوں کو اونٹوں پر سوار کر دیا گیا۔ صلیبی چھاپہ ماروں کے ساتھ پیدل چل پڑا۔ اس کا گھوڑا اور لڑکیوں کے گھوڑے قلعے میں رہ گئے تھے۔ صلیبی اس خطے کی زبان روانی سے بولتا تھا۔ اُس نے الناصر کے ساتھ باتیں شروع کر دیں۔ ان باتوں میں دوستی اور پیار کا رنگ غالب تھا۔ الناصر کے دل سے خطرے نکل گئے۔ وہ تو لزا کے قریب ہونا چاہتا تھا۔

لزا کے قریب ہونے کا موقعہ آدھی رات کے بعد ملا جب ایک جگہ قافلے کو قیام کے لیے روکا گیا۔ گمشتگین کے لیے خیمہ کھڑا کر دیا گیا۔ باقی سب کے لیے الگ الگ خیمے نصب کیے گئے۔ چھاپہ مار اور باڈی گارڈز وغیرہ کھلے آسمان تلے لیٹ گئے۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ فوراً ہی سو گئے۔ الناصر کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ سوچ رہا کہ لزا کو خیمے سے جگا لائے یا وہ خود آ جائے گی۔ وہ بھول گیا تھا کہ وہ چھاپہ مار ہے اور اُس کی فوج کہیں لڑ رہی ہے۔ اُسے یہ خیال بھی نہ آیا کہ اُسے اپنی فوج میں جانا ہے اور فرار کا یہ موقعہ نہایت اچھا ہے، جب سب بے ہوشی کی نیند سو گئے ہیں، گھوڑے بھی ہیں، ہتھیار بھی ہیں اور خورد و نوش کا سامان بھی ہے۔ اُس کے ساتھی اسی پر بھروسہ کیے سو گئے تھے۔ وہ اپنے کمانڈر کی ہدایات کے پابند تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اُن کا کمانڈر اپنی عقل، اپنا ایمان اور اپنا جذبہ ایک نوجوان لڑکی کے سپرد کر چکا ہے۔ عورت اپنی تمام تر تباہ کاری کے ساتھ اس کے اعصاب پر سوار ہو چکی تھی۔

اُسے ایک سایہ چلتا نظر آیا جو کسی مرد کا نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اُٹھ کر بیٹھا، پاؤں پر سرکا اور سوئے ہوئے ساتھیوں سے دُور ہٹ گیا۔ سایہ اُدھر ہی آرہا تھا۔ ذرا دیر بعد دو سائے ایک دوسرے میں جذب ہو گئے۔ لزا الناصر کو سوئے ہوئے قافلے سے کچھ دُور ایک ٹیلے کی اوٹ میں لے گئی۔ اُس رات وہ پہلے سے زیادہ جذباتی معلوم ہوتی تھی۔ الناصر کی جذباتی کیفیت میں دیوانگی آگئی تھی۔ لزا جذباتیت کا اظہار زبان سے کم اور حرکات سے زیادہ کر رہی تھی۔ اس نے اپنا آپ پرے ہٹ کر کہا...... ''الناصر! ایک بات بتاؤ۔ تمہاری زندگی میں کبھی کوئی عورت داخل ہوئی ہے؟''

''ماں اور بہن کے سوا، میں نے کسی عورت کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا''...... الناصر نے جواب دیا...... ''تم نے میری زندگی دیکھ لی ہے۔ میں نوجوانی میں نورالدین زنگی کی فوج میں شامل ہو گیا تھا، جہاں تک یادیں پیچھے جاتی ہیں، میں اپنے آپ کو میدانِ جنگ میں، ریگستان میں، اپنے ساتھیوں سے دُور دشمن کے علاقوں میں خون بہاتا اور بھیڑیوں کی طرح شکار کی تلاش میں پھرتا دیکھتا ہوں۔ میں جہاں بھی ہوتا ہوں، اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرتا۔ میرا فرض میرا ایمان ہے''...... وہ چونک اُٹھا۔ ذرا سی دیر کچھ سوچ کر اس نے پوچھا...... ''لزا، تم نے شاید میرے ایمان کی بنیاد ہلا دی ہے۔ مجھے بتاؤ تم لوگ مجھے اور میرے ساتھیوں کو کہاں لے جارہے ہو''۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے دل میں میری محبت ہے یا مجھے دیکھ کر تم حیوان بن جاتے ہو؟''...... لزا نے ایسے لہجے میں پوچھا جس میں پیار اور مذاق کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی۔ اُس کا انداز گذشتہ رات کی نسبت بدلا ہوا تھا۔

''تم نے مجھے کہا تھا کہ محبت کو ناپاک نہ کرنا''...... الناصر نے کہا...... ''میں تم پر ثابت کروں گا کہ میں حیوان نہیں۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری قوم میں ایک سے ایک بڑھ کر خوبرو، جنگجو، تنومند اور اونچے رُتبے والا مرد موجود ہے۔ تم کسی

بادشاہ کے سامنے چلی جاؤ تو وہ تخت سے اُتر کر تمہارا استقبال کرے گا، پھر تم نے مجھ میں کیا دیکھا ہے؟''

لزا نے کوئی جواب نہ دیا۔ الناصر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا...... ''مجھے جواب دو لزا''...... لزا نے سر گھٹنوں پر رکھ دیا۔ الناصر کو اس کی سسکیاں سنائی دیں۔ وہ پریشان ہو گیا۔ اُس نے بار بار اس سے پوچھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ وہ روتی رہی۔ الناصر نے اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا تو لزا نے سر اُس کے سینے پر رکھ دیا۔ الناصر سمجھ نہ سکا کہ جس طرح اُس کی اپنی ذات سے انسانی فطرت کی بنیادی کمزوری ابھر کر اُس کی عقل پر غالب آ گئی تھی، اسی طرح لزا بھی ایک کمزوری کی گرفت میں آ گئی تھی۔ یہ وہ کمزوری تھی جو ملکہ کو اپنے غلام کے آگے جھکا دیتی ہے اور جو دولت کے انبار کو پتھروں کا ڈھیر سمجھ کر اپنے دِل کی تسکین کے لیے کسی کٹیا میں جا بیٹھتی ہے۔ لزا محبت کی پیاسی تھی۔ وہ محبت جو روح کو مطمئن کر دے۔ اسے جسمانی محبت ملی تھی اور اُن مردوں سے ملی تھی جن سے اُسے نفرت تھی۔ اُس نے عصیات کے قلعے کی طرف جاتے ہوئے اور قلعے میں پہنچ کر بھی تھیریسیا کے آگے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا تھا۔ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر الناصر کے پاس جا بیٹھی تھی اور اُسے کہا تھا...... ''مجھ پر بھروسہ کرنا''...... اُس وقت اُس کے دل میں کوئی فریب کاری نہیں تھی۔ یہ اُس کے دِل کی آواز تھی۔ وہ اپنی روح کی راہنمائی میں الناصر کے پاس چلی گئی تھی۔ اگر اُسے تھیریسیا وہاں سے اُٹھا نہ لے جاتی تو لزا نہ جانے الناصر سے اور کیا کچھ کہتی۔

پھر اُسے الناصر کو پھانسنے کو کہا گیا۔ اس نے یہ کمال بھی کر دکھایا۔ مگر اُس کا دِل ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ یہ اُس کا فرض تھا جو اُس نے ادا کیا تھا۔ وہ اپنے دل اور فرض کے درمیان بھٹک گئی تھی۔ الناصر کو معلوم نہیں تھا کہ تھوڑی دیر پہلے جب قافلہ رُکا تو خیمے نصب کیے جا رہے تھے تو گمشتگین نے لزا کے کان میں کہا تھا...... ''سب سو جائیں تو میرے خیمے میں آ جانا، تمہاری قوم کی بھیجی ہوئی بہترین شراب پیش کروں گا۔ تمہیں بڑی استادی سے شیخ سنان سے بچا کر لایا ہوں''۔

لزا نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس سے ہٹی تو صلیبی نے اُسے کہا...... ''خدا نے تمہیں اس بوڑھے درندے سے بچا لیا ہے۔ تھیریسیا سو جائے تو میرے خیمے میں آ جانا۔ جشن منائیں گے''۔

لزا کو اپنی خوب صورتی اور اپنے جسم سے نفرت ہونے لگی۔ وہ اپنے خیمے میں چلی گئی تھی۔ تھیریسیا سو گئی۔ لزا کی آنکھ نہ لگی۔ وہ اُٹھی اور دبے پاؤں الناصر کی طرف چل پڑی۔ الناصر اسی کے خیال اور انتظار میں جاگ رہا تھا۔

وہ الناصر کو کوئی جواب دینے ہی لگی تھی کہ الناصر نے چونک کر کہا...... سنو، تمہیں کوئی آہٹ سنائی دے رہی ہے؟...... گھوڑے آ رہے ہیں''۔

''دھمک بڑی صاف ہے''...... لزا نے کہا...... ''سب کو جگا دیں۔ شیخ سنان نے ہمارے تعاقب میں سپاہی بھیجے ہوں گے''۔

الناصر دوڑ کر ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اُسے بہت سے مشعلیں نظر آئیں جو گھوڑوں کی چال کے ساتھ اوپر نیچے، اوپر نیچے ہو رہی تھیں۔ گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ الناصر دوڑتا نیچے آیا، لزا کو اپنے ساتھ لیا اور سوئے ہوئے قافلے کی طرف دوڑا۔ سب کو جگا دیا۔ اُس نے اپنے چھاپہ ماروں کو ساتھ لیا اور ٹیلے کے قریب لے گیا۔ لزا کو اپنے ساتھ رکھا۔ سب کے پاس برچھیاں اور تلواریں تھیں۔ گمشتگین کے باڈی گارڈ اور شتربان بھی برچھیوں اور تلواروں سے مسلح ہو کر مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔

☆

وہ پندرہ سولہ سوار تھے۔ چھ سات کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ انہوں نے آتے ہی قافلے کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک نے للکار کر کہا...... "دونوں لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو۔ شیخ سنان نے کہا ہے کہ دونوں لڑکیاں دے دو گے تو خیریت سے جاسکو گے"۔

الناصر تجربہ کار چھاپہ مار تھا۔ اُس نے اپنے چھاپہ مار پہلے ہی گھیرے سے دُور کر چھپا لیے تھے۔ اس نے اشارہ کیا اور وہ تین چھاپہ ماروں کے ساتھ ان سواروں پر ٹوٹ پڑا جو اُس کے سامنے تھے۔ چھاپہ ماروں نے پیچھے سے برچھیاں اُن کے جسموں میں داخل کر دیں...... سوار گرے تو الناصر نے اپنے ساتھیوں سے بلند آواز سے کہا...... "ان کے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ"...... ایک گھوڑا اُس نے پکڑ لیا۔ اُس پر سوار ہوا تو اپنے پیچھے لزا کو بٹھا لیا۔ اُسے کہا کہ بازو مضبوطی سے اس کی کمر کے گرد لپیٹ لے۔

سنان کے فدائیوں نے ہلہ بول دیا۔ انہوں نے مشعلیں پھینک دی تھیں۔ یہ جلتی رہیں۔ الناصر اور اس کے چھاپہ ماروں نے بہت مقابلہ کیا۔ ایک گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کی آواز آئی جو دُور ہٹتی گئی۔ وہ گمشتگین تھا جو جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔ فدائیوں نے الناصر کے گھوڑے پر لڑکی دیکھ لی تھی اُسے وہ زندہ پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تین تین چار چار گھوڑے اُسے گھیرے میں لیتے اور سوار برچھیوں سے اس کے گھوڑے کو زخمی کرنے کے لیے برچھیوں کے وار کرتے تھے۔ الناصر تجربہ کار لڑاکا سوار تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو بچائے رکھا اور دو فدائی گرا لیے۔ اُسے دوڑتا گھوڑا یکلخت روکنا اور تیزی سے موڑنا پڑتا تھا۔ لزا کے پاؤں رکابوں میں نہیں تھے۔ ایک بار الناصر کو گھوڑا تیز رفتار پر ہی موڑنا پڑا۔ لزا سنبھل نہ سکی اور گر پڑی۔

فدائی گھوڑوں سے کود آئے۔ لزا الناصر کی طرف دوڑی لیکن دو فدائیوں نے اُسے پکڑ لیا۔ الناصر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور برچھی تانی۔ فدائیوں نے لزا کو آگے کر دیا۔ الناصر کو اپنے ساتھیوں کے متعلق کچھ علم نہیں تھا۔ اُسے بھاگتے دوڑتے گھوڑوں کی اور برچھیاں اور تلواریں ٹکرانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ تین چار فدائیوں میں اکیلا تھا۔ اُس کا ہر وار خالی جا رہا تھا کیونکہ وہ اُن کے قریب آتا تھا تو فدائی لزا کو آگے کر دیتے تھے۔ آخر وہ بھی گھوڑے سے کود گیا۔ بے جگری سے لڑا۔ زخمی ہوا اور اُس نے دو فدائیوں کو گرا لیا۔ اس دوران لزا چیختی رہی...... "الناصر نکل جاؤ۔ میرے لیے نہ مرو۔ نکل جاؤ۔ تم اکیلے ہو"...... لیکن وہ دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ اُس نے ایک بار چلا کر کہا...... "خاموش رہو لزا۔ یہ تمہیں نہیں لے جاسکیں گے"۔

الناصر نے یہ کر کے بھی دکھا دیا کہ فدائی لزا کو نہ لے جاسکے۔ اُس نے فدائیوں کو بُری طرح زخمی کر کے پھینک دیا۔ اس معرکے میں وہ قیام گاہ سے دُور ہٹ گئے تھے۔ الناصر نے ایک گھوڑا پکڑا۔ لزا کو اس پر سوار کیا۔ خود اُس کے پیچھے سوار ہوا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی لیکن بھاگا نہیں۔ معرکہ خاموش ہو گیا تھا۔ اُس نے جا کر دیکھا۔ وہاں صرف لاشیں تھیں اور دو تین فدائی زخموں سے تڑپ رہے تھے۔ اُس کے تینوں ساتھی مارے گئے تھے۔ صلیبی بھی مرا پڑا تھا۔ تھیریسیا لاپتہ تھی۔

الناصر نے زیادہ انتظار نہ کیا۔ آسمان کی طرف دیکھا۔ قطبی ستارے کا اندازہ کیا اور گھوڑے کو اُس رُخ پر ڈال دیا۔ بہت دُور جا کر اس نے گھوڑا روک لیا۔

"اب بتاؤ تم کہاں جانا چاہتی ہو" ...... اس نے لزا سے پوچھا...... "میں تمہیں صرف اس لیے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا کہ تم تہا رہ گئی ہو اور مجبور ہو۔ کہو تو تمہیں تمہارے علاقے میں لے چلتا ہوں۔ قید ہو گیا تو پروا نہیں کروں گا۔ تم امانت ہو"۔

"اپنے ساتھ لے چلو"...... لزا نے کہا...... "الناصر! مجھے اپنی پناہ میں لے لو"۔

گھوڑا رات بھر چلتا رہا۔ صبح طلوع ہوئی تو الناصر نے علاقہ پہچان لیا۔ یہیں کہیں اُس نے ایک بار اپنے جیش کے ساتھ شب خون مارا تھا، وہاں مٹی کے ٹیلے اور بھربھری چٹانیں تھیں۔ چلتے چلتے وہ ایک چشمے تک پہنچ گئے۔ یہ ایک چٹان کے دامن میں تھا۔ الناصر نے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔ دونوں نے گھوڑے سے اُتر کر پانی پیا۔ گھوڑے کو پانی پلایا۔ الناصر نے زخم دیکھے، کوئی زخم گہرا نہیں تھا۔ خون رُک گیا تھا۔ اُس نے اس ڈر سے زخم نہ دھوئے کہ خون جاری ہو جائے گا۔ لزا ٹہلتی ٹہلتی ایک طرف نکل گئی۔ الناصر اُسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے چٹان کے دوسری طرف گیا۔ لزا بیٹھی ہوئی تھی۔ الناصر کی طرف اس کی پیٹھ تھی، وہاں ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں جو انسانوں کی معلوم ہوتی تھیں۔ کھوپڑیاں تھیں، پسلیوں کے پنجر تھے، ہاتھوں، ٹانگوں اور بازوؤں کی ہڈیاں بھی تھیں۔ ان کے درمیان تلواریں اور برچھیاں پڑی تھیں۔

لزا ایک کھوپڑی کو سامنے رکھے بیٹھی تھی۔ کسی عورت کی کھوپڑی معلوم ہوتی تھی۔ چہرے پر کہیں کہیں کھال تھی۔ سر کے لمبے لمبے بال کچھ سر کے ساتھ تھے۔ باقی اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ سینے کا پنجرہ کھال کے بغیر تھا۔ پسلیوں میں ایک خنجر اُترا ہوا تھا۔ گلے کی ہڈی پر سونے کا ہار پڑا تھا۔ اس پنجرے کے اردگرد چیتھڑے پڑے تھے جو ریشمی کپڑے کے تھے...... الناصر آہستہ آہستہ چلتا لزا کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ لزا کھوپڑی میں کھوگئی تھی۔ اچانک اُس نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے اور بڑی ہی زور سے چیخ ماری۔ وہ تیزی سے اُٹھ کر گھومی۔ الناصر نے اُسے بازوؤں میں لے کر سینے سے لگالیا۔ لزا نے اپنا چہرہ الناصر کے سینے میں چھپالیا۔ اُس کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ الناصر اُسے چشمے تک لے گیا۔

☆

جب وہ اپنے آپ میں آئی تو الناصر نے اُس سے پوچھا کہ اس نے چیخ کیوں ماری تھی؟

''مجھے اپنا انجام نظر آ گیا تھا'' لزا نے اداس لہجے میں کہا...... ''تم نے وہ خشک لاش دیکھی ہوگی۔ کسی عورت کی ہے۔ یہ کوئی مجھ جیسی ہوگی۔ اُس نے میری طرح حسن کے جادو چلائے ہوں گے۔ ہر کسی کے لیے سہانا فریب بنی رہی ہوگی اور کہتی ہوگی کہ اُس کے حسن کو زوال نہیں اور وہ سدا جوان اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔ تم نے اُس کی پسلیوں کے پنجرے میں خنجر پھنسا ہوا دیکھا ہے؟ گلے میں ہار دیکھا ہے؟ یہ ہار اور یہ خنجر جو کہانی سناتے ہیں، وہ میری کہانی ہے اور دوسری جو کھوپڑیاں بکھری پڑی ہیں اور اُن کے ساتھ جو تلواریں اور برچھیاں پڑیں ہیں وہ سوبار سنی ہوئی کہانی سناتی ہیں۔ میں نے یہ بھی توجہ سے نہیں سنی تھی۔ آج اس عورت کی کھوپڑی دیکھی تو مجھے یوں نظر آیا جیسے یہ میری اپنی کھوپڑی ہو۔ اس خشک کھوپڑی پر گوشت چڑھ گیا تو میرا چہرہ بن گیا۔ میں نے ایک گدھ کو دیکھا جو میرے چہرے سے آنکھیں نکال رہا تھا۔ ایک بھیڑیے کو دیکھا جو میرے گلابی گالوں کو نوچ رہا تھا۔ ان مردار خوروں نے میرا چہرہ کھالیا اور پیچھے کھوپڑی رہ گئی۔ مجھے ایسے نظر آیا جیسے کھوپڑی کے جبڑے اور خوفناک دانت ہل رہے ہوں۔ مجھے آواز سنائی دی...... ''یہ ہے تمہارا انجام''...... اور میرے دل کو کسی خوفناک چیز نے دانتوں میں جکڑ لیا''۔

''کچھ دنوں بعد وہاں جا کر دیکھنا، جہاں ہم پر فدائیوں نے حملہ کیا تھا''...... الناصر نے کہا...... ''وہاں بھی تمہیں یہی منظر نظر آئے گا۔ لاشوں کے پنجر، کھوپڑیاں، تلواریں اور برچھیاں اور شاید ان سے کچھ دُور تھیریسیا کی کھوپڑی بھی پڑی مل جائے۔ اُس کے سینے میں بھی خنجر اُترا ہوا ہوگا۔ وہ سب عورت کے لیے مرے ہیں۔ یہ سب بھی عورت کے لیے مرے ہیں''۔

''اگر میں نے اپنی روش نہ چھوڑی تو ایک روز صحرا میں گدھ اور بھیڑیئے میرے اس جسم کا گوشت نوچ رہے ہوں گے جس پر مجھے ناز ہے اور جسے حاصل کرنے کے لیے کوئی جان پیش کرتا ہے، کوئی دولت''...... لزا نے کہا...... ''مگر انسان عبرت حاصل نہیں کرتا۔ اُن کی تباہی اور بربادی نہیں دیکھتا جو اُس سے پہلے اس زمین پر اپنے اوپر حسن، دولت اور

جسمانی طاقت کا نشہ طاری کر کے تکبر اور غرور سے چلتے پھرتے تھے...... میں نے اپنے آپ کو پہچان لیا ہے۔ اپنی اصلیت جان لی ہے۔ تم بھی سن لو الناصر! خدا نے تمہیں مردوں کی طاقت اور مردانہ حسن دیا ہے۔ تمہیں جو عورت دیکھے گی، وہ تمہارے قریب آنے کی خواہش کرے گی، دیکھ لو۔ تم بھی جا کر اپنا انجام دیکھ لو''۔

وہ ایسے انداز سے بول رہی تھی جیسے اُس پر آسیب کا اثر ہو۔ اُس کی شوخیاں اور فریب کاریاں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ کسی تارک الدنیا فقیر کے لہجے میں بول رہی تھی۔

''میں تمہیں اپنی اصلیت بتا دوں؟'' اس نے الناصر سے پوچھا...... ''میں تمہیں دکھا دوں کہ میری پسلیوں کے پنجرے میں کیا ہے؟''۔ اُس نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور چپ ہو گئی۔ اُس کا ہاتھ سونے کے اس ہار پر جا لگا تھا جس میں جواہرات بھی تھے۔ اُس نے ہار کو مٹھی میں لیا۔ زور سے جھٹکا دیا۔ ہار ٹوٹ کر اُس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اُس نے ہار چشمے میں پھینک دیا۔ انگلیوں سے انگوٹھیاں اُتاریں جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ یہ بھی چشمے میں پھینک دیئے۔ کہنے لگی......

''میں ایک فریب ہوں الناصر! میں نے تمہیں بھی فریب دیا تھا...... میرے دل میں تمہاری محبت بھی پیدا ہو گئی تھی مگر اس پر میرے فرض کی بدذوتی کا بھی اثر تھا۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ فدائیوں نے ہم پر حملہ کر دیا اور یہ اور زیادہ اچھا ہوا کہ میں نے اپنی زندگی میں اپنی کھوپڑی دیکھ لی، ورنہ میں بتا نہیں سکتی کہ جہاں ہم تمہیں لے جا رہے تھے، وہاں تم پر کیا روپ چڑھا دیا جاتا، میری محبت کا کیا حشر ہوتا۔ تم ایک بہت بڑے فریب کا شکار ہونے جا رہے تھے۔ میں اب جھوٹ نہیں بولوں گی۔ تمہیں اس مقصد کے لیے لے جایا جا رہا تھا کہ میں اپنی خوب صورتی اور محبت کے جھانسے سے تمہاری عقل پر قبضہ کر لوں اور تمہارے ہاتھوں صلاح الدین ایوبی کو قتل کرایا جائے۔ گمشتگین قلعۂ عصیات میں اس لیے گیا تھا کہ شیخ سنان اسے صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے کرائے کے قاتل دے دے۔ سنان نے بتایا کہ اُس نے چار فدائی بھیج رکھے ہیں۔ اگر یہ بھی ناکام ہو گئے تو وہ آئندہ اس کام کے لیے کوئی فدائی نہیں بھیجے گا کیونکہ وہ بہت سے کارآمد فدائی ضائع کر چکا ہے۔ آخر یہ سودا طے ہوا کہ گمشتگین تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے جائے اور سیف الدین کے قتل کے لیے تیار کرے۔ اتنے میں ہمارا افسر آ گیا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ ایوبی کا قتل ضروری ہے''۔

''یہ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے سائے کو بھی میلی نگاہ سے دیکھوں''...... الناصر نے کہا...... ''دُنیا کی کوئی طاقت مجھے اتنا بے عقل نہیں بنا سکتی''۔

لزا ہنس پڑی، کہنے لگی...... ''میں نے دل سے اپنے فرائض کو قبول نہیں کیا، ورنہ ہم فولاد کو بھی پانی بنا دیا کرتی ہیں''۔ اُس نے الناصر کو تفصیل سے بتایا کہ اس کے فرائض اور جذبات میں کتنا تضاد ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ سیف الدین کے پاس رہی ہے۔ اس نے پوچھا...... ''کیا تم مجھ جیسی ناپاک لڑکی کو قبول کر لو گے؟۔ میں سچے دل سے اسلام قبول کر لوں گی''۔

''اگر تم نے سچے دِل سے توبہ کر لی ہے تو میرے لیے یہ گناہ ہوگا کہ میں تمہیں قبول نہ کروں''۔ الناصر نے کہا...... ''لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی کی اجازت کے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ دِل سے بوجھ اُتار دو۔ اگر تم پاکیزہ زندگی بسر کرنا چاہتی ہو تو ایسی زندگی تمہیں صرف ہمارے مذہب میں ملے گی''۔ اُس نے پوچھا...... ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ جو فدائی ہمارے سلطان کے قتل کے لیے گئے ہیں وہ کس بھیس میں گئے ہیں اور قاتلانہ حملہ کس طرح کریں گے؟''

''کچھ علم نہیں'' لزا نے جواب دیا...... ''میرے سامنے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں ہوئی کہ چار فدائی بھیجے گئے ہیں''۔

''ہمیں اُڑ کر ترکمان پہنچنا ہوگا''۔ الناصر نے کہا...... مجھے سلطان اور اُس کے محافظوں کو خبردار کرنا ہے۔''

اس نے لزا کو اپنے آگے گھوڑے پر بٹھالیا اور ایڑ لگا دی۔ اتنی حسین لڑکی اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ اُس کے ریشم جیسے بال اس کے گالوں میں لہرا رہے تھے مگر اس کے ذہن میں سلطان ایوبی سما گیا تھا۔ فرض نے اُس کے جذبات کو سُلا دیا تھا۔ مقصد نے اُسے مردِ میدان اور انسانِ کامل بنا دیا تھا...... اور لزا کی تو جیسے روح ہی بدل گئی تھی۔ وہ اس قوی اور تنو مند جوان کے قبضے میں اور اُس کے رحم وکرم پر تھی لیکن اُسے جیسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ مرد ہے اور یہ ایک نوجوان لڑکی۔ اگر کوئی واعظ برسوں واعظ سناتا رہتا تو لزا پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ الناصر نے خاموش زبان سے یہ حقیقت اُس کے دل میں اُتار دی کہ وہ پاکیزہ زندگی بسر کرنا چاہتی ہے تو ایسی زندگی اُسے اسلام میں ملے گی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کو قلعہ اعزاز کے قلعہ دار کا جواب آگ بگولہ کیے ہوئے تھا۔ اُسے یہ قلعہ سر کرنا تھا اور فوراً بعد حلب کو محاصرے میں لے کر یہ شہر لینا تھا۔ اُسے بوزا اور منبج کے دو قلعے لڑے بغیر مل گئے تھے۔ ان میں جو دستے تھے انہیں اُس نے اپنی فوج میں شامل کر کے اُن کی جگہ اپنے دستے بھیج دیئے تھے اور وہ اعزاز اور حلب کی طرف پیش قدمی کی سکیم بنا رہا تھا۔ اس نے حسبِ معمول دیکھ بھال کے لیے اپنے فوجی اس علاقے میں بھیج رکھے تھے جہاں اُسے آگے بڑھنا اور محاصرہ کرنا تھا۔ جاسوسوں نے اُسے حلب اور اعزاز کے دفاعی انتظامات بتا دیئے تھے۔ سلطان ایوبی خود بھی آگے چلا جاتا تھا اور اپنی آنکھوں زمین کے خدوخال اور دیگر جنگی کوائف کا جائزہ لیتا تھا۔ ایسے دوروں کے دوران وہ اپنا جھنڈا ساتھ نہیں رکھتا تھا اور اپنے محافظوں (باڈی گارڈز) کو بھی ساتھ نہیں لے جاتا تھا، تا کہ دشمن کو پتہ نہ چل سکے کہ یہ صلاح الدین ایوبی ہے۔ وہ گھوڑا بھی کسی دوسرے کا استعمال کرتا تھا۔ اس کے گھوڑے کو جس کے سفید رنگ پر کہیں کہیں گہرے لال دھبے تھے، دشمن کے سالار پہچانتے تھے۔

اُسے کہا گیا تھا کہ وہ محافظوں کے بغیر اتنی دور نہ نکل جایا کرے لیکن اُس نے اپنی حفاظت کی کبھی پروا نہیں کی تھی۔ اب تو اُس پر جنون سا طاری تھا۔ وہ اپنے مسلمان دشمنوں کو ناکوں چنے چبوا چکا تھا۔ اُن کے تابوت میں آخری کیل گاڑنی رہ گئی تھی۔ وہ علاقہ ایسا تھا کہ چٹانیں اور ٹیلے بھی تھے اور کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ بھی۔ کچھ حصے میں گہرے کھڈ بھی تھے۔ ایسے علاقے میں سلطان ایوبی کا محافظوں کے بغیر گھومنا پھرنا خطرناک تھا۔

''سلطانِ محترم!'' اُس کی انٹیلی جنس کے سربراہ حسن بن عبداللہ نے ایک روز اُسے جھنجھلا کر کہا۔ ''خدانخواستہ آپ پر قاتلانہ حملہ کامیاب ہو گیا تو سلطنتِ اسلامیہ آپ جیسا کوئی دوسرا پاسبان پیدا نہیں کر سکے گی۔ ہم قوم کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ آنے والی نسلیں ہماری قبروں پر لعنت بھیجیں گے کہ ہم آپ کی حفاظت نہ کر سکے تھے''۔

''اگر خدا کو یہی منظور ہے کہ مجھے کسی فدائی یا صلیبی کے ہاتھوں قتل ہونا ہے تو میں ایسی موت کو کیسے روک سکتا ہوں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''بادشاہ جب اپنی جان کی حفاظت میں مگن ہو جاتے ہیں تو وہ ملک اور قوم کی آبرو کی حفاظت کے قابل نہیں رہتے۔ اگر مجھے قتل ہونا ہے تو مجھے اپنا فرض جلدی جلدی ادا کر لینے دو۔ مجھے محافظوں کا قیدی نہ بناؤ۔ مجھ پر بادشاہی کا نشہ طاری نہ کرو۔ تم جانتے ہو، مجھ پر کتنے قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر بار بچالیا ہے۔ اب بھی بچالے گا''۔

اُس کا ذاتی عملہ اس کی سلامتی کے لیے پریشان رہتا تھا۔ پچھلی کہانیوں میں وہ تمام قاتلانہ حملے بیان کیے گئے ہیں جو اُس پر ہوئے تھے۔ ہر حملے کے وقت وہ اکیلا تھا لیکن اُس کا محافظ دستہ قریب ہی تھا جو ہر بار وہاں پہنچ گیا۔ اب سلطان ایوبی نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ وہ اپنے ذاتی عملے اور محافظوں کو کسی جگہ کھڑا کر کے خود ٹیلوں اور چٹانوں میں غائب ہو جاتا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ محافظ دستے کے چند ایک آدمی دُور دُور رہ کر سلطان ایوبی پر نظر رکھتے تھے۔ یہ کسی کو

بھی معلوم نہیں تھا کہ بہت دنوں سے چار آدمی ویرانوں میں گھوم پھر رہے ہیں اور وہ سلطان ایوبی پر نظر رکھتے ہیں۔

یہی وہ چار فدائی تھے جن کے متعلق قلعہ عصیات میں شیخ سنان نے گمشتگین کو بتایا تھا کہ سلطان ایوبی کے قتل کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ان چاروں نے دیکھ لیا تھا کہ سلطان ایوبی، محافظوں کے بغیر گھومتا پھرتا رہتا ہے، چنانچہ انہوں نے یہ منصوبہ ترک کر دیا تھا کہ جنگ زدہ علاقے کے پناہ گزینوں کے روپ میں سلطان ایوبی کے پاس جائیں گے اور اُسے قتل کر دیں گے۔ سلطان ایوبی انہیں بڑا اچھا موقعہ دے رہا تھا۔ ان چار فدائیوں کی سکیم اچھی تھی۔ اُن کی کمزوری یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھ تیر و کمان نہیں لائے تھے، کیونکہ پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ اگر اُن کے پاس ایک بھی کمان ہوتی تو وہ کسی بھی جگہ چھپ کر سلطان ایوبی کو نشانہ بنا سکتے تھے، وہاں چھپنے کی جگہیں بہت تھیں۔ آسانی سے فرار ہوا جا سکتا تھا۔ ان کے پاس لمبے خنجر تھے۔

اُدھر سے الناصر لزا کو گھوڑے پر بٹھائے تیزی سے آ رہا تھا۔ لزا نے اُسے بتا دیا تھا کہ چار فدائی سلطان ایوبی کے قتل کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ الناصر بہت جلدی سلطان ایوبی تک پہنچنا اور اُسے خبردار کرنا چاہتا تھا مگر سفر لمبا تھا اور گھوڑے پر دو سواروں کا بوجھ تھا۔ گھوڑا اتنی لمبی مسافت دوڑتے ہوئے طے نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے راستے میں گھوڑے کو آرام دیا۔ پانی پلایا اور پھر چل پڑا۔ اِدھر سلطان ایوبی اپنی حفاظت سے بالکل ہی بے نیاز ہو گیا تھا اور چار فدائی چھپ کر اُسے دیکھ رہے تھے۔ اس علاقے میں کوئی فوج نہیں تھی۔ کوئی آبادی بھی نہیں تھی۔ فدائی جنگل کے درندوں کی طرح شکار کی تلاش میں رہتے اور رات وہیں گزار لیتے تھے۔

سورج غروب ہو گیا۔ الناصر اور لزا کا گھوڑا چلتا رہا۔ اس کی چال بتا رہی تھی کہ اس کی رفتار کم ہو گی، بڑھے گی نہیں۔ الناصر نے بوجھ کم کرنے کے لیے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی اور لگام پکڑ کر پیدل چلنے لگا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ لزا نے الناصر سے تین چار بار کہا کہ وہ اور زیادہ سواری نہیں کر سکتی۔ اُس کی ہڈیاں بھی دُکھنے لگی تھیں۔ وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی لیکن الناصر جو خود تھکن، پیاس اور بھوک سے بے حال ہوا جا رہا تھا، نہ رُکا۔ اُس نے لزا سے کہا...... ''تمہاری اور میری جان سے سلطان صلاح الدین ایوبی بہت زیادہ قیمتی ہے، اگر میں رُک گیا اور سلطان ایوبی قتل ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ میں اپنے سلطان کا قاتل ہوں''۔

☆

صبح طلوع ہوئی۔ الناصر اب قدم گھسیٹ رہا تھا۔ لزا گھوڑے پر سر رکھے سوئی ہوئی تھی۔ گھوڑا معمولی سی چال چل رہا تھا۔ ایک جگہ پانی اور گھاس دیکھ کر گھوڑا اُرک گیا۔ لزا نے نیند سے چونک کر کہا...... ''خدا کے لیے اسے مت گھسیٹو۔ اُسے ذرا کھا پی لینے دو''...... گھوڑے نے پانی پی لیا تو الناصر اُس کی لگام پکڑ کر چل پڑا۔ گھوڑا دوڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ الناصر بھی تھک ہار کر سوار ہو گیا۔ لزا کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ اُس کے منہ سے بات بھی نہیں نکلتی تھی۔ الناصر کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ سلطان ایوبی کہاں ہو گا۔ وہ ترکمان کو جا رہا تھا۔ سلطان ایوبی آگے چلا گیا تھا جسے بعد میں کوہِ سلطان کا نام دیا گیا تھا، مگر وہ اب وہاں بھی نہیں تھا۔ اس مقام سے بھی آگے چلا گیا تھا۔ الناصر کو ترکمان اور کوہِ سلطان کی چٹانیں نظر آنے لگی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرف سے جائے۔ سورج بہت اوپر آ گیا تھا۔

اُس وقت سلطان ایوبی ایک چٹانی ویرانے میں اپنے عملے کے ساتھ وہاں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے عملے کو ایک جگہ رکنے کو کہا اور اکیلا ہی ایک طرف نکل گیا۔ اُس کے ذہن میں شاید اپنی فوج کی پیش قدمی کی کوئی سکیم تھی۔ گھوڑے سے اُتر کر وہ ایک چٹان پر چڑھ گیا۔ چاروں فدائی اس چٹان سے تھوڑی ہی دُور ایک جگہ چھپ کر اُسے دیکھ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر اُوپر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔

''نیچے آنے دو''۔ایک فدائی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

''اُس کے محافظ قریب ہی کہیں چھپے ہوئے ہوں گے''۔دوسرے نے کہا۔

''آج بچ کر نہ جائے''۔ایک اور بولا۔

''صرف ایک آدمی آگے جائے گا''۔چوتھے نے کہا..... ''وار پیچھے سے کرنا۔ضرورت پڑی تو باقی آگے جائیں گے''۔

سلطان ایوبی چٹان سے اُترا اور گھوڑے پر سوار ہو کر کسی اور طرف چلا گیا۔فدائی اُس کے پیچھے پیچھے گئے۔حملے کے لیے یہ جگہ موزوں نہیں تھی۔الناصرا بھی بہت دُور تھا۔سلطان ایوبی ایک بار پھر گھوڑے سے اُترا۔ایک اور چٹان پر چڑھا۔تھوڑی دیر بعد وہاں سے اُترا اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر پیدل چل پڑا۔فدائی اس سے ذرا ہی دُور چھپے ہوئے تھے۔سلطان ایوبی ایک جگہ سے گھوم گیا۔آگے میدان تھا۔وہ گھوڑے پر سوار ہونے ہی لگا تھا کہ اُسے دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ایک فدائی ایک فٹ لمبا خنجر ہاتھ میں لیے،اُس سے دو تین قدم دُور رہ گیا تھا۔سلطان ایوبی نے دیکھ لیا۔

سلطان ایوبی نے اپنا خنجر نکالا۔فدائی نے وار کر دیا۔سلطان ایوبی نے اس کی خنجر والی کلائی کے آگے اپنی کلائی رکھ کر وار روکنے کی کوشش کی مگر فدائی تنومند تھا۔وار بڑی ہی طاقت سے کیا گیا تھا۔سلطان ایوبی نے وار کیا جو فدائی بچا گیا۔چٹان کی اوٹ سے ایک اور فدائی نکلا۔اس نے بھی وار کیا جو سلطان ایوبی نے بچا تو لیا لیکن اُس کے کولہے کی کھال کو چیر گیا۔سلطان ایوبی گھوڑے کے اوٹ میں ہو گیا۔ایک فدائی اُدھر آیا تو سلطان ایوبی نے بائیں ہاتھ کا گھونسہ اُس کے منہ پر مارا۔وہ پیچھے کو گرنے لگا تو سلطان ایوبی نے خنجر اس کے دِل کے مقام پر اُتار کر زور سے ایک طرف کو جھٹکا دیا۔یہ فدائی ختم ہو گیا۔

دوسرے نے اُس کے پیچھے سے وار کیا لیکن سلطان ایوبی بروقت سنبھل گیا۔فدائی کے خنجر کی نوک سلطان ایوبی کے ایک بازو میں لگی۔یہ زخم بھی گہرا نہیں تھا۔باقی دو فدائی بھی سامنے آگئے۔سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دیئے جو آنِ واحد میں سلطان ایوبی کے قریب آگئے۔فدائی بھاگے۔ایک کو تو سواروں نے گھوڑں تلے کچل ڈالا،دوسرے کو مار ڈالا۔سلطان ایوبی کی پکار پر آخری فدائی کو زندہ پکڑ لیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس حملے سے بھی بچا لیا۔اُس پر جس وقت حملہ ہوا اُس کا عملہ اس سے ساتھ آٹھ سو گز دُور ایک بلندی پر کھڑا تھا۔اتفاق سے اُن میں سے کسی نے دیکھ لیا،ورنہ یہ حملہ ناکام ہونے والا نہیں تھا۔

یہ قاتلانہ حملہ مئی ۱۱۷۶ء (ذی القعد ۵۷۱ ہجری) کا ہے۔اس کے متعلق مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی ڈائری میں اتنا ہی لکھا ہے کہ صلاح الدین ایوبی قلعہ اعزاز کے محاصرے کے لیے جارہا تھا کہ چار فدائیوں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُسے بچا لیا۔میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد اکبر خان (رنگروٹ) نے متعدد حوالوں سے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی قلعہ اعزاز کے محاصرے کے دوران دن کے وقت اپنے ایک سالار جاوالاسدی کے خیمے میں سویا ہوا تھا۔جب ایک فدائی نے خیمے میں جا کر اس پر خنجر سے وار کیا۔اتفاق سے سلطان ایوبی کے سر پر وہ مخصوص پگڑی تھی جو وہ میدانِ جنگ میں پہنا کرتا تھا۔اُسے تربوش کہتے تھے۔حملہ آور کا خنجر تربوش میں لگا اور سلطان ایوبی جاگ اُٹھا۔فوراً ہی چار پانچ فدائی اندر آگئے اور اُن کے ساتھ ہی سلطان ایوبی کے باڈی گارڈ بھی اندر آگئے جنہوں نے فدائیوں کو ہلاک کر ڈالا۔جنرل موصوف نے لکھا ہے کہ یہ فدائی کچھ عرصے سے دھوکے میں سلطان ایوبی کے محافظ دستے میں شامل ہو گئے تھے۔

یورپی مورخوں نے لکھا ہے کہ حملہ آور سلطان ایوبی کے اپنے باڈی گارڈ تھے۔ان مورخین نے سلطان ایوبی کے خلاف یہ شہادت مہیا کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنی فوج میں بالکل مقبول نہیں تھا،یہاں تک کہ اس کے باڈی گارڈ تک

اس کے وفادار نہیں تھے۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں کی غیر مطبوعہ تحریروں سے یہی کہانی سامنے آتی ہے جو سنائی گئی ہے۔ فدائی نہ اُس کے محافظ دستے میں تھے نہ کسی دھوکے سے حملہ آور ہوئے تھے۔ انہیں سلطان ایوبی اکیلا مل گیا تھا۔

جو فدائی پکڑا گیا تھا، اس نے بیان دیا کہ وہ چاروں قلعۂ عصیات سے آئے ہیں۔ اُسے حسن بن عبداللہ کے حوالہ کر دیا گیا جس نے اس سے قلعۂ عصیات کے متعلق تمام تر معلومات لے لیں۔ یہ بھی پوچھ لیا کہ اندر کتنی فوج ہے اور اس کے لڑنے کی اہلیت کیسی ہے۔ یہ معلومات سلطان ایوبی کو دی گئیں۔

''کل رات کے آخری پہر ہم عصیات کی طرف کوچ کریں گے''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ اُس نے اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں کو بلایا اور کہا...... ''فدائیوں کا یہ اڈہ اُکھاڑنا ضروری ہو گیا ہے۔ اس پر فوراً قبضہ کرنا ہے۔ فوج کا تیسرا حصہ کافی ہوگا'' اُس نے بتایا کہ کتنی نفری جائے گی اور اس کی ترتیب کیا ہوگی۔

اُس شام سلطان ایوبی کو اطلاع دی گئی کہ الناصر نام کا ایک چھاپہ مار واپس آیا ہے۔ حسن بن عبداللہ الناصر سے ساری رپورٹ لے چکا تھا۔ اُسے سلطان ایوبی کے سامنے پیش کرنا ضروری تھا۔ الناصر کو بڑی ہی بُری حالت میں پیش کیا گیا۔ مسلسل سفر، بھوک اور پیاس نے اُسے اَدھ مؤا کر دیا تھا۔ اُس کے ساتھ لزا تھی۔ اُس کا رنگ اُڑا ہوا اور جسمانی حالت دگرگوں تھی۔ الناصر نے سلطان ایوبی کو پوری تفصیل سے سنایا کہ اس پر کیا گذری ہے۔ اُس نے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھی۔ لزا کے متعلق بھی سب کچھ بتایا۔ سلطان ایوبی نے لزا سے پوچھا کہ وہ اپنے متعلق فیصلے میں آزاد ہے۔ لزا شاید اپنے آپ کو قیدی سمجھ رہی تھی اور اُسے بہت بُرے سلوک کی توقع تھی، لیکن یہاں معاملہ اُلٹ تھا۔ اس نے الناصر کے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ اُسے بتایا گیا کہ اُسے دمشق بھیج دیا جائے گا جہاں وہ نورالدین زنگی کی بیوہ کی تحویل میں رہے گی اور الناصر اُسے کچھ عرصے کے بعد ملے گا۔ دراصل اس قسم کی لڑکیوں کو اُن کی جذباتی باتوں سے متاثر ہو کر قابلِ اعتماد نہیں سمجھا جاتا تھا۔ دمشق میں انہیں عزت اور آرام سے رکھا جاتا تھا اور اُن کی خفیہ نگرانی کی جاتی تھی۔

الناصر کو زخموں کے علاج اور آرام کے لیے پچھلے کیمپ میں بھیج دیا گیا۔

☆

شیخ سنان کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ گمشتگین اُسے دھوکہ دے گیا تھا۔ اُس نے گمشتگین کے قافلے کے تعاقب میں جو آدمی بھیجے تھے، اُن میں سے صرف دو واپس آئے تھے۔ وہ تھیریسا کو اُٹھا لائے تھے۔ لزا کو الناصر بچا لے گیا تھا۔ شیخ سنان تھیریسا سے انتقام لے رہا تھا۔ اسے اُس نے قید میں ڈال رکھا تھا۔ تھی تو وہ بھی بہت ہی خوب صورت لڑکی، لیکن شیخ سنان کی نظر لزا پر تھی۔

دن کا پچھلا پہر تھا۔ عصیات کے قلعے کی دیواروں پر کھڑے سنتریوں نے دُور گرد کے بادل اُٹھتے دیکھے، گرد آگے ہی آگے آرہی تھی۔ سنتری دیکھتے رہے۔ حتیٰ کہ گرد میں سینکڑوں گھوڑے نظر آنے لگے، پھر پیادہ فوج نظر آئی۔ سنتریوں نے نقارے بجا دیئے۔ کمانڈروں نے اوپر جا کر دیکھا۔ شیخ سنان کو اطلاع دی۔ وہ بھی سامنے والی دیوار پر چڑھ گیا۔ اس وقت فوج قلعے کے قریب آکر محاصرے کی ترتیب میں ہو رہی تھی۔ شیخ سنان نے مقابلے کا حکم دے دیا۔ قلعے کی دیواروں پر تیرانداز پہنچ گئے لیکن انہوں نے کوئی تیر نہ چلایا کیونکہ وہ باہر کی فوج کا رویہ دیکھنا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی کو قلعے کے اندر کی معلومات مل چکی تھیں۔ الناصر اس کے ساتھ تھا۔ دو منجنیقیں نصب کر دی گئیں۔ الناصر نے انہیں بتایا کہ شیخ سنان کا محل کہاں ہے اور کتنی دُور ہے۔ اس کی راہنمائی میں منجنیقوں نے پہلے بڑے بڑے پتھر پھینکے جو ٹھکانے پر پڑے۔ سنان کے محل کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔

قلعے سے تیروں کا مینہ برس پڑا۔ سلطان ایوبی کے حکم سے منجنیقوں سے آتش گیر مادے کی سربمہر ہانڈیاں اندر پھینکی گئیں۔ یہ سنان کے محل کے قریب گر کر ٹوٹیں۔ سیال مادہ دُور دُور تک پھیل گیا۔ اسے آگ لگانے کے لیے فیتے والے آتشیں تیر چلائے گئے لیکن آتش گیر سیال پر نہ گرے۔ تیر ٹھکانے پر پھینکنا آسان نہیں تھا۔ انہیں قلعے کی دیوار کے اوپر سے اندر جانا تھا۔ اتفاق سے قریب کہیں آگ جل رہی تھی۔ ایک ہانڈی اس کے اتنا قریب پھٹی کہ آگ نے اس کے مادہ کو شعلہ بنا دیا۔ دوسرے ہی لمحے سنان کا محل شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا، وہاں بے شمار آتش گیر مادہ گرا اور بہہ بہہ کر پھیل گیا تھا۔

شیخ سنان پر شعلوں نے دہشت طاری کر دی۔ اس کی فوج صلیبیوں اور مسلمانوں کی لڑا کا فوج نہیں تھی۔ یہ نشے اور کاہلی کی ماری ہوئی فوج تھی۔ سنان نے حقیقت کو تسلیم کر لیا اور اس نے قلعے پر سفید جھنڈا چڑھا دیا۔ سلطان ایوبی نے جنگ بندی کا حکم دے دیا اور کہا کہ شیخ سنان سے کہو کہ باہر آئے۔ ہر طرف خاموشی طاری ہو گئی۔

ذرا دیر بعد قلعے کا دروازہ کھلا اور شیخ سنان دو تین سالاروں کے ساتھ باہر آیا۔ سلطان ایوبی اُس کے استقبال کے لیے آگے نہیں بڑھا، اُس کی نگاہ میں سنان مجرم تھا۔ وہ جب سلطان ایوبی کے سامنے آیا تو سلطان نے اُسے اور اُس کے سالاروں کو اتنا بھی نہ کہا کہ بیٹھ جاؤ۔

''سنان!'' سلطان ایوبی نے کہا۔ ''کیا چاہتے ہو؟''

''جان کی امان''۔ شیخ سنان نے شکست خوردہ آواز میں کہا۔

''اور قلعہ؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہوگا''۔

''اپنی فوج کے ساتھ قلعے سے فوراً نکل جاؤ''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''تم کوئی سامان اپنے ساتھ نہیں لے جا سکو گے۔ اپنی فوج کو سمیٹو۔ کسی کمان دار اور کسی سپاہی کے پاس کوئی اسلحہ نہ ہو۔ یہاں سے خالی ہاتھ نکلو۔ تہہ خانے میں جو قیدی ہیں، انہیں وہیں رہنے دو اور یاد رکھو، سلطنتِ اسلامیہ کی حدود میں نہ ٹھہرنا۔ صلیبیوں کے پاس جا کر دم لینا۔ تم نے اب کے جو چار فدائی میرے قتل کے لیے بھیجے تھے، وہ بھی مارے گئے ہیں۔ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ سفید جھنڈا تم نے چڑھایا ہے۔ میں قرآن کے فرمان کا پابند ہوں۔ میں کہہ نہیں سکتا، خدا تمہیں معاف کرے گا یا نہیں۔ اپنے آپ کو مسلمان کہنا چھوڑ دو، ورنہ میں تمہیں اور تمہارے فرقے کو بحیرۂ روم میں ڈبو کر دم لوں گا''۔

جب سورج غروب ہو رہا تھا، دُور اُفق پر انسانوں کی لمبی قطار سر جھکائے چلی جا رہی تھی۔ شیخ سنان اسی قطار میں تھا۔ اس قطار میں اُس کے سپاہی اور اس کے سالار بھی تھے اور اس قطار میں اُس کے پیشہ ور قاتل بھی تھے۔ وہ اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جا سکے تھے۔ اُن کے گھوڑے اور اونٹ قلعے میں رکھ لیے گئے۔ سورج غروب ہونے تک سلطان ایوبی کی فوج قلعے پر قبضہ مکمل کر چکی تھی۔ تہہ خانے سے قیدیوں کو نکال لیا گیا تھا۔ قلعے سے جو زر و جواہرات برآمد ہوئے تھے، ان کا کوئی شمار نہ تھا۔

☆

سلطان ایوبی نے قلعہ ایک سالار کے حوالے کیا اور رات کو ہی کوہ سلطان کو روانہ ہو گیا۔ وہ اب زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چند ہی دنوں میں اُس نے پیش قدمی کی اور اعزاز کے قلعے کا جا محاصرہ کیا۔ حلب والوں نے اس قلعے کو دفاعی لحاظ سے بہت مستحکم کر رکھا تھا۔ یہ دراصل حلب کا دفاع تھا۔ اس میں جو فوج تھی، وہ تازہ دم تھی۔ میدانِ جنگ میں نہیں گئی تھی۔ سلطان ایوبی کو ایسی خوش فہمی نہیں تھی کہ وہ اس قلعے کو فوراً سر کر لے گا۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ عقب سے حلب کی فوج

حملہ کر دے گی۔ اس خطرے کو روکنے کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو یہ فائدہ حاصل تھا کہ حلب کی فوج ترکمان کی لڑائی سے نقصان اُٹھا کر آئی تھی۔ اس کا لڑنے کا جذبہ مجروح ہو چکا تھا۔

قلعہ اعزاز کے دفاع میں لڑنے والوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ تمام دن اور ساری رات انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کو قلعے کے قریب نہ آنے دیا۔ دیواریں توڑنے والی پارٹیوں نے بہت کوشش کی کہ کسی جگہ سے دیوار کے قریب چلے جائیں اور دیوار توڑ سکیں لیکن تیر اندازوں نے انہیں قریب نہ آنے دیا۔ اگلے دن بڑی منجنیقوں سے قلعے کے دروازے پر وزنی پتھر مارے گئے۔ آتش گیر مادہ کی ہانڈیاں بھی دروازے پر پھینک کر آتشیں تیر چلائے گئے۔ شعلوں نے دروازے کو چاٹنا شروع کر دیا۔ اوپر سے اعزاز کے تیر اندازوں نے منجنیقیں چلانے والوں پر بہت تیر برسائے۔ یہ تیر بڑی کمانوں سے پھینکے جا رہے تھے، اس لیے دُور تک آ جاتے تھے۔ ان سے منجنیقوں کے کئی آدمی زخمی اور شہید ہوئے، لیکن اس قربانی کے بغیر قلعہ سر کرنا ممکن نہیں تھا۔ ایک شہید ہوتا تو دوسرا اُس کی جگہ لے لیتا تھا۔

دروازہ جل رہا تھا اور اس پر لگاتار پتھر پڑ رہے تھے۔ بہت دیر بعد پتھر دروازے میں سے اندر جانے لگے۔ شعلوں نے لکڑی کو کھا لیا تھا۔ لوہے کا فریم باقی تھا جو پتھروں سے ٹیڑھا ہو رہا تھا۔ رات کو شعلے بجھ گئے، دروازے کا آہنی ڈھانچہ رہ گیا۔ اس میں سے پیادے گزر سکتے تھے، گھوڑے گزارنا مشکل تھا۔ یہاں جانبازی کی ضرورت تھی۔ پیادہ دستوں کو حکم دیا گیا کہ دروازے کے ڈھانچے میں سے گزر کر اندر جائیں۔ یہ سلطان ایوبی کے ''کریک ٹروپس'' تھے۔ انہوں نے ہلہ بول دیا۔ اعزاز کے سپاہیوں نے ان دستوں کا یہ حشر کیا کہ آگے جو گئے تھے، انہیں وہیں ڈھیر کر دیا۔ پیچھے والے اپنے ساتھیوں کی لاشوں کے اوپر سے اندر گئے۔

یہ معرکہ بڑا ہی خون ریز تھا۔ اس سے یہ فائدہ اُٹھایا گیا کہ دروازے کا آہنی ڈھانچہ توڑ لیا گیا جو پیادے زندہ تھے وہ اندر جا کر بکھر گئے اور خوب لڑے۔ پھر گھوڑ سواروں کو اندر جانے کا حکم ملا...... سلطان ایوبی نے قلعے کے اندر آتش زنی کا حکم دے دیا۔ ایک دستہ جگہ جگہ آگ لگانے لگا۔ اعزاز کی فوج ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نظر نہیں آتی تھی۔ یہ قلعہ حلب سے نظر آتا تھا۔ رات کو حلب والوں نے دیکھا کہ جہاں قلعہ ہے وہاں سے آسمان سرخ ہو رہا ہے۔ شعلے بلند ہو رہے تھے۔ یہ اطلاع تو حلب میں پہنچ چکی تھی کہ سلطان ایوبی نے اعزاز کو محاصرے میں لے رکھا ہے۔ حلب کی ہائی کمانڈ نے اس امکان پر بھی غور کیا تھا کہ سلطان ایوبی پر عقب سے حملہ کیا جائے مگر سالاروں نے بتایا کہ فوج لڑنے کے قابل نہیں۔

اُس وقت سیف الدین حلب میں ہی تھا اور گمشتگین بھی وہیں چلا گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان اعزاز اور حلب کے دفاع کے سلسلے میں ترش کلامی ہوئی جو اس حد تک بڑھی کہ گمشتگین نے سیف الدین کو قتل کی دھمکی دے دی۔ سیف الدین نے اتحاد توڑ دیا۔ اس کی جو بچی کھچی فوج تھی وہ حلب سے نکال لے گیا۔ یہ لوگ دراصل ایک دوسرے کے بھی دشمن تھے۔ الملک الصالح کی عمر اب تیرہ برس سے کچھ اوپر ہو گئی تھی۔ وہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اُس نے گمشتگین کا رویہ دیکھا تو اس نے محسوس کر لیا کہ اس کا یہ دوست سازشی ہے۔ اس نے گمشتگین کو قید خانے میں ڈال دیا۔ تاریخ میں تحریر ہے کہ گمشتگین نے ان حالات میں کہ حلب اور اعزاز محاصرے میں تھے، الملک الصالح کے خلاف کوئی نئی سازش تیار کی تھی جس کا انکشاف ہو گیا اور اُسے قید میں ڈال کر دو تین روز بعد قتل کر دیا گیا۔

آخر اعزاز کے محافظوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان ایوبی کو اُس کی بہت بڑی قیمت دینی پڑی۔ اس کے جن دستوں نے قلعے کے اندر معرکہ لڑا تھا اُن کی نفری آدھی رہ گئی تھی۔ اعزاز والوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ بزدل نہیں۔ سلطان

ایوبی نے فوراً حلب کو محاصرے میں لے لیا۔ حلب قریب ہی تھا۔ حلب کے اندر جذبے کی یہ کیفیت تھی کہ رات اعزاز کے شعلوں نے انہیں دہشت زدہ کر دیا تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اُن کی فوج میں اتنا دم نہیں رہا کہ شہر کا دفاع کر سکے۔ انہی شہریوں نے کچھ عرصے پہلے سلطان ایوبی کے چھکے چھڑا دیئے تھے اور اُسے محاصرہ اُٹھانا پڑا تھا مگر اب یہ شہر جیسے مر ہی گیا تھا۔

☆

محاصرے کے دوسرے دن الملک الصالح کا ایک ایلچی سلطان ایوبی کے پاس آیا۔ وہ جو پیغام لایا وہ صلح کی پیش کش نہیں تھی۔ یہ ایک ایسا جذباتی پیغام تھا جس نے سلطان ایوبی کو جھنجھوڑ ڈالا۔ پیغام یہ تھا کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بچی سلطان ایوبی سے ملنا چاہتی ہے۔ اس بچی کا نام شمس النساء تھا۔ یہ الملک الصالح کی چھوٹی بہن تھی۔ عمر دس گیارہ سال تھی۔ الملک الصالح جب دمشق سے حلب گیا تو اپنی بہن کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ اُن کی ماں رضیع خاتون بنت معین الدین (بیوہ نورالدین زنگی) دمشق میں ہی رہی تھی۔ وہ سلطان ایوبی کی حامی تھی۔

سلطان ایوبی نے حلب کے ایلچی کو جواب دیا کہ بچی کو لے آئے۔

بچی آ گئی۔ اُس کے ساتھ الملک الصالح کے دو سالار تھے۔ سلطان ایوبی نے بچی کو سینے سے لگا لیا اور وہ بہت رویا۔ بچی کے ہاتھ میں الملک الصالح کا تحریری پیغام تھا جس میں اُس نے شکست قبول کر لی تھی اور سلطان ایوبی کو سلطان تسلیم کر لیا تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کی اطاعت بھی قبول کر لی تھی۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ گمشتگین کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس لیے حرن بھی سلطان ایوبی کی ملکیت تصور کیا جائے۔

''تم لوگ بچی کو کیوں ساتھ لائے ہو؟'' سلطان ایوبی نے سالاروں سے پوچھا...... ''یہ پیغام تم خود نہیں لا سکتے تھے؟''

جواب سالاروں کو دینا چاہیے تھا لیکن انہوں نے بچی کی طرف دیکھا۔ بچی نے سلطان ایوبی سے کہا......

''ماموں جان! مجھے بھائی صالح نے بھیجا ہے۔ آپ اعزاز کا قلعہ ہمیں دے دیں اور ہمیں حلب میں رہنے دیں۔ ہم آئندہ آپ سے لڑائی نہیں کریں گے''۔

سلطان ایوبی نے بچی کے ساتھ آئے ہوئے سالاروں کو غضب ناک نظروں سے دیکھا۔ وہ شرط منوانے کے لیے زنگی مرحوم کی بچی کو ساتھ لائے تھے۔

''میں اعزاز کا قلعہ اور حلب تمہیں دیتا ہوں شمس النساء''۔ سلطان ایوبی نے بچی کو گلے لگا کر کہا اور حکم جاری کر دیا کہ اعزاز کے قلعے سے اپنی فوج نکال لی جائے اور حلب کا محاصرہ اُٹھا لیا جائے۔ اُس نے حلب کے سالاروں سے کہا......

''میں نے اعزاز اور حلب اس معصوم بچی کو دیا ہے۔ تم بزدل، بے غیرت اور ایمان فروش اس قابل بھی نہیں کہ تمہیں فوج میں رہنے دیا جائے''۔

۲۴ جون ۱۱۷۶ء (۱۴ ذی الحج ۵۷۱ ہجری) معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ سلطان ایوبی نے اعزاز اور حلب کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لیا اور الملک الصالح کو نیم خودمختاری کی حیثیت دے دی۔ اس کے فوراً بعد سیف الدین نے بھی سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی...... اور مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں کا دَور ختم ہو گیا، مگر قوم میں غدار اور ایمان فروش بدستور سرگرم رہے۔

رات، روح اور روشنی

قبرستان بہت ہی وسیع تھا۔ تمام قبریں ابھی تازہ تھیں۔ مٹی کی ڈھیریاں بے ترتیب تھیں۔ کوئی اونچی کوئی نیچی۔ بعض قبریں ایک دوسرے سے مل گئی تھیں۔ میدانِ جنگ کی قبریں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔ حماۃ سے حلب تک ایسے تین قبرستان تیار ہوگئے تھے۔ یہ سرسبز اور شاداب خطہ اُداس ہوگیا تھا۔ اس کی فضا خون کی بو سے بوجھل ہوگئی تھی۔ جہاں پرندے چہچہاتے تھے، وہاں گِدھ منڈلا رہے تھے۔

ایسا ایک قبرستان حلب کے مضافاتی قلعہ اعزاز کے قریب تھا۔ قبروں کی مٹی ابھی نمناک تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوجوں کا امام چند ایک فوجیوں کے ساتھ وہاں کھڑا فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ اُس نے جب منہ پر ہاتھ پھیرے تو آنسو اس کی داڑھی تک پہنچ چکے تھے۔

''یہ خطہ اب بانجھ ہوجائے گا۔ یہاں اب کوئی پتا ہرا نہیں ہوگا''...... اُس نے کہا...... ''یہاں ایک ہی رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرنے والے، ایک ہی کلمہ اور ایک ہی قرآن پڑھنے والے ایک دوسرے کے قاتل ہوگئے تھے جس زمین پر بھائی کے ہاتھوں بھائی کا خون گرتا ہے، وہ زمین سوکھ جاتی ہے۔ یہاں تکبیر کے نعرے ٹکرائے تھے۔ یہ سب مسلمان تھے۔ ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ حق کے نام پر جانیں قربان کرنے والے شہید ہوئے اور باطل کے ساتھی اس رُتبے سے محروم رہے۔ یہ سب روزِ محشر اکٹھے اُٹھائے جائیں گے۔ خدائے ذوالجلال انہیں یہ تو ضرور کہیں گے کہ خون جو تم نے ایک دوسرے کا بہایا ہے، اتنا تم مل کر اسلام کے دشمن کا بہاتے تو فلسطین ہی نہیں، سپین بھی ایک بار پھر تمہارا ہوتا''۔

گھوڑوں کے قدموں کی ہنگامہ خیز آوازیں سنائی دیں۔ امام کے ساتھ کھڑے کسی فوجی نے کہا...... ''سلطان آرہے ہیں''...... امام نے گھوم کر دیکھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی آرہا تھا۔ اُس کے ساتھ سالار اور محافظ دستے کے چھ سوار تھے۔ قبرستان کے قریب آکر سلطان ایوبی نے گھوڑا روکا، اُترا اور امام کے قریب آکر فاتحہ پڑھ کر اس نے امام سے ہاتھ ملایا۔

''سلطانِ محترم!''...... امام نے سلطان ایوبی سے کہا...... ''یہ صحیح ہے کہ یہ بھی مسلمان تھے جو ہمارے خلاف لڑے، لیکن میں انہیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ ان کی قبروں پر فاتحہ پڑھی جائے۔ انہیں شہیدوں کے ساتھ دفن نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہمارے مجاہدین حق کی خاطر لڑ رہے تھے۔ انہیں آپ نے دشمن کے مقتولین کے ساتھ دفن کرادیا ہے''۔

''میں انہیں بھی شہید سمجھتا ہوں جو باطل کی خاطر ہمارے خلاف لڑے تھے''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''یہ اپنے حکمرانوں کی فریب کاری کے شہید ہیں۔ ہم نے اپنے سپاہیوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام دیا تھا۔ ان کے خلاف لڑنے والے سپاہیوں کو ان کے بادشاہوں نے جذباتی نعرے اور جھوٹا پیغام دے کر ان کے دلوں میں باطل کو حق بتا کر بٹھا دیا۔ ان کے اماموں نے انعام واکرام لے کر سپاہیوں کو گمراہ کیا اور اللہ اکبر کے نعرے لگا کر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کرائی۔ میں ان کی لاشوں کو ایک ہی گڑھے میں دبا کر یا کہیں پھینک کر ان کی توہین نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ہمارے دشمن مسلمانوں کے جن سپاہیوں کو احساس ہو گیا تھا کہ انہیں گمراہ کیا گیا ہے وہ ہمارے ساتھ ہیں اور یہ جو مر گئے ہیں، ان تک روشنی نہیں پہنچی تھی کیونکہ بادشاہی کے دلدادہ حکمرانوں نے اُن کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی"۔

پہلے سنایا جا چکا ہے کہ مسلمان اُمراء سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہو گئے تھے۔ وہ خلافت سے آزاد ہو کر خودمختار حکمران بنا چاہتے تھے۔ ان میں ایک نورالدین زنگی مرحوم کا بیٹا الملک الصالح تھا، دوسرا موصل کا امیر سیف الدین غازی اور تیسرا گمشتگین جو حرن کا قلعہ دار تھا، لیکن اس نے خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ ان تینوں نے اپنی فوجوں کی متحدہ ہائی کمان بنالی اور سلطان ایوبی کے خلاف محاذ آرا ہو گئے تھے۔ صلیبی ان کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ صلیبیوں کو ان کے ساتھ صرف یہ دلچسپی تھی کہ مسلمان آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ختم ہو جائیں یا اتنے کمزور ہو جائیں کہ اُن (صلیبیوں) کے خلاف لڑنے کے قابل نہ رہیں۔ حکمرانی کے نشے، صلیبیوں کی دی ہوئی مالی اور جنگی امداد، شراب اور یہودیوں کی حسین و جمیل لڑکیوں نے ان اُمراء کو ایسا اندھا کیا کہ وہ سلطان ایوبی کے راستے میں اُس وقت حائل ہو گئے جب نورالدین زنگی فوت ہو چکا تھا اور سلطان ایوبی مصر سے یہ عزم لے کر آیا تھا کہ صلیبیوں کو عالمِ اسلام سے بے دخل کر کے قبلۂ اوّل کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کرلے گا۔

ڈیڑھ سال تک حماۃ سے حلب تک کے اس سرسبز خطے میں مسلمان مسلمان کا خون بہاتا رہا۔ آخر فتح حق کی ہوئی۔ سلطان ایوبی نے فتح پائی۔ اُس کے دشمنوں نے اُس کی اطاعت قبول کر لی لیکن سلطان ایوبی کے چہرے پر مسرت کی ہلکی سی بھی جھلک نظر نہیں آتی تھی۔ قوم کی عسکری قوت کا بیشتر حصہ تباہ ہو چکا تھا۔ اس لحاظ سے یہ صلیبیوں کی فتح اور مسلمانوں کی شکست تھی۔ صلیبی اپنے عزائم میں کامیاب ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی اب کئی برسوں تک بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کے قابل نہیں رہا تھا۔

جون ۱۱۷۶ء کے اُس روز جب سلطان ایوبی قلعہ اعزاز کے قریب وسیع قبرستان میں اپنے امام کے پاس کھڑا تھا تو (اُس دور کے وقائع نگاروں کے مطابق) اُس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔ اُس نے امام سے کہا...... "ہر نماز کے بعد دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے جن کی آنکھوں پر کفر کی پٹی باندھ کر اپنے بھائیوں کے خلاف لڑایا گیا تھا"...... سلطان گھوڑے پر سوار ہوا اور اُس نے قبرستان پر نگاہ ڈالی...... "خدا کو اتنے زیادہ خون کا حساب کون دے گا؟ یہ گناہ میرے حساب میں نہ لکھ دیا جائے"۔

اپنے سالاروں کی طرف دیکھ کر اُس نے کہا...... "ہماری قوم خودکشی کے راستے پر چل پڑی ہے۔ کفار اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت اور جذبے سے اس قدر خائف ہیں کہ اس قوت کو دل کش حربوں سے کمزور کر رہے ہیں۔ اُن کے پاس یہی ایک ذریعہ رہ گیا ہے۔ ہمارے بعض بھائیوں نے اُن کے اس ذریعے کو قبول کر لیا ہے اور تاریخ میں خانہ جنگی کا باب کھول دیا ہے۔ اگر ہم نے اس باب کو یہیں بند نہ کیا تو میں مستقبل کو جہاں تک دیکھ سکتا ہوں، مجھے اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ جنگی سے خودکشی کرتی نظر آتی ہے۔ کفار آج کے دور کی طرح مالی اور جنگی امداد دے دے کر اُمت کو آپس میں لڑاتے رہیں گے۔ چند ایک افراد پر جب تخت و تاج کے حصول کا جنون سوار ہوتا ہے تو وہ قوم کو آلۂ کار بنا کر قوم کو لے ڈوبتے ہیں۔ بادشاہی کے یہ بھوکے لوگ قوم کا خون اسی طرح بہاتے رہیں گے۔ یہ اتنا وسیع قبرستان دیکھو۔ قبریں گنو تو گن نہیں سکو گے۔ ہم پیچھے جو لاشیں دفن کر آئے ہیں، اُن کا بھی شمار نہیں۔ میں اتنے خون کا حساب کس سے لوں؟ خدا کو میں کیا جواب دوں گا؟"۔

''خانہ جنگی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے''...... ایک سالار نے کہا۔ ''اب آگے کی سوچیں۔ ہمیں بیت المقدس پکار رہا ہے۔ قبلۂ اوّل ہماری راہ دیکھ رہا ہے''۔

''اور مجھے مصر پکار رہا ہے''..... سلطان صلاح الدین ایوبی نے گھوڑا اچلا دیا اور کہنے لگا ..... ''وہاں سے بڑی تشویش ناک خبریں آ رہی ہیں، وہاں میرا قائم مقام میرا بھائی ہے۔ وہ مجھے پریشانی سے بچانے کے لیے حالات کی سنگینی مجھ سے چھپا رہا ہے۔ علی بن سفیان اور کوتوال غیاث بلبیس بھی مجھے تفصیل سے کوئی بات نہیں بتا رہے۔ صرف اتنی خبر بھیجتے ہیں کہ دشمن کی زمیں دوز تخریبی سرگرمیاں جاری ہیں۔ ان کا سدِ باب کیا جا رہا ہے۔ پرسوں کے قاصد نے بتایا ہے کہ قاہرہ میں تخریب کاری زور پکڑتی جا رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے شیخ سنان کو ہم نے عصیات سے بے دخل کر دیا ہے مگر اُس کا قاتل گروہ قاہرہ میں سرگرم ہے۔ دو کمان دار ایسے طریقے سے قتل ہو گئے ہیں کہ ان کے جسموں پر زخم اور چوٹ کا کوئی نشان نہیں۔ مرنے کے بعد لاشوں کی حالت سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ زہر دیا گیا تھا۔ یہ حشیشین کا خاص طریقہ ہے''۔

''تو کیا آپ فوج کو یہیں رہنے دیں گے یا ساتھ لے جائیں گے؟''..... ایک سالار نے کہا۔

''اس کے متعلق میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا''...... سلطان ایوبی نے کہا..... ''شاید کچھ نفری لے جاؤں۔ فوج کی ضرورت یہاں زیادہ ہے۔ صلیبیوں نے مصر میں تخریب کاری اسی لیے تیز کر دی ہے کہ میں فلسطین کی طرف پیش قدمی کرنے کی بجائے مصر چلا جاؤں۔ میں اُن کی یہ خواہش پوری نہیں ہونے دوں گا، البتہ میرا مصر جانا ضروری ہے''۔

☆

سلطان ایوبی کے خدشے بے بنیاد نہیں تھے۔ صلیبیوں کی ذہنیت اور عزائم کو اُس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اُس وقت جب وہ قبرستان سے فاتحہ پڑھ کر اپنے جنگی ہیڈ کوارٹر کی طرف جا رہا تھا۔ شیخ سنان تریپولی پہنچ چکا تھا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حسن بن صباح کے بعد اس فرقے کے جس پیرومرشد نے شہرت حاصل کی، وہ شیخ سنان تھا۔ یہ شخص حشیشین (فدائیوں) کا سربراہ تھا۔ سلطان ایوبی اور صلیبیوں کی جنگوں کے دوران فدائیوں کا قاتل گروہ شیخ سنان کی زیرِ قیادت بہت ہی زیادہ سرگرم ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی پر متعدد بار قاتلانہ حملے کیے گئے اور ہر حملے کا انجام یہ ہوا کہ قاتل مارے گئے اور جو بچے وہ پکڑے گئے۔ صلیبیوں نے شیخ سنان کو عصیات نام کا ایک قلعہ دے رکھا تھا جو مئی ۱۱۷۶ء میں سلطان ایوبی نے محاصرے میں لے کر شیخ سنان سے ہتھیار ڈلوائے اور اس سے قلعہ خالی کرا کے اسے بخش دیا تھا۔ اس محاصرے کی تفصیلات سنائی جا چکی ہیں۔

شیخ سنان جون ۱۱۷۶ء کے ایک روز تریپولی (لبنان) پہنچا۔ اس کے ساتھ اس کے فدائی اور فوج تھی۔ کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ سلطان ایوبی نے انہیں نہتہ کر کے رخصت کیا تھا۔ تریپولی اور گرد و نواح کا وسیع علاقہ ایک صلیبی کمانڈر کے قبضے میں تھا۔ شیخ سنان اس کے پاس پہنچا اور پناہ مانگی۔ دو روز بعد ریمانڈ نے اِدھر اُدھر سے دوسرے صلیبی بادشاہوں اور کمانڈروں کو تریپولی بلایا تاکہ سلطان ایوبی کے خلاف آئندہ لائحۂ عمل تیار کیا جائے۔ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا ماہر ڈائریکٹر جرمن نژاد ہرمن بھی اس کانفرنس میں موجود تھا۔

''آپ مجھے اس بنا پر نہیں کوس سکتے کہ میں صلاح الدین ایوبی سے شکست کھا کر آیا ہوں''..... شیخ سنان نے صلیبیوں کی اس کانفرنس میں کہا...... ''آپ جانتے ہیں کہ ہم فوج کی طرح نہیں لڑ سکتے۔ سلطان ایوبی کا مقابلہ تمہاری فوج بھی نہیں کر سکتی، میرے فدائی اس کے محاصرے میں کیسے لڑ سکتے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ آپ ایوبی کے دشمن مسلمان اُمراء کو اپنی فوجیں دیں۔ وہ سب مل کر اُس کے سامنے نہیں ٹھہر سکے''۔

''شیخ سنان!'' ...... ریمانڈ نے کہا...... ''یہ ہم تک رہنے دیں کہ ایوبی کے خلاف ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ نے اس کے قتل کے لیے جو چار آدمی بھیجے تھے، وہ بھی ناکام ہو گئے ہیں۔ مارے گئے ہیں اور پکڑے گئے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی پر آپ کا ایک بھی قاتلانہ حملہ کامیاب نہیں ہوا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے بے کار آدمی بھیجتے رہے ہیں جن کے مر جانے یا گرفتار ہو جانے سے آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ہم آپ کو جو مراعات اور رقم دیتے رہے، وہ ضائع ہو گئی ہے۔''

''صرف ایک صلاح الدین کے قتل نہ ہونے سے آپ کی رقم ضائع نہیں ہوئی'' ...... شیخ سنان نے کہا...... ''میں نے مصر میں صلاح الدین ایوبی کی حکومت کے جو دو حاکم قتل کرائے ہیں، انہیں اپنی رقم کے حساب میں رکھیں۔ آپ کے تین طاقتور مخالف سوڈان میں تھے۔ انہیں میں نے قبروں میں اُتارا اور وہاں آپ کا راستہ صاف کیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی کے مخالف مسلمان اُمراء میں سے جو حلب میں الملک الصالح کے ساتھ تھے، دو صلاح الدین کے حامی ہو گئے تھے۔ آپ کے اشارے پر میں نے انہیں قتل کرایا ہے اور اب مصر میں حاکموں کے خفیہ قتل کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے، وہ کس نے شروع کیا ہے؟ کیا آپ اسے بھی ناکام کہیں گے؟''

''ایوبی کب قتل ہوگا؟'' ...... فرانسیسی صلیبی گے آف نوریناں نے میز پر مکّہ مار کر پوچھا۔ ...''صلاح الدین ایوبی کے قتل کی بات کرو۔ آپ نے نورالدین زنگی کی جوز ہر دیا تھا، وہ صلاح الدین ایوبی کو کب دو گے؟''

''جس روز اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں گے جیسے نورالدین زنگی کے وقت پیدا ہوئے تھے'' ...... شیخ سنان نے کہا...... ''زنگی زلزلے کی تباہ کاری کے متاثرین کی امداد کے لیے اکیلا بھاگتا دوڑتا رہتا تھا۔ نہ اُسے ہوش تھا، نہ اُس کے عملے کو کہ اس کے لیے جو کھانا پکتا ہے وہ کون پکاتا ہے اور کوئی اس کی نگرانی بھی کرتا ہے یا نہیں۔ اس موقعے سے میرے اُن آدمیوں نے جو میں نے آپ کے کہنے پر اُس کے قتل کے لیے بھیج رکھے تھے، فائدہ اُٹھایا اور اُس کے کھانے میں وہ زہر ملا دیا جو گلے کی بیماری بن گیا اور وہ تین چار دنوں بعد مر گیا۔ اس کے طبیب آج بھی کہتے ہیں کہ نورالدین زنگی خناق سے مرا ہے مگر صلاح الدین ایوبی کے کھانے تک پہنچنا ممکن نہیں''۔

''کیا آپ اُس باورچی کو خرید نہیں سکتے جو اُس کا کھانا پکاتا ہے؟'' ...... ایک اعلیٰ کمانڈر نے پوچھا۔

''اس کا جواب ہمارا دوست ہرمن دے سکتا ہے'' ...... شیخ سنان نے کہا اور ہرمن کی طرف دیکھ کر مُسکرایا۔

پچھلی کہانیوں میں ہرمن کا ذکر چند بار آیا ہے۔ وہ جرمنی کا رہنے والا تھا۔ علی بن سفیان کی طرح جاسوسی اور سراغ رسانی کا ماہر تھا۔ تخریب کاری اور کردار کشی میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ مصر میں سلطان ایوبی کے خلاف جو سازشیں اور وسیع پیمانے پر ایک بغاوت جو ہوئی تھی وہ اُسی نے کرائی تھی۔ سلطان ایوبی کے ان دو چار اعلیٰ حکام کو بھی ہرمن نے اُس کے خلاف کر دیا تھا جو سلطان ایوبی کے معتمد تھے۔ وہ مسلمان حکام اور عوام کی نفسیات اور کمزوریوں کو خوب سمجھتا تھا اور انہیں استعمال کرنے کا فن جانتا تھا۔ اُسے ایک صلیبی بادشاہ فلپ آگسٹس اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ سوڈان، مصر اور عرب کے ہر حصے کی زبان مقامی لب و لہجے سے بول سکتا تھا۔

''شیخ سنان ٹھیک کہتے ہیں'' ...... ہرمن نے کہا...... ''اس سوال کا جواب مجھے دینا چاہیے کہ صلاح الدین ایوبی کے باورچی کو کیوں نہیں خریدا جا سکتا۔ اگر صلاح الدین پر ہوتا تو وہ اب تک زہر سے مارا جا چکا ہوتا۔ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اُس کے کھانے کی کسی نے نگرانی کی ہے یا نہیں۔ اس نے اپنی جان کو خدا کے سپرد کر رکھا ہے۔ اس عقیدے کا وہ

پکا ہے کہ اُس کی موت کا جو دن مقرر ہے، اُس روز اُسے اپنی جان خدا کے حضور پیش کرنی ہے اور اُسے کوئی انسان روک نہیں سکتا۔ اُس کے محافظ دستے کا کمانڈر، خفیہ محکمے کا ایک ذمہ دار آدمی اور اُس کا ایک معتمد خاص اس کا کھانا کھا کر دیکھتے ہیں، بعض اوقات طبیب آ جاتا ہے اور وہ بھی کھانا دیکھتا ہے۔ اس اتنی کڑی نگرانی کے علاوہ دوسری دشواری یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے باورچی اور دیگر تمام ملازم اس کے مرید ہیں۔ اُن کے دلوں میں اُس کی اندھی عقیدت ہے۔ ایوبی انہیں اپنے نوکر نہیں سمجھتا۔ اُن کے ساتھ دوستوں اور بھائیوں جیسا سلوک کرتا ہے۔ پوری طرح جائزہ لیا جا چکا ہے۔ صلاح الدین ایوبی کے اس ذاتی حلقے میں سے کسی کو خریدنا، اس حلقے میں اپنا کوئی آدمی داخل کرنا، ممکن نہیں۔ اُس کے پاس افراد ایسے ہیں جو اس کے گرد حصار کھینچے ہوئے ہیں۔ یہ ہیں علی بن سفیان، غیاث بلبیس، حسن بن عبداللہ اور زاہدان۔ یہ سب اتنے ماہر سراغ رساں ہیں کہ ان کی نظریں انسان کے ضمیر اور روح کو بھی دیکھ لیتی ہیں''۔

''اسلام کا خاتمہ''...... فلپ آگسٹس نے کہا...... ''میں سو بار کہہ چکا ہوں کہ ہمیں اسلام کا خاتمہ کرنا ہے۔ یہ ایسا مذہب ہے جو انسان کی روح کو قبضے میں لے لیتا ہے، جس کسی نے اسلام کو اپنی روح میں اُتار لیا، اُسے دُنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ آپ سب نے دیکھ لیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے گرد جن مسلمانوں کا گھیرا ہے، وہ مذہب کے اتنے پکے ہیں کہ تم زر و جواہرات سے اور اتنی خوب صورت لڑکیوں سے اُن کا گھیرا نہیں توڑ سکتے۔ وہ مسلمان کچے ایمان کے ہیں جنہیں تم خرید لیتے ہو۔ انہوں نے اسلام کو اپنی روح میں نہیں اُترنے دیا، تم نے دیکھا ہے کہ ہمارے کتنے بڑے بڑے لشکروں کو صلاح الدین ایوبی کے کتنے تھوڑے سپاہیوں نے کتنا کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ جہاں ہمارے گھوڑے تھکن اور پیاس سے رہ جاتے ہیں، وہاں صلاح الدین ایوبی کے سپاہی تھکن اور پیاس سے بے نیاز رہتے ہیں۔ اس قوت کو یہ لوگ ایمان کہتے ہیں۔ ہمیں اُن کا ایمان کمزور کرنا ہے ہرمن! اُن کے ایک دو اُمراء یا اعلیٰ حکام کو ہاتھ میں لینا بے شک ضروری ہے۔ اس سے آپ نے بہت فائدہ اُٹھایا ہے، لیکن کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو جس سے اس قوم کے دِل میں اپنے مذہب کے خلاف بیزاری پیدا ہو جائے۔ پختہ عمر کے آدمیوں کے نظریات بدلنا آسان نہیں ہوتا، ان کی نسل کو بچپن اور لڑکپن میں اپنا نشانہ بنالو۔ کچے ذہن کو تم اپنے سانچے میں ڈھال سکتے ہو۔ ان کے حیوانی جذبے کو بھڑکاؤ''۔

''یہودی یہ کام کر رہے ہیں''...... ہرمن نے کہا...... ''اور اس محاذ پر میں جو کچھ کر رہا ہوں، اس کے نتائج آہستہ آہستہ سامنے آ رہے ہیں۔ ایک دن یا چند ایک دنوں میں آپ کسی کے نظریات اور عقیدے نہیں بدل سکتے۔ اس عمل میں وقت لگتا ہے۔ ایک دَور گزر جاتا ہے''۔

''یہ عمل جاری رہنا چاہیے''...... فلپ آگسٹس نے کہا...... ''میں یہ توقع نہیں رکھوں گا کہ نتائج ہماری زندگی میں سامنے آئیں۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ ہم نے کردار کشی کا یہ عمل جاری رکھا تو وہ وقت آئے گا کہ مسلمان برائے نام مسلمان رہ جائیں گے۔ ان کے ہاں مذہبی فرائض محض رسمی بن جائیں گے اور ان پر ہمارا رنگ چڑھ جائے گا۔ ان کی سوچوں پر صلیب غالب آ جائے گی''۔

''شیخ سنان!''۔ ریمانڈ نے شیخ سنان سے کہا۔ ''اگر آپ ہم سے عصیات کے قلعے کے بدلے ایک اور قلعے کا مطالبہ کریں گے تو ہم ابھی یہ مطالبہ پورا نہیں کر سکیں گے۔ ہمارا معاہدہ قائم رہے گا۔ قلعے کے سوا دوسری تمام مراعات آپ کو حاصل رہیں گی۔ اگر آپ ان مراعات اور مالی وظیفوں کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو قاہرہ میں اور خصوصاً تمام تر مصر میں صلاح الدین ایوبی کی فوج اور انتظامیہ کی اہم شخصیتوں کا قتل جاری رکھیں اور صلاح الدین ایوبی کے قتل کی بھی کوشش جاری رکھیں''

''صلاح الدین ایوبی کے قتل کے متعلق میں آپ کو صاف الفاظ میں بتا دیتا ہوں کہ میں اس میں اور کوئی آدمی ضائع نہیں کروں گا''...... شیخ سنان نے کہا...... ''اس شخص کا قتل ممکن نظر نہیں آتا۔ میں بڑے قیمتی فدائی ضائع کر چکا ہوں۔ مجھے یہ کہنے کی بھی اجازت دیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ میں نے اس کے آگے ہتھیار ڈالے تو مجھے یہ توقع تھی کہ میں نے اُس پر جتنے قاتلانہ حملے کرائے ہیں، اُن کا انتقام لینے کے لیے وہ مجھے اور میرے چیدہ چیدہ فدائیوں کو قتل کر دے گا لیکن اُس نے میری اور میرے آدمیوں کی جان بخشی کر دی۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ وہ ہمیں دھوکہ دے رہا ہے جونہی ہم پیٹھ پھیریں گے، وہ ہم پر تیروں کا مینہ برسا دے گا یا ہم پر گھوڑے دوڑا دے گا۔ آپ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ میں اپنے تمام آدمیوں اور پوری فوج کے ساتھ آپ کے سامنے زندہ موجود ہوں۔ آپ مجھے مراعات سے محروم کر دیں، میں صلاح الدین ایوبی کے قتل سے دست بردار ہو گیا ہوں۔ البتہ قاہرہ میں میرے آدمیوں کی کارگزاری سے آپ کو مایوسی نہیں ہوگی''۔

''قاہرہ میں ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے ہیں جو صلاح الدین ایوبی کو قاہرہ جانے پر مجبور کر دیں گے''۔ ہرمن نے کہا...... ''بہت جلد سوڈانی مصر کی سرحدی چوکیوں پر حملوں کا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ مصر پر کوئی بڑا حملہ نہیں کیا جائے گا، حملے کا دھوکہ دیا جائے گا تاکہ صلاح الدین ایوبی شام سے مصر چلا جائے''۔

ہرمن جاسوسی اور سراغ رسانی کا ماہر تھا لیکن اُسے معلوم نہیں تھا کہ اس کانفرنس میں جو خاص ملازم شراب اور کھانے کی چیزیں لا اور لے جا رہے تھے، ان میں وکٹر نام کا ایک فرانسیسی سلطان ایوبی کا جاسوس تھا اور انہی خاص ملازموں میں راشد چنگیز نام کا ایک ترک مسلمان بھی تھا جس نے اپنے آپ کو یونان کا عیسائی ظاہر کر کے یہ نوکری حاصل کی تھی۔ یہ بھی سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ ہرمن نے ان خاص ملازموں کو جو کانفرنسوں اور کمانڈروں کی محفلوں اور دعوتوں میں حاضر رہتے اور کھانا کھلاتے تھے، گہری چھان بین کے بعد اس ملازمت کے لیے منتخب کیا تھا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی نے جاسوسوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ اُسے صلیبیوں کے دُور اندر کی باتوں کا قبل از وقت علم ہو جاتا تھا۔ اب شیخ سنان کی اس کانفرنس کی تمام باتیں اُس کے دو جاسوسوں نے سن لی تھیں، جنہیں چند دنوں تک سلطان ایوبی تک پہنچ جانا تھا۔

☆

اُن دنوں قاہرہ میں زمین دوز تخریب کاری بڑھ گئی تھی۔ مصری فوج کے نائب سالار سے ایک درجہ کم عہدے کا ایک کمان دار شہر کے باہر مردہ پایا گیا۔ وہ شام کے بعد گھر سے نکلا تھا۔ ساری رات گھر نہ آیا۔ صبح اس کی لاش دیکھی گئی۔ اس کے جسم پر کوئی زخم نہیں تھا، کوئی چوٹ نہیں تھی۔ سراغ رسانوں نے جائے واردات پر ایک تو مرنے والے کے نقوش پا دیکھے اور دو نقوش کسی اور کے تھے۔ اس کمان دار کے چال چلن کی سب تعریف کرتے تھے۔ اُس کا اُٹھنا بیٹھنا غلط یا مشکوک قسم کے لوگوں کے ساتھ نہیں تھا۔ اُس کی ایک ہی بیوی تھی جو اس سے ہر لحاظ سے مطمئن تھی۔ اس کی موت کا باعث معلوم کرنے کی بہت کوشش کی گئی، اگر یہ قتل تھا تو قاتل کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔

تین چار دنوں بعد اسی عہدے کا ایک اور فوجی کمان دار بالکل اسی طرح ایک صبح اپنے کمرے میں مُردہ پایا گیا۔ وہ فوجی بارکوں کے ایک کمرے میں رہتا تھا۔ اس کے متعلق بھی رپورٹیں بالکل صاف تھیں۔ اُس کے دوستوں کے حلقے میں اپنے ہی دستے کے کچھ آدمی تھے۔ ان میں سے کسی کے ساتھ اس کا لڑائی جھگڑا نہیں تھا۔ قتل کی بظاہر وجہ کوئی نہیں تھی۔ اُسے قتل کہا ہی نہیں جا سکتا تھا، کیونکہ جسم پر زخم یا چوٹ کا کوئی ہلکا سا بھی نشان نہیں تھا۔ یہ لاش سرکاری طبیب نے دیکھی۔ لاش کے ہونٹوں کے کونوں پر ذرا ذرا سی جھاگ تھی۔ اُس نے یہ جھاگ لکڑی کے ایک لمبوترے ٹکڑے کے سرے پر لگا لی۔ اُس

نے ایک کتا منگوایا اور یہ جھاگ گوشت کے ایک ٹکڑے پر لگا کر ٹکڑا کتے کو کھلا دیا۔

اُس نے کتے کو اپنے گھر لے کر جا کر باندھ دیا اور اُسے دیکھتا رہا۔ کتے نے کوئی غیر معمولی حرکت نہ کی، اُسے جو کھانے کو دیا گیا وہ کھاتا رہا۔ طبیب ساری رات جاگ کر کتے کو دیکھتا رہا۔ آدھی رات کے بعد کتا اُٹھا اور جہاں تک رسی اجازت دیتی تھی، وہ بڑے آرام سے ٹہلتا رہا۔ وہ بہت دیر ٹہل کر رُکا اور گر پڑا۔ طبیب نے دیکھا، کتا مر چکا تھا۔ طبیب نے رپورٹ دی کہ دونوں کمان داروں کو ایسا زہر دیا گیا ہے جس سے کوئی تلخی نہیں ہوتی۔ انسان نہایت اطمینان سے مر جاتا ہے۔

سراغ رسانوں نے دونوں کمان داروں کے متعلق گہری تفتیش کی، یہ معلوم کرنے کی بہت کوشش کی گئی کہ زندگی کے آخری روز وہ کس کس سے ملے، کہاں گئے اور انہوں نے کس کے ساتھ کچھ کھایا پیا مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ شادی شدہ کمان داری کی بیوی سے بھی پوچھ گچھ کی گئی لیکن اس پر شک کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ دونوں کمان داروں میں مشترکہ وصف یہ تھا کہ پکے مسلمان تھے۔ میدانِ جنگ میں اُن کی کمانڈ اور دلیری کی تعریف سلطان ایوبی نے بھی کی تھی۔ دونوں سرحدی دستوں کے کمانڈر رہ چکے تھے اور انہوں نے کئی ایک سوڈانیوں کو سرحد پار کرتے گرفتار کیا تھا۔ سوڈانیوں نے انہیں بہت رشوت پیش کی تھی جو انہوں نے قبول نہیں کی تھی۔ اب دونوں کو نائب سالاری کی ترقی ملنے والی تھی۔ وہ اس قابل تھے کہ کسی بھی جگہ حملے کی قیادت آزادانہ کر سکیں۔

علی بن سفیان نے رائے دی کہ قتل کی یہ دونوں وارداتیں صلیبی تخریب کاروں کی ہیں اور قاتل فدائی ہیں۔ اس نے کہا کہ دشمن نے اب اہم شخصیتوں کے قتل کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ تمام کمان داروں اور حکام کو خبردار کر دیا گیا کہ کسی اجنبی یا مشکوک آدمی کے ہاتھ سے کوئی چیز نہ کھائیں اور ایسے آدمیوں پر نظر رکھ کر انہیں پکڑنے کی کوشش کریں جو دوستی لگانے اور کھانے پینے کی کوئی چیز پیش کرنے کی کوشش کریں۔ سراغ رساں مصروف ہو گئے۔

دوسرے کمان دار کے قتل کے سات آٹھ روز بعد ایک رات فوج کے خیموں کو آگ لگ گئی۔ ہزاروں خیمے ایک جگہ لپیٹے پڑے تھے۔ ان کے انباروں کے اوپر چھپر تھے۔ وہاں پہرہ بھی تھا پھر بھی آگ لگ گئی۔ یہ آگ تخریب کاری کا نتیجہ تھی، وہاں اتفاقیہ آگ لگنے کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ ان چھپروں کے قریب آگ جلانے کی ممانعت تھی۔ اس کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ پُراسرار سے کچھ اور واقعات ہوئے تھے۔ سرحدی دستوں کو اور زیادہ چوکس کر دیا گیا تھا۔ سوڈان کی طرف سرحد کے اندر چوری چھپے آنے والوں کی تعداد اور رفتار بڑھ گئی تھی۔ اس کا اندازہ ان لوگوں کی گرفتاریوں سے ہوتا تھا۔

☆

علی بن سفیان نے اپنی انٹیلی جنس کو اور زیادہ پھیلا دیا اور پہلے سے زیادہ ہوشیار کر دیا تھا۔ قاہرہ سے کچھ دُور دریائے نیل کے کنارے پہاڑی علاقہ تھا۔ اُس کے اندر کہیں فرعونوں کے زمانے کے کھنڈر تھے۔ اس سے پہلے ایسے واقعات ہوئے تھے کہ صلیبی اور سوڈانی تخریب کاروں نے ایسے کھنڈروں کو خفیہ اڈوں کے طور پر استعمال کیا تھا۔ مصر میں ایسے کھنڈروں کی تعداد کچھ کم نہیں تھی۔ اس پہاڑی علاقے کو نظر میں رکھنے کے لیے علی بن سفیان نے اپنے جاسوسوں کو خصوصی ہدایات کے ساتھ مقرر کر رکھا تھا۔ اب کے صلیبی تخریب کاروں نے یہ کامیابی بھی حاصل کر لی تھی کہ انہوں نے دو تین مہینوں کے عرصے میں علی بن سفیان کے چھ سات جاسوس جو قاہرہ میں مختلف جگہوں پر مختلف بہروپوں میں رہتے تھے، غائب کر دیئے تھے۔

یہ وہ جاسوس تھے جو صلیبیوں کے جاسوسوں کو پکڑنے کے ماہر تھے، لیکن وہ خود پکڑے گئے یا مارے گئے۔ خطرہ

یہ تھا کہ وہ پکڑے گئے تو صلیبی انہیں حشیشین کے حوالے کر کے انہیں مصر کی ہی حکومت اور فوج کے خلاف استعمال کریں گے۔ اصل خطرہ تو یہ تھا کہ دشمن کے جاسوسوں نے قاہرہ کے جاسوسوں کو پہچان لیا تھا۔ جاسوسی اور سراغ رسانی کی اس جنگ میں دشمن جیت رہا تھا۔ علی بن سفیان نے اب ذرا اونچے عہدوں کے ایسے جاسوس جو اپنے فن میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے۔ ان میں ایک مہدی الحسن تھا جو یروشلم اور تریپولی تک بڑی کامیاب جاسوسی کرتا آیا تھا۔ وہ بہت دلیر اور دانش مند جاسوس تھا۔

علی بن سفیان نے یہ پہاڑی علاقہ اُسے دے رکھا تھا۔ اس علاقے کے اندر صرف ایک راستہ تھا۔ پیچھے دریا اور باقی ہر طرف پہاڑیاں اور چٹانیں بھی تھیں۔ اندرونی علاقے میں سبزہ اور درخت تھے، کہیں کہیں پانی کی جھیلیں بھی تھیں۔ اطلاع ملی تھی کہ اس کے اندر مشکوک سے آدمی آتے جاتے دیکھے گئے ہیں۔ فرعونوں کی کسی عمارت کے کھنڈر سامنے نظر نہیں آتے تھے۔ کسی نے کبھی دیکھے بھی نہیں تھے، لیکن یہ یقین ضرور تھا کہ اس کوہسار کے اندر فرعونوں نے کچھ نہ کچھ بنایا ضرور تھا جو اب تک موجود ہے۔ بہر حال یہ جگہ ایسی تھی جو تخریب کاروں کا خفیہ اڈہ بننے کے لیے موزوں تھی۔

مہدی الحسن وہاں ایک دو اونٹ اور چند ایک بھیڑ بکریاں لے جا کر صحرائی خانہ بدوش یا گڈریئے کے بہروپ میں جایا کرتا تھا۔ اس کے جانور ادھر اُدھر چرتے چگتے رہتے اور وہ گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ اُس نے کچھ دُور اندر تک علاقہ دیکھا تھا، وہاں اُسے کچھ بھی نظر نہیں آیا تھا۔ بہت آگے جا کر ایک پہاڑی ایسی تھی جس کے دامن سے بیس پچیس فٹ اوپر ایک قدرتی سرنگ کا دہانہ تھا۔ مہدی الحسن اس سرنگ کے اندر گیا تھا۔ یہ اتنی اونچی اور فراخ تھی کہ اس میں سے اونٹ گزر سکتا تھا۔ یہ پہاڑی کی طرف تک چلی گئی تھی۔ مہدی الحسن دوسری طرف گیا، وہاں تنگ سی ایک وادی تھی جہاں کوئی اڈہ نہیں ہوسکتا تھا۔ سرنگ بہت لمبی تھی۔ اُس کے اندر دائیں بائیں دیواروں میں غاریں سی بنی ہوئی تھیں۔ اتنے بڑے بڑے پتھر بھی تھے کہ ایک پتھر کے پیچھے آدمی بیٹھ کر چھپ سکتا تھا۔

اس مصری جاسوس نے علی بن سفیان کو رپورٹ دی تھی کہ وہ جہاں تک جاسکا ہے، اُسے کوئی مشکوک جگہ نظر نہیں آئی اور اتنے دن اُسے کوئی ایک بھی آدمی اندر جاتا یا باہر آتا دکھائی نہیں دیا۔ علی بن سفیان نے اُسے کہا کہ وہ سارا دن وہیں گزارا کرے اور وہ زیادہ اندر تک نہ جایا کرے، کیونکہ پکڑے یا مارے جانے کا خطرہ تھا۔ علی بن سفیان نے اُسے یہ بھی کہا کہ کبھی کبھی وہ اونٹ پر سوار ہو کر رات کو بھی چلا جایا کرے، اگر کوئی آدمی اُسے مل جائے تو اُسے بتائے کہ وہ قاہرہ جا رہا ہے۔ اپنے آپ کو کسان ظاہر کرے۔ اِس ہدایت کے تحت مہدی الحسن رات کو بھی وہاں گیا تھا۔ ایک رات اسے کسی کے بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ یہ کوئی جنگلی جانور بھی ہوسکتا تھا اور یہ کوئی انسان بھی ہوسکتا تھا۔ مہدی الحسن آگے نہ گیا، کچھ دیر وہاں رُکا رہا، پھر واپس آ گیا۔

☆

وہ دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے دو تین اونٹ اور بھیڑ بکریاں لے کر وہاں چلا گیا۔ انہیں کھلا چھوڑ کر خود اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگا، وہاں سبزہ تھا۔ جھاڑیاں اور گھاس تھی اور جنگلی پودے بھی۔ کچھ آگے جا کر اُسے ایک آدمی دکھائی دیا جو زمین پر جھکا ہوا تھا۔ اُس نے قیمتی چغہ پہن رکھا تھا اور اس کی لمبی داڑھی تھی۔ سر پر عمامہ بھی قیمتی تھی۔ مہدی الحسن آہستہ آہستہ اس کی طرف چلنے لگا۔ جھکے ہوئے آدمی نے اس کی طرف دیکھا۔ مہدی الحسن نے اپنی چال ڈھال میں جاہلانہ پن نمایاں رکھا اور آہستہ آہستہ اس آدمی کے قریب جا کھڑا ہوا۔

چغہ والے کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا جس میں ہرے پتے بھرے ہوئے تھے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں

ایک پودے کی ہری شاخ تھی۔

''آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟''...... مہدی الحسن نے گنواروں کے سے لہجے میں احمقوں کی طرح ہنس کر پوچھا...... ''کوئی چیز گم ہو گئی ہے؟ میں بھی تلاش کروں؟''

''میں حکیم ہوں''...... اس آدمی نے کہا...... ''جڑی بوٹیاں ڈھونڈ رہا ہوں۔ ان کی دوائیاں بناؤں گا''۔

مہدی الحسن نے اُس کا چہرہ دیکھ کر پہچان لیا۔ وہ قاہرہ کا حکیم تھا اور خاصی شہرت رکھتا تھا۔ مہدی الحسن نے اس کے اس جواب کو غلط نہ سمجھا کہ وہ جڑی بوٹیاں ڈھونڈ رہا ہے۔ اس علاقے میں جڑی بوٹیاں موجود تھیں۔ حکیم نے اس سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ یہاں سے تھوڑی ہی دُور اپنے ایک کنبے کے ساتھ خیمے میں رہتا ہے اور یہاں جانوروں کو چرانے اور پانی پلانے لایا ہے۔

''ان بوٹیوں سے آپ کس مرض کی دوائیاں بنائیں گے؟''...... مہدی الحسن نے پوچھا۔

''تم کسی مرض کو نہیں سمجھ سکتے''...... حکیم نے جواب دیا...... ''بعض مرض ایسے ہوتے ہیں کہ مریض کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اُسے کیا ہے''۔

یہ حکیم مشہور تھا۔ دُور دُور سے اس کے پاس مریض آتے تھے۔ اتفاق سے مہدی الحسن کو یہاں مل گیا۔ یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ انسان پر مرض کا وہم بھی طاری ہو جاتا ہے اور انسان بڑی لمبی عمر کا اور ایسی جسمانی طاقت کا متمنی رہتا ہے جو کبھی کم نہ ہو۔ مہدی الحسن کو شاید معمولی سی کوئی تکلیف تھی۔ اُس نے اس کا ذکر حکیم سے کیا۔ اُس نے نبض پر ہاتھ رکھا، پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور یوں چونکا جیسے اُسے ان آنکھوں میں کوئی عجیب چیز نظر آئی ہو۔ اس نے مہدی الحسن کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ حکیم کے چہرے پر حیرت کا تاثر تھا۔

''تم میرے دواخانے میں آ سکتے ہو؟''...... حکیم نے پوچھا...... ''شہر میں آ جاؤ''۔

''میں بہت غریب آدمی ہوں''...... مہدی الحسن نے کہا...... ''آپ کو پیسے کہاں سے دوں گا''۔

''تم ابھی میرے ساتھ چلو''...... حکیم نے کہا...... ''میرا اونٹ اُدھر چر رہا ہے، تمہارے پاس بھی اونٹ ہے۔ مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں۔ امیر لوگ بہت پیسے دے جاتے ہیں۔ غریبوں کا علاج مفت کرتا ہوں۔ تمہاری بیماری اس وقت تو معمولی ہے، لیکن یہ اچانک بڑھ جائے گی۔ مجھے کوئی اور شک بھی ہے''۔

مہدی الحسن دراصل ڈیوٹی پر تھا۔ معمولی سے مرض کی خاطر وہ ڈیوٹی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اُس نے حکیم سے کہا کہ وہ شام کو اُس کے دواخانے میں آئے گا۔ اُسے راستہ اور جگہ بتا دے۔ مہدی الحسن کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اُس کا دواخانہ کہاں ہے۔ وہ انجان بنا رہا اور حکیم نے اُسے سمجھا دیا کہ دواخان کہاں ہے۔

☆

مہدی الحسن شام کے بعد اسی بہروپ میں حکیم کے دواخانے میں چلا گیا۔ اُس نے اونٹ ساتھ رکھا تھا تا کہ حکیم کو شک نہ ہو۔ اُسے خود حکیم پر کوئی شک نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حکیم جڑی بوٹیاں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اسے فی الواقع خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جسے وہ معمولی سی تکلیف سمجھتا ہے، وہ خطرناک بیماری بن سکتی ہے۔ حکیم نے اُسے اچھی طرح دیکھا اور کہا...... ''میں دوائی دے دیتا ہوں، اگر اس سے افاقہ نہ ہو تو وہ کوئی اور بندوبست کرے گا، کیونکہ اُسے کوئی اور شک ہے''۔

''مہدی الحسن نے پوچھا کہ اور کیا شک ہے؟''

''اللہ نہ کرے، میرا شک درست ہو'' ...... حکیم نے کہا ...... ''تم خوب صورت ہو، صحرا میں گھومتے پھرتے رہتے ہو، جس جگہ تم مجھے ملے تھے، وہ جگہ ٹھیک نہیں، وہاں بدروحیں رہتی ہیں۔ ان میں بعض فرعونوں کے وقتوں کی بڑی حسین لڑکیوں کی بدروحیں ہیں۔ انہیں فرعونوں نے زبردستی اپنے پاس رکھا اور عیاشی کا ذریعہ بنایا تھا، پھر انہیں مروا ڈالا تھا کیونکہ اس کی جگہ انہیں دوسری لڑکیاں مل گئی تھیں۔ روح بوڑھی نہیں ہوتی، ہمیشہ جوان رہتی ہے۔ جن لڑکیوں کو قتل کیا گیا تھا، اُن کی روحیں اس سرسبز خطے میں بھٹکتی رہتی ہیں۔ مجھے شک ہے کہ تمہاری شکل وصورت فرعونوں کے دَور کے کسی ایسے جوان سے ملتی جلتی ہے جسے اُس دور کی کوئی لڑکی چاہتی تھی مگر وہ کسی فرعون کا شکار ہوگئی۔ تم اس جگہ جاتے رہتے ہو۔ اس لڑکی کی بدروح نے تمہیں دیکھ لیا ہے اور تمہاری روح کے ساتھ دِل بہلا رہی ہے''۔

''یہ مجھے نقصان تو نہیں پہنچائے گی؟'' ...... مہدی الحسن نے حکیم کی بات سے متاثر ہو کر پوچھا ...... ''بدروح کی دوستی اچھی تو نہیں ہوتی۔ کیا آپ اس بدروح سے نجات دلا سکتے ہیں؟''۔

''میرا شک غلط ہوسکتا ہے'' ...... حکیم نے کہا ...... ''پہلے دوائی دوں گا۔ افاقہ نہ ہوا تو بدروح کا کچھ کروں گا۔ میرے پاس اس کا بھی علاج ہے۔ تعویذ دوں گا، عمل کروں گا، ضرورت پڑی تو اس بدروح کے ساتھ تمہاری ملاقات کرا دوں گا۔ بدروح سے نجات حاصل کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہوتا ہے۔ بدروح کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی''۔

مہدی الحسن قابل اور ذہین جاسوس تھا لیکن وہ عالم فاضل نہیں تھا۔ اپنی قوم کے ہر فرد کی طرح جنات، چڑیلوں اور بدروحوں کے وجود پر یقین رکھتا تھا۔ اُس نے ان کی جو کہانیاں اور روائتیں سنی تھیں، انہیں سچ مانتا تھا۔ حکیم کا ایک ایک لفظ اُس کے دِل میں اُتر گیا اور اُس پر بدروح کا خوف طاری ہوگیا۔ وہ حکیم کے پاس جاسوسی کے لیے نہیں علاج کے لیے ہی گیا تھا۔ حکیم نے اُسے تسلی دی کہ وہ کوئی فکر نہ کرے، لیکن وہ فکرمند ہوگیا۔ حکیم نے اُسے دوائی کی صرف ایک خوراک دی اور کہا کہ رات سونے سے پہلے کھا لے۔

اُس نے سونے سے پہلے یہ دوائی کھالی۔ اُسے فوراً نیند آگئی۔ اس سے پہلے اُس کی اتنی جلدی آنکھ کبھی نہیں لگی تھی۔ صبح آنکھ کھلی تو اُس نے محسوس کیا کہ اس کی طبیعت غیر معمولی طور پر ہشاش بشاش ہے۔ وہ سب سے پہلے علی بن سفیان کے پاس گیا۔ اُسے یہ نہ بتایا کہ اُس نے اس پہاڑی علاقے میں حکیم کو جڑی بوٹیاں تلاش کرتے دیکھا تھا۔ یہ بتانے والی بات نہیں تھی کیونکہ حکیم کوئی مشکوک انسان نہیں تھا۔ وہ قاہرہ کا اتنا مشہور اور قابل حکیم تھا کہ فوج اور حکومت کے بڑے بڑے افسر بھی اُس کے پاس علاج کے لیے جاتے تھے۔ اُس کے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ تعویذ بھی دیتا اور جنات وغیرہ کو بھی قبضے میں رکھتا ہے۔ علی بن سفیان نے مہدی الحسن سے کہا کہ وہ اُسی جگہ جائے، اُسے وہاں کوئی نہ کوئی مشکوک انسان ضرور نظر آئے گا۔ علی بن سفیان دراصل تخریب کاروں کے ایک اڈے کی تلاش میں تھا۔

مہدی الحسن اُس طرف جاتے حکیم کے پاس چلا گیا۔ وہ گڈریوں کے لباس میں تھا۔ اُس نے حکیم سے کہا کہ وہ صبح سویرے اتنی دُور سے یہ بتانے آیا ہے کہ رات اُسے بہت گہری نیند آئی ہے اور اب وہ اتنا ہشاش بشاش ہے، جتنا وہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

''اگر شام تک تم اسی حالت میں رہے تو بدروح نہیں ہوسکتی'' ...... حکیم نے کہا ...... ''شام کو پھر آجانا''۔

مہدی اونٹ پر سوار ہوا اور اپنی ڈیوٹی پر روانہ ہوگیا۔

☆

اس سرسبز جگہ وہ بہت دنوں سے جا رہا تھا اور سارا سارا دن وہاں رہتا تھا۔ رات کو بھی وہاں گیا تھا مگر اب حکیم سے ملاقات کے بعد اسے اس جگہ سے ڈر محسوس ہونے لگا۔ حکیم نے اُسے بتایا تھا کہ بدروح نقصان نہیں پہنچائے گی، کیونکہ وہ محبت کی خاطر اس کی روح کے پاس آتی ہے، پھر بھی اَن دیکھی پُراسرار مخلوق کا ڈر قدرتی تھا۔ اُسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے اس کے گرد بدروحیں منڈلا رہی ہوں۔ وہ دلیر آدمی تھا۔ ڈر کو دِل سے نکالنے سے کوشش کرنے لگا اور اس بدروح کو تصور میں لانے لگا جس کا ذکر حکیم نے کیا تھا۔ اس تصور نے اُسے تسکین دی اور وہ اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔

اچانک اُس نے محسوس کیا کہ اس کی طبیعت جو اتنی زیادہ ہشاش بشاش تھی، بجھ رہی ہے اور دِل پر گھبراہٹ طاری ہو رہی ہے۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن گھبراہٹ بڑھتی گئی اور اُس نے حکیم کو اپنی جو تکالیف بتائی تھی وہ پہلے کی نسبت زیادہ ہوگئی۔ اُس نے اُسی وقت حکیم کے پاس جانا چاہا، لیکن ڈیوٹی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ برداشت کرتا رہا۔ بہت دیر بعد اس کی طبیعت گھبراہٹ سے آزاد ہونے لگی اور آہستہ آہستہ اُس حالت میں آگئی جس میں کل دوائی کھانے سے پہلے تھی۔ اسے یقین ہوگیا کہ یہ بدروح کا اثر ہے۔

دن گزر گیا۔ اُس نے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کو اکٹھا کیا اور انہیں وہاں لے گیا، جہاں روزانہ لے جاتا تھا۔ اونٹ پر سوار ہو کر وہ شہر میں حکیم کے پاس چلا گیا۔ اسے اپنی طبیعت کی یہ تبدیلی بتائی۔ حکیم نے بدروح کے شک کا اظہار کیا لیکن ایک روز اور دوائی کھانے کو کہا۔ اُس نے دوائی دے دی جو مہدی الحسن نے رات سونے سے پہلے کھالی۔ گذشتہ رات کی طرح اسے نیند آئی اور صبح طبیعت شگفتہ تھی۔ وہ روزمرہ کی طرح علی بن سفیان کے پاس گیا اور وہاں سے اپنی ڈیوٹی کی جگہ پر چلا گیا۔

اس کی جسمانی حالت اچھی رہی، ذہنی حالت یہ تھی کہ بدروح کا خیال غالب تھا۔ آدھا دن گزرا تو اس کی شگفتگی کم ہونے لگی جو آہستہ آہستہ ختم ہوگئی اور اس کی جگہ گھبراہٹ اور اُداسی آگئی۔ اس نے دھیان اِدھر اُدھر کرنے کی کوشش کی اور ٹہلنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ طبیعت ٹھکانے آگئی۔ اُس کے کانوں میں ایسی آواز پڑی جیسے دور کہیں کوئی عورت رو رہی ہو۔ رونے کی آواز بلند ہوئی پھر مدھم ہوتے ہوتے خاموش ہوگئی۔ مہدی الحسن جہاں تھا، وہیں رہا۔ یہ کوئی بدروح رو رہی تھی اور یہ وہی بدروح ہو سکتی تھی جس کا ذکر حکیم نے کیا تھا۔ مہدی الحسن کے دِل پر خوف طاری ہوا جس پر اُس نے قابو پا لیا۔ اُس نے یہ ارادہ کیا کہ بدروح سے بات کرے لیکن حکیم نے اُسے بتایا نہیں تھا کہ بدروح کے ساتھ بات کرنی چاہیے یا نہیں، اگر وہ کسی اور جگہ اور مختلف ماحول میں کسی عورت کے رونے کی آواز سنتا تو دوڑ کر مدد کو پہنچتا لیکن یہاں کسی جیتی جاگتی عورت کا کوئی کام نہیں تھا۔ یہ فرعونوں کے دور کی کسی لڑکی کی بدروح تھی۔

شام کو وہ کل کی طرح حکیم کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ اُس کی حالت کیا ہوئی اور اُس نے کیسی آوازیں سنی ہیں۔ حکیم گہری سوچوں میں کھو گیا اور بولا ...... ''میرا شک یقین میں بدل گیا ہے۔ یہ بدروح ہے، گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی ایک تعویذ دوں گا پھر بدروح سے پوچھوں گا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اس کے مطابق کچھ اور کروں گا، لیکن تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔ یہ بدروح تمہارے ساتھ محبت کرتی ہے، اس لیے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ تم اُس جگہ جاتے رہنا۔ اگر تم نے اس بدروح سے بھاگنے کی کوشش کی تو نقصان کا خطرہ ہے''۔

حکیم نے اُسے ایک تعویذ دے دیا جو اُس نے اپنے بازو کے ساتھ باندھ لیا۔

''میں رات کو اپنا عمل کروں گا''۔ حکیم نے کہا...... ''کل صبح میرے پاس آنا تمہیں بتاؤں گا کہ بدروح کیا ہے۔ تم نے رونے کی جو آوازیں سنی ہیں وہ اسی بدروح کی ہیں۔ یہ بدروح شیطان نہیں، پھر بھی کوشش کروں گا کہ تمہیں اس سے

نجات مل جائے''۔

مہدی الحسن دل پر تذبذب اور ہیجان لے کر چلا گیا۔

☆

اگلے روز مہدی الحسن کو علی بن سفیان کی طرف سے کچھ اور ہدایات ملیں۔ وہ بھاگم بھاگ حکیم کے پاس گیا۔ حکیم جیسے اُسی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور اُسے اندر لے گیا۔

''وہ تمہارے ساتھ صرف ایک ملاقات کرنا چاہتی ہے''۔ حکیم نے کہا..... ''وہ تمہارے سامنے آئے گی۔ اپنا آپ دکھائے گی۔ تم اُسے دیکھ سکو گے۔ ہوسکتا ہے پہلے روز وہ تمہارے سامنے آئے اور غائب ہو جائے۔ وہ دوسری دُنیا کی مخلوق ہے۔ شاید اس دنیا کے انسانوں کے قریب آنے سے گریز کرے۔ اگر اُس نے ایسا ہی کیا تو تمہیں اگلے روز پھر جانا پڑے گا''۔

''کہاں؟''

''وہیں، جہاں تم ہر روز جاتے ہو''۔ حکیم نے کہا..... ''جہاں تم نے مجھے دیکھا تھا تم وہاں رات کو جاؤ گے''۔

''آپ بھی ساتھ ہوں گے؟''

''نہیں''۔ حکیم نے کہا..... ''اُس جہان میں گئی ہوئی روح صرف اُسے نظر آتی ہے جسے وہ چاہتی ہے، اور اگر کوئی گناہگار بدروح کسی انسان پر نظر رکھ لے تو اُسے فوراً مار ڈالتی ہے۔ یہ بدروح جو تمہیں ملنا چاہتی ہے، کسی کو پریشان کرنے والی نہیں۔ اُس کے رونے کو سمجھو۔ وہ مظلوم ہے۔ محبت کی پیاسی ہے۔ میں نے رات جب اُسے حاضر کیا تو وہ زار و قطار روئی اور اُس نے میری منت کی کہ اس شخص کو تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس بھیج دو، پھر ہمیشہ کے لیے چلی جاؤں گی''۔

اگر یہ باتیں کوئی اور کر رہا ہوتا تو مہدی الحسن پر اتنا زیادہ اثر نہ ہوتا جتنا اُس نے قبول کیا۔ یہ باتیں اُس حکیم کے زبان سے نکل رہی تھیں جس سے مہدی الحسن کے بڑے حاکم بھی متاثر تھے..... وہ حکیم بھی تھا اور عالم بھی۔ اُس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جو سننے والے کی روح میں اُتر جاتا تھا۔ اُس نے مہدی الحسن کو یقین دلایا کہ رات کو اس بدروح کی ملاقات سے اُس پر کوئی خوف طاری نہیں ہوگا اور اُسے نقصان کی بجائے شاید کچھ فائدہ بھی ملے۔

''ایک احتیاط بھی ضروری ہے''۔ حکیم نے اُسے کہا..... ''کسی کے ساتھ اس بدروح کے متعلق یا اُس کی ملاقات کے متعلق کوئی بات نہ کرنا، اگر تم نے یہ راز فاش کر دیا تو نقصان کا خطرہ ہے۔ تم اپنی دُنیا کے انسانوں کو دھوکہ دے سکتے ہو، عالمِ غیب میں گئی ہو روح کا راز فاش کرو گے تو میں بتا نہیں سکتا کہ تمہارے جسم کے کون سے دو اعضاء ہمیشہ کے لیے بے کار ہو جائیں گے۔ دونوں ٹانگیں سوکھ جائیں گی یا دونوں بازو یا دونوں آنکھیں بینائی سے محروم ہو جائیں گی۔ اب میں تمہیں جو بات بتانے لگا ہوں، یہ بھی ایک راز ہے۔ یہ راز تمہیں اس لیے دے رہا ہوں کہ تم عبرت حاصل کرسکو۔ یہاں کی فوج کے دو اعلیٰ رتبے کے کمان دار رات کے وقت مارے گئے ہیں۔ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کس طرح مرے ہیں۔ مجھے دو تین بدروحوں نے بتایا ہے کہ انہیں بدروحوں نے مارا ہے۔ انہوں نے بدروحوں کے راز فاش کر دیئے تھے''۔

''وہ کس طرح؟'' مہدی الحسن گنوار گذریا اور صحرائی خانہ بدوش بنا ہوا تھا لیکن وہ دراصل جاسوس تھا۔ وہ ان دو کمان داروں کی موت کا سراغ لینا چاہتا تھا۔ اُس نے حکیم سے تفصیل پوچھی۔

''میں ایسی راز کی بات کسی کو بتا نہیں سکتا''۔ حکیم نے کہا..... ''جتنی اجازت تھی، اتنی بتا دی ہے۔ تم بالکل خاموش رہنا۔ اپنے اس راز کے ساتھ واسطہ رکھو جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ یہ بھی نہ سوچنا کہ میں تمہاری ذات میں کسی لالچ

اور کسی اُجرت کے بغیر اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہوں۔ میں ان روحوں اور بدروحوں کی خواہشات کا پابند ہوں۔ اگر میں انہیں ناراض کردوں تو میرا علم بے کار ہو جائے اور بدروحیں میرا بھی وہی حشر کردیں جو وہ اپنے دشمنوں کا کرتی ہیں۔ اس روح نے جو تمہیں دیکھ کر روتی ہے، مجھے کہا ہے کہ میں اس کے ساتھ تمہاری تھوڑی سی دیر کی ملاقات کرادوں تو میرا فرض ہے کہ اس کی خواہش پوری کروں''۔

''اگر میں اس سے نہ ملوں تو کیا ہوگا؟''

''وہ بدروح بن کر تمہاری روح پر اپنا سایہ کرے گی''۔ حکیم نے جواب دیا۔ ''تم نے مجھے اپنی جو تکلیف بتائی تھی، وہ کوئی جسمانی تکلیف نہیں۔ یہ روحانی عارضہ ہے۔ اس نے تم پر ابھی اپنا پورا اثر نہیں ڈالا تھا۔ تم کوئی نیک انسان ہو۔ تمہاری نیکی تمہارے کام آئی ہے۔ تم نے میرے ساتھ اس تکلیف کا ذکر کردیا۔ خدائے ذوالجلال جس پر رحمت فرمانا چاہتے ہیں، اس کے لیے وہ کسی انسان کو سبب بنا دیتے ہیں۔ یہ کرشمہ اللہ کی ذات کا ہے کہ تم نے مجھے وہاں دیکھ لیا اور ہم دونوں ملے۔ اس رحمت سے ڈرو نہیں۔ اگر تم اس بدروح کی ملاقات کی خواہش کردو گے تو وہ اس دُنیا میں تمہیں بہت فائدہ دے گی۔ ایک فائدہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ نہایت خوب صورت لڑکی کے روپ میں گوشت پوست کا زندہ جسم بن کر تمہیں جب چاہو گے ملا کرے گی۔ تم اُسے بیوی بنا کر گھر رکھ سکتے ہو اور اگر وہ زیادہ مہربان ہوگئی تو مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں کسی فرعون کے مدفون خزانے کا بھید بتا دے اور ایسا ذریعہ پیدا کردے کہ تم یہ خزانہ نکال کر اس بدروح کو ساتھ لے کر مصر سے کہیں دُور چلے جاؤ اور کسی خطے کے بادشاہ بن جاؤ''۔

''ملاقات کب ہوگی؟''

''آج رات چلے جاؤ''۔ حکیم نے کہا۔

حکیم نے اُسے ایک اور تعویذ دیا اور اُسے بہت سی ہدایات دیں۔ خطروں سے بھی آگاہ کیا اور فائدے بھی بتائے اور زور دے کر کہا کہ ڈرنا نہیں۔ وہاں پہنچنے کا وقت بھی بتایا جو رات تاریک ہو جانے کے کچھ دیر بعد کا تھا۔ مہدی الحسن عجیب وغریب سے تاثرات لے کر وہاں سے اُٹھا اور اپنی روز مرہ کی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ دن وہاں گزارا اور سورج غروب ہونے سے بہت پہلے واپس چلا گیا۔

☆

رات تاریک ہوئی تو وہ پھر وہاں موجود تھا مگر اب ڈیوٹی پر نہیں، بدروح کی ملاقات کے لیے گیا تھا۔ ایسی تاریک تنہائی اور ایسے سنسان ماحول میں اُسے خوف زدہ ہونا چاہیے تھا لیکن حکیم کی باتیں اُسے حوصلہ دے رہی تھیں۔ اُس نے بازو کے ساتھ دو تعویذ باندھ رکھے تھے اور وہ اپنے طور پر کوئی وِرد بھی کر رہا تھا۔ وہ اُس جگہ پہنچ گیا جو اُسے حکیم نے بتائی تھی۔ یہ پہاڑیوں کے اندر تھی۔ درخت بھوتوں کی طرح نظر آرہے تھے۔ ماحول اس قدر خاموش تھا کہ مہدی الحسن کو اپنے دل کی دھڑکن بھی سنائی دے رہی تھی۔

اُسے رونے کی وہی آواز سنائی دی جو اُس نے دن کو سنی تھی۔ وہ اس آواز کی طرف چل پڑا۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ وہ ذرا سا چل کر رُک گیا۔ اب کے رونے کی آواز اس کے عقب سے آنے لگی۔ یہ بھی دُور تھی۔ وہ اُس طرف چل پڑا۔ اس جگہ سے وہ واقف تھا، اس لیے آسانی سے چلا جا رہا تھا۔ یہ آواز بھی خاموش ہوگئی۔

مہدی الحسن نے بلند آواز سے کہا..... ''مجھے اپنا آپ دکھاؤ گی یا اسی طرح ڈراتی رہو گی؟''

اُسے اپنے یہی الفاظ صاف سنائی دیئے۔ اگر اُسے یہ علم نہ ہوتا کہ یہ اُس کی اپنی صدائے بازگشت ہے تو وہ ڈر کے مارے بھاگ جاتا۔ یہ صحرائی پہاڑیاں تھیں جو دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ ان میں زیادہ تر عمودی اور کچھ ڈھلانی تھیں۔ مہدی الحسن کو اپنی آواز تین چار بار سنائی دی۔ اُس کی آواز ماحول اور فضا میں گھومتی اور تیرتی محسوس ہوتی تھی۔

اس آواز کی گونج تاریک فضا میں تحلیل ہوگئی تو اُسے ایک نسوانی آواز سنائی دی...... ''مجھ سے ڈرو نہیں، آگے آؤ''...... یہ آواز دُور سے آئی تھی۔ یہ اُسے کئی بار سنائی دی اور آہستہ آہستہ ختم ہوگئی۔

آواز پھر آئی...... ''اب بے وفائی نہ کرنا، میں دو ہزار سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں''۔

مہدی الحسن کو یہ الفاظ کئی بار سنائی دیئے، پھر مہدی الحسن کی آواز اُبھری اور بار بار سنائی دینے کے بعد خاموش ہوگئی۔ اس طرح دونوں طرف سے آوازیں اُبھرتی، بھٹکتی اور گونجتی رہیں۔ بدروح کی آواز میں التجا تھی جس سے مہدی الحسن کا خوف دُور ہوگیا۔ وہ ان پہاڑیوں میں اندر تک چلا گیا۔ اُسے سامنے روشنی کی چمک دکھائی دی جو آسمانی بجلی کی طرح چمکی اور بجھ گئی۔ اس چمک میں اُس نے دیکھ لیا کہ وہ کہاں ہے۔ اُسے اس چمک میں اُس سرنگ کا دہانہ نظر آیا تھا جس میں گزر کر وہ ایک بار دوسری طرف گیا تھا۔ وہ وہیں رُک گیا۔

کچھ دیر بعد روشنی پھر چمکی اور اس میں اُسے سرنگ کے دہانے میں کوئی انسان کھڑا نظر آیا۔ روشنی جانے کہاں سے آرہی تھی۔ یہ اتنی لمبی چوڑی تھی کہ دہانے میں کھڑا انسان صاف نظر آتا تھا۔ وہ اس سے کم وبیش پچاس قدم دُور تھا۔ اُس نے غور دیکھا۔ چہرہ بڑی ہی خوب صورت لڑکی کا تھا۔ صرف چہرہ نظر آتا تھا۔ باقی سارا جسم سفید کفن میں لپٹا ہوا تھا۔ مہدی الحسن ڈرنے لگا۔ اُسے نسوانی آواز سنائی دی...... ''مجھ سے ڈرو نہیں۔ دو ہزار سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں''۔

وہ آگے بڑھا۔ چند قدم چلا ہوگا کہ کفن سے ایک بازو باہر آیا جو مہدی الحسن کی طرف بڑھا۔ ہاتھ کی ہتھیلی اس طرح آگے ہوئی جیسے اشارہ کیا ہو کہ آگے نہ آنا۔ مہدی الحسن وہیں رُک گیا۔ روشنی بجھ گئی۔ وہ اس انتظار میں کھڑا رہا کہ روشنی ایک بار پھر چمکے گی اور اُسے کفن میں لپٹی ہوئی یہ لڑکی نظر آئے گی مگر اُسے آواز سنائی دی۔ ''تم پر اعتبار کون کرے، چلے جاؤ، چلے جاؤ''۔

''مجھ پر اعتبار کرو''۔ مہدی الحسن نے کہا اور آگے کو دوڑا۔ وہ پکارتا جارہا تھا۔ ''میں تمہاری خاطر آیا ہوں۔ میرے قریب آؤ''۔

وہ سرنگ کے دہانے میں جا رُکا۔ اُسے سرنگ کے اندر سے آواز سنائی دی...... ''کل آنا، چلے جاؤ، تم فانی دُنیا کے انسان ہو، تمہارے وعدے بھی فانی ہیں''۔

مہدی الحسن سرنگ کے اندر چلا گیا اور آگے ہی آگے چلتا گیا۔ اُسے سرنگ کا دوسرا دہانہ دکھائی دیا۔ سرنگ کے اندر کی نسبت باہر تاریکی کم تھی۔ اس لیے سرنگ کا دہانہ نظر آرہا تھا۔ سرمئی سی اس روشنی میں ایک لمبوترا سا سایہ دکھائی دیا جو فوراً غائب ہوگیا۔ یہ کفن میں لپٹی ہوئی لڑکی جیسا تھا۔ مہدی الحسن دوڑ پڑا۔ ٹھوکر کھا کر گرا اور اُٹھ کر پھر دوڑا۔ اگلے دہانے میں جا کر اُس نے آوازیں دیں مگر اُسے اپنی ہی پکار کی صدائے بازگشت کے سوا کوئی جواب نہ ملا۔ رونے کی آواز بھی نہ اُبھری۔ بدروح نے بھی اُسے نہ پکارا۔ وہ مایوس ہوکر واپس چل پڑا۔ ابھی وہ سرنگ کے وسط ہی میں تھا کہ اُسے سرنگ کے سامنے والے دہانے میں روشنی دکھائی دی، مگر اس روشنی میں کفن میں لپٹی ہوئی لاش نہیں تھی۔

روشنی بجھ گئی۔ مہدی الحسن سرنگ سے نکل گیا۔ اُسے سامنے اور ذرا بائیں کو بلندی پر روشنی کا دھوکہ ہوا مگر وہ کسی اور طرح کی روشنی تھی جیسے کسی نے کھڈ میں چٹان کے پیچھے آگ جلا رکھی ہو۔ مہدی الحسن نے کچھ سوچا اور اُدھر کو چل پڑا جدھر سے

آیا تھا۔ وہ اس پہاڑی علاقے سے نکل گیا۔ اُس کا اونٹ باہر بندھا تھا۔ وہ اونٹ پر سوار ہوا اور قاہرہ کی سمت روانہ ہو گیا۔ اس کی ذہنی کیفیت ایسی تھی جس میں ڈر اور خوف نہیں بلکہ اضطراب اور ہیجان تھا۔ وہ ان دو روشنیوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ایک وہ جس میں اُسے کفن میں لپٹی ہوئی لاش نظر آئی تھی اور دوسری وہ جو اُسے بلندی پر دکھائی دی تھی۔ بلندی والی روشنی آگ کی تھی۔

وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ رات بہت گزر گئی تھی پھر بھی اُسے نیند نہ آئی۔ بار بار کفن میں لپٹی ہوئی لڑکی کا چہرہ اُس کے سامنے آتا تھا اور یہ ارادہ اُسے تڑپا دیتا کہ وہ رات وہیں گزارے اور اس لڑکی کو قریب سے دیکھ کر لوٹے۔

☆

عادت کے مطابق وہ صبح وقت پر اُٹھا۔ مشین کی طرح روزمرہ کے کام کیے۔ علی بن سفیان کے پاس جا کر نئی ہدایات لیں جن میں ایک یہ تھی کہ اس علاقے میں اس کی ڈیوٹی ختم کر دی گئی تھی۔ اُسے شہر کے باہر کسی اور جگہ جانے کو کہا گیا۔

"مجھے ابھی وہیں جانے دیں جہاں اتنے دنوں سے جا رہا ہوں"۔ مہدی الحسن نے کہا ..... "مجھے توقع ہے کہ ان پہاڑیوں میں مجھے کچھ مل جائے گا۔ میں دو تین روز بعد آپ کو بتا سکوں گا کہ یہ علاقہ صاف ہے یا نہیں"۔

علی بن سفیان اس کے مشوروں کو نظر انداز نہیں کرتا تھا۔ وہ کوئی عام قسم کا جاسوس نہیں تھا۔ اس شعبے کا عہدے دار تھا اور تجربے کے لحاظ سے وہ قابلِ اعتماد تھا۔ کچھ دیر کی بحث اور غور و خوض کے بعد علی بن سفیان نے اپنے اسی علاقے میں جانے کی اجازت دے دی۔ مہدی الحسن بدروح سے ملے بغیر اس علاقے کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ شاید پہلا موقع تھا کہ اُس نے فرض پر اپنی ذاتی خواہش کو ترجیح دی تھی۔ علی بن سفیان کو ذرا سا بھی شک ہوتا کہ وہ کسی اور چکر میں اپنی ڈیوٹی بدلنے سے گریز کر رہا ہے تو اُسے کبھی نہ جانے دیتا۔ ایک تجربہ کار جاسوس اور سراغ رساں اپنے آپ کو ایسے خطرے میں ڈال رہا تھا جس میں اس کی جان ضائع ہو سکتی تھی۔

مہدی الحسن حکیم کے پاس گیا اور اُسے رات کی واردات سنائی۔ حکیم نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے آنکھیں کھولیں اور مہدی الحسن کی آنکھوں میں جھانکا۔

"آج رات پھر جاؤ"۔ حکیم نے اُسے کہا....."اُس پاک جہان کی مخلوق اس ناپاک دُنیا کے کسی انسان کے قریب آنے سے ڈرتی ہے۔ تم کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کرنا۔ شاید آج بھی ذرا سی دیر نظر آ کر وہ غائب ہو جائے، تم بے صبر نہ ہو جانا۔ وہ تمہیں ملنے کو بے تاب ہے، ضرور ملے گی۔ اگر اس ملاقات میں تمہارا فائدہ نہ ہوتا تو میں تمہیں وہاں نہ بھیجتا۔ تمہاری جان کو بھی کوئی خطرہ نہیں"۔

مہدی الحسن چلا گیا۔ اُس علاقے میں گھوما پھرا۔ سرنگ کے اندر گیا۔ دوسری طرف گیا۔ سرنگ کے دہانے سے نیچے اُتر گیا۔ اُسے زمین پر کپڑے کی ایک پٹی پڑی نظر آئی۔ اُس نے اُٹھالی۔ یہ نصف انچ چوڑی اور کوئی نصف گز لمبی ہوگی۔ اسے وہ دیکھتا رہا اور اپنے پاس رکھ لی۔ وہ پھر سرنگ میں داخل ہوا اور باہر آ گیا۔ اُس نے اُس بلندی کی طرف دیکھا جہاں رات اُسے آگ کا دھوکہ ہوا تھا۔ اُدھر ڈھلان تھی۔ وہ سرنگ سے نکل کر ڈھلان پر چڑھنے لگا۔ اُسے ایک مردانہ آواز سنائی دی....."اوپر نہ جانا، جس کے لیے تم آئے ہو وہ تمہیں رات کو ملے گی"...... یہ آواز گونج بن کر بار بار سنائی دینے لگی۔

"ہماری دُنیا میں آ کر کھوج نہ لگاؤ"۔ وہی آواز پھر سنائی دی۔

مہدی الحسن رُک گیا۔ اُسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے یہ آواز اُس کے اِرد گرد گھوم رہی ہے۔ وہ اوپر نہ گیا۔ حیرت زدہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اس نے سوچا کہ وہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے یہاں کی کوئی بدروح اُسے نقصان

پہنچادے۔ وہ اس جگہ سے باہر چلا گیا اور ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اس جگہ کی حقیقت کیا ہے۔ دن اسی سوچ میں گزر گیا اور وہ رات کو یہیں واپس آنے کے لیے چلا گیا۔

سورج غروب ہونے کے بعد جب وہ اس پہاڑی خطے میں جانے لگا تو وہی بھیس بدلا جس میں وہ وہاں جایا کرتا تھا۔ دن کے وقت جب وہ ڈیوٹی پر جاتا تھا تو اپنا لمبا خنجر ساتھ لے جاتا تھا۔ حکیم نے اُسے بڑی سختی سے کہا تھا کہ وہ رات کو جب بدروح سے ملنے جائے تو اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لے جائے۔ گزشتہ رات وہ خنجر اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ اب شام کو وہ بدروح کی ملاقات کے لیے جارہا تھا۔ اُس نے گڈریوں کا بھیس بدل لیا۔ خنجر دیوار کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ اُس نے خنجر کو دیکھا اور گہری سوچ میں کھو گیا۔ ہدایت کے مطابق اُسے خنجر ساتھ نہیں لے جانا تھا لیکن اُس نے گہری سوچ سے بیدار ہو کر خنجر دیوار سے اُتارلیا۔ اپنے کپڑوں کے اندر کمر کے ساتھ باندھ لیا اور باہر نکل گیا۔

اُس جگہ پہنچ کر اُس نے اونٹ کو بٹھادیا اور اُس جگہ چلا گیا جہاں سے سرنگ کا دہانہ نظر آتا تھا۔ اُسے اپنے عقب میں کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی جو فوراً خاموش ہوگئی۔ اُس کے فوراً بعد اوپر سے پتھر لڑھکنے کی آواز آئی جو ایسی بلند تو نہیں تھی، لیکن ایسے سکوت اور ایسی وادیوں میں جو عمودی پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھیں، یہ آواز لڑھکتے پتھر سا کن ہو جانے کے بعد بھی سنائی دیتی رہی، پھر گونج بن کر فضا میں تیرنے لگی، جیسے کوئی سسکیاں اور ہچکیاں لے رہا ہو۔ ذرا اور وقت گزارتو مہدی الحسن کو رونے کی آوازیں سنائی دیں۔

''میرے سامنے آؤ''۔ مہدی الحسن نے بلند آواز سے کہا...... ''میری دُنیا ناپاک ہے، میں ناپاک نہیں ہوں''۔

''تم مجھے پھر چھوڑ کر چلے جاؤ گے''۔ یہ نسوانی آواز کہیں قریب سے آئی۔

مہدی الحسن کی آواز اور یہ نسوانی آواز یوں بار بار سنائی دینے لگی جیسے ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑ رہی ہوں۔ روشنی چمکی اور بجھ گئی جس سے مہدی الحسن کو سرنگ کا دہانہ نظر آیا۔ وہ دبے پاؤں تیز قدم آگے چلا گیا اور سرنگ کے دہانے سے ذرا نیچے ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھپ گیا۔ اُس نے اُدھر اوپر دیکھا جہاں گزشتہ رات اُسے آگ کا دھوکہ ہوا تھا۔ وہ دھوکہ آج بھی موجود تھا۔ سرنگ کا دہانہ ذرا بلند تھا۔ وہ پیٹ کے بل سرکتا اوپر چلا گیا اور وہ چند لمحوں بعد دہانے کے اندر تھا۔ وہاں سے اُس نے چھپ کر اُدھر اوپر دیکھا جدھر اُسے آگ کا دھوکہ نظر آیا تھا۔ اب چونکہ وہ خود بھی بلندی پر تھا، اس لیے اُسے وہاں آگ کی ایسی روشنی دکھائی دی جس کا شعلہ کہیں چھپا ہوا تھا۔

اُسے سرنگ کے اندر سے کسی عورت کی آواز سنائی دی...... ''دو ہزار سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ آگے آؤ''۔

مہدی الحسن سرنگ کی دیوار کے ساتھ ساتھ اور اندر کو چل پڑا۔ اُسے خیال آیا کہ حکیم نے اُسے کہا تھا کہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لے جانا، ورنہ اس لڑکی کی روح سامنے نہیں آئے گی۔ اُس کے پاس ڈیڑھ فٹ لمبا خنجر تھا اور بدروح بول رہی تھی۔ وہ اور آگے چلا گیا اور سرنگ کے وسط میں پہنچ گیا۔ سرنگ فراخ تھی۔ اُسے کوئی آتا محسوس ہوا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ اس کے قریب سے کوئی گزرنے لگا۔ اتنے گھپ اندھیرے میں بھی اُس نے اندازہ لگالیا کہ یہ وہی لڑکی ہے اور یہ کفن میں لپٹی ہوئی ہے۔ لڑکی رُک گئی اور اس نے رونے کی آواز نکالی۔ مہدی الحسن نے یہ آواز پہلے کئی بار سنی تھی۔ اُس کا دِل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا۔

کفن میں لپٹی ہوئی لاش آگے کو سرکی۔ عین اُس وقت دہانے پر روشنی چمکی اور بجھ گئی۔ مہدی الحسن اُٹھا اور بجلی کی تیزی سے پیچھے سے لاش کو دبوچ لیا۔ لاش کی آواز سنائی دی...... ''او بدبخت، تمہیں کس وقت مذاق سوجھا ہے۔ چھوڑو

مجھے، شکار انتظار میں کھڑا ہے"۔

مہدی الحسن نے جس شک میں جان کی بازی لگا کر اُسے پکڑا تھا، وہ شک صحیح ثابت ہوا۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ یہ بدروح ہوئی تو اُس کے ہاتھ نہیں آئے گی اور اُس کی جان نکال لے گی اور اگر یہ کوئی دھوکہ ہوا تو اُسے بڑا موٹا شکار مل جائے گا۔

کفن میں لپٹی ہوئی اس عورت کی آواز سنتے ہی مہدی الحسن سرگوشی میں بولا ......"اونچی آواز نکالی تو خنجر ایک پہلو میں گھونپ کر دوسرے پہلو سے نکال دوں گا"۔

"میں تمہارا دل اور کلیجہ منہ کے راستے نکال کر کھا جاؤں گی"۔ عورت نے کہا......"میں روح ہوں"۔

مہدی الحسن نے اُسے ایک بازو سے دبوچ رکھا اور دوسرے ہاتھ سے خنجر نکال کر اُس کی نوک عورت کے پہلو میں رکھ دی۔ سرنگ کے سامنے والے دہانے پر ایک بار پھر روشنی چمکی۔ مہدی الحسن کا اُدھر جانا پُر خطر تھا۔

"میں اسی لیے تمہیں اپنے قریب نہیں آنے دیتی تھی کہ تم فریبی اور فانی دُنیا کے انسان ہو"۔ عورت نے رُندھی ہوئی اور اثر انگیز آواز میں کہا......"دو ہزار سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں"۔

"تمہارا انتظار ختم ہو گیا ہے"۔ مہدی الحسن نے کہا......"اب تم روحوں کی پاک دُنیا میں واپس نہیں جاؤ گی۔ تم اب میری ناپاک دُنیا کی عورت ہو"۔

"میں عورت نہیں"۔ اس نے کہا......"میں جوان لڑکی ہوں۔ میں حسین لڑکی ہوں۔ میں اونچا نہیں بولوں گی۔ میری بات غور سے سن لو۔ میں جانتی ہوں تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔ تم مجھے اتنے اچھے لگتے ہو کہ میں نے تمہیں حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ طریقہ اختیار کیا ہے"۔

"تو چلو میرے ساتھ"۔ مہدی الحسن نے کہا۔

"نہیں"۔ لڑکی نے کہا......"تم میرے ساتھ چلو۔ میں تمہارے ساتھ گئی تو ہم دونوں بھوکے مریں گے۔ تم میرے ساتھ آئے تو فرعونوں کا خزانہ ہمارا ہوگا۔ پھر تمہیں ویرانوں میں بھٹکتے پھرنے اور تھوڑی سی تنخواہ کے عوض جاسوسی کرتے پھرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی"۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"خزانہ نکال رہے ہیں"۔ لڑکی نے کہا......"میں بہت سے آدمیوں کے ساتھ ہوں"۔

"وہ سب کہاں ہیں؟"

"میرے ساتھ چلو، سب تمہارا استقبال کریں گے"۔ لڑکی نے کہا......"مجھے روشنی میں دیکھو گے تو خزانوں کو اور اپنی دُنیا کو بھول جاؤ گے"۔

مہدی الحسن جو خوشبو اس لڑکی کے جسم سے سونگھ رہا تھا، وہ اُس پر خمار طاری کر رہی تھی۔ اُس نے اِس لڑکی کو جب اپنے بازوؤں میں دبوچا تھا تو اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ جسم ایمان خریدنے کا اثر رکھتا ہے۔ لڑکی کی آواز میں ترنم تھا۔ اس پر نشہ طاری ہو چکا تھا۔ اُس لمحے سرنگ کے دہانے پر روشنی پھر چمکی۔ مہدی الحسن بیدار ہو گیا۔ اُس نے لڑکی سے یہ پوچھنا مناسب نہ سمجھا کہ اس کے آدمی سرنگ کے پیچھے بھی ہیں یا نہیں۔ سامنے کے دہانے کی طرف وہ نہیں جانا چاہتا تھا، کیونکہ اُدھر کے متعلق اُسے یقین تھا کہ اُدھر آدمی ہوں گے اور روشنی کا انتظام تو اُدھر تھا ہی۔

لڑکی نے کفن اُتار دیا۔ مہدی الحسن نے کفن سے لمبی اور چوڑی پٹیاں پھاڑیں۔ ایک سے لڑکی کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ دیئے۔ دوسری پٹی سے اُس کی ٹانگیں ٹخنوں کے قریب سے باندھیں۔ تیسری پٹی اُس کے منہ پر باندھ کر اُسے کندھے پر ڈال لیا۔ خنجر ہاتھ میں رکھا اور وہ سرنگ کے پچھلے دہانے کی طرف چل پڑا۔ اُسے وہاں سے بہت جلدی نکلنا تھا۔

☆

گزشتہ رات جب مہدی الحسن یہاں آیا تھا تو وہ بدروح سے ہی ملنے آیا تھا۔ سرنگ کے دہانے پر وہ روشنی کی چمک میں اُسے نظر آئی اور غائب ہوگئی تھی۔ مہدی نے دہانے پر جا کر ایک تو دہانے کے سامنے بلندی پر روشنی سی دیکھی تھی اور پھر وہ سرنگ کے اندر گیا تو اس نے دوسرے دہانے میں سے ایک سایہ سا باہر جاتے دیکھا تھا۔ دن کے وقت وہ پھر سرنگ میں سے گزر کر دوسری طرف گیا تو اُسے کپڑے کی ایک باریک سی پٹی زمین پر پڑی نظر آئی تھی۔ اُسے پٹی دیکھتے ہی یاد آ گیا کہ میت پر کفن ایسی ہی پٹیوں سے باندھا جاتا ہے۔ وہ چونکہ علی بن سفیان کا تربیت یافتہ جاسوس تھا، اس لیے وہ ذرا ذرا سی چیزوں اور لطیف سے اشاروں کو بہت اہمیت دے رہا تھا۔ وہ جب آج رات بدروح کی ملاقات کے لیے چلا تھا تو اُس نے حکیم کے منع کرنے کے باوجود خنجر ساتھ لے لیا تھا۔ یہ آزمائش کا ایک طریقہ تھا۔ خنجر کے باوجود بدروح آ گئی۔

اس نے دلیری یہ کی کہ آج دہانے پر روشنی نظر آتے ہی وہ دہانے میں چلا گیا اور وہاں سے اس نے بلندی پر دیکھا۔ وہاں آگ کا چھپا ہوا شعلہ تھا۔ دہانے پر چمک وہیں سے آتی تھی۔ مہدی الحسن کو دو واقعات یاد آ گئے۔ صلیبیوں کے ایجنٹوں نے مصر کے ایسے ہی پہاڑی علاقوں میں مصر کے دیہاتیوں کو توہمات میں اُلجھانے اور انہیں اثر میں لینے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ ایک پہاڑی پر بڑے شعلے والی مشعل جلا کر چھپا رکھی تھی۔ اس کے سامنے لکڑی کا ایسا تختہ رکھتے تھے جس پر براق چپکا ہوا تھا۔ دوسرے واقعہ میں چمکیلی دھات کی چادر استعمال کی گئی تھی۔ ابرق یا دھات کی چمک سامنے والی پہاڑی پر پڑتی تھی۔ مشعل اور چادر کے درمیان ایک اور تختہ رکھتے تو چمک بجھ جاتی تھی۔ یہ مشعل اور چمکیلی چادر ایسی جگہ رکھی جاتی جہاں سے یہ لوگوں کو نظر نہیں آتی تھیں۔

ان دونوں وارداتوں میں صلیبی ایجنٹ پکڑے گئے اور ان کا یہ طریقہ بے نقاب ہو گیا تھا، ورنہ سیدھے سادے لوگ اسے غیب کی چمک سمجھتے تھے۔ ان دونوں وارداتوں پر چھاپہ مارنے والوں میں مہدی الحسن بھی تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ سرنگ کے بالکل بالمقابل پہاڑی پر جو آگ کا دھوکہ سا ہوتا ہے، وہ مشعل چھپی ہوئی ہے اور سرنگ کے دہانے پر اسی کی چمک پھینکی جاتی ہے۔

اُسے ٹریننگ کے دوران بتایا گیا تھا کہ جو انسان مر جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے اس دُنیا سے تعلق توڑ جاتا ہے۔ خدا اُس کی روح کو یوں بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ دیتا کہ وہ انسانوں کے پیچھے دوڑتی پھرے۔ جو مر جاتے ہیں وہ نہ جسمانی طور پر واپس آتے ہیں، نہ روح یا بدروح کی شکل میں۔ مہدی الحسن کو ٹریننگ میں یہ اٹل حقیقت ذہن نشین کرائی گئی تھی کہ انسان کو خدا نے اتنی زیادہ جسمانی اور روحانی قوت عطا کی ہے جو پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہے۔ ایمان جتنا مضبوط ہوگا، یہ قوت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ جنات اور بھوت اور چڑیلیں انسان کے اپنے ذہن کی تخلیق ہیں۔ صلیبی ہمارا ایمان کمزور کرنے کے لیے ہم پر وا ہمے اور توہمات طاری کر رہے ہیں۔

یہ سبق قوم کے ہر فرد کو ملنا چاہیے تھا لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ سلطان ایوبی نے لڑاکا جاسوسوں (کمانڈوز) کے جو دستے تیار کیے تھے، انہیں بڑی کاوش سے ذہن نشین کرایا گیا تھا کہ ایمان کی قوت کیا ہوتی ہے۔ انہیں توہمات سے دُور رکھا گیا تھا۔ انہیں عملی سبق بھی دیئے گئے تھے۔

"صلیبیوں نے تمہارے سامنے حضرت عیسیٰ کو زمین پر اُتارا تھا"۔ مہدی الحسن کو علی بن سفیان کا ایک سبق یاد آ گیا تھا۔ "تمہارے سامنے خدا کو بھی انہوں نے زمین پر اُتارا تھا۔ وہ بدروحوں کو بھی بلا ئے۔ تم نے یہ فریب کاری اپنی آنکھوں دیکھی تھی اور یہ بھی دیکھا تھا کہ یہ فریب کاری کیسی کاریگری سے کی جارہی تھی۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہ شعبدہ بازی تھی۔ یہ اسلامی نظریات کو مجروح اور مسخ کرنے کی کوششیں تھی جو تم نے ناکام کیں۔ خدا پہلے ہی زمین پر موجود ہے۔ قرآن کا فرمان ہے کہ کوئی پیغمبر واپس نہیں آئے گا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ خدائے ذوالجلال نے ہمیں اپنا نور دکھا دیا ہے۔ صلیبی اس کوشش میں مصروف ہیں کہ مسلمان کے سینے میں اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن کا یہ نور بجھ جائے"۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج اور خصوصاً اپنے جانباز دستوں کے دلوں میں یہ اصول پیوست کر رکھا تھا..... "اللہ کے نام پر تم جو بھی خطرہ مول لو گے، وہ تمہارے لیے خطرہ نہیں رہے گا، کیونکہ تمہیں خدا کی خوشنودی اور مدد حاصل ہو گی۔ اگر آج تم توہم پرستی کا شکار ہو گئے تو تمہاری اگلی نسل کا ایمان اتنا کمزور ہو گا کہ وہ کفر کے آگے ہتھیار ڈال دے گی"۔

ایسے ہی کچھ اور سبق تھے جو مہدی الحسن کو یاد آ گئے تھے۔ اُسے اپنی اہمیت کا بھی احساس ہو گیا تھا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ وہ معمولی عہدے یا درجے کا جاسوس نہیں تھا۔ اس کی قابلیت اور تجربہ بھی غیر معمولی تھا۔ دشمن کے تخریب کار اُسے قتل کر سکتے تھے۔ اسی علاقے میں اُسے دُور سے تیر مار سکتے تھے، لیکن اُس کے پائے کے جاسوسوں کو دشمن زندہ پکڑنے یا اپنے جال میں پھانس کر اس پر اپنا طلسم طاری کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ صلیبیوں اور حشیشین کے پاس ایسے طریقے تھے جن سے وہ کسی بھی انسان کے ذہن پر قبضہ کر کے اسے اپنے حق میں استعمال کر سکتے تھے۔ مہدی الحسن اُن کے کام کا انسان تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ انہوں نے صرف اس کو پکڑنے کے لیے اس پہاڑی علاقے میں یہ ڈھونگ رچایا تھا۔ اس علاقے میں کسی جگہ انہوں نے اپنا اڈہ بنا رکھا تھا۔ مہدی الحسن کو انہوں نے گڈریے کے روپ میں بھی پہچان لیا تھا۔ چنانچہ اسے پھانسنے کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔

☆

مہدی الحسن لڑکی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے کندھے پر اُٹھائے سرنگ کے دوسرے دہانے کی طرف جا رہا تھا۔ اُسے سارے سبق یاد آ گئے تھے اور اس کے گرد سلطان ایوبی کی آواز گونج رہی تھی..... "جس طرح ایک غدار پوری قوم کو ذلت و رسوائی میں ڈال سکتا ہے، اسی طرح ایک حریت پسند جانباز پوری قوم کو بڑے سے بڑے خطرے سے بچا سکتا ہے"۔

مہدی الحسن کے دل میں یہ احساس ایک بڑا ہی مضبوط جذبہ بن کر بیدار ہو گیا کہ اس کی قوم جو گہری نیند سو رہی ہے، وہ اُسی کے بھروسے پر سو رہی ہے۔ وہ جاسوسوں کی زمیں دوز جنگ کا جانباز تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ قوم بہت بڑے لشکر کا اور گھوڑ سواروں کے طوفان کا اور تیروں کی بوچھاڑوں کا مقابلہ کر سکتی ہے لیکن دشمنوں کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کا مقابلہ صرف ایک یا دو جاسوس ہی کر سکتے ہیں۔ مہدی الحسن مصر اور اپنی قوم کا واحد پاسبان اور سلامتی کا ضامن بن گیا مگر ایک سوال اسے پریشان کر رہا تھا..... "کیا حکیم بھی دشمن کے تخریب کاروں کے گروہ کا فرد ہے؟"

اُس کا ذہن تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ اتنا عالم، معزز اور صاحبِ حیثیت طبیب جس کی عزت حکامِ بالا بھی کرتے تھے، دشمن کا ساتھی ہو سکتا ہے۔ اُسے یاد آیا کہ اُسے جو سبق دیئے گئے تھے اور اس کے اپنے جو تجربے اور مشاہدے تھے، اُن سے اُس پر یہ حقیقت واضح ہوئی تھی کہ ایمان فروشی کا عہدے اور رُتبے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اُس نے دیکھا یہ تھا کہ ایمان کا سودا عموماً اونچے رُتبے کے لوگ کرتے ہیں اور زیادہ بڑا بننے کے لالچ میں آ کر بعض انسان ایمان گروی رکھ دیتے ہیں۔

اُس کے سامنے اب مسئلہ یہ تھا کہ لڑکی کو ساتھ لے کر وہ کس طرف سے باہر نکلے اور اپنے اونٹ تک پہنچے۔ لڑکی سے وہ اس لیے راہنمائی نہیں لینا چاہتا تھا کہ وہ اُسے غلط راستے پر ڈال کر کسی اور جال میں پھانس سکتی تھی۔ وہ جس راستے سے آیا تھا، اُس راستے کو وہ اب مسدود سمجھتا تھا۔ روشنی پھینکنے والوں نے دہانے پر دو تین بار روشنی پھینکی تھی مگر لڑکی کو مہدی الحسن نے سرنگ میں دبوچ رکھا تھا۔ لڑکی کی وہ آواز بھی بند ہوگئی تھی جو مہدی الحسن کو بدروح کا تاثر دیتی تھی۔ ان حالات میں اُسے یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ اُدھر اس گروہ کے آدمی نیچے اُتر آئے ہوں گے۔ سرنگ کی دوسری طرف اُسے معلوم نہیں تھا کہ کسی طرف سے باہر جانے کا راستہ ہے یا نہیں۔

وہ لڑکی کو اُٹھائے سرنگ سے باہر نکل گیا۔ ایک طرف دہانے سے کچھ دُور جا کر اُس نے لڑکی کو زمین پر بٹھا دیا اور اُس کے منہ سے پٹی کھول کر کہا..... ''کیا تم بتاؤ گی کہ میں کس طرف سے جاؤں، جدھر تمہارا کوئی آدمی نہ ہو؟''

''اگر تم اکیلے جاؤ تو بتا سکتی ہوں''۔

''تم میرے ساتھ چلو گی''۔ مہدی الحسن نے کہا..... ''مجھے پھانسے کی کوشش کرو گی تو میں اپنے آپ کو زندہ نہیں رہنے دوں گا، نہ تمہیں زندہ چھوڑوں گا''۔

''میں تمہیں وہ راز بتا دوں جو تم جاننا چاہتے ہو تو اکیلے چلے جاؤ گے؟''

''میں وہ راز جان چکا ہوں''۔ مہدی الحسن نے کہا..... ''مجھے راستہ بتاؤ''۔

''مجھے صرف ایک بار روشنی میں دیکھ لو''۔ لڑکی نے کہا..... ''پھر مجھے اپنا سمجھنا، ایک بار میرے ساتھ چلے چلو، میں تمہیں دھوکہ نہیں دے رہی''۔

لڑکی نے مہدی الحسن کی مردانگی کو بھڑکانے کے جتن کیے۔ زر و جواہرات کے لالچ بھی دیئے مگر اُسے راستہ نہ بتایا۔ مہدی الحسن نے پٹی سے اُس کا منہ بند کر دیا اور خود ہی ایک محفوظ راستہ سوچ لیا۔ یہ راستہ پہاڑیوں کے اوپر تھا۔ اُس نے لڑکی کو وہیں بیٹھے رہنے دیا اور اوپر چڑھنے لگا۔ نیچے کسی کی آواز سن کر وہ وہیں دبک گیا۔ کوئی مرد اس لڑکی کو پکار رہا تھا۔ مہدی الحسن آہستہ آہستہ نیچے آ گیا اور لڑکی کے قریب ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس آدمی نے لڑکی کو شاید دیکھ لیا تھا۔

''تم بولتی کیوں نہیں؟''..... اُس آدمی نے پوچھا اور اوپر آنے لگا۔ لڑکی کا منہ بند تھا۔ وہ آدمی اس کے قریب آ بیٹھا اور بولا..... ''کیا ہوا ہے تمہیں؟ اُدھر نہیں گئی؟''

مہدی الحسن اُس کے عقب میں تھا۔ فاصلہ دو چار قدم تھا۔ اُس نے اُٹھ کر اُس آدمی کی پیٹھ میں خنجر کا بھرپور وار کیا۔ فوراً بعد دوسرا وار کیا۔ جوان آدمی کے دونوں وار دُور تک اُتر گئے۔ اس آدمی کی آواز بھی نہ نکلی۔ مہدی الحسن نے اُسے گھسیٹ کر اُس پتھر کے نیچے پھینک دیا جس کے پیچھے وہ چھپا تھا۔ اُس نے لڑکی کو کندھے پر ڈالا اور پہاڑی پر چڑھ گیا۔ یہ کوئی اونچی پہاڑی نہیں تھی۔ اوپر سے چوڑی تھی۔ وہ اس پر چلنے لگا۔ اس کے لیے آسان طریقہ یہ تھا کہ رات بھر کہیں چھپا رہتا اور دن کی روشنی میں نکل جاتا، لیکن اُس کی کوشش یہ تھی کہ بہت جلد قاہرہ پہنچ جائے، تا کہ حکیم کی گرفتاری اور اس علاقے کو محاصرے میں لینے کا انتظام صبح سے پہلے ہو جائے۔

اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا جہاں مشعل کی روشنی تھی۔ اب چونکہ وہ خود بلندی پر تھا، اس لیے اُسے بالمقابل بلندی پر مشعل صاف نظر آ رہی تھی۔ ایک آدمی دونوں ہاتھوں میں آئینے کی طرح چمکتی چادر (دھات کی یا ابرق کی) اُٹھائے اِدھر اُدھر عکس مار رہا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔ مہدی الحسن کے لیے اوپر اوٹ تھی۔ وہ اس کی مدد سے روشنی سے بچتا

آگے ہی آگے بڑھتا گیا حتیٰ کہ مشعل اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

☆

اسی پہاڑی خطے میں دُور اندر جہاں تک کوئی مسافر اور کوئی گڈریا نہیں پہنچ سکتا تھا، ایک پہاڑی کے دامن میں غار کا تنگ سا دہانہ تھا۔ اس کے پیچھے غار اتنا وسیع تھا جو غار نہیں بلکہ بہت ہی کشادہ کمرہ تھا۔ اس میں بہت سے آدمی بیٹھے تھے۔ دو لڑکیاں بھی تھیں۔

''اب تک اُسے واپس آجانا چاہیے تھے''...... ایک آدمی نے کہا۔

''آجائے گی'' ایک اور نے کہا...... ''یہاں کون سا خطرہ ہے۔ آج وہ اُسے لے کے ہی آئے گی''۔

''آدمی کام کا ہے''...... ایک نے کہا...... ''کمبخت بہت تجربہ کار ہے۔ ہم اسے تیار کرلیں گے''۔

اتنے میں ایک آدمی دوڑتا اندر آیا اور بولا...... ''گوپل مرا پڑا ہے اور لڑکی کا کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ کہاں ہے۔ گوپل کو خنجروں سے ہلاک کیا گیا ہے''۔

''وہ (مہدی الحسن) کہاں ہے؟''...... کسی نے پوچھا۔

''کہیں نظر نہیں آرہا''...... اُسے جواب ملا...... ''اُس کا اونٹ یہیں ہے، وہ خود کہیں نظر نہیں آرہا''۔

سب باہر کو دو مشعلیں اُٹھا کر دوڑ پڑے اور سرنگ کے دہانے تک گئے۔ وہاں اُن کے ساتھی کی لاش پڑی تھی۔ سرنگ میں جا کر دیکھا۔ لڑکی کا کفن پڑا تھا۔ اُس کے لیڈر نے سب سے کہا کہ دو آدمی باہر چلے جاؤ، اگر باہر سے کوئی خطرہ آئے تو اطلاع دو، اگر وہ نظر آئے تو اُسے پکڑلو۔ مقابلہ کرے تو مار ڈالو اور باقی آدمی پھیل جاؤ۔ وہ یہیں کہیں ہوگا۔ اگر وہ صبح تک نہ ملے تو یہاں سے نکلو۔

اُس وقت مہدی الحسن لڑکی کو کندھے پر اُٹھائے ایک مشکل میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ سرنگ والی پہاڑی سے دُور نکل گیا تھا۔ آگے پہاڑی دیوار کی طرح ہوگئی تھی۔ نہ دائیں ڈھلان تھی نہ بائیں۔ اور یہ بلند تھی۔ یہ بالکل دیوار تھی جس پر بیک وقت دونوں پاؤں نہیں رکھے جاسکتے تھے۔ وہ اس پر اس طرح بیٹھ گیا جس طرح گھوڑے پر بیٹھتے ہیں، وہ آگے کو سرکنے لگا۔ لڑکی کو کندھے پر سنبھالنا اور توازن قائم رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ لڑکی نے اُس کے توازن کو بگاڑنے کے لیے تڑپنا شروع کر دیا۔ مہدی الحسن کو معلوم تھا کہ یہاں سے گرا تو ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اس سے اُس نے اندازہ لگایا کہ یہاں جو بھید ہے وہ اتنا قیمتی اور نازک ہے کہ یہ لڑکی اسے چھپائے رکھنے کی خاطر مہدی الحسن کو اپنے ساتھ گرا کر خود بھی مرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ دیوار ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی اور لڑکی اس سے سنبھل نہیں رہی تھی۔ اُدھر لڑکی کے گروہ کے آدمی تلاش اور تعاقب میں پھیل گئے تھے۔ اُن کے لیے یہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔ تخریب کاری کے اڈے کا پکڑے جانا اُن کی شکست تھی اور ان میں سے جنہیں پکڑے جانا تھا، اُن کے لیے بڑی ہی اذیت ناک موت تھی۔ مہدی الحسن نے لڑکی کے گرد بازو اس قدر زور سے لپیٹ لیا کہ اُس کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں۔ وہ تو اپنی روح کی بھی طاقت استعمال کر رہا تھا۔ آخر یہی طاقت اسے دیوار سے گزار لے گئی۔ آگے وہ چوٹی آئی وہ خاصی چوڑی تھی۔ مہدی الحسن نے لڑکی کو زمین پر پٹخ دیا اور غضب ناک آواز میں بولا...... ''کیا تم میرا راستہ روک لوگی؟''...... اُس نے لڑکی کو اپنے غصے کا ذائقہ چکھانے کے لیے دو چار قدم پیٹھ کے بل گھسیٹا اور کہا۔ ''میرے لیے کوئی مشکل پیدا کی تو میں تمہیں اسی طرح گھسیٹ کر ساتھ لے جاؤں گا۔ مرتی ہو تو مر جاؤ''۔

اُسے دُور نیچے ایک مشعل دکھائی دی۔ وہ بہت تھک گیا تھا اور وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ خطرے سے نکل آیا ہے

مگر اس جگہ سے نکلنا ابھی ٹیڑھا مسئلہ بنا ہوا تھا۔ اسے بہت جلدی قاہرہ پہنچنا تھا۔ اُس نے لڑکی کے پاؤں کھول دیئے۔ ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے رہنے دیئے۔ اُسے آگے کرلیا اور خنجر کی نوک اس کی پیٹھ کے ساتھ لگا کر کہا...... ''چلو، میرے کہے بغیر دائیں بائیں نہ گھومنا''۔

☆

تعاقب میں جو آدمی نکلے تھے، وہ سرنگ میں اور اُس کے اِردگرد وادیوں میں گھوم پھر رہے تھے۔ دو آدمی اُس جگہ جا کھڑے ہوئے جہاں سے مہدی الحسن اندر آتا جاتا تھا۔ مہدی الحسن ڈھلانیں اُترتا اور چڑھائیاں چڑھتا ایک ایسی چٹان پر جا پہنچا۔ جہاں آگے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ زمین کا بھیدی تھا۔ اُسے اتنا تجربہ تھا کہ اندھیرے میں بھی اجنبی زمین کے خدوخال بھانپ لیا کرتا تھا۔ اُسے یہ سمجھنے میں کچھ دیر لگی کہ نیچے دریا ہے اور یہ دریائے نیل ہے۔ اُس نے لڑکی کے ہاتھ بھی کھول دیئے اور منہ سے بھی پٹی اُتار دی۔ چٹان کی ڈھلان کھڑی تھی۔ لڑکی سے کہا کہ بیٹھو اور نیچے کو سرکو۔

دونوں سرک کر نیچے گئے، پانی کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔ چٹان کی ڈھلان ختم ہو چکی تھی۔ وہ ابھی دریا کی سطح سے بلند تھے۔ اُس نے لڑکی سے کہا کہ دریا میں کودو۔ لڑکی بولی...... ''میں تیرنا نہیں جانتی''۔

مہدی الحسن نے خنجر نیام میں ڈالا اور لڑکی کو اپنے بازوؤں میں لے لیا جیسے بغل گیر ہوا جاتا ہے۔ اس نے لڑکی کو مضبوط گرفت میں لیے ہوئے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ دریا کا رُخ قاہرہ کی طرف تھا۔ لڑکی کو اُس نے دانستہ چھوڑ دیا۔ اُس نے دیکھا کہ لڑکی تیر رہی ہے۔

''مجھے معلوم تھا کہ تم تیر سکتی ہو''...... مہدی الحسن نے کہا...... ''تمہیں ہر ڈھنگ سکھا کر ہمارے ملک میں بھیجا جاتا ہے۔ زیادہ زور نہ لگاؤ، دریا اُدھر ہی جا رہا ہے، جدھر ہم جا رہے ہیں''۔

اُن کے ایک طرف چٹانیں اور پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ انہیں تلاش کرنے والے اس کوہسار کے دوسری طرف بھاگ دوڑ رہے تھے۔ لڑکی نے تیرتے تیرتے ایک بار پھر کوشش کی کہ مہدی الحسن کو اپنے جواں جسم کا اسیر بنا لے لیکن اُس نے کوئی اثر نہ لیا۔ بہت دُور آگے جا کر جب مہدی الحسن نے دیکھا کہ وہ خطرے کے علاقے سے دُور آ گیا ہے، منہ میں دو انگلیاں ڈال کر خاص انداز سے سیٹیاں بجائیں۔ وہ تیرتا بھی گیا اور وقفے وقفے سے سیٹیاں بھی بجاتا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے دُور سے ایسی ہی سیٹی سنائی دی، پھر سیٹیوں کا تبادلہ ہوا، ایک کشتی اُن کے قریب آ گئی۔

مہدی الحسن کو معلوم تھا کہ جس طرح سرحد پر گشتی سنتری گھومتے پھرتے رہتے ہیں، اسی طرح دریا میں بھی گشتی پہرہ ہوتا ہے۔ خطرے کے وقت ایک دوسرے کو بلانے کے لیے وہ منہ سے اسی طرح سیٹی بجایا کرتے تھے۔ یہ کشتی گشتی سنتریوں کی تھی۔ مہدی الحسن نے اپنا تعارف کرایا۔ سنتریوں نے اُسے اور لڑکی کو کشتی میں بٹھا لیا۔

☆

علی بن سفیان گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اُسے ملازم نے جگایا اور بتایا کہ مہدی الحسن نام کا ایک آدمی ایک لڑکی کو ساتھ لے کے آیا ہے۔ مہدی الحسن کا نام ہی کافی تھا۔ علی بن سفیان اُچک کر اُٹھا اور باہر کو دوڑا۔ مہدی الحسن اور لڑکی کے کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ دونوں کو کمرے میں بٹھایا۔ قندیل جل رہی تھی۔ مہدی الحسن نے پہلی بار لڑکی کا چہرہ دیکھا اور سوچا کہ لڑکی نے ٹھیک کہا تھا کہ مجھے روشنی میں دیکھو گے تو سب کچھ بھول جاؤ گے''۔

مہدی الحسن نے حکیم کا نام لے کر کہا...... ''اُس کے گھر پر فوراً چھاپہ ماریں''۔

''مہدی!''......علی بن سفیان نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا......''کس کی بات کر رہے ہو؟''

''کیا ایمان فروشی کوئی نئی خبر ہے؟''......مہدی الحسن نے کہا اور لڑکی سے پوچھا......''حکیم تمہارا ساتھی ہے نا؟ یہاں جھوٹ بولو گی تو انجام بڑا ہی بھیانک ہوگا''۔

لڑکی نے سر جھکا لیا۔ علی بن سفیان نے اُس کے بھیگے ہوئے سر ہاتھ رکھ کر کہا......''یہاں تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوگا جو تم سوچ رہی ہو۔ تمہارے حسن اور جوانی کے لیے ہم پتھر ہیں اور جب ہم بس بے عورت کی عزت کرنے پر آتے ہیں تو ہم ریشم کی طرح ملائم اور نرم ہیں......حکیم تمہارا ساتھی ہے؟''

لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا۔

مہدی الحسن نے نہایت مختصر طور پر سنایا کہ وہ کیا دیکھ کر آیا ہے اور حکیم نے اُسے بدروح کا کس طرح جھانسہ دیا تھا۔

علی بن سفیان نے ملازم اور اپنے محافظوں کو بلایا اور انہیں مختلف کمان داروں کی طرف پیغامات دے کر دوڑا دیا۔

کوتوال غیاث بلبیس کو بھی بلوا لیا۔ اُس نے اس قسم کے ہنگامی حالات کے لیے زیادہ نفری کا ایک دستہ تیار کر رکھا تھا جو چند منٹوں میں کارروائی کے لیے تیار ہو جاتا تھا۔ مہدی الحسن کی رپورٹ پر یہ دستہ فوراً تیار ہو گیا۔ علی بن سفیان نے غیاث بلبیس کے سپرد یہ کام کیا کہ حکیم کے گھر چھاپہ مارے اور اُسے گرفتار کر کے اُس کے مکان اور دواخانے کو سر بمہر کر دے۔ اُس نے خود سواروں کو ساتھ لیا۔ ایک گھوڑے پر مہدی الحسن کو دوسرے پر لڑکی کو بٹھایا اور واردات والے علاقے کو روانہ ہو گیا۔

وہ جگہ بہت دُور نہیں تھی۔ لڑکی کے گروہ کے آدمی اُس وقت تک تلاش سے مایوس ہو چکے تھے۔ انہوں نے تھک ہار کر فیصلہ کیا کہ وہاں سے نکل بھاگیں۔ انہیں خدشہ یہ تھا کہ لڑکی اگر قاہرہ پہنچ گئی تو وہ نشاندہی کر دے گی۔ گروہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کچھ آدمی کہتے تھے کہ مہدی الحسن کا اونٹ یہیں ہے۔ وہ اگر نکل گیا ہے تو اتنی جلدی قاہرہ نہیں پہنچ سکے گا۔ اسی کشمکش میں انہوں نے وہاں سے بھاگنے میں وقت ضائع کر دیا۔ آخر وہ اپنا سامان سمیٹ کر غار نما کمرے سے نکلے مگر انہیں گھوڑوں کے قدموں کے دھماکے سنائی دینے لگے۔ باہر نکلنے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔

علی بن سفیان کے سواروں نے مشعلیں جلا لیں اور وادیوں میں پھیل گئے۔ لڑکی کو ساتھ رکھا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کا گروہ کہاں رہتا ہے۔ وہاں گئے تو غار کے اندر سے چار پانچ آدمی پکڑے گئے۔ اندر مختلف قسم کے سامان کے انبار تھے، جن میں آتش گیر مادہ، تیر و کمان اور خنجر تھے اور ایک مضبوط بکس میں سونے اور چاندی کے وہ سکے تھے جو مصر میں رائج تھے۔ ان آدمیوں میں صرف ایک صلیبی تھا، باقی قاہرہ کے مسلمان تھے۔ اُن کی نشاندہی پر گروہ کے دوسرے افراد کی تلاش شروع ہوئی۔ ساری رات اور اگلا پورا دن تلاش جاری رہی جس کے نتیجے میں باقی افراد بھی پکڑے گئے جن میں دو ایسی ہی لڑکیاں تھیں جیسی مہدی الحسن نے پکڑی تھی۔

☆

اُدھر قاہرہ میں حکیم کے گھر کو گھیرے میں لے کر اُس کے دروازے پر دستک دی گئی تو دروازہ ایک ملازم نے کھولا۔ غیاث بلبیس اپنے چند ایک آدمیوں کے ساتھ اندر چلا گیا۔ اُس کے آدمی کمروں میں گھس گئے۔ اُن کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ حکیم کے سونے کا کمرہ اندر سے بند تھا۔ دروازہ ایک نیم برہنہ لڑکی نے کھولا۔ حکیم پلنگ پر نیم برہنہ پڑا تھا۔ پلنگ کے قریب صراحی اور پیالے رکھے تھے۔ حکیم نشے کی حالت میں بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے مریض اور معتقد تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ حکیم اس حالت تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ لڑکی اُس کی بیوی نہیں تھی اور وہ مسلمان بھی نہیں تھی۔ یہ

صلیبیوں کا بھیجا ہوا تحفہ تھا اور اُس کے گھر سے جو دولت برآمد ہوئی، وہ یقیناً حکمت کی آمدنی نہیں تھی۔

حکیم اُس وقت ہوش میں آیا جب وہ قید خانے کے تہہ خانے میں بندھا ہوا تھا۔ غیاث بلبیس کو اطلاع دی گئی کہ حکیم بیدار ہو گیا ہے۔ وہ حکیم کے پاس گیا اور اُسے کہا کہ وہ اب کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کرے۔ ذرا سی پس و پیش کے بعد اُس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ اُس نے دو نائب سالاروں کے نام لے کر بتایا کہ وہ مصر میں سلطان ایوبی کا تخت اُلٹنا چاہتے تھے۔ یہ گروہ صلیبیوں نے تیار کیا تھا۔ حکیم کو یہ لڑکی تحفے کے طور پر اور بے انداز رقم دے کر اس گروہ میں شامل کیا گیا تھا۔ اُس کی یہ شرط بھی مان لی گئی تھی کہ نئی حکومت میں اُسے وزارت کے درجے کا عہدہ دیا جائے گا۔ حکیم چونکہ بڑے بڑے افسروں میں بھی مقبول تھا اور وہ قابل حکیم بھی تھا، اس لیے اُسے کی ہر بات برحق مانی جاتی تھی۔ اس مقبولیت اور اثر و رسوخ سے یہ فائدہ اُٹھاتا رہتا کہ سلطان ایوبی کے خلاف نفرت پھیلاتا رہا۔

قاہرہ میں جو تخریب کاری کے واقعات ہوئے تھے، ان میں حکیم ذمہ داری سے ملوث تھا۔ اُس نے اپنی حیثیت اور مقبولیت سے یہ فائدہ بھی اُٹھایا کہ علی بن سفیان کے بعض جاسوسوں کو پہچان لیا تھا۔ اُن میں مہدی الحسن بھی تھا جو اُس پہاڑی علاقے میں جانے لگا جس میں تخریب کاروں کا اڈہ تھا۔ پہلے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔ حکیم نے اُسے دیکھ لیا۔ اتفاق سے حکیم نے مہدی الحسن کے متعلق بھی معلوم کر رکھا تھا کہ قابل اور جرأت مند جاسوس ہے۔ حکیم نے فیصلہ کیا کہ اتنے تجربہ کار آدمی قتل کرنے کی بجائے ایسے طریقے سے اپنے جال میں پھانسا جائے کہ وہ اس گروہ کے لیے کام کرے۔ گروہ کے پاس ایسے طریقے موجود تھے۔ وہ چند ایک مصری جاسوسوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر استعمال کر رہے تھے۔ علی بن سفیان کا شعبہ انہیں اپنے دیانت دار جاسوس سمجھتا تھا۔

حکیم نے مہدی الحسن کو پھانسنے کا یہ طریقہ اختیار کیا جو سنایا جا چکا ہے۔ اُسے پورا یقین تھا کہ مہدی الحسن اتنی حسین ''بدروح'' کے جھانسے میں آجائے گا۔ آگے حشیشین اور صلیبی ماہرین اس کے ذہن کو اپنے قبضے میں لے لیں گے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا اور جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ وہ کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ یہ ایک عام طریقہ تھا۔ یہ طریقہ اور یہ شعبدہ بازی صرف اُن پر کامیاب نہیں ہوتی تھی جن کا ایمان مضبوط ہوتا تھا۔ مہدی الحسن انہی ایمان والوں میں سے نکلا۔

جو دو کمان دار پُراسرار طور پر مر گئے تھے، اُن کے متعلق حکیم نے بتایا کہ انہیں قتل کیا گیا تھا۔ دونوں کو حکیم نے وہ زہر دیا تھا جس سے ذرّہ بھر تلخی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ انسان اپنے اندر کوئی تکلیف یا تبدیلی محسوس نہیں کرتا تھا اور بارہ گھنٹوں بعد اچانک مر جاتا تھا۔ ان دونوں کو قتل کرنے کی ضرورت یہ پیش آئی تھی کہ سلطان ایوبی اور اس کی حکومت کے وفادار تھے۔ دین دار مسلمان تھے۔ انہیں خریدنے کی کوشش کی گئی تھی مگر وہ ایمان بیچنے کی بجائے ایمان خریدنے والوں کے لیے خطرہ بن گئے تھے۔ حکیم پہلے ان میں سے ایک کو اس طرح ملا جیسے اتفاقیہ آمنا سامنا ہو گیا ہو۔ باتوں باتوں میں حکیم نے اُسے کسی بیماری کے وہم میں مبتلا کیا اور دوائی خانے میں بلا کر اُسے دوائی کے بہانے زہر دے دیا، جو حشیشین کی ایجاد تھا۔ چند دنوں بعد دوسرے کمان دار کے ساتھ بھی حکیم نے ایسی ہی ''اتفاقیہ'' ملاقات کی اور اُسے بھی کسی خفیہ بیماری کے وہم میں ڈال کر زہر دے دیا۔

حکیم نے یہ انکشافات از خود ہی نہیں کر دیئے تھے۔ اُس کی زبان تہہ خانے کی اذیتوں نے کھلوائی تھی۔ اُس نے بتایا کہ فوج میں ایک طرف تو بے اطمینانی پھیلائی جا رہی ہے اور دوسری طرف اس میں نشے اور جنسی لذّت پرستی کی عادت پیدا کی جا رہی ہے۔ فوجی افسروں کو حکومت کے خلاف کیا جا رہا ہے اور جو مضبوط جذبے والے ہیں، انہیں پُراسرار طریقے سے قتل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ سوڈان کی فوج عنقریب مصر کی سرحدوں پر مصری سرحدی چوکیوں پر حملوں کا سلسلہ شروع

کرنے والی ہے۔اس سلسلے کی نگرانی اور قیادت صلیبی کریں گے۔سرحدی دیہات کے لوگوں کو سوڈانی اپنے زیراثر لیں گے۔

علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے مصر کے قائم مقام امیر العادل کو ان گرفتاریوں، تفتیش اور انکشافات سے باخبر رکھا لیکن اور کسی کو اس راز میں شریک نہیں کیا گیا۔حکیم اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے جن نائب سالاروں اور دیگر عہدوں کے افراد کے نام بتائے تھے، انہیں گرفتار کرنا ضروری تھا لیکن العادل (سلطان ایوبی کا بھائی) گھبرا گیا۔اُس نے اس راز کو راز ہی رکھنے کا حکم دیا اور کہا کہ یہ صورت اتنی نازک ہے کہ اسے سلطان ایوبی خود ہی آکر سنبھالے تو بہتر ہے۔معاملہ بڑا ہی نازک تھا۔اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ سلطان ایوبی کے پاس خود جائے اور اُسے مصر آنے کو کہے یا اس سے ہدایات لے لے۔

العادل کی روانگی خفیہ رکھی گئی۔تمام مشتبہ نائب سالاروں وغیرہ کے ساتھ ایک ایک جاسوس سائے کی طرح لگا دیا گیا۔

☆

''میں کوئی نئی خبر نہیں سن رہا''۔شام میں حلب کے قریب اپنے ہیڈ کوارٹر میں العادل سے ساری بات سن کر سلطان ایوبی نے کہا......''میں کہہ نہیں سکتا کہ قوم میں ایمان فروشی کا جو مرض پیدا ہو گیا ہے، اس کا یہ علاج ہوگا۔میری نظریں بیت المقدس پر نہیں یورپ پر لگی ہوئی ہیں مگر میرے ایمان فروش بھائی مجھے مصر سے نہیں نکلنے دے رہے......تم یہ محاذ سنبھالو، میں دمشق جاتا ہوں، وہاں سے مصر چلا جاؤں گا''۔

سلطان ایوبی نے العادل کو محاذ کی تمام تر صورتِ حال بتائی، ہدایات دیں اور کہا کہ اپنے جاسوس اتنی دُور تک گئے ہوئے ہیں کہ صلیبیوں نے اگر حملہ کیا تو تمہیں کم از کم دو تین روز پہلے اطلاع مل جائے گی۔چھاپہ مار جیش ہر وقت تیاری کی حالت میں رہتے ہیں۔میں نے انہیں حملے کے ممکنہ راستوں کے اِرد گرد چھپا رکھا ہے، تازہ اطلاعات یہ ہیں کہ صلیبی حملہ نہیں کریں گے۔اگر میری غیر حاضری سے وہ فائدہ اُٹھانے کی سوچ لیں تو گھبرانا نہیں۔قلعہ بند ہو کر نہ لڑنا۔دشمن کو آگے آنے دینا۔پہلا وار دشمن کو کرنے دینا۔بے شک پیچھے ہٹ جانا، زمین موزوں ہے۔بلندیوں پر قبضہ رکھنا۔

''اور خاص طور پر یاد رکھو''......سلطان ایوبی نے کہا......''الملک الصالح، سیف الدین اور جن اُمراء نے ہماری اطاعت قبول کی ہے، صلیبیوں کے حملے کی صورت میں ان پر اعتبار نہ کرنا۔ان کے ذہنوں سے بادشاہی کی خواہش نکلی نہیں۔معاہدے کے مطابق وہ کوئی فوج نہیں رکھ سکتے۔میں نے ان کے اندر تک جاسوس بھیج دیئے ہیں اور میں نے زندگی میں پہلی بار اپنے اصول کے خلاف یہ انتظام کر دیا کہ ہمارے یہ مسلمان بھائی ذرا سی بھی مخالفانہ حرکت کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے''۔

قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں ربیع الاوّل ۵۷۲ ہجری (ستمبر ۱۱۷۶ء) کا مہینہ لکھا ہے جب سلطان ایوبی العادل کو محاذ پر چھوڑ کر دمشق گیا۔اُس کا ایک اور بھائی شمس الدولہ طوران شاہ یمن سے واپس آچکا تھا۔یمن میں بھی صلیبی اثرات پیدا ہو گئے تھے اور وہاں کے مسلمان سلطنتِ اسلامیہ کے خلاف باغی ہو رہے تھے۔سلطان ایوبی نے وہاں شمس الدولہ کو بھیجا تھا جو کامیاب لوٹا تھا۔سلطان ایوبی نے اُسے دمشق کا گورنر مقرر کیا اور اکتوبر ۱۱۷۶ء میں مصر کو روانہ ہو گیا۔

قاہرہ پہنچتے ہی اُس نے تمام مشتبہ افراد کو کسی کے عہدے کا لحاظ کیے بغیر گرفتار کرنے کا حکم دیا۔اُن کی گرفتاری کے اگلے روز اُس نے وہ تمام سونا اور خزانہ پریڈ کے میدان میں رکھوایا جو غار سے برآمد ہوا تھا۔اُس وقت تک جتنی صلیبی لڑکیاں پکڑی جا چکی تھیں اور اب جو پکڑی گئیں تھیں، انہیں خزانے کے انبار کے قریب کھڑا کیا گیا۔اِن میں حکیم بھی تھا، نائب سالار بھی تھے اور کمان دار بھی۔سب زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔مصر میں جتنی فوج تھی، اُسے ان کے قریب سے گزار کر میدان میں کھڑا کیا گیا۔

سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار آیا اور فوج کے سامنے رُکا۔

''مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہیں حکومت کے خلاف اُکسایا جا رہا ہے''۔ سلطان ایوبی نے بلند اور گرج دار آواز میں کہا...... ''اگر تم میں سے کوئی مجھے یقین دلا دے کہ اسلام کی عظمت اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کی خاطر تمہیں میرے خلاف اور میری حکومت کے خلاف بھڑکا رہا ہے اور وہ قبلۂ اوّل کو کفار سے آزاد کرانے کا عزم رکھتا ہے اور وہ سپین پر حملہ کر کے اس ملک کو ایک بار پھر سلطنتِ اسلامیہ کا عزم کیے ہوئے ہے تو وہ سامنے آئے، میری تلوار لے لے اور میرے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ میں اُس کے حق میں سلطانی سے دست بردار ہوتا ہوں''۔

ہر طرف سناٹا طاری ہو گیا۔

سلطان ایوبی پیچھے کو مڑا اور ملزموں سے کہا...... ''میری جگہ لینے والا تم میں ہے۔ وہ کون ہے؟ آگے آئے۔ ربِ کعبہ کی قسم! میں سچے دِل سے اپنی حکومت اُس کے حوالے کر دوں گا اور خود اس کے حکم کا پابند رہوں گا''۔

خاموشی۔ گہرا سکوت۔

''اللہ کے شیرو!'' سلطان ایوبی فوج سے مخاطب ہوا۔ ''تمہیں بغاوت پر نہ اسلام کی عظمت کے لیے اُکسایا جا رہا، نہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نامِ مقدس کی خاطر۔ تمہیں جو خزانہ دکھایا گیا ہے اور جو لڑکیاں تمہارے سامنے کھڑی ہیں، یہ وہ انعام ہیں جو اِن لوگوں کو دیا گیا ہے۔ یہ ان کے ایمان کی قیمت ہے۔ میں اِن سب سے کہتا ہوں کہ آگے آئیں اور کہیں کہ میں نے جو کہا ہے، یہ جھوٹ ہے''۔

کوئی آگے نہ آیا۔ سلطان ایوبی گھوڑے سے اُترا اور ملزموں سے حکیم کو بازو سے پکڑا۔ اُسے اپنے گھوڑے کے قریب لے جا کر کہا...... ''میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور کہو کہ ایوبی جھوٹ بول رہا ہے''۔

حکیم گھوڑے پر سوار ہو گیا مگر اُس نے سر جھکا لیا۔

''کہو سلطان جھوٹ بول رہا ہے''۔ سلطان ایوبی نے غضب ناک آواز میں کہا۔

حکیم نے سر اُٹھایا اور بلند آواز سے کہا...... ''سلطان ایوبی نے جو کہا ہے، سچ کہا ہے''۔ اور وہ گھوڑے سے کود آیا۔

وقائع نگار لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کو پہلی بار غصے میں دیکھا گیا۔ حکیم گھوڑے سے اُتر کر سر جھکائے کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے تلوار نکالی اور ایک ہی وار میں حکیم کا سر تن سے جدا کر دیا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بڑی ہی بلند آواز سے چلایا...... ''اللہ کے سپاہیو! عظمتِ اسلام کے پاسبانو! اگر میں نے بے انصافی کی ہے تو یہ لو، میری تلوار سے میری گردن اُڑا دو''...... اُس نے اپنی تلوار برچھی کی طرح فوج کی طرف پھینکی۔ تلوار کی نوک زمین میں گڑ گئی اور تلوار جھولنے لگی۔

سب سے آگے والا سالار گھوڑے سے کود کر اُترا۔ تلوار زمین سے اُکھاڑ کر اور دونوں ہاتھوں میں رکھ کر سلطان ایوبی کو پیش کی اور کہا۔ ''سلطان! اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں''...... فوج میں اتنا شور اُٹھا کہ سالار کی آواز دب گئی۔ فوج ملزم کے خلاف بھڑک اُٹھی تھی۔ سلطان ایوبی نے ہاتھ اوپر کر کے فوج کو خاموش کیا اور تخریب کاروں کے جرائم سنائے۔

اُسی روز سلطان ایوبی نے سوڈان کو اپنا ایلچی اس تحریری پیغام کے ساتھ روانہ کر دیا کہ اگر سوڈان کی فوج نے مصر کی سرحد پر ذرا سی بھی بدامنی پیدا کی تو اُسے مصر پر حملہ تصور کیا جائے گا اور اس کے جواب میں ہم سوڈان پر حملہ کرنے میں حق بجانب اور آزاد ہوں گے اور ہم سوڈان پر اسلامی پرچم لہرا کر دم لیں گے۔

......۞......

ایک منزل کے مسافر

خون جو سلطان صلاح الدین ایوبی کی تلوار سے ٹپک رہا تھا، وہ صاف کیے بغیر اُس نے تلوار نیام میں ڈال لی۔ یہ خون اُس غدار حکیم تھا جو صلیبیوں کا جاسوس اور تخریب کار بنا ہوا تھا۔

فوری طور پر جنہیں غداری اور دشمن کے ساتھ ساز باز کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا، وہ پابجولاں قید خانے کی طرف لے جائے جا رہے تھے۔ سلطان ایوبی اپنے سالاروں، نائب سالاروں، فوج اور شہری انتظامیہ کے اعلیٰ حکام کے اجلاس میں بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔ وہ بہت کچھ کہہ چکا تھا اور بہت کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ اجلاس کے حاضرین اُس کی جذباتی کیفیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ سلطان ایوبی سے نظریں ملانے سے بھی ڈرتے تھے۔

''سلطانِ عالی مقام!'' ایک سالار نے کہا..... ''ہم صلیبیوں کی کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دیں گے''۔

سلطان ایوبی نے بڑی تیزی سے نیام سے تلوار نکالی۔ تلوار خون آلود تھی۔ اُس نے تلوار حاضرین کے آگے کر کے کہا..... ''یہ خون کس کا ہے؟..... یہ تم سب کا خون ہے۔ یہ میرا خون ہے۔ یہ ہمارے اُس بھائی کا خون ہے جو ہمارے ساتھ مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھا کرتا تھا۔ اُس کے گھر میں قرآن بھی ہے۔ اگر یہ خون غدار ہو سکتا ہے تو صلیبیوں کی ہر سازش کامیاب ہوگی..... صلیبیوں کی یہ سازش کامیاب ہو چکی ہے۔ وہ اسلام کی اُن افواج کو جنہیں متحد ہو کر فلسطین کو صلیبی استبداد سے آزاد کرانا تھا، آپس میں لڑا کر ہمیں اتنا کمزور کر چکے ہیں کہ ہم ایک لمبے عرصے تک فلسطین کی طرف کوچ کرنے سے معذور ہو گئے ہیں۔ ہماری منزل بیت المقدس تھی۔ ہمیں آج قاہرہ میں نہیں یروشلم میں ہونا چاہیے تھا مگر اسلام کی جنگی طاقت تباہ ہو گئی ہے''۔

سلطان ایوبی نے تلوار اپنے دربان کی طرف پھینکی، پھر نیام بھی اُتار کر اُسے دی اور کہا..... ''اگر یہ خون کسی کافر کا ہوتا تو میں نیام صاف نہ کراتا۔ یہ ایک غدار کا خون ہے۔ نیام میں اُس کی بو بھی نہ رہے''..... دربان تلوار اور نیام صاف کرنے کے لیے باہر گیا۔ سلطان ایوبی نے اجلاس کے حاضرین سے کہا..... ''صلیبیوں کی سازش کامیاب ہو چکی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں حلب سے آگے نہ جا سکوں۔ دیکھ لو، میں آگے جانے کی بجائے قاہرہ میں آ گیا ہوں۔ اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھو۔ اب صلیبی آگے بڑھیں گے۔ ہم جب آپس میں لڑ رہے تھے، وہ ہمیں فیصلہ کن شکست دینے کی تیاریاں کر رہے تھے''۔

''ہم نے مسلمانوں کو لڑا کر صلاح الدین ایوبی کا رُخ پھیر دیا ہے''۔ یہ تریپولی (لبنان) کا صلیبی حکمران ریمانڈ کہہ رہا تھا۔ صلیبی جاسوسوں نے وہاں خبر پہنچا دی تھی کہ سلطان ایوبی حلب سے مصر چلا گیا ہے اور اس کی جگہ اُس کا بھائی العادل محاذ پر آیا ہے۔ یہ خبر یروشلم تک پہنچ گئی تھی۔ یہ خبر عکرہ تک بھی پہنچ گئی تھی جہاں صلیبِ اعظم تھی اور جہاں بڑا پادری بھی تھا جسے صلیبِ اعظم کا محافظ کہتے تھے۔ وہ فوراً تریپولی جمع ہو گئے تھے۔ اُن کے ہاں بھی ایسی ہی کانفرنس ہو رہی تھی جیسی سلطان ایوبی نے بلا رکھی تھی۔

''ایوبی یروشلم کو فتح کرنے نکلا تھا'' ۔ ریمانڈ کہہ رہا تھا...... ''ہم نے ایک بھی تیر چلائے بغیر اُسے مصر کی طرف پسپا کر دیا ہے۔ اُس کے ہاتھوں اُن مسلمان اُمراء اور حکمرانوں کو بے کار کر دیا ہے جو کسی بھی وقت ہمارے خلاف ایوبی کی قوت بن سکتے تھے۔ ہم اس سے بڑی اور کیا کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے''۔

''یہ کامیابی اتنی بڑی نہیں ہے جتنی آپ نے کہا ہے'' ...... ایک صلیبی حکمران بالڈون نے کہا...... ''ہم نے حملے کے لیے زمین ہموار کی ہے۔ اصل کام تو حملہ ہے۔ اس کی کامیابی کو ہم بہت بڑی کامیابی کہیں گے۔ فوجیں فوراً جمع کرواور پیش قدمی کرواور سلطان ایوبی کو سنبھلنے کا موقعہ نہ دو''۔

''اگر ہم نے اپنے آپ کو بہت جلدی نہ سنبھالا تو میں بتا نہیں سکتا کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے''۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور دیگر حکام سے کہا...... ''آج ہی سے نئی بھرتی شروع کر دو۔ سوار زیادہ ہونے چاہئیں۔ سوڈان کے اُن جوانوں کو بھی بھرتی کرو جنہیں سات سال ہوئے بغاوت کے جرم میں فوج سے نکال کر قابلِ کاشت زمینوں پر آباد کیا گیا تھا۔ انہوں نے مصر میں اتنی خوشحالی دیکھی ہے کہ اب دھوکہ نہیں دیں گے۔ ایسے جوان جو گھوڑ سواری اور تیغ زنی کی سوجھ بوجھ رکھتے ہوں، انہیں جنگی تربیت دو۔ میں بہت جلدی مصر سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ اگر صلیبیوں کا دماغ خراب ہو گیا ہو تو دُنیائے عرب اُن کی دستبرد سے بچ جائے گی اور اگر اُن کا دماغ ٹھکانے ہے تو انہیں میری غیر حاضری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے فوراً حملہ کر دینا چاہیے۔ وہ اناڑی نہیں۔ میرے لیے یہ حالات انہوں نے کسی مقصد کے تحت پیدا کیے تھے جن سے مجبور ہو کر میں مصر آ گیا ہوں۔ وہ ہم سے بیت المقدس کو صرف اسی صورت میں بچا سکتے ہیں کہ مقبوضہ علاقوں سے نکل کر ہمارے علاقوں میں آ کر لڑیں۔ اس جنگ کے لیے مجھے بہت سی فوج کی ضرورت ہے''۔

''میں اس وقت دو سو پچاس نائٹ (زرہ پوش سردار) میدان میں لا سکتا ہوں''۔ ترپولی کی کانفرنس میں ایک مشہور صلیبی حکمران رینالٹ آف حومین نے کہا...... ''اس حملے کی قیادت میری فوج کرے گی۔ میں نے اس کا پلان بھی تیار کر لیا ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ ہم صلاح الدین ایوبی کی طرح چوروں والی جنگ نہیں لڑیں گے۔ ہم طوفان اور سیلاب کی مانند پیش قدمی کریں گے۔ ہم سب اپنی فوجوں کو اکٹھا کر کے کوچ کریں گے تو آپ خود محسوس کریں گے کہ انسانوں اور گھوڑں کا یہ طوفان دنیائے عرب کو خس و خاشاک کی طرح اُڑاتا مصر کو بھی روند جائے گا اور اس کا زور سوڈان میں جا کر تھمے گا''۔

''اگر صلیبی متحد ہو کر آئیں تو عرب کی سرزمین ہم سب سے اتنا خون مانگے گی جس میں ریگزار کے ذرّے تیریں گے''۔ سلطان ایوبی قاہرہ میں کہہ رہا تھا...... ''اب کے ہم سروں سے کفن باندھ کر جائیں گے۔ میرے رفیقو! میری ایک حس مجھے بتا رہی ہے کہ ہمیں پوری تیاری سے اور پوری طرح سنبھل کر میدان میں اُترنا پڑے گا''۔

''ایوبی کو مصر میں اُلجھائے رکھنے کے لیے ہمیں تخریب کاری تیز کرنی ہو گی''۔ ریمانڈ نے کہا اور صلیبیوں کی انٹیلی جنس کے استاد ہرمن سے کہا...... ''ہرمن! مصر پر اپنی گرفت اور سخت کر دو۔ مجھے توقع یہ ہے کہ ایوبی چین سے بیٹھنے والا آدمی نہیں۔ اُس کی فوج کا جانی نقصان بہت ہو چکا ہے۔ وہ فوری طور پر نئی بھرتی کرے گا...... کوشش کرو کہ اُسے بھرتی نہ ملے۔ اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو مصر کی فوج کے ذخیرے تباہ کراتے رہو۔ وہاں کی فوج پر نظر رکھو اور وہاں کے جاسوسوں سے کہو کہ صلاح الدین ایوبی کی ایک ایک حرکت کی اطلاع فوراً پہنچاتے رہیں''۔

''اور ہرمن!'' ایک صلیبی کمانڈر نے کہا...... ''مصر کی خبر ملے نہ ملے، زیادہ ضروری یہ ہے کہ یہاں کی خبر باہر نہ جانے پائے۔ ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ ایوبی جس طرح میدانِ جنگ میں ہمارے لیے مصیبت بن جاتا ہے، وہ جاسوسی کے

میدان میں بھی ہم سے ہوشیار ہے۔ ہمارے درمیان اُس کے جاسوس موجود ہیں۔ یہاں کی مسلمان آبادی پر گہری نظر رکھو۔ کسی پر ذرا سا شک ہو، اُسے قید کر دو، قتل کرو، تمہیں پورے اختیارات دیئے جاتے ہیں"۔

"میں کسی کے دِل میں نہیں اُتر سکتا"۔ سلطان ایوبی کہہ رہا تھا۔ "ایمان فروشوں کے سروں پر سینگ نہیں ہوتے۔ میں علی بن سفیان اور غیاث بلبیس کو اجازت دیتا ہوں کہ جس پر شک ہو کہ وہ صلیبیوں کا جاسوس ہے، اسے قتل کر دو۔ اگر اُس پر رحم کرنا چاہو تو اُسے قید میں ڈال دو۔ میں ان حالات میں جب صلیبی متحد ہو کر آتے نظر آ رہے ہیں، کسی کو بخش نہیں سکتا۔ میں اب تحقیقات اور عدل و انصاف کے طور طریقے بھی بدل دینا چاہتا ہوں...... "او علی بن سفیان!" اُس نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ سے کہا...... "مجھے یقین ہے کہ تم نے مقبوضہ علاقوں میں اپنا جال بچھا رکھا ہے۔ صلیبیوں کے ہاں اپنے کچھ اور آدمی بھیج دو اور وہاں کے جاسوسوں سے کہو کہ کوئی خبر اور اطلاع زیادہ دیر تک اپنے پاس نہ رکھیں۔ خطرہ مول لیں اور تیز رفتار سے قاہرہ خبریں پہنچائیں۔ مجھے اندھا نہ کر دینا علی بن سفیان! اور کوشش کرو کہ یہاں سے کوئی خبر باہر نہ جا سکے"۔

"اگر ہماری افواج کی کمان مشترکہ ہو تو ہم زیادہ بہتر اور موثر طریقے سے لڑ سکیں گے"...... ریمانڈ نے کہا۔

"میں اتحاد پر زور دوں گا، مشترکہ کمان پر نہیں"۔ رینالٹ نے کہا...... "مشترکہ کمان کے کچھ نقصانات بھی ہوتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں ہمیں ایک دوسرے سے باخبر رہنا چاہیے اور ایک دوسرے کے راستے میں نہیں آنا چاہیے۔ ہم پیش قدمی کے لیے علاقے تقسیم کر لیں گے۔ احتیاط صرف یہ کی جائے کہ ہماری نقل و حرکت راز میں رہے"۔

☆

دونوں طرف جنگی تیاریوں کا ہنگامہ تھا۔ صلیبی اب کے سلطان ایوبی کو فیصلہ کن شکست دینے کا عزم کیے ہوئے تھے۔ سلطان ایوبی زخم خوردہ تھا۔ آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ صلیبیوں کی شہ پر تین مسلمان اُمراء سلطان ایوبی کے خلاف محاذ آرا ہو گئے تھے۔ اڑھائی تین سال مسلمان فوجیں ایک دوسرے کا خون بہاتی رہیں۔ سلطان ایوبی نے تینوں مسلمان افواج کو فیصلہ کن شکست دے کر اُن سے ہتھیار ڈلوائے اور انہوں نے سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی تھی مگر اس فتح کو سلطان ایوبی اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بدترین شکست کہتا تھا کیونکہ صلیبیوں کی سازش کامیاب ہو گئی تھی۔ اس خانہ جنگی میں اللہ کے وہ ہزارہا سپاہی مارے گئے یا عمر بھر کے لیے اپاہج ہو گئے جنہیں فلسطین کو صلیب سے پاک کرنا تھا۔

اس دوران صلیبیوں نے فوج میں اضافہ کر لیا تھا، فوج کو آرام بھی دے لیا تھا اور جنگی تیاریاں مکمل کر لی تھی۔ اُن کا یہ دعویٰ بے بنیاد نہیں تھا کہ وہ طوفان کی طرح آئیں گے اور دُنیائے عرب کو خس و خاشاک کی طرح اُڑا لے جائیں گے۔ اُن کے مقابلے میں سلطان ایوبی کی فوج کے تجربہ کار سپاہی اور کمان دار شہید ہو چکے تھے اور وہ نئی بھرتی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ رنگروٹوں کو لڑانا بہت بڑا خطرہ تھا مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اُسے مصر میں بھی فوج کی زیادہ نفری رکھنی تھی کیونکہ سوڈان کی طرف سے خطرہ تھا۔ اس کے علاوہ ملک کے اندر تخریب کاری اور غداری بھی زیادہ تھی۔

صلیبی طوفان کی طرح آنے کے پلان بنا رہے تھے اور سلطان ایوبی اپنے طریقۂ جنگ سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے طے کر رکھا تھا کہ وہ شب خون مارنے اور "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر لڑے گا۔ اب کے صلیبیوں نے اپنا پلان تیار کرنے کی سوچی تھی جس میں سلطان ایوبی کا کمانڈو آپریشن کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ اُس کی فوج کو گھیرے میں لے کر آمنے سامنے کی جنگ لڑانے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے۔ دونوں طرف یہ کوشش ہو رہی تھی کہ اپنی اپنی جنگی تیاریوں، منصوبوں اور نقل و حمل کو راز میں رکھیں اور ایک دوسرے کے راز معلوم کریں۔ اس مقصد کے لیے دونوں کے ہاں ایک

دوسرے کے جاسوس موجود تھے۔

صلیبی کمانڈروں وغیرہ کو یہ تو معلوم تھا کہ اُن کے درمیان سلطان ایوبی کے جاسوس موجود ہیں لیکن ریمانڈ والی ترپیولی اور دیگر صلیبی حکمرانوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اُن کی کانفرنس میں دو مسلمان جاسوس موجود ہیں۔ پہلے بھی اِن کا ذکر آچکا ہے۔ ایک مسلمان راشد چنگیز تھا اور دوسرا فرانسیسی عیسائی وکٹر تھا۔ یہ اعلیٰ قسم کے ملازم تھے جو صلیبی بادشاہوں، اور اعلیٰ کمانڈروں کی دعوتوں وغیرہ میں شراب اور کھانے وغیرہ کی سروس کی نگرانی کرتے تھے۔ راشد چنگیز نے اپنا نام عیسائیوں جیسا ظاہر کر رکھا تھا۔ ترک ہونے کی وجہ سے اُس کا رنگ یورپی باشندوں جیسا تھا۔ وہ بہت ہوشیار اور چرب زبان تھا۔ وکٹر کے متعلق تو کسی کو شبہ ہی نہیں تھا کہ وہ عیسائی ہے۔ وہ فرانس کا رہنے والا تھا لیکن اپنے آپ کو اُس نے یونانی عیسائی بتایا تھا۔

صلیبیوں کی اِس کانفرنس میں بھی دونوں اپنی مخصوص وردی پہنے موجود تھے کیونکہ صلیبی شراب کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ یہ دونوں شراب پیش کر رہے تھے اور اُن کی باتیں غور سے سن رہے تھے۔ یہ باتیں بہت ہی قیمتی تھیں جو انہیں قاہرہ پہنچانی تھیں مگر یہ ابھی مکمل نہیں تھیں۔ وہ صلیبیوں کا پورا پلان معلوم کر کے قاہرہ پہنچانے کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ علی بن سفیان کو اپنے اِن دونوں جاسوسوں پر مکمل اعتماد تھا، حالانکہ وکٹر عیسائی تھا۔ صلیبیوں کو یہی خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو اُن کے پلان اور نقل و حرکت کا علم ہو گیا تو وہ جگہ جگہ گھات لگا کر تھوڑی تھوڑی نفری سے اُن کے طوفانی لشکر کو تباہ کر دے گا۔ چنانچہ وہاں سلطان کے جاسوسوں کو سراغ لگانے اور انہیں پکڑنے کے بڑے ہی سخت احکام جاری کر دیئے گئے۔

☆

مصر میں بھرتی کی مہم شروع ہو گئی۔ دو تین فوجی دستے ترتیب دیئے گئے جو اُن علاقوں کے دوروں پر نکل گئے جن سے بھرتی مل سکتی تھی۔ فوجی جاہ و جلال اور جنگی مظاہروں اور کھیل تماشوں کا انتظام کیا گیا۔ مسجدوں کے اماموں کے لیے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے سلطان ایوبی کا یہ پیغام بھیجا گیا کہ وہ لوگوں کو جہاد کی اہمیت بتائیں اور انہیں یہ بتائیں کہ کفار پوری طاقت کے ساتھ عالمِ اسلام پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور یہ بھی کہ قبلۂ اوّل کفار کے قبضے میں ہے۔ اس صورت میں ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو گیا ہے۔ اماموں سے کہا گیا کہ وہ جوانوں کو مصر کی فوج میں بھرتی ہونے کی تلقین کریں۔

مذہب اور قوم کے وقار کے جذبے سے جواں سال آدمی بھرتی ہونے لگے۔ اُن کے ذہنوں میں مقصد واضح تھا مگر بہت سے جوان مالِ غنیمت کے لالچ سے بھرتی ہوئے۔ یہ دیہاتی علاقوں کے لوگ تھے۔ اُن کے کانوں تک اماموں کی آواز نہیں پہنچی تھی۔ اُن تک فوجی افسر پہنچے جنہوں نے سلطان ایوبی کے اس حکم کی تعمیل کی خاطر کہ بھرتی بہت جلدی کرو، لوگوں کو جہاد کے وعظ سنانے کی بجائے یہ کہا کہ صلیبیوں کے شہر فتح کیے جائیں گے جہاں اتنی دولت ہے کہ وہ سمیٹ نہیں سکیں گے۔ چنانچہ وہ دلوں میں جہاد کا جذبہ لے کر بھرتی ہونے کی بجائے مالِ غنیمت کا لالچ لے کر ہنسی خوشی بھرتی ہوئے۔ ان اناڑی اور کم فہم فوجی افسروں نے سلطان ایوبی کی توقع کے خلاف بے شمار جوانوں کو بھرتی کر لیا مگر اُسے یہ نہ بتایا کہ انہوں نے مقصد پورا نہیں کیا حکم کی تعمیل کی ہے۔ میدانِ جنگ میں جا کر یہ سپاہی سلطان ایوبی کے لیے بڑا ہی تکلیف دہ مسئلہ بن گئے۔

اُدھر ترپیولی سے کچھ دُور صلیبی فوج ایک میدان میں اکٹھی ہونے لگی۔ فلسطین کے دوسرے مقبوضہ شہروں میں ایلچی بھیج دیئے گئے کہ وہ صلیبی فوج کو تیار کریں۔ ترپیولی میں سب سے زیادہ سرگرمی حونین کے حکمران رینالٹ کی تھی۔ اُس کی فوج خاصی زیادہ تھی جس میں اڑھائی سو نائٹ تھے۔ نائٹ ایک اعزاز تھا جو غیر معمولی طور پر ذہین، دلیر اور قیادت کے ماہر فوجی افسر کو دیا جاتا تھا۔ اُسے خاص قسم کی زرہ بکتر دی جاتی، سلسلے کی ایک کہانی ''اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے''

میں اس صلیبی بادشاہ کا نام اور واقعہ پڑھا ہوگا۔ ۱۱۷۴ء کے اوائل میں صلیبیوں نے سمندر سے سکندریہ پر حملہ کیا تھا لیکن سلطان ایوبی کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے حملے کی خبر قبل از وقت مل گئی تھی۔ اُس نے حملے کے استقبال کا ایسا بندوبست کر رکھا تھا کہ صلیبیوں کا بحری بیڑہ بُری طرح تباہ ہوا اور یہ بیڑہ فوج کو ساحل پر نہیں اُتار سکا تھا۔

اس حملے کی دوسری کڑی خشکی کے راستے حملہ کرنا تھا جس کی قیادت رینالٹ کر رہا تھا چونکہ مسلمان جاسوس صلیبیوں کا پورا پلان لے آئے تھے، اس لیے خشکی پر نورالدین زنگی نے اپنی فوج کی گھات لگا رکھی تھی۔ عقب اور پہلوؤں سے بھی حملوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ رینالٹ اس پھندے میں آ گیا۔ اُس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ گھات سے نکلنے کی کوشش کی مگر ایک رات نورالدین زنگی کے چھاپہ ماروں نے رینالٹ کے ہیڈ کوارٹر پر شب خون مارا اور رینالٹ کو پکڑ لیا۔ صلیبیوں کا نہ صرف حملہ ناکام رہا بلکہ انہیں کمرتوڑ شکست ہوئی۔ جانی اور مالی نقصان کے علاوہ سب سے بڑا نقصان تو یہ تھا کہ اُن کا رینالٹ جیسا جنگجو بادشاہ قیدی ہو گیا تھا۔

نورالدین زنگی کے لیے یہ بڑا ہی قیمتی قیدی تھا۔ اُس کی رہائی کے لیے وہ صلیبیوں سے بڑی ہی کڑی شرائط منوانا چاہتا تھا مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ دو ماہ بعد زنگی فوت ہو گیا۔ اُس کے اعلیٰ حکام اور سالاروں نے زنگی کے گیارہ سالہ بیٹے الملک الصالح کو سلطنت کی گدی پر بٹھا دیا، کیونکہ اُسے وہ اپنا کٹھ پتلی بنا کر من مانی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف محاذ قائم کر لیا اور اُسے شکست دینے کے لیے صلیبیوں کے ساتھ دوستی کر لی۔ اس دوستی کا انہوں نے پہلا معاوضہ یہ دیا کہ رینالٹ جیسے قیمتی قیدی کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا اور اُس کے ساتھ دوسرے تمام قیدیوں کو بھی رہا کر دیا، وہیں سے سلطان ایوبی کی مسلسل معرکہ آرائی اپنے پیر اُستاد اور عزیز دوست نورالدین زنگی کے بیٹے سے شروع ہوگئی۔ دوسرے امراء خلافت سے آزاد ہو گئے اور سب نے سلطان ایوبی کے خلاف متحدہ محاذ قائم کر لیا تھا۔ اس کا اور جو نقصان ہوا سو ہوا، ایک نقصان اب سامنے آیا کہ رینالٹ جسے ان غدار مسلمانوں نے خیر سگالی کے طور پر یا صلیبیوں کی دوستی حاصل کرنے کے لیے رہا کر دیا تھا وہ ایک جنگی قوت بن کر سلطان ایوبی کے خلاف نہیں، بلکہ عالمِ اسلام کو تہ تیغ کرنے کے لیے فیصلہ کن حملے کے لیے آ رہا تھا۔

الملک الصالح نے رینالٹ کے ساتھ جو جنگی قیدی رہا کیے تھے، وہ بھی اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ بن کر آ رہے تھے۔ رینالٹ اپنی شکست اور ذلت کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ صلیبیوں کی اس کانفرنس میں اُس نے اس تجویز کی مخالفت کی کہ تمام صلیبی افواج مشترکہ کمان کے تحت ہوں۔ اس مخالفت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ آزاد ہو کر اپنے عزائم کے مطابق جنگ لڑنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ صلیبیوں میں یہ کمزوری تھی کہ وہ متحدہ نہیں ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے لیکن ہر ایک کے دل میں یہ ہوتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ علاقے فتح کر کے ان کا بادشاہ بن جائے۔ متعدد مورخین نے لکھا ہے کہ صلیبیوں کو اس کمزوری نے دُنیائے عرب میں نقصان پہنچایا اور وہ اتنی زیادہ اور اتنی برتر جنگی طاقت کے باوجود نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کی صفوں میں غدار نہ ہوتے تو وہ صلیبیوں کو دُنیائے عرب سے بے دخل کر کے یورپ کے لیے خطرہ بن جاتا۔

''اگر آپ صلاح الدین ایوبی کو شکست دینا چاہتے ہیں تو ہم سب اپنی اپنی فوج کو مشترکہ کمان کے سپرد کر دیتے ہیں''...... ریمانڈ آف تریپولی نے کہا...... ''ورنہ ہم بکھر کر ناکام بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ حملے کی قیادت رینالٹ کی فوج کرے، یہ فیصلہ مشترکہ کمان کو کرنا چاہیے''۔

''میں آپ سے الگ نہیں ہوں گا''...... ریجنالٹ نے کہا......''لیکن میں کسی مشترکہ کمان کا پابند نہیں رہوں گا۔ مجھے اپنی شکست کا انتقام لینا ہے۔ نورالدین زنگی تو مر چکا ہے، میں صلاح الدین ایوبی کو اسی طرح قید میں آپ سب کے سامنے لاؤں گا جس طرح زنگی مجھے قید کر کے دمشق لے گیا تھا، ورنہ تاریخ ہمیشہ مجھ پر لعنت بھیجتی رہے گی۔ میں آپ سب سے پوچھتا ہوں کہ جس وقت زنگی نے مجھ پر شب خون مار کر میرے دستوں کو بکھیر دیا اور اُن سے ہتھیار ڈلوا لیے تھے، اُس وقت آپ میں سے کس نے زنگی پر جوابی حملہ کیا تھا؟ کون میری مدد کو پہنچا تھا؟......کوئی نہیں۔ اب مجھے پابند نہ کریں۔ میں نے اسی روز کے لیے فوج کو تیار کیا تھا۔ میرے انتقام کا دن آ گیا ہے۔ میری فوج آپ کی کسی بھی فوج کی راہ میں حائل نہیں ہوگی۔ جسے بھی میری مدد کی ضرورت ہوگی، اُسے خطرہ مول لے کر بھی مدد دوں گا لیکن میں آپ سب سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے پابند نہ کریں''۔

''نہیں کریں گے''...... بالڈون نے کہا......''ہماری آج کی کانفرنس ابتدائی بات چیت تک محدود رہے گی۔ اس میں ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ ہماری زمین دوز کوششوں سے مسلمانوں کی خانہ جنگی نے انہیں کمزور کر دیا ہے اور صلاح الدین ایوبی اِدھر آنے کی بجائے مصر چلا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں برق رفتار اور طوفانی قسم کا حملہ کرنا ہے۔ ہم نے آج اس حملے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب دو چار دن ہم سب فرداً فرداً سوچ لیں۔ ہم میں سے جو بھی غیر حاضر ہیں، انہیں بھی بلا لیں اور ایک دن مقرر کر کے حملے کا پلان تیار کر لیں۔ ہماری فوجیں تیار ہیں۔ ان دوران ہرمن اپنے شعبۂ جاسوسی کو اتنا زیادہ سرگرم کر دے کہ زمین کی تہوں میں سے بھی صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کو نکال کر قید کر دے اور یہاں کے مسلمانوں پر کڑی نظر رکھے۔ ہر مسلمان گھرانے اور ہر مسلمان فرد کی روزمرہ حرکات کو بھی دیکھے۔ ہماری افواج کا اجتماع یہیں شروع ہو گیا جسے چھپایا نہیں جا سکتا۔ یہ انتظام ہرمن کو کرنا ہے کہ کوئی آدمی یا عورت اس جگہ سے باہر جائے تو یہ یقین کر لیا جائے کہ وہ جاسوس نہیں''۔

''ایسا ہی ہوگا''...... ہرمن نے کہا......''یہاں سے کوئی پرندہ بھی باہر نہیں جائے گا''۔

☆

پہلے سنایا جا چکا ہے کہ اس کانفرنس میں شراب پلانے والے خادموں (مردوں اور لڑکیوں) کے نگران اور انچارج دو آدمی تھے جو صلیبیوں کی کانفرنسوں اور دعوتوں وغیرہ میں بڑی دلکش وردی میں حاضر رہتے تھے۔ یہ قابلِ اعتماد آدمی تھے۔ انہیں گہری چھان بین کے بعد ملازم رکھا گیا تھا مگر یہ دونوں سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر ہوشیار اور ذہین تھے، ورنہ ہرمن جیسے استاد جاسوس اور سراغ رساں کی نظروں اور عقل کو دھوکہ دینا ممکن نہیں تھا۔ دونوں خوبرو جوان اور دراز قد تھے۔ وکٹر کو اپنا نام بدلنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ تھا ہی عیسائی۔ راشد چنگیز جو ترک تھا اپنا نام عیسائیوں جیسا رکھے ہوئے تھا۔ یہ دونوں اس کانفرنس میں بھی موجود تھے۔ آدھی رات کے قریب کانفرنس برخاست ہوئی اور وہ دونوں اپنے کمرے میں چلے گئے۔

''ہم دونوں میں سے کوئی بھی نوکری سے غیر حاضر نہیں ہو سکتا''...... وکٹر نے کہا......''یہ خبر کسی اور کے ذریعے قاہرہ بھیجنی پڑے گی۔ ایسا کون ہو سکتا ہے؟''

''امام سے بات کریں گے''...... راشد چنگیز نے کہا......''وہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا آدمی بہتر ہے۔ قاہرہ تک تیز رفتاری سے پہنچنے کے لیے کسی خاص آدمی کی ضرورت ہوگی۔ نگران کا پورا منصوبہ معلوم ہو جائے تو قاہرہ کو اطلاع دیں گے۔ ادھوری اطلاع پر سلطان ایوبی کوئی غلط چال نہ چل بیٹھے''۔

''امام کو اتنی سی اطلاع دینا تو ضروری ہے کہ صلیبی بہت بڑے حملے کا فیصلہ کر چکے ہیں''......وِکٹر نے کہا......''تاکہ سلطان اپنی فوج کو تیار کر سکے اور اپنے نقصانات جلدی جلدی پورے کر لے......اور سنو!''......اُس نے چنگیز سے کہا......''جس وقت یہ لوگ حملے کی باتیں کر رہے تھے تو میں نے تمہیں دیکھا تھا۔تم شراب کا پیالہ ریمانڈ کے آگے رکھتے رکھتے رُک گئے تھے اور صاف پتہ چلتا تھا کہ تم اُن کی باتیں غور سے سن رہے ہو۔میں نے تمہارا چہرہ دیکھا تھا۔اس پر مجھے نمایاں چمک نظر آئی تھی۔میں جانتا ہوں کہ اتنا قیمتی راز مل جانے سے ہیجان اور خوشی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہرمن بھی وہیں موجود ہوتا ہے۔ہرمن علی بن سفیان کے پائے کا جاسوس ہے۔میں نے تمہیں دیکھ کر فوراً ہرمن کی طرف دیکھا تھا۔مجھے شک ہوتا ہے جیسے وہ تمہیں دیکھ رہا تھا۔محتاط رہو میرے بھائی! ہم دشمن کے پیٹ میں زندگی بسر کر رہے ہیں''۔

''ہرمن کے لیے ہم اجنبی نہیں''......راشد چنگیز نے کہا......''ہمارے متعلق وہ شکوک رفع کر چکا ہے۔اب ڈرنے کی ضرورت نہیں''۔

''ڈرنے کی نہیں محتاط ہونے کی ضرورت ہے''......وِکٹر نے کہا......''تم نے آج وہ ہدایات سن لی ہیں جو ہرمن کو ملی ہیں۔وہ اب ہر کسی کو شک کی نگاہوں سے دیکھیں گے......اور اب تم یوں کرو،مسجد میں چلے جاؤ۔سب سو گئے ہیں۔امام کو بتا آؤ کہ آج صلیبیوں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔اگر قاہرہ کو کوئی جانے والا ہو تو اس فیصلے کی اطلاع علی بن سفیان کو دے دے اور اگر اُدھر سے کوئی آئے تو ہم سے ملے بغیر واپس نہ جائے''۔

شہر کی ایک مسجد کا امام سلطان ایوبی کے لیے جاسوسی کرتا تھا۔یہ مسجد جاسوسی کا خفیہ اڈہ بنی ہوئی تھی۔مسلمان جاسوس مسجد میں جا کر امام کو خبریں پہنچاتے اور اس سے ہدایات لیتے تھے۔وِکٹر کبھی مسجد میں نہیں گیا تھا،وہ کہا کرتا تھا کہ اُسے نماز نہیں آتی اور مسجد کے آداب سے بھی واقف نہیں۔اس لیے اُسے ڈر تھا کہ مسجد میں کوئی ایسا مسلمان اُسے پکڑوا دے گا جو صلیبیوں کا جاسوس ہوگا۔یہ غلط بھی نہیں تھا۔صلیبیوں کے مخبروں میں مسلمان بھی تھے جو مسجدوں میں جانے والے نمازیوں پر بھی نظر رکھتے اور اُن کی باتیں غور سے سنتے تھے۔وہ اکثر مسلمانوں کو گرفتار کراتے رہتے تھے۔راشد چنگیز نے چونکہ اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کر رکھا تھا،اس لیے وہ دن کے دوران مسجد میں نہیں جاتا تھا۔صلیبی کمانڈروں وغیرہ کی شبینہ دعوتوں سے فارغ ہو کر اگر ضرورت پڑے تو آدھی رات کے بعد امام کے گھر جاتا تھا جو مسجد کے بالکل ساتھ ملا ہوا تھا۔اس کا ایک دروازہ مسجد کے صحن میں کھلتا تھا۔

☆

راشد چنگیز نے کپڑے بدلے۔چغہ اور عمامہ پہنا۔مصنوعی داڑھی چہرے پر باندھی اور کمرے سے نکل کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔حکم کے مطابق اُسے داڑھی اُسترے سے صاف کرانی پڑتی تھی۔اپنے مشن پر جانے کے لیے اُس نے ایسی مصنوعی داڑھی بنا رکھی تھی جو فوراً لگائی اور اُتاری جا سکتی تھی۔اُن دنوں وہاں رات کو بھی رونق رہتی تھی۔ریمانڈ کی فوج کے علاوہ رینالٹ بھی اپنے بہت سے افسروں (نائٹوں) کے ساتھ وہاں گیا ہوا تھا۔اُس کے چند ایک دستے بھی تھے۔یہ فوجی افسر اور دیگر صلیبی کمان دار،راتیں عیش وعشرت میں گزارتے تھے۔پیشہ ور عورتوں کی چہل پہل لگی رہتی تھی۔اعلیٰ حکام کی بیویاں اور داشتہ عورتیں بھی ان کے ساتھ تھیں۔وہاں یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون سی عورت کس کی بیوی ہے۔عورتوں کی عارضی اور مستقل خرید وفروخت بھی ہوتی تھی۔

راشد چنگیز اپنے کمرے سے نکلا تو اُسے چھپ کر جانے میں بہت دشواری ہوئی۔ کمروں اور خیموں کے اندر تو طوفانِ بدتمیزی بپا تھا ہی، باہر بھی کہیں کہیں اُسے کوئی بدمست جوڑا نظر آ جاتا تھا جس سے بچ کر اُسے راستہ بدلنا پڑتا۔ آخر وہ خطرے کے علاقے سے نکل گیا اور شہر کی گلیوں میں داخل ہو گیا۔ پھر وہ مسجد کے دروازے تک پہنچ گیا۔ وہ جب اِدھر اُدھر دیکھ کر مسجد میں داخل ہونے لگا تو اُس نے دبے دبے قدموں کی آہٹ سنی جو گلی میں اُٹھی اور موڑ پر خاموش ہو گئی۔ راشد چنگیز نے اس پر غور کیا لیکن یہ سمجھ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ کتا ہوگا اور یہ آہٹ وہم بھی ہو سکتی تھی۔ وہ مسجد کے صحن میں گیا اور امام کے دروازے پر مخصوص دستک دی۔ دروازہ کھلا۔ راشد چنگیز اندر چلا گیا اور امام کو ساری رپورٹ دے دی۔

''صلیبیوں کی زیادہ تر فوج یہاں جمع ہوگی''...... چنگیز نے کہا...... ''یہ ریناالٹ کی فوج ہوگی۔ یہاں کی فوج تو پہلے ہی یہاں موجود ہے۔ قاہرہ تک اس فوج کے کوچ اور عزائم کی اطلاع تو پہنچ ہی جائے گی، اگر ہم کوشش کریں تو اس فوج کو کوچ سے پہلے کچھ نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں اور اس کے کوچ کو التوا میں ڈال سکتے ہیں''۔

''تمہارا مطلب یہ ہے کہ چھاپہ ماروں سے کہا جائے کہ وہ فوج کی رسد کو نذرِ آتش کر دیں''...... امام نے کہا...... ''میں یہ کام کرا سکتا ہوں لیکن کراؤں گا نہیں۔ تم نے ایسے کئی واقعات سنے ہوں گے کہ جس مقبوضہ شہر میں ہمارے چھاپہ ماروں نے صلیبی فوج کو نقصان پہنچایا وہاں کے مسلمان باشندوں کے لیے زندگی دوزخ سے بدتر بنا دی گئی۔ گھر گھر تلاشی ہوئی۔ ہماری مستورات کی بے عزتی ہوئی۔ ہماری جوان بیٹیوں کو صلیبی پکڑ کر لے۔ قید اور قتل کا ظالمانہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں نے اپنے ایک قاصد کے ذریعے سلطان ایوبی تک یہ مسئلہ پہنچایا تھا۔ سلطانِ محترم نے میری توقع کے بالکل مطابق جواب بھیجا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ مسلمان باشندوں کی عزت، جان اور مال کی خاطر کسی شہر میں خفیہ تباہ کاری نہ کی جائے۔ دشمن کی رسد کو اس کی فوج کے ساتھ آنے دیا جائے۔ اسے میرے چھاپہ مار میدانِ جنگ میں نہیں آنے دیں گے''۔

''میں آپ کو مکمل اطلاع دو چار دنوں میں دے سکوں گا''...... چنگیز نے کہا...... ''اب آپ اور زیادہ محتاط ہو جائیں۔ یہاں کے سراغ رساں غیر معمولی طور پر سرگرم ہو گئے ہیں۔ وہ اب یہاں کے جانوروں اور پرندوں کو بھی شکی نگاہوں سے دیکھیں گے''۔

یہ طے کر کے کہ ایک آدمی کو صبح قاہرہ روانہ کر دیں گے، چنگیز مسجد سے نکلا۔ وہ چوری چھپے نہیں چل رہا تھا تاکہ کوئی شک نہ کرے۔ وہ گلی کا موڑ مڑا تو اُسے پھر کسی کے قدموں کی دبی دبی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے گھوم کر دیکھا۔ گلی تاریک تھی۔ اُسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ اب کے یہ وہم نہیں تھا۔ وہ آگے چل پڑا۔ اپنے ٹھکانے کے قریب جا کر اُس نے مصنوعی داڑھی اُتار کر کپڑوں میں چھپا لی۔ اُس کے کپڑے ایسے تھے جو کوئی شک پیدا نہیں کرتے تھے، کیونکہ ایسے کپڑے عیسائی بھی پہنتے تھے۔

اب وِکٹر اور چنگیز کی کوشش یہ تھی کہ یہ معلوم کریں کہ صلیبی فوج کہاں کہاں حملہ کرے گی اور اس کے کوچ کا پروگرام کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ فوج جمع کرنے کے انتظامات شروع ہو گئے تھے۔ قاصدوں کی بھاگ دوڑ بھی شروع ہو گئی تھی۔ یہ دونوں جاسوس اس سرگرمی سے بظاہر لاتعلق ہو کر اس کی ہر ایک تفصیل معلوم کرنے میں مصروف تھے۔ ریمانڈ کی حیثیت میزبان کی تھی کیونکہ یہ اُس کا دارالحکومت تھا۔ اُس نے ایک رات تمام صلیبی حکمرانوں، اعلیٰ کمانڈروں اور دیگر اعلیٰ حکام کی ضیافت کا اہتمام کیا۔ یہ رات وِکٹر اور چنگیز کے لیے غیر معمولی مصروفیت کی رات تھی۔ چونکہ مہمانوں میں بادشاہ بھی تھے، اس لیے انہیں شراب وغیرہ پیش کرنے میں زیادہ مستعد رہنا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ مستعدی کی ضرورت اُس وقت

ہوتی ہے، جب تک مہمان ہوش میں رہتے ہیں۔ شراب میں بدمست ہو کر جب وہ بد اخلاقی کے مظاہرے کرنے لگتے ہیں تو ملازموں کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

اس ضیافت میں جتنے مرد تھے، اتنی ہی عورتیں تھیں۔ ان میں نوجوان لڑکیاں بھی تھیں، جوان عورتیں بھی اور وہ بھی جو بڑھاپے کو جوانی کا دھوکہ دے رہی تھیں۔ وکٹر اور چنگیز کھانا اور شراب وغیرہ لانے والے ملازموں کی نگرانی کرتے اور بھاگتے دوڑتے رہے۔ ایک جوان یورپی عورت نے چنگیز سے دو تین بار شراب مانگی۔ چنگیز نے ہر بار کسی ملازم یا ملازمہ کو بلا کر کہا کہ اسے شراب دے۔ اُس وقت مہمان ریمانڈ کے محل کے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ یہ عورت بہت خوب صورت تھی۔ اس نے دیکھا کہ چنگیز ہر ملازم سے کہہ کر شراب منگواتا تو اُس نے مُسکرا کر کہا..... ''میں تمہارے ہاتھ سے تھوڑی سی پینا چاہتی ہوں۔ تم نوکروں کو حکم دے کر اِدھر اُدھر ہو جاتے ہو''۔

''میں لا دیتا ہوں''..... چنگیز نے نوکروں کے سے لہجے میں کہا۔

''یہاں نہیں''..... عورت نے کہا..... ''میں باہر باغ میں جا رہی ہوں، وہاں لانا''۔

چنگیز شراب کی ایک خوش نما صراحی لے کے اُس جگہ چلا گیا جہاں وہ عورت جا بیٹھی تھی۔ یہ محل کا باغ تھا، وہاں بھی مہمان بکھرے ہوئے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ ایک عورت اور ہاتھ میں شراب کا پیالہ تھا۔ صرف یہ عورت اکیلی تھی اور چنگیز ذرا حیران بھی ہوا کہ ایسی جوان اور خوب صورت عورت اکیلی کیوں ہے۔ اس پر تو مہمانوں کو مکھیوں کی طرح بھنبھنانا چاہیے تھا۔ وہ اس کے پیالے میں شراب ڈالنے لگا تو عورت نے پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ اس نے یورپ کے کسی گاؤں کا نام لیا اور بتایا کہ وہ لڑکپن سے شاہ ریمانڈ کے شاہی سٹاف میں ہے۔

''تم تھوڑی سی دیر میرے پاس رُک سکو گے؟''..... عورت نے پوچھا اور پیالہ اُس کی طرف بڑھا کر کہا..... ''لو، میرے پیالے میں تم پیو پھر میں پیوں گی''..... اس کی آواز میں التجا اور تشنگی تھی۔

''آپ دیکھ رہی ہیں کہ میں نوکر ہوں''..... چنگیز نے کہا..... ''آپ شاہی خاندان کی خاتون ہیں۔ میں اس وقت نوکری کے فرائض ادا کر رہا ہوں''۔

''اِس وقت مجھے اپنا نوکر سمجھو''..... عورت نے اس کی کلائی پکڑ لی اور پیاسی مُسکراہٹ سے کہا..... ''تم شہزادے ہو۔ یہ تو دل بتایا کرتا ہے کہ کون کیا ہے''۔

''آپ اکیلی کیوں ہیں؟''..... چنگیز نے پوچھا۔

''کیونکہ میرے جذبات مجھے اجازت نہیں دیتے کہ جس سے مجھے نفرت ہو، اُس کے ساتھ ہنسوں کھیلوں''..... اُس نے جواب دیا..... ''جو مجھے اچھا لگتا ہے، اُسے اپنے پاس بلا لیا ہے۔ تم نے میرے ہاتھ سے پیالہ لیا نہیں''۔

''کسی نے دیکھ لیا تو مجھے سولی پر کھڑا کر دیا جائے گا''..... چنگیز نے کہا۔

''اگر تم نے میرے پیالے سے ایک گھونٹ نہ پیا تو میں تمہیں سُولی پر کھڑا کر دوں گی''..... عورت نے کہا..... وہ مُسکرا رہی تھی۔ اُس نے اور آگے ہو کر دھیمی آواز میں کہا..... ''پاگل، تم مجھے اتنے اچھے لگتے ہو کہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہیں اِدھر بلایا ہے۔ مجھے ٹالنے کی نہ سوچنا''۔

''میں شراب نہیں پیوں گا''..... چنگیز نے کہا۔

''نہ پیو''۔ عورت نے کہا..... ''مگر میں جب بھی اور جہاں بھی تمہیں بلاؤں تمہیں آنا پڑے گا''۔

راشد چنگیز فہم وفراست کا مالک اور تجربہ کار انسان تھا، وہ اس پر ذرہ بھر حیران نہ ہوا کہ ایک اونچے طبقے کی حسین وجمیل عورت اس کی دوستی کی خواہش کا اظہار کررہی ہے۔ اُسے یہ خیال بھی آیا کہ یہ کسی بوڑھے جرنیل کی جوان بیوی ہوگی یا یہ کیسی ایسے خاوند کی بیوی ہوگی جو اس وقت کسی اور کی بیوی کے ساتھ مگن ہوگا۔ ایک وجہ تو صاف تھی۔ چنگیز خوبرو آدمی تھا، جس کے قدبت میں بڑی کشش تھی۔ یہ پہلا موقعہ نہیں تھا کہ کسی عورت نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہو۔ صلیبی حکمرانوں اور اعلیٰ افسروں کو دعوتوں میں شراب پیش کرنے والی لڑکیاں خاص طور پر حسین اور دلکش تھیں۔ ان میں سے دو چنگیز کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کرچکی تھیں، لیکن چنگیز نے اپنے کردار کو اُن سے بچائے رکھا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُسے جو فرض دے کر بھیجا تھا، اس کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے کردار کے قلعے کو مسمار نہ ہونے دے۔

علی بن سفیان نے اُسے ٹریننگ کے دوران ذہن نشین کرایا تھا کہ ذہن عیاشی کی طرف مائل ہو جائے تو فرائض ذہن سے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اُس کے ذہن میں عورت کو ایک ایسے زہر کی مانند بٹھایا گیا تھا جو ایمان کھا جاتا ہے۔ ریمانڈ آف تریپولی کے محل میں اس کی حیثیت ایسی تھی کہ وہ جس ملازم یا ملازمہ کو چاہے، نوکری سے نکلوا سکتا تھا۔ اُس کی اپنی حیثیت کا اثر تو جادو کا سا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ صلیبیوں کا کوئی کردار نہیں۔ ان کی عورتیں بے حیائی اور بداخلاقی کو قابلِ فخر سمجھتی ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر چنگیز کے لیے یہ عورت اور اُس کی یہ بے تکلفی عجوبہ نہیں تھی۔

وہ چونکہ خصوصی قابلیت کا جاسوس تھا، اس لیے اس نے فوراً سوچ لیا کہ وہ اس عورت کو یہ بتائے بغیر کہ وہ جاسوس ہے، اُسے جاسوسی کے لیے استعمال کرسکتا ہے۔ اس عورت نے اُسے یہ جو کہا تھا کہ جہاں بھی تمہیں بلاؤں، تمہیں آنا پڑے گا، اسی میں حکم یا دھمکی نہیں بلکہ دوستانہ بے تکلفی تھی اور اُس کے لہجے میں جو تاثر تھا، اسے چنگیز بھی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ عورت کی مُسکراہٹ کے جواب میں وہ بھی مُسکرایا۔ اس مُسکراہٹ سے اُس نے شکاری کو اُس کے بچھائے ہوئے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی۔

''اب مجھے جانے کی اجازت ہے؟''......اُس نے کہا......''میری ڈیوٹی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ آپ مہمانوں میں چلی جائیں''......اُس نے ذرا جھجک کر پوچھا......''آپ کس کی بیوی ہیں؟''

''بیوی نہیں داشتہ''۔ عورت نے کہا اور ایک اعلیٰ کمانڈر کا نام لے کر کہنے لگی......''کمبخت کے پاس بے شمار دولت ہے، یہاں آکر اُسے ایک اور مل گئی ہے۔ مجھے بھی آزاد نہیں کرتا۔ مجھ پر ان جذبات کا نشہ طاری رہتا ہے جو اپنے دل کی پسند اور ناپسند کے پابند ہوتے ہیں یا شاید دِل اُن کا پابند ہوتا ہے۔ یہ وہ جذبات ہیں جو یہ نہیں دیکھتے کہ جو انسان دِل پر قابض ہوگیا ہے، وہ بادشاہ ہے یا غلام۔ مجھے تمہاری حیثیت سے کوئی غرض نہیں۔ مجھ سے دُور نہ بھاگنا۔ یہ ظلم ہوگا۔ تم پہلے انسان ہو جسے میرے دِل نے پسند کیا ہے۔ میں جسمانی آلودگی کی پیاسی نہیں۔ میری روح پیاسی ہے۔ اس کی پیاس تمہاری آنکھوں کے چشمے بجھا سکتے ہیں......اب جاؤ، کل رات میں تمہیں خود ڈھونڈ لوں گی''۔

☆

جس وقت چنگیز اس عورت کے ساتھ باغ میں تھا، وِکٹر مہمانوں میں گھوم پھر رہا تھا۔ اُس کے کان اُن چند ایک صلیبیوں کی باتوں پر لگے ہوئے تھے جنہیں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ پیش قدمی کس طرف کی جائے، حملہ کہاں کیا جائے۔ اُسے کام کی کچھ باتیں معلوم ہوئیں لیکن یہ ابھی تجویزیں اور مشورے تھے۔ راشد چنگیز بھی مہمانوں میں چلا گیا اور رینالٹ کے اردگرد گھومنے لگا۔ رینالٹ اپنے ساتھیوں سے اپنا وہی عزم دُہرا رہا تھا جس کا اُس نے کانفرنس میں اظہار کیا تھا۔ اُس کے

پاس اتنی زیادہ جنگی طاقت تھی جس کے زور پر وہ بڑے اونچے دعوے کر رہا تھا۔

رات گزر گئی۔ اگلے دن چنگیز کے پاس ایک آدمی آیا جو اس کے گروہ کا جاسوس تھا۔ اس نے اسے پیغام دیا کہ آدمی رات کے لگ بھگ امام کے پاس جائے۔ کوئی ضروری بات کرنی تھی...... دن گزرا۔ رات آئی۔ چنگیز اور وکٹر ریمانڈ کے کھانے کے کمرے میں اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے۔ رات بہت دیر فارغ ہوئے۔ چنگیز نے ابھی وکٹر کو نہیں بتایا تھا کہ ایک عورت اُس کی دوستی کی خواہاں ہے۔ فارغ ہو کر اُس نے وکٹر کو بتایا کہ وہ کپڑے بدل کر امام کے ہاں جا رہا ہے۔ وکٹر نے اُسے چند ایک باتیں بتائیں جو امام کو بتانے والی تھیں۔

چنگیز نے کپڑے بدلے اور مصنوعی داڑھی چہرے پر باندھ کر چہرہ عمامے میں چھپا لیا۔ وہ کمرے سے نکل کر اندھیرے میں چلا گیا۔ اُس عمارت سے کچھ دُور سرسبز میدان تھا جس میں درختوں کی بہتات تھی۔ پھول دار پودے بھی تھے اور اس کے اِرد گرد کوئی آبادی نہیں تھی۔ اُسے اس قدرتی باغ میں سے گزر کر جانا تھا۔ اس میں داخل ہوا ہی تھا کہ کسی درخت کے پیچھے سے ایک سایہ نمودار ہوا اور اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ چنگیز نے پہلا کام یہ کیا کہ مصنوعی داڑھی اُتار کر چغے کی جیب میں ڈال لی۔ اُسے خطرہ تھا کہ اس جگہ وہی آدمی آ سکتا ہے جو اس جگہ ملازم ہوگا اور وہ اُسے پہچانتا ہوگا۔ اس نے رفتار سست کر لی اور آہستہ آہستہ ٹہلنے لگا۔

سایہ دائیں طرف سے آ رہا تھا اور جب قریب آیا تو بولا...... ''میں نے کہا تھا نا کہ تمہیں خود ڈھونڈ لوں گی''...... اور اُس کے ساتھ نسوانی ہنسی سنائی دی۔ یہ وہی عورت تھی۔

''محل کی گھٹن نے دماغ خراب کر دیا ہے''...... چنگیز نے کہا...... ''ہوا خوری کے لیے اِدھر نکل آیا ہوں''۔

''میں تمہارے کمرے میں آ رہی تھی''...... عورت نے کہا...... ''اِدھر آتے دیکھا تو تمہارے پیچھے آنے کی بجائے اس طرف سے آئی تا کہ کوئی دیکھ نہ لے...... بیٹھو گے یا ٹہلو گے؟ میں صراحی اور دو پیالے اپنے ساتھ لے آئی ہوں''...... وہ ہنس پڑی۔

راشد چنگیز نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ رہتی کہاں ہے اور اتنی رات گئے کہاں سے آ ٹپکی ہے اور کیا جس کی وہ داشتہ ہے، وہ اُسے ڈھونڈے گا نہیں؟ وہ اسی قدر سمجھ سکا کہ یہ عورت جذبات سے مغلوب ہے اور خطرے مول لے رہی ہے۔ چنگیز نے اس سے راز لینے کے ارادے سے کہا...... ''تم اپنے کمانڈر آقا سے نجات چاہتی ہو۔ یہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ لڑائی پر چلا جائے مگر ایسا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ وہ کون سی فوج میں ہے؟''

''وہ بالڈون کی فوج کی ہائی کمان کا جرنیل ہے''...... عورت نے جواب دیا...... شاید لڑائی پر چلا جائے مگر وہ مجھے اور دوسری لڑکی کو بھی ساتھ لے جائے گا''۔

''لڑائی کا کوئی امکان ہے؟''...... چنگیز نے پوچھا...... ''وہ یہاں کیوں آیا ہے؟''

''یہاں اُسے بالڈون نے اسی مقصد کے لیے بھیجا ہے کہ لڑائی کا امکان پیدا کیا جائے''۔ عورت نے جواب دیا۔

''صلاح الدین ایوبی کی فوج کہاں ہے؟''...... چنگیز نے پوچھا۔

''میں نے کبھی توجہ نہیں دی''...... اُس نے جواب دیا...... ''تم چاہو تو پوچھ کر بتا دوں گی''۔

راشد چنگیز نے اس سے کچھ اور باتیں پوچھیں۔ اس عورت کو جو کچھ معلوم تھا اس نے بتایا اور جو معلوم نہیں تھا، اس کے متعلق کہا کہ پوچھ کر بتاؤں گی۔

''کوئی لڑے کوئی مرے تمہیں اس سے کیا؟''......عورت نے جذباتی لہجے میں کہا......''اگر اُس نے مجھے میدانِ جانے میں جانے کو کہا تو میں نہیں جاؤں گی۔ میں اس کی بیوی تو نہیں۔ میں نہ اپنے موجودہ آقا کی غلام ہوں، نہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ میری دشمنی ہے۔ مجھے اتنا ذلیل کیا گیا ہے کہ میں ان سب کو جو اپنے آپ کو صلیب کے محافظ کہتے ہیں، زہر دے کر مار دینا چاہتی ہوں''......اُس نے چنگیز کو بٹھا لیا۔ دونوں پیالے زمین پر رکھ کر اس نے صراحی میں شراب انڈیلی اور ایک پیالہ چنگیز کی طرف بڑھا کر بولی......''ایسی تنہائی اور ایسی تاریک رات کے رومان کو لڑائی کی باتوں سے تباہ نہ کرو، پیو''۔

چنگیز کے لیے مشکل پیدا ہوگئی۔ وہ ڈیڑھ سال سے ان شرابیوں میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ اپنے ہاتھوں انہیں شراب پلاتا تھا لیکن اُس نے خود کبھی نہیں پی تھی۔ اس گناہگار ماحول میں جہاں اُسے گناہوں کی بڑی ہی دلکش دعوتیں ملتی ہیں، اُس نے اپنے ایمان کو داغ دار نہیں ہونے دیا تھا۔ اب اُسے ایک ایسی عورت مل گئی جس کی وساطت سے وہ اپنا فرض بہتر طریقے سے ادا کر سکتا تھا لیکن یہ عورت اُسے شراب پیش کر رہی تھی۔ خطرہ تھا کہ اس نے اس جذباتی عورت کی پیش کش ٹھکرائی تو وہ اُس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اُس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ فرض کی ادائیگی کی خاطر وہ شراب کے دو گھونٹ پیئے یا اتنی قیمتی عورت کو ضائع کر دے۔

''مجھے شراب پسند نہیں''۔ اُس نے کہا۔

''خدا نے تمہیں مردانہ حسن اور شجاعت کا بڑا ہی دلکش مجسمہ بنایا ہے''......عورت نے کہا......''لیکن شراب قبول نہ کر کے تم ثابت کر رہے ہو کہ تم پتھر کا بے جان مجسمہ ہو''۔

کچھ دیر انکار اور اصرار کا تصادم جاری رہا۔ چنگیز نے اس حسین عورت کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے اس کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا، پھر پیالہ منہ سے لگا لیا۔ عورت نے اُس کے پیالے میں اور شراب ڈال دی۔ چنگیز نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا اور آہستہ آہستہ پیالہ خالی کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ محسوس کرنے لگا جیسے اس کے خیالات اور نظریات کی دُنیا میں بھونچال آ گیا ہو۔ اُس کے اِردگرد دیواریں گر پڑیں اور وہ آزادی کے احساس سے لطف اندوز ہونے لگا جیسے کال کوٹھڑی سے رہا کر دیا گیا ہو۔

وہ نسوانی جسم کے لمس سے آشنا نہیں تھا۔ اُس نے شادی بھی نہیں کی تھی۔ جاسوسی کے لیے اُسے جو منتخب کیا گیا تھا، اُس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ غیر شادی شدہ تھا اور پیچھے کا اُسے کوئی غم نہیں تھا مگر اس صورتِ حال میں جب ایک دِل کش عورت اُسے شراب پلا کر اُس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی تھی، اُس کا شادی شدہ نہ ہونا اس کی بہت بڑی کمزوری بن گئی تھی۔ یہ عورت اُسے گناہ کی دعوت نہیں دے رہی تھی۔ اُس سے اُس محبت کی بھیک مانگ رہی تھی جو روح کو مسرور اور مخمور کر دیا کرتی ہے۔ چنگیز کی فطرت میں چونکہ گناہ کا عنصر نہیں تھا، اس لیے اُس کے ذہن میں کوئی بے ہودہ ارادہ نہ آیا مگر اس صلیبی عورت کے ریشمی بالوں کے لمس نے، اس کی پیاسی پیاسی اور جذباتی باتوں نے اور اُس کے سڈول بازوؤں نے اور اُس کے نرم و گداز گالوں نے اُسے وہ راشد چنگیز بھی نہیں رہنے دیا تھا جو شراب کے چند گھونٹ حلق سے اُترنے سے پہلے تھا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔

وہ جب جُدا ہونے کے لیے اُٹھے تو عورت نے اُس سے پوچھا......''تم نے مجھ سے لڑائی کے متعلق کچھ باتیں پوچھی تھیں۔ مجھے سب کچھ معلوم نہیں۔ اگر تم اپنے تمام سوالوں کا جواب چاہتے ہو تو میں کل رات جواب فراہم کر دوں گی''۔

اچانک چنگیز کے اندر وہ چنگیز بیدار ہو گیا جو سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ اُسے اپنے فرائض یاد آ گئے اور اُسے یہ بھی یاد آ گیا کہ اس پر شراب اور ایک حسین عورت کا نشہ طاری ہے اور اُسے بہت محتاط ہونا چاہیے۔ چنانچہ اُس نے عورت

سے کہا...... ''مجھے بھی تمہاری طرح لڑائی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ میں آرام اور سکون کی زندگی کا شیدائی ہوں۔ اگر میرے سوالوں کا جواب لاسکو تو مجھے یہ پتہ چل جائے گا کہ ہماری فوج جدھر حملہ کرنے جارہی ہے اُدھر مجھے بھی جانا پڑے گا اور وہ جگہ اور علاقہ کون سا ہوگا۔ شراب ساتھ جائے گی، ملازم ساتھ جائیں گے۔ اس لیے مجھے بھی ساتھ جانا پڑے گا''۔

☆

واپس آکر اُس نے اُسی وقت وکٹر کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اُسے رنج اس بات کا ہو رہا تھا کہ وہ امام سے ملنے جا رہا تھا مگر راستے میں اس عورت نے روک لیا اور اُسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ رات کا آخری پہر تھا۔ صلیبیوں کی اس عیاش دُنیا میں صبح سویرے جاگنے کا کوئی بھی عادی نہیں تھا۔ چنگیز امام کے پاس جا سکتا تھا مگر منہ میں شراب کی بو لیے ہوئے وہ مسجد میں جانے سے ڈر رہا تھا۔ اُس کے دِل پر یہ بوجھ بھی سوار ہو گیا کہ شراب نوشی بہت بڑا گناہ ہے جس کا وہ ارتکاب کر چکا ہے۔ اس کے باوجود اُسے جب اس عورت کا خیال آیا تو اُس میں اُسے کوئی عیب نظر نہ آیا بلکہ اُس پر اس کی محبت کا خمار از سرِ نو سوار ہو گیا۔ عورت کے خیال کے ساتھ کوئی گناہ وابستہ نہیں تھا۔ یہ پاک محبت کا سرور تھا جس سے وہ دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھا...... وہ لیٹ گیا اور اُس کی آنکھ لگ گئی۔

اُسے وکٹر نے جگایا۔ سورج اوپر اُٹھ آیا تھا۔ وکٹر نے پہلی بات یہ پوچھی...... ''امام سے مل آئے تھے؟ کیا بات تھی؟''

''نہیں''۔ چنگیز نے وکٹر کو حیران کر دیا...... ''میں مسجد تک نہیں جا سکا''...... اُس نے وکٹر کو تمام تر واقعہ سنا دیا اور کہا...... ''اگر میں شراب پیے ہوئے نہ ہوتا تو میں اس عورت سے جُدا ہونے کے بعد بھی جا سکتا تھا''۔

''پھر تم کوشش کرو کہ آئندہ شراب نہ پیؤ''۔ وکٹر نے اُسے کہا...... ''اگر اس عورت کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے اُس کے کہنے پر دو گھونٹ پی ہی لیے تھے تو تمہیں اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ امام تمہارے انتظار میں پریشان ہو رہا ہوگا۔ دن کے وقت جانا ٹھیک نہیں۔ آج رات ضرور جانا''۔ وکٹر نے اُس سے پوچھا۔ ''تم اناڑی نہیں ہو چنگیز! خود سمجھ سکتے ہو کہ اس عورت کی نیت کیا ہے اور کیا وہ تمہارے ساتھ دلی محبت کرتی ہے؟ تمہیں دھوکہ تو نہیں دے رہی یا تمہیں جسمانی جذبے کی تسکین کا ذریعہ بنانا چاہتی ہوگی۔ یہ تو اُس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ تم جاسوس ہو۔ میں تمہیں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ عورت کے جادو نے فرعونوں جیسے بادشاہوں کو تخت سے اُٹھا کر کوڑے کرکٹ میں گم کر دیا ہے۔ خود اپنی قوم کو دیکھ لو۔ صلیبیوں کی بھیجی ہوئی دلکش لڑکیوں نے مصر میں بغاوت تک کرائی ہے۔ سلطان ایوبی کے قابلِ اعتماد سالاروں کو غدار بنا لیا ہے''۔

''میں اتنا کچا تو نہیں وکٹر بھائی!'' چنگیز نے کہا...... ''یہ عورت مظلوم نظر آتی ہے۔ وہ بے شک داشتہ ہے، لیکن شہزادی ہے، عصمت فروش نہیں۔ عیش و عشرت اور مادی آسائشوں کے لحاظ میں اُسے شہزادی کہتا ہوں لیکن جذباتی لحاظ سے وہ مظلوم ہے۔ وہ پاک محبت کی پیاسی ہے۔ میں نے اس کے جسم کے ساتھ دلچسپی کا اظہار کیا ہے، نہ کروں گا، لیکن اُس کی محبت کو میں ٹھکرا کر اُسے مزید مظلوم نہیں بنانا چاہتا۔ تم یہ نہ سمجھو کہ میں اُسی کا ہو کے رہ جاؤں گا۔ اُسے وہ محبت بھی دوں گا جس کی اُسے ضرورت ہے اور اُس سے وہ راز بھی لے لوں گا جس کی مجھے ضرورت ہے''۔

''تم دِل سے اُسے چاہنے لگے ہو؟''

''ہاں وکٹر!'' چنگیز نے جواب دیا...... ''میں تم سے کچھ چھپاؤں گا نہیں۔ وہ میرے دِل میں اُتر گئی ہے''۔

''دِل میں اُتر جانے والیاں پاؤں کی زنجیریں بھی بن جایا کرتی ہیں چنگیز!'' وکٹر نے کہا...... ''میں اس کے سوا

اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ سب سے مقدم اور مقدس فرض ہے۔ فرض اور محبت کے درمیان، نشے اور ہوش کے درمیان، ایمان اور سفلی جذبات کے درمیان کوئی دیوار نہیں ہوتی جسے پھلانگنا دشوار ہو، بال جیسی باریک ایک لکیر ہوتی ہے جو ذراسی لغزش سے نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے اور انسان اِدھر سے اُدھر چلا جاتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے راز لیتے لیتے تم اپنے آپ کو اُس کے آگے بے نقاب کر دو''۔

راشد چنگیز نے قہقہہ لگایا اور وِکٹر کی ران پر ہاتھ مار کر بولا...... ''ایسا نہیں ہوگا میرے دوست، ایسا نہیں ہوگا''۔

''اور یاد رکھو''۔ وِکٹر نے کہا...... ''شراب کا تعلق شیطان کے ساتھ ہے جو صفات شیطان میں ہیں، وہ شراب میں ہیں۔ اس کا عادی نہ ہو جانا۔ اس عورت کو خوش کرنے کے لیے اتنی سی پی لینا جس سے تمہاری عقل ٹھکانے رہے''۔

''امام تک یہ پیغام پہنچانا ضروری ہے کہ میں رات کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں آسکا، آج رات آؤں گا''۔ چنگیز نے کہا۔

''بازار چلے جاؤ''۔ وِکٹر نے کہا۔

اُن کے دو چار ساتھی بازار میں دکان دار تھے۔ معمولی سی پیغام رسانی ان کی معرفت ہو سکتی تھی۔ اہم اور نازک راز انہیں نہیں دیئے جاتے تھے۔ وِکٹر خود ہی بازار چلا گیا اور ایسے ایک آدمی سے مل کر آ گیا۔

☆

اگلی رات چنگیز اپنے کام سے جلدی فارغ ہو گیا۔ اپنے کمرے میں جا کر اس نے وردی اُتاری، دوسرے کپڑے پہنے اور مصنوعی داڑھی کپڑوں میں چھپالی۔ اُسے ڈر تھا کہ وہ عورت اُسے اچانک مل گئی تو داڑھی کا راز فاش ہو جائے گا۔ اُس کا ارادہ یہ تھا کہ امام سے مل کر واپس اُسی جگہ آجائے گا جہاں عورت سے ملنا تھا۔ وہ اُسی راستے سے گیا۔ یہی راستہ محفوظ تھا اور چھوٹا بھی تھا۔ وہ اُس جگہ داخل ہو گیا جہاں سبزہ، پودے اور درخت تھے۔ وسط میں گیا تو اُسے مانوس سایہ ایک طرف سے آتا نظر آیا۔ چنگیز بھاگ نہیں سکتا تھا۔ سایہ قریب سے نمودار ہوا تھا۔ فوراً ہی اُس کے سامنے آ گیا اور بولا...... ''آج تم جلدی آ گئے ہو، میری محبت کا اثر ہے''۔

''اور تم یہاں اتنی جلدی کیوں آن کھڑی ہوئی تھی؟'' چنگیز نے پوچھا...... ''فوج نے ابھی آدھی رات کا گھڑیال تو نہیں بجایا''۔

''میرا دِل کہہ رہا تھا تم گھڑیال کی آواز سے پہلے آ جاؤ گے''...... عورت نے کہا۔

''لیکن مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی آ جاؤ گی''۔ چنگیز نے کہا...... ''میں کسی کام سے جا رہا تھا۔ واپس یہیں آنا تھا''۔

''اگر کام ضروری ہے تو جاؤ''۔ عورت نے کہا...... ''میں ساری رات تمہارا انتظار یہیں کروں گی''۔

''اب تو میں یہاں سے ہل بھی نہیں سکوں گا''۔ چنگیز نے اُسے بازوؤں کے گھیرے میں لیتے ہوئے کہا۔

عورت کے کھلے ہوئے بالوں کی مہک اور کپڑوں پر لگے ہوئے عطر نے اُسے دیوانہ بنا ڈالا، لیکن اپنے آپ کو اس حد تک ہوش مند اور چوکنا رکھا کہ امام کے پاس جانا ملتوی کر دیا۔ اُس نے سوچا کہ یہ عورت آخری صلیبی ہے۔ اس کے دل میں اپنے آقا کے خلاف نفرت ہو سکتی ہے، اپنی قوم اور صلیب کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ چنگیز یہ خدشہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ امام کی طرف گیا تو یہ عورت کسی اور شک کی بنا پر اُس کے پیچھے نہ چل پڑے۔ چنانچہ اُس نے محبت کی شدت کا اظہار کر کے آگے

جانا منسوخ کردیا۔

عورت نے پیالے زمین پر رکھے اور صراحی سے ان میں شراب ڈال کر ایک پیالہ چنگیز کو دینے لگی۔ چنگیز شراب نہیں پینا چاہتا تھا۔ اُس نے ایک بہانہ سوچ لیا۔

''تم اگر زہر کا پیالہ دوگی تو وہ بھی پی لوں گا''۔ چنگیز جذبات سے جھومتے ہوئے بولا...... ''شراب نہیں پیوں گا''۔

''عیسائی ہوتے ہوئے شراب سے کیوں نفرت کرتے ہو؟''

''شراب کا نشہ تمہارے حسن اور تمہاری محبت کے نشے پر غالب آجاتا ہے''۔ چنگیز نے کہا...... ''جس طرح تمہارے دل نے زر و دولت اور عیش و عشرت کو قبول نہیں کیا، کیونکہ اُن کی مسرت مصنوعی اور جسمانی ہے، اسی طرح میرا دل شراب کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اس کا نشہ مصنوعی ہے۔ مجھ پر اپنا خمار طاری کردو''۔

عورت نے اُس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا اور اس پر اپنا خمار طاری کردیا۔ اس سے پہلے چنگیز نے اس کے ساتھ جو باتیں کی تھیں، ان میں بناوٹ اور جھوٹ تھا، اب اس کی عقل پر اور اس کے جذبات پر یہ عورت غالب آ گئی۔ اسی لذت آگیں خمار میں اُس نے خود پیالہ اُٹھایا اور ایک ہی سانس میں خالی کردیا۔

''اور ڈالو''۔ اُس نے کہا۔

عورت نے اب اُس کا پیالہ بھر دیا، جو وہ آہستہ آہستہ پینے لگا، پھر وہ اُس عورت میں گم ہو گیا۔

''ہم کب تک چوری چھپے ملتے رہیں گے؟'' عورت نے کہا۔ ''ذرا غور کرو میں کیسی اذیت میں مبتلا ہوں۔ میرے جسم کا مالک کوئی اور ہے اور دل کے مالک تم ہو۔ تمہاری محبت نے اُس کی نفرت کو اور زیادہ کردیا ہے۔ میں اب اُسے برداشت نہیں کرسکتی۔ آؤ، یہاں سے بھاگ چلیں''۔

''کہاں جائیں گے؟'' چنگیز نے پوچھا۔

''دُنیا بہت وسیع ہے''۔ عورت نے جواب دیا۔ ''یہاں سے مجھے نکالو۔ میرے جذبات کی جوانی کو ایک بوڑھا کچل اور مسل رہا ہے''۔

''چلے چلیں گے''۔ چنگیز نے کہا...... ''تھوڑے دن ٹھہر جاؤ...... میرے سوالوں کا جواب لائی ہو؟''

''ہاں!'' عورت نے کہا...... ''ہماری فوجیں جمع ہو رہی ہیں......'' اُس نے تفصیل سے بتایا کہ کس کس کی فوج کہاں کہاں اجتماع کرے گی اور اُن کا ارادہ کیا ہے لیکن ابھی آخری پلان کا اُسے علم نہیں ہوسکا تھا۔ چنگیز اس سے کرید کرید کر پوچھتا رہا۔

وہ جب وہاں سے اُٹھے تو ایک دوسرے کے دل میں پوری طرح سما چکے تھے۔

☆

''میں امام تک تو نہیں پہنچ سکا لیکن اس عورت سے کچھ نئی معلومات لے آیا ہوں''۔ چنگیز نے وکٹر کو بتایا کہ ''وہ میرے جال میں آ گئی ہے اور میرے ہاتھ میں کھیلتی رہے گی''۔

''میرا خیال ہے کہ تم بھی اُس کے جال میں آ گئے ہو''۔ وکٹر نے کہا...... ''تمہارا انداز بتا رہا ہے کہ اُس کا تیر تمہارے دل میں اُتر گیا ہے''۔

''میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ وہ میرے دل میں اُتر گئی ہے''۔ چنگیز نے کہا...... ''اب تو اُس نے یہ بھی کہہ دیا

ہے کہ وہ میرے ساتھ بھاگ چلے گی، لیکن میں نے اُسے کہا ہے کہ کچھ دن انتظار کرے۔ میں اُسے یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔ میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ صلیبیوں کا منصوبہ معلوم ہو جائے تو یہ راز میں خود قاہرہ لے جاؤں گا اور اس عورت کو بھی ساتھ لے جاؤں گا''۔

''اُسے کب بتاؤں گے کہ تم مسلمان ہو اور یہاں جاسوسی کے لیے آئے تھے؟''

''مصر کی سرحد میں داخل ہو کر''۔ چنگیز نے جواب دیا...... ''یہاں اُسے تھوڑے ہی بتادوں گا''۔

چنگیز محبت کے نشے میں سرشار تھا۔ وہ صلیبیوں کا راز معلوم کرنے کے لیے جس قدر بے تاب تھا، اُس سے زیادہ بے چین اس عورت سے ملنے کے لیے تھا۔ وہ خود محسوس کر رہا تھا کہ اس کے سوچنے کے انداز میں اور اس کی روزمرہ حرکات و سکنات میں تبدیلی آ گئی ہے۔ پہلی بار اُس نے شراب پی لی تھی تو اگلے روز وہ پچھتاوے سے پریشان رہا تھا، مگر گزشتہ رات اُس نے اپنی مرضی سے شراب کا پیالہ اُٹھالیا تھا اور اب وہ پچھتاوے سے آزاد تھا۔ یہ بہت بڑی تبدیلی تھی۔

اُس شام اُسے اچانک بتایا گیا کہ چند ایک صلیبی حکمران اور اُن کے اعلیٰ کمانڈر آرہے ہیں۔ ریمانڈ میزبان تھا۔ اُس نے شراب کی محفل کا اہتمام کیا تھا۔ رات جب مہمان آئے تو یہ ہجوم نہیں تھا۔ چند ایک خصوصی مہمان تھے جو اس امر کا ثبوت تھا کہ یہ دعوت کم اور اجلاس زیادہ ہے۔ وِکٹر اور چنگیز خاص طور پر سرگرم اور مستعد تھے۔ اس دعوت کے لیے انہوں نے کھانا پیش کرنے کے ملازموں کا باقاعدہ انتخاب کیا تھا۔ اس محفل میں صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن بھی موجود تھا...... شراب کا دور چلنے لگا اور حملے کی باتیں ہونے لگیں۔ اب کے جو باتیں ہو رہی تھیں، وہ تجاویز نہیں بلکہ فیصلہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان میں پلان کا خاکہ بھی تھا اور ان باتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ کوچ جلدی کیا جائے گا۔

ہرمن سے اس کے محکمے کی سرگرمیوں کے متعلق پوچھا گیا۔ اُس نے بتایا کہ جہاں جہاں صلیبی فوج ہے، وہاں محکمے کو سرگرم کر دیا گیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کا سراغ لگا کر انہیں پکڑا جائے۔ تریپولی میں جہاں صلیبی فوج کا سب سے بڑا اجتماع ہو رہا تھا۔ جاسوسوں کو پکڑنے کے خصوصی انتظامات کر دیئے گئے اور ہرمن نے بتایا کہ یہاں جاسوسوں کے ایک گروہ کا سراغ ملا ہے۔ اُس گروہ کو بے کار کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہرمن نے کہا...... ''صرف ایک آدمی پکڑا گیا تو اُس کے ذریعے پورے گروہ کا سراغ مل جائے گا۔ قاہرہ کے جاسوسوں کو ہدایات بھیج دی گئی ہیں۔ اُدھر سے کل ہی ایک آدمی آیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے بھرتی اور ٹریننگ تیز کر دی ہے اور وہ یروشلم کی طرف پیش قدمی کا ارادہ رکھتا ہے''۔

صلیبیوں کے اجلاس میں چنگیز اور وِکٹر کو اتنی معلومات حاصل ہو گئیں کہ اگر یہی قاہرہ پہنچادی جائیں تو سلطان ایوبی کے لیے کافی تھیں۔ اُسے یہ اطلاع بہت جلدی ملنی چاہیے تھی کہ صلیبی عنقریب پیش قدمی کر رہے ہیں اور اُن کا رُخ حرن اور حلب کی طرف ہے۔

محفل برخاست ہوئی۔ چنگیز اور وِکٹر آدھی رات کے بعد فارغ ہوئے۔ چنگیز کو امام کے پاس جانا تھا۔ اُس نے ہر رات کی طرح کپڑے بدلے اور مصنوعی داڑھی کپڑوں میں چھپالی۔ آج رات چونکہ بہت دیر ہو گئی تھی، اس لیے اُسے یہ خطرہ نہیں تھا کہ عورت اسے راستے میں مل جائے گی۔ وہ اطمینان سے باہر نکل گیا۔

☆

اُس کی توقع غلط ثابت ہوئی۔ وہ اُس سرسبز جگہ سے گزر رہا تھا کہ عورت نے اُسے روک لیا۔ چنگیز نے یہ بھی نہ

سوچا، نہ اُس سے پوچھا کہ وہ کہاں رہتی ہے اور اُسے کہاں سے دیکھ لیتی ہے۔ وہ تو معلوم ہوتا تھا جیسے اُسی جگہ کہیں رہتی تھی جہاں اُسے چنگیز کے قدموں کی آہٹ سنائی دیتی اور وہ باہر آجاتی ہو۔ چنگیز نے اس پر غور نہ کیا۔ اُسے دراصل غور کرنے کی مہلت ہی نہیں ملتی تھی۔ عورت اس کے ذہن اور دِل پر غالب آجاتی تھی اور وہ سب کچھ بھول جاتا تھا۔ آج رات بھی وہ امام کے پاس نہیں جاسکتا تھا مگر اس کا اُسے افسوس نہ ہوا۔ عورت نے اُسے جذبات میں اُلجھالیا تھا۔ آج وہ مظلومیت کا اظہار ایسی دیوانگی سے کررہی تھی جس سے چنگیز کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

''مجھے پناہ میں لے لو''۔ عورت نے جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا...... ''دیکھنے والے مجھے شہزادی اور ملکہ سمجھتے ہیں مگر میری زندگی ایسا جہنم ہے جسے تم قریب سے دیکھو تو سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھو۔ میں مسلمان ماں باپ کی بیٹی ہوں۔ میری خوب صورتی نے مجھے ایسی اذیت میں ڈالا ہے جو بڑھتی جارہی ہے۔ ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ پندرہ سال کی عمر میں میرے باپ نے مجھے ایک عربی تاجر کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ میرا باپ غریب آدمی نہیں تھا۔ ہم چھ بہنیں تھیں۔ اُس کے دِل میں پیسے کا پیار تھا۔ بیٹیوں کو وہ بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ میری دو بڑی بہنیں باپ کے سلوک سے تنگ آکر اپنے چاہنے والوں کے ساتھ چلی گئی تھیں۔ مجھے اُس نے بیچ ڈالا......

''ایک سال بعد اس تاجر نے مجھے تحفے کے طور پر ایک صلیبی افسر کے حوالے کردیا۔ تھوڑے عرصے بعد وہ لڑائی میں مارا گیا۔ میں بھاگ گئی مگر جاتی کہاں۔ ایک عیسائی نے مجھے پناہ دی مگر اُس نے میرے جسم کو کمائی کا ذریعہ بنالیا۔ میں کوئی سستی سی طوائف نہیں تھی۔ وہ مجھے صلیبی فوج کے بہت اُونچے رُتبے کے افسروں کو چند دنوں کے لیے داشتہ کے طور پر دیتا تھا۔ اس آدمی نے اور اُن صلیبیوں نے جن کے ہاں مجھے بھیجا جاتا تھا، مجھے زیورات سے لاد دیا اور مجھے ہر وہ آسائش دی جو محل میں کسی شہزادی کو ملتی ہے۔ اس لحاظ سے میں مطمئن اور مسرور تھی مگر مجھے روحانی مسرت نہیں ملتی تھی۔ اسی پیشے میں میرا میل جول فوجی افسروں کے ساتھ بڑھ گیا۔ میں تجربہ کار ہو چکی تھی۔ میری رسائی حکمرانوں اور سب سے بڑے عہدوں کے کمانڈروں تک ہوگئی۔ انہوں نے مجھے جاسوسی کی تربیت دے کر ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا شروع کردیا۔ ایک بار مجھے بغداد میں بھیجا گیا تھا، وہاں نورالدین زنگی کے ایک سالار کو اُس کے خلاف کرنا تھا۔ میں نے یہ کام خوش اسلوبی سے کرلیا تھا......

''میں اگر اپنے جاسوسی کے کارنامے تمہیں سنانے لگوں تو تم حیران رہ جاؤ گے اور شاید یقین بھی نہ کرو۔ ایسے قصے بڑے لمبے ہیں۔ اسی دوران اس کمانڈر نے مجھے داشتہ رکھ لیا۔ یہ بوڑھا آدمی ہے۔ مجھے بہت عیش کراتا ہے۔ مجھے بڑے فخر سے اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔ وہ شاید لوگوں کو یہ دھوکا دینا چاہتا ہے کہ وہ بوڑھا نہیں اور وہ مجھ جیسی جوان عورت کو خوش وخرم رکھ سکتا ہے۔ یہ میری ہر فرمائش پوری کرتا ہے۔ میں اس کے ساتھ عکرہ میں تھی، وہاں اتفاق سے ایک مسلمان جاسوس سے ملاقات ہوگئی، وہ دمشق سے آیا تھا''۔

''اُس کا نام کیا تھا؟'' چنگیز نے پوچھا۔

''نام بتادوں گی تو تمہارے کس کام آئے گا''۔ عورت نے کہا...... ''تم اُسے جانتے تو نہیں۔ میری بات سنو۔ تمہاری محبت نے میری زبان کی زنجیریں توڑ دیں اور میرے دِل کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ میں تمہارے آگے ایسا راز فاش کررہی ہوں جو مجھے قید خانے میں بھجوا سکتا ہے جہاں انسانی درندے مجھے اذیت ناک طریقوں سے ہلاک کریں گے، لیکن میں تمہارے ہاتھ سے مرنا پسند کروں گی...... میں کہہ رہی تھی کہ دمشق کا جاسوس پکڑا گیا اور اُسے تہہ خانے میں ڈال دیا گیا۔ میں بہت بڑے افسر کی چہیتی داشتہ تھی۔ میں اُس جاسوس کا تماشہ دیکھنے تہہ خانے میں چلی گئی، اُسے ایسی

ظالمانہ اذیتیں دی جا رہی تھی کہ مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ اُس سے پوچھ رہے تھے کہ اُس کے دوسرے ساتھی کہاں اور اُس نے اب تک کون سا راز معلوم کیا ہے......

''اُس کی پیٹھ سے خون بہہ رہا تھا اور اُس کا چہرہ نیلا ہو گیا تھا، پھر بھی وہ کہہ رہا تھا۔ ''میری رگوں میں مسلمان باپ کا خون دوڑ رہا ہے۔ اپنے کسی ساتھی کے ساتھ غداری نہیں کروں گا'' ...... میری رگ رگ بیدار ہو گئی۔ میری رگوں میں بھی مسلمان باپ کا خون دوڑ رہا تھا۔ میرے اندر ایک انقلاب زلزلے کی طرح آیا اور میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ اس مسلمان کو اس تہہ خانے سے نکالوں گی۔ میں نے اپنے آقا کا عہدہ، حسن کا فریب اور تین چار ٹکڑے سونا استعمال کیا اور ایک صبح میرے آقا نے مجھے یہ خبر سنائی کہ تہہ خانے سے مسلمان جاسوس فرار ہو گیا ہے۔ اس بوڑھے کو معلوم نہیں تھا کہ وہ تہہ خانے سے فرار نہیں ہوا تھا۔ میں نے اُسے وہاں سے نکلوا کر اوپر کے حصے میں منتقل کرا دیا تھا، جس وقت میرا آقا مجھے اس کے فرار کی خبر سنا رہا تھا، اُس وقت مفرور جاسوس اسی شہر میں موجود تھا۔ میں نے اپنے ایک مسلمان ملازم سے اس کے چھپنے کا بندوبست کرا لیا تھا......

''وہ بھی تمہاری طرح خوب صورت جوان تھا۔ تہہ خانے میں اُسے لاش بنا دیا گیا تھا۔ میں نے اُسے طاقت کی دوائیں اور غذائیں دیں۔ میں رات کو چوری چھپے اُس کے پاس جایا کرتی تھی۔ اُس نے میری ذات میں ایمان بیدار کر دیا۔ میں نے اُسے بتا دیا تھا کہ میں مسلمان کی بیٹی ہوں۔ یہ آپ بیتی اُسے بھی سنائی تھی جو تمہیں سنا چکی ہوں۔ اُس نے مجھے کہا کہ میرے ساتھ چلی چلو۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے جاسوسی کے ڈھنگ سکھا دو، میں اپنے مذہب اور اپنی قوم کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ اس نے مجھے عکرہ کے تین آدمیوں کے نام پتے بتائے، پھر اُن کے ساتھ ملاقات کا انتظام بھی کر دیا۔ یہ جاسوس تندرست ہو گیا تو میں نے اُسے شہر سے نکلوا دیا۔ اس کے جانے کے بعد میں چوری چھپے اُس کے ساتھیوں سے ملتی رہی۔ وہ مجھے جاسوسی کے سبق دیتے رہے، پھر میں عملی طور پر اُن کے لیے کام کرنے لگی......

''ایک تو میں اتنے اونچے رتبے کے فوجی افسر کی داشتہ تھی، دوسرے میری خوب صورتی اور جوانی کی بدولت دوسرے افسر میری دوستی کے خواہش مند تھے۔ میں عصمت کا موتی تو گنوا ہی چکی تھی۔ بے حیائی اور شوخی میری عادت بن گئی تھی۔ گناہگاروں کے ساتھ زندگی بسر کر کے میں فریب کار بھی ہو گئی تھی۔ میں نے ان لوگوں کو خوب اُنگلیوں پر نچایا، انہیں بڑے حسین جھانسے دیئے اور بڑے قیمتی راز مسلمانوں کو دیتی رہی۔ یہ جاسوس مجھے سلطان صلاح الدین ایوبی کے متعلق باتیں سنایا کرتے تھے۔ میں اُسے فرشتہ سمجھتی ہوں۔ میرے دِل میں یہی ایک خواہش ہے کہ اپنی قوم کے لیے کچھ کرتی رہوں اور ایک بار سلطان ایوبی کی زیارت کروں۔ میں اسی کو حج سمجھوں گی......

''اب میں اس کمانڈر کے ساتھ یہاں آ گئی ہوں۔ صلیبی بڑی ہی زیادہ طاقت سے مسلمانوں پر فوج کشی کر رہے ہیں۔ مجھے اُن کے تمام راز معلوم ہو چکے ہیں۔ اب مجھے کسی ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو ایوبی کا جاسوس ہو''۔

''تم نے اتنی دلیری سے یہ راز کیوں فاش کر دیا ہے؟'' چنگیز نے اُس سے پوچھا۔ ''تم اگر واقعی جاسوس ہو تو بالکل اناڑی ہو۔ تم نے میری محبت پر اعتماد کیا ہے، اگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میں تمہاری نسبت صلیب سے زیادہ محبت کرتا ہوں اور میری وفاداری صلیب کے ساتھ ہیں تو کیا کرو گی؟ عقل مند جاسوس اپنے فرض پر اپنے بچوں کی محبت کو بھی قربان کر دیا کرتے ہیں''۔

''میں تمہیں حقیقت بتا دوں تو تم مان جاؤ گے کہ میں اناڑی نہیں ہوں''۔ عورت نے کہا...... ''میں نے یقین کر لیا تھا کہ تم عیسائی نہیں ہو، تم مسلمان ہو اور مصر کے جاسوس ہو''۔

راشد چنگیز چونکا جیسے اس عورت نے اُسے ڈس لیا ہو۔ شراب کا نشہ اور رومان انگیز جذبات کا خمار یوں اُتر گیا جیسے کمان سے تیر نکل گیا ہو۔ اُس نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو اُس نے محسوس کیا جیسے اس کی زبان اکڑ گئی ہو۔

اُسے عورت کی دبی دبی ہنسی سنائی دی۔ عورت نے کہا...... ''کہو، میں اناڑی ہوں؟''

چنگیز کے لیے جواب دینا محال ہو گیا۔ اگر یہ عورت واقعی مسلمان تھی تو کیا چنگیز کو اُس پر اپنا آپ ظاہر کر دینا چاہیے تھا؟ طریقہ یہ تھا کہ ایک گروہ کے جاسوس اپنے ہی ملک کے جاسوسوں کے دوسرے گروہ سے بھی بیگانہ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنگیز کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ عورت کس پائے کی جاسوس ہے۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ دوغلا کھیل کھیل رہی ہو۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ سلطان ایوبی نے سختی سے حکم دے رکھا ہے کہ کسی عورت کو کہیں جاسوسی کے لیے نہ بھیجا جائے۔ اگر یہ عورت جاسوسی کر رہی تھی تو اپنے طور پر کر رہی ہوگی۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتی تھی کہ جاسوسوں کو معلومات پہنچا دیتی تھی۔ ایسی عورت پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے تھا۔

''خاموش کیوں ہو گئے ہو؟'' عورت نے پوچھا...... ''کہہ دو میں نے غلط کہا ہے''۔

''تم نے بالکل غلط کہا ہے'' ...... راشد نے جواب دیا...... ''اور تم نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے''۔

''کیسی مشکل؟''

''یہ کہ میں تمہیں گرفتار کرا دوں یا محبت کی خاطر خاموش رہوں''۔ چنگیز نے کہا...... ''میں عیسائی ہوں اور پکا صلیبی ہوں''۔

وہ زمین پر بیٹھے تھے۔ عورت نے اپنے زانوں کے نیچے سے کچھ نکالا اور یہ چنگیز کی گود میں رکھ کر کہا...... ''یہ رہی تمہاری مصنوعی داڑھی۔ کل جب تم میرے پاس تھے تب یہ تمہارے چغے کی جیب سے نکال لی تھی، اور پھر جیب میں ہی ڈال دی تھی، آج بھی نکال لی ہے''۔

چنگیز اُس کے حسن اور اُس کی محبت اور شراب کے نشے میں ایسا گم ہو جاتا تھا کہ اُسے ہوش نہیں رہتی تھی۔

''میں نے ایک رات یہ داڑھی تمہارے چہرے پر دیکھی تھی''۔ عورت نے کہا...... ''تم اس داڑھی میں کمرے سے نکلے تھے۔ میں نے تمہیں راستے میں روک لیا اور جب تم نے مجھے بازوؤں میں لیا تھا، میں نے تمہارے چغے کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالا، میرے ایک ہاتھ نے داڑھی محسوس کر لی''۔

''مصنوعی داڑھی سے تم نے کیسے یقین کر لیا کہ میں جاسوس ہوں؟''

''تم جس انداز سے مجھ سے فوجوں کی آمد و رفت کی باتیں پوچھتے رہے ہو، یہ انداز جاسوسوں کا ہے''۔ عورت نے کہا...... ''تم نے مجھے جن سوالوں کے جواب لانے کو کہا تھا، وہ کوئی اور نہیں پوچھ سکتا۔ کسی عام آدمی کے ذہن میں ایسے سوال آتے ہی نہیں اور شراب سے انکار صرف مسلمان کر سکتا ہے۔'' وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ بازو چنگیز کے گلے میں ڈال کر اور گال اُس کے گال سے لگا کر بولی...... ''تم مجھ سے ڈر رہے ہو، کیا تمہارا دِل مان نہیں رہا کہ میں مسلمان ہوں؟ میں تمہیں اپنا دِل کس طرح دکھاؤں۔ ہم دونوں ایک منزل کے مسافر ہیں۔ میں نے تمہیں سلطان ایوبی کا جاسوس سمجھ کر دِل میں نہیں بٹھایا تھا، تم مجھے معلوم نہیں کیوں اچھے لگے تھے۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے ہم آسمانوں میں بھی اکٹھے تھے، زمین پر بھی اکٹھے ہو گئے ہیں اور ہم اکٹھے اُٹھائے جائیں گے...... کہو تو میں تمہارے جاسوس ہونے کے کئی اور ثبوت پیش کر دوں۔ میں تمہاری حفاظت کروں گی اور میں نے یہ ارادہ بھی کیا ہے کہ ہم دونوں بہت قیمتی راز اپنے ساتھ لے کر یہاں سے اکٹھے نکلیں گے، اگر یہ راز قاہرہ بروقت

نہ پہنچا تو حرن، حلب، حماۃ، دمشق اور بغداد تو صلیبیوں کے سیلاب میں ڈوب ہی جائیں گے۔ مصر کو بچانا بھی ممکن نہیں رہے گا۔ سلطان ایوبی بالکل بے خبر ہے۔ وقت ضائع نہ کرو۔ میں یہاں سے اکیلی نہیں نکل سکتی۔ تمہارا ساتھ ضروری ہے۔ میں تمہیں ساتھ لے کر سیر کے بہانے شہر سے نکل سکتی ہوں۔ تم میرے محافظ ہو گے اور کوئی بھی ہم پر شک نہیں کرے گا''۔

راشد چنگیز پر خاموشی طاری ہوگئی تھی۔ عورت نے اُس کے پیالے میں شراب انڈیلی اور پیالہ اُس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے مخمور انداز اور جذباتی لہجے میں کہا...... ''تم گھبرا گئے ہو۔ پی لو۔ یہ شراب کا آخری پیالہ ہے۔ اس کے بعد ہم اس سے توبہ کر لیں گے''۔ اُس نے چنگیز پر اپنے ریشمی بالوں کا سایہ کر لیا اور پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ بالوں کے ملائم لمس اور مہک نے نسوانی جسم کے مس اور حرارت نے اور شراب نے چنگیز کی زبان سے کہلوا لیا...... ''تم واقعی جاسوس ہو، ورنہ ڈیڑھ سال جاسوسوں کے سب سے بڑے استاد ہرمن کے سائے میں رہ کر بھی وہ مجھے نہیں پہچان سکا۔ میں تمہاری ذہانت کا مرید ہو گیا ہوں۔ تم ٹھیک کہتی ہو کہ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ تم میرے ساتھ قاہرہ چلو گی''۔

''بہت دیر ہو گئی ہے''۔ عورت نے کہا...... ''کل یہیں ملنا، میں تمہیں وہ باتیں بتاؤں گی جو تم کسی بھی طرح معلوم نہیں کر سکتے''۔

☆

رات کا آخری پہر تھا جب راشد چنگیز اپنے کمرے میں پہنچا۔ اُس نے وِکٹر کو کبھی جگایا نہیں تھا۔ صبح اُسے رات کی روئیداد سنایا کرتا تھا لیکن اُس رات اُس پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ وہ بہت ہی خوش تھا جو عورت اُسے دِل دے بیٹھی تھی، وہ مسلمان تھی اور تجربہ کار جاسوس بھی۔ یہ خوشی کیا کم تھی کہ وہ بہت ہی خوب صورت عورت کے ساتھ ترپولی سے نکل رہا تھا۔ اس نے اُسی وقت وِکٹر کے کمرے میں جا کر اُسے جگایا اور بتایا کہ یہ عورت تو اپنی جاسوس ہے۔ اُس نے وِکٹر کو اس عورت کی ساری کہانی سنا دی۔

''تم نے اُسے بتا دیا ہے کہ تم جاسوس ہو؟'' وِکٹر نے پوچھا۔

''ہاں!'' چنگیز نے جواب دیا...... ''مجھے بتا ہی دینا چاہیے تھا''۔

''میرے متعلق بھی بتا دیا ہے؟''

''نہیں!'' چنگیز نے جواب دیا...... ''تمہارے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی''۔ وکٹر کو خاموش دیکھ کر اُس نے کہا...... ''تم سمجھ رہے ہو کہ میں نے غلطی کی ہے۔ میں اناڑی تو نہیں وِکٹر!''

''تم نے یہ بھی اچھا کیا ہے کہ میرا ذکر نہیں کیا''۔ وکٹر نے کہا...... ''اور تم یہ دعویٰ بھی نہ کرو کہ تم اناڑی نہیں ہو''۔

''کیا میں نے غلطی کی ہے؟'' چنگیز نے پوچھا۔

''ہو سکتا ہے تم نے بہت اچھا کیا ہو''۔ وِکٹر نے کہا...... ''اگر یہ غلطی ہے تو یہ کوئی معمولی سی غلطی نہیں۔ تم شاید یہ بھول گئے تھے کہ صرف ایک جاسوس اپنی فوج کی فتح کا باعث بن سکتا ہے اور شکست کا بھی۔ تم جانتے ہو کہ سلطان ایوبی صلیبیوں کی ان تیاریوں سے بے خبر ہے۔ اگر ہم پکڑے گئے اور یہ راز ہمارے ساتھ قید خانے میں چلا گیا یا جلادوں کی نذر ہو گیا تو سلطان ایوبی، جو آج تک ہر میدان کا فاتح کہلاتا آیا ہے، تاریخ میں شکست خوردہ کے خطاب سے بھی یاد کیا جائے گا''۔

''نہیں!'' چنگیز نے وثوق اور خود اعتمادی سے کہا...... ''وہ مجھے دھوکہ نہیں دے گی۔ وہ مسلمان ہے۔ میں رات کو اُسے ملنے جاؤں گا۔ وہ پورا راز اپنے ساتھ لا رہی ہے۔ اب ہمیں اپنے امام کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ میں یہ راز

خود قاہرہ لے جاؤں گا۔ میرے دل کی شہزادی میرے ساتھ ہوگی...... ہاں۔ مجھے خیال آتا ہے کہ میری غیر حاضری سے یہاں کسی کو یہ شک نہ ہو کہ میں کوئی فوجی راز لے کر بھاگا ہوں۔ یہ عورت بھی میرے ساتھ لاپتہ ہوگی۔ تم یہ مشہور کر دینا کہ تم نے مجھے اور اُسے چوری چھپے ملتے دیکھا ہے اور میں اس عورت کو بھگا کر یروشلم کی سمت نکل گیا ہوں''۔

وِکٹر گہری سوچ میں کھو گیا اور راشد چنگیز نشے میں جھومتا رہا۔

جس وقت چنگیز وِکٹر کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اُس وقت تھوڑی ہی دُور افسروں کے رہائشی کمروں میں سے ایک میں یہ عورت داخل ہوئی جو چنگیز پر مرمٹی تھی۔ کمرے میں رہنے والا سویا ہوا تھا۔ اُس عورت نے بے تکلفی سے اُس کا ایک ٹخنہ پکڑا اور زور سے جھٹکا دیا۔ وہ آدمی ہڑبڑا کر اُٹھا۔ عورت نے ہنس کر کہا...... ''اُٹھو، اُٹھو۔ شکار مار لیا ہے''۔ اس آدمی نے قندیل جلائی اور اس عورت کو اپنے بازوؤں میں لے کر بستر پر گرا لیا۔ کچھ دیر بے حیائی کے ننگے مظاہرے ہوئے پھر اُس صراحی میں جس میں یہ عورت چنگیز کے لیے شراب لے گئی تھی جو شراب بچی تھی۔ وہ اُس آدمی نے پیالوں میں انڈیلی۔ دونوں نے پیالے خالی کیے۔

''اب کہو کیا خبر لائی ہو''۔

''وہ جاسوس ہے''۔ عورت نے کہا...... ''اور مسلمان ہے''۔

''ہرمن کا شک صحیح ثابت ہوا ہے''۔

''بالکل صحیح''۔ عورت نے کہا...... ''شراب کا اور میرا جادو کام کر گیا ہے، ورنہ ہرمن جیسا ماہر سراغ رساں بھی اُسے نہ پکڑ سکتا۔ اگر اُس کی مصنوعی داڑھی میرے ہاتھ نہ آجاتی تو شاید میں بھی ناکام رہتی۔ مجھے شک تو وہیں سے ہو گیا تھا جب اُس نے پہلے روز شراب پینے سے انکار کر دیا تھا۔ میں جان گئی کہ یہ مسلمان ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں پاک محبت کے لیے ترس رہی ہوں تو اُس نے مجھے پاک محبت دی، ورنہ ہمارے لوگ عورت کو دیکھتے ہیں تو سب سے پہلے اُس کے کپڑے اُتارتے ہیں''۔

''محبت پاک ہو یا ناپاک، عورت کا جسم پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے''۔ اس آدمی نے کہا...... ''یہ کمزوری ہر انسان میں موجود ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تمہارا حسن اس آدمی کو بے نقاب کر دے گا۔ عورت مجسم طور پر پاس ہو یا عورت کا صرف تصور ہو، انسان اپنے آپ میں نہیں رہتا''۔

یہ آدمی صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا افسر تھا اور ہرمن کا نائب۔ ہرمن کو کسی طرح شک ہو گیا تھا کہ راشد چنگیز جاسوس ہے۔ ایک تو وہ تجربہ کار تھا، دوسرے اُسے حکم ملا تھا کہ جس پر ذرا سا بھی شک ہو کہ جاسوس ہے، اُسے پکڑ لو۔ چنانچہ اُس نے بڑے سخت انتظامات کر دیئے تھے۔ راشد چنگیز کو شاید انہوں نے رات کو مسجد میں جاتے دیکھ لیا تھا۔ ہرمن نے اپنے نائب سے کہا کہ چنگیز کو کسی عورت کے جال میں لا کر دیکھو کہ یہ آدمی صاف ہے یا مشتبہ۔ اس محکمے کے پاس اس مقصد کے لیے ایک سے ایک کایاں عورت موجود تھی۔ اس عورت کو منتخب کیا گیا اور اُسے چنگیز کے پیچھے ڈال دیا گیا۔ یہ عورت اپنے فن کی ماہر تھی۔ اُس نے یہ ڈرامہ کھیلا جو سنایا گیا ہے۔ چنگیز نے کبھی بھی نہ سوچا کہ ہر رات وہ کمرے سے نکل کر امام کے پاس جارہا ہوتا ہے تو یہ عورت راستے میں مل جاتی ہے، یہ آتی کہاں سے ہے اور اُسے کس طرح پتہ چل جاتا ہے کہ چنگیز جارہا ہے۔ وہ سائے کی طرح اُس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

''میں نے اُسے اپنی دردناک کہانی جو تم نے بتائی تھی، سنائی تو وہ جذباتی ہو گیا''۔ عورت نے ہرمن کے نائب کو...... ''وہ فوراً قائل ہو گیا کہ میں مسلمان ہوں اور میں واقعی صلاح الدین ایوبی کے لیے جاسوسی کر رہی ہوں''۔

''مسلمان جذباتی قوم ہے''۔ ہرمن کے نائب نے کہا۔۔۔۔۔۔ ''بلکہ یہ عجیب وغریب قوم ہے۔ مسلمان مذہب کے نام پر ایسی ایسی قربانیاں دے گزرتے ہیں جو کوئی اور قوم نہیں دے سکتی۔ میدانِ جنگ میں ایک مسلمان دس سے لے کر پندرہ صلیبی سپاہیوں کا مقابلہ کرسکتا ہے اور کرتا ہے۔ اسے وہ ایمان کی قوت کہتے ہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں مسلمانوں کی اس روحانی قوت کا قائل ہوگیا ہوں۔ آٹھ آٹھ یا دس دس چھاپہ ماروں کا ہمارے عقب میں چلے جانا، شب خون مارنا، ہماری رسد کو نذرِ آتش کرکے غائب ہوجانا، گھیرے سے نکل جانا، نہ نکل سکیں تو اپنی لگائی ہوئی آگ میں زندہ جل جانا، کوئی معمولی بہادری نہیں۔ اسے مافوق الفطرت کہا جاسکتا ہے۔ میں تو اسے معجزہ کہا کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔

''مسلمانوں کی اس قوت کو کمزور کرنے کے لیے ہمارے اُن دانش وروں نے جو انسانی فطرت کی کمزور رگوں کو سمجھتے ہیں، ایسے طریقے وضع کیے ہیں جن سے مسلمانوں کے مذہبی جنون کو ان کی کمزوری بنا دیا گیا ہے۔ یہودیوں نے اس سلسلے میں بہت کام کیا ہے۔ ہم نے یہ کامیابی چند ایک یہودیوں اور عیسائیوں کو مسلمانوں کے عالموں اور اماموں کے بہروپ میں بھیج کر حاصل کی ہے۔ مسلمان علاقوں کی کئی مسجدوں کے امام اصل میں یہودی اور عیسائی ہیں۔ انہوں نے قرآن اور حدیث کی ایسی تفسیریں مقبولِ عام کردی ہیں جن میں مسلمان غلط عقائد کے پیروکار ہوتے جارہے ہیں۔ انہیں اب مذہب کے نام پر اپنے بھائیوں کے خلاف لڑایا جاسکتا ہے اور ہم نے لڑا کر دکھا بھی دیا ہے۔۔۔۔۔۔

''ہم نے مسلمانوں میں جنسی جنون بھی پیدا کردیا ہے۔ اب جس مسلمان کے ہاں دولت اور اقتدار آتا ہے، وہ سب سے پہلے حرم بناتا اور اسے حسین اور جوان لڑکیوں سے بھرتا ہے۔ یہ زن پرستی نیچے تک چلی گئی ہے۔ ہم نے کئی طریقوں سے مسلمانوں کے بیٹوں میں تصور پرستی اور ذہنی عیاشی کا رجحان پیدا کردیا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمان جذباتی ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ اس مسلمان جاسوس کے جذبات کو تم نے چھیڑا تو وہ تمہارے جال میں پھنس گیا۔ جذباتیت بہت بڑی کمزوری ہے۔ ہرمن کہا کرتا ہے کہ مستقبل قریب میں یہ قوم تصوروں کی غلام ہوجائے گی اور حقیقت سے دُور ہٹ جائے گی، پھر ہمیں جنگ و جدل کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ مسلمان ذہنی طور پر ہمارے غلام ہوجائیں گے۔ وہ اپنی روایات کو ترک کرکے ہمارے تہذیب وتمدن کو اپنانے میں فخر محسوس کریں گے''۔

''مجھے نیند آرہی ہے''۔ عورت نے اُکتا کر کہا۔۔۔۔۔۔ ''میں نے تمہیں ایک شکار دے دیا ہے۔ ابھی اسے گرفتار کرلو''۔

''نہیں''۔ انٹیلی جنس کے اس نائب نے کہا۔۔۔۔۔۔ ''ابھی تمہارا کام ختم نہیں ہوا، اگر اسے گرفتار کرنا ہوتا تو اس کے ساتھ یہ ناٹک کھیلنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں اتنی زحمت نہ دی جاتی۔ ہم تو کسی کو بھی محض شک میں گرفتار کرسکتے ہیں مگر اسے ابھی گرفتار نہیں کریں گے۔ اس سے اس کے اُن تمام ساتھیوں کا سراغ لینا ہے جو ترپولی میں جاسوسی کررہے ہیں۔ ان میں تباہ کار چھاپہ مار بھی ہوں گے۔ ہوسکتا ہے اس سے دوسرے شہروں کے جاسوسوں کی بھی نشاندہی کرائی جاسکے۔ تم اسے پھر مل رہی ہو۔ اسے کہنا کہ تم نے تمام تر راز معلوم کرلیا ہے، اب چند ایک دوسرے جاسوسوں کی بھی ضرورت ہے۔ اسے یہ بھی کہنا کہ ایک جگہ صلیبیوں نے بے انداز آتش گیر مادہ اور قیمتی سامان جمع کر رکھا ہے جو حملے میں ساتھ جائے گا۔ اسے تباہ کرنا ہے، اس لیے یہاں کے زمین دوز چھاپہ ماروں سے میری ملاقات کراؤ''۔

''میں سمجھ گئی ہوں''۔ عورت نے کہا۔۔۔۔۔۔ ''لیکن یہ بھی امکان ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے پردہ نہ اُٹھائے''۔

ہرمن کے نائب نے عورت کے بالوں پر، عریاں کندھوں پر اور اُس کے سینے پر ہاتھ پھیر کر کہا۔۔۔۔۔۔ ''کیا تمہارے یہ ہتھیار بے کار ہوگئے ہیں؟ اُس نے اپنا چہرہ بے نقاب کردیا ہے۔ اُس نے قلعے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ تمہیں

اب اندر جا کر کونے کھدرے کی تلاشی لینی ہے۔تم یہ کام بھی کر سکو گی۔ میں صبح ہرمن کو تفصیل سے بتا دوں گا کہ تم نے یہ کارنامہ کر دکھایا ہے"۔

☆

شام کے کھانے پر جب چنگیز اور وِکٹر اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہے تھے، ہرمن آ گیا۔اُس نے چنگیز کے ساتھ دوستانہ انداز سے ہاتھ ملایا اور کہا..... "تمہیں معلوم ہے کہ ہماری افواج تاریخ کی سب سے بڑی مہم پر جا رہی ہیں۔ ہم تمہیں بھی ساتھ لے جا رہے ہیں۔ بہت دُور کی سیر کرائیں گے۔ وِکٹر بھی ساتھ ہوگا، چونکہ دو تین بادشاہ ساتھ ہوں گے، اس لیے تم دونوں کا ساتھ جانا ضروری ہے"۔

"میں ضرور چلوں گا"۔ چنگیز نے کہا۔

ہرمن کو رپورٹ مل چکی تھی کہ راشد چنگیز جاسوس ہے اور آج رات اس کے محکمے کی ایک جواں سال اور دلنشیں عورت جس نے اسے بے نقاب کیا ہے، اس سے اس کے گروہ کے دیگر افراد کے نام اور پتے بھی حاصل کر لے گی۔ ہرمن نے اس عورت کو نئی ہدایات دی تھیں اور نائب سے کہا تھا کہ چنگیز کے گروہ کا انکشاف ہونے تک یہ عورت اسے اکیلے ملتی رہے اور اتنی ہوشیار رہے کہ چنگیز کو شک نہ ہو۔

چنگیز کا دھیان اپنے کام میں تھا ہی نہیں۔ وہ لمحے گن گن کر گزار رہا تھا۔ اتنی بڑی کامیابی اُس نے کبھی بھی حاصل نہیں کی تھی کہ اتنا عظیم راز اُسے ملا ہو اور اتنی حسین لڑکی اس پر مرمٹی ہو۔ اُس رات کو تریپولی میں وہ آخری رات سمجھ رہا تھا۔ مکمل راز لے کر اس عورت کے ساتھ اُسے اگلے روز تریپولی سے نکل جانا تھا...... وہ آخر فارغ ہو گیا اور اپنے کمرے میں گیا۔ وِکٹر بھی اس کے ساتھ تھا۔ اُس نے کپڑے بدلے۔ مصنوعی داڑھی نہ لی۔ خنجر چغے کے اندر چھپا لیا۔

"میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ اس عورت اور شراب کے نشے سے آزاد ہو کر اور دماغ کو حاضر رکھ کر بات کرنا"۔ وِکٹر نے اسے کہا..... "مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ تم اس عورت کو پوری چھان بین کیے بغیر اسے اپنے سارے راز دے دو گے"۔

"سنو وِکٹر!" چنگیز نے عجیب سے لہجے میں کہا..... "میں اس عورت کے خلاف کوئی بات نہیں سنوں گا۔ میں نے اس کے ساتھ بڑی لمبی ملاقاتیں کی ہیں۔ اس کی پوری کہانی سنی ہے۔ تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ میں بہتر سمجھتا ہوں۔ مجھے پاگل نہ سمجھو۔ یہ میری پہلی اور آخری محبت ہے"۔

وِکٹر چپ رہا۔ اُس نے چنگیز کے لہجے سے جان لیا تھا کہ وہ اپنے آپ میں نہیں۔ اُسے یہ احساس تو تھا کہ چنگیز کی شکل و صورت اور قد بت میں اتنی کشش ہے کہ اس عورت سے کہیں زیادہ خوب صورت اونچے طبقے کی عورتیں بھی اُسے نظر بھر کر دیکھتی ہیں لیکن اس عورت کے متعلق اُسے وہم سا ہو چلا تھا کہ چنگیز کو دھوکہ دے رہی ہے اور اگر وہ دھوکہ نہیں دے رہی تو چنگیز اُسے اپنی اصلیت بتا کر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال رہا ہے، اگر یہ عورت مسلمان جاسوس ہی ہے تو اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اُسے سرکاری طور پر نہیں بھیجا گیا تھا۔ وِکٹر کو اطمینان محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

چنگیز چلا گیا۔ وِکٹر گہری سوچ میں کھو گیا۔ چنگیز کے جانے کے بعد وہ سو جایا کرتا تھا، مگر اُس رات اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اپنے کمرے میں جا کر وہ لیٹنے کی بجائے بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

☆

عورت اُسی جگہ چنگیز کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اُس کے قریب زمین پر شراب کی صراحی اور دو پیالے پڑے تھے۔ اندھیرے میں چنگیز کو سائے کی طرح آتا دیکھ کر وہ دوڑ پڑی اور اُس کے ساتھ لپٹ گئی جیسے بچہ ماں کے ساتھ لپٹ جاتا ہے۔ اُس نے ایسے والہانہ پن اور خود سپردگی کا مظاہرہ کیا جس نے چنگیز کی عقل پر خمار طاری کر دیا اور اُس کے جذبات بیدار ہو گئے۔ اس کایاں عورت نے اپنے حسن و جوانی کے وہ سارے ہتھیار استعمال کیے جن پر ہرمن کے نائب نے ہاتھ پھیر کر کہا تھا کہ تمہارے یہ ہتھیار بے کار تو نہیں ہو گئے۔

''تم مجھے دھوکہ تو نہیں دے رہے؟'' اُس نے چنگیز سے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا..... ''تمہاری محبت نے مجھے ایسا بے بس اور مجبور کر دیا ہے کہ میں نے اپنا اتنا نازک راز تمہیں دے دیا ہے''۔

عورت اُس کی کمر کے گرد ایک بازو لپیٹے اسے وہاں لے گئی جہاں صراحی اور پیالے رکھے تھے۔ اُسے وہاں بٹھایا اور پیالوں میں شراب ڈال کر بولی..... ''فتح کی خوشی میں ایک جام''..... چنگیز اس قدر مسرور تھا کہ اُس نے فوراً پیالہ لے لیا اور پی گیا۔ عورت نے اُس کے پیالے میں اور شراب ڈال دی۔ چنگیز نے وہ بھی پی لی۔ اُن سے آٹھ دس قدم دُور ایک درخت تھا۔ کوئی پیچھے سے رینگتا ہوا آیا اور اُس درخت کے تنے کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ رات خاموش تھی۔ درخت کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے آدمی کو چنگیز اور عورت کی سرگوشیاں بھی سنائی دے رہی تھی، مگر وہ سرگوشیوں میں نہیں ذرا اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔

''اب بتاؤ کیا خبر لائی ہو''۔ چنگیز نے عورت سے پوچھا۔

''ایسی خبر لائی ہوں جو سلطان ایوبی نے کبھی خواب میں نہیں سنی ہوگی''۔ عورت نے کہا..... ''میں صلیبیوں کی موت کا پروانہ لائی ہوں''..... اُس نے چنگیز کو صلیبیوں کا پلان اور پیش قدمی کا راستہ بتا دیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ کہاں حملہ کریں گے۔ اُس نے صلیبی فوج کی رسد کا راستہ بھی بتایا اور یہ بھی کہ کوچ کب ہوگا۔

''ہمیں یہاں سے جلدی نکل جانا چاہیے''۔ چنگیز نے کہا..... ''کل رات نکل چلیں؟''

''نہیں!''۔ عورت نے کہا..... ''ہمیں جس راز کی ضرورت تھی، وہ مل گیا ہے، لیکن میرے دِل میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی ہے، میں اسے سرد کر کے جاؤں گی۔ صلیبیوں نے اپنی فوج کے لیے بے انداز رسد جمع کر لی ہے۔ خیموں اور ہتھیاروں کا کوئی حساب نہیں۔ آتش گیر سیال کے مٹکے بھی ہیں۔ اناج کے انبار ہیں۔ یہ ذخیرہ دُور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اسے تباہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ پہرے کا اتنا ہی انتظام ہے کہ سات آٹھ سپاہی رات کو گشت کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ صلیبیوں نے یہ ذخیرہ تین چار مہینوں میں جمع کیا ہے، اگر ہم نے اسے نذرِ آتش کر دیا تو ان کا حملہ تین چار مہینوں کے لیے رُک جائے گا۔ اس عرصے میں سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی تیاریاں مکمل کر لے گا۔ تم ہرمن کو جانتے ہو۔ میں نے اُس کے دل سے بھی راز نکال لیے ہیں۔ اُس نے بتایا ہے کہ سلطان ایوبی نئی بھرتی کر رہا ہے اور اُس کی پہلی فوج اپنے ہی بھائیوں کے خلاف لڑ کر اتنا جانی نقصان اُٹھا چکی ہے کہ لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ یہ بدبخت صلیبی سلطان ایوبی کی اس کمزوری سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں۔ اس وقت ضرورت یہ ہے کہ صلیبیوں کا کوچ التوا میں ڈالا جائے۔ اس کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ان کی رسد جلا دی جائے۔ ان کے جو ہزاروں گھوڑے ہیں، انہیں ہلاک کرنے کا انتظام بھی ہو سکتا ہے''۔

''رسد کو آگ کون لگائے گا؟'' چنگیز نے پوچھا۔

''یہ تمہیں معلوم ہوگا کہ یہاں تمہارے کتنے آدمی موجود ہیں''۔ عورت نے کہا..... ''اِن میں چھاپہ مار بھی ہوں گے۔ یہ کام اُن کے سپرد کیا جائے، یہاں تمہارے کتنے چھاپہ مار موجود ہیں؟''

''سلطان ایوبی نے حکم دے رکھا ہے کہ دشمن کے مقبوضہ علاقوں میں تباہ کاری نہ کی جائے کیونکہ چھاپہ مار تو تباہ کاری کرنے کے بعد اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں، سزا بے گناہ مسلمان باشندوں کو ملتی ہے''۔ چنگیز نے کہا...... ''صلیبی ان کے گھروں میں گھس کر ان کی مستورات کو بھی پریشان کرتے ہیں، اس لیے ہم نے چھاپہ ماروں کو واپس بھیج دیا تھا۔ یہاں جاسوس ہیں، وہ تخریب کاری بھی کر سکتے ہیں۔ وہ یہاں کے چند ایک جوانوں کا تیار کر سکتے ہیں''۔

''انہیں کسی جگہ اکٹھا کرنے کا انتظام ہو سکتا ہے؟'' عورت نے پوچھا اور چنگیز کے پیالے میں شراب ڈال کر اپنے ہاتھوں پیالہ اُس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔

''ہم نے ایک مسجد کو خفیہ اڈہ بنا رکھا ہے''۔ چنگیز نے شراب کا پیالہ پی کر کہا۔ اُس نے مسجد کا محلِ وقوع بتا دیا اور کہا...... ''اس مسجد کا امام ہماری جماعت کا امیر ہے۔ بہت قابل اور دلیر انسان ہے۔ میں آج رات ہی اُسے بتا دوں گا۔ وہ کل ان جوانوں کو مسجد میں اکٹھا کر لے گا۔ وہ سب نماز پڑھنے کے بہانے آئیں گے''۔

''صرف ایک قابل اور دلیر آدمی سے کام نہیں چلے گا''۔ عورت نے کہا...... ''امام کے ساتھ تم ہو گے اور تین چار اور ذہین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، تاکہ اس تباہ کاری کا منصوبہ دانش مندی سے بنے۔ یہ ذخیرہ اُس وقت تباہ کیا جائے گا، جب ہم دونوں یہاں سے نکل جائیں گے، ورنہ شہر کی ناکہ بندی ہو جائے گی''۔

''صرف امام نہیں''۔ چنگیز نے کہا...... ''یہاں ہمارا ایک سے ایک بڑھ کر قابل آدمی موجود ہے''۔ اُس نے چند ایک آدمیوں کے نام بتا دیئے اور کہا...... ''میں ان سب کو مسجد میں بلا سکتا ہوں''۔

یہ عورت چنگیز سے یہی راز لینا چاہتی تھی۔ اُس نے اس گروہ کے متعلق کچھ اور باتیں پوچھیں جو چنگیز نے بتا دیں اور کہا...... ''اس محل میں، مَیں اکیلا نہیں۔ میرے ساتھ وِکٹر نام کا جو آدمی ہے، وہ بھی ہمارے گروہ میں ہے''۔

''وِکٹر بھی؟'' عورت نے چونک کر کہا۔

''ہاں!'' چنگیز نے کہا...... ''کیا تم ہماری استادی کی تعریف نہیں کرو گی کہ ہم نے ایک عیسائی کو بھی اپنا جاسوس بنا رکھا ہے؟''

عورت کچھ دیر خاموش رہی، پھر بولی...... ''کل دن کو میں تمہارے کمرے میں آؤں گی۔ مجھے وہاں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا''۔

☆

عورت جانے کے لیے اُٹھی۔ درخت کی اوٹ میں چھپے ہوئے آدمی نے حرکت کی۔ اُس نے بیٹھے بیٹھے کمر بند سے خنجر نکالا اور آٹھ دس قدم کا فاصلہ دو چھلانگوں میں طے کر کے عورت کو پیچھے سے ایک بازو سے جکڑ لیا۔ اُس کا خنجر والا ہاتھ اوپر اُٹھا، تیزی سے نیچے آیا اور خنجر عورت کے سینے میں اُتر گیا۔ عورت کی ہلکی سی چیخ سنائی دی اور یہ آواز...... ''میرے سینے میں خنجر اُتر گیا ہے''۔

چنگیز نے خنجر نکالا اور اُس آدمی کو للکار کر اُس پر حملہ کیا۔ اُس آدمی نے گھوم کر عورت کو آگے کر دیا اور کہا...... ''میں وکٹر ہوں چنگیز! اس بدبخت کو زندہ نہیں رہنا چاہیے''...... عورت سسک رہی تھی۔ وِکٹر نے اُسے پیچھے سے ایک بازو میں دبوچ رکھا تھا۔

''تم ذلیل عیسائی!'' چنگیز ...

کرنے لگا۔

وِکٹر نے عورت کو آگے کر دیا اور اُسے ڈھال بنا کر بولا...... ''ہوش میں آؤ چنگیز! تم نے اسے سب کچھ بتا کر سارا کھیل برباد کر دیا ہے، اگر یہ زندہ رہی تو کل ہم سب گرفتار ہو جائیں گے''۔

چنگیز بپھرے ہوئے چیتے کی طرح اُس کے اِردگرد گھوم اور پھنکار رہا تھا۔ لڑکی ابھی ہوش میں تھی۔ کراہتے ہوئے بولی...... ''چنگیز! میرے خون کا انتقام تمہارے سر ہے۔ عیسائی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔ میں اب زندہ نہیں رہوں گی۔ یہ ہمارا نہیں، صلیبیوں کا جاسوس ہے''۔

چنگیز نے جست لگا کر وِکٹر پر حملہ کیا۔ وِکٹر نے بار بار اُسے کہا کہ وہ دھوکے میں آ گیا ہے اور اس عورت کو قتل کر کے لاش دُور پھینک آئیں گے، مگر چنگیز اب جاسوس نہیں، وہ مرد بن چکا تھا جس کی محبوبہ کو ایک اور مرد نے پکڑ رکھا تھا اور اُس کے سینے میں خنجر بھی اُتار چکا تھا۔ اُس نے سامنے سے عورت کو اتنی زور سے دھکہ دیا کہ وِکٹر پیچھے کو گرا اور عورت اُس کے اوپر گری۔ چنگیز نے وِکٹر پر خنجر کا وار کیا۔ وہ ہوشیار اور پھرتیلا تھا۔ ایک طرف ہو گیا اور اُٹھا۔ چنگیز نے اُس پر ایک اور وار کیا۔ خنجر اُس کے کندھے میں لگا۔

وِکٹر نے سنبھل کر جوابی حملہ کیا۔ چنگیز کا بھی زندہ رہنا خطرناک تھا۔ وِکٹر کا خنجر چنگیز کے پیٹ میں لگا۔ چنگیز نے خنجر کھا کر وار کیا جو وِکٹر کے بازو کو چیر گیا۔ اُس نے چنگیز کے سینے میں خنجر مارا۔ چنگیز شراب کے نشے میں پاؤں پر کھڑا رہنے کے قابل نہیں تھا۔ وِکٹر نے ایک اور وار اُس کے سینے پر ہی کیا اور چنگیز گر پڑا۔ اُس نے عورت کے دل پر ہاتھ رکھا۔ دِل خاموش تھا۔ وہ مر چکی تھی۔ چنگیز بھی آخری سانس لے رہا تھا۔ وہ ہوش میں نہیں تھا۔

وِکٹر کے کندھے اور بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ اُس نے عورت کے کپڑے پھاڑے اور بازو پر باندھ لیے۔ کندھے کے زخم میں کپڑا ٹھونس دیا تاکہ خون بند ہو جائے۔ وہ چل پڑا۔ اُس نے رفتار تیز کر لی۔ زخموں پر کپڑا باندھ لینے کے باوجود خون نہ رُکا۔ اُس نے پرواہ نہ کی اور چلتا گیا۔ وہ ایک گلی میں داخل ہو گیا اور دو ایک موڑ مڑ کر وہ ایک فراخ گلی میں چلا گیا۔ تریپولی پر گہری نیند طاری تھی۔ گلیاں سنسان تھیں۔ تمام گھروں کے دروازے بند تھے۔ صرف ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ خدا کے گھر کا دروازہ تھا۔ یہ مسجد تھی۔ وہ اس مسجد میں پہلی بار آیا تھا۔ چنگیز نے اُسے بتا رکھا تھا کہ کبھی اس مسجد میں جانے کی ضرورت پڑے تو مسجد کے صحن میں چلے جانا۔ بائیں دیوار میں ایک دروازہ ہے جو امام کے گھر کا ہے۔ وِکٹر نے یہ مسجد باہر سے دیکھی تھی۔ یہ سلطان ایوبی کے تریپولی میں موجود جاسوسوں کا خفیہ ہیڈ کوارٹر تھا اور مسجد کا امام مسجد کا ہی نہیں جاسوسوں کے اس گروہ کا بھی امام تھا۔ وِکٹر نے کھلے دروازے میں داخل ہو کر جوتے اُتار دیئے۔

☆

رات آدھی گزر چکی تھی۔ امام گہری نیند سویا ہوا تھا۔ دروازے کی دستک نے اُسے جگا دیا۔ اُس نے دانستہ توقف کیا۔ وہ دستک ایک بار پھر سننے کے انتظار میں تھا۔ دستک پھر ہوئی۔ یہ جاسوسوں کی مخصوص دستک تھی۔ پھر بھی اُس نے لمبا خنجر ہاتھ میں لیا اور دروازہ کھولا۔ دھیمی آواز میں کہا...... ''چنگیز؟''

''وِکٹر''۔ وِکٹر نے جواب دیا...... ''اندر چلیں''

''خون کی بو کہاں سے آ رہی ہے؟'' امام نے اندھیرے میں وِکٹر کا بازو تھام کر پوچھا۔

''یہ میرا خون ہے''۔ وِکٹر نے جواب دیا۔

امام اُسے گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا۔ دیا جلایا تو اُسے نظر آیا کہ وکٹر کے کپڑے خون سے لال اور تر ہو رہے تھے۔ وکٹر کے ساتھ اُس کا وہی تعارف تھا جو چنگیز نے غائبانہ کرا رکھا تھا۔ امام نے اُسے دُور سے دیکھا تھا۔ وِکٹر کو وہ پس منظر میں رکھتے تھے جس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ عیسائی تھا بلکہ یہ کہ اُسے انہوں نے اندر کی اطلاعات فراہم کرنے کا کام سونپ رکھا تھا۔ یہ جاسوسی کا ایک طریقہ اور اُن کی اپنی تنظیم تھی۔ اس لحاظ سے امام اور وکٹر ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں تھے۔

''تم آئے ہو''۔ امام نے پوچھا..... ''چنگیز کیوں نہیں آیا؟''

''وہ اب کبھی نہیں آسکے گا''۔

''کیوں؟'' امام نے گھبرا کر پوچھا..... ''پکڑا گیا ہے؟''

''اُسے اُس کے گناہوں نے پکڑا ہے''۔ وِکٹر نے جواب دیا۔ ''اور میرے خنجر نے اُسے سزائے موت دے دی ہے۔ آپ میرا خون نہیں دیکھ رہے؟ کیا آپ میرا خون بند کرنے کا بندوبست کر سکتے ہیں؟ آپ گھبرائیں نہیں، خدا کا شکر ادا کریں کہ چنگیز زندہ نہیں، ورنہ ہم میں سے ہر کوئی قید خانے کی اذیتوں سے مارا جاتا''۔

امام نے بہت تیزی سے دوائیاں نکالیں۔ پانی لایا اور اُس کے زخم دھونے لگا۔ وِکٹر کو کپڑے بدلنے کو کہا۔

''نہیں''۔ وِکٹر نے جواب دیا۔ ''میں نے سوچ لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں انہی کپڑوں میں واپس جاؤں گا۔ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ میرا عزیز دوست اور بڑے ہی خطرناک سفر کا ساتھی میرے ہاتھوں قتل ہوگیا ہے۔ میں آپ سب کے لیے اپنے آپ کو قربان کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ میں اپنی گردن جلاد کے آگے جھکا کر آپ سب کو صاف بچا لوں گا''۔

امام اُس کے زخم صاف کر کے اُن پر سفوف چھڑک رہا تھا اور وِکٹر اُسے سارا واقعہ سنا رہا تھا۔ اُس نے ہر ایک تفصیل سنا کر کہا..... ''مجھے شک ہوگیا تھا کہ یہ عورت فریب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں نے وہ بوڑھا کمانڈر کبھی نہیں دیکھا تھا جس کی وہ اپنے آپ کو داشتہ بتاتی تھی۔ اُس کا ہر رات چنگیز کے راستے میں آجانا ایک ثبوت تھا کہ وہ قریب ہی کہیں ہوتی ہے اور چنگیز پر نظر رکھتی ہے۔ میں نے چنگیز سے جب بھی کہا کہ وہ زیادہ احتیاط کرے، وہ غصے میں آگیا۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ وہ شراب بھی پینے لگا تھا۔ مجھے شک ہے کہ شراب میں اُسے حشیش ملا کر پلائی جاتی تھی، ورنہ چنگیز جیسا سخت آدمی اور ایمان کا پکا اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے اس فریب میں نہ آتا۔ بڑی خوب صورت لڑکیاں اُسے اپنی محبت میں گرفتار کرنے کی کوشش کر چکی تھیں۔ وہ ہنس کر ٹال دیا کرتا تھا۔ اس عورت نے اُسے اپنے حسن اور حشیش کی آمیزش والی شراب کے طلسم میں جسمانی نہیں ذہنی طور پر گرفتار کر لیا تھا.....

''اُس نے جب یہ بتایا کہ اُس نے عورت کو بتا دیا ہے کہ وہ جاسوس ہے تو میرا دِل کانپ اُٹھا۔ مجھے جیسے عالمِ غیب سے اشارہ مل رہا تھا کہ چنگیز نے اتنی بڑی لغزش کی ہے، جس کی سزا صرف اُس کی نہیں ہم سب کی موت ہے اور اُس کی یہ لغزش شام اور مصر کی آزادی کی موت کا بھی باعث بن سکتی ہے۔ میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کی عقل پر عورت نے جو طلسم طاری کر دیا تھا وہ اُسے ہم سے اور اپنے فرائض سے اور اپنے ایمان سے بھی بہت دور لے گیا تھا۔ میں نے اُسی وقت ارادہ کر لیا تھا کہ اب یہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ اس عورت کو قتل کر دیا جائے اور اگر چنگیز کا رویہ نہ بدلے تو اُسے بھی ختم کر دیا جائے۔ ملک اور قوم کو خطرے سے بچانے کے لیے ایک آدمی کا قتل کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔ یہ تو جاسوسی کا اصول ہے کہ گروہ کے کسی آدمی پر غداری کا شک ہو یا اُس کی وساطت سے راز فاش ہونے کا خطرہ ہو تو اُسے ختم کر دیا جائے۔ میں نے پھر بھی اس کے قتل سے گریز کیا مگر وہ مجھے قتل کرنے کے لیے آگیا ہوگا تھا''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ تم نے اُسے غلط فہمی میں قتل کر دیا ہو''......امام نے کہا......''ہوسکتا ہے کہ لڑکی مسلمان ہی ہو اور وہ سچے دِل سے ہمارے لیے کام کر رہی ہو''۔

''ہوسکتا ہے''۔ وِکٹر نے کہا......''لیکن میں نے ثبوت دیکھ لیا تھا۔ میں نے چنگیز کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں نے اس عورت کو اُس عمارت سے نکلتے اور واپس جاتے دیکھا تھا جہاں ہرمن کے شعبے کی لڑکیاں رہتی ہیں۔ میں نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ یہ عورت کسی کمانڈر کی داشتہ نہیں۔ وہ اس عمارت میں رہتی ہے۔ آج رات میں چنگیز کے پیچھے چلا گیا اور جہاں وہ اس عورت کے ساتھ بیٹھا، وہاں سے چند قدم دُور میں ایک درخت کے پیچھے بیٹھ گیا۔ عورت نے جس انداز سے چنگیز سے راز کی باتیں پوچھیں اور جو باتیں پوچھیں وہ اس شک کو یقین میں بدلنے کے لیے کافی تھیں کہ یہ عورت صلیبیوں کی جاسوس ہے۔ اُس نے تریپولی میں ہمارے چھاپہ ماروں کے متعلق پوچھا اور چنگیز کو بتایا کہ صلیبی فوج کے لیے رسد وغیرہ کا بے انداز ذخیرہ رکھا گیا ہے جس میں آتش گیر سیال کے بے شمار مٹکے ہیں۔ میں بھی جاسوس ہوں۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ یہاں کہیں بھی اتنا ذخیرہ نہیں رکھا گیا، اُس نے جو جگہ بتائی تھی، وہاں کچھ بھی نہیں۔ آپ خود کل جا کے دیکھ لینا......

''چنگیز نے اُس کے آگے ہماری ساری جماعت کی نشاندہی کر دی اور اُس نے میرا نام لے کر مجھے بھی بے نقاب کر دیا۔ میں اتنی اہم جگہ پر ہوں جہاں مجھے راز کی گہری باتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس عورت نے میرا نام سنا تو وہ اپنی حیرت کو چھپا نہ سکی۔ وہ بہت دیر خاموش رہی۔ پھر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ہمارا اتنا خطرناک راز یہ عورت لے جا رہی تھی اور یہ راز سیدھا ہرمن کے پاس جا رہا تھا۔ اُس کے نتائج کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ میں نے اُٹھ کر عورت کو پکڑ لیا اور خنجر اُس کے سینے میں گھونپ دیا۔ چنگیز مجھ پر ٹوٹ پڑتا تھا۔ اُسے بہت سمجھایا۔ حقیقت بتائی مگر شراب نے اُسے حیوان بنا رکھا تھا۔ میں نے اس کے خنجر سے زخم کھا کر بھی اُسے سمجھایا مگر وہ سوچنے سمجھنے کی حالت میں تھا ہی نہیں۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ زندہ رہا تو میں اُسے قابو میں نہیں لا سکوں گا اور ہمارا اصل مقصد بُری طرح ختم ہو جائے گا۔ میں نے اُسے بھی ختم کر دیا''۔

''تم نے اچھا کیا ہے''۔ امام نے کہا......''میں تمہارا فیصلہ قبول کرتا ہوں۔ تم اب تریپولی سے نکل جاؤ۔ میں انتظام کر دیتا ہوں''۔

''نہیں''۔ وِکٹر نے کہا......''صبح چنگیز اور عورت کی لاشیں سب دیکھ لیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہرمن کو معلوم ہو چکا ہے کہ چنگیز جاسوس تھا۔ اسی نے اس عورت کو اس کے پیچھے ڈالا تھا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ ان دونوں کو مسلمان جاسوسوں نے قتل کیا ہے، پھر یہاں کے مسلمانوں کے لیے قیامت آ جائے گی۔ پہلے ہی احکام مل چکے ہیں کہ کسی پر جاسوسی کا شک ہو تو اُسے قید یا قتل کر دیا جائے۔ اب تو یوں سمجھو کہ یہاں کے ہر مسلمان گھرانے پر ہرمن نے ایک ایک جاسوس مقرر کر دیا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں...... میں واپس اپنی جگہ جا رہا ہوں۔ میں یہ قتل اپنے ذمے لوں گا اور وجہ یہ بتاؤں گا کہ میں اور چنگیز رقیب تھے''۔

''ہم تم سے اتنی قربانی نہیں لیں گے''۔ امام نے کہا......''میں تمہارے ساتھ ایک آدمی کو بھیجوں گا جو تمہیں قاہرہ چھوڑ آئے گا''۔

''میں اپنی جان کی قربانی دینا چاہتا ہوں''۔ وِکٹر نے کہا۔ ''مجھے وہ وقت یاد ہے جب میرے شہر میں صلیبی فوج کے دو افسروں نے میری بہن پر ہاتھ ڈالا تھا۔ انہوں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ میری بہن کو اُٹھا کر لے چلیں۔ کوئی عیسائی میری مدد کو نہیں آیا۔ تین مسلمان جوانوں نے ان سپاہیوں کا مقابلہ کیا تھا، تینوں زخمی ہو گئے تھے لیکن انہوں نے میری

بہن کو بچالیا تھا۔ وہ تو بالائی افسر اچھا تھا جس نے میری شکایت سن لی تھی ورنہ میری بہن بھی نہ رہتی اور تینوں مسلمانوں کو بھی قتل کرا دیا جاتا۔ اسی واقعہ نے مجھے مسلمانوں کا جاسوس بنایا تھا۔ میں آپ کی قوم کو اس احسان کا صلہ دینا چاہتا ہوں۔ میں اپنی جان جلاد کے حوالے کر کے ترپولی کے مسلمانوں کی جان اور عزت بچاؤں گا''۔

اُس نے امام کو بتایا...... ''صلیبیوں نے فوجیں جمع کرنی شروع کر دی ہیں اور اُن کا رُخ حلب کی طرف ہوگا۔ وہ سب سے پہلے شام کو تہ تیغ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ابھی یہ پتہ نہیں چلا کہ وہ کب کوچ کریں گے۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ ان کی ساری فوج ایک ہی علاقے پر حملہ کرے گی یا آگے جا کر تقسیم ہو جائے گی اور ایک ہی وقت کئی مقامات پر حملے کرے گی۔ سلطان ایوبی تک یہ اطلاع بہت جلدی پہنچ جانی چاہیے تا کہ وہ مصر میں نہ بیٹھا رہے''...... وِکٹر کو جو کچھ معلوم ہوسکا تھا، وہ اُس نے امام کو بتا دیا۔

وہ اُٹھا اور امام کے روکنے پر بھی نہ رُکا۔ کہنے لگا...... ''آپ بالکل مطمئن رہیں۔ آپ کو کوئی نہیں پکڑ سکے گا'' اور وہ باہر نکل گیا۔

☆

وہ شہر سے بھی نکل گیا۔ اُس کے زخموں سے خون بند ہو چکا تھا۔ امام نے دونوں زخموں پر پٹیاں باندھ دی تھیں۔ اُس نے اِس خیال سے دونوں پٹیاں اُتار کر پھینک دیں کہ جن کے پاس وہ جا رہا تھا، وہ یہ نہ پوچھ بیٹھیں کہ مرہم پٹی کس سے کرائی ہے۔ زخموں سے پھر خون رِسنے لگا۔ وہ اُس جگہ گیا جہاں چنگیز اور عورت کی لاشیں پڑی تھیں۔ رات کے پچھلے پہر کا چاند اوپر اُٹھ آیا تھا۔ وِکٹر کو شراب کی صراحی اور دو پیالے پڑے نظر آئے۔ اُس نے عورت کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ موت بھی اُس کے چہرے کا حسن نہیں بگاڑ سکی تھی۔ اُس کے کھلے ہوئے ریشمی ملائم بال اُس کے سینے پر بکھر گئے تھے۔ وِکٹر نے شراب کی صراحی کو دیکھا اور زیر لب کہا...... ''انسان نے اپنی تباہی کے کیسے کیسے ذریعے اختیار کیے ہیں''۔

اُس نے چنگیز کو دیکھا اور اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ چنگیز کا جسم برف کی طرح سرد ہو چکا تھا۔ وِکٹر نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا...... ''تم اچھی طرح جانتے تھے کہ عورت مرد کی کتنی بڑی کمزوری ہے اور شراب نے بادشاہوں کے تختے اُلٹ دیئے ہیں۔ تم نے اس کمزوری کو اپنے اندر ڈال لیا...... میں بھی آ رہا ہوں میرے دوست! جلاّد مجھے جلدی ہی تمہارے پاس پہنچا دے گا۔ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ میں آ رہا ہوں دوست، میں آ رہا ہوں''۔

وہ اُٹھا اور بہت تیز قدم اُٹھاتا ہوا اُس عمارت کی طرف چل پڑا جس میں افسر رہتے تھے۔ اُس کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے نیام سے خنجر نکالا۔ اُس پر خون جم گیا تھا۔ اُس نے اسے اپنے خون سے تر کیا اور خنجر ہاتھ میں رکھا۔ خون زیادہ نکل جانے سے وہ کمزوری محسوس کرنے لگا تھا...... اُس نے ایک دروازے پر دستک دی۔ اُسے معلوم تھا کہ جس کے پاس اُسے جانا ہے، اُس کی رہائش یہی ہے۔ کچھ دیر بعد ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔ وِکٹر نے افسر کا نام لے کر کہا کہ اُسے جگاؤ اور بتاؤ کہ ایک قاتل آیا ہے۔ ملازم اندر کو دوڑا۔

اندر سے گالیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ افسر گالیاں بکتا آیا۔ دروازے پر آ کر قہر بھری آواز میں پوچھا...... ''کون ہو تم، کسے قتل کر کے آئے ہو؟'' ملازم قندیل اُٹھائے دوڑا آیا۔ افسر نے روشنی میں وِکٹر کو دیکھ کر پوچھا...... ''تم؟ کسی سے لڑائی ہوگئی تھی؟''

''میں دو انسانوں کے قتل کا اقبال کرنے آیا ہوں''۔ وِکٹر نے کہا...... ''مجھے گرفتار کرلیں''۔

افسر نے اُس کے منہ پر بڑی زور سے تھپڑ مار کر کہا...... ''قتل کا تمہیں یہی وقت ملا تھا؟ دن کو کیوں نہ قتل کیا؟ میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں جو اس وقت تمہیں گرفتار کروں گا؟ اتنی گہری نیند سے مجھے جگا دیا ہے''۔ اس نے اپنے ملازم سے کہا...... ''اوئے، لے جاؤ اسے، قید خانے میں بند کر دو''۔

''ملازم وِکٹر کو بازو سے پکڑ کر چل پڑا تو افسر نے گرج کر کہا...... ''اوئے، رُک جاؤ۔ جنگلی کہیں کے۔ تم نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ راستے میں تمہیں بھی قتل کر دے گا۔ اندر لاؤ اسے، اس نے کیا کیا ہے؟''۔

''میں نے ایک آدمی اور ایک عورت کا قتل کیا ہے جناب!'' وکٹر بلند آواز سے بولا۔

''قتل کیا ہے؟''...... افسر نے حیرت اور گھبراہٹ سے پوچھا...... ''قتل کیا ہے؟...... اگر مسلمان قتل کیا ہے تو جاؤ اپنی مرہم پٹی کراؤ۔ تم اُسے قتل نہ کرتے تو وہ تمہیں قتل کر دیتا۔ اگر کسی صلیبی کو قتل کیا ہے تو تمہیں بھی قتل ہونا چاہیے۔ اندر آ کر بتاؤ''۔

''آپ نے میرے ساتھ ایک بڑا ہی خوبرو آدمی دیکھا ہو گا''...... وِکٹر نے اندر جا کر کہا۔ اُس نے چنگیز کا وہ عیسائی نام بتایا جس سے وہ جانا پہچانا جاتا تھا۔ کہنے لگا...... ''میری دوستی ایک عورت کے ساتھ تھی۔ میرے اس ساتھی نے اس عورت کو ورغلایا اور میرے اور اُس کے تعلقات توڑ ڈالے۔ اس عورت کے ساتھ دوستی کر لی اور اس سے میری بے عزتی کرائی۔ میں اس عورت کی دوستی سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اِن دونوں نے مجھے بہت مشتعل کیا۔ میں نے آج رات انہیں اکٹھے بیٹھے دیکھ لیا۔ میں دراصل انہیں دیکھنے ہی گیا تھا۔ انہیں میں نے ایسی حالت میں دیکھا جو میری برداشت سے باہر تھی۔ میں نے عورت پر حملہ کیا اور اُسے خنجر سے مار ڈالا، پھر اپنے رقیب کے ساتھ خنجر بازی ہوئی۔ مجھے یہ دو زخم آئے ہیں۔ اُسے بھی دو ہی زخم آئے ہیں مگر مہلک ثابت ہوئے ہیں، کہیں بھاگ جانے کی بجائے آپ کے پاس آ گیا ہوں''۔

افسر نے کہا...... ''عورت کے لیے قتل ہونا یا قتل کرنا عقل مندی تو نہیں''۔

یہ افسر بالکل سنجیدہ نہیں لگتا تھا۔ وہ شاید وِکٹر کو چھوڑ دیتا مگر صبح ہوتے ہی لاشیں دیکھی گئیں۔ ہرمن اور اُس کے نائب کو پتہ چلا تو دونوں غصے سے پاگل ہونے لگے۔ مقتولہ اُن کی بڑی قیمتی اور کارآمد مخبر اور جاسوس تھی اور چنگیز اس عورت کا شکار تھا جس سے اس گروہ کا سراغ لگانا تھا۔ یہ گروہ محفوظ ہو گیا تھا۔ وِکٹر کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ کسی نے اُسے کی مرہم پٹی کی نہ سوچی۔ ہرمن نے اُسے پیٹنا شروع کر دیا جس سے وِکٹر بے ہوش ہو گیا۔ اُس کے بعد وہ کبھی بھی ہوش میں نہ آیا۔ دوسرے دن بے ہوشی کی حالت میں اُسے جلاد کے حوالے کر دیا گیا۔ جلاد کے کلہاڑے نے ایک ہی وار سے اُس کا سر تن سے جُدا کر دیا۔

اُس کے سر اور دھڑ کو جب ایک گڑھے میں پھینکا جا رہا تھا، اُس وقت امام کا روانہ کیا ہوا ایک جاسوس تر پولی سے دُور نکل گیا تھا۔ اُسے اونٹ پر بھیجا گیا تھا کیونکہ قاہرہ تک کا سفر بڑا ہی لمبا اور بڑا ہی کٹھن تھا، جسے صرف اونٹ برداشت کر سکتا تھا۔

☆

۵۷۲ ہجری (۱۱۷۷ عیسوی) کے اوائل کا ایک مہینہ تھا۔ قاہرہ کے فوجی علاقے میں غیر معمولی رونق اور چہل پہل تھی۔ کسی میدان میں گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے اور کہیں پیادہ سپاہیوں کو ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ شتر سواروں کی رونق الگ تھی۔ قاہرہ سے دُور پہاڑی علاقے میں منظر ایسا تھا جیسے جنگ لڑی جا رہی ہو۔ یہ سلطان ایوبی کی فوج کی جنگی مشق تھی۔ ایک وادی میں آتش گیر مادہ پھینک کر آگ لگائی گئی تھی جو بیس پچیس گز تک پھیلی ہوئی تھی۔ سوار گھوڑے دوڑاتے ان شعلوں میں سے گزر رہے تھے۔ ایک جنگی مشق دُور ریگستان میں ہو رہی تھی۔ کسی سپاہی کو پانی اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔

یہ بڑی ہی سخت ٹریننگ تھی جو نئے رنگروٹوں کو دی جا رہی تھی۔ بھرتی ابھی جاری تھی۔ فوج کے تمام سالار اور دیگر افسر اس ٹریننگ میں مصروف تھے۔ سلطان ایوبی سلطنت کے دوسرے مسائل اور امور کی طرف رات کو توجہ دیتا تھا۔ اُس کا دن ٹریننگ کی نگرانی کرتے اور سالاروں کو ہدایات دیتے گزرتا تھا۔ اُس نے سب سے کہہ دیا تھا کہ اگر صلیبیوں نے شام پر فوج کشی نہ کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے لڑائی سے توبہ کر لی ہے یا ان کی عقل جواب دے گئی ہے مگر ان دونوں میں سے ایک بھی بات صحیح نہیں۔ وہ ضرور آئیں گے۔

''اس وقت تک کسی نہ کسی مقبوضہ علاقے سے اپنے کسی آدمی کو آنا چاہیے تھے''...... سلطان ایوبی نے اپنے پاس کھڑے ایک سالار سے کہا۔ وہ ایک چٹان پر کھڑا جنگی مشق دیکھ رہا تھا۔ اُس نے کہا...... ''صلیبی آئیں گے ضرور۔ یہ مجھے کوئی جاسوس ہی بتا سکتا ہے کہ وہ کدھر سے آئیں گے، کہاں آئیں گے اور اُن کی نفری کتنی ہوگی''۔

وہ چٹان سے اُتر کر کسی اور طرف جانے لگا تو اُسے دُور سے گرد اُڑتی نظر آئی جو ایک یا دو گھوڑوں کی تھی۔ سلطان رُک گیا۔ گرد قریب آئی تو اُس میں سے دو گھوڑے برآمد ہوئے۔ ایک پر علی بن سفیان سوار تھا اور دوسرے کو سلطان پہچان نہ سکا۔ وہ تریپولی سے امام کا بھیجا ہوا جاسوس تھا جو وہاں سے اونٹ پر روانہ ہوا تھا۔ بہت دنوں بعد قاہرہ پہنچا تھا۔ علی بن سفیان نے اس سے رپورٹ لی اور اُسے گھوڑے دے کر ساتھ لے آیا تا کہ رپورٹ سلطان ایوبی کو فوراً دی جائے۔

جاسوس نے سلطان ایوبی کو بتایا...... ''صلیبی ایک برق رفتار اور طوفانی حملے کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں۔ فوجوں کا اجتماع شروع ہو گیا ہے۔ سب سے زیادہ فوج حونین کے شاہ رینالٹ کی ہے، وہ اس طوفانی یلغار کی قیادت کرنا چاہتا ہے''۔

''وہی رینالٹ جسے نورالدین زنگی نے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا تھا''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اسے وہ اپنی شرائط پر رہا کرنا چاہتے تھے، مگر زنگی کی بے وقت موت رینالٹ کی رہائی کا باعث بنی۔ اقتدار اور زر و جواہرات کے لالچی اُمراء نے نورالدین زنگی کے کمسن بیٹے کو کٹھ پتلی بنایا اور رینالٹ کو رہا کر دیا۔ آج وہ رینالٹ اسلام کا خاتمہ کرنے آ رہا ہے...... ہاں! تم آگے سناؤ۔ انہیں یلغار کرنی چاہیے تھی، اور کون ہوگا؟''

''تریپولی کاریمانڈ ہوگا۔ زیادہ تر افواج کا اجتماع وہیں ہو رہا ہے اور حملے کی تفصیلات وہیں طے ہو رہی ہیں۔ تیسرا بالڈوین ہوگا۔ اُس کی فوج بھی کم نہیں۔ یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ صلیبی فوج کب کوچ کرے گی۔ حملہ شام پر ہوگا۔ حلب، حرن اور حماۃ کے نام سنے گئے ہیں۔ کوچ جلدی ہوگا''۔

''علی بن سفیان!''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''مجھے تریپولی سے آخری اطلاعات کا انتظار رہے گا''۔

''ان اطلاعات کا انتظار نہ کریں جن کی آپ توقع لگائے بیٹھے ہیں''۔ علی بن سفیان کی بجائے جاسوس نے جواب دیا...... ''صلیبیوں کے عسکری ایوان میں ہمارے آدمی تھے۔ دونوں مارے گئے ہیں''...... اُس نے راشد چنگیز اور وکٹر کا واقعہ سنا دیا۔ سلطان ایوبی کی آنکھیں لال ہو گئیں۔ جاسوس نے کہا...... ''رینالٹ نے دعویٰ کیا ہے کہ اُس کی فوج میں اڑھائی سو نائٹ ہوں گے۔ اپنے ان دونوں جاسوسوں نے مرنے سے پہلے امام کو بتایا تھا کہ صلیبی آپ کو چھاپہ مار اور شب خون مارنے کا طریقہ استعمال کرنے کی مہلت نہیں دیں گے۔ انہوں نے کچھ ایسی چالیں سوچ لی ہیں جن سے وہ آپ کو مجبور کر دیں گے کہ آپ پوری فوج کو سامنے لا کر لڑیں۔ انہیں آپ کی اس کمزوری کا علم ہے کہ آپ کے پاس فوج کی کمی ہے۔ اسی کے پیش نظر وہ بہت زیادہ فوج لا رہے ہیں، تا کہ آپ گھوم پھر کر نہ لڑ سکیں''۔

جاسوس کی یہ اطلاع ملنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی باہر کم نظر آنے لگا۔ وہ کمرے میں بند رہنے لگا۔

کاغذ پر ممکنہ میدانِ جنگ کا نقشہ بنا کر اس پر پیش قدمی اور دیگر چالوں کی لکیریں کھینچتا رہتا۔ کبھی اچانک اپنے سالاروں کو بلا کر اُن کے ساتھ بحث میں اُلجھ جاتا اور انہیں موقع دیتا کہ وہ بھی رائے دیں اور چالیں سوچیں۔ ان سالاروں میں ایک عیسیٰ الہکاری تھا جو ایک قابل سالار ہونے کے علاوہ عالم اور قانون دان بھی تھا۔ اُسے بعض مورخوں نے سلطان ایوبی کا دستِ راست بھی کہا ہے۔

ایک روز سلطان ایوبی نے خلاف توقع کوچ کا حکم دے دیا۔ اس نے فوج کا خاصا حصہ سوڈان کی سرحد کے ساتھ خیمہ زن کر دیا کیونکہ اُدھر سے بھی حملے کا خطرہ تھا۔ اُس کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہی تھی کہ وہ پیش قدمی کرتا تھا تو اُس کے عقب میں بھی دشمن ہوتا تھا۔ صلیبیوں کے لیے وہ مصر کی ساری فوج نہیں لے جاسکتا تھا۔ اُس نے کوچ کیا تو مورخوں کے اعداد و شمار کے مطابق، اس کے پاس جو فوج تھی، وہ ایک ہزار پیادہ تھی۔ یہ سب مملوک تھے (مملوک آزاد کیے ہوئے غلاموں کو کہا جاتا تھا) یہ لڑاکے اور جنگجو تھے۔ ان کے علاوہ آٹھ ہزار گھوڑ سوار تھے جن میں مصری بھی تھے اور وہ سوڈانی بھی جنہیں ۱۱۶۹ء میں سلطان ایوبی نے بغاوت کے جرم میں فوج سے نکال کر انہیں زرخیز زمینوں پر آباد کر دیا تھا۔ اب وہ مصر کے وفادار تھے۔ ان پر اعتماد کیا جاسکتا تھا مگر یہ ایک ہزار مملوک اور آٹھ ہزار سوار نئے نئے فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ انہوں نے ابھی جنگ دیکھی ہی نہیں تھی۔ اُن کی ٹریننگ بمشکل مکمل ہوئی تھی۔

سلطان ایوبی اپنی فوج اپنے بھائی العادل کی زیر کمان حلب کے مضافات میں چھوڑ آیا تھا۔ اُسے کسی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ صلیبی اتنی جلدی شام تک نہیں پہنچیں گے۔ اُس نے کوچ بہت تیز کرایا اور حلب جا پہنچا۔ وہاں اُسے پتہ چلا کہ صلیبیوں نے حرن کے قلعے کو محاصرے میں لے رکھا ہے۔ آپ نے حرن کا مکمل ذکر پچھلی کہانیوں میں پڑھا ہے۔ سلطان ایوبی نے محاصرہ کرنے والی صلیبی فوج کو محاصرے میں لے لیا۔ اُس کی یہ چال ایسی اچانک تھی کہ صلیبی جم کر لڑ نہ سکے۔ سلطان ایوبی نے بہت سے قیدی پکڑے اور صلیبیوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ اُس نے پیش قدمی جاری رکھی اور دو اہم مقامات، لڈیا اور رملہ پر قبضہ کر لیا۔

یہ فتوحات قدرے آسان تھیں۔ مصر سے آئے ہوئے نئے سپاہیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ وہ سمجھے کہ جنگ اسی طرح ہوتی ہے جس میں فتح ہماری ہی ہوتی ہے۔ اس سے نئے سپاہی غیر محتاط ہو گئے۔ صلیبیوں نے غالباً دانستہ پسپا ہو کر سلطان ایوبی کو دھوکہ دیا تھا۔ انہوں نے تھوڑی سی فوج کی نمائش کی تھی۔ یہ فرنگی (فرینکس) تھے۔ رینالٹ اور بالڈون کی فوجیں ابھی سامنے نہیں آئی تھیں۔ وہ اسی علاقے میں موجود تھے۔ اب صلیبیوں نے ایسے سخت اقدامات کیے تھے کہ سلطان ایوبی کے جاسوس دشمن کے علاقے سے نکل ہی نہ سکے۔ تریپولی کے جاسوس کے بعد اُدھر سے کوئی آ ہی نہ سکا۔

رملہ کے قریب ایک ندی تھی جس کا پانی تو گہرا نہیں تھا، ندی گہرائی میں تھی اور چوڑی بھی۔ عیسیٰ الہکاری نے رملہ کو فتح کر کے اپنے دستوں کو رملہ کے ارد گرد پھیلا دیا۔ اچانک ندی کے کنارے کی اوٹ میں صلیبیوں کی فوج یوں نکلی جیسے سیلاب کناروں سے باہر آ گیا ہو۔ یہ فوج جانے کب سے وہاں چھپی بیٹھی تھی۔ عیسیٰ الہکاری کے دستے بے خبری میں مارے گئے۔ وہ بکھرے ہوئے بھی تھے۔ مقابلہ نہ کر سکے۔ تریپولی کے جاسوس کی یہ اطلاع صحیح ثابت ہوئی کہ صلیبی ایسی چالیں چلیں گے جن سے سلطان ایوبی اپنے مخصوص طریقہ جنگ سے لڑنے کے قابل نہیں رہے گا۔

اُس وقت کے ایک وقائع نگار ابنِ اسیر نے لکھا ہے۔ ''فرنگی اس طرح ندی سے نکلے جیسے انسانوں اور گھوڑوں کا سیلاب کناروں سے باہر آ کر آبادیوں کو اپنے ساتھ بہائے لے جارہا ہو۔ سلطان ایوبی کی فوج بے خبری میں مکمل گھیرے

میں آگئی''۔

مشہور مورخ جیمز نے لکھا ہے...... ''شاہ بالڈوِن صلاح الدین ایوبی سے پہلے اپنی فوج رملہ کے مضافات میں لے آیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج نے رملہ کا شہر فتح کرلیا اور اس کے ہراوّل کے ایک سالار رایولن نے شہر کو آگ لگا دی تھی۔ صلیبیوں (فرنگیوں) کی گھات کامیاب رہی۔ ایوبی گھیرے میں آگیا۔ اُس کے دستے بکھر گئے۔ اس نے کئی دستے یکجا کر لیے اور اپنی خصوصی چال کے مطابق جوابی حملہ کیا مگر میدان صلیبیوں کے ہاتھ میں تھا۔ صلاح الدین ایوبی کا حملہ نہ صرف ناکام رہا بلکہ اُس کے لیئے پسپائی بھی ناممکن ہوگئی۔

نئے رنگروٹ جو چند ایک مقامات آسانی سے فتح کر کے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ انہیں کوئی شکست دے ہی نہیں سکتا۔ وہ ایسے بھاگے کہ انہوں نے مصر کا رُخ کرلیا۔ بھاگنے والوں میں اُن کی تعداد زیادہ تھی جنہیں بعض غیر محتاط فوجی افسروں نے مالِ غنیمت کا لالچ کا دے کر بھرتی کیا تھا۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ سب ناتجربہ کار تھے۔ سلطان ایوبی اس کیفیت میں رہ گیا تھا کہ وہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر میدانِ کارزار سے نکلا اور اپنی جان بچائی۔

قاضی بہاؤ الدین شداد جو اس جنگ کا عینی شاہد ہے، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے...... ''سلطان ایوبی نے مجھے اس شکست کی وجہ ان الفاظ میں بتائی تھی...... ''صلیبیوں نے میری چال چل کر میری فوج کو اُس وقت جنگ میں گھسیٹ لیا جب میں اسے جنگی ترتیب میں نہیں لا سکا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ میری فوج کے پہلوؤں پر جو دستے تھے، وہ جگہ آپس میں بدل رہے تھے۔ یہ بہت بڑی نقل و حرکت تھی۔ صلیبیوں نے اس کیفیت میں حملہ کر دیا۔ اُن کا حملہ اتنا شدید اور اچانک تھا کہ میرے نئے سپاہی اور سوار گھبرا کر پیچھے کو بھاگ اُٹھے اور انہوں نے مصر کا رُخ کرلیا۔ وہ راستے سے بھٹک گئے اور دُور دُور بکھر گئے۔ میں انہیں یکجا نہ کرسکا۔ دشمن نے میری فوج سے بہت سے جنگی قیدی پکڑے۔ ان میں عیسیٰ الہکاری بھی تھا''...... سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو مروانے کی بجائے حکم دے دیا کہ اپنے اپنے طور پر میدانِ جنگ سے نکلو اور قاہرہ پہنچنے کی کوشش کرو''۔

سلطان ایوبی نے صلیبیوں کو ساٹھ ہزار دینار زرِ فدیہ ادا کر کے عیسیٰ الہکاری کو رہا کرا لیا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید اُبو حدید نے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی نے اپنے بھائی شمس الدولہ توران شاہ کو اس جنگ اور اپنی شکست کا حال لکھا تھا جس میں اُس نے عربی کا ایک شعر بھی لکھا تھا۔ اُس کے معنی یہ ہیں۔

''میں نے تمہیں اُس وقت یاد کیا جب صلیبی برچھیاں چل رہی تھیں۔ دشمن کی سیدھی اور گندمی رنگ کی برچھیاں ہمارے جسموں میں داخل ہو کر ہمارا خون پی رہی تھیں''۔

یہ معرکہ جمادی الاوّل ۵۷۳ ہجری (اکتوبر ۱۱۷۷ء) میں لڑا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اس حالت میں قاہرہ پہنچا کہ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی فوج نہیں تھی۔ اُس کا محافظ دستہ بھی ساتھ نہیں تھا۔ اُس نے قاہرہ پہنچتے ہی مزید بھرتی کا حکم دیا۔ شام کے محاذ پر وہ اپنے بھائی العادل اور بڑے قابل سالاروں کو حماۃ کے علاقے میں چھوڑ آیا تھا۔

جب فرض نے محبت کا خون کیا

آج وہ رملہ اسرائیلیوں کے قبضے میں ہے جہاں آٹھ سو سال پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں سے شکست کھائی تھی۔ رملہ جو بیت المقدس سے دس میل دور شمال میں واقع ہے، اُردن کے علاقے میں ہے۔ جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیلیوں نے اُردن کے اس تمام علاقے پر قبضہ کر لیا تھا جو دریائے اُردن کے مغربی کنارے پر اسرائیل کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے۔ دس برس گزر گئے ہیں، اسرائیلیوں نے یہ علاقہ خالی کرنے کی بجائے اس پر مکمل قبضہ کر لیا ہے اور کہا ہے کہ دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں یہاں سے نکال نہیں سکتی۔ انہوں نے رملہ کو (اور اس تمام مقبوضہ علاقے کو) اُس وقت بھی قتل گاہ بنایا تھا جب انہوں نے اس پر قبضہ کیا تھا، یہ آج بھی قتل گاہ ہے۔ گزشتہ ایک سال سے رملہ میں جو مسلمان رہ گئے، وہ اسرائیل حکومت کے خلاف مظاہرے کر رہے ہیں اور اسرائیلی انہیں ظلم و تشدد اور رائفلوں کی گولیوں سے خاموش کر رہے ہیں۔

اسرائیلیوں کی ہٹ دھرمی اور عربوں کے آپس میں اختلاف بتا رہے ہیں کہ اسرائیلی اس علاقے کو نہیں چھوڑیں گے۔ دس برس تو گزر گئے ہیں لیکن آٹھ سو سال پہلے جب یہ علاقہ اور یہی رملہ صلیبیوں کے قبضے میں آیا تھا تو سلطان صلاح الدین ایوبی ایک دن بھی چین سے نہیں بیٹھا تھا۔ وہ میدانِ جنگ سے بڑی مشکل سے جان بچا کر نکلا تھا۔ اس کی فوج ایسی بُری طرح بھاگی کہ بکھر کر مصر کا رُخ کر لیا۔ فوج کی خاصی نفری صلیبیوں کی قیدی ہو گئی اور کچھ نفری قاہرہ تک بے سروسامانی کی حالت میں پا پیادہ جاتے صحرا اور سفر کی صعوبتوں کی بھینٹ چڑھ گئی۔ ایسی شکست حوصلے اور جذبے توڑ دیا کرتی ہے۔ سنبھلتے سنبھلتے مدتیں گزر جاتی ہیں لیکن سلطان ایوبی مصر جا کر نہ صرف سنبھلا بلکہ اُس علاقے میں واپس گیا جہاں سے شکست کھا کر بھاگا تھا اور اُس نے صلیبیوں کے لیے قیامت بپا کر دی۔

رملہ آج پھر سلطان صلاح الدین ایوبی کا انتظار کر رہا ہے۔

سلطان ایوبی کے سامنے صرف یہ مسئلہ نہیں تھا کہ شکست کا انتقام لینا ہے اور صلیبیوں کی پیش قدمی کو روکنا ہے، اُسے بہت سے خطروں نے گھیر رکھا تھا۔ اُس کی صفوں میں غداروں کی کمی نہیں تھی۔ سوڈان کی طرف سے حملے کا خطرہ بڑھ گیا تھا۔ سوڈانیوں کو معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے پاس فوج نہیں رہی اور جو ہے وہ شکست خوردہ اور زخم خوردہ ہے۔ یہ خطرہ تو سب سے بڑا تھا کہ صلیبیوں کے پاس فوج دس گنا زیادہ تھی اور اس فوج کے حوصلے کو رملہ کی فتح نے مضبوط کر دیا تھا۔ ایک یہ خطرہ بھی تھا کہ جو مسلمان اُمراء سلطان ایوبی کے مخالف تھے، وہ اس کی شکست سے فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ وہ ایک بار پھر متحد ہو کر سلطان ایوبی کی اُس فوج کے لیے مصیبت بن سکتے تھے جسے وہ محاذ پر چھوڑ آیا تھا۔ اس فوج کا سالارِ اعلیٰ اس کا اپنا بھائی العادل تھا جس پر سلطان ایوبی کو مکمل اعتماد تھا۔

اور ایک خطرہ صلیبی جاسوسوں کا بھی تھا۔ پسپائی کے وقت صلیبیوں کے جاسوسوں کا بھی مصری فوج کے بھیس میں مصر پہنچ جانا آسان تھا۔ یہ جاسوس مصر میں افواہیں پھیلا کر قوم کی حوصلہ شکنی کر سکتے تھے۔

اس شکست کے بعد العادل قرونِ حماۃ تک پیچھے ہٹ آیا تھا۔ اس داستان کی پچھلی اقساط میں آپ نے حماۃ کی جنگ کی تفصیل پڑھی ہے۔ یہاں سلطان ایوبی نے اپنے مخالف مسلمان امراء کو شکست دی تھی۔ حماۃ کا قلعہ بھی تھا۔ صلیبی سلطان کو شکست دے کر حماۃ کی طرف بڑھے۔ العادل خود بھی قابل سالار تھا اور اُس کے ساتھ جو سالار تھے وہ مردانِ حُر تھے۔ ان کا دین وایمان سلطان ایوبی کی طرح پختہ تھا۔ العادل اپنے بھائی سلطان ایوبی کا شاگرد تھا۔ جنگی چالوں کی مہارت اسی سے سیکھی تھی۔ اُسے اندازہ تھا کہ صلیبی اتنی بڑی اور اتنی آسان فتح کے بعد رملہ میں ہی خیمہ زن نہیں ہو جائیں گے۔ اُس نے کسی بہروپ میں اپنے جاسوس پیچھے چھوڑے اور خود فوج کے ساتھ حماۃ کا رُخ کیا۔ اُسے پتہ چل گیا تھا کہ سلطان ایوبی مصر چلا گیا ہے۔

اُس کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ جاسوسوں نے اُسے اطلاع دی کہ صلیبیوں کی فوج حماۃ کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔ العادل نے اپنی فوج کی کیفیت دیکھی۔ اچھی نہیں تھی۔ سپاہیوں کا حوصلہ مجروح ہو گیا تھا۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی بھی کمی ہوگئی تھی۔ رسد کی کیفیت بھی تسلی بخش نہیں تھی۔ البتہ وہ فوج کو بڑی اچھی جگہ لے آیا تھا جہاں سبزہ، پانی اور علاقہ پہاڑی تھا۔ العادل نے فوج کو ایک جگہ جمع کرلیا۔ اُس نے دیکھا کہ اونٹوں کی خاصی تعداد زخمی ہے۔ اُس نے ان اونٹوں کو ذبح کرا دیا اور فوج سے کہہ دیا کہ پیٹ بھر کر گوشت کھاؤ۔ اس طرح اُس نے رات کو ایک وسیع وادی میں جشن کا منظر بنا دیا۔ شام کو ہی اُس نے حلب اور دمشق کو اس پیغام کے ساتھ قاصد دوڑا دیئے تھے کہ جس قدر رسد، جانور اور اسلحہ بھیج سکتے ہو، بھیجو۔

رات جب سپاہی اونٹ کا گوشت کھا کر سیر ہو چکے تو العادل ایک ٹیکری پر چڑھ گیا۔ اُس کے دائیں بائیں دو مشعل بردار کھڑے تھے۔ اُس نے انتہائی بلند آواز میں کہا...... ”اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاہدو! اس حقیقت کو قبول کرو کہ ہم شکست کھا کر آئے ہیں۔ کیا تم اس حالت میں اپنی ماؤں، اپنی بہنوں، اپنی بیویوں اور اپنی بچیوں کے سامنے جاؤ گے اور انہیں یہ بتاؤ گے کہ ہم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکروں سے شکست کھا کر آئے ہیں؟ کیا تمہاری مائیں تمہیں دودھ کی دھاریں بخش دیں گی؟ وہ گھروں میں بیٹھی اس خبر کا انتظار کر رہی ہیں کہ ہم نے قبلۂ اوّل کو کفار کے قبضے سے آزاد کرا لیا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ جن علاقوں میں کفار قابض ہیں، وہاں وہ مسلمان عورتوں کو بے آبرو کر رہے ہیں۔ ذرا سوچو کہ اپنی ماؤں اور بہنوں کو کیا جواب دو گے؟ تم میں سے جو یہاں سے پیچھے جانا چاہتے ہیں، الگ کھڑے ہو جائیں۔ میں انہیں نہیں روکوں گا۔ انہیں گھروں کو جانے کی اجازت ہے“۔

العادل خاموش ہو گیا۔ فوج پر بھی خاموشی طاری تھی۔ کوئی ایک بھی سپاہی الگ نہ ہوا۔

”سالارِ اعلیٰ ہمیں اپنا مقصد بتائیں“...... کسی سپاہی کی آواز گرجی...... ”آپ کو کس نے بتایا ہے کہ ہم گھروں کو جانا چاہتے ہیں؟“

”اگر میں پسپائی میں مارا گیا تو یہ میری وصیت ہے کہ میری لاش دفن نہ کی جائے“...... ایک اور آواز گرجی۔ ”گدھوں اور بھیڑیوں کے لیے پھینک دی جائے“۔

پھر کئی آوازیں سنائی دیں۔ ہر آواز میں جذبے کا جوش تھا۔ العادل کا سینہ پھیل گیا۔ اُس نے کہا...... ”دشمن تمہارے پیچھے آرہا ہے۔ تمہیں یہ ثابت کرنا ہے کہ رملہ کی فتح اُس کی آخری فتح ہے...... آج کی رات اور کل کا دن مکمل آرام کرو۔ کل رات تمہیں بتا دیا جائے گا کہ ہم کیا کریں گے“۔

کل رات وہ اپنے دستوں کو کہاں کہاں لے جائیں گے۔ حماۃ کا قلعہ قریب ہی تھا۔

صلیبی بہت تیزی سے پیش قدمی کر رہے تھے۔ یہ بالڈوِن کی فوج تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ آگے حماۃ کا قلعہ ہے اور العادل کی فوج اسی قلعے میں ہوگی۔ اُسے جاسوسوں کے ذریعے یہ بھی معلوم تھا کہ جو فوج حماۃ کی طرف پسپا ہو گئی ہے اس کا کمانڈر العادل ہے اور العادل سلطان ایوبی کا بھائی ہے۔ یہ تو معمولی سا فوجی بھی سمجھ سکتا تھا کہ تھکی ہوئی اور شکست خوردہ فوج اپنے قریبی قلعے میں ہی جائے گی۔ چنانچہ صلیبی بادشاہ بالڈوِن نے برق رفتار پیش قدمی کر کے حماۃ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اُس نے اعلان کیا کہ قلعے کا دروازہ کھول دیا جائے، ورنہ قلعے کو زمین سے ملا دیا جائے گا۔ وہ اس خیال میں تھا کہ العادل کی فوج لڑنے کی حالت میں نہیں۔ اعلان کے جواب میں قلعے کی دیوار سے تیروں کی بوچھاڑیں آئیں۔

بالڈوِن نے ایک بار پھر اعلان کرایا کہ یہ خون خرابہ بے مقصد ہوگا۔ تم لڑ نہیں سکو گے۔ قلعہ ہمارے حوالے کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی قیدی کے ساتھ ناروا سلوک نہیں کیا جائے گا...... قلعے کے اوپر سے آواز آئی۔ ''اتنی دُور رہو جہاں تک ہمارے تیر نہ پہنچ سکیں۔ قلعہ تمہیں دینے کی بجائے اسے ہم خود زمین سے ملا دیں گے۔ ہمارا خون بے مقصد نہیں بہے گا۔ تم بے مقصد موت مرو گے''۔

قلعے کی دیواروں پر جو کھڑے تھے، انہیں صلیبیوں کی فوج یوں دکھائی دے رہی تھی جیسے سمندر کی موجیں ہر طرف سے قلعے کو نرغے میں لیے ہوئے ہوں۔ اس کے مقابلے میں قلعے میں جو فوج تھی، وہ نہ ہونے کے برابر تھی لیکن اس قلیل فوج کے کمانڈر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ صلیبیوں نے اگلی کارروائی صبح تک ملتوی کر دی۔ اُن کی فوج تیز رفتار پیش قدمی کر کے آئی تھی۔ بہت تھکی ہوئی تھی۔ یہ تعاقب تھا۔ بالڈوِن اس کوشش میں تھا کہ العادل کو کہیں آرام کرنے اور اپنی فوج کو ازسرِنو منظم کرنے کی مہلت نہ دے۔ وہ العادل کو زندہ پکڑنا چاہتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کا بھائی ہونے کی وجہ سے العادل بڑا ہی قیمتی قیدی تھا۔ اُس کے عوض صلیبی سلطان ایوبی سے کڑی شرطیں منوا سکتے تھے۔ کوئی علاقہ لے سکتے تھے۔ بالڈوِن کو پوری توقع تھی کہ وہ قلعہ، قلعے کی فوج اور العادل سمیت لے سکے گا۔

☆

بالڈوِن نے اپنی فوج کو قلعے سے اتنی دور پیچھے ہٹا لیا تھا جہاں تک قلعے والوں کے تیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اُسے ایسا خطرہ تو تھا ہی نہیں کہ باہر سے کوئی فوج اُس پر حملہ کر دے گی۔ سلطان ایوبی بھی وہاں نہیں تھا۔ اُس کی فوج بھی نہیں تھی۔ بالڈوِن کو حماۃ کا قلعہ اپنے قدموں میں پڑا نظر آ رہا تھا۔ شام کے فوراً بعد وہ اپنے کمانڈروں کو اگلے روز کے احکامات دے کر اپنی ذاتی خیمہ گاہ میں چلا گیا تھا جو فوج سے کچھ دور پیچھے تھی۔ اُس دور کے جنگجو بادشاہوں کی خیمہ گاہیں شیش محل سے کم نہیں ہوتی تھیں۔ بالڈوِن تو فاتح تھا۔ تین چار صلیبی لڑکیاں اُس کے ساتھ تھیں اور چار وہ مسلمان لڑکیاں تھیں جنہیں صلیبی کمانڈروں نے مفتوحہ علاقے سے پکڑا اور بالڈوِن کو بطور تحفہ پیش کی تھیں۔ یہ لڑکیاں عرب کے حسن کا شاہکار تھیں۔

صلیبی لڑکیوں نے انہیں ذہن نشین کرا دیا تھا کہ ان کا رونا اور آزاد ہونے کے لیے تڑپنا بے کار ہے۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ وہ خوش قسمت ہیں جو صلیب کے بادشاہ کے حصے میں آئی ہیں، جو لڑکیاں صلیبی فوجیوں کے قبضے میں آ گئی ہیں، ان کا حشر دیکھ کر زمین اور آسمان کانپتے ہیں......''تمہیں آخر کسی مسلمان امیر یا حکام کے حرم میں جانا تھا جہاں تم قیدی ہوتیں۔ دو چار سال بعد جب تمہاری نوجوانی کی کشش ماند پڑنے لگتی تو تمہیں کسی سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا۔ تم اگر اپنی فوج کے ہاتھ چڑھ جاتیں تو تمہارے مسلمان بھائی تمہارا وہی حشر کرتے جو ہماری فوج کرتی ہے۔ عورت کا کوئی مذہب

نہیں ہوتا، اُسے جس کے ساتھ بیاہ دیا جائے یا وہ جس کے قبضے میں آجائے، وہی انسان اُس کا خدا اور اُس کا مذہب بن جاتا ہے۔ پھر کیوں نہ تم اس انسان کے پاس رہو جو میدانِ جنگ کا بادشاہ ہے۔ ایک ملک کا بادشاہ ہے اور دِل کا بھی بادشاہ ہے۔''

پہلے روز لڑکیاں تڑپی تھیں۔ اُن پر تشدد نہ کیا گیا، انہیں کوئی دھمکی نہ دی گئی۔ بالڈوِن نے جب دیکھا کہ یہ نوجوان ہیں اور خوب صورت بھی ہیں تو اُس نے اپنی ہائی کمانڈ کے جرنیلوں سے کہا تھا کہ ان لڑکیوں کو ٹریننگ دے کر بہتر طریقے سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ایسی قیمتی لڑکیوں کو عیاشی کا ذریعہ بنا کر ضائع نہیں کرنا چاہیے، چنانچہ اُس نے انہیں اپنے پاس رکھ لیا تھا مگر اُس سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی کہ وہ انہیں بیٹیاں بنا کر رکھے گا۔ اُس نے اُن کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کی توقع تھی لیکن انہیں اپنی قوم کی شہزادیوں جیسی اہمیت دی، انہیں سبز باغ دکھائے اور باتوں باتوں میں انہیں آسمان تک پہنچادیا۔

''ہمیں اپنی عصمت کی قربانی دینی ہی پڑے گی''...... ان میں سے ایک لڑکی نے اُس وقت کہا جب چاروں کو تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع ملا تھا...... ''ہمیں فرار ہونا چاہیے''۔

''اور انتقام لینا چاہیے''۔ دوسری نے کہا۔

''لیکن یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم ان پر یہ ظاہر نہ کریں کہ ہم نے ان کی غلامی دِلی طور پر قبول کر لی ہے''...... پہلی لڑکی نے کہا...... ''ہمیں اپنا اعتماد پیدا کرنا ہے''۔

''میرے والد سلطان ایوبی کی فوج میں ہیں''...... ایک اور لڑکی نے کہا...... ''آج کل مصر میں ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ کافروں کی لڑکیاں اپنی قوم اور اپنی صلیب کی خاطر اپنی عزت کی قیمت دے کر ہمارے بڑے بڑے حاکموں کو صلیب کی وفادار بنالیتی ہیں، کسی کو قتل کرنا ہو تو قتل کرادیتی ہیں۔ ہماری فوج کے راز معلوم کر کے اپنے حاکموں تک پہنچاتی ہیں''۔

''میں جانتی ہوں''...... ایک اور لڑکی بولی...... ''اُن کی لڑکیاں وہی کام کرتی ہیں جو ہمارے مرد جاسوس دشمن کے ملک میں جا کر کرتے ہیں''۔ وہ چپ ہوگئی۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر راز داری سے بولی...... ''اگر ہم انہیں کہہ دیں کہ ہم اُن کا مذہب قبول کرتی ہیں تو ایسا موقع پیدا ہوسکتا ہے کہ ہم اس بادشاہ کو قتل کردیں''۔

''اور کچھ نہ ہوا تو فرار کا موقع پیدا کیا جاسکتا ہے''...... ایک لڑکی نے کہا۔

جس رات بالڈون کی فوج نے حماۃ کے قلعے کو محاصرے میں لے رکھا تھا، اس سے دو راتیں پہلے لڑکیوں نے پیش قدمی کے دوران صلیبی لڑکیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ ان کی باتیں سمجھ گئی ہیں اور وہ کسی وقت بھی مذہب تبدیل کرلیں گی۔ بالڈوِن کو بتایا گیا تو اُس نے چاروں لڑکیوں کو بیش قیمت ہار پیش کیے اور چاروں کے گلے میں چھوٹی چھوٹی صلیبیں لٹکا دیں، مگر اس نے صلیبی لڑکیوں کو الگ کر کے کہا...... ''میں ان چاروں میں سے کسی کے ہاتھ سے کچھ کھاؤں، پیوں گا نہیں۔ ہوسکتا ہے انہوں نے ڈر کی وجہ سے مذہب تبدیل کیا ہو۔ زبان سے مذہب تبدیل کیا جاسکتا ہے، دِل کی تبدیلی آسان نہیں ہوتی۔ ان کے دلوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرو۔ مسلمانوں کو خریدنا کوئی مشکل نہیں، لیکن مسلمانوں پر بھروسہ کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں جو مسلمان ایمان کے پکے ہیں، وہ ایسی ایسی قربانی دے ڈالتے ہیں جس کا ہماری قوم تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ لڑکیاں کہیں بھاگ کر نہیں جاسکتیں لیکن ان پر نظر رکھنا کہ یہ مجھ پر وار نہ کر جائیں''۔

☆

محاصرے کی پہلی رات یہ چاروں لڑکیاں الگ خیمے میں سوئی ہوئی تھیں۔ بالڈوِن بھی اُن کے ساتھ ہنس کھیل کر

سو گیا تھا۔ تمام چھوٹے بڑے کمانڈر بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ فوج کو بھی ہوش نہیں تھی۔ صرف سنتری اور بالڈون کے باڈی گارڈ کے چار پانچ سپاہی جاگ رہے تھے۔ قرونِ حماۃ کی ایک وادی قلعے کی طرف نکلتی تھی۔ آگے قلعے تک میدان تھا۔ اس وادی سے کم وبیش ایک ہزار پیادہ سپاہی دبے پاؤں نکلے۔ ان کے کمانڈر نے انہیں ٹولیوں میں بانٹ کر پھیلا دیا۔ وہ آگے بڑھتے گئے۔ بالڈون کی فوج کے خیمے دُور نہیں تھے۔

یہ پیادہ سپاہی العادل کے تھے۔ العادل قلعے میں نہیں تھا۔ اُسے اندازہ تھا کہ صلیبی قلعے کا محاصرہ کریں گے، چنانچہ اُس نے اپنے تمام دستے حماۃ کی پہاڑیوں میں چھپا لیے تھے۔ اس نے قلعے میں اطلاع بھجوائی تھی کہ محاصرے سے گھبرائیں نہیں۔ العادل نے قلعہ دار کو اپنی سکیم بتا دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ قلعہ دار صلیبیوں کی للکار کا جواب پوری دلیری سے اور تیروں کی بوچھاڑ سے دے رہا تھا۔ قلعہ دار العادل کا ماموں شہاب الدین الحارمی تھا۔ رات کو العادل کے ایک ہزار پیادوں نے ٹولیوں میں تقسیم ہو کر اور پھیل کر شب خون کے انداز کا حملہ کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے خیمے کی رسیاں کاٹیں اور اوپر سے صلیبیوں کو برچھیوں سے چھلنی کرنا شروع کر دیا۔ خیموں کے نیچے پھنسے ہوئے سپاہی کیا مزاحمت کر سکتے تھے۔

یہ جم کر لڑنے والا معرکہ نہیں تھا۔ یہ سلطان ایوبی کا مخصوص طریقہ جنگ تھا...... ''ضرب لگاؤ اور بھاگو''..... اتنی بڑی فوج کے خلاف ایک ہزار سپاہی جم کر لڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ ٹولیوں کو مختلف کام دیئے گئے تھے۔ دو تین ٹولیوں نے صلیبیوں کے گھوڑوں، اونٹوں اور خچروں کے رسے کھول دیئے۔ یہ ایک ہزار سپاہی بگولے کی طرح آئے اور دائیں بائیں کو نکل گئے۔ صلیبیوں کی فوج میں ایسا شور اُٹھا کہ ایسی ہڑبونگ مچی کہ زمین و آسمان کانپنے لگے۔

بالڈون کی آنکھ کھل گئی۔ اُس کے کمانڈر بھی جاگ اُٹھے۔ خیمے سے باہر جا کر بالڈون نے دیکھا کہ کہیں آگ لگی ہوئی ہے۔ العادل کے سپاہیوں نے خیموں کو آگ لگا دی تھی۔ حملے کے وقت انہوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے تھے۔ یہ نعرے مسلمان لڑکیوں نے بھی سنے تھے۔ وہ سمجھ گئیں کہ یہ مسلمان فوج کا حملہ ہے۔ ایک لڑکی نے کہا کہ بھاگ چلو لیکن دو لڑکیاں جوش میں آ گئیں۔ وہ بالڈون کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئیں، وہاں مشعلیں جلا دی گئیں۔ بالڈون کے باڈی گارڈ اس کے اِردگرد گھوڑوں پر سوار کھڑے ہو گئے۔

اتنے میں زمین بڑی زور سے ہلنے لگی اور ہزاروں گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔ یہ العادل کے سوار تھے جن کی تعداد مسلمان مورخ دو ہزار بتاتے ہیں اور یورپی مورخ چار ہزار سے زیادہ۔ ان گھوڑسواروں نے پھیل کر بڑا ہی شدید اور خون ریز ہلہ بولا۔ صلیبی مقابلے کی حالت میں نہیں تھے۔ انہیں ابھی معلوم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور حملہ آور کہاں سے آئے ہیں۔ اُن کے نعروں سے ثبوت ملتا تھا کہ مسلمان ہیں۔ العادل کے سوار صلیبیوں کے محاصرے کو توڑتے ہوئے اور راستے میں جو آیا اُسے گھوڑوں تلے روندتے یا تلواروں اور برچھیوں کا نشانہ بناتے ہوئے قلعے کی طرف نکل گئے۔ کمانڈروں کی پکار پر انہوں نے گھوڑے پیچھے کو موڑے اور ایڑ لگا دی۔ وہ ایک بار پھر افراتفری میں بھاگتے دوڑتے صلیبیوں میں سے گزرے۔

قلعے کی دوسری طرف جو صلیبی فوج تھی، اُس پر حملہ نہیں ہوا تھا۔ اس حصے نے اِدھر کا شوروغوغا اور گھوڑوں کی قیامت خیز آوازیں سنیں تو اُن میں بھی بھگدڑ مچ گئی۔ اِدھر کے صلیبی سپاہی اُدھر کو بھاگے۔ اُن کے ہزار ہا گھوڑے، اونٹ اور خچریں کھول دی گئی تھیں۔ انہوں نے بھاگ دوڑ کر سپاہیوں کو کچلنا اور خوف زدہ کرنا شروع کر دیا۔ بالڈون کی فوج کا وہ حصہ بھاگ اُٹھا۔

اِدھر چاروں مسلمان لڑکیاں لاپتہ ہو گئیں۔ان میں سے ایک اس کوشش میں تھی کہ مسلمان سپاہیوں کو بتائے کہ بالڈون یہاں ہے مگر وہاں سب سوار تھے اور سرپٹ گھوڑے دوڑا رہے تھے۔وہ صلیبیوں کی فوج سے دُور نکل گئی۔دو تین سواروں کے ساتھ چیختی چلاتی دوڑی مگر وہاں اس قدر شور تھا کہ کسی نے اُس کی آواز نہ سنی،کوئی اُس کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ وہ دُور پیچھے نکل گئی۔ایک سوار نے گھوڑا روک لیا۔لڑکی نے اُسے ہانپتی کانپتی آواز میں بتایا کہ وہ مسلمان ہے اور اُس جیسی تین اور مسلمان لڑکیاں صلیبی بادشاہ کے قبضے میں ہیں۔بالڈون کی خیمہ گاہ جو اُس کا جنگی ہیڈ کوارٹر بھی تھا،فوج سے الگ اور دُور تھی۔لڑکی کی آواز پر جس سوار نے گھوڑا روکا تھا،وہ کوئی کمان دار تھا۔اُس نے لڑکی کو گھوڑے پر بٹھایا اور پیچھے لے گیا۔

وہاں العادل کا ایک سالار تھا جس نے لڑکی کی پوری بات سنی۔لڑکی نے بالڈون کے ہیڈ کوارٹر کی نشاندہی کی۔ سالار نے وہاں شب خون مارنے اور بالڈون کو پکڑنے کے لیے دو جیش تیار کیے اور خود اُن کی قیادت کی۔اُس نے سرپٹ گھوڑے دوڑا کر بالڈون کی خیمہ گاہ کو گھیرے میں لے لیا۔اُن کے ساتھ جلتی ہوئی مشعلیں بھی تھیں۔سالار نے بالڈون کو للکارا۔خیموں کو آگ لگانے کی دھمکی دی۔اُن میں ملازم،صلیبی اور تین مسلمان لڑکیاں اور چند ایک سپاہی تھے۔ان سب کو پکڑ لیا گیا۔بالڈون کے متعلق پوچھا گیا مگر کوئی نہ بتا سکا کہ وہ کہاں ہے۔

اُس وقت بالڈون گھبراہٹ کے عالم میں آگے چلا گیا تھا۔اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ مسلمان فوج کا شب خون ہے،لیکن وہاں اس قدر بھگدڑ تھی اور اتنے زیادہ گھوڑے دوڑ رہے تھے اور زخمی ایسی بُری طرح چیخ رہے تھے کہ صورتِ حال پر قابو پانا بالڈون کے بس کا روگ نہیں تھا۔وہ واپس اپنی خیمہ گاہ کو چل پڑا۔اُس کے ساتھ باڈی گارڈز بھی تھے۔وہ خیمہ گاہ سے ابھی کچھ دُور ہی تھا کہ اُدھر سے ایک سوار گھوڑا دوڑاتا آیا۔گھوڑا اُس کے سامنے روک کر بالڈون سے کہا کہ وہ کہیں چلا جائے اپنی خیمہ گاہ میں نہ جائے،کیونکہ وہاں مسلمان فوج پہنچ چکی ہے۔بالڈون نے وہیں سے گھوڑے کا رُخ پھیر لیا۔

رات بھر العادل نے ”ضرب لگاؤ اور بھاگو“ کی کارروائی جاری رکھی۔جب صبح طلوع ہوئی تو حماۃ کے قلعے کے اِردگرد صلیبیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ان میں زخمی بھی کراہ رہے تھے اور ان میں العادل کے شہیدوں کی لاشیں بھی تھیں۔خچریں،گھوڑے اور اونٹ دُور دُور بکھرے ہوئے چر رہے تھے۔وہاں بالڈون تھا نہ اُس کی فوج۔صلیبی اپنی رسد بھی پھینک گئے تھے۔العادل نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ دشمن کا سامان اکٹھا کرے اور اُس کے جانوروں کو پکڑے۔

☆

العادل کا یہ حملہ دلیری،جذبے،فنِ حرب وضرب کے لحاظ سے قابلِ تعریف حملہ تھا مگر جنگی نقطہ نگاہ سے اس سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا جا سکا۔ضرورت یہ تھی کہ افراتفری میں بھاگتے ہوئے صلیبیوں کا تعاقب کر کے ان کی جنگی قوت کو مکمل طور پر تباہ کر دیا جاتا،پھر پیش قدمی کر کے اُس علاقے میں داخل ہوا جاتا جو صلیبیوں نے فتح کر لیا تھا۔قیدی پکڑے جاتے جنہیں اپنے قیدی چھڑانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا،مگر العادل کے لیے ممکن نہ تھا کہ کامیاب شب خون سے کوئی بڑی کامیابی حاصل کر سکتا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کے پاس فوج کی کمی تھی۔وہ تعاقب کے قابل نہیں تھا۔شب خون اور چھاپہ مارنے سے دشمن کو پریشان اور ادھ مُوا کیا جاتا ہے۔اُسے شکست دے کر علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے پوری فوج حملہ کرتی ہے۔العادل نے ایک کام تو کر لیا تھا لیکن اگلے مرحلے کے لیے اُس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

البتہ اُس نے یہ کامیابی حاصل کر لی کہ اُس نے اس قلیل فوج کے جذبے پر رملہ کی شکست کا جو بُرا اثر پڑا تھا،وہ صاف ہو گیا اور سپاہیوں کے جذبے تروتازہ ہو گئے۔اُن کے دلوں میں یہ اعتماد بحال ہو گیا کہ صلیبی اُن سے برتر نہیں اور وہ

کسی بھی میدان میں صلیبیوں کو شکست دے سکتے ہیں۔ضرورت فوج میں اضافے کی تھی۔یہ کامیابی بھی حاصل کی گئی کہ حماۃ کے قلعے کو بچالیا گیا، ورنہ صلیبیوں کو ایک قلعہ بند اڈہ مل جاتا۔

العادل اپنے ہیڈ کوارٹر میں دانت پیس رہا تھا۔اس کے سالاروں کی جذباتی حالت اس سے زیادہ مشتعل تھی۔ اگر اُن کے پاس فوج ہوتی تو وہ اس شب خون کے بعد بہت بڑی کامیابی حاصل کر لیتے اور بالڈون اپنی فوج کو زندہ نہ لے جا سکتا۔العادلؒ نے کاتب کو بلایا اور اپنے بڑے بھائی سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام خط لکھوانے لگا۔

''برادر بزرگوار، سلطانِ مصر و شام!

''اللہ آپ کو سلطنتِ اسلامیہ کے وقار کی خاطر عمر طویل عطا فرمائے۔میں اس اُمید پر خط لکھ رہا ہوں کہ آپ بخیر و عافیت قاہرہ پہنچ چکے ہوں گے۔کسی نے اطلاع دی تھی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں، پھر معلوم ہوا کہ زخمی ہوئے ہیں۔میں اور میرے سالار فکرمند رہے۔آپ نے دانش مندی کی جو راستے سے قاصد بھیج کر ہمیں بتا دیا کہ آپ زندہ و سلامت ہیں اور قاہرہ جا رہے ہیں۔مجھے توقع ہے کہ آپ نے رملہ کی شکست کو دل پر بار نہیں بنایا ہوگا۔ہم انشاء اللہ شکست کا انتقام لیں گے۔کھوئے ہوئے علاقے واپس لیں گے اور بیت المقدس سے بھی آگے جائیں گے......

''آپ شکست کے اسباب پر غور کر رہے ہوں گے۔میں اس کی ذمہ داری فوج پر عائد نہیں کروں گا۔ہمیں شکست کے راستے پر اپنے بھائیوں نے اُسی روز ڈال دیا تھا جس روز ہمارے خلاف صف آراء ہوئے تھے۔جب دو بھائی آپس میں لڑتے ہیں تو اُن کے دشمن ہمدردی کے پردے میں انہیں ایک دوسرے کے خلاف مشتعل کرتے ہیں۔ہمارے بھائیوں کو بادشاہی کے نشے نے اندھا کیا۔وہ دولت جس کی ضرورت سلطنتِ اسلامیہ کو تھی، خانہ جنگی میں ضائع ہوئی۔ ہماری فوج کی بہترین اور تجربہ کار نفری تباہ ہوگئی۔اُن کی فوج جو اسی خلافت کی فوج تھی جس کے ہم ہیں، صرف اس لیے ضائع ہوگئی کہ چند ایک افراد نے تخت و تاج کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے تھے، جس قوم کے سربراہوں میں تخت و تاج کا لالچ پیدا ہوگا، اُس کو وہ اپنے اپنے عزائم کے مطابق دھڑوں میں تقسیم کر کے آپس میں ضرور لڑائیں گے۔ہمیں اس طرف بھی توجہ دینی پڑے گی کہ قوم دھڑوں اور گروہوں میں تقسیم نہ ہونے پائے۔مذہبی فرقہ بندیاں ہی کیا کم تھیں کہ سلطانی کے حصول کے لیے قوم گروہوں میں تقسیم ہونے لگی ہے۔ہمیں شکست تک اسی فرقہ بندی نے پہنچایا ہے مگر اس کی سزا آج سالاروں اور سپاہیوں کو مل رہی ہے۔ہماری بہترین فوج خانہ جنگی میں ضائع ہوئی۔اس کمی کو ہم نے نئی بھرتی سے پورا کیا اور شکست کھائی۔میدانِ جنگ سے بے ترتیب بھاگنے والے تمام نئے سپاہی تھے......

''میں نے اور میرے سالاروں نے رملہ کی شکست کے فوراً بعد ثابت کر دیا ہے کہ فوج نہیں ہاری۔میرے پاس وہی پیادہ اور سوار نفری تھی جو آپ نے میری کمان میں دی تھی۔آپ نے مجھے محفوظہ (ریزرو) میں رکھا مگر میدانِ جنگ کی کیفیت اس قدر تیزی سے بدل گئی کہ مجھ تک آپ کا کوئی حکم نہ پہنچ سکا۔یہ بھی پتہ نہ چلا کہ آگے کیا ہو رہا ہے اور میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔پسپا ہونے والے ایک کمان دار نے جو دائیں پہلو پر تھا، مجھے بڑی ہی تشویش ناک اطلاع دی اور مشورہ دیا کہ میں اپنے دستے استعمال نہ کروں اور حملے کی لغزش نہ کروں۔میں نے یہی بہتر سمجھا کہ کم از کم ان دستوں کو جو معرکے میں ابھی شریک ہی نہیں ہوئے، بچالوں۔میں نے اپنے جذبات پر قابو پالیا اور عقل سے کام لیا۔میں نے حماۃ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا......

''میرے دستوں کا جذبہ کسی حد تک مجروح ہو گیا تھا۔میں دُعا کرتا رہا کہ دشمن میرے سامنے آئے اور میں اپنے

دستوں کے جذبے میں جان ڈالوں۔ میں نے مخبر پیچھے چھوڑ دیئے تھے۔ حماۃ کے کوہستان میں مجھے مخبروں نے یہ قیمتی خبریں دیں کہ بالڈوِن میرے تعاقب میں آرہا ہے۔ وہ اس غلط فہمی میں اپنی تمام تر فوج حماۃ کے قلعے کو محاصرے میں لینے کو آیا کہ میں قلعے میں ہوں گا لیکن میں نے آپ کے طریقۂ جنگ کے عین مطابق کوہستان کے اندر دستے چھپا دیئے تھے اور قلعہ دار کو صورتِ حال اور اپنی متوقع چال کے متعلق تفصیلاً بتا دیا تھا۔ میری توقع اللہ نے پوری کی۔ بالڈوِن کی فوج پر جس کی قوت ہم سے دس گنا زیادہ تھی، میرے جانباز جیشوں نے بڑا ہی دلیرانہ اور کامیاب شب خون مارا یہ آپ کی اُس فوج کا شب خون تھا جس کے متعلق تاریخ کہے گی کہ اس نے شکست کھائی تھی۔ میری خواہش ہے کہ یہ شب خون تحریر میں لا کر کاغذات میں رکھ لیا جائے تا کہ آنے والی نسلیں یہ نہ کہیں شکست کے بعد قوم مر ہی جاتی ہے......

"اگر آپ وہ منظر دیکھتے جو اگلے روز کے سورج نے ہمیں دکھایا تو آپ شکست کے صدمے کو بھول جاتے۔ مجھے افسوس ہے کہ بالڈوِن میرے پھندے سے نکل گیا۔ اُسے پکڑا نہیں جا سکا۔ میں اس وقت ایک ٹیکری پر کھڑا کاتب سے یہ خط لکھوا رہا ہوں۔ مجھے حماۃ کا قلعہ نظر آرہا ہے۔ اس پر وحدتِ مصر و شام کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ قلعے کے اردگرد صلیبیوں کی لاشوں کے علاوہ کچھ اور دکھائی دیتا ہے تو وہ ہزاروں گِدھ ہیں جو لاشوں کو کھا رہے ہیں۔ آسمان سے گِدھ اُتر رہے ہیں۔ کہیں کہیں سے دھواں اُٹھ رہا ہے۔ یہ آگ گذشتہ رات میرے چھاپہ ماروں نے لگائی تھی۔ بالڈوِن کی فوج جس افراتفری میں بھاگی ہے، اس سے میں وثوق سے کہتا ہوں کہ بالڈوِن جوابی حملہ نہیں کر سکے گا۔ تاہم میں اس کے لیے تیار ہوں.....

"اگر میرے پاس اتنے ہی دستے اور ہوتے جتنے اب ہیں تو میں صلیبیوں کا تعاقب کرتا اور شکست کو فتح میں بدل دیتا۔ میں آپ کو یقین دلایا ہوں کہ میرے سالاروں، کمان داروں اور تمام تر سپاہ کا لڑنے کا جذبہ تر و تازہ ہو گیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ آرام سے نہیں بیٹھے ہوں گے۔ فوج کے لیے بھرتی اور نئی تنظیم میں مصروف ہو گئے ہوں گے۔ آپ اطمینان سے تیاری کریں، میں چھاپہ مار جنگ جاری رکھوں گا۔ دشمن کو کہیں بھی آرام سے بیٹھنے نہیں دوں گا۔ اس طرح میں کسی علاقے پر قبضہ تو نہیں کر سکوں گا، البتہ آپ کو تیاری کا وقت مل جائے گا۔ میں نے دمشق بھائی شمس الدولہ کو پیغام بھیج دیا ہے کہ مجھے چند ایک دستے اور دیگر سامان بھیجے۔ حلب، الملک الصالح کو بھی پیغام بھیج دیا ہے کہ معاہدے کے مطابق مجھے مدد دے۔ میں آپ کو اللہ کے بھروسے پر تسلی دے رہا ہوں کہ میرے متعلق فکر نہ کریں۔ میں اور میرے سالار آپ کی خیریت اور سرگرمیوں کے متعلق جاننے کو بے تاب ہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اُسی کی ذاتِ باری سے مدد مانگتے ہیں اور ہم سب کو اُسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔

الملک العادل"

العادل نے خط پڑھوا کر سنا۔ اس پر دستخط کیے اور قاصد کو دے کر قاہرہ کو روانہ کر دیا۔

☆

قاہرہ کی فضا پر مایوسی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی وہاں پہنچ چکا تھا۔ شہر میں اور شہر کے مضافات میں بھی ایک آواز اُبھرتی سنائی دیتی تھی، شکست، شکست، شکست...... شکوک اور شبہات بھی اُبھرنے لگے تھے۔ شکست جیسے حادثات اور ایسے واقعات جن کے متعلق لوگوں کو کچھ پتہ نہ چل سکے، ایسی فضا پیدا کر دیتے ہیں جس سے افواہیں پھوٹتی، پھلتی، پھولتی اور پھیلتی ہیں۔ یہ عمل قاہرہ کے اندر بھی اور اردگرد بھی شروع ہو گیا تھا، وہاں دشمن کے تخریب کار جاسوس بھی موجود تھے، جو یورپ کے باشندے نہیں مصر کے رہنے والے مسلمان تھے۔ اس کی انہیں اُجرت ملتی تھی کہ

لوگوں میں یہ مشہور کریں کہ صلیبیوں کے پاس اتنی جنگی قوت ہے جس کے سامنے دُنیا کی کوئی فوج نہیں ٹھہر سکتی۔ سلطان ایوبی کی ہاری ہوئی فوج کے خلاف یہ مشہور کیا جانے لگا کہ بے کار اور عیاش فوج ہے۔ جہاں جاتی ہے، لوٹ مار کرتی اور مسلمان خواتین کی آبروریزی سے بھی گریز نہیں کرتی۔ سلطان ایوبی کی جنگی اہلیت کے خلاف بھی باتیں شروع ہوگئیں۔

لوگ جس قدر رسیدھے سادھے ہوتے ہیں، اتنے ہی زیادہ افواہوں اور جذباتی باتوں کو مانتے ہیں۔ مصریوں نے دہشت کو بھی قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔ زیادہ تر دہشت وہ سپاہی پھیلاتے تھے جو اکیلے یا دو دو چار چار کی ٹولیوں میں مصر کی سرحد میں داخل ہورہے تھے۔ یہ دیہات کے رہنے والے تھے، جنہیں بھرتی کر کے اور تھوڑی سی ٹریننگ دے کر میدانِ جنگ میں لے جایا گیا تھا۔ العادل نے ٹھیک لکھا تھا کہ بادشاہی کے لالچی مسلمان اُمراء اپنی اور سلطان ایوبی کی فوج کو خانہ جنگی میں ضائع نہ کرا دیتے تو نئی بھرتی کو میدانِ جنگ میں لے جانے کا خطرہ مول نہ لیا جاتا۔ ایک غلطی بھرتی کرنے والے چند ایک حکام نے کی تھی جو یہ تھی کہ فوج میں کشش پیدا کرنے کے لیے انہوں نے بھرتی ہونے والوں کو مالِ غنیمت کا لالچ دیا تھا، جبکہ ضرورت یہ تھی کہ انہیں جہاد کے فضائل اور اغراض و مقاصد بتائے جاتے اور بتایا جاتا کہ اُن کا دشمن کون ہے، کیسا ہے اور اُس کے عزائم کیا ہیں۔

یہ سپاہی پا پیادہ بھی آرہے تھے۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر بھی آرہے تھے۔ جب کوئی سپاہی کسی آبادی میں داخل ہوتا تھا، لوگ اُسے گھیر لیتے، کھلاتے پلاتے اور میدان جنگ کی باتیں پوچھتے تھے۔ یہ گنوار سپاہی شکست کی خفت مٹانے کے لیے اپنے کمانڈروں کو نااہل اور عیاش ثابت کرتے اور صلیبی فوج کے متعلق دہشت ناک باتیں سناتے تھے۔ بعض کی باتوں سے پتہ چلتا تھا جیسے صلیبیوں کے پاس کوئی مافوق الفطرت قوت ہے جس کے زور پر وہ جدھر جاتے ہیں، صفایا کرتے جاتے ہیں۔

ایسے مورخوں کی تعداد زیادہ تو نہیں لیکن دو تین نے جن میں ارنول قابلِ ذکر ہے لکھا ہے کہ صلیبی ایک خفیہ ہتھیار لائے تھے اور یہی اُن کی فتح کا باعث بنا تھا۔ تاریخ کی مختلف تحریروں میں اس خفیہ ہتھیار کا آگے چل کر کوئی ذکر نہیں ملتا۔ قاضی بہاؤالدین شداد کی ڈائری میں جو عینی شہادت ہے، ایسے کسی ہتھیار کا ذکر نہیں۔ اُس دور کے دیگر وقائع نگاروں اور کاتبوں کی تحریریں بھی اس پُراسرار ہتھیار کے متعلق خاموش ہیں۔ غالباً یہ ہتھیار اُس پروپیگنڈے کا ایک خیالی ہتھیار تھا جسے مصر (اور دیگر مسلمان علاقوں) میں صلیبیوں کی دہشت پھیلانے کے لیے کیا گیا تھا۔ ہوسکتا ہے اس کے بہت زیادہ ذکر سے مورخوں نے اسے حقیقی سمجھ لیا ہو۔

یہ خفیہ ہتھیار دراصل پروپیگنڈہ تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ قوم کی نظروں میں فوج کو ذلیل و رسوا کر دیا جائے، تاکہ سلطان ایوبی کی فوج قوم کے تعاون اور نئی بھرتی سے محروم ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ مسلمانوں پر صلیبیوں کی دھاک بیٹھ جائے۔ تیسرا یہ کہ سلطان ایوبی کے خلاف عدمِ اعتماد کی فضا پیدا ہو جائے۔ چوتھا یہ کہ کچھ اور لوگ سلطانی کے دعوے دار بن جائیں اور ایک بار پھر خانہ جنگی شروع کرائی جائے۔

سلطان ایوبی دشمن کے اس ہتھیار سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُس نے قاہرہ پہنچتے ہی اپنی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر علی بن سفیان، کوتوال غیاث بلبیس اور ان دونوں کے نائبین کو بلا کر پوری وضاحت سے بتا دیا تھا کہ اب وہ دشمن کے اس زمین دوز حملے کو روکنے کے لیے سخت اقدامات کریں اور اپنے جاسوسوں اور مخبروں کو زیرِ زمین کر کے سرگرم کر دیں...... مگر لوگ جاننا چاہتے تھے کہ اس شکست کے اسباب کیا ہیں اور اس کا ذمہ دار کون ہے۔

☆

رملہ سے قاہرہ تک کی مسافت بڑی ہی لمبی تھی اور سفر بھیانک اور کٹھن تھا۔ راستے میں پہاڑی علاقے بھی تھے، مٹی اور ریت کے ٹیلوں کی بھول بھلیاں بھی اور صحرا بھی تھا جو بھولے بھٹکے مسافروں کا خون چوس لیا کرتا ہے۔ سلطان ایوبی کے وہ سپاہی جو میدانِ جنگ سے مصر کو چل پڑے تھے، وہ اس لمبی اور بھیانک مسافت میں بکھر گئے تھے۔ ان کی واپسی کا منظر ہیبت ناک تھا۔ ان میں جو ریگزار کے سفر سے آشنا نہیں تھے، وہ جہاں گرتے، وہاں سے اُٹھ نہیں سکتے تھے۔ اُن کی لاشیں صرف ایک روز سالم نظر آتی تھیں۔ اگلے روز صحرائی لومڑیاں اور بھیڑیئے ان کی ہڈیاں بکھیر دیتے تھے۔ ٹولیوں میں آنے والے اس انجام سے بچے رہتے تھے اور جو اونٹوں، خچروں اور گھوڑوں پر سوار تھے، اُن کے زندہ واپس آ جانے کے امکانات زیادہ تھے۔

ایسی ہی ایک ٹولی چلی آ رہی تھی۔ یہ سب سپاہی تھے اور وہ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار تھے۔ راستے میں اُن کے اکیلے دکیلے ساتھی اُن کے ساتھ ملتے گئے اور یہ ٹولی تیس چالیس افراد کا قافلہ بن گیا۔ وہ اُس بھیانک ریگزار میں سے گزر رہے تھے جو آج صحرائے سینائی کہلاتا ہے۔ اکٹھے ہونے کی وجہ سے اُن کا حوصلہ قائم تھا مگر اُفق تک پانی کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ دُور دُور میدانِ جنگ سے زندہ نکلے ہوئے فوجی، ایک ایک دو دو قدم گھسیٹتے جاتے نظر آتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے، سوائے اس کے کہ کوئی مر جاتا تو اس کا کوئی ساتھی اُسے ریت میں دفن کر دیتا تھا۔

سواروں کا یہ قافلہ چلا آ رہا تھا۔ آگے وہ علاقہ آ گیا جہاں مٹی کے اونچے نیچے ٹیلے دیواروں، ستونوں اور مکانوں کی طرح کھڑے تھے۔ کسی نے دُور سے ایک ٹیلے پر ایک آدمی کا سر اور کندھے دیکھے اور وہ غائب ہو گیا۔ دیکھنے والے نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس جگہ چل کر رُک جائیں گے، وہاں کوئی اور بھی ہے۔ پانی نہ ملا تو سایہ مل جائے گا۔ قافلے میں اکثریت اُن آدمیوں کی تھی جن کے دماغ تھکن اور پیاس سے ماؤف ہوئے جا رہے تھے۔ اس سے پہلے وہ جنگ کی باتیں کرتے رہے تھے مگر اب اُس کے منہ سے بات بھی نہیں نکلتی تھی۔ ان کے جانوروں میں ابھی جان تھی اور وہ اچھی طرح چلے جا رہے تھے۔

ایک میل دُور کے ٹیلے سو کوس کی مسافت بن گئی۔ قافلہ وہاں پہنچ گیا اور دو ٹیلوں کے درمیان سے اندر چلا گیا۔ اندر ٹیلوں کا سایہ تھا۔ سب جانوروں سے اُترے۔ جانوروں کو سائے میں چھوڑ کر سب ایک عمودی ٹیلے کے سائے میں بیٹھ گئے۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ ایک ٹیلے کی اوٹ سے ایک آدمی سامنے آیا اور بت بن کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سر سے پاؤں تک سفید کپڑوں میں ملبوس تھا۔ ایک لمبا اور سفید چغہ تھا جو کندھوں سے ٹخنوں تک چلا گیا تھا۔ اس کی داڑھی سیاہ تھی، لمبی نہیں تھی۔ خوبی سے تراشی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں عصا تھا جو عموماً عالم، فاضل یا خطیب ہاتھ میں رکھتے تھے۔ وہ خاموش کھڑا تھا۔

اُسے دیکھ کر سب پر خاموشی طاری ہو گئی۔ کسی نے آہستہ سے کہا...... "حضرت خضر علیہ السلام ہیں"۔

"یہ اس زمین کا انسان نہیں"...... ایک اور نے سرگوشی کی۔

قافلے والوں کو ڈر محسوس ہونے لگا۔ وہ تو پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ اس پُراسرار آدمی نے اُن کے ڈر میں اضافہ کر دیا۔ کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اُس سے پوچھتا کہ آپ کون ہیں۔ ایسے ظالم صحرا میں اس حیثیت کے کسی آدمی کی موجودگی حیران کن تھی۔ وہ کوئی فوجی ہوتا تو سپاہیوں کے اس قافلے میں سے کوئی بھی نہ ڈرتا...... اُن کے ڈر میں اُس وقت دہشت آ گئی، جب اس آدمی کے پہلو میں ایک عورت اسطرح آن کھڑی ہوئی جیسے اس آدمی کے جسم سے نمودار ہوئی ہو۔ وہ اس کے پیچھے سے سامنے ہوئی اور اس کے پہلو میں کھڑی ہو گئی تھی۔ فوراً بعد اسی طرح ایک اور عورت اُس کے دوسرے پہلو میں نمودار ہوئی۔ دونوں عورتیں سر سے پاؤں تک مستور تھیں، ان کی آنکھوں کے سامنے جالی کی طرح باریک کپڑا تھا۔ برقعہ نما لبادے سے اُن کے ہاتھ بھی نظر نہیں آتے تھے۔

''تم پر اللہ کی رحمت ہو''......اس آدمی نے کہا......''کیا میں آگے آ کر بتا سکتا ہوں کہ ہم کون ہیں؟''

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر اس شخص اور عورتوں کی طرف دیکھا۔ کسی نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا......''آپ ہمارے پاس آئیں اور بتائیں کہ آپ کون ہیں اور ہمیں آپ جو حکم دیں گے، ہم اس کی تعمیل کریں گے''۔

وہ ایسی چال چلتا اُن تک پہنچا جو عام انسان کی چال نہیں تھی۔ اُس کے چلنے میں اور سراپا میں جلال سا تھا۔ دونوں مستورات اُس کے پیچھے پیچھے آئیں۔ سب احترام سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ احترام میں ڈر بھی شامل تھا۔ وہ نیلے کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مستورات بھی اُس کے پاس گئیں۔ جالی میں سے اُن کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ ان سے پتہ چلتا تھا کہ وہ خوب صورت عورتیں ہیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی اتنی جرأت نہیں تھی کہ ان آنکھوں کا سامنا کر سکتا۔ سفید پوش شخص اور ان مستورات کے کپڑوں پر گرد تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سفر میں ہیں۔

☆

''میں بھی وہیں سے آیا ہوں جہاں سے تم آ رہے ہو''......سیاہ ریش نے بھاگے ہوئے مصری سپاہیوں سے کہا......''فرق یہ ہے کہ تم جہاں جا رہے ہو، وہ تمہارا گھر ہے اور جہاں سے آیا ہوں وہ میرا گھر تھا''......اُس کے لہجے میں سنجیدگی اور اداسی تھی۔

''ہم کس طرح یقین کریں کہ آپ انسان ہیں''......ایک سپاہی نے پوچھا......''ہم آپ کو آسمان کی مخلوق سمجھ رہے ہیں''۔

''میں انسان ہوں''......سیاہ ریش بزرگ نے جواب دیا......''اور یہ دونوں میری بیٹیاں ہیں۔ میں بھی تمہاری طرح رملہ سے بھاگ کر آ رہا ہوں۔ اگر میرا پیرو مرشد مجھ پر کرم نہ کرتا تو صلیبی مجھے قتل کر دیتے اور میری ان دونوں بیٹیوں کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ یہ میرے مرشد کے مزار کی برکت ہے۔ میں رملہ کا رہنے والا ہوں۔ لڑکپن سے مذہب کا علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ میں نے مسجدوں میں اماموں کی بہت خدمت کی اور اُن سے علم حاصل کیا ہے۔ خدا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذہب کے پرستاروں پر بہت کرم نوازی کرتا ہے۔ ایک رات مجھے خواب میں اشارہ ملا کہ بغداد چلے جاؤ اور وہاں کے خطیب کی شاگردی میں بیٹھ جاؤ......

''میں پیدل چل پڑا۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ماں باپ بہت غریب تھے۔ چھوٹا سا مشکیزہ بھی میرے نصیب میں نہیں تھا کہ میں راستے کے لیے پانی ساتھ لے جاتا۔ علم کا عشق مجھے گھر سے نکال لے گیا۔ سب نے کہا یہ لڑکا راستے میں مر جائے گا۔ میری ماں بہت روئی تھی اور میرا باپ بھی بہت رویا تھا مگر میں چل پڑا۔ دن کے وقت پیاس اور بھوک میری جان نکال لیتی تھی۔ شام کے بعد جب میں اس اُمید پر کہیں گر پڑتا تھا کہ مر جاؤں گا، میرے قریب پانی کا ایک پیالہ اور کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ رکھا ہوتا تھا۔ پہلی بار میں بہت ڈرا تھا۔ میں اسے جنات کا دھوکہ سمجھتا تھا، لیکن رات کو خواب میں اشارہ ملا کہ یہ کسی مرشد کی کرامت ہے۔ مجھے یہ پتہ نہ چلا کہ وہ مرشد کون ہے اور کہاں ہے۔ میں کھا پی کر گہری نیند سو گیا۔ صبح اُٹھا تو وہاں پیالہ بھی نہیں تھا اور جس چنگیر میں روٹیاں تھیں، وہ بھی نہیں تھی......

''بغداد پہنچنے تک راستے میں دو نئے چاند طلوع ہوئے۔ بہت لمبا سفر تھا۔ ہر رات مجھے پیالے میں پانی اور چنگیر میں کھانا ملتا رہا۔ بغداد میں جامع مسجد کے خطیب نے مجھے دیکھا تو میری عرض سنے بغیر بولے کہ میں تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔ وہ مجھے اپنے حجرے میں لے گئے۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ایک چنگیر پڑی تھی اور اس میں ایک پیالہ رکھا

تھا۔ خطیب نے پوچھا کہ تمہیں ہر رات کھانا اور پانی ملتا رہا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ملتا رہا ہے مگر حیران و پریشان ہوں کہ یہ چنگیر اور پیالہ مجھ تک ہر رات کون لے جاتا اور واپس لاتا رہا تو وہ بولے کہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کرنا چاہی تھی تو دریائے نیل کو حکم دیا تھا کہ راستہ دے دو۔ دریا کا آگے کا پانی آگے اور پیچھے کا پانی پیچھے رہ گیا اور خشکی کی اس گلی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نکل آئے تھے اور جب فرعون اُن کے تعاقب میں اس گلی میں داخل ہوا تو دریا کے دونوں حصے آپس میں مل گئے اور دریا اُسی طرح قہر سے بہنے لگا جیسے بہتا تھا۔ فرعون غرق ہو گیا......

''خطیب مکرم نے کہا کہ ہم اُس کی ذات کے تابع ہیں جس نے ہمیں پیدا کیا اور جو ہمیں باری باری اس دُنیا سے اُٹھاتا ہے۔ اس کا جو بندہ اس کے علم کے عشق سے دیوانہ ہوتا ہے جیسے تم ہوئے۔ اُسے وہ صحراؤں میں پیاسا نہیں مرنے دیتا اور دریاؤں میں ڈوبنے نہیں دیتا۔ اُس کی ذاتِ باری نے مجھے اشارہ دیا کہ ہم نے اپنے ایک بندے کے لیے مہینوں کے فاصلے اور ان فاصلوں کی صعوبتیں مٹا دی ہیں۔ تمہارے سینے میں جو علم ہے وہ اس لڑکے کے سینے میں منتقل کر دو اور ہم نے تمہاری خدمت کے لیے جو دو جنات مقرر کر رکھے ہیں انہیں کہو کہ اس لڑکے کو راستے میں پانی اور کھانا پہنچاتے رہیں...... میں نے خدائے ذوالجلال کے حکم کی تعمیل کی۔ ہر رات تمہارے لیے یہاں سے کھانا اور پانی جاتا رہا ہے۔ حیران نہ ہو لڑکے! پریشان بھی نہ ہو۔ بہت کم خوش نصیبوں کے دِلوں میں علم کا چراغ روشن ہوتا ہے۔ جس کی خواہش تم لے کر آئے ہو۔ ارادہ نیک ہو، دِل میں اللہ کی خوشنودی کی خواہش ہو تو جن و انس غلام ہو جاتے ہیں''۔

''کیا جنات آپ کے غلام ہیں؟'' ایک سپاہی نے پوچھا۔

''وہ نہیں''۔ اُس نے جواب دیا...... ''میں اُن کا غلام ہوں، کوئی کسی کو غلام نہیں بنا سکتا۔ ہم سب ایک خدا کے ایک جیسے بندے ہیں۔ اونچا اور نیچا، امیری اور غریبی سے نہیں ہوتا، ایمان کی پختگی اور کمزوری سے انسانوں کی درجہ بندی ہوتی ہے''۔

اُس کی باتوں میں ایسا تاثر تھا جس نے سب کے دلوں کو موہ لیا اور سب دم بخود ہو کر سن رہے تھے۔ اُس نے کہا...... ''بغداد کے خطیب نے میری روح کو علم سے روشن کر دیا۔ انہوں نے میری شادی بھی کرائی۔ وہیں میری یہ دونوں بچیاں پیدا ہوئیں۔ میں نے بہت چلّے کیے اور قدرت کے کارخانے کے دو تین راز پالیے۔ تب ایک رات میرے خطیب استاد نے کہا کہ اب جا اور اُن کی خدمت کر جو علم اپنے ساتھ قبروں میں لیے ابدی نیند سو رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے واپس اپنے گھر رملہ چلے جانے کا حکم دیا۔ دو اونٹ دیئے۔ زادِ راہ دیا اور کہا کہ گناہ کا کبھی خیال بھی دِل میں نہ آنے دینا۔ رملہ پہنچو گے تو ایک رات تم اپنے ارادے کے بغیر اُٹھ کر چل پڑو گے۔ شاید تمہیں بہت دُور جانا نہیں پڑے گا۔ تمہارے قدم اپنے آپ رُک جائیں گے۔ وہ ایک مقدس جگہ ہو گی۔ اس جگہ کو اپنا آستانہ بنا لیا، مگر مجھے ایک وقت جو ابھی مستقبل تاریکیوں میں چھپا ہوا ہے نظر آ رہا ہے گناہ ہوں گے اور تمہیں دوسروں کے گناہوں کی سزا ملے گی۔ شاید تمہیں ہجرت کرنی پڑے......

''میں جب اپنی بیوی اور ان دو بچیوں کے ساتھ سفر میں تھا تو آفتاب کی تمازت میرے کنبے کے لیے خنک ہو گئی تھی۔ ہمیں اُس جگہ سے بھی پانی مل جاتا تھا جہاں کی ریت کے ذرے پانی کی ایک بوند کو ترستے، جلتے انگاروں کے شرارے بن کر اُڑتے رہتے ہیں۔ میں رملہ پہنچا تو میرے والدین مر چکے تھے۔ میری بیوی نے اُجڑے ہوئے گھر کو آباد کیا...... میں علم و دانش کے سمندر میں غوطے لگاتا رہا۔ میری بچیاں بڑی ہو گئیں اور اُن کی ماں کو اللہ نے اپنے پاس بلا لیا۔ بچیوں نے گھر سنبھال لیا اور ایک رات جب میں گہری نیند سویا ہوا تھا، میری آنکھ اس طرح کھل گئی جیسے کسی نے جگایا ہو......

''میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ بغداد کے خطیب کی برسوں پرانی بات یاد آئی کہ تم اپنے آپ جاگ اُٹھو گے اور ا،

کے بغیر چل پڑو گے۔ ایسے ہی ہوا۔ میرے ذہن میں کوئی ارادہ، کوئی خیال نہیں تھا۔ میں گھر سے نکل گیا۔ آبادی سے بھی نکل گیا۔ کہیں کہیں ایسا لگتا تھا جیسے کوئی میرے آگے آگے جا رہا ہو۔ معلوم نہیں یہ احساس تھا یا حقیقت۔ میں چلتا گیا۔ معلوم نہیں تم نے وہ جگہ دیکھی ہے یا نہیں، جہاں گہرائی ہے اور گہرائی میں ندی بہتی ہے۔ صلیبیوں کی فوج اسی گہرائی میں چھپی ہوئی تھی۔ میں نے سنا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو زمین کی آخری تہہ میں چھپا ہوا دشمن بھی نظر آتا ہے مگر وہاں اس کی آنکھوں پر خدا نے ایسی پٹی باندھی کہ اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ خود کہاں ہے۔ صلیبی فوج تمہارے فوج کو پھندے میں لا کر گہرائی سے نکلی اور حملہ کیا اور تمہارا جو حال ہوا، وہ تم جانتے ہو......

''اس جنگ سے برسوں پہلے میں رات کو اپنے آپ یا غیب کی قوت کے زیر اثر اس گہرائی میں پہنچ گیا اور ایک جگہ میرے قدم رُک گئے۔ چاندنی رات تھی۔ مجھے ایک قبر نظر آئی جس کے اردگرد پتھروں کی دو ہاتھ اونچی دیوار تھی۔ میں نے آزمانے کے لیے قدم کسی اور سمت کو اُٹھائے لیکن میں قبر کی طرف گھوم گیا اور پتھروں کی دیوار میں اندر جانے کو جو راستہ بنا ہوا تھا، اس میں داخل ہو گیا۔ میرے ہاتھ اپنے آپ فاتحہ کے لیے اُٹھے۔ مجھے ایسے لگا جیسے وہاں چاندنی زیادہ سفید تھی۔ میرے ذہن میں اپنے آپ خیال آیا کہ خطیب مکرم نے اسی جگہ کی نشاندہی کی تھی۔ میں قبر کے پاس بیٹھ گیا اور قبر پر ہاتھ رکھ کر عرض کی مجھ غلام کے لیے کیا حکم ہے۔ مجھے اس کے جواب میں کوئی آواز نہ سنائی دی۔ اپنے آپ ہی خیال آیا کہ مجھے جو فیض ملے گا، اسی سے ملے گا...... میں نے رات وہیں گزار دی۔ صبح کے وقت ندی میں جا کر وضو کیا اور قبر پر نماز پڑھی۔ وہاں سے جب رخصت ہوا تو مجھ پر خمار سا طاری تھا، جیسے میں نے خزانہ پا لیا ہو......

''اس کے بعد مجھے اس قبر سے اسی طرح اشارے ملنے لگے کہ کوئی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ میرے دل میں کوئی بات آتی جو میرا یقین بن جاتی تھی۔ میں نے قبر کی دیواریں اونچی کر کے اوپر گنبد بنوا دیا۔ میں دُور دُور تک گیا۔ حلب اور موصل کے علاوہ بیت المقدس تک گیا۔ اب کچھ عرصے سے مجھے اس مزار سے جو اشارے مل رہے تھے، وہ اچھے نہیں تھے۔ یہ جس برگزیدہ انسان کا مزار ہے، اُس کی روح تڑپتی محسوس ہوتی تھی۔ قبر پر میں نے سبز چادر ڈالی تھی، ایک رات چادر پھڑ پھڑائی۔ میں ڈر گیا اور میں نے چادر پر ہاتھ پھیر کر کہا...... ''مرشد! میرے لیے کیا حکم ہے؟''......

''مزار کے اندر مجھے آواز سنائی دی...... ''تو دیکھ نہیں رہا کہ مسلمان شراب پی رہے ہیں؟ اس سے پہلے میں نے آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ اُس نے مجھے کہا کہ میں مسلمانوں کو شراب کی تباہ کاریوں سے خبردار کروں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی، لیکن شراب پینے والے اُمراء اور حاکم تھے جن کے کانوں تک میری آواز نہ پہنچ سکی۔ پھر ایک رات قبر کی چادر نے پھڑ پھڑا کر مجھے بتایا کہ مصر سے آئی فوج مسلمانوں کی آبادیوں میں مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہے جو صلیبی فوج کیا کرتی ہے۔ اُس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج دمشق میں بھی تھی اور دمشق سے حلب تک اور وہاں سے رملہ تک جگہ جگہ موجود تھی۔ اس فوج کے کمان داروں نے جس مسلمان گھرانے میں کوئی قیمتی چیز اور رقم دیکھی، اُٹھا لے گئے۔ انہوں نے پردہ نشین خواتین پر دست درازیاں کیں۔ اُن کی دیکھا دیکھی سپاہیوں نے بھی لوٹ مار اور آبروریزی شروع کر دی۔ یہاں تک پتہ چلا کہ سالاروں اور کمان داروں نے مسلمان لڑکیاں اغوا کر کے اپنے خیموں میں رکھی ہوئی ہیں۔ مزار سے مجھے حکم ملتا تھا کہ میں سلطان ایوبی کے پاس جاؤں اور اُسے بتاؤں کہ یہ فوج خلافتِ بغداد کی ہے۔ مصر کے فرعونوں کی نہیں۔ اگر فوج نے یہ گناہ جاری رکھے تو اس کا حشر فرعونِ موسیٰ جیسا ہو گا......

''اُس وقت سلطان ایوبی حلب کے قریب خیمہ زن تھا۔ میں اتنی لمبی مسافت طے کر کے اُسے ملنے گیا تو اُس

کے محافظوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم سلطان سے کیوں ملنا چاہتے ہو تو میں نے بتایا کہ میں رملہ سے آیا ہوں اور ایک پیغام لایا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ پیغام کس کی طرف سے ہے۔ میں نے بتایا کہ جس نے پیغام دیا ہے، وہ زندہ نہیں۔ محافظوں نے قہقہہ لگایا اور اُن کے کمان دار نے بلند آواز سے کہا کہ آؤ تمہیں ایک پاگل دکھاؤں۔ کہتا ہے قبر سے سلطان ایوبی کے لیے پیغام لایا ہوں۔ ایک نے کہا کہ یہ شیخ سنان کا بھیجا ہوا فدائی ہے۔ سلطان کو قتل کرنے آیا ہے۔ اسے پکڑ لو۔ کسی نے کہا کہ صلیبیوں کا جاسوس ہے، اسے قتل کر دو۔ میں نے گرفتاری سے بچنے کے لیے یہ ظاہر کیا کہ میں پاگل ہوں۔ میں وہاں سے بھاگ آیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سلطان کے محافظوں کے ایک خیمے میں دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں''۔

''ہم نے اپنی فوج کے ساتھ کوئی عورت نہیں دیکھی''۔ ایک سپاہی نے کہا۔

''کیا تم اُس وقت سے فوج کے ساتھ ہو، جب یہ دمشق گئی تھی؟'' سیاہ ریش نے کہا۔

''ہم سب پہلی بار ادھر آئے ہیں''۔ سپاہی نے جواب دیا۔ ''ہم فوج میں اتنے پرانے نہیں ہیں''۔

''میں پرانی فوج کی بات کر رہا ہوں''۔ اس نے کہا۔ ''اس فوج کے کمان داروں اور سپاہیوں کو سزا مل چکی ہے۔ تم نئے تھے، تم نے ابھی کوئی گناہ نہیں کیا تھا، اسی لیے تم زندہ سلامت واپس آ گئے ہو، جنہوں نے مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کے گھر لوٹے تھے اور پردہ دار خواتین پر دست درازی کی تھی، وہ مارے گئے ہیں جو زیادہ گناہگار تھے، ان میں سے کسی کی ٹانگیں کٹیں اور کسی کے بازو۔ وہ زندہ تھے تو گدھ اُن کی آنکھیں نکال رہے تھے اور جو اِن سے بھی زیادہ گناہگار تھے وہ صلیبیوں کی قید میں چلے گئے ہیں جو اُن کے لیے جہنم سے کم نہیں ہوگی، اُن کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والی اذیتیں ہیں۔ وہ بھوکے پیاسے تڑپتے رہیں گے مگر مریں گے نہیں۔ مرنے کی دُعائیں مانگیں گے۔ اُن کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی''۔

''کیا ہماری شکست کی وجہ یہی ہے؟'' ایک سپاہی نے پوچھا۔

''مجھے دو سال پہلے اشارہ مل گیا تھا کہ یہ فوج تباہ ہوگی''۔ اُس نے کہا...... ''اور یہ فوج کفار کو موقع دے گی کہ وہ اسلام کی تذلیل کریں۔ اب یہ فوج اللہ کی درگاہ سے دھتکاری گئی ہے''۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' کسی نے پوچھا۔

''میں تمہاری طرح اللہ کے قہر سے جو صلیبی فوج کی صورت میں نازل ہوا ہے، بھاگ کر آیا ہوں''۔ سیاہ ریش نے جواب دیا۔ ''صلیبی فوج طوفان کی طرح آئی۔ تمہاری فوج اسے روک نہ سکی۔ اگر صرف میری اپنی جان ہوتی تو میں اپنے مرشد کے مزار پر جان قربان کر دیتا لیکن اپنی جوان بیٹیوں کی آبرو کو میں قربان نہیں کر سکتا تھا۔ صلیبی دو چیزوں کو نہیں چھوڑتے۔ رقم اور خوب صورت مستورات۔ مجھے مزار سے حکم ملا کہ اپنی بیٹیوں کو ساتھ لو اور مصر کی طرف نکل جاؤ۔ میں نے عرض کی کہ میں زندہ کی طرح پہنچوں گا۔ مزار سے آواز آئی کہ تم نے ہماری جو خدمت کی ہے، اس کے عوض تم خیریت سے قاہرہ پہنچ جاؤ گے لیکن وہاں خاموش نہ بیٹھنا۔ ہر کسی کو بتانا کہ گناہ کرو گے تو تمہیں ایسی ہی سزا ملے گی جیسی تمہاری فوج نے بھگتی ہے۔ مجھے مزار نے بہت کچھ بتایا ہے جو میں مصر چل کر بتاؤں گا...... تم ایک دوسرے کو دیکھو۔ تمہارے چہرے لاشوں جیسے ہو گئے ہیں، تمہارے جسموں میں جان نہیں رہی۔ مجھے دیکھو میں اپنی بیٹیوں کے ساتھ پیدل آ رہا ہوں۔ میرے پاس کچھ کھانے کے لیے بھی نہیں، کچھ پینے کے لیے بھی نہیں''۔

''کیا آپ ہمیں مصر تک اپنی طرح لے جا سکتے ہیں؟'' ایک سپاہی نے پوچھا۔

جس مقصد کے لیے مصر جا رہا ہوں، اس میں میرا ساتھ دو گے"۔

"ہم سچے دِل سے وعدہ کرتے ہیں"۔ بہت سی آوازیں سنائی دیں۔ "ہمیں اپنا مقصد بتائیں ہم جب تک زندہ ہیں، آپ کا ساتھ دیں گے"۔

"میں صرف اپنی اور اپنی بیٹیوں کی عزت بچانے کے لیے رملہ سے نہیں بھاگا"۔ اُس نے کہا...... "مجھے مزار نے حکم دیا ہے کہ مصر جا کر لوگوں کو بتاؤں کہ تم فرعونوں کی سرزمین کی پیداوار ہو۔ اس مٹی میں گناہوں کی تاثیر ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں نیلام ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے ادبی مصر میں ہوئی تھی۔ مصر میں پیغمبروں کے قبیلے فرعونوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اے مصر والو! اس مٹی کی تاثیر سے اور اس کی فضا کے اثر سے بچو اور خدا کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑو۔ تمہاری تباہی اور سزا شروع ہو چکی ہے۔ میں یہ پیغام مصر والوں کے لیے لے جا رہا ہوں۔ تم اگر یہ پیغام سارے ملک میں پھیلانے میں میری مدد کرو گے تو تمہاری دُنیا بھی بہشت بنی رہے گی اور آخرت میں بھی تمہارے لیے بہشت کے دروازے کھول دیے جائیں گے"۔

☆

سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی۔ رملہ کی طرف سے آنے والے دو تین سپاہی قریب سے گزرے۔ سیاہ ریش نے کہا کہ انہیں روک لو۔ یہ رات تک زندہ نہیں رہیں گے۔ انہیں روک لیا گیا۔ وہ سسکیوں کی طرح پانی مانگ رہے تھے۔ سیاہ ریش نے انہیں کہا...... "پانی رات کو ملے گا۔ اُس وقت تک اُس خدا کو یاد کرو جس نے تمہیں رملہ سے زندہ نکالا اور نئی زندگی دی ہے"۔

کچھ دیر بعد دو آدمی گھوڑوں پر سوار اِدھر سے گزرے۔ وہ فوجی نہیں تھے۔ انہوں نے اس قافلے کو دیکھا، پھر سیاہ ریش کو دیکھا۔ انہوں نے گھوڑے روک لیے، کود کر اُترے، گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر دوڑے آئے۔ دونوں نے سیاہ ریش کے سامنے سجدہ کیا، پھر اُس کے ہاتھ چومے اور پوچھا...... "یا مرشد! آپ کہاں؟" اس کا جواب سن کر ان دونوں نے سپاہیوں کو بتایا کہ وہ کتنے خوش نصیب ہیں کہ اللہ کی بھیجی ہوئی بزرگ و برتر شخصیت کا ساتھ انہیں میسر آیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ سیاہ ریش نے ایک سال پہلے بتا دیا تھا کہ مصر کی گناہگار فوج اس مزار کے علاقے میں آ گئی تو تباہ ہو جائے گی۔

"اِدھر اُدھر دیکھو"۔ سیاہ ریش نے سب سے کہا...... "جہاں کہیں کوئی بھولا بھٹکا مصر کی طرف جاتا نظر آئے، اُسے یہاں لے آؤ۔ رات کو یہاں کوئی بھوکا اور پیاسا نہیں رہے گا"۔

گزرنے کا یہی ایک راستہ تھا۔ باقی تمام علاقہ ٹیلوں کا تھا اور یہ وسیع علاقہ تھا۔ اس کے اندر جانا بے کار تھا۔ باہر سے ہی پتہ چل رہا تھا کہ یہاں پانی کا نام و نشان نہیں۔ سب کو موت نظر آ رہی تھی۔ مصر کی سرحد ابھی بہت دُور تھی۔ یہ لوگ سہارے ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ سیاہ ریش کے آگے پیچھے جا رہے تھے۔ اس کی ہر ایک بات اُن کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی مگر پیاس کی شدت سے دو تین سپاہی غشی کی حالت میں چلے گئے تھے۔ سیاہ ریش انہیں تسلیاں دے رہا تھا۔

سورج غروب ہو گیا پھر رات تاریک ہو گئی۔ بہت دیر بعد جب صحرا خاموش تھا، ٹیلوں کے اندر سے ایک پرندے کی آواز سنائی دی۔ سب چونک اُٹھے۔ ایسے جہنم میں جہاں پانی کا تصور بھی نہیں تھا اور موت سر پر منڈلا رہی تھی وہاں پرندے کی آواز غیر قدرتی تھی۔ یہ پرندہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ سب کی سانسیں رُک گئیں۔ یہ کوئی بدروح ہو سکتی تھی۔

"اللہ تیرا شکر"۔ سیاہ ریش نے سکون کی آہ لے کر کہا...... "میری دُعا قبول ہو گئی ہے"۔ اُس نے اپنے سامنے

بیٹھے ہوئے دو سپاہیوں سے کہا......''تم دونوں اُس طرف جاؤ۔ چالیس قدم گنو، وہاں سے دائیں کو مُڑ جاؤ۔ چالیس قدم گنو، وہاں سے بائیں کو مُڑ جاؤ۔ آگے کہیں آگ جلتی نظر آئے گی۔ اس کی روشنی میں تمہیں پانی نظر آئے گا۔ شاید کھانے کے لیے بھی کچھ ہو۔ جو کچھ وہاں پڑا ہو، اُٹھا لانا۔ یہ آواز پرندے کی نہیں غیب کا اشارہ ہے''۔

''میں نہیں جاؤں گا''۔ ایک سپاہی نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ ''میں جنات کی جگہ نہیں جاؤں گا''۔

وہ دو آدمی اُٹھ کھڑے ہوئے جو بعد میں گھوڑوں پر سوار آئے تھے اور سیاہ ریش کے آگے سجدہ کیا تھا۔ ایک نے سپاہیوں سے کہا......''مت ڈرو، جنات تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ انہیں حکم ملا ہوا ہے کہ یہ بزرگ جہاں جائیں انہیں کھانا اور پانی پہنچتا رہے گا۔ ہم ان کے معجزوں سے واقف ہیں......دو تین آدمی ہمارے ساتھ چلو''۔

وہ دو تین سپاہیوں کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ سیاہ ریش کے کہنے کے مطابق انہوں نے قدم گِنے اور مُڑے۔ دو ٹیلوں کے درمیان سے گزرے تو انہیں ایک جگہ آگ جلتی نظر آئی۔ سب کلمہ طیبہ کا وِرد کرتے آگے بڑھے۔ آگ کی روشنی میں پانی سے بھرے ہوئے چار پانچ مشکیزے پڑے تھے اور کپڑے کے ایک تھیلے میں کھجوریں بھری ہوئی تھیں۔ انہوں نے مشکیزے اور تھیلا اُٹھایا اور سیاہ ریش کے آگے یہ سامان جا رکھا۔ اُس نے سب میں تھوڑی تھوڑی کھجوریں تقسیم کیں اور دو مشکیزے اُن کے حوالے کر کے کہا کہ ضرورت سے زیادہ پانی نہ پئیں، پانی بچانے کی کوشش کریں......اس کے بعد کسی شک کی گنجائش نہ رہی کہ سیاہ ریش کوئی عام قسم کا درویش نہیں، اللہ کے مصاحبوں میں سے ہے۔ اُس نے سب کو تیمم کرایا اور باجماعت نماز پڑھائی۔ پھر سب سو گئے۔ ابھی سحر تاریک تھی جب اُس نے سب کو جگا دیا اور قافلہ مصر کو روانہ ہو گیا۔ سیاہ ریش کو ایک اونٹ پر اور اُس کی بیٹیوں کو دوسرے اونٹ پر سوار کرا دیا گیا تھا......راستے میں انہیں تین چار سپاہی ملے جو مصر کو جا رہے تھے۔ سیاہ ریش نے انہیں پانی پلایا، کھجوریں کھلائیں اور دو شتر سواروں کے پیچھے انہیں سوار کرا دیا۔ اس قافلے سے دائیں طرف دُور ایک اور قافلہ جا رہا تھا۔ کسی نے کہا کہ انہیں بھی ساتھ ملا لیا جائے۔ سیاہ ریش نے کہا کہ وہ ہماری طرح بھاگے ہوئے لوگ معلوم نہیں ہوتے، اُن کا اور ہمارا کوئی ساتھ نہیں۔

☆

بہت دنوں بعد سپاہیوں کا یہ قافلہ سیاہ ریش کی قیادت میں مصر کی سرحد میں داخل ہوا۔ وہ دو آدمی جنہوں نے سیاہ ریش کے آگے سجدہ کیا تھا۔ راستے میں سپاہیوں کو سیاہ ریش کے معجزے سناتے گئے تھے۔ اُنہوں نے سپاہیوں سے کہا تھا کہ اسے جو کوئی اپنے گاؤں میں رکھ لے گا، اُسے رزق کی کوئی کمی نہیں ہو گی اور خدا اُس پر ہمیشہ مہربان رہے گا۔ ایک ہی گاؤں کے تین چار سپاہی اُسے وہاں رکھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سیاہ ریش سے کہا گیا کہ وہ اُن کے گاؤں چلے۔ اُس نے کچھ باتیں پوچھیں اور اُن کے گاؤں جانے پر آمادہ ہو گیا۔

یہ ایک بڑا گاؤں تھا جو قاہرہ سے دُور نہیں تھا۔ قافلہ جب اس گاؤں میں داخل ہوا تو سپاہیوں کو دیکھ کر گاؤں کے لوگ اُن کے گرد جمع ہو گئے۔ ان کے جانوروں کے آگے چارہ ڈالا۔ قافلے والوں کو کھانا اور پانی دیا اور اُن سے محاذ کی باتیں سننے بیٹھ گئے۔ انہیں سیاہ ریش کے متعلق بتایا گیا کہ خدا کے مصاحبوں میں سے ہے اور اسے خدا جنات کے ہاتھوں رزق پہنچاتا ہے۔ لوگوں کو اُس کی مختصر سی داستانِ حیات بھی سنائی گئی۔

''محاذ کا راز مجھ سے پوچھو''۔ سیاہ ریش نے کہا......''یہ سپاہی ہیں۔ یہ صرف لڑتے ہیں۔ انہیں کچھ علم نہیں ہوتا

فوج کے گناہوں کی سزا بھگتی ہے جو ان سے بہت پہلے ملک شام کو گئی تھی۔ اُس فوج نے ہر میدان میں فتح حاصل کی۔ وہاں کی وادیاں اور وہاں کے صحرا، سلطان ایوبی زندہ باد، کے نعروں سے گونجتے لرزتے رہے۔ اس فوج نے ہر جگہ زر و جواہرات اور عورتیں دیکھیں۔ وہاں کی عورتیں مصر کی عورتوں سے زیادہ خوب صورت ہیں۔ فتح کے نشے نے اُس فوج میں فرعونیت پیدا کر دی۔ دماغوں میں صرف مالِ غنیمت رہ گیا، پھر اُس فوج کے سالاروں، کمان داروں اور سپاہیوں نے قوم کی عزت اور غیرت کو خیر باد کہا اور مسلمانوں کے گھروں میں بھی لوٹ مار شروع کر دی، جہاں کوئی خوب صورت عورت اور جوان لڑکی نظر آئی، اُسے بے آبرو اور اغوا کیا۔ یہ سب مسلمان مستورات تھیں۔ انہیں خیموں میں رکھا گیا"۔

"کیا سلطان صلاح الدین ایوبی اندھا تھا؟" کسی نے قہر آلود آواز میں پوچھا..... "وہ دیکھ نہیں سکتا تھا کہ اُس کی سپاہ کیا کر رہی ہے؟"

"خدا جب سزا دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اماموں، عالموں اور حکمرانوں کی عقل پر بھی پردہ ڈال دیتا ہے"۔ سیاہ ریش نے کہا..... "سلطان صلاح الدین ایوبی خود فتح کے نشے سے بدمست ہو گیا تھا۔ وہ شاید خدا کے وجود کو اور اُس کی لاٹھی کو بھول گیا تھا۔ اُس کے گرد اُس کے محافظوں اور عیاش سالاروں نے ایسا گھیرا ڈال رکھا تھا کہ کسی مظلوم کی فریاد اُس تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی، جو بادشاہ فریادیوں کے لیے انصاف کے دروازے اور اپنے کان بند کر لیتا ہے، وہ اللہ کی بخشش سے محروم ہو جاتا ہے۔ مجھے دو سال سے اشارے مل رہے تھے کہ یہ فوج اعمالِ بد سے باز نہ آئی تو تباہ ہو گی۔ مجھے راتوں کو غیب کی آوازیں سنائی دیتی رہیں مگر جن کے لیے آوازیں آتی تھیں، اُن کے کان بند تھے......

"پھر خدا نے یوں کیا کہ اُن کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دیں اور سلطان صلاح الدین ایوبی جو میدانِ جنگ کا بادشاہ ہے اور جسے صلیب کے کفار میدانِ جنگ کا دیوتا کہتے ہیں، عقل کا ایسا اندھا ہوا کہ ساری چالیں بھول گیا۔ اُس کی چال دشمن چل گیا اور اُسے ایسی شکست ہوئی کہ تن تنہا مصر پہنچا"۔

"ہم صلیبیوں سے شکست کا انتقام لیں گے"۔ ایک جوشیلے دیہاتی نے کہا..... "ہم اپنے بیٹوں کو قربان کر دیں گے"۔

"فتح اور شکست خدا کے اختیار میں ہے"۔ سیاہ ریش نے کہا..... "اُس کی ذات نے حکم شکست کا دیا ہو تو بندوں کا جوش سرد پڑ جاتا ہے۔ میں بھی اسی لیے یہاں آیا ہوں کہ مصر کے بچے بچے کو شکست کا انتقام لینے کے لیے تیار کروں لیکن سزا کا وقت ابھی ختم نہیں ہوگا، تم اگر اپنے بیٹوں کو فوراً فوج میں بھرتی کرا کے محاذ پر بھیج دو گے تو وہ مریں گے اور شکست کھائیں گے۔ ہر عمل کے لیے ایک وقت مقرر ہے، وہ وقت ابھی دُور ہے، جب شکست کو فتح میں بدل دو گے۔ سب سے پہلے خدا کو یاد کرو۔ اُس سے اپنے اُن بیٹوں کے گناہوں کی بخشش مانگو جنہیں تم نے ملک شام میں بھیجا تھا"۔

☆

"شکست کی ذمہ داری میرے سر پر ڈالو"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ وہ اپنے سالاروں، نائب سالاروں، کمان داروں اور شہری انتظامیہ کے حکام سے خطاب کر رہا تھا..... "شکست کے اسباب بڑے واضح ہیں۔ مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں نئی بھرتی لے کر گیا۔ میں زیادہ انتظار کرتا اور مصر میں بیٹھا رہتا تو دشمن سارے شام میں پھیل جاتا۔ میں نے فوج کی جس کمی کو نئے سپاہیوں سے پورا کیا ہے، اس کے متعلق تم جانتے ہو کہ اس کا ذمہ دار کون ہے، لیکن میں اب اس بحث میں وقت ضائع نہیں کروں گا کہ اس کا ذمہ دار فلاں ہے اور وہ گناہ فلاں نے کیا ہے۔ اگر جرم عائد کرنے ہیں تو مجھ پر کرو۔ فوج کو میں نے لڑایا ہے، اگر چالیں غلط تھیں تو میری تھیں۔ اس کا کفارہ مجھے ادا کرنا ہے اور میں کروں گا۔ فتح اور شکست ہر مصر کے کا

انجام ہوتا ہے۔ آج ہم اُس انجام سے دو چار ہوئے ہیں جس کے لیے تم ذہنی طور پر تیار نہیں تھے۔ اسی لیے تم سب کے چہروں پر اُداسی اور آنکھوں میں بے چینی ہے۔ اگر تم مجھے شکست کی سزا دینا چاہتے ہو تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ میرے کانوں میں یہ آوازیں بھی پہنچ رہی ہیں کہ میری فوج شام میں جا کر آبرو ریزی، لوٹ مار اور شراب خوری کی عادی ہوگئی تھی۔ مجھے یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ میں نے خلیفہ بغداد پر دہشت طاری کرنے کے لیے دانستہ شکست کھائی ہے اور میں شکست کو فتح میں بدل کر خلیفہ کو اپنا مرید بنانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے فرعون تک کہا جا رہا ہے۔ میں کسی بھی الزام کا جواب نہیں دوں گا۔ ان الزامات کا جواب میری زبان نہیں میری تلوار دے گی۔ میں الفاظ سے نہیں عمل سے ثابت کروں گا کہ یہ کس کے گناہ تھے، جن کی سزا مجھے اور میرے مجاہدین کو ملی ہے''۔

اتنے میں دربان نے اطلاع دی کہ حماۃ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسے فوراً اندر بلایا۔ گرد و غبار سے اَٹے ہوئے اور تھکن سے چور قاصد نے سلطان ایوبی کو العادل کا پیغام دیا۔ پیغام کھول کر پڑھا تو سلطان ایوبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے پیغام ایک سالار کے ہاتھ میں دے کر کہا...... ''یہ پڑھ کر سب کو سناؤ''۔

جوں جوں سالار پیغام پڑھتا جا رہا تھا، سب کی آنکھوں میں چمک آتی جا رہی تھی۔ سسکیوں کی طرح تین چار سرگوشیاں سنائی دیں...... ''زندہ باد، زندہ باد''۔

''یہ گناہگاروں کا کارنامہ ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''تم میں سے جو قاہرہ میں تھے، نہیں جانتے کہ العادل کے پاس کتنی فوج ہے۔ تم یہ بھی نہیں جانتے کہ بالڈون کے پاس دس گنا زیادہ فوج تھی۔ اُس کے سوار زرہ پوش ہیں۔ اُس کے پیادے لوہے کے خود پہنتے ہیں۔ کیا العادل کے مجاہدین نے ثابت نہیں کر دیا کہ ہم شکست کو فتح میں بدل سکتے ہیں؟ کیا تم مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ سر پکڑ کر بیٹھ جاؤں؟ اگلی جنگ کی تیاری کرو۔ مجھے فوج کی بھرتی دو۔ تمہیں قبلۂ اوّل پکار رہا ہے۔ میں دشمن کے ساتھ کوئی سمجھوتہ اور کوئی معاہدہ نہیں کروں گا''۔

العادل کے پیغام نے جہاں سلطان ایوبی کو حوصلہ دیا، وہاں تمام سالاروں وغیرہ کے بھی مجروح حوصلے تر و تازہ ہوگئے۔ اُن میں سے بعض کے دلوں میں سلطان ایوبی اور اُس کی فوج کے خلاف شکوک پیدا ہوگئے تھے، وہ صاف ہونے لگے۔ العادل نے اسی ایک معرکے پر اکتفا نہیں کیا۔ اُس نے اپنے دستوں کو تیس سے چالیس کی نفری کے جیشوں میں تقسیم کر دیا اور انہیں اُس علاقے میں لے گیا جہاں بالڈون کی فوج خیمہ زن ہوگئی تھی۔ العادل نے اپنے جیشوں کے کمانداروں کو شب خون مارنے اور غائب ہو جانے کی ہدایات دیں۔ مقصد یہ تھا کہ دشمن کو پریشان رکھا جائے تاکہ وہ پیش قدمی بھی نہ کر سکے اور آرام سے بیٹھ بھی نہ سکے۔

بالڈون پہلے ہی نقصان اُٹھا چکا تھا۔ وہ اس ارادے سے اتنی زیادہ فوج لے کر آیا تھا کہ دمشق تک کے علاقے پر قبضہ کرلے گا۔ اب اُس کی یہ حالت ہوگئی کہ ہر رات خیمہ گاہ کے کسی نہ کسی حصے پر تیروں کی بوچھاڑ ہوتی یا حملہ ہوتا تھا۔ فوج کے بیدار ہونے تک حملہ آور دُور نکل گئے ہوتے تھے۔ بالڈون نے فوج کو تمام تر علاقے میں دُور دُور پھیلا دیا۔ العادل کے چھاپہ ماروں کو پکڑنے کے لیے اُس نے بھی ٹولیاں تیار کیں، جو رات کو گشت پر رہتی تھیں مگر ہر صبح بالڈون کو یہ خبر سننی پڑتی تھی کہ آج فلاں کیمپ پر حملہ ہوا ہے یا فلاں ٹولی ماری گئی ہے۔ وہ علاقہ پہاڑی تھا۔ اس سے العادل کے چھاپہ مار جیش خوب فائدہ اُٹھا رہے تھے مگر یہ فائدہ العادل کو بہت مہنگا پڑ رہا تھا۔ چھاپہ مار اتنی دلیری سے شب خون مارتے تھے کہ دشمن کے کیمپ کے اندر چلے جاتے اور اُن میں سے چند ایک جانیں قربان کر دیتے تھے۔

اس طریقۂ جنگ اور اس قربانی سے العادل کوئی علاقہ فتح نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دشمن کو وہاں سے پیچھے بھی نہیں ہٹا سکتا تھا لیکن یہ فائدہ کچھ کم نہ تھا کہ صلیبیوں کی اتنی بڑی فوج پیش قدمی کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اگر بالڈوِن پیش قدمی کرتا تو آمنے سامنے جنگ میں العادل اتنی قلیل فوج سے اُس کے سامنے دو گھنٹے بھی نہ ٹھہر سکتا۔ اُس نے بالڈوِن کے کیمپ میں کام کرنے والے مقامی لوگوں میں اپنے جاسوس بھی چھوڑ رکھے تھے۔ وہ دشمن کی ذرا ذرا سی حرکت کی اطلاع العادل کو دے دیتے تھے۔ ایک بار ان جاسوسوں میں نے ایک نے صلیبیوں کے اُس خشک گھاس کے پہاڑ جیسے انبار کو آگ لگا دی تھی جو انہوں نے گھوڑوں کے لیے جمع کر رکھا تھا۔

العادل کو اطلاع مل چکی تھی کہ دمشق سے تھوڑی سی کمک آ رہی ہے۔ حلب سے کمک ملنے کی توقع نہیں تھی۔ الملک الصالح نے پیغام کا جواب دیا تھا کہ صلیبی (فرینکس جنہیں فرنگی کہا جاتا تھا) قلعہ حرن کو محاصرے میں لینا چاہتے ہیں، اگر انہوں نے ایسا ہی کیا تو اُن پر حلب کی فوج سے حملہ کیا جائے گا۔

☆

چند ایک یورپی مورخین نے صلیبی جنگوں کے اِس دور کے متعلق لکھا ہے کہ رملہ کی شکست کے بعد اسلامی فوج کو ختم کر دیا گیا۔ اس کے جو دستے بچ گئے تھے، انہوں نے لوٹ مار کو پیشہ بنالیا۔ وہ صلیبیوں کے فوجی قافلوں کو لوٹ لیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوٹ مار خود صلیبی کرتے تھے۔ زیادہ تر مورخ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی اس سلسلے کی کہانیوں میں مورخوں کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ صلیبی فوج مقبوضہ علاقوں میں مسلمان قافلوں کو لوٹ لیا کرتی تھی اور یہ لوٹ مار اس طرح کی جاتی تھی جیسے یہ کوئی فوجی ڈیوٹی ہو، جن مسلمان دستوں کے متعلق چند ایک مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ لوٹ مار کرنے لگے تھے، وہ العادل کے چھاپہ مار جیش تھے جنہوں نے شاہ بالڈوِن کی اتنی بڑی فوج کو گوریلا آپریشن سے ایک ہی علاقے میں اُلجھا لیا تھا۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ شب خون (گوریلا آپریشن) العادل کو مہنگا پڑ رہا تھا لیکن اُس کے ٹروپس کا جذبہ ایسا تھا کہ کوئی سپاہی منہ نہیں پھیرتا تھا۔ اکثر جیش مسلسل وادیوں وغیرہ میں ہی گھومتے اور بھٹکتے رہتے تھے۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی اپنے اڈے پر واپس نہیں آتے تھے۔ اسد الاسدی کی غیر مطبوعہ تحریروں کے مطابق وہ چیتوں کی طرح شکار کی تلاش میں رہتے تھے اور جب شکار پر جھپٹتے تھے تو انہیں اپنی جانیں چلی جانے کا کوئی غم نہیں ہوتا تھا۔ وہ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش میں شہید اور شدید زخمی ہو جاتے تھے۔ اُن کی راتیں دشت و بیاباں میں گزرتیں اور وہ من پسند کھانوں سے اپنے آپ کو محروم رکھتے تھے۔

مگر قاہرہ میں یہ پروپیگنڈہ بہت تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا کہ اپنی فوج بدکار اور عیاش ہوگئی ہے اور رملہ کی شکست اسی کی سزا ہے۔ قاہرہ کی انٹیلی جنس کو یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ پروپیگنڈہ کہاں سے اُٹھ رہا ہے۔ کیا یہ نئے سپاہیوں کی غیر محتاط باتوں کا نتیجہ ہے یا دشمن کے باقاعدہ ایجنٹ سرگرم ہیں؟ یہ بھی دیکھا گیا کہ لوگ فوج میں بھرتی ہونے سے ہچکچاتے تھے۔ اس شکست سے پہلے مصریوں کا رویہ یہ نہیں تھا۔ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے اپنے مخبروں اور جاسوسوں کا جال بچھا دیا مگر اس کے سوا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ لوگ فوج کو بدنام کر رہے ہیں۔ سلطان ایوبی کے خلاف بھی باتیں سنی سنائی جانے لگی تھیں۔

وہ سیاہ ریش سفید پوش جو دو بیٹیوں کے ساتھ ایک گاؤں میں ٹھہرا تھا، وہیں کا ہو کے رہ گیا۔ گاؤں والوں نے اُسے ایک مکان دے دیا تھا۔ اُس نے کھلی محفل میں بیٹھنے اور باتیں کرنے سے پرہیز شروع کر دیا تھا کہ اُسے مصریوں کے

گناہ معاف کرانے کے لیے تین ماہ کا چلّہ کرنا ہے۔ وہ اب مکان سے باہر تھوڑی سی دیر کے لیے نکلتا، خاموش رہتا، حاضرین کو ہاتھ لہرا کر سلام کرتا اور اندر چلا جاتا تھا۔ اُس کے خاص مصاحبوں میں وہی سپاہی تھے جو اُس کے ساتھ آئے تھے اور دو وہ آدمی تھے جنہوں نے ٹیلوں کے علاقوں میں اُس کے آگے سجدہ کیا تھا۔ ان سب نے اُس کی اتنی تشہیر کر دی تھی کہ دُور کے لوگ بھی اُس کی جھلک دیکھنے کو پہنچ جاتے تھے۔

☆

ایک شام علی بن سفیان کا ایک جاسوس اپنی خفیہ ڈیوٹی پر قاہرہ کے مضافات میں کسی بہروپ میں گھوم پھر رہا تھا۔ شام ہوگئی۔ وہ نماز پڑھنے کے لیے ایک مسجد میں چلا گیا۔ نماز کے بعد امام نے دُعا مانگی۔ دُعا ختم ہوئی تو ایک نمازی نے رملہ کی شکست کی بات شروع کر دی۔ اُس نے سلطان ایوبی کی فوج کے خلاف وہی باتیں کیں جو سیاہ ریش نے کی تھیں۔ اِس نمازی نے سیاہ ریش کا حوالہ اس طرح دیا کہ وہ غیب دان ہے اور جنات اُنسے رزق پہنچاتے ہیں۔ اُس نے سفر کی پوری روئیداد سنائی اور بتایا کہ کس طرح غیب سے انہیں پانی اور کھجوریں ملی تھیں۔ تمام نمازی انہماک سے اُس کی باتیں سنتے رہے۔ اُس نے بات ختم کی تو نمازیوں نے اُس سے اس قسم کی باتیں پوچھنی شروع کر دیں...... ''وہ مرادیں پوری کرتا ہے؟...... لاعلاج مریضوں کو شفا دیتا ہے؟...... آنے والے وقت کا حال بتاتا ہے؟...... اولاد دیتا ہے؟''

سنانے والے نے انہیں بتایا کہ ابھی وہ سب کو یہی ایک بات بتاتا ہے کہ سلطان ایوبی اور اُس کی فوج میں فرعونوں والی خصلتیں پیدا ہوگئی تھیں اور شکست کی وجہ یہی ہے اور وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ نہ خود فوج میں بھرتی ہونا، نہ کسی کو ہونے دینا، ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے، کیونکہ گناہوں کی سزا کا ابھی وقت پورا نہیں ہوا اور یہ بھی کہ وہ تین ماہ کا چلّہ کر رہا ہے۔ اُس کے بعد وہ بتائے گا کہ مصر والوں کے گناہ بخشے گئے ہیں یا نہیں۔

یہ آدمی مسجد سے نکل کر گاؤں سے باہر کو چل پڑا۔ علی بن سفیان کا جاسوس اُس کے پیچھے گیا اور اُس سے پوچھا کہ وہ اس عالم سے کس طرح مل سکتا ہے۔ اُس نے اپنا مدعا یوں بیان کیا...... ''میں فوج میں ہوں۔ تمہاری باتیں سن کر میرے دِل میں یہ ڈر پیدا ہوگیا ہے کہ اپنی فوج کے گناہوں کی سزا مجھے بھی ملے گی۔ میں بھی دمشق اور حلب کے محاذوں پر گیا تھا۔ میں نے بھی وہی گناہ کیے ہیں جن کا ذکر تم کر رہے ہیں۔ مجھے اس عالم بزرگ کے پاس لے چلو۔ اگر وہ کہے گا کہ فوج سے بھاگ جاؤ تو بھاگ جاؤں گا۔ وہ جو خدمت کہے گا، کروں گا۔ میں خدا کے قہر سے ڈرتا ہوں''...... اُس نے اتنی منت سماجت کی کہ اُس کے آنسو نکل آئے۔

''میرے ساتھ چلو''۔ اُس آدمی نے کہا...... ''لیکن کسی سے ذکر نہ کرنا کہ تم اُس کے پاس گئے تھے۔ وہ آج کل چلّے میں ہے، کسی کے ساتھ بات نہیں کرتا۔ وہ جو پوچھے صرف اُس کا جواب دینا، فالتو بات نہ کرنا''۔

''تم اسی گاؤں کے رہنے والے ہو؟''۔ جاسوس نے پوچھا...... ''تم نے بتایا تھا کہ تم رملہ کے محاذ سے آئے ہوئے سپاہی ہو''۔

''اسی لیے تو میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ بزرگ خدا کے مصاحبوں میں سے ہے''۔ سپاہی نے کہا...... ''میں نے میدانِ جنگ کا قہر دیکھا ہے اور میں نے سفر کا قہر بھی دیکھا ہے لیکن اس بزرگ نے ریگزار کو گلزار بنا دیا تھا۔ میں اب فوج میں واپس نہیں جا رہا''۔

گاؤں دُور نہیں تھا۔ وہ باتیں کرتے پہنچ گئے۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ سپاہی نے جاسوس کو اندھیرے میں کھڑا

رہنے کو کہا اور اُس مکان میں چلا گیا جہاں سیاہ ریش سفید پوش رہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا۔ سپاہی نے کہا کہ وہ پیچھے والے دروازے سے اندر چلا جائے۔ وہ خود اُس کے آگے آگے چل پڑا اور دونوں دروازے میں داخل ہو گئے۔ ڈیوڑھی سے گزرے، صحن سے گزرے اور ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ صحن میں روشنی تھی دونوں لڑکیاں جنہیں سیاہ ریش نے اپنی بیٹیاں بتایا تھا، ایک اور کمرے میں تھی۔ انہیں جب صحن میں قدموں کی آہٹ سنائی دی تو دونوں نے دریچے کا کواڑ ذرا سا کھول کر دیکھا۔ ایک لڑکی اتنی چونکی کہ اُس کے منہ سے ''اوہ'' نکل گئی۔

''کیا ہوا؟'' دوسری لڑکی نے پوچھا..... ''کون ہے یہ؟''

''شاید مجھے دھوکہ ہوا ہو'' اُس نے جواب دیا..... ''میں نے اس شخص کو کہیں پہلے بھی دیکھا ہے..... اور وہ گہری سوچ میں کھو گئی۔

جاسوس نے کمرے میں جا کر سیاہ ریش کے آگے سجدہ کیا۔ اُس کے پاؤں پر ماتھا رگڑا۔ وہ فرش پر دری بچھا کر بیٹھا ہوا تھا۔ جاسوس نے گڑگڑا کر التجا کی کہ اُسے گناہوں کی بخشش دلائی جائے۔ اُس نے وہی باتیں کیں جو وہ سپاہی کے ساتھ کر چکا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سیاہ ریش نے اپنی تسبیح اُس کے سر پر پھیری، اور مُسکرا کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''اِس سے میری تسکین نہیں ہوگی''۔ جاسوس نے آنسو بہاتے ہوئے کہا..... ''اپنی زبان سے مجھے تسکین دیں۔ مجھے کوئی حکم دیں جو میں بجالاؤں۔ مجھے حکم دیں کہ میرا جو ایک ہی بچہ ہے، اُسے آپ کے قدموں میں ذبح کر دوں۔ مجھے حکم دیں کہ سلطان ایوبی کو قتل کر دو تو میں آپ کا یہ حکم بھی بجالاؤں گا۔ کچھ بولیں۔ کچھ کہیں پھر دیکھیں میں کیا کرتا ہوں''۔

ایک اور آدمی اندر آ گیا تھا اور وہ جاسوس کی باتیں غور سے سن رہا تھا اور اُسے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے جاسوس سے کہا..... ''تم اتنے بیزار اور بے تاب کیوں ہوئے جا رہے ہو؟ تم اب مُرشد کے سائے میں آ گئے ہو''۔

''میرے گناہ اتنے گھناؤنے ہیں جو مجھے راتوں کو سونے بھی نہیں دیتے''۔ جاسوس نے کہا..... ''میں نے حماۃ کے قریب ایک گاؤں میں ایک مسلمان گھرانے کی لڑکی کو اغوا کرنے کے لیے لڑکی کے جوان بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ اگر میں فوج میں نہ ہوتا تو مجھے جلاد کے حوالے کر دیا جاتا لیکن مجھے کسی نے پوچھا تک نہیں''۔

سیاہ ریش نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ اُس نے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھائے پھر جاسوس کی طرف اشارہ کیا۔ ذرا دیر بعد وہ مُسکرایا اور اُس نے آنکھوں کھول دیں۔ جاسوس سے کہا..... ''بہت مشکل سے تمہارے ساتھ بات کرنے کی اجازت لی ہے۔ غور سے سنو۔ ہم تمہارے گناہ بخشوا دیں گے۔ تم کل پھر یہاں آؤ۔ کسی کے ساتھ ذکر نہ کرنا، ورنہ تمہارے خاندان کا انجام بہت خوفناک ہوگا۔ یہ آدمی (سپاہی) تمہیں گاؤں سے باہر ملے گا اور میرے پاس لے آئے گا۔ تمہارے ماتھے پر لکھا ہے کہ تمہارے گناہ بخشے جائیں گے بلکہ تمہیں اور تمہارے خاندان کو اتنا رزق حلال ملے گا جو تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ اب چلے جاؤ، کل آ جانا''۔

سیاہ ریش پھر مراقبے میں چلا گیا۔ سپاہی نے اور دوسرے آدمی نے جاسوس کو اُٹھایا اور صحن میں لے جا کر اُسے سیاہ ریش کی ایسی معجزہ نما باتیں سنائی جنہوں نے جاسوس کو مسحور کر لیا۔ دونوں لڑکیاں دریچے کے کواڑ کی اوٹ سے اُسے دیکھ رہی تھیں، جو لڑکی اُسے پہلی بار دیکھ کر چونکی تھی، اُس نے دوسری لڑکی سے کہا..... ''اِسے میں نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ یہ دھوکہ نہیں، وہی ہے، وہی ہے''۔

☆

"یہ وہی معلوم ہوتا ہے جو ہم پہلے بھی پکڑ چکے ہیں"۔ یہ جاسوس اپنے محکمے کے حاکمِ اعلیٰ علی بن سفیان کو بتا رہا تھا..... "وہی مراقبہ، چلہ، جنات اور لوگوں کے جذبات کو قبضے میں لے کر ان پر اپنا جادو چلانا۔ اپنی فوج کا جو سپاہی مجھے اُس کے پاس لے گیا تھا۔ وہ صرف فوج کے خلاف باتیں کرتا تھا۔ وہ اس قسم کی باتیں مسجد میں نمازیوں کے ساتھ کر رہا تھا۔ اُس نے میرے ساتھ جو باتیں کیں، اُن سے پتہ چلتا تھا کہ اُس کے اور بھی کئی ساتھی ہیں اور وہ مسجدوں میں جا کر نمازیوں کو فوج کے خلاف اُکساتے ہیں۔ محاذ کی جھوٹی باتیں سناتے ہیں اور زور اس پر دیتے ہیں کہ فوج میں بھرتی ہونا گناہ ہے"۔

"انہیں ایسی باتیں مسجدوں میں ہی کرنی چاہئیں"۔ علی بن سفیان نے کہا..... "مسجد میں کہی ہوئی بات کو لوگ وحی کا درجہ دیتے ہیں۔ لوگ جذبات کے غلام ہیں۔ اُسی کو مُرشد مان لیتے ہیں جو اُن کے جذبات کو پہلے بھڑکائے پھر الفاظ میں اُن کی تسکین کر دے..... تم کل پھر وہاں جاؤ۔ مجھے وہ گاؤں اور مکان سمجھا دو۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر زیادہ سے زیادہ معلومات لانے کی کوشش کرنا۔ تمہاری لائی ہوئی اطلاع کے بعد ہم وہاں چھاپہ ماریں گے"۔

"مجھے ڈر ہے کہ چھاپے سے وہاں کے لوگ مشتعل ہو جائیں گے" جاسوس نے کہا..... "سپاہی نے بتایا تھا کہ گاؤں کا بچہ بچہ اُس کا مرید ہو چکا ہے اور دُور دُور سے لوگ اُس کی زیارت کے لیے آتے ہیں"۔

"ہمیں لوگوں کے ساتھ نہیں چلنا" علی بن سفیان نے کہا..... "لوگوں کے جذبات کا خیال صرف وہ حکمران رکھا کرتے ہیں جو اُن پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حکمران لوگوں کے جذبات سے کھیلا کرتے ہیں، تا کہ رعایا خوش رہے اور اُس کے آگے سجدے کرے۔ ہمیں سلطنتِ اسلامیہ اور انہیں لوگوں کے وقار کا تحفظ کرنا ہے۔ ہم ان لوگوں کو حقیقت دکھائیں گے۔ ہم انہیں سلطان صلاح الدین ایوبی کا غلام اور مرید نہیں بنانا چاہتے۔ ہم انہیں بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے پاسبان تم بھی اتنے ہی ہو جتنا تمہارا سلطان ہے۔ ہم انہیں اسلام کا دشمن دکھائیں گے۔ ہم قوم پر جذبات پرستی کا نشہ طاری کر کے اُسے سلانا نہیں چاہتے۔ قوم کو حقائق کے جھٹکے دے کر جگانا ہے..... تم جا کر وہ بھی دیکھو جو تمہیں ابھی نظر نہیں آیا"۔

جاسوس کے وہاں جانے کا وقت رات کا تھا۔ علی بن سفیان نے بھیس بدلا اور اُس گاؤں میں چلا گیا۔ اُس نے مکان بھی دیکھ لیا اور اُس نے لوگوں کی عقیدت مندی کی بے تابیاں بھی دیکھ لیں۔ لوگوں کی باتیں بھی سنیں۔ فوج کے خلاف طوفان اُٹھایا جا رہا تھا۔ علی بن سفیان نے مکان کے پچھواڑے کو دُور سے دیکھا۔ وہاں چھوٹا سا ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔ وہاں درخت تھا اور دائیں بائیں دو مکانوں کے پچھواڑے تھے۔ اُس طرف کوئی انسان نہیں تھا۔ ہجوم مکان کے سامنے تھا۔ دروازہ کھلا اور ایک سفید ریش آدمی پرانے سے چغے میں ملبوس دروازے سے نکلا۔ علی بن سفیان اوٹ میں ہو گیا۔ اُس نے کھلے ہوئے دروازے میں ایک خوب صورت اور جوان لڑکی کو کھڑے دیکھا۔ لڑکی نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔

سفید ریش آدمی ہاتھ میں لاٹھی لیے جھکا جھکا گاؤں سے نکل گیا۔ علی بن سفیان اُسے دیکھتا رہا۔ دُور جا کر وہ رُک گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک طرف سے ایک گھوڑ سوار آیا۔ سفید ریش آدمی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور قاہرہ کی طرف چلا گیا۔ جو آدمی گھوڑا لایا تھا، وہ گاؤں کی طرف چلا گیا۔ علی بن سفیان اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور سفید ریش سوار کے پیچھے گیا مگر فاصلہ رکھا۔ سفید ریش نے کئی بار پیچھے دیکھا۔ علی بن سفیان اُس کے پیچھے جاتا رہا۔ آگے جا کر سفید ریش نے قاہرہ کے راستے کی بجائے گھوڑا دوسرے راستے پر ڈال دیا۔ رفتار معمولی تھی۔ علی بن سفیان نے بھی گھوڑا اُسی راستے پر ڈال دیا۔

قاہرہ شہر نظر آ رہا تھا۔ دُور نہیں تھا۔ اِدھر اُدھر ایک ایک دو دو جھونپڑے یا خیمے نصب تھے۔ کہیں خانہ بدوشوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ سفید ریش سوار نے کئی راستے بدلے اور وہ پیچھے دیکھتا رہا۔ علی بن سفیان اُس کے پیچھے رہا۔ سفید

ریش کی بے چینی صاف ظاہر ہونے لگی تھی۔ آخر اُس نے قاہرہ کا رُخ کر لیا اور گھوڑے کی رفتار ذرا تیز کر لی۔ علی بن سفیان نے بھی باگوں کو جھٹکا دیا۔ ہلکی سی ایڑ لگائی اور گھوڑے کی چال بدل کر تیز ہوگئی۔ فاصلہ پندرہ بیس قدم رہ گیا۔ وہ اب شہر میں تقریباً داخل ہو چکے تھے۔ سفید ریش سوار نے گھوڑا روک لیا اور علی بن سفیان کے راستے میں ہوگیا۔ علی بن سفیان نے بھی گھوڑا اُس کے قریب جا کر روکا۔

''تم کوئی رہزن معلوم ہوتے ہو''۔ سفید ریش سوار نے کہا اور خنجر نکال لیا۔ بولا ...... ''میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو''۔

علی بن سفیان نے دیکھا کہ اُس کی سفید داڑھی سے اُس کی عمر ستر برس سے اوپر لگتی تھی مگر چہرہ، آنکھیں اور دانت بتاتے تھے کہ چالیس سے بہت کم ہے۔ علی بن سفیان بھی بہروپ میں تھا۔ اُس نے اپنے کمر بند سے سوا گز لمبی تلوار لٹکا رکھی تھی جو اُس کے چغے میں چھپی ہوئی تھی۔ اُس نے بجلی چمکنے جیسی پھرتی سے تلوار نکال لی۔

''داڑھی اُتار دو''۔ اُس نے سفید ریش کے پہلو میں تلوار رکھ کر کہا...... ''اور میرے آگے آگے چل پڑو''۔ سفید ریش کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ علی بن سفیان نے تلوار کی نوک اس کی کنپٹی پر رکھ کر داڑھی میں اُلجھائی اور جھٹکا دیا، وہاں سے داڑھی چہرے سے الگ ہوگئی۔ آدھا چہرہ ننگا ہوگیا۔ علی بن سفیان نے اپنی داڑھی اُتار دی اور بولا ...... ''ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں، چلو چلیں''۔

وہ شہری انتظامیہ کا کوئی اعلیٰ حاکم تو نہیں تھا لیکن چھوٹا اور غیر اہم بھی نہیں تھا۔ مصر کا رہنے والا تھا۔ اس کے متعلق علی بن سفیان تک یہ اطلاعیں پہنچی تھیں کہ معزول کی ہوئی عباسی خلافت کا زمین دوز کارندہ ہے۔ اس خلافت کو جس کی گدی قاہرہ میں تھی، سلطان ایوبی نے سات آٹھ سال پہلے ختم کر دیا تھا۔ خلیفہ العاضد تھا جس نے حشیشین، صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی مرحوم کے ساتھ بات کر کے اس خلافت کو معزول کیا اور امارتِ مصر کو خلافتِ بغداد کے تحت کر دیا تھا۔ معزول شدہ خلافت عباسیہ کے پیروکار ابھی تک زمین دوز کارروائیوں میں معروف تھے۔ رملہ کی شکست اُن کے لیے زریں موقع تھا، چنانچہ سلطان ایوبی اور اُس کی فوج کو بدکار، عیاش، لٹیری اور شکست کا ذمہ دار ثابت کرنے کی مہم میں عباسی خفیہ طریقوں سے سرگرم ہوگئے تھے۔

علی بن سفیان نے اس آدمی کو حراست میں لے لیا اور اپنے اُس قید خانے میں جا بند کیا، جہاں وہ ملزموں سے ابتدائی تفتیش کیا کرتا تھا۔

☆

علی بن سفیان کا جاسوس رات کو سیاہ ریش بزرگ کے بتائے ہوئے وقت پر گاؤں کے باہر جا کھڑا ہوا۔ گزشتہ رات والا سپاہی اُسے لینے آگیا۔ سپاہی نے اُسے کوئی نئی ہدایات دیں اور ساتھ لے گیا۔ وہ پچھلے دروازے سے اندر گیا مگر جاسوس کو گزشتہ رات والے کمرے کی بجائے ایک اور کمرے میں لے گئے۔ اُسے کمرے میں سیاہ ریش بزرگ نظر نہ آیا، وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ دروازہ بند ہوا تو اُس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ سپاہی بھی باہر نکل گیا تھا۔ اُس نے دروازے کو ہاتھ لگایا تو اُسے پتہ چلا کہ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا ہے۔ اس کمرے کی نہ کوئی کھڑکی تھی، نہ روشن دان۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے پہچان لیا گیا ہے اور اُسے پکڑ لیا گیا ہے۔ فرار ممکن نہیں تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا کرے۔

خاصی دیر بعد دروازہ کھلا۔ ان لڑکیوں میں سے ایک اندر آئی، جنہیں سیاہ ریش اپنی بیٹیاں بتایا تھا۔ وہ اب مستور نہیں تھی لیکن یورپی لڑکیوں کی طرح عریاں بھی نہیں تھی۔ اس کا لباس عرب کی مسلمان لڑکیوں جیسا تھا۔ نقش و نگار

عرب اور یورپ کے ملے جلے تھے۔ وہ اندر آئی تو باہر سے کسی نے دروازہ بند کر کے زنجیر چڑھا دی۔ کمرے میں قندیل جل رہی تھی۔ جاسوس نے لڑکی کو دیکھا تو اُس کی آنکھیں جیسے حیرت سے ساکن ہوگئی ہوں۔ لڑکی مُسکرا رہی تھی۔

''پہچاننے کی کوشش کر رہے ہو؟''......لڑکی نے کہا......''اتنی جلدی بھول گئے؟ تم میرے شہر سے بچ کر نکل آئے تھے، مگر اپنے شہر میں آکر میرے قیدی بن گئے۔ اب نہیں نکل سکو گے''۔

جاسوس نے لمبی آہ بھری جس میں سکون بھی تھا، اضطراب بھی۔ اُسے تین سال پہلے کے وہ دن یاد آگئے جب اُسے جاسوسی کے لیے عکرہ بھیجا گیا تھا۔ عکرہ صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔ وہاں اُن کا بڑا پادری رہتا تھا جسے صلیبِ اعظم کا محافظ کہتے تھے۔ صلیبی بادشاہ جو اپنی فوجیں عرب علاقوں میں قبضہ کرنے کی غرض سے لے کر آتے۔ عکرہ ضرور جاتے اور صلیبِ اعظم کے محافظ کو سلام کرتے تھے۔ اس لیے جنگی لحاظ سے یہ اہم جگہ تھی۔ علی بن سفیان نے وہاں اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے۔ انہوں نے عیسائیوں کے بہروپ میں وہاں ایک خفیہ اڈہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ ان میں سے تین چار پکڑے گئے اور دو شہید ہوگئے تو وہاں کے زمیں دوز کمانڈر نے مزید جاسوس مانگے تھے۔ ان میں اسے بھی بھیجا گیا تھا جو اب مصر میں ایک کمرے میں بند تھا۔

اُس کا رنگ اچھا، قد بُت اور زیادہ اچھا اور چہرہ دل کش تھا۔ دماغی لحاظ سے وہ تیز اور ہوشیار تھا۔ وہ گھوڑے کی سواری کا اتنا ماہر تھا کہ فوجی نمائشوں اور میلوں میں حیران کر دینے والے کرتب دکھایا کرتا تھا۔ اداکاری میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اُس نے سیاہ ریش کے سامنے اپنے آنسو نکال لیے تھے۔ وہ عیسائی نام سے عکرہ میں داخل ہوا تھا اور اُس نے وہاں کوئی اپنی دردناک کہانی سنائی تھی اور بتایا تھا کہ وہ حلب کی مسلمان فوج میں نئے سپاہیوں کو گھوڑ سواری اور رسالے کی لڑائی کی ٹریننگ دیا کرتا تھا لیکن مسلمانوں نے اُس کی نوجوان بہن کو اغوا کر کے اُسے فوج سے نکال دیا۔

اُس کی اداکاری سے متاثر ہو کر اُسے سواری کی ٹریننگ دینے کے لیے رکھ لیا گیا لیکن اس کے شاگرد فوجی نہیں تھے بلکہ جوان لڑکیاں تھیں اور بڑے بڑے فوجی افسروں کے لڑکے۔ اُسے پتہ چلا کہ اِن لڑکیوں کو مسلمان علاقوں میں جاسوسی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ پھر مرد بھی اس کے حوالے کیے جانے لگے۔ یہ سب صلیبی جاسوس تھے۔ وہ اِن میں گھل مل گیا تھا اور اُن سے اُسے بڑی قیمتی معلومات مل جاتی تھیں۔

یہ لڑکی جو اب قاہرہ کے مضافات کے ایک گاؤں میں اُسے کہہ رہی تھی کہ اب نہیں نکل سکو گے، عکرہ میں اُس کی شاگرد تھی وہ جاسوسی کا تجربہ رکھتی تھی، گھوڑ سواری نہیں جانتی تھی۔ علی بن سفیان کا یہ جاسوس اُسے اچھا لگنے لگا تھا، پھر استادی شاگردی بڑے گہرے لگاؤ کی صورت اختیار کر گئی۔ لڑکی نے یہاں تک ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اس آدمی کی خاطر جاسوسی جیسا ذلیل پیشہ ترک کر دے گی اور اس کی بیوی بن کر باعزت زندگی گزارنے لگے گی۔ اس مسلمان جاسوس نے محبت کا جواب محبت سے دیا تھا لیکن اپنے فرض کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ لڑکی نے اپنے کام میں دلچسپی لینی چھوڑ دی تھی۔ وہ اس آدمی کی ہو کے رہ گئی تھی۔

ایک روز عکرہ میں دو مسلمان جاسوس پکڑے گئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے گروہ کے اِن تمام آدمیوں کی نشاندہی کر دی جنہیں وہ جانتا تھا۔ ان میں یہ جاسوس بھی تھا۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ اسی لڑکی نے اس سے پوچھا......''تم جاسوس تو نہیں ہو سکتے۔ تم مسلمان تو نہیں؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ یہاں کا جاسوسی کا محکمہ تمہارے متعلق تفتیش کر رہا ہے اور تم پر نظر رکھی جا رہی ہے''۔

وہ ہنس پڑا اور الزام کی تردید کی، مگر بے چین ہوگیا۔ رات کو وہ اپنے زمیں دوز کمانڈر سے ملا۔ کمانڈر نے اسے

اُسے پتہ چل گیا کہ دو آدمی اُس کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ یہ تعاقب تھا۔ وہ چلتا گیا اور اصطبل میں گیا۔ ایک گھوڑے پر زین کسی تو دونوں آدمی آ گئے۔ اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ وہ پھرتیلا اور ہوشیار تھا۔ کود کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ایڑ لگا دی۔ ایک آدمی اُس کے گھوڑے تلے کچلا گیا...... وہ عکرہ سے نکل آیا۔

☆

''میں نے تمہیں پہچان لیا ہے''...... اُس نے لڑکی سے کہا۔ وہ ایک دوسرے کو تین سال بعد دیکھ رہے تھے۔ اُس نے کہا...... ''مجھے حیران نہیں ہونا چاہیے تھا، تم آخر جاسوس ہو''۔

''تین سال پہلے میں نے تمہاری محبت کے دھوکے میں آکر جاسوسی چھوڑ دینے کا عہد کیا تھا''...... لڑکی نے کہا...... ''تم اگر مجھے بتا دیتے کہ تم مسلمان ہو اور جاسوس ہو تو بھی میں تمہیں دھوکہ نہ دیتی، شاید تمہارے ساتھ آ جاتی۔ تمہارے بھاگ آنے کے بعد جب مجھے پتہ چلا تھا کہ تم مسلمان جاسوس تھے تو مجھے دُکھ نہیں ہوا تھا۔ تمہارے کھو جانے کا بہت غم تھا''۔

''کیا اب تمہارے دِل میں میری محبت نہیں؟''...... جاسوس نے پوچھا...... ''تم اب میرے ملک میں ہو، میرے ساتھ آؤ، یہاں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا''۔

''محبت اب بھی ہے''...... لڑکی نے کہا...... ''مگر اس پر فرض غالب آ گیا ہے۔ یہ تمہارا جرم ہے۔ میں نے تو تمہاری محبت کی خاطر جاسوسی چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا تھا مگر تم نے میرے ارادوں کو کچل ڈالا اور جاسوسی کی غلاظت میں مجھے ڈبو آئے۔ تین سال گزر گئے ہیں۔ اتنی لمبی مدت میں، مَیں اپنے آپ کو بُری طرح ناپاک کر چکی ہوں۔ اسلام کے خلاف نفرت میری روح میں اُتر گئی ہے۔ اب نہیں۔ اب تم میرے قیدی ہو۔ میں اپنے گروہ کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ میں جس آدمی کے ساتھ آئی ہوں، اُسے میں نے ہی بتایا تھا کہ تم جاسوس ہو۔ میں نے اُسے عکرہ کی ساری بات سنا دی تھی۔ اگر میں تمہیں صحن میں سے گزرتے اتفاق سے نہ دیکھ لیتی تو ہم سب گرفتار ہو چکے ہوتے۔ تمہیں میں نے پکڑوایا ہے''۔

''یہ آدمی جو غیب دان اور مُرشد بنا ہوا ہے، مسلمان ہے یا صلیبی؟''...... جاسوس نے پوچھا۔

''اب پوچھ کر کیا کرو گے؟''...... لڑکی نے پوچھا۔

''جاسوسی ایک عادت بن گئی ہے''...... جاسوس نے کہا...... ''مرنے سے پہلے جاننا چاہتا ہوں۔ اب یہ راز باہر تو نہیں لے جا سکوں گا''۔

''یہ مسلمان ہے''...... لڑکی نے کہا...... ''مسلمانوں کی کمزوریوں سے واقف ہے۔ اُستادوں کا اُستاد ہے''۔

کمرے کا دروازہ کھلا۔ سیاہ ریش ایک آدمی کے ساتھ اندر آیا۔ لڑکی سے بولا...... ''اگر تمہاری بات پوری ہو گئی ہے تو باہر نکل جاؤ''...... لڑکی جاسوس کو گہری نظروں سے دیکھتی باہر نکل گئی۔ سیاہ ریش نے جاسوس سے پوچھا...... ''مجھے صرف یہ بتا دو کہ میرا راز کس کس کو معلوم ہے۔ کیا تم نے علی بن سفیان کو بتا دیا ہے کہ میں مشکوک آدمی ہوں؟''

''نہیں''...... جاسوس نے جواب دیا...... ''میں جاسوس ضرور ہوں۔ جاسوسی کے خیال سے یہاں نہیں آیا تھا''۔

سیاہ ریش کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک (ہنٹر) تھا۔ اُس نے پوری طاقت سے جاسوس کو مارا اور کہا...... ''میں سچی بات سننا چاہتا ہوں''۔

دروازہ زور سے کھلا۔ وہی لڑکی اندر آئی۔ اُس نے سیاہ ریش کے دونوں بازو پکڑ کر التجا کی...... ''اسے مار مت سب کچھ بتا دے گا''۔

''میں کچھ نہیں بتاؤں گا''۔ جاسوس نے کہا۔

''سیاہ ریش نے چابک گھمایا تو لڑکی دوڑ کر جاسوس کے آگے ہوگئی۔ چلّا کر بولی......''مارو نہیں، اس کے جسم کی چوٹ میرے دل کا زخم بن جائے گی''۔

''تم اسے بچانا چاہتی ہو؟''......دوسرے آدمی نے گرج کر پوچھا۔

''نہیں''......لڑکی نے روتے ہوئے کہا............''یہ کچھ نہ بتائے تو تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سرتن سے جدا کردو۔ اذیت دے کر نہ مارو''۔

لڑکی کو گھسیٹ کر باہر لے گئے پھر جاسوس پر تشدد شروع ہوگیا۔ اُسے رات بھر سونے نہ دیا گیا۔ اس سے بہت کچھ پوچھا جارہا تھا۔ اُسے بہت کچھ بتایا جارہا تھا مگر وہ بُت بنا چوٹ پر چوٹ کھا رہا تھا۔ سحر کا وقت تھا۔ لڑکی پھر اس کمرے میں آگئی۔ اُس وقت جاسوس نیم غشی کی حالت میں تھا۔ وہ فرش پر پڑا تھا۔ اب اُسے تلوار کی نوک جگہ جگہ چبھوئی جارہی تھی۔ لڑکی اُس کے اوپر لیٹ گئی اور چیخنے لگی......''یہ میں برداشت نہیں کرسکتی۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ یہ میری پہلی اور آخری محبت ہے۔ اس کی اذیت میری اذیت ہے۔ یہ اپنا فرض ادا کررہا ہے، میں اپنا فرض ادا کررہی ہوں۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے۔ اسے جان سے ماردو، اذیت نہ دو''۔

جاسوس نے نیم بے ہوشی کی حالت میں اپنے اوپر پڑی لڑکی کو بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور مری ہوئی آواز میں بولا......''تم چلی جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ میں اپنے فرض سے بھٹک جاؤں۔ یہ اذیتیں میرے فرض کا حصہ ہیں۔ تم اپنے مذہب پر قربان ہوجاؤ، مجھے اپنے مذہب پر قربان ہوجانے دو''۔

لڑکی پاگل ہوئی جارہی تھی۔ اُسے ایک بار پھر گھسیٹ کر باہر لے گئے۔ سیاہ ریش نے حکم کے لہجے میں کہا......

''اس بدبخت لڑکی کو کسی کمرے میں بند کردو''۔

☆

دن آدھا گزر چکا تھا۔ علی بن سفیان اس جاسوس کے انتظار میں بیزار ہوا جارہا تھا۔ ایک روز پہلے اس نے جس آدمی کو سفید داڑھی کے بہروپ میں پکڑا تھا، اُسے بھی گزشتہ رات قید خانے میں ایسی ہی اذیتیں دے کر اُس سے کہلوا لیا گیا تھا کہ یہ سیاہ ریش کون ہے اور اس کی اصلیت اور اس کا مشن کیا ہے۔ دن کے پچھلے پہر علی بن سفیان نے اس شک کی بناء پر کہ اس کا جاسوس پکڑا نہ گیا ہو، فوج کا ایک چھاپہ مار جیش تیار کیا۔ اس مکان کے متعلق پتہ چل ہی چکا تھا کہ تخریب کار جاسوسوں کا اڈہ بن گیا ہے۔

چھاپہ مار اس قدر تیزی سے آئے کہ گاؤں میں کسی کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ وہ گھوڑوں سے اُتر کر بندروں کی طرح مکان کی دیواریں پھلانگ گئے۔ دروازے توڑ دیئے گئے۔ اندر جتنے آدمی تھے، انہیں پکڑ لیا گیا۔ علی بن سفیان کے جاسوس کی اب یہ حالت تھی کہ بے ہوش پڑا تھا اور اس پر نزع کی کیفیت طاری تھی۔ ایک کمرے میں اُسے چاہنے والی لڑکی فرش پر پڑی تھی۔ ایک خنجر اُس کے دل میں اُترا ہوا تھا۔ وہ اتنا ہی کہہ سکی......''میں نے خودکشی کی ہے''......اور وہ مرگئی۔

سیاہ ریش کو اس ہجوم کے سامنے کھڑا کیا گیا جو گاؤں کے اندر اور باہر جمع تھا اور اُسے کہا گیا کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ اس کی اصلیت کیا ہے اور وہ کس مقصد کے تحت فوج اور سلطان کو بدنام کررہا تھا۔ اُس نے بتا دیا۔ ایک لڑکی مرچکی تھی۔ دوسری کو لوگوں کے سامنے کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ لڑکی مسلمان نہیں صلیبی ہے۔ یہ بھی سب کو بتایا گیا کہ ٹیلوں کے علاقے

میں آگ کے قریب جو پانی اور کھجوریں پڑی تھیں۔ وہ اس کے گروہ کے آدمیوں نے رکھی تھیں۔ یہ گروہ اُس سے دُور دُور سفر کرتا تھا۔

علی بن سفیان نے اپنے تہہ خانے میں اس آدمی اور اس کے گروہ سے جو باتیں اُگلوائیں، اُن سے پتہ چلا کہ اُس نے محاذ سے بھاگے ہوئے نئے فوجیوں کو اپنے اثر میں لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ اپنے آدمی بھی تھے۔ یہ تمام لوگ مسجدوں میں اور اُن جگہوں پر جہاں لوگ اکٹھے ہوتے تھے، مصری فوج کے خلاف باتیں کرتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ قوم اور فوج کے درمیان شکوک اور نفرت کی دیوار کھڑی کی جائے۔ اس سے صلیبی بہت فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ اس مہم میں مصر کی انتظامیہ کے چند ایک حاکم بھی شامل تھے اور معزول شدہ عباسی خلافت کے خفیہ پیروکار بھی۔ مختصر یہ کہ دشمن تو اس مہم میں شریک تھا ہی، خود وہ مسلمان بھی اس میں شامل ہو گئے تھے جن کا کوئی نہ کوئی مفاد وابستہ تھا۔

''جب کبھی فوج اور قوم میں نفرت پیدا ہو گئی، سمجھ لو سلطنتِ اسلامیہ کا زوال شروع ہو گیا''...... سلطان ایوبی نے کہا۔ اُس نے حکم دیا...... ''تمام مسجدوں کے اماموں کو رملہ کی شکست کے اصل اسباب بتانے کا انتظام کرو اور امام ساری قوم کو بتائیں۔ اگر کسی کو ذمہ داریاں اور الزامات عائد کرنے سے تسکین ہوتی ہے تو ساری ذمہ داری مجھ پر ڈالو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سُولی پر جان دے کر قوم کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا تھا۔ میں فلسطین کے میدانِ جنگ میں جان دے کر اپنی قوم کے ہر اُس فرد کے گناہوں کا کفارہ ادا کروں گا جو تخت و تاج کے نشے میں میری فوج اور مقبوضہ فلسطین کے راستے میں حائل ہو رہا ہے اور میرے خون کے قطروں سے آواز آئے گی کہ شکست کی ذمہ داری فوج نہیں تھی اور میرے کسی فوج نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا''۔

تصادم رُوح بدرُوح کا

حمص پُرسکون قصبہ تھا۔ یہ حلب کے شمال میں آج کے شام اور لبنان کی سرحد کے قریب واقع تھا۔ پُرسکون اس لیے تھا کہ ابھی جنگ کی لپیٹ میں نہیں آیا تھا۔ اس کے مضافات سے کبھی کبھی صلیبی فوج گزرا کرتی تھی۔ اس کے قریب سے ایک چھوٹا سا دریا گزرتا تھا، اس لیے حمص فوجوں کی عام گزرگاہ نہیں بن سکتا تھا۔ اس قصبے میں مسلمانوں کی آبادی اتنی زیادہ تھی کہ اسے مسلمانوں کی بستی کہا جاتا تھا۔ چند ایک گھرانے عیسائیوں کے بھی تھے اور چند ایک یہودیوں کے بھی۔ تجارت عیسائیوں اور یہودیوں کے قبضے میں تھی۔ یہ لوگ دُور کے علاقوں میں کاروبار کے سلسلے میں جاتے رہتے تھے، اس لیے وہ باہر کی دُنیا کی جو خبریں لاتے تھے، انہیں سچ سمجھا جاتا تھا۔ وہ صلیبی اور اسلامی فوجوں کی جنگ کی خبریں لایا کرتے تھے۔ اِن خبروں میں مسلمانوں کی شکست کا ذکر زیادہ ہوتا تھا۔ صلیبی فوج کے متعلق وہ ڈراؤنی باتیں سنایا کرتے تھے۔

اُن کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ حمص کے مسلمانوں پر صلیبی فوج کی دہشت طاری رہے اور کم از کم اس بستی کا کوئی مسلمان اسلامی فوج میں نہ جائے لیکن اِس کا اثر اُلٹا ہو رہا تھا۔ مسلمانوں نے ڈرنے کی بجائے جنگی تیاریاں شروع کر دی تھی۔ انہیں ان تیاریوں سے کوئی حاکم نہیں روک نہیں سکتا تھا۔ یہاں صلیبیوں کی حکمرانی نہیں تھی۔ حمص کے مسلمان گھوڑ سواری، نیزہ بازی، تیغ زنی اور تیراندازی کی مشق کرتے رہتے تھے۔ یہ تربیت لڑکیوں کو بھی دی جاتی تھی۔ ان کا قائد بڑی مسجد کا خطیب تھا جس کا علم اور عمل جہاد پر مرکوز تھا۔ اُس نے مسلمانوں کو بتا رکھا تھا کہ قبلۂ اوّل کو آزاد کرانا ہے اور صلیبیوں کو عرب کی سرزمین سے بے دخل کرنا ہے۔

''......اور یہ جنگ کیوں لڑی جا رہی ہے؟'' خطیب اپنے خطبوں میں اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دہراتا رہتا تھا...... ''صلیبی عرب پر قبضہ کر کے اپنی بادشاہی قائم کرنے کی کوشش میں ہیں اور ہم یہاں اللہ کی بادشاہی قائم کرنے کے لیے جان و مال کی قربانیاں دے رہے ہیں۔ انہوں نے عرب کو میدانِ جنگ صرف اس لیے بنایا ہے کہ خدائے ذوالجلال کا عظیم پیغام عرب کو عطا ہوا ہے اور اس پیغام نے ہم عربوں پر یہ فرض عائد کر دیا ہے کہ ہم یہ پیغام جو ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو غارِ حرا میں عطا ہوا تھا، تمام تر بنی نوعِ انسان تک پہنچائیں۔ طارق بن زیادہ نے بحیرۂ روم کے مصر والے ساحل پر کھڑے ہو کر خدائے عزوجل سے کہا تھا...... ''اگر تیری ذاتِ باری مجھے ہمت و استقلال عطا فرمائے تو میں تیرا نام سمندر پار لے جاؤں'' ......اور اس کے سینے سے جذبۂ ایمان کا شعلہ جو اُٹھا تو اُس نے گھوڑا سمندر میں ڈال دیا۔ اُس کی فوج کشتیوں میں یورپ کے ساحل پر اُتری۔ زیاد کے بیٹے طارق نے حکم دیا...... ''کشتیوں کو آگ لگا دو، ہم واپس جانے کے لیے نہیں آئے'' ......

''مگر آج صلیبی اس عزم کے ساتھ اللہ کی اس سرزمین پر آئے ہیں کہ وہ واپس نہیں جائیں گے۔ انہوں نے سرزمین کو تہِ تیغ کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ خدا کے اس عظیم پیغام کو جو ساری دُنیا میں پھیلانے کے لیے رسولؐ

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوا تھا، یہیں ختم کر دیا جائے۔ یاد رکھو مسلمانو! اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو پتھروں کو موم کر دیتا ہے۔ ہمارے مذہب کے بنیادی اصول انسانوں کی روح میں اُتر جاتے ہیں کیونکہ یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ حقوق العباد ایک ایسا اصول ہے جو صرف اسلام نے انسان کو دیا ہے۔ اسلام ایک نظریہ ہے صرف عقیدہ نہیں۔ صلیب کے علمبردار جانتے ہیں کہ اسلام کو فروغ کا موقع ملا تو کرۂ ارض پر پرچم رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس سائے تلے آجائے گا اور صلیب کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ اسی لیے صلیبی اپنی تمام تر جنگی قوت لے کر یہاں آگئے ہیں۔ وہ علم و فضل کے اس سرچشمے کو بند کرنے آئے ہیں......

''یہودیوں کے ساتھ اُن کا سودا ہوا ہے کہ وہ بیت المقدس کو فتح کر کے اُن کے حوالے کر دیں گے تاکہ یہودی مسجدِ اقصیٰ کو جو ہمارا قبلۂ اوّل ہے، ہیکل سلیمانی بنالیں۔ یہ یہودیوں کا ایک پرانا خواب ہے جسے وہ عملی شکل میں لانے کو بے تاب ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے اپنی بیٹیاں اور اپنی دولت صلیبیوں کے حوالے کر دی ہے۔ اِن دونوں چیزوں نے ہماری صفوں میں غدار پیدا کر دیئے ہیں۔ تم سب تک صلاح الدین ایوبی کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ اسے اپنے دِلوں پر نقش کر لو۔ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاسبان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو اور قوم کو یہ بتا رکھا ہے کہ یہ دو فوجوں کی نہیں، دو مذہبوں کی جنگ ہے۔ یہ قبلۂ اوّل اور ہیکل سلیمانی کی جنگ ہے۔ اگر ہم نے آج باطل کو ہمیشہ کے لیے ختم نہ کیا تو ایک روز باطل ہمارے مذہب کو ختم کر دے گا۔ ہماری روحیں دیکھیں گی اور تاریخ دیکھے گی کہ فلسطین پر یہودی قابض ہیں اور مسجد اقصیٰ ہیکل سلیمانی میں تبدیل ہو رہی ہے......

''حمص کے مسلمانو! تم صلاح الدین ایوبی کی فوج کے سپاہی نہیں ہو مگر اللہ کے سپاہی ہو۔ تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے۔ قرآن کا حکم ہے کہ اپنے وطن اور اپنے مذہب کے دفاع کے لیے گھوڑے اور اسلحہ تیار رکھو اور جہاد کی تیاری میں مصروف رہو...... اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارے مذہب کا دشمن صرف میدانِ جنگ میں تمہارے خلاف نہیں لڑتا۔ اُس کا ایک محاذ اور بھی ہے۔ وہ افواہوں کے ذریعے تم پر اپنی فوج کی دہشت اور اسلامی فوج کے خلاف وسوسے پیدا کرتا ہے۔ سرکردہ افراد کو حسین لڑکیوں اور سونے کی چمک دمک سے اپنا گرویدہ بناتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسان کی بہت بڑی کمزوری ہیں۔ ان میں جب شراب شامل ہو جاتی ہے تو مسلمان اپنا ایمان اپنے ایمان کے دشمن کے قدموں میں رکھ دیتا ہے۔ ایسا ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ صلیبی ہمیں خانہ جنگی میں اُلجھا کر ہماری جنگی قوت کو کمزور کر چکے ہیں۔ یہ گناہ اُن چند ایک اُمراء کا تھا جو صلیبیوں کے بڑے ہی دلکش جال میں آگئے تھے مگر اُن کے گناہوں کی سزا قوم اور فوج کو اور سلطنتِ اسلامیہ کو ملی......

''خانہ جنگی کرانے والے قوم اور فوج کو جذبات میں اُلجھا کر بھڑکاتے اور مرواتے ہیں اور خود اپنے محلات میں اُن حرموں میں بدمست رہتے ہیں جنہیں صلیبیوں اور یہودیوں نے اپنی لڑکیوں سے رونق دی ہے۔ یاد رکھو، یہ ساری چٹانیں سونا بن جائیں اور تمہارے قدموں میں رکھ دی جائیں تو بھی یہ جہاد کا صلہ اور انعام نہیں بن سکتیں۔ جہاد کا انعام روح کو ملا کرتا ہے۔ روح زر و جواہرات سے خوش نہیں ہوا کرتی۔ جہاد کا انعام خدا کا پاس ہے۔ تم اللہ کی راہ میں جان دے دو گے تو بھی زندہ رہو گے۔ یہ جسم کی ہی لعنت ہے، جس نے جسمانی لذت کو شعار بنایا۔ اُس نے اپنے بھائی کا گلا کا اور مُرتد کہلایا۔ قرآن پاک تمہیں روحانی لذت سے سرشار کرتا ہے''۔

اور اس طرح اس خطیب نے حمص کے مسلمانوں کو روحانی لذت سے سرشار کر رکھا تھا۔ جنگی تربیت اُسی کی

میں تین مسجدیں تھیں، جہاں جہاد کی باتیں ہوتی تھیں مگر وہاں جو صلیبی اور یہودی رہتے تھے، وہ مسلمانوں کے ہمدرد بن کر حوصلہ شکن خبریں سناتے رہتے تھے۔ مسلمان اپنے خطیب اور اماموں سے ان خبروں کے متعلق پوچھتے اور بے قرار ہوتے رہتے تھے۔ خطیب نے حمص کے ایک جواں سال آدمی، تبریز کو اس مقصد کے لیے دمشق بھیج رکھا تھا کہ وہاں سے صحیح صورت حال معلوم کر کے آئے۔

☆

تبریز صحیح صورت حال معلوم کر کے حمص کو واپس جا رہا تھا۔ اُسے دمشق تک جانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ راستے میں ہی اُس کا کام ہو گیا تھا۔ اُس نے حماۃ سے بہت دُور صلیبی فوج دیکھی تھی جو ایک جگہ پڑاؤ کیے ہوئے تھی۔ اُس نے دُور سے جھنڈوں سے پہچان لیا تھا کہ یہ صلیبی فوج ہے۔ پھر اُسے دو شتر سوار ملے تھے جو مسلمان تھے۔ انہوں نے بھی اُسے بتایا تھا کہ یہ صلیبیوں کی فوج ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ فوج مسلمانوں کے ہاتھوں بہت زیادہ نقصان اُٹھا کر آئی ہے۔ تبریز نے انہیں بتایا کہ وہ حمص سے یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ صلیبی فوج کہاں تک پہنچی ہے اور عرب کے کتنے علاقے فتح کر چکی ہے۔

''وہ پہاڑیاں تمہیں نظر آ رہی ہیں''۔ شتر سواروں نے اُسے بتایا تھا...... ''یہی راستہ تمہیں ان پہاڑیوں کے اندر لے جائے گا۔ اپنی فوج وہیں ہے۔ دمشق بہت دُور ہے۔ تم اپنی فوج کے کسی بھی آدمی سے پوچھ لینا، تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ رملہ میں لڑائی ہوئی تھی جس میں مسلمان نقصان اُٹھا کر ادھر اُدھر ہو گئے تھے، پھر صلیبیوں سے حماۃ کے قلعے کے قریب لڑائی ہوئی تھی جس میں صلیبی نقصان اُٹھا کر بھاگے...... تم آگے چلے جاؤ لیکن کسی صلیبی سپاہی کے قریب نہ جانا۔ اُسے جونہی پتہ چلا تم مسلمان ہو، وہ تمہیں قتل کر دے گا''۔

سورج غروب ہونے کو تھا، جب وہ حماۃ کی پہاڑیوں سے گزر رہا تھا۔ ایک فراخ وادی تھی۔ آگے سے چند ایک سوار آ رہے تھے۔ تبریز راستے سے ہٹا نہیں۔ ایک سوار گھوڑا دوڑاتا آیا اور اُسے غصے سے کہا کہ وہ راستے سے دُور ہٹ جائے۔ ''سالار اعلیٰ آ رہے ہیں''...... تبریز ذرا سا الگ ہٹ گیا۔ سوار اُسے اور پرے ہٹا رہا تھا۔ سالار اعلیٰ اور اُس کے ساتھ کے سوار تیزی سے آ رہے تھے۔ سالار اعلیٰ، سلطان ایوبی کا بھائی العادل تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کا محافظ ایک مسافر کے ساتھ بہت غصے سے بول رہا ہے اور مسافر شاید راستے سے ہٹ نہیں رہا۔ العادل قریب آ کر رُک گیا۔ تبریز کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور محافظ کے ساتھ کیوں جھگڑ رہا ہے۔

تبریز نے جواب دیا کہ وہ حمص سے یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کس حال میں ہے اور صلیبی فوج کو کتنی کچھ کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔ اُسے نے یہ بھی بتایا کہ حمص کے مسلمان جنگی تیاریوں میں مصروف رہتے ہیں اور وہ سلطان ایوبی کی فوج کا انتظار کر رہے ہیں...... ''ہماری بہنیں بھی جنگ کے لیے تیار ہیں اور ہمارے بچے اور بوڑھے بھی''۔

علی بن سفیان کا نائب حسن بن عبداللہ جو انٹیلی جنس کا ذمہ دار تھا، العادل کے ساتھ تھا۔ وہ تبریز کو بڑی غور سے دیکھ رہا تھا۔ تبریز جاسوس ہو سکتا تھا۔ اُس کی سادگی بتا رہی تھی کہ وہ جاسوس نہیں، لیکن شک لازمی تھا۔ جاسوس ظاہری طور پر اس سے زیادہ گنوار اور سادہ لگتے ہیں۔

''تمہارے خطیب کا نام کیا ہے؟'' حسن بن عبداللہ نے پوچھا۔

تبریز نے نام بتایا۔ اُس وقت کی جو غیر مطبوعہ تحریریں موجود ہیں، ان میں یہ نام صاف نہیں۔ اس لیے اُسے ہم خطیب کہیں گے۔ حسن بن عبداللہ نے العادل سے کہا کہ وہ اپنا آدمی ہے اور اس آدمی (تبریز) کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا کام جان فشانی سے کر رہا ہے، تبریز کے خلاف جو شک پیدا ہو گیا تھا، وہ رفع ہو گیا۔ العادل کے حکم کے مطابق اُسے مہمان کی حیثیت سے خیمہ گاہ میں بھیج دیا گیا، جہاں اُس کی خاطر و مدارت کی گئی۔

رات حسن بن عبداللہ نے اُسے اپنے خیمے میں بلایا اور خطیب کے نام یہ پیغام دیا..... ''حالات دشوار ہیں لیکن اتنے نہیں جتنے آپ کو وہاں صلیبی بتا رہے ہیں۔ لوگوں سے کہو کہ سچ اُسے سمجھیں جو اُن کی آنکھوں کے سامنے ہو اور جو انہیں مسجد میں بتایا جائے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں اور خبروں کو سچ نہ سمجھیں۔ آپ لوگ بڑے خطرناک علاقے میں ہیں۔ اپنی بستی کے صلیبیوں اور یہودیوں پر نظر رکھیں اور یہ بھی خیال رکھیں کہ وہ آپ کی سرگرمیوں پر نظر نہ ڈال سکیں، جنہیں آخر دم تک چھپائے رکھنا ہے۔''

حسن بن عبداللہ نے تبریز کو ایسا پیغام دیا جو حمص کے مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزا تھا لیکن اُسے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سی سرگرمیاں ہیں جنہیں آخر دم تک چھپائے رکھنا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ حمص کے مسلمانوں کو سلطان ایوبی کے حکم کے تحت جنگی تربیت دی جا رہی تھی۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ جب کبھی ضرورت پڑے، وہ صلیبی فوج پر عقب سے شب خون ماریں۔ ظاہری طور پر اُن کے وفادار رہیں۔ اس مقصد کے لیے حمص میں تین چار تجربہ کار چھاپہ مار بھیج دیئے گئے تھے جو وہاں اپنے مطلب کی ٹریننگ دے رہے تھے۔ خطیب اُن کا کمانڈر تھا۔ اُن کے ساتھ ابھی باقاعدہ رابطہ نہیں رکھا گیا تھا، کیونکہ ابھی اُن لوگوں کی ضرورت نہیں تھی۔

دوسری صبح تبریز حمص کو روانہ ہو گیا۔

☆

وہ زمانہ قافلوں کی صورت میں چلنے کا تھا۔ لوگ اکیلے اکیلے بھی سفر کرتے تھے۔ ایسے اکیلے مسافروں کو جہاں چند آدمی سفر میں نظر آتے تھے، وہ اُن سے جا ملتے اور اس طرح قافلے بنتے اور بڑے ہوتے جاتے تھے۔ تبریز آیا اکیلا تھا۔ واپس جا رہا تھا کہ اُسے مختصر سا ایک قافلہ مل گیا جو حمص کی سمت جا رہا تھا۔ اس میں حمص کے یہودی تاجر بھی تھے۔ دو عیسائی کنبے اونٹوں پر سوار تھے اور کچھ لوگ پیدل جا رہے تھے۔ تبریز اس قافلے میں شامل ہو گیا۔ قافلہ چلتا گیا۔ راستہ لمبا تھا۔ دو راتیں قیام کرنا پڑا۔ تیسرا دن سفر کا آخری دن تھا۔ آدھی رات سے پہلے قافلے کو حمص پہنچ جانا تھا۔ آگے ایک دریا تھا۔ جو بہت بڑا نہیں تھا۔ اس کی گہرائی زیادہ سے زیادہ کمر تک رہتی تھی۔ لوگ اس میں آسانی سے گزر جایا کرتے تھے۔

سفر کے آخری روز کا سورج سر پر آیا تو اُفق سے سیاہ گھٹا اُٹھتی نظر آئی۔ قافلہ اور تیز چلنے لگا تاکہ بارش سے پہلے منزل تک پہنچ جائے یا چٹانی علاقے میں پہنچ کر چھپنے کی جگہ ڈھونڈ لی جائے اور اگر ممکن ہو تو طغیانی آنے سے پہلے ہی دریا پار کر لیا جائے۔ یہ اُن لوگوں کی حماقت تھی۔ گھٹا کی رفتار قافلے کی نسبت زیادہ تھی اور گھٹا جانے کہاں سے برستی آ رہی تھی۔ وہ تمام علاقہ چٹانی اور پہاڑی تھا۔ قافلہ دریا کے قریب پہنچا تو گھٹا دُنیا کو تاریک کر چکی تھی اور مینہ ایسا موسلا دھار برسنے لگا تھا کہ آنکھیں کھول کر چلنا ممکن نہ رہا۔ ایک بوڑھے عیسائی نے کہا کہ دریا چڑھ رہا ہے، ابھی گزر سکتے ہیں، فوراً پار ہو جاؤ۔

اس بوڑھے کے ساتھ والے اونٹ پر ایک جوان اور خوب صورت عیسائی لڑکی سوار تھی۔ قافلہ دریا کے کنارے پر پہنچ چکا تھا۔ اس کا پانی مٹیالا ہو گیا تھا اور اس کی روانی میں طغیانی والا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ گہرائی میں کوئی اضافہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ بارش بہت تیز تھی۔ گھٹا نے گہری شام کا منظر بنا رکھا تھا۔ سورج غروب ہونے کو ہی تھا۔ ایک آدمی نے گھوڑا دریا

میں ڈال دیا۔ چند قدم آگے جا کر اُس نے چلا کر کہا...... ''آ جاؤ، پیدل چلنے والے بھی آ جاؤ، پانی گہرا نہیں''۔

یہ کسی نے بھی نہ دیکھا کہ شدید اور خطرناک طغیانی کا ریلا آ رہا ہے۔ اوپر کی طرف بہت مینہ برسا تھا اور وہ پہاڑی علاقہ تھا جس کی طغیانی بہت ہی تیز ہوا کرتی تھی۔ اونٹ اور گھوڑے شاید اس خطرے کو محسوس کر رہے تھے۔ یہی جانور بڑے آرام اور اطمینان سے دریا میں سے گزر جایا کرتے تھے مگر بارش میں وہ دریا میں بدک رہے تھے، حالانکہ پانی گہرا نہیں تھا۔ اچانک دریا بپھر گیا۔ اونچی اونچی لہریں کسی کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر آ گئیں۔ دریا کے کنارے ڈوب گئے۔ پانی گہرا ہو گیا۔ پیدل چلنے والے ڈوبنے لگے تو وہ تیرنے لگے۔ اونٹوں نے واویلا پا کر دیا۔ قافلہ دریا میں بکھر گیا۔ دوسرا کنارہ دور تو نہیں تھا لیکن طغیانی جو بڑھتی جا رہی تھی، آگے جانے ہی نہیں دے رہی تھی، پھر قافلے والوں کو ایک دوسرے کا ہوش نہ رہا۔

عیسائی لڑکی کی چیخ سنائی دی۔ تبریز کہیں قریب تھا۔ اُس نے چیخ سن لی اور یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ اونٹ جس پر عیسائی لڑکی سوار تھی، طغیانی کا مقابلہ نہ کر سکا اور اُس کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ طغیانی نے اُسے گرا دیا۔ اُس کی پیٹھ پر بیٹھی لڑکی دریا میں جا پڑی۔ طغیانی کا یہ عالم تھا کہ کبھی لہریں اُوپر کو اُٹھتی اور گرتی تھیں اور کبھی بھنور بن جاتی تھیں۔ شور اتنا زیادہ تھا کہ کسی کو کسی کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ اگر تبریز قریب نہ ہوتا تو لڑکی کی چیخ کوئی بھی نہ سن سکتا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور گھوڑا سیدھا تو نہیں جا رہا تھا لیکن طغیانی کا مقابلہ کر رہا تھا۔ تبریز نے لڑکی کو پانی میں گرتے دیکھا تو اُس نے گھوڑے کو دریا کے رُخ میں ڈال دیا لیکن گھوڑا اتنی تیزی سے تیر نہیں سکتا تھا۔

تبریز گھوڑے سے کود گیا اور بہت تیزی سے تیرتا لڑکی کے پیچھے گیا۔ ایک لہر نے لڑکی کو اُوپر اُٹھایا اور تبریز نے دیکھ لیا۔ طغیانی کا زور بھی تھا اور تبریز کے جوان بازوؤں کی قوت بھی تھی کہ اُس نے تھوڑی ہی دُور لڑکی کو جا پکڑا۔ وہ ابھی ڈوبی نہیں تھی لیکن وہ تیر بھی نہیں رہی تھی۔ تبریز کے لیے اُسے سنبھالنا بہت مشکل ہو گیا۔ اسی کوشش میں پانی انہیں بہت آگے لے گیا۔ تبریز نے اُسے اپنے اوپر ڈالا اور کنارے کی طرف تیرنے لگا۔ لڑکی دوبارہ اُس کی پیٹھ سے لڑھک گئی۔ وہ ہوش میں نہیں تھی، اگر تبریز کے جسم میں طاقت اور دِل میں بے خوفی نہ ہوتی تو وہ لڑکی کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی فکر کرتا۔ طغیانی کا زور اور اُس کا شور حوصلے پست کر رہا تھا۔

جس جگہ سے قافلہ دریا میں اُترا تھا، وہاں سے کم و بیش دو میل دُور تبریز لڑکی کو سنبھالے کنارے سے جا لگا، وہاں چٹانیں تھیں۔ بارش ابھی تھمی نہیں تھی۔ تبریز نے لڑکی کو ایک چپٹی چٹان پر لٹایا۔ وہ زندہ تھی، ہوش میں نہیں تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ بے ہوش کو کس طرح ہوش میں لایا جاتا ہے۔ وہ لڑکی کو دیکھتا رہا۔ لڑکی بے ہوشی میں از خود ہی پیٹ کے بل ہو گئی۔ پیٹ پر زور پڑا تو منہ سے دریا کا پانی نکلنے لگا۔ تبریز نے اُس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر دبایا تو بہت سا پانی منہ کے راستے باہر نکل آیا۔ اُس نے اور زور سے دبایا۔ پہلوؤں سے بھی پیٹ کو دبایا۔ اس سے لڑکی کا پیٹ پانی سے خالی ہو گیا۔

گھٹا چھٹنے لگی۔ بارش کا زور کم ہو گیا اور کچھ روشنی بھی ہو گئی۔ تبریز نے لڑکی کو سیدھا کیا۔ لڑکی نے ذرا سی آنکھ کھولی اور بند کر لی۔ تبریز کا جسم شل ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنا گھوڑا دریا میں چھوڑ دیا تھا۔ وہ دریا سے نکل گیا ہو گا۔ تبریز کو معلوم نہیں تھا کہ گھوڑے کا انجام کیا ہوا۔ تبریز کی تھکن کم ہو گئی تھی۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ اُسے خیال آیا کہ رات آ رہی ہے اور پناہ ڈھونڈنا ضروری ہے۔ اُسے اُمید تھی کہ یہ چٹانی علاقہ ہے، اس میں کہیں نہ کہیں کھوہ یا غار مل جائے گی۔ لمبی مسافت کے مسافر مٹی کے ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں میں غاریں بنائے رکھتے تھے جو دوسرے مسافروں کے بھی کام آتی تھیں۔

☆

اُس نے لڑکی کو پیٹھ پر ڈالا اور دو چٹانوں کے درمیان چل پڑا۔ پناہ ملنے کا اُسے یقین نہیں تھا، اُمید تھی۔ وہ دِل میں خدا سے مدد مانگتا چلا جا رہا تھا۔ کچھ اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے، وہ ایک کشادہ سی جگہ جا پہنچا جہاں ایک چٹان کے ساتھ اُسے تین چار اونٹ کھڑے نظر آئے۔ یہ کسی مسافر کے نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ اُن پر زینیں وغیرہ نہیں تھیں۔ اونٹوں تک گیا تو اُسے آوازیں سنائی دیں۔ اُدھر دیکھا تو چٹان میں اُسے ایک فراخ او[illegible] دہانہ نظر آیا۔ اس میں تیرہ چودہ سال عمر کے دو لڑکے کھڑے تھے۔ وہ دونوں بارش میں دوڑے آئے۔

''تم دریا سے نکل کر آئے ہو؟'' ایک لڑکے نے پوچھا...... ''وہاں آجاؤ، بہت اچھی جگہ ہے''۔

وہ جگہ واقعی بہت اچھی تھی۔ چٹان بھربھری تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ مسافروں نے یا قریب کہیں رہنے والے گڈریوں نے اسے کاٹ کاٹ کر کمرہ بنا دیا ہے۔ یہ ایک کشادہ غار تھی۔ اندر سے بالکل خشک تھی۔ لڑکوں نے وہاں آگ بھی جلا رکھی تھی۔ تبریز نے لڑکی کو فرش پر ڈال دیا۔ وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی تھی۔ ایک طرف خشک گھاس اور درختوں کی خشک ٹہنیوں کا ڈھیر پڑا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' تبریز نے لڑکوں سے پوچھا۔

''ہمارا گھر دریا کے پار ہے''۔ ایک لڑکے نے جواب دیا...... ''ہم کبھی کبھی اونٹوں کو اِدھر لے آتے ہیں۔ گھاس تو اُدھر بھی بہت ہے لیکن ہم یہاں کھیلنے کے لیے آتے ہیں اور اونٹوں کو بھی چرنے چگنے کے لیے ساتھ لے آتے ہیں۔ ایک جگہ سے دریا چوڑا ہے، وہاں پانی ہمارے گھٹنوں تک ہوتا ہے۔ آج بھی ہم آگئے اور بارش شروع ہوگئی۔ یہیں آگ جلا کر کھیلتے رہے''۔

''گھر کس طرح جاؤ گے؟'' تبریز نے پوچھا...... ''دریا چڑھا ہوا ہے''۔

''اس دریا کا زور زیادہ دیر نہیں رہتا''۔ ایک لڑکے نے بڑے اطمینان سے کہا...... ''ہم جہاں سے گزرتے ہیں، وہاں طغیانی میں خطرہ نہیں ہوتا۔ پانی پھیل جاتا ہے''۔

بارش تھم گئی تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ لڑکے اپنے اونٹوں کو لے کر چلے گئے۔ تبریز نے اُن سے مدد نہ مانگی۔ یہ بھی نہ سوچا کہ لڑکی کو اُٹھا کر اُن کے گاؤں چلا جائے۔ لڑکوں کے جانے کے بعد اُس نے آگ پر خشک ٹہنیاں پھینکیں۔ شعلے اُٹھا تو اُس نے اپنا کرتہ اُتارا جو گلے سے ٹخنوں تک لمبا تھا، اُسے آگ پر خشک کرنے لگا۔ وہ دِل میں شکر ادا کر رہا تھا۔ خدا نے اُسے ایسی طوفانی بارش میں ان لڑکوں کو آگ جلانے کے لیے بھیج دیا تھا۔ اس دوران لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ اُس کے چہرے پر خوف کا تاثر نظر آیا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر تبریز کو دیکھا تو اُس کا منہ دہشت سے کھل گیا۔ تبریز نے اپنا چغہ نما کرتہ اُتار رکھا تھا اور طغیانی کے مٹیالے اور گدلے پانی نے اُس کے بالوں اور چہرے کو خوفناک بنا رکھا تھا۔

''ڈرو نہیں''۔ تبریز نے کہا...... ''مجھے پہچانتی نہیں ہو؟ میں تمہارا ہمسفر تھا''۔

''مگر تم مسلمان ہو''۔ لڑکی اُٹھ بیٹھی اور بولی...... ''مجھے تم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے جانے دو''۔

''جاؤ'' تبریز نے کہا۔ ''چلی جاؤ''۔

وہ اُٹھی۔ اُس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ غار کے باہر ایک قدم رکھا تو باہر تاریک رات کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اندر آگ کی روشنی تھی۔ اُس نے گھوم کر تبریز کو دیکھا جو ٹہنیوں کی آگ کی روشنی میں پُراسرار سا انسان نظر آ رہا تھا۔ وہ لڑکی کو دیکھتا رہا۔ لڑکی پاؤں پر کھڑی نہ رہ سکی۔ ایک دو قدم آگے آکر گر پڑنے کے انداز سے بیٹھ گئی اور بے بسی سے تبریز کو دیکھنے لگی۔

''تمہاری نسبت مجھے وہ گھوڑا زیادہ عزیز تھا جسے میں نے دریا میں چھوڑا اور تمہیں ڈوبنے سے بچایا''...... تبریز نے کہا۔

''میری قیمت بیس گھوڑوں سے زیادہ ہے''۔ لڑکی نے نقاہت زدہ آواز میں کہا...... ''تم نے مجھ جیسی لڑکی کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ مجھے ذلیل وخوار کر کے بیچ ڈالو گے۔ تمہیں کون روک سکتا ہے''۔

''مجھے خدا روک سکتا ہے''۔ تبریز نے کہا...... ''اور خدا نے مجھے روک رکھا ہے۔ یہ ایک معجزہ ہے کہ میں نے تمہیں اس طغیانی سے بچایا ہے، جس میں اونٹ اوندھا ہو گیا تھا۔ پھر یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے کہ ہمیں سر پر یہ چھت اور جلتی ہوئی آگ مل گئی۔ میں نے خدا سے مدد مانگی تھی۔ خدا صرف اُن کی مدد کرتا ہے جن کی نیت صاف ہوتی ہے۔ یہ آگ دو لڑکے جلا گئے ہیں، وہ فرشتے تھے۔ میں اپنے مذہب کی روشنی میں بات کر رہا ہوں۔ تم اس لیے ڈرتی ہو کہ تمہارا مذہب باطل ہے اور تم اس لیے ڈرتی ہو کہ تمہاری نگاہ اپنے جسم پر ہے جو بہت دل کش ہے اور تمہاری نظر میں اپنا چہرہ ہے جو بہت حسین ہے۔ میری نگاہ میری اپنی روح پر ہے جو تمہارے جسم سے زیادہ دل کش اور تمہارے چہرے سے زیادہ حسین ہے۔ میں جانتا ہوں تھوڑی دیر بعد تم مجھے اپنا جسم پیش کر کے کہو گی کہ مجھے منزل پر پہنچا دو۔ کان کھول کر سن لو، میں اپنی روح کو ناپاک نہیں ہونے دوں گا۔ میرے دل میں یہ خرافات ڈالنے کی کوشش نہ کرو کہ میں نے تم جیسی لڑکی کبھی نہیں دیکھی ہوگی''۔

تبریز کے بولنے کے انداز میں کوئی ایسا تاثر تھا جس نے لڑکی کے ہونٹ سی دیئے اور وہ حیرت اور خوف سے بھری ہوئی آنکھوں سے تبریز کو دیکھ رہی تھی۔ تبریز کی باتوں میں جو خلوص اور عزم تھا، وہ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

''آگ کے قریب سرک آؤ''۔ تبریز نے کہا...... ''وہ کرتہ آگ پر خشک کر رہا تھا۔ لڑکی یوں سرک کر آگ کے قریب ہو گئی جیسے اُس میں حکم عدولی کی جرأت نہیں تھی۔ تبریز نے کرتے کا ایک سرا اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا......

''اسے پکڑو اور آگ کے اوپر رکھو''۔ اُس نے کرتے کو دوسری طرف سے پکڑے رکھا اور دونوں کرتے کو آگ پر ہلانے جلانے لگے۔ لڑکی کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ ''کرتہ خشک ہو جائے تو تم پہن لینا، پھر تمہارے کپڑے خشک کر لیں گے''۔

''نہیں''۔ لڑکی نے گھبرا کر کہا...... ''میں اپنے کپڑے نہیں اُتاروں گی''۔

''تم اپنی کھال بھی اُتار کر آگ پر رکھ دو گی''۔ تبریز نے کہا۔ ''میرے فرض کے راستے میں آنے کی کوشش نہ کرو لڑکی! میں تم پر ثابت کروں گا کہ وحشی مسلمان ہوتے ہیں یا عیسائی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کتنی پاک دامن ہو۔ تم میری پناہ میں ہو۔ میں تمہیں کوئی سخت بات نہیں کر سکتا۔ تم عورت ہو۔ میرا مذہب حکم دیتا ہے کہ مجبور عورت پر ہاتھ نہ اُٹھاؤ''۔

''تم نے مجھے کس طرح طغیانی سے نکالا تھا؟'' لڑکی نے پوچھا...... ''کیا باقی لوگ پار ہو گئے تھے؟''

تبریز نے اُسے تفصیل سے بتا دیا اور یہ بھی بتایا کہ اُسے باقی لوگوں کے متعلق بالکل معلوم نہیں۔ لڑکی کا ڈر دُور نہ ہوا، کچھ کم ہو گیا تھا اور اُس کی جسمانی حالت بھی اچھی ہوتی جا رہی تھی۔ تبریز کے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ وہ اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ حمص جا رہی ہے۔ وہ دونوں اُس علاقے سے نقل مکانی کر کے آ رہے تھے جو مسلمانوں کی حکمرانی میں تھا۔ حمص میں اُن کے رشتہ دار رہتے تھے۔ لڑکی اپنے باپ کے لیے پریشان تھی۔

☆

قافلہ طغیانی میں سے نکل گیا تھا۔ کوئی کہیں جا کنارے لگا، کوئی کہیں جا لگا۔ وہ ایک دوسرے کو پکارتے اکٹھے ہونے لگے۔ لڑکی اور تبریز اُن میں نہیں تھے۔ وہ اونٹ بھی لاپتہ تھا جس پر لڑکی سوار تھی اور تبریز کا گھوڑا کنارے لگ گیا تھا۔

وہ دُور کھڑا تھا۔ قافلے کا ایک آدمی اُسے پکڑ لایا اور سب نے یقین سے کہہ دیا کہ حمص کا اتنا خوب صورت جوان جو راستے میں قافلے سے ملا تھا، گھوڑے سے گر کر ڈوب گیا ہے۔ تبریز کا تو کسی کو دُکھ نہیں تھا، لڑکی کے غم میں اس کا بوڑھا باپ، دو عیسائی اور ایک یہودی نڈھال ہوئے جا رہے تھے۔ وہ آگے جانے کی بجائے دریا کے کنارے دُور تک جانے کی سوچ رہے تھے۔ قافلے کے کچھ اور لوگ کہتے تھے کہ بے کار ہیں، وہ ڈوب گئی ہوگی۔ وہ چاروں سوار ہوئے اور دریا کے ساتھ چل پڑے۔ اُس وقت تبریز لڑکی کو طغیانی سے نکال چکا تھا اور اُسے چپٹی چٹان پر لٹا کر اُس کا پیٹ پانی سے خالی کر رہا تھا، وہاں دریا کا موڑ تھا۔ چٹانیں بھی تھیں۔ اس لیے لڑکی کی تلاش میں آنے والے تبریز اور لڑکی کو دیکھ نہ سکے۔ وہ جب اس جگہ آئے، اُس وقت تبریز لڑکی کو پیٹھ پر اُٹھائے چٹانوں کے اندر چلا گیا تھا۔ تلاش کرنے والے آگے نکل گئے۔ وہ پھر واپس نہیں آئے۔ سورج غروب ہو گیا تو حمص کے راستے پر ہو لیے۔

''اتنی قیمتی لڑکی ضائع کرنے پر انہوں نے ہمیں سزائے موت نہ دی تو ہم سمجھیں گے کہ وہ بہت ہی رحم دل ہو گئے ہیں''۔ بوڑھے نے کہا..... ''کیا جواب دو گے کہ وہ کس طرح ڈوبی؟''

''کہہ دیں گے طغیانی میں اُس نے من مانی کی''۔ یہودی نے کہا..... ''کہتی تھی کہ الگ اونٹ پر دریا پار کروں گی۔ اُس نے ضد کی اور طغیانی کا زور اُسے ہم سے دُور لے گیا..... وہ دریا سے نکل آتی تو ہمیں مل جاتی۔ مر گئی ہے''۔

''جو جی میں آئے کہو''۔ ایک عیسائی نے کہا..... ''ہماری یہ کوتاہی بخش بھی دی جائے تو کیا تم سب کو افسوس نہیں کہ اتنی کارآمد لڑکی ضائع ہو گئی ہے؟ دوسری لڑکی لاتے ایک مہینے سے زیادہ عرصہ لگے گا''۔

''میں نے کئی بار مشورہ دیا تھا کہ اس کام کے لیے دو لڑکیوں کی ضرورت ہے''۔ بوڑھے نے کہا..... ''حمص کے مسلمان جوش سے پھٹے جا رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ وہ جو جنگی تربیت حاصل کر رہے ہیں وہ کوئی جذباتی یا وقتی جوش نہیں۔ میں نے اُن کی تربیت بہت غور سے دیکھی ہے۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ شب خون اور چھاپے مارنے کی باقاعدہ تربیت ہے۔ میں نے اُس کے چاروں اُستاد دیکھے ہیں۔ وہ قاہرہ سے بھیجے گئے ہیں یا دمشق سے اور وہ ماہر چھاپہ مار معلوم ہوتے ہیں''۔

''اگر یہ لوگ ہماری حکمرانی میں ہوتے تو ہم دیکھتے کہ یہ کس طرح جنگی تربیت لیتے ہیں''..... ایک عیسائی نے کہا۔

''تم کیا سمجھتے ہو، یہاں یہ اپنی تربیت مکمل کر لیں گے؟''..... یہودی نے کہا..... ''ہم انہیں آپس میں ٹکرا دیں گے''۔

''اسی مقصد کے لیے میں اس لڑکی کو دمشق سے لا رہا تھا''۔ بوڑھے نے کہا..... ''حمص میں فساد پیدا کرنے کا کام مجھے سونپا گیا تھا۔ میں نے اس لڑکی کا نام لیا تھا۔ انہوں نے مجھے ہی حکم دیا کہ لڑکی کے باپ بن جاؤ اور حمص لے جاؤ۔ کوئی پوچھے تو بتاؤ کہ نقل مکانی کر رہا ہوں''۔

رات کے اندھیرے میں وہ چلتے جا رہے تھے اور اپنی اُس خفیہ مہم کے متعلق باتیں کرتے جا رہے تھے، جس کے لیے انہیں حمص جانا تھا۔ بوڑھا صلیبیوں کا تجربہ کار جاسوس تھا اور نفسیاتی تخریب کاری کا ماہر۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا..... ''مسلمان تو ہر جگہ جنگی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ دمشق میں نورالدین زنگی کی بیوہ لڑکیوں کو باقاعدہ جنگی تربیت دے رہی ہے۔ بستی بستی یہ جوش دیکھنے میں آیا ہے مگر حمص اور اس کے گرد و نواح کے علاقے کو ایسی اہمیت حاصل ہے کہ یہاں مسلمانوں کے چھاپہ ماروں کو اڈہ نہیں ملنا چاہیے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ صلاح الدین ایوبی کا ایک خفیہ منصوبہ ہے۔ اسے کامیاب نہیں ہونا چاہیے''۔

''حمص سرحد پر ہے''۔ یہودی نے کہا...... ''اگر مسلمانوں نے یہاں اڈہ بنالیا تو ہمارے لیے خطرناک ہوگا۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ یہاں کے مسلمانوں کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف کر دیا جائے اور اُن کے دِلوں پر قبضہ کر لیا جائے''۔

''یہ ممکن نظر نہیں آتا''۔ بوڑھے نے کہا...... ''مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے آدمیوں نے بہت افواہیں پھیلائی ہیں مگر مسلمان ان پر کان نہیں دھرتے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اُن کے خطیب کا اُن پر بہت اثر ہے اور یہ بھی پتہ چلا ہے کہ جنگی تربیت اُسی کی ہدایات کے مطابق ہو رہی ہے۔ مجھے حمص نہیں جانا چاہیے تھا کیونکہ ہم لڑکی گم کر بیٹھے ہیں۔ میں اب اس لیے وہاں تک جانا چاہتا ہوں کہ خطیب کو دیکھوں کہ وہ کون ہے اور کیا وہ عالم ہے یا کوئی فوجی کمان دار۔ یہ بھی دیکھنا ہے کہ اسے اپنے ہاتھ میں لیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مجھے اور تم سب کو حمص کے عیسائی اور یہودی گھرانوں میں سے ایک یا دو لڑکیوں کا انتخاب کرنا ہے جو اس مہم میں ہماری مدد کر سکیں۔ تم جانتے ہو لڑکیوں کو کیا کرنا ہے''۔

''میں نے تمہیں یہ دمشق میں بھی بتایا تھا کہ یہاں کے مسلمان ایمان کے پکے ہیں۔'' ایک عیسائی نے کہا...... ''ابھی تک ہم کسی ایک کو بھی نہیں خرید سکے''۔

''میں ساری عمر اس دریا پر لعنت بھیجتا رہوں گا جس نے ہمیں وِیرا سے محروم کر دیا ہے''۔

☆

''میرا نام وِیرا ہے''۔ لڑکی نے تبریز کے پوچھنے پر بتایا...... ''ہم غریب لوگ ہیں۔ مسلمانوں نے دمشق میں ہمارا جینا محال کر دیا تھا۔ خدا غریب کی بیٹی کو حسن نہ دے۔ بڑے بڑے امیر مجھے خریدنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک نے تو مجھے اغوا کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ میرا باپ مجھے قاضی کے پاس لے گیا۔ اُس نے ہماری فریاد سن لی اور میری حفاظت کا انتظام کر دیا مگر وہاں حکومت مسلمانوں کی تھی۔ ہم ڈرتے رہے۔ میرے باپ نے یہی بہتر سمجھا کہ دمشق سے نکل ہی جائیں۔ حمص میں ہمارے رشتے دار ہیں۔ اب ہم اُن کے پاس جا رہے تھے۔ معلوم نہیں میرا باپ زندہ ہوگا یا نہیں.... کیا تم ایک مظلوم اور مجبور لڑکی پر رحم نہیں کرو گے؟''

''رات گزرتی جا رہی تھی۔ بوڑھا عیسائی جسے وِیرا اپنا باپ کہتی تھی، اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہت دُور نکل گیا تھا۔

''میرا جامہ خشک ہو گیا ہے''۔ تبریز نے کُرتہ اُس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا...... ''میں باہر نکل جاتا ہوں۔ اُٹھو، اپنے کپڑے اُتار دو اور یہ پہن لو۔ تمہیں سر سے پاؤں تک ڈھانپ لے گا، پھر اپنے کپڑے خشک کر کے پہن لینا''۔

''میں تمہارے ہاتھ میں مجبور ہوں''۔ وِیرا رندھی ہوئی آواز میں بولی...... ''میرے ساتھ اُس درندے کا سا سلوک نہ کرو جو شکار کو مارنے سے پہلے اُس کے ساتھ کھیلتا ہے''۔

''میں کہہ رہا ہوں یہ بھیگے ہوئے کپڑے اُتار دو''۔ تبریز نے غصے سے کہا اور باہر کو چل پڑا۔

وِیرا نے اُسے باہر جاتے اور ایک طرف ہوتے دیکھا۔ وہ اوٹ میں ہو گیا جہاں سے وِیرا کو نظر نہیں آتا تھا۔ وِیرا نے ذرا آگے ہو کر دیکھا۔ وہ غار کی طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا۔ آگ اتنی زیادہ تھی کہ روشنی تبریز کی پیٹھ پر پڑ رہی تھی۔ وِیرا نے اپنے فراک کے اندر ہاتھ ڈالا۔ اُس نے اندر کمر کے گرد کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ اُس نے کپڑے میں خنجر اُڑسا ہوا تھا۔ وِیرا نے خنجر نکال لیا اور دبے پاؤں آگے بڑھی۔ تبریز بے خبر کھڑا تھا۔ وِیرا اُس سے ایک قدم دُور رہ گئی تو اُس نے خنجر دائیں طرف کر کے پہلو میں گھونپنے کو وار کیا۔ تبریز بجلی کی تیزی سے گھوما اور لڑکی کے دائیں ہاتھ کی کلائی اتنی زور سے مروڑی کہ لڑکی گھوم گئی اور اُس کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا۔

تبریز کے بچنے کا باعث یہ تھا کہ وہ جہاں کھڑا تھا، وہاں سے چند ہی قدم آگے ایک اور چٹان تھی۔ آگ تبریز کے پیچھے تھی۔ تبریز کو سامنے والی چٹان پر اپنا سایہ نظر آیا۔ اُس نے پیچھے نہ دیکھا، کیونکہ سائے کا دایاں بازو دائیں کو پھیلا تو اُسے خنجر کا سایہ صاف نظر آ گیا۔ وِیرا پہلو میں وار کر کے پیٹ چاک کرنا چاہتی تھی۔ سائے کی حرکت دیکھ کر تبریز پیچھے گھوما اور لڑکی کی کلائی پکڑ لی۔ خنجر گرا تو اُس نے ویرا کی کلائی چھوڑ کر خنجر اُٹھا لیا۔ اُس نے نوک لڑکی کی طرف کی تو وہ اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور ہاتھ جوڑ کر التجا کی...... ''جو کہو گے مانوں گی، مجھے قتل نہ کرنا''۔

''میں اس کے سوا تمہیں کچھ نہیں کہوں گا کہ یہ کپڑے اُتار دو اور میرا کُرتہ پہن لو''...... تبریز نے حکم کے لہجے میں کہا...... ''تم نے دیکھ لیا ہے کہ تم مجھے قتل نہیں کر سکتیں۔ میری آنکھیں آگے ہیں، کھوپڑی کے پیچھے نہیں، یہ میری روح کی آنکھیں ہیں جن سے میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا...... کیا میں اپنے سامنے تمہارے کپڑے نہیں اُتروا سکتا؟ میں تمہیں کپڑوں کے بغیر نہیں دیکھنا چاہتا''۔

وہ ایک دفعہ پھر وہیں جا کھڑا ہوا۔ وِیرا غار کے ایک کونے میں چلی گئی۔ اُس نے بڑی تیزی سے اپنا فراک اُتارا، پھر زیرِ جامہ بھی اُتار دیا اور تبریز کا کُرتہ پہن لیا جس میں وہ گردن سے پاؤں تک مستور ہو گئی۔ اس نے تبریز کو آواز دے کر کہا...... ''آ جاؤ''۔

تبریز اندر آ گیا۔ وِیرا کا فراک اُٹھا کر ایک طرف سے اُس کے ہاتھ میں دیا اور آگ پر خشک کرنے لگا۔ وِیرا اُسے کنکھیوں سے دیکھتی رہی۔ تبریز نے اُس سے کوئی بات نہ کی۔ وِیرا کو اُس کی خاموشی پریشان کر رہی تھی۔ اُس کا دِل مان نہیں رہا تھا کہ یہ جوان آدمی اُسے بخش دے گا۔ اب تو خنجر بھی اس جوان کے پاس تھا...... وہ خاموشی سے کپڑے خشک کرتے رہے۔ جب خشک ہو گئے تو تبریز لڑکی کو یہ کہہ کر باہر نکل گیا کہ یہ پہن لو۔ لڑکی نے ایک بار پھر ڈرتے ڈرتے کپڑے بدلے اور تبریز کو اندر بلا لیا۔

''یہ خنجر اپنے پاس رکھو''...... تبریز نے خنجر اُس کی طرف پھینک کر کہا...... ''اور سو جاؤ، صبح روانہ ہوں گے''۔

''تم مجھے دھوکہ دے رہے ہو''...... وِیرا نے کہا...... ''یا تم بے حس اور مُردہ انسان ہو''۔

''یہ مجھے تمہاری فوج کے سامنے ثابت کرنا ہے کہ میں بے حس اور مُردہ نہیں۔ میرے دِل میں تمہارے خلاف کوئی دشمنی نہیں۔ میں تمہارے اُن بادشاہوں کا دشمن ہوں جو میرے وطن پر قبضہ کرنے آئے ہیں اور جو ہمارے قبلۂ اوّل پر قابض ہو چکے ہیں''۔

''تمہیں غلط باتیں بتا کر بھڑکایا جا رہا ہے''...... وِیرا نے کہا...... ''تم کچھ نہ جاننے والے دیہاتی ہو، جسے تم قبلۂ اوّل کہتے ہو، وہ دراصل یہودیوں کا معبد ہے۔ وہ ہیکل سلیمانی ہے۔ صلاح الدین ایوبی اپنی سلطنت کو بہت دُور تک پھیلانا چاہتا ہے۔ تم جیسے سیدھے سادے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکانے کے لیے وہ کہہ رہا ہے کہ وہ قبلۂ اوّل ہے اور وہ مسجد ہے''۔

''ہم اپنے خطیب کے سوا کسی کی بات نہیں سنا کرتے''...... تبریز نے کہا...... ''تم سو جاؤ، میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا''۔

''مجھے نیند نہیں آئے گی''...... وِیرا نے کہا...... ''میں تم سے ڈرتی ہوں، باتیں کرتے رہو...... تمہارا خطیب حمص کا رہنے والا ہے یا کہیں باہر سے آیا ہے''۔

''حمص کا رہنے والا ہے''...... تبریز نے جواب دیا اور اپنا کُرتہ پہن کر لیٹ گیا۔

ویرا کو جاسوسی اور کردار کشی کی ٹریننگ ملی ہوئی تھی۔ دمشق میں اُسے اسی مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا اور اب اسی مقصد کے لیے اُسے حمص لے جایا جا رہا تھا۔ اس نے حمص کے خطیب اور وہاں کے مسلمانوں کے متعلق تبریز سے معلومات لینے کے لیے بہت باتیں کیں لیکن تبریز نے کوئی دلچسپی نہ لی اور بے رُخی کا اظہار کرتا رہا۔ ویرا کا جسم ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ اس کوشش میں تھی کہ اُسے نیند نہ آئے مگر اُس کی آنکھ لگ گئی۔

☆

ویرا کی آنکھ کھلی تو وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ باہر صبح کا دھندلکا تھا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا، تبریز سجدے میں پڑا تھا۔ وہ سجدے سے اُٹھا، پھر سجدہ کیا اور کھڑا ہو گیا۔ وہ صبح کی نماز پڑھ رہا تھا۔ ویرا نے اپنے لباس کا جائزہ لیا۔ اُسے رات نیند نے نہ سونے کے ارادے کے باوجود دبوچ لیا تھا۔ آنکھ کھلی تو وہ تبریز سے ڈر گئی لیکن وہ جس حالت میں سوئی تھی، اُسی حالت میں جاگی اور اُس نے تبریز کو خدا کے حضور سجدے میں پڑے دیکھا۔ اُسے وہ خواب سمجھنے لگی۔ مسلمان کے متعلق اُس کی رائے یہ تھی کہ وحشی قوم ہے لیکن تبریز جیسا تنومند جوان اس کی طرف توجہ ہی نہیں دے رہا تھا۔ جس لڑکی نے ناز و انداز سے سرکردہ مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانس لیا تھا، اُس کے لیے تبریز خواب کی دُنیا کا ہی آدمی ہو سکتا تھا۔

ویرا پاک دامن نہیں تھی۔ بچپن سے اُسے ابلیسیت کی تربیت دی گئی تھی۔ اس کے حسن اور جسم کی کشش کو جادو اثر بنانے کا خاص انتظام کیا گیا تھا۔ جوان ہونے تک بدی اس کی فطرت میں شامل ہو چکی تھی مگر انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ برسوں کی مسلسل عرق ریزی کے بغیر اس کی اصلیت بدل نہیں سکتی، اس پر بہروپ چڑھایا جا سکتا ہے۔ ویرا کو طغیانی نے جو پٹخنیاں دی تھیں اور جس طرح موت کے منہ میں پھینکا تھا، اس سے اس کے جذبات اس پر غالب آ گئے۔ وہ طغیانی سے تو زندہ و سلامت نکل آئی تھی مگر اس کی دہشت سے ابھی تک نہیں نکلی تھی۔ اُس کے ساتھ اُس پر تبریز کی دہشت گردی طاری ہو گئی تھی۔ اس مسلمان جوان سے اسے اور کوئی ڈر نہیں تھا۔ خوف یہ تھا کہ یہ کوئی خانہ بدوش یا بدّو ہوا تو اُسے کسی کے ہاتھ بیچ ڈالے گا۔ وہ بِک جانے کے بعد کی اذیت ناک زندگی سے ڈر رہی تھی۔

رات گزر گئی۔ تبریز نے اُس کے اتنے دِل کش جسم کی طرف توجہ ہی نہ دی۔ وہ بے ہوشی کی نیند سو گئی تو بھی تبریز اُس سے دُور رہا۔ صبح طلوع ہوئی تو اُس کی تھکن ختم ہو چکی تھی اور تبریز کا خوف بھی۔ رات تک وہ اُسے گنوار، بے حس اور مُردہ سمجھتی رہی تھی۔ اب وہ اُسے غور سے دیکھنے لگی۔ تبریز کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ ویرا کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے یہ شخص براہِ راست خدا سے ہم کلام ہو۔ اُسے تبریز کے یہ الفاظ یاد آنے لگے کہ خدا صرف اُن کی مدد کرتا ہے جن کی نیت اور روح پاک ہوتی ہے۔ تب اُسے خیال آیا کہ اس کی اپنی نیت پاک نہیں۔ وہ تبریز کی قوم کے لیے ایک حسین دھوکہ بنی ہوئی ہے۔ اُس لڑکی نے رات کو یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنا آپ تبریز کے حوالے کر کے اُسے کہے گی کہ اس کے عوض حمص پہنچا دو۔

اور روح؟...... ویرا کو زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ اس کا جسم روح سے محروم ہے اور اگر روح ہے بھی تو وہ کردار کی غلاظت میں دب گئی، لیکن روح مرا نہیں کرتی۔ ویرا پر جو گزری تھی، اس سے اُس کی روح بیدار ہو گئی تھی جو اُسے شرم سار کر رہی تھی۔ اُسے تبریز کی شکل و صورت بدلی ہوئی نظر آنے لگی۔ اُس کی نگاہ میں وہ فرشتہ بن گیا جو خدا سے ہم کلام تھا۔ لڑکی کے آنسو نکل آئے تھے۔ جوں جوں آنسو بہتے گئے، اُسے ایسے لگا جیسے اس کا وجود تبریز کے وجود میں سماتا جا رہا ہو۔

تبریز نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ وہ شاید بھول گیا تھا کہ اس کمرے میں کوئی اور بھی ہے، یا یہ کہ لڑکی گہری نیند سوئی ہے۔ اس نے بلند آواز سے کہا...... ”خدائے عزّ و جل! مجھے گناہوں سے دامن پاک رکھنے کی ہمت عطا فرما۔ میری

روح کو اتنی پاکیزگی عطا فرما کہ تیری اتنی خوب صورت امانت کو خیانت کے بغیر منزل تک پہنچا سکوں۔ تیرا یہ بندہ کمزور اور ناتواں ہے۔ مجھے شیطان کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور جرأت عطا فرما''۔

تبریز فرشتہ نہیں تھا۔ وہ انسانی فطرت کی کمزوریوں سے پناہ مانگ رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ منہ پر پھیرے اور گھوم کر دیکھا۔ وِیرا اسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے رخساروں پر آنسو بہے جا رہے تھے۔ تبریز اسے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ لڑکی نے کوئی حرکت نہ کی۔

''باہر جاؤ''...... تبریز نے اُسے کہا...... ''اُس طرف صاف پانی کا چشمہ ہے، منہ دھو آؤ''...... اُس نے اپنے سر پر لپیٹا ہوا موٹے کپڑے کا گز بھر لمبا چوڑا رومال اُتار کر اُسے دیتے ہوئے کہا...... ''منہ اچھی طرح دھوؤ اور بالوں کو بھی جھاڑ پونچھ لو۔ میں تمہیں اُسی روپ میں تمہارے رشتے داروں کے حوالے کرنا چاہتا ہوں جس طرح تم طغیانی میں گرنے سے پہلے تھیں''۔

وِیرا اُس کے ہاتھ سے رومال لے کر ایسے انداز سے باہر نکل گئی جیسے گونگا اور بہرہ بچہ کسی کے اشارے پر چل پڑا ہو۔ تبریز کے پاس کھانے پینے کا جو سامان تھا، وہ گھوڑے کے ساتھ بندھا تھا۔ اب کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ وِیرا کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

☆

وِیرا منہ سر دھو کر واپس آئی تو تبریز کو یوں دھچکا سا لگا جیسے کسی نے اُسے کانٹا چبھو دیا ہو۔ اس سے پہلے وِیرا کے بال مٹی سے اَٹے ہوئے اور جُڑے ہوئے تھے۔ چہرے کا بھی یہی حال تھا۔ اب بال اور چہرہ دُھل گئے تو تبریز جیسے اُسے پہچان ہی نہ سکا۔ وہ ایسے طلسماتی بالوں کو کبھی تصور میں بھی نہیں لا سکا تھا۔ دُور دراز رہنے والے دیہاتی نے ایسا حسن کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چہرہ اتنا ملائم اور آنکھوں میں ایسی دِل کشی اُسے حیران کر رہی تھی۔ تبریز اُس تبریز کے ہاتھ سے نکلنے لگا جو کچھ دیر پہلے خدا کے حضور کھڑا تھا، اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا...... ''کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ ہمیں خالی پیٹ سفر کرنا پڑے گا، چلو''۔

وہ اُٹھنے لگا تو وِیرا نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا...... ''ذرا دیر بیٹھو۔ میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں، کچھ جاننا چاہتی ہوں''...... تبریز رات بھر اس لڑکی کے لیے دہشت بنا رہا تھا، اب اس کی ذہنی کیفیت یہ تھی جیسے یہ لڑکی اُس پر غالب آ گئی ہو۔ کچھ کہے بغیر اُٹھتے اُٹھتے بیٹھ گیا...... ''تم جب خدا کے ساتھ باتیں کر رہے تھے تو خدا تمہیں نظر آ رہا تھا؟''

''خدا ہمیں نظر نہیں آیا کرتا''...... تبریز نے کہا...... ''میں عالم نہیں، اس لیے بتا نہیں سکتا کہ خدا نظر آئے بغیر کس طرح اپنی موجودگی کا احساس دِلاتا ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ خدا میری باتیں، میری دُعائیں سن لیتا ہے''۔

''تمہیں یقین ہے کہ یہ خدا تھا جس نے تمہیں اپنی قوت دی کہ تم نے مجھے طغیانی سے نکال لیا؟'' وِیرا نے پوچھا۔

''ہمیں خطیب نے بتایا ہے کہ روح پاک ہو تو خدا ہر مشکل میں مدد دیتا ہے''...... تبریز نے جواب دیا...... ''اگر میں اس ارادے سے تمہیں بچانے کی کوشش کرتا کہ تم بہت خوب صورت ہو اور تمہیں بچا کر کہیں لے بھاگوں گا تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈوب جاتا''۔

''مگر میری روح پاک نہیں ہے''...... وِیرا نے دُکھیارے سے لہجے میں کہا...... ''خدا نے میری مدد کیوں کی؟ مجھے ڈوبنے سے کیوں بچایا ہے؟''

''حمص چل کے خطیب سے پوچھیں گے''...... تبریز نے کہا...... ''مجھ میں اتنی عقل نہیں''۔

''اور تم نے میرے جسم سے کیوں بے رُخی کی؟''...... وِیرا نے اُس سے پوچھا۔

''اگر میں ایسا کرتا جیسے تمہیں ڈر تھا تو میں تمہارے خنجر سے نہ بچ سکتا''...... تبریز نے جواب دیا...... ''تم خدا کی امانت ہو، اور''...... وہ چپ ہو گیا۔ ذرا دیر بعد بے اختیار بولا...... ''تم بہت ہی خوب صورت ہو وِیرا! آؤ چلیں''...... وہ بے قرار سا ہو کر اُٹھنے لگا۔ وِیرا نے اُسے اُٹھنے نہ دیا۔ تبریز نے کہا...... ''مجھے اپنے قریب زیادہ دیر نہ بیٹھنے دو۔ مجھے اتنے سخت امتحان میں نہ ڈالو لڑکی! مجھے خدا کے حضور سرخرو ہونے دو''۔

''تمہیں اپنے خدا کی قسم!''...... وِیرا نے کہا...... ''مجھے بھی خدا کے حضور سرخرو ہونے کے قابل بناؤ، تم اپنے جیسے انسانوں سے بہت اونچے ہو، تم خدا کے ایلچی ہو''۔

''تم رو کیوں رہی ہو؟''۔

''میں گناہگار ہوں''...... وِیرا نے جواب دیا...... ''خدا مجھ سے ناراض ہے۔ جب اونٹ نے مجھے طغیانی میں گرا دیا تھا تو بھی مجھے خدا یاد نہیں آیا تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ جو کچھ ہے وہ جسم ہے اور مجھے اپنے جسم کو بچانا چاہیے۔ تم مجھے طغیانی سے نکال کر یہاں لے آئے تو بھی میرے سامنے یہی مسئلہ آ گیا کہ مجھے تم سے اپنا جسم بچانا ہے۔ اپنے جسم کو بچانے کے لیے ہی میں نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی۔ میں طغیانی سے بھی بچ گئی۔ تم سے بھی بچ گئی لیکن تمہاری عبادت اور دعا نے مجھے بتایا کہ مجھے بچانے والی قوت کوئی اور تھی۔ مجھے بتاؤ وہ قوت کیا ہے؟ کہاں ہے؟''

''یہ خدا کی قدرت ہے''...... تبریز نے جواب دیا...... ''یہ روح کی پاکیزگی کا کرشمہ ہے''۔

''میری ساری زندگی ایک گناہ ہے''۔

''مجھے صاف لفظوں میں بتاؤ''...... تبریز نے پوچھا...... ''تم رقاصہ ہو؟ امیروں وزیروں کے پاس رہتی ہو؟ میں نے سنا ہے کہ ایسی لڑکیاں بہت خوب صورت ہوتی ہیں۔ میں نے ایسی خوب صورت لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی''۔

وِیرا خاموش رہی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ وہ سرک کر تبریز کے قریب ہو گئی۔ تبریز پرے سرک گیا۔ وِیرا نے کہا...... ''مجھے ڈر آتا ہے۔ طغیانی کی دہشت مجھے ابھی تک ڈرا رہی ہے۔ مجھے اپنے قریب رکھو''۔

''نہیں''...... تبریز نے عجیب سے مُسکراہٹ سے کہا...... ''میرے اتنا قریب نہ آؤ، میں بھٹک جاؤں گا''۔

''دیکھ لیا، میں کتنی گناہگار ہوں؟''...... وِیرا نے کہا...... ''تم اس لیے مجھ سے دُور رہنا چاہتے ہو کہ بھٹک نہ جاؤ۔ میں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے''...... اُس نے دیکھ لیا کہ تبریز کے پاس مذہبی جذبات ہیں اور جذبہ بھی، لیکن اس کی سوچ میں گہرائی نہیں ہے۔ اگر اُسے کسی سانچے میں ڈھالا جائے تو ڈھل جائے گا۔ وِیرا نے اُس کے ساتھ کھل کر باتیں شروع کر دیں۔ کہنے لگی...... ''اگر میں تمہیں کہوں کہ آؤ ہم ساری عمر کے سفر میں اکٹھے رہیں تو کیا جواب دو گے؟''

تبریز نے اس کے چہرے کو دیکھا، ذرا سا مُسکرایا اور سنجیدہ ہو گیا۔ بولا...... ''آؤ چلیں۔ سورج نکل آیا ہے، سفر مشکل ہو جائے گا''۔

وِیرا اپنی ذات میں ایک انقلاب محسوس کر رہی تھی جسے وہ اچھی طرح سمجھ نہ سکی۔ وہ اُس کے ساتھ اُٹھ کر چل پڑی۔ وہ راستے کو کم اور تبریز کو زیادہ دیکھ رہی تھی۔ گذشتہ رات وہ تبریز کو قتل کر کے حمص کو بھاگ جانے کی فکر میں تھی، لیکن وہ اب تیز چلنے سے گریز کر رہی تھی۔ وہ زیادہ سے زیادہ دیر تبریز کے ساتھ رہنے کی خواہش لیے ہوئے تھی۔ ایک بار اُس نے تبریز کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا...... ''آہستہ چلو''۔

''ہمیں آہستہ نہیں چلنا چاہیے''......تبریز نے کہا......''ورنہ ایک اور رات آجائے گی''۔

''آنے دو''۔وِیرا نے کہا......''میں تیز نہیں چل سکتی''۔

''جہاں رہ جاؤ گی، وہاں تمہیں اُٹھا لوں گا''......تبریز نے کہا......''آہستہ نہ چلو''۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی العادل نے صلیبی بادشاہ بالڈوِن کو حماۃ کے قلعے کے باہر بہت بڑی شکست دی تھی جس سے بوکھلا کر بالڈوِن کی فوج بکھر کر پسپا ہوئی تھی۔اس معرکے کی تفصیل سنائی جا چکی ہے۔اس صلیبی بادشاہ نے بڑی مشکل سے اپنی بکھری ہوئی فوج کو یکجا کیا تھا۔تب اسے اندازہ ہوا تھا کہ اس کا کتنا جانی نقصان ہوا ہے۔ اُس کے پاس نصف سے کچھ زیادہ فوج رہ گئی تھی۔وہ تو دمشق تک کے علاقے میں قبضہ کرنے آیا تھا۔اُس کی فوج العادل کے چھاپہ مار حملے میں مری تھی اور جب صلیبی بھاگے تو ان میں سے بہت سے وادیوں اور ویرانوں میں بھٹک گئے تھے۔ان میں سے کئی ایک کو مسلمان گڈریوں، خانہ بدوشوں اور دیہاتیوں نے مار ڈالا اور ان کے ہتھیاروں اور گھوڑوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

جب بالڈوِن نے بچی کھچی فوج کو حماۃ سے دُور ایک جگہ جمع کر لیا تو اُسے بتایا گیا کہ فوج کے وہ سپاہی اور عہدے دار جو اکیلے اکیلے آرہے تھے۔مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے ہیں۔بالڈوِن شکست سے بوکھلایا ہوا تھا، اس اطلاع سے اُس کا غصہ اور تیز ہو گیا۔اُس نے حکم دیا کہ جہاں کہیں مسلمانوں کا کوئی گاؤں نظر آئے، اسے لوٹ لو۔جوان لڑکیاں اُٹھا لاؤ اور گاؤں کو آگے لگا دو۔چنانچہ یہ فوج جب نفری اور دیگر نقصان پورا کرنے اور حملے کی از سرِ نو تیاری کرنے کے لیے پیچھے جا رہی تھی، مسلمانوں کے گاؤں تباہ کرتی گئی۔

اب یہ فوج حمص سے چھ سات میل دور خیمہ زن تھی۔بالڈوِن اس کوشش میں تھا کہ کوئی صلیبی حکمران اُس کے ساتھ تعاون کرے اور اپنی فوج اسے دے دے، جس سے وہ العادل سے شکست کا انتقام لے سکے اور دمشق تک اپنی حکمرانی جسے وہ صلیب کی حکمرانی کہتا تھا، قائم کرنے کا عزم پورا کر سکے۔اسی سلسلے میں وہ ایک اور صلیبی بادشاہ ریجنالٹ آف شاتون کے ہاں گیا ہوا تھا۔

وِیرا کی تلاش سے مایوس ہو کر بوڑھا عیسائی اور اُس کے ساتھی رات بھر چلتے رہے اور صبح حمص پہنچے۔قافلے کے دوسرے لوگ بھی پہنچ گئے تھے۔ان میں سے کوئی بھی حمص کا نہیں تھا، انہیں آگے جانا تھا۔تبریز کا گھوڑا اُن کے ساتھ تھا۔ انہوں نے گھوڑا ایک مسجد کے امام کے حوالے کر کے بتایا کہ اس کا مالک حمص کا رہنے والا تھا۔وہ طغیانی میں گھوڑے سے گر کر ڈوب گیا تھا اور گھوڑا باہر آگیا تھا۔تھوڑی دیر بعد گھوڑا پہچان لیا گیا۔جب گھوڑا تبریز کے گھر پہنچا تو وہاں کہرام بپا ہو گیا۔

وہاں ایک یہودی تاجر کا گھر تھا۔یہ ایک دولت مند یہودی تھا۔وہ جو اپنے آپ کو وِیرا کا باپ کہتا تھا، اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس یہودی کے گھر میں بیٹھا تھا۔وہ بتا چکا تھا کہ وِیرا ڈوب گئی ہے۔سب افسوس کا اظہار کر رہے تھے لیکن اُن کا مسئلہ افسوس کرنے سے حل نہیں ہو سکتا تھا۔بوڑھے نے یہودی میزبان سے پوچھا کہ حمص کے مسلمانوں کی سرگرمیاں اور عزائم کیا ہیں۔

''بہت خطرناک''......میزبان نے جواب دیا......''انہیں باقاعدہ ٹریننگ دی جا رہی ہے اور یہ قصبہ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کا اڈہ بنتا جا رہا ہے۔خطیب صرف خطیب نہیں فوج کا کمان دار اور اُستاد معلوم ہوتا ہے''۔

''اگر اسے قتل کرا دیا جائے تو کیا فائدہ ہوگا؟''......بوڑھے عیسائی نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں''...... یہودی تاجر نے جواب دیا......''اس کا نقصان یہ ہوگا کہ مسلمان ہم پر شک کر کے ہم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ یہ قصبہ ان کی سلطنت میں ہے''۔

''یہاں جو عیسائی اور یہودی گھرانے ہیں، کیا اُن کی لڑکیاں کچھ نہیں کر سکتیں؟''...... بوڑھے نے پوچھا۔

''آپ جانتے ہیں کہ اس کام کے لیے کتنی ٹریننگ اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے''...... میزبان نے جواب دیا......''ہماری لڑکیوں میں کوئی ایک بھی اتنی چالاک نہیں''۔

''اور آپ ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں کے مسلمان جنگی ٹریننگ حاصل نہ کریں؟''...... بوڑھے نے پوچھا۔

''آپ کیا حکم لے کر آئے ہیں؟''...... میزبان نے پوچھا۔

''حکم تو بڑا صاف ہے''...... بوڑھے نے کہا......''ان مسلمانوں کو آپس میں ٹکرانا اور انہیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف کرنا ہے۔ وِیرا کے لیے یہ کام مشکل نہیں تھا۔ اس کے بغیر یہ مہم ممکن نہیں رہی۔ ہمیں دو لڑکیاں یہاں لانی پڑیں گی''۔

''وقت کم ہے''...... میزبان نے کہا......''آپ جانتے ہیں کہ رملہ کی لڑائی کو کتنے مہینے گزر چکے ہیں جس میں صلاح الدین ایوبی کو شکست ہوئی تھی۔ آپ اگر حقیقت کو قبول کریں تو یہ شکست صلاح الدین ایوبی کے عزم اور جذبے کا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔ وہ سنبھل چکا ہے اور اس نے فوج تیار کر لی ہے۔ قاہرہ سے جاسوس جو خبریں بھیج رہے ہیں، وہ اچھی نہیں۔ صلاح الدین ایوبی قاہرہ سے کوچ کرنے والا ہے۔ ابھی یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کس طرف کوچ کرے گا اور کہاں حملہ کرے گا۔ اِدھر اُس کے بھائی العادل کو دمشق سے کمک مل گئی ہے۔ اس نے شاہ بالڈون کو ایسی شکست دی ہے کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی شاہ بالڈون سنبھل نہیں سکا۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی شب خون اور چھاپوں کی جنگ لڑتا ہے۔ ہماری فوجوں کی رسد اُس سے محفوظ نہیں رہتی۔ اگر حمص کے مسلمانوں نے اسے چھاپہ ماروں کے لیے اڈہ مہیا کر دیا تو یہ لوگ ہماری رسد اور آگے جانے والی کمک کے لیے مصیبت بن جائیں گے......

''اِن حالات میں آپ کا یہ طریقۂ کار بالکل بے کار ثابت ہوگا کہ تربیت یافتہ لڑکیوں کو یہاں لا کر مسلمانوں میں رقابت پیدا کی جائے اور اُن کی کردار کشی کی جائے۔ اس کے لیے حالات اور مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ میں آپ کے اُن افسروں پر حیران ہوں جنہوں نے ایک لڑکی یہاں بھیجی تھی''۔

''پھر کیا کیا جائے؟''

''صفایا''...... میزبان نے اپنے ہاتھ کو تلوار کی طرح دائیں بائیں جنبش دے کر کہا......''پورے قصبے کو آبادی سمیت ختم کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں ہم بھی یہاں نہیں رہ سکیں گے۔ ہم اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کو یہاں سے پہلے نکال دیں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ صلیبی بادشاہ ہمیں کسی دوسری جگہ آباد کرنے میں مدد دیں گے اور ہمارا مالی نقصان پورا کر دیں گے۔ میں یہودی ہوں۔ میں ہیکل سلیمانی کی خاطر اپنا گھر تباہ کرانے میں تیار ہوں''۔

''لیکن اس قصبے کی تباہی کا انتظام کیا ہوگا؟''...... بوڑھے نے پوچھا......''اس کے لیے فوج کی ضرورت ہے''۔

''فوج موجود ہے''...... یہودی نے کہا......''شاہ بالڈون کی فوج پانچ چھ میل دُور خیمہ زن ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ اس فوج نے پسپائی کے راستے میں آنے والی تمام مسلمان بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اس سے حمص بھی تباہ کرایا جا سکتا ہے۔ میں آج ہی روانہ ہو جاؤں گا اور شاہ بالڈون کو بتاؤں گا کہ ہمارا قصبہ اس کی فوج کے لیے کس قدر خطرناک ہے''۔

''مقصد یہ نہیں کہ قصبہ تباہ کرایا جائے''...... بوڑھے نے کہا......''بلکہ یہ یہاں کے کسی مسلمان کو زندہ نہ

رہنے دیا جائے''۔

''اور لڑکیوں کو فوج اُٹھا لے جائے''۔

سب متفق ہو گئے اور فیصلہ ہوا کہ میزبان یہودی اُسی رات شاہ بالڈوِن کی خیمہ گاہ کو روانہ ہو جائے۔ وہ باہر نکلے تو انہیں ایک گھوڑ سوار قصبے میں داخل ہوتا نظر آیا۔ وہ کوئی اجنبی تھا۔ خطیب کا گھر نظر آ رہا تھا۔ یہ سوار خطیب کے گھر کے سامنے گھوڑے سے اُترا۔ دروازے پر دستک دی۔ خطیب باہر آیا۔ اجنبی سے ہاتھ ملایا اور اسے اندر لے گیا۔

''یہ سوار دمشق یا قاہرہ کا قاصد ہے''...... میزبان یہودی نے کہا۔

☆

عشاء کی نماز کے بعد نمازی چلے گئے۔ پانچ چھ آدمی خطیب کے پاس بیٹھے رہے۔ ان میں یہ اجنبی گھوڑ سوار بھی تھا۔ خطیب نے کسی سے کہا کہ مسجد کا دروازہ اندر سے بند کر دیا جائے۔

''میرے دوستو!''...... خطیب نے کہا...... ''ہمارا یہ دوست الملک العادل کی طرف سے خبر لایا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی بہت جلد قاہرہ سے کوچ کرنے والے ہیں۔ آپ سب فوجی ہیں اور شب خون کے اُستاد ہیں۔ آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔ تربیت اور مشق تیز کر دو۔ العادل نے یہ اطلاع بھیجی ہے کہ صلیبی بادشاہ بالڈوِن کی فوج جو حماۃ سے بھاگ گئی تھی، ہمارے قریب کہیں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ ہمیں اس پر نظر رکھنی ہے اور اس کی نقل و حرکت کی اطلاع العادل تک پہنچانی ہے۔ انہوں نے یہ حکم بھی بھیجا ہے کہ اگر ہم ضروری سمجھیں تو صلیبیوں کی اس فوج پر شب خون ماریں یا چھاپہ مار کارروائیاں جاری رکھیں تاکہ یہ فوج چین سے نہ بیٹھ سکے......

''اس کے ساتھ ہی العادل نے یہ بھی کہا کہ اس فوج نے مسلمانوں کے بہت سے گاؤں تباہ کر دیئے ہیں۔ چونکہ العادل کے پاس فوج کی کمی تھی، اس لیے صلیبی فوج کا تعاقب نہ کیا جا سکا۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر بالڈوِن کی فوج اور پیچھے اپنے علاقے میں چلی جاتی ہے تو اُسے نہ چھیڑا جائے، کیونکہ خطرہ ہے کہ وہ حمص کو تباہ کر دے گی۔ ہمیں تربیت اور مشق تیز کرنے کو کہا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے سلطان ایوبی کسی طرف حملہ کریں تو بالڈوِن اُن پر عقب یا پہلو سے حملہ کر دے۔ اس صورت میں ہمیں بالڈوِن کے عقب پر شب خون مارنے ہیں اور اُسے یہیں اُلجھائے رکھنا ہے''۔

خطیب نے ایک آدمی کو یہ کام سونپا کہ وہ اس فوج کو دیکھ آئے۔

اُس وقت تبریز اور وِیرا اس حالت میں قصبے میں داخل ہوئے کہ وِیرا تبریز کی پیٹھ پر تھی۔ راستے میں پانی تو مل گیا تھا لیکن کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا۔ وِیرا صلیبیوں کی شہزادی تھی۔ وہ پیدل سفر کی عادی نہیں تھی۔ تبریز رات کے لیے کہیں رُکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے وِیرا کو پیٹھ پر اُٹھا لیا اور باقی سفر اسی طرح طے کیا۔ اُس نے لڑکی کو اپنے گھر کے سامنے اُتارا اور اُسے اندر لے گیا۔ اس کے گھر والوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ تبریز زندہ ہے۔ اس کا گھوڑا پہلے ہی گھر پہنچ چکا تھا۔ اُس نے گھر والوں کو بتایا کہ اس پر کیا بیتی ہے۔

وِیرا کو معلوم تھا کہ اس کی منزل یہودی تاجر کا گھر ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اس کے گھر فوراً جانا چاہتی ہے۔ شاید اس کا باپ زندہ آ گیا ہو۔ تبریز اس کے ساتھ گیا۔ اُسے یہودی تاجر کا گھر معلوم تھا۔ راستے میں اندھیرا تھا۔ وِیرا اچانک رُک گئی اور تبریز سے لپٹ گئی۔ کبھی چہرہ اُس کے سینے پر رگڑتی اور کبھی اُس سے الگ ہو کر اُس کے ہاتھ چومتی اور آنکھوں سے لگاتی۔

''ہماری منزل جدا ہیں''...... وِیرا نے جذبات اور رقت سے بوجھل آواز میں کہا...... ''مگر ہم کسی دوراہے پر پھر

ملیں گے۔ میں اپنی روح سے بیگانہ تھی، وہ مل گئی ہے اور میں نہیں جانتی تھی محبت کیا ہے؟، وہ تم نے دے دی ہے۔ دل میں تمہاری یاد لے کے جا رہی ہوں۔ تم مجھے بھول جاؤ گے''۔

''نہیں وِیرا''...... تبریز کی جذباتی کیفیت وِیرا سے زیادہ متزلزل تھی۔ کہنے لگا...... ''میں تمہیں بھول نہیں سکوں گا۔ میں نے تمہیں راستے میں کہا تھا کہ اب تک ایک باطل مذہب کی پجاری رہی ہو، باقی عمر اسلام کے سائے میں گزارو۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ میرے دِل میں اب کوئی لڑکی نہیں سما سکے گی۔ تم اب اسی قصبے میں رہو گی۔ ہم ملا کریں گے لیکن وہاں جہاں کوئی دیکھ نہ سکے''۔

تبریز نے امانت میں خیانت نہیں کی تھی۔ دورانِ سفر یہ لڑکی اُس کی مرید ہو گئی تھی۔ پھر یوں ہوا کہ لڑکی تبریز کے دِل میں اُتر گئی۔ اب وہ دِل پر پتھر رکھ کر اسے یہودی کے حوالے کرنے جا رہا تھا...... وہ جب اُسے یہودی کے گھر لے گیا تو وہاں اُسے بوڑھا عیسائی ملا۔ اُس نے وِیرا کو گلے لگا لیا۔ یہودی تاجر گھر نہیں تھا۔ وہ فیصلے کے تحت شاہ بالڈوِن کی خیمہ گاہ کو روانہ ہو گیا تھا۔ تبریز بوڑھے کے اصرار کے باوجود وہاں رُکا نہیں۔ وہاں سے وہ مسجد چلا گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے دستک دی، دروازہ کھلا تو وہ اندر چلا گیا۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک سال کے اندر اپنی فوج تیار کر لی تھی۔ اس نے مزید انتظار نہ کیا، جس رات حمص کا ایک یہودی تاجر شاہ بالڈوِن سے یہ کہنے جا رہا تھا کہ وہ اپنی فوج سے حمص کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دے، اُس رات سلطان ایوبی کی فوج قاہرہ سے نکل گئی تھی۔ اس کی منزل دمشق تھی۔ کوچ بہت تیز تھا۔ سلطان ایوبی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس دور کے وقائع نگاروں کے مطابق، سلطان ایوبی دمشق قیام کر کے وہاں کے حالات، غداریوں اور سازشوں کا جائزہ لے کر اور ان کا سدِ باب کر کے العادل سے ملنا چاہتا تھا اور وہاں سے اُسے جنگی کارروائی کا آغاز کرنا تھا مگر راستے میں ہی اُس نے راستہ بدل دیا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اُسے عزالدین کا ایک ایلچی راستے میں ملا۔ وہ سلطان ایوبی کے نام قاہرہ پیغام لے کر جا رہا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ سلطان ایوبی وہاں سے کوچ کر آیا ہے۔ آدھے راستے میں اس نے ایک فوج آتی دیکھی۔ جھنڈوں سے پہچانا گیا کہ یہ سلطان ایوبی کی فوج ہے۔ وہ قلب میں چلا گیا جہاں سلطان ایوبی تھا۔ ایلچی نے اُسے عزالدین کا پیغام دیا۔ عزالدین نورالدین زنگی مرحوم کے مشیروں میں سے تھا، جسے امیر کا درجہ حاصل تھا۔ وہ مردِ مومن تھا۔ اس لیے زنگی کا منظورِ نظر تھا۔ زنگی نے وفات سے پہلے اسے حلب کے صوبے میں قار احصار کے نام کا قلعہ دے کر اُس کا امیر بنا دیا تھا۔ خاصا علاقہ اس قلعے کے تحت آتا تھا۔ اس سے ملحق ابن لاعون کی ریاست تھی جو صلیبیوں کے ساتھ صلیبی اور مسلمانوں کے ساتھ مسلمان بن جاتا تھا۔ اُس نے صلیبیوں کی شہ پر عزالدین کے علاقے میں سرحدی جھڑپوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ عزالدین اکیلا اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ حلب اور موصل والوں سے مدد نہیں لینا چاہتا تھا کیونکہ جب سے حلب اور موصل کے حکمرانوں الملک الصالح اور سیف الدین وغیرہ نے سلطان ایوبی کے خلاف محاذ قائم کیا تھا عزالدین نے اُن کے ساتھ تعلقات توڑ لیے تھے۔

اُس نے سلطان ایوبی کو جو پیغام بھیجا، وہ یوں تھا...... ''قابلِ احترام سلطان صلاح الدین ایوبی بن نجم ایوب سلطان مصر و شام! آپ پر اور سلطنتِ اسلامیہ پر اللہ کی رحمت ہو۔ میری وفاداری کے متعلق آپ کو شک نہیں ہو گا۔ میں نے تل خالد کی طرف سے صلیبیوں کا راستہ روک رکھا ہے۔ تمام تر علاقہ اور پیش قدمی کے راستے میں میرے چھاپہ ماروں

کی نظر میں رہتے ہیں۔ صلیبیوں نے مجھے راستے سے ہٹانے کے لیے ابن لاعون کے ساتھ گٹھ جوڑ کرلیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میری سرحد اس علاقے سے ملتی ہے جو دراصل آرمینیوں کا علاقہ ہے۔ ان آرمینیوں نے میری سرحدی چوکیوں پر حملے شروع کردیئے ہیں۔ آپ آگاہ ہوں گے میرے پاس فوج کی کمی ہے۔ صلیبیوں اور آرمینیوں نے میرے پاس دو بار ایلچی قیمتی تحائف کے ساتھ بھیجے تھے۔ وہ مجھے دعوت دے رہے ہیں کہ میں اُن کا اتحادی بن جاؤں اور آپ کے خلاف لڑوں۔ انکار کی صورت میں انہوں نے مجھے حملے کی دھمکی دی ہے......

''میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اپنی زمین کے تحفظ کے لیے یہ دعوت قبول کرلیتا۔ یہ جگہ اتنی دُور ہے کہ وقت پڑے تو مدد کو آنے والے بروقت نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے باوجود میں نے اُس کی دعوت کی بجائے اُن کی دھمکی قبول کی ہے اور میں نے یہ اقدام اللہ کے بھروسے پر کیا ہے۔ میں اپنا قلعہ اور اپنا علاقہ اور اس کے ساتھ اپنی جان قربان کردوں گا، صلیبیوں کے ساتھ اتحاد نہیں کروں گا۔ میں نورالدین زنگی مرحوم کی روح کے آگے جواب دہ ہوں اور میں اُن لاکھوں شہیدوں کے آگے جواب دہ ہوں جو قبلۂ اوّل کے نام پر قربان ہو چکے ہیں...... مجھے معلوم نہیں کہ آپ کا آئندہ اقدام کیا ہوگا۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ رملہ کے حادثے کے بعد آپ تنظیم نو اور دیگر تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ محترم الملک العادل میری مدد کو آنے کے قابل نہیں۔ میں آپ کو اپنے احوال سے خبردار رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اپنے علاقے اور قارا حصار سے دست بردار ہو کر اپنی فوج آپ کے پاس لے آؤں۔ دوسری صورت میں مجھے ہدایت دیں کہ میں کیا کروں۔ میں کسی قیمت پر صلیبیوں اور آرمینیوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کروں گا''۔

سلطان ایوبی نے یہ پیغام پڑھا۔ اُسی وقت اپنے سالاروں اور مشیروں کو بلایا۔ پیغام انہیں پڑھ کر سنایا اور یہ حکم دے کر سب کو حیران کردیا کہ کوچ کا راستہ بدل دو۔ ہم ابن لاعون کے علاقے پر یلغار کریں گے۔ سلطان ایوبی ڈکٹیٹروں کی طرح حکم نہیں دیا کرتا تھا اور وہ جذبات سے مغلوب ہو کر بھی کوئی جنگی کارروائی نہیں کیا کرتا تھا مگر اس حکم کے پیچھے جنگی فہم و فراست کے ساتھ جذبات بھی کارفرما تھے۔

''قارا حصار میرے محترم استاد نورالدین زنگی مرحوم کی نشانی ہے''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اور عزالدین کے الفاظ میں مجھے زنگی مرحوم کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ میں اس شخص کو تنہا نہیں رہنے دوں گا جو ہمارے مقصد اور عزم کے ساتھ وفاداری کا اظہار کرتا ہے''۔

''سلطانِ محترم!'' ایک سالار نے کہا...... ''ہم حقائق کو سامنے رکھیں تو کسی بہتر فیصلے پر پہنچ سکیں گے''۔

''حقائق یہ ہیں کہ ہمیں پہلے دمشق جا کر وہاں کے حالات کا جائزہ لینا تھا''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''اب اگر ہم دمشق چلے گئے تو ابن لاعون تل خالد پر حملہ کردے گا اور عزالدین اُس کے آگے نہیں ٹھہر سکے گا۔ آگے حلب ہے۔ تم سب الملک الصالح اور اُس کے مشیروں کو اچھی طرح جانتے ہو۔ بے شک وہ اس معاہدے کا پابند ہے جو اُس نے ہمارے ساتھ کر رکھا ہے، لیکن معاہدہ لوہے کی دیوار نہیں ہوتی کہ ٹوٹ نہ سکے۔ وہ فوراً صلیبیوں کے ساتھ سمجھوتہ کر کے ایک بار پھر ہمارے خلاف لڑنے کو آجائے گا۔ میں صلیبیوں کو حلب نہیں لینے دوں گا اور عزالدین کو میں اکیلا نہیں چھوڑوں گا''۔

کچھ دیر عملی پہلوؤں پر بحث مباحثہ ہوا اور طے ہوا کہ تل خالد کی سمت کوچ ہوگا۔ سلطان ایوبی نے عزالدین کے ایلچی کو زبانی پیغام دیا جس میں کہا کہ عزالدین ابنِ لاعون سے ملے اور اُسے دوستی کا دھوکہ دے لیکن اُسے اپنے علاقے میں خلل انداز نہ ہونے دے۔ اُس کے ساتھ دوستی کی شرائط پر بات چیت کرتا رہے اور اُسے یہاں تک دھوکہ دے کہ وہ اپنی

فوج اُس کے حوالے کر دے گا۔ سلطان ایوبی نے ایلچی کو بتا دیا کہ اُس نے اپنی فوج کو تل خالد کی طرف تیز کوچ کا حکم دے دیا ہے۔ ایلچی روانہ ہو گیا۔

☆

صلیبی جاسوس سلطان ایوبی کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے اور صلیبیوں تک خبریں پہنچا رہے تھے، جن کے مطابق انہوں نے اپنے قلعوں اور اپنے علاقوں کا دفاع مضبوط کر لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ سلطان ایوبی کے اقدامات کے متعلق کوئی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی۔ صلیبیوں کے مشترکہ ہیڈ کوارٹر میں جب جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ سلطان ایوبی کی فوج دمشق کے راستے سے ہٹ کر کسی دوسری سمت جا رہی ہے تو اُن کے جرنیلوں نے کہا کہ ایوبی اپنے آزمائے ہوئے میدانوں میں لڑنا چاہتا ہے۔

حمص کا یہودی تاجر جو حمص کو تباہ کرانے کے لیے شاہ بالڈوِن کے پاس گیا تھا، واپس آ گیا تھا۔ اُسے بالڈوِن نہیں ملا تھا۔ وہ اپنے صلیبی دوستوں سے مدد مانگنے گیا تھا۔ اُس کے جرنیلوں نے یہودی سے کہا تھا کہ وہ شاہ بالڈوِن کے حکم کے بغیر کوئی اقدام نہیں کر سکتے، کریں گے ضرور۔ یہودی حمص واپس آیا تو اُسے بتایا گیا کہ وِیرا زندہ آ گئی ہے اور اسے تبریز نام کا ایک مسلمان لایا ہے۔ تبریز کو عیسائیوں اور یہودیوں نے نقد انعام پیش کیا تھا جو اُس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا تھا کہ اُس نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔

اب یہودی تاجر وِیرا کو بے کار سمجھتا تھا کیونکہ قصبے کو تباہ کرانے کا انتظام ہو چکا تھا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ وِیرا کو واپس ہیڈ کوارٹر میں بھیج دیا جائے، لیکن وِیرا چالاک لڑکی تھی۔ اُس نے کہا کہ وہ خطیب کے اعصاب پر غالب آ جائے گی اور مسلمانوں کو جنگی تربیت دینے والوں کے درمیان رقابت کی دشمنی پیدا کر دے گی۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ یہاں کے مسلمانوں کے عزائم معلوم کرنے کے لیے بھی اُس کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اُسے حمص ہی میں رہنے دیا گیا لیکن کسی کو پتہ نہ چلا کہ وہ صرف تبریز کی خاطر وہاں کچھ دن اور رُکنا چاہتی ہے۔

وہ تبریز سے ملتی رہی۔ رات کو وہ قصبے سے دُور نکل جاتے اور بہت دیر وہیں بیٹھے رہتے تھے۔ اس صلیبی لڑکی کے مقابلے میں تبریز کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ وہ تو اُمراء، وزراء اور بادشاہوں کے محلات میں رہنے والی لڑکی تھی۔ دمشق میں اُس نے انتظامیہ کے دو اُمراء کو اپنے قدموں میں بٹھا لیا تھا اور اُن کے ہاتھوں ایسی سازش تیار کرا دی تھی جس کی اطلاع پر سلطان ایوبی دمشق جا رہا تھا مگر طغیانی کی دہشت اور تبریز کے کردار نے اُسے ایسا جھٹکا دیا تھا کہ اُس کی ذات میں روح اور جذبات بیدار ہو گئے تھے۔ وہ تبریز کی پوجا کرنے لگی تھی اور تبریز اس کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔

''تبریز ایک بات بتاؤ''۔ ایک رات وِیرا نے اُس سے پوچھا..... ''خطیب اور دوسرے چند ایک آدمی جو تمہیں جنگی تربیت دیتے ہیں، وہ کہاں سے آئے ہیں؟''

تبریز جواب دینے لگا تو وِیرا بول اُٹھی..... ''رہنے دو، جانے دو تبریز! ہمیں اس سے کیا، کوئی کچھ کرتا پھرے۔ ہم اتنی خوب صورت رات کو جنگ کی باتوں سے کیوں مکدر کریں''۔

اس طرح وہ دو حصوں میں کٹ گئی تھی۔ تبریز کے ساتھ ہوتی تو وہ معصوم اور پاک لڑکی ہوتی تھی۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ وہ جاسوس ہے۔ اس نے ایک ہی بار تبریز سے خطیب اور دوسرے استادوں کے متعلق پوچھا لیکن اُسے اس نے دھوکہ سمجھا اور تبریز کو جواب دینے سے روک دیا۔ یہی وِیرا جب یہودی تاجر کے گھر میں بیٹھی ہوتی تو مسلمانوں کی تباہی

کی باتیں کرتی تھی۔

☆

ڈیڑھ دو مہینے گزر گئے تھے۔ ایک شام وِیرا تبریز کے گھر چلی گئی اور اُس کی ماں کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ اُس نے تبریز کو اشارہ کیا جسے وہ سمجھتا تھا۔ وہ چلی گئی۔ شام کا اندھیرا گہرا ہوتے ہی تبریز اُس جگہ پہنچ گیا، جہاں وہ ملا کرتے تھے۔ وِیرا آ گئی تھی۔ تبریز کو قصبے سے دُور لے گئی۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ تبریز کے پوچھنے پر بھی اُس نے نہ بتایا کہ اُس کی گھبراہٹ کی وجہ کیا ہے۔ انہیں آوازیں سنائی دیں۔ کوئی وِیرا کو پکار رہا تھا۔ تبریز نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ وِیرا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا کہ اُس کے آدمی اُسے تلاش کر رہے ہیں...... ''چلو اور دُور نکل چلیں'' ...... وِیرا نے کہا اور اُسے اور دُور لے گئی۔ اُسے ابھی تک کوئی پکار رہا تھا۔

''اِن آوازوں کو مت سنو تبریز!'' وِیرا نے کہا...... ''میں جب تمہارے پاس ہوتی ہوں تو میں اپنے کسی آدمی کی آواز نہیں سننا چاہتی''۔

آگے چٹانیں تھیں۔ وِیرا تبریز کو چٹانوں کے پیچھے لے گئی۔ تبریز حیران سا ہو کے اُس کے ساتھ چلتا رہا، اور وہ ایک جگہ رُک گئے، وہاں کسی کی آواز نہیں پہنچی تھی...... تبریز چونک اُٹھا اور بولا...... ''شور سا سنائی دیتا ہے۔ تم بھی سننے کی کوشش کرو۔ ایسے لگتا ہے جیسے چیخ و پکار ہو رہی ہے اور گھوڑے دوڑ رہے ہیں''۔

''تمہارے کان بج رہے ہیں''۔ وِیرا نے ہنس کر کہا...... ''ہوا کے تیز جھونکے چٹانوں سے ٹکرا کر گزر رہے ہیں۔ یہ ان کی آوازیں ہیں''۔

وِیرا نے اُسے اپنے بازوؤں اور ریشمی بالوں میں گرفتار کر کے اُس کی آنکھوں، کانوں اور عقل پر قبضہ کر لیا۔ تبریز مان گیا کہ یہ آوازیں ہوا کی ہیں جو بہت دُور کے شور کی طرح سنائی دیتی ہیں مگر اُسے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ آوازیں اُس کی اپنی بستی کے لوگوں کی ہیں اور وہاں قیامت بپا ہو چکی ہے جو یہودی تاجر بپا کرانا چاہتا تھا۔ وِیرا کو معلوم تھا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ آوازیں تبریز کے کانوں تک پہنچیں۔

یہ انتظام اس طرح ہوا تھا کہ یہودی تاجر ایک بار پھر بالڈوِن سے ملنے گیا تھا۔ اُسے بالڈوِن مل گیا تھا۔ یہودی نے اُسے بتایا کہ حمص کے مسلمان کیا کر رہے ہیں اور وہ کس طرح صلیبی فوج کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ بالڈوِن کا یہ من پسند شکار تھا۔ اُس نے یہودی کو بتایا کہ وہ کسی رات چپکے سے حمص پر حملہ کرائے گا۔ اس نے یہودی سے یہ بھی کہا کہ عیسائی اور یہودی اُس رات حملے سے پہلے قصبے سے نکلیں، اگر وہ دن کے دوران نکلے تو مسلمانوں کو شک ہوگا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔

یہودی نے واپس آ کر جب اپنے آدمیوں کو یہ سکیم بتائی تو وِیرا نے کہا کہ وہ تبریز اور اس کے کنبے کو بچانا چاہتی ہے۔

''اسے ہم صلیب سے غداری کہیں گے''۔ بوڑھے عیسائی نے کہا۔

''سانپ کے بچوں کو بچانا کہاں کی عقل مندی ہے؟'' یہودی تاجر نے کہا۔

''یہاں مسلمانوں کے دو گھر ایسے ہیں جن کے ساتھ میرے دِلی تعلقات ہیں''۔ وہاں کے رہنے والے ایک عیسائی نے کہا۔ ''لیکن میں انہیں بچانے کی نہیں سوچ رہا، ہمیں مسلمان کا خون چاہیے۔ مسلمان میرا ذاتی دوست ہو سکتا ہے، میرے مذہب کا وہ دشمن ہی ہوگا''۔

''[illegible] نے مجھے موت کے منہ سے نکالا تھا''۔ وِیرا نے غصے سے کہا۔

''ہم نے اُسے اتنا انعام پیش کیا تھا جو اُس نے کبھی خواب میں نہیں دیکھا ہوگا۔'' یہودی تاجر نے کہا۔ ''اُس نے کہا کہ اُس نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ ہم نے اُسے انعام پیش کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب وہ ہمارا دشمن اور ہم اُس کے دشمن ہیں''۔

''میں اُسے دشمن نہیں سمجھتی''۔ وِیرا نے جھنجھلا کر کہا...... ''یہ صرف ایک مرد ملا ہے جس نے میرے جسم پر ذرّہ بھر توجہ نہیں دی۔ تم سب گنہگار ہو، تم میں کون ہے جس کی نیت میرے حق میں صاف ہے۔ میری آنکھوں میں اپنے چہرے دیکھو''۔

''تم صرف تبریز کو بچالو''۔ یہودی تاجر نے کہا...... ''لیکن اُسے کیسے بچاؤ گی؟ اگر تم نے اُسے بتایا کہ کیا ہونیوالا ہے تو وہ ساری آبادی کو نہیں بتا دے گا؟ اور اگر تم اس کے پورے کنبے کو گھر سے نکل جانے کو کہو گی تو وہ وجہ نہیں پوچھیں گے؟ تم کیا بتاؤ گی؟ تم ایک مسلمان کو نیکی کا صلہ دیتے دیتے، ان تمام مسلمانوں کو چوکنا کر دو گی جو ہمارے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں''۔

''مجھے اناڑی نہ سمجھو''۔ وِیرا نے کہا...... ''میں صلیب کو دھوکہ نہیں دوں گی''۔

حملے کی شام وِیرا تبریز کے گھر گئی اور اُسے باہر لے گئی۔ اُس کے آدمیوں کو معلوم تھا کہ رات کو وہ اکثر کہاں چلی جاتی ہے۔ اُس نے انہیں بتا رکھا تھا کہ تبریز کو محبت کا دھوکہ دے کر وہ اس سے بھید لیتی ہے۔ وہ اُسے باہر لے گئی تو قصبے سے عیسائی اور یہودی دبے پاؤں نکلنے لگے۔ انہوں نے وِیرا کی تلاش میں ایک آدمی بھیجا جو اُسے پکارتا رہا، لیکن وِیرا تبریز کو دُور ہی دُور لے جاتی رہی۔ وہ اُسے اتنی دُور لے جانا چاہتی تھی جہاں سے اُسے قصبے کا شور نہ سنائی دے۔ وِیرا کی تلاش میں جو آدمی گیا تھا وہ مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔

☆

قصبے پر نیند کا غلبہ طاری ہو چکا تھا۔ صلیبی فوج کے پیادے دبے پاؤں قریب آگئے تھے۔ ان کی تعداد قصبے کی آبادی سے کئی گنا زیادہ تھی۔ پیادہ فوج بالکل قریب آگئی تو عقب سے گھوڑ سوار بھی آگئے۔ مسلمان گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ فوج نے طغیانی کی طرح یلغار کر دی۔ فوجیوں نے مشعلیں جلائی تھیں۔ دو تین جھونپڑوں کو آگ لگا دی گئی تاکہ روشنی ہو جائے۔ صلیبی سپاہی دیواریں پھلانگ کر گھروں میں داخل ہوئے۔ زیادہ تر مسلمان جاگنے سے پہلے ہی مارے گئے۔ جو بروقت جاگ اُٹھے اور ہتھیار اُٹھا سکے، انہوں نے مقابلہ کیا۔ بعض لڑکیوں نے خودکشی کر لی۔ صلیبی گھوڑ سواروں نے قصبے کو گھیر رکھا تھا۔ کسی کو باہر کو بھاگتا دیکھتے تھے تو اُسے برچھی یا تلوار کا شکار کر لیتے تھے۔

یہ تھی وہ چیخ و پکار اور شور جو چٹانوں میں بیٹھے ہوئے تبریز نے سنا تھا۔ اُس کا گھر تباہ ہو چکا تھا۔ بچہ بچہ کٹ گیا تھا۔ شاہ بالڈون نے مسلمانوں کی اس بستی سے بھی اپنی شکست کا انتقام لے لیا تھا۔

''تم آج مجھے اتنی دُور کیوں لے آئی ہو؟'' تبریز نے پوچھا اور کہا...... ''تم آج بولتی کیوں نہیں؟ گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟''

''اس لیے کہ تم میرا ساتھ نہیں دو گے''۔ وِیرا بہت ہوشیار لڑکی تھی۔ کہنے لگی...... ''میں تمہیں کہیں اور لے جا رہی ہوں...... '' اُسے خاموش دیکھ کر بولی۔ ''کل واپس آجائیں گے''۔

''کہاں؟''

''کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں؟'' وِیرا نے اُسے بازوؤں میں لے کر اُس کا چہرہ اتنا قریب کر لیا کہ اُس کے

بکھرے ہوئے ریشمی بال تبریز کے گالوں کو چھونے لگے۔ یہ وہی بال تھے، جنہیں مُلف میں ڈھلا ہوا دیکھ کر تبریز نے اپنی ذات میں عجیب سالرزہ محسوس کیا تھا۔ اب تو وِیرا کی محبت اُس کے دِل میں دُور تک اُتر گئی تھی۔ اُس پر خمار سا طاری ہو گیا......

''ہم کب تک چوروں کی طرح ملتے رہیں گے؟ میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اگر تمہارے دِل میں میری محبت ہے تو مجھ سے ابھی یہ نہ پوچھو کہ میں تمہیں کہاں لے جا رہی ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ ہم وہاں چلیں گے جہاں ہمارے درمیان مذہب کی دیواریں حائل نہیں ہوں گی، تم مرد ہو، مجھے دیکھو، کمزور سی عورت ہو کر تمہاری محبت کی خاطر کتنا بڑا خطرہ مول لے رہی ہوں''۔

کمزور دراصل تبریز تھا۔ وِیرا اُس کی عقل پر غالب آ گئی تھی۔ وہ اس کوشش میں تھی کہ تبریز اپنے قصبے میں واپس نہ جائے۔ وہ جانتی تھی کہ وہاں اُسے اپنے گھر کے جلے ہوئے کھنڈر اور گھر والوں کی جلی ہوئی لاشیں ملیں گی، پھر وہ پاگل ہو جائے گا۔ ہو سکتا تھا وِیرا کو کسی شک کی بنا پر قتل ہی کر دے۔ وِیرا کے دماغ میں کچھ اور آ گیا تھا۔ اُس نے محبت کی خاطر اور طغیانی سے بچانے اور اُسے باعزت حمص لانے کے صلے میں صلیبیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا لیا تھا اور اب اپنے گھر کی بربادی دیکھنے کی اذیت سے بچانا چاہتی تھی۔ اُس نے تبریز کو اُٹھا لیا اور چل پڑی۔ تبریز اُس کے ساتھ یوں جا رہا تھا جیسے ہپناٹائز کر لیا گیا ہو۔

صبح طلوع ہوئی تو حمص جلے ہوئے کھنڈروں میں تبدیل ہو چکا تھا، وہاں کوئی مسلمان زندہ نہیں رہا تھا۔ بڑی مسجد کے مینار کھڑے تھے۔ خطیب اور اس کے ساتھی مقابلے کے بغیر شہید ہو گئے تھے۔ اس وقت وِیرا تبریز کو ساتھ لیے صلیبی فوج کی خیمہ گاہ تک پہنچ چکی تھی۔ تبریز کا دماغ بیدار ہو گیا۔ اُس نے وِیرا سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا لینے آئی ہے۔ وِیرا نے اُس کے وسوسے اپنی زبان کے کمان سے رفع کر دیئے۔ اُسے ایک طرف کھڑا کر کے اُس نے ایک کمان دار سے بات کی۔ کمان دار نے اُسے کوئی راستہ سمجھایا۔ وِیرا تبریز کو ساتھ لیے اُدھر چلی گئی۔

وہ جہاں پہنچے وہ شاہ بالڈوِن کی ذاتی خیمہ گاہ تھی جس پر محل کا گمان ہوتا تھا۔ محافظوں نے بہت کچھ پوچھ کر وِیرا کو بالڈوِن کے خیمے میں جانے دیا۔ کچھ دیر بعد تبریز کو اندر بلایا گیا۔ بالڈوِن نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا...... ''یہ لڑکی تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہے۔ اس نے ایسی خواہش کا اظہار کیا ہے جسے ہم رد نہیں کر سکتے۔ تمہیں کسی قسم کا شک یا ڈر نہیں ہونا چاہیے''۔

''میں اپنا مذہب تبدیل نہیں کروں گا''۔ تبریز نے کہا۔

''تمہیں مذہب تبدیل کرنے کو کس نے کہا ہے''۔ وِیرا نے کہا۔

''پھر کیا ہوگا؟'' تبریز نے پوچھا۔ ''میں یہاں رہ کر کیا کروں گا؟ مجھے واپس جانا ہے''۔

''تبریز!'' وِیرا نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر کے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور کہا...... ''میں نے تمہیں کیا کہا تھا۔ مجھے بھی وہیں جانا ہے جہاں تمہیں جانا ہے''۔

تبریز کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

☆

عزالدین کا ایلچی سلطان صلاح الدین ایوبی کا جواب لے کر کبھی کا عزالدین کے پاس پہنچ چکا تھا۔ سلطان ایوبی کی ہدایت کے مطابق عزالدین نے ابن لاعون سے ایک ملاقات کر لی تھی اور اُسے یقین دلا دیا تھا کہ وہ اُس کے [illegible] تھے کہ وہ پوری طرح اُس

کے جھانسے میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد ابن لاعون اُسے ملنے قارا حصار آیا تھا۔ قارا حصار زرخیز اور سرسبز علاقہ تھا جسے دیکھ کر ابن لاعون کے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔

اس سے چند ہی روز بعد سلطان ایوبی اپنی فوج کے ساتھ قارا حصار کے قریب جا کر خیمہ زن ہوا۔ اس کی فوج تھکی ہوئی تھی لیکن وہ آرام میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ حملے میں تاخیر ہو گئی تو ابن لاعون کو فوج کی آمد کی خبر مل جائے گی۔ اُسے توقع تھی کہ ابن لاعون کے ساتھ بڑا سخت مقابلہ ہوگا۔ اس خطرے کے پیش نظر اُس نے حلب کی فوج کو بھی بلا لیا تھا۔ یہ اُس معاہدے کے تحت تھا جو سلطان ایوبی نے الملک الصالح کو شکست دے کر اُس کے ساتھ کیا تھا۔

آدھی رات سے کچھ دیر بعد سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو یلغار کے لیے کوچ کا حکم دیا۔ انٹیلی جنس رپورٹوں سے معلوم ہو گیا تھا کہ آرمینیوں کی چوکیاں کہاں کہاں ہیں اور ان میں کتنی کتنی نفری ہے۔ نفری جتنی بھی تھی وہ بے خبر پڑی تھی۔ عزالدین کی طرف سے تو اُنہیں حملے کا خطرہ ہی نہیں تھا اور سلطان ایوبی کا وہاں اتنی خاموشی سے پہنچ جانا، اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ سلطان ایوبی کی یلغار سہ طرفی تھی۔ ہر حملہ آور کالم کے ساتھ عزالدین کے مہیا کیے ہوئے گائیڈ تھے۔ سلطان اُس کالم کے ساتھ تھا جس نے نہر الاسود (دریائے سیاہ) کی طرف سے حملہ کیا تھا۔

یہ دریا ابن لاعون کے ملک کی سرحد تھا۔ اس پر کشتیوں کا پُل بنا ہوا تھا۔ دریا کے کنارے آرمینیوں کا قلعہ مخاضتہ الاحزان تھا۔ ابن لاعون اسی قلعے میں مقیم تھا۔ اُسے سر کرنے سے تمام تر علاقہ فتح ہو سکتا تھا۔ اسی لیے سلطان ایوبی اپنی فوج کے اس کالم کے ساتھ رہا۔ اس کی قیادت سلطان ایوبی کا بھتیجا فرخ شاہ کر رہا تھا جو غیر معمولی طور پر بہادر اور حرب و ضرب کا ماہر تھا۔ دوسرے دو کالموں نے چوکیوں پر حملے کر کے دشمن کی فوج کو ہلاک یا قید کر لیا اور چوکیوں کو آگ لگا دی۔ دہشت پھیلانے کے لیے بعض بستیوں کو بھی آگ لگا دی گئی۔

ابن لاعون کی آنکھ اُس وقت کھلی جب سلطان ایوبی کے جانباز کمندیں پھینک کر قلعے کی دیواروں پر چڑھ گئے تھے اور منجنیقوں سے وزنی پتھر پھینک کر قلعے کا دروازہ توڑا جا چکا تھا۔ قلعے میں فوج سوئی ہوئی تھی۔ ابن لاعون دوڑ کر قلعے کے ایک مینار پر گیا۔ دُور اُسے آگ کے شعلے نظر آئے۔ وہ ابھی سوچ بھی نہ پایا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور وہ کیا کرے کہ سلطان ایوبی کا ایک جانباز جیش اُس پر ٹوٹ پڑا۔ اُس کے محافظوں نے مقابلہ خوب کیا لیکن مارے گئے اور ابن لاعون کو قید کر لیا گیا۔

صبح طلوع ہو رہی تھی جب ابن لاعون کو سلطان ایوبی کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ سلطان ایوبی حکم دے چکا تھا کہ قلعے کو مسمار کر دیا جائے۔ اس کی فوج اس کام کے لیے کافی نہیں تھی۔ عزالدین بھی سلطان ایوبی کے ساتھ تھا۔ سلطان ایوبی کے کہنے پر ابن لاعون کے ہر طرف قاصد اس حکم کے ساتھ دوڑا دیئے کہ تمام فوج ہتھیار ڈال کر قلعے کے قریب آ جائے..... فوج کے آنے تک سلطان ایوبی نے عزالدین کے کہنے پر ابن لاعون کے ساتھ صلح کی شرائط طے کر لیں۔ ان میں ایک یہ تھی کہ ابن لاعون اپنی آدھی فوج سلطان ایوبی کے حوالے کر دے۔ دوسری یہ کہ ابن لاعون کی فوج کی حد مقرر کر دی گئی۔ تیسری یہ کہ ابن لاعون سالانہ جزیہ دیتا رہے..... اور ایسی چند اور شرائط تھیں جنہوں نے ابن لاعون کو برائے نام حکمران رہنے دیا۔

جب ابن لاعون کی فوج ہتھیار ڈال کر قلعے کے قریب اکٹھی ہو گئی تو سلطان ایوبی نے اس فوج کو حکم دیا کہ قلعے کو اس طرح مسمار کر دے کہ اس کا یہاں نشان بھی نہ رہے۔ شکست خوردہ فوج نے اُسی وقت قلعہ مسمار کرنا شروع کر دیا اور سلطان ایوبی اپنی فوج کو مصافہ نام کے ایک گاؤں کے قریب لے گیا۔ اُس نے حلب کی فوج واپس بھیج دی اور اپنی فوج کو

آرام کی لمبی مہلت دی۔ ابن لاعون کو جو آدھی فوج اُس نے لے لی تھی، وہ عزالدین کو دے دی، مگر سلطان ایوبی کو معلوم نہ تھا کہ اُس کی فوج کی خیمہ گاہ جس سلسلۂ کوہستان کے دامن میں ہے، اس کے اندر اور اس کی بلندیوں پر بالڈون کی فوج آچکی ہے اور وہ عقاب کی طرح اس پر جھپٹنے کو پر تول رہی ہے۔ سلطان ایوبی نے اس علاقے میں دیکھ بھال کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کیونکہ اُسے کسی فوج کا خطرہ نہیں تھا۔

تقریباً تمام مورخوں کی تحریروں سے حیرت کا اظہار ہوتا ہے کہ سلطان ایوبی نے عزالدین کے پیغام پر کیوں اپنا اتنا بڑا پلان تبدیل کر کے ابن لاعون جیسے غیر اہم حکمران پر فوج کشی کی جس میں اُس نے بے شک فتح حاصل کی لیکن جو وقت اور جو فوج ضائع ہوئی، اُس کی قیمت زیادہ تھی۔ ارنول نام کا مورخ لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی اِردگرد کے خطروں کو کم کرنا چاہتا تھا۔ اُس وقت کے وقائع نگار جن میں اسد الاسدی قابل ذکر ہے، لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی عزالدین کا پیغام پڑھ کر جذبات کے غلبے میں آگیا تھا۔ بہرحال جنگ کے ماہرین نے سلطان ایوبی کے اس حملے کو سراہا نہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کو معلوم تھا کہ قریب ہی کہیں شاہ بالڈون کی فوج ہے جو سلطان ایوبی پر اُس وقت حملہ کر سکتی تھی جب وہ ایک ہی رات میں حاصل کی ہوئی فتح کے مابعد کے انتظامات میں مصروف تھا۔ مؤرخ اس پر بھی حیران ہیں کہ بالڈون نے اپنی فوج کو اُس وقت پہاڑی علاقے میں جنگی ترتیب میں پھیلا دیا تھا، جب سلطان ایوبی کی فوج پہاڑیوں کے دامن میں خیمے گاڑ رہی تھی۔ شاہ بالڈون نے حملے میں تاخیر کی۔ کسی بھی مورخ کو معلوم نہیں کہ یہ اس کی شاہانہ حماقت تھی یا کوئی مجبوری، اگر وہ اُسی وقت حملہ کرتا تو سلطان ایوبی کی حالت وہی ہوتی جو رملہ میں ہوئی تھی۔ شکست اور پسپائی!

☆

سلطان ایوبی کو وہاں خیمہ زن ہونے کے بعد بھی پتہ نہ چلا کہ شاہ بالڈون اس کے سر پر بیٹھا دانت تیز کر رہا ہے۔ بلندیوں سے بالڈون کے دیکھ بھال والے آدمی سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ کو دیکھتے رہتے اور بالڈون کو بتاتے رہتے تھے۔ یہ غالباً پہلا موقع تھا کہ سلطان ایوبی کا جاسوسی اور دیکھ بھال کا نظام ڈھیلا پڑ گیا تھا۔

تبریز بھی اس فوج کے ساتھ تھا۔ وِیرا نے ابھی تک اُسے بتایا نہیں تھا کہ وہ اُسے اپنے ساتھ کیوں لے آئی ہے۔ وہ شاید اُسے عیسائی بنا کر جاسوس بنانا چاہتی تھی۔ اُس میں دونوں باتیں تھیں۔ صلیب کی وفاداری بھی اور تبریز کی محبت بھی۔ شاہ بالڈون کو تبریز کے ساتھ کوئی دلچسپی تھی یا نہیں اُسے وِیرا کے ساتھ گہری دلچسپی تھی کیونکہ وہ بہت خوب صورت تھی۔ ایک روز وِیرا نے بالڈون سے کہا تھا کہ وہ اُسے اُس کے ہیڈ کوارٹر میں بھیج دے جو عکرہ میں تھا۔ بالڈون نے اُسے روک لیا تھا۔ یہ اُس جگہ کی باتیں ہیں جو حمص کے قریب تھی۔ ایک روز بالڈون کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ سلطان ایوبی کی فوج تَل خالد کو جا رہی ہے۔ بالڈون کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سلطان ایوبی ابن لاعون پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ وہ اس علاقے سے واقف تھا۔ اُس نے فوراً اپنی فوج کو مصافہ کی پہاڑیوں کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ اُس کا پلان یہ تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو ان پہاڑیوں میں گھسیٹ کر لڑائے گا۔ اس پلان کے مطابق اُس نے پہاڑیوں کی موزوں بلندیوں اور ڈھکی چھپی جگہوں میں اپنی فوج کو پھیلا دیا۔ یہ بہت بڑے پیمانے کی گھات تھی۔

اُس نے جب حمص کے قریب کی خیمہ گاہ سے کوچ کا حکم دیا تھا تو وِیرا نے اُسے کہا کہ وہ اُس کے پاس پناہ لینے آئی تھی۔ تبریز کے متعلق اُس نے بالڈون کو ساری کہانی سنا کر بتایا تھا کہ وہ اُسے کیوں ساتھ ساتھ لیے پھرتی ہے۔ اب جبکہ بالڈون لڑنے کے لیے جا رہا تھا، وِیرا اور تبریز کا اُس کے ساتھ رہنے کا کوئی مقصد نہیں تھا مگر بالڈون نے وِیرا کو نہ جانے دیا۔

''میرے ہاں لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں''۔ بالڈوِن نے کہا...... ''مگر تم پہلی لڑکی ہو جس نے میرے دِل پر قبضہ کر لیا ہے۔ تم میرے پاس ہوتی ہو تو مجھے روحانی سکون محسوس ہوتا ہے۔ تم کچھ عرصہ اور میرے ساتھ رہو''۔

وِیرا اپنے بادشاہوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ بالڈوِن کی نیت کو سمجھنا، اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ اُس نے صاف الفاظ میں اُسے کہہ دیا...... ''اگر بات روحانی سکون کی ہے تو مجھے یہ سکون اس مسلمان سے ملتا ہے، جس کا سارا کنبہ قتل کرا کے میں اُسے ساتھ ساتھ لیے پھرتی ہوں۔ میں بتا نہیں سکتی کہ میں نے اسے اس کے کنبے کے قتل سے بے خبر رکھنے کا جو گناہ کیا ہے، اس کا کفارہ میرا ضمیر مجھ سے کس طرح ادا کرائے گا''۔

''تمہاری بھی روح ہے؟'' بالڈوِن نے طنزیہ کہا...... ''تمہارا ضمیر ہے؟ راتیں مسلمان اُمراء کے ساتھ گزارنے والی گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی بھی سوچ سکتی ہے؟''

''آپ کے سامنے میں صرف جسم ہوں، دلکش جسم''...... وِیرا نے کہا۔ ''اور جب میں تبریز کے پاس ہوتی ہوں تو روح ہوتی ہوں، پیار کی پیاسی روح''۔

بالڈوِن بادشاہ تھا۔ اُس نے بادشاہوں کی طرح حکم دیا...... ''تم میرے ساتھ رہو گی''...... اس نے دربان کو بلا کر کہا...... اس مسلمان کے پاؤں میں زنجیر ڈال دو جو ہماری خیمہ گاہ میں رہتا ہے''۔

اور جب بالڈوِن مصافہ کی پہاڑیوں میں پہنچا، تب تبریز زنجیروں میں بندھا ہوا قیدی تھا اور وِیرا ایسی قیدی جسے زنجیر نہیں ڈالی گئی تھی، وہ محافظوں کے پہرے میں تھی۔ یہاں آ کر بالڈوِن اپنی فوج کے ڈیپلائے میں مصروف ہو گیا۔ فارغ ہوا تو اُس نے وِیرا کو تڑپانا شروع کر دیا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ تبریز کو اپنے سامنے بلا لیتا۔ وِیرا کو سامنے کھڑا کر لیتا اور حکم دیتا کہ تبریز کو کوڑے مارے جائیں۔ کوڑے تبریز کی پیٹھ پر پڑتے تو چیخیں وِیرا کی نکل جاتی تھیں۔ بالڈوِن وِیرا سے کہتا...... ''تم اپنے آپ کو مجھ سے بچا نہیں سکتیں، میں تمہیں اس زبان درازی کی سزا دے رہا ہوں جو تم نے میرے ساتھ کی تھی''۔

تبریز تو جیسے گونگا اور بہرہ ہو گیا تھا۔ اُسے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُسے یقین نہیں آتا تھا کہ اُسے یہ سزا وِیرا دلا رہی ہے۔ وِیرا کی چیخوں اور آہ و زاری سے وہ سمجھ گیا کہ وِیرا بھی مظلوم ہے۔ تبریز برداشت کرتا مگر ایک روز وِیرا کی برداشت ٹوٹ گئی۔ وہ بالڈوِن کے پاس چلی گئی۔ اُس کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگی اور کہا کہ جب تک کہیں گے اور جس طرح کہیں گے، آپ کے ساتھ رہوں گی۔ تبریز کو چھوڑ دیں۔ بالڈوِن کے حکم سے تبریز کی زنجیریں کھول دی گئیں اور اُس کی مرہم پٹی کا انتظام کر دیا گیا۔ وِیرا شاہ بالڈوِن کی تنہائی کی رونق بن گئی۔

چند دنوں بعد بالڈوِن نے رات، شراب اور وِیرا کے حسن سے بدمست ہو کر اُسے کہا...... ''اگر میں صلاح الدین ایوبی کو تبریز کی طرح زنجیروں میں باندھ کر تمہارے سامنے کھڑا کر دوں تو مان جاؤ گی کہ میں اتنا بوڑھا نہیں جتنا تم مجھے سمجھتی ہو؟''۔

''میں صلاح الدین ایوبی سے کہوں گی کہ میں ملکۂ بالڈوِن ہوں''...... وِیرا نے کہا...... ''اپنی تلوار میرے قدموں میں رکھ دو''۔

''دو روز بعد میں تمہیں یہ کر کے دکھا دوں گا، جو میں نے کہا ہے''...... بالڈوِن نے کہا۔

''ممکن نظر نہیں آتا''...... وِیرا نے کہا

''تم نے دیکھا نہیں کہ صلاح الدین ایوبی نے میرے قدموں میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے؟''...... بالڈوِن نے

کہا......''پرسوں صبح کی تاریکی میں ہم اُس پر حملہ کریں گے۔ پیشتر اس کے کہ اسے معلوم ہو کہ یہ کیا ہوا ہے، وہ میرا قیدی ہوگا۔ اُسے میری موجودگی کا علم نہیں''۔

☆

تبریز آزاد تھا۔ اس کے متعلق بالڈوِن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ چلا جائے، رہے یا کیا کرے۔ وہ شاہی مہمان بنا ہوا تھا۔ صبح طلوع ہوئی تو وِیرا تبریز کے خیمے میں گئی۔ تبریز بے تابی سے اُسے ملا اور اس پر برسا۔

''زیادہ باتوں کا وقت نہیں''...... وِیرا نے اُسے کہا......''میں آج تمہارے احسان کا صِلہ اور تمہاری محبت کا جواب دینا چاہتی ہوں۔ میں جو کہتی ہوں وہ کرنا۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔ میں نے بہت گناہ کیے ہیں۔ تمہارا حمص تباہ ہو چکا ہے۔ وہاں نہ جانا، وہاں کھنڈر ہوں گے اور تمہیں وہاں اپنے گھر والوں کی ہڈیاں ملیں گی''...... اُس نے تبریز کو اس تباہی کی اور تبریز کو بچانے کی تفصیل سنا کر کہا......''تمہیں بالڈوِن کی فوج سے انتقام لینا ہے۔ آج رات اس طرح پہاڑی علاقے سے نکل جاؤ کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے۔ صلاح الدین ایوبی کے پاس جاؤ اور اُسے بتاؤ کہ صلیبی فوج تمہارے سر پر بیٹھی ہے اور پرسوں تم پر حملہ کرے گی''...... وِیرا نے اُسے بالڈوِن کے حملے کا سارا پلان بتا دیا اور کہا......''اب میری طرف نہ دیکھو، ورنہ یہاں سے ہل نہیں سکو گے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہماری منزلیں جدا جدا ہیں۔ آج ہم دونوں نے اپنی اپنی منزل پالی ہے''۔

اگر وِیرا اُسے حمص کی تباہی اور قتلِ عام کی کہانی نہ سناتی تو تبریز وہاں سے اتنی جلدی نہ چلتا۔ وہ آنکھوں میں آنسو لے کر وِیرا سے جدا ہوا...... شام تاریک ہوتے ہی وہ چپکے سے نکلا اور بچتا بچاتا نکل آیا۔ سلطان ایوبی کی فوج کی خیمہ گاہ میں آیا اور کہا کہ وہ سلطان کے پاس جانا چاہتا ہے۔ اسے وہاں پہنچا دیا گیا۔ سلطان ایوبی نے اُس کی ساری داستان تحمل سے سنی اور اُس سے بالڈوِن کی فوج اور اُس کے پلان کے متعلق پوری اطلاع لی۔ اس نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بلایا اور ضروری احکام دیئے۔

شاہ بالڈوِن نے تیسری رات کے آخری پہر سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ پر حملہ کیا، مگر وہ صرف خیمے تھے، فوج نہیں تھی۔ اچانک فضا میں فلیتے والے تیروں کے شرارے اُڑے اور خیموں پر گرے۔ خیمے جن کے اندر خشک گھاس اور اس پر آتش گیر سیال چھڑکا ہوا تھا۔ مہیب شعلے بن گئے۔ بالڈوِن نے یہ حالت دیکھی تو اُس نے اپنے مزید دستوں کو حملے کے لیے بھیجا۔ اُن پر دائیں اور بائیں سے تیروں کی بوچھاڑیں پڑیں۔ صبح ہوگئی، بالڈوِن کی اس فوج پر جو وادیوں میں چھپی ہوئی تھی، حملہ ہو گیا۔ تب بالڈوِن کو احساس ہوا کہ اُس نے سلطان ایوبی کو بے خبری میں نہیں لیا بلکہ وہ خود سلطان ایوبی کی گھات میں آ گیا ہے۔

بالڈوِن ایک بلندی پر جا کھڑا ہوا اور اپنی فوج کا حشر دیکھنے لگا۔ عقب سے اُس پر تیر آئے مگر وہ اس کے دو محافظوں کو لگے۔ وہ بھاگ کر نیچے اُترا تو آگے سے سلطان ایوبی کے سپاہی آ گئے۔ بالڈوِن ایک تنگ سے راستے سے نکل بھاگا۔

اکتوبر ۱۱۷۹ء (۵۷۵ ہجری) کے اس معرکے میں بالڈوِن قیدی ہوتے ہوتے بچا۔ سلطان ایوبی نے رملہ کی شکست کا انتقام لے لیا جس سے اس کی فوج کا حوصلہ بلند اور خود اعتمادی بحال ہو گئی...... اور وِیرا اور تبریز تاریخ کی تاریکیوں میں روپوش ہو گئے۔

......❁......

جب بیٹا مر رہا تھا

رضیع خاتون کو خادمہ نے اطلاع دی کہ اُسے اُس کی بیٹی شمس النساء ملنے آئی ہے۔ رضیع خاتون کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ پھر ان آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ماں بیٹی اُس وقت جدا ہوئی تھیں، جب بیٹی کی عمر نو سال تھی۔ اب بیٹی پندرہ سال کی ہو چکی تھی۔ ماں کو دوڑ کر باہر نکل جانا اور اپنی بچھڑی ہوئی بیٹی کو سینے سے لگا لینا چاہیے تھا مگر ماں نے غصے سے پوچھا...... ''وہ کیوں آئی ہے؟''۔

''آپ سے ملنے آئی ہے جاتون!''...... خادمہ نے کہا...... ''شاید آپ کے پاس واپس آ گئی ہے''۔

ماں پر خاموشی طاری ہو گئی۔ خادمہ منتظر کھڑی تھی۔ ماں نے کہا...... ''اُسے کہو واپس چلی جائے، اپنے غدار بھائی کے پاس جائے۔ میرے سامنے آنے کی جرأت نہ کرے''۔

''یہ تو اُس وقت بچی تھی جب آپ کا بیٹا اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا''...... خادمہ نے کہا۔ ''معصوم بچی کو کیا معلوم تھا کہ بھائی اسے کہاں لے جا رہا ہے''۔

''میں جانتی ہوں، اسے بھائی نے بھیجا ہے''...... رضیع خاتون نے کہا...... ''اور میں یہ بھی جانتی ہوں، کیوں بھیجا ہے۔ میرا بیٹا غدار اور بے غیرت ہے...... میں بیٹی سے نہیں ملوں گی''۔

رضیع خاتون نور الدین زنگی مرحوم کی بیوہ تھی۔ آپ اس سلسلے کی پچھلی اقساط میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ اسلام کی عظمت کا پاسبان نور الدین زنگی فوت ہو گیا تو اس کے اُمراء، وزراء اور بعض فوجی حکام نے من مانی کرنے کے لیے اس کے بیٹے الملک الصالح کو سلطان بنا دیا تھا۔ الصالح کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ شمس النساء اس کی چھوٹی بہن تھی۔ عمر آٹھ نو سال تھی۔ زنگی مرحوم کی سلطنت کے تحت بعض اُمراء اور قلعہ داروں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور وہ بغداد کی خلافت تک سے آزاد ہو گئے۔ ان سب نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ اُس وقت سلطان ایوبی مصر میں تھا۔ زنگی مرحوم اور سلطان ایوبی کے خلاف ان اُمراء وغیرہ کو یہ شکایت تھی کہ ان دونوں نے عیش و عشرت ممنوع قرار دے رکھی تھی۔ انہوں نے اپنے جینے کا مقصد صرف یہ بنا رکھا تھا کہ صلیبیوں کے عزائم کو تہس نہس کریں گے، فلسطین کو آزاد کرائیں گے اور سلطنتِ اسلامیہ کو وسعت دیں گے۔

باغی اُمراء پر صلیبیوں کے اثرات بھی تھے۔ اسی لیے وہ عیش و عشرت کے دلدادہ تھے۔ صلیبیوں کی بھیجی ہوئی لڑکیوں اور زر و جواہرات نے ان کا ایمان خرید لیا تھا۔ نور الدین زنگی تو فوت ہو ہی گیا تھا، اب یہ لوگ سلطان ایوبی کو شکست دے کر اس کی حکمرانی کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ زنگی مرحوم کی آدھی فوج باغی کر لی گئی تھی۔ سلطان ایوبی کو اطلاع ملی تو وہ صرف سات سو سواروں کے ساتھ دمشق میں داخل ہوا۔ شہریوں نے اس کا استقبال کیا۔ شہر کے قاضی نے اسے شہر کی چابی دے دی، مگر فوج کا جو حصہ باغی تھا، وہ لڑا۔ یہ خانہ جنگی تھی۔ نور الدین زنگی کی بیوہ سلطان ایوبی کی حامی

تھی۔ وہ اپنے خاوند کے مقاصد کی تکمیل چاہتی تھی۔

ایک ہی رات میں باغی فوج کو شکست ہوئی۔ رات ہی رات الملک الصالح، اُس کے حاشیہ بردار اُمراء، دو تین سالار اور باغی فوج دمشق سے بھاگ کر حلب چلے گئے۔ الملک الصالح اپنی بہن شمس النساء کو بھی ساتھ لے گیا۔ جن اُمراء اور قلعہ داروں نے خود مختاری کا اعلان کیا، ان میں حرن کا قلعہ دار گمشتگین اور موصل کا امیر سیف الدین غازی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ الملک الصالح نے حلب کو اپنا دارالحکومت بنالیا، پھر یہ شہر اس کی فوج، گمشتگین اور سیف الدین کی افواج کا مشترکہ ہیڈ کوارٹر بن گیا۔ ان سب کے پاس صلیبی مشیر آ گئے۔ ان کے ساتھ شراب اور لڑکیاں بھی آئیں جو صرف خوب صورت ہی نہیں تھی بلکہ جاسوسی اور ذہنی تخریب کاری کی ماہر تھیں۔ صلیبیوں نے انہیں برائے نام جنگی مدد بھی دی اور اپنی پراپیگنڈہ مشینری کو اس طرح استعمال کیا کہ ان کے دلوں میں سلطان ایوبی کی مخالفت پختہ ہوگئی۔

نورالدین زنگی کی بیوہ رضیع خاتون دمشق میں رہی جہاں اُس نے لڑکیوں کو فوجی ٹریننگ دینے کا انتظام کرلیا اور اُس نے جہاں ضرورت پڑی، ان لڑکیوں کو استعمال کیا۔ وہ جوانی کی عمر میں تھی۔ اُس کا خاوند مر چکا تھا، اُس کے دو ہی بچے تھے۔ دونوں اس سے چھن گئے۔ وہ معصوم بچے تھے۔ ماں نے سینے پر سِل رکھ لی اور اپنے آپ کو یہ یقین دلا لیا کہ اس کے بچے بھی مر گئے ہیں مگر کبھی کبھی مامتا اُبھر آتی تھی اور اُس کے آنسو نکل آتے۔ سلطان ایوبی نے اپنے جاسوس حلب، حرن اور موصل میں بھیج دیئے تھے۔ وہ بڑی خطرناک اطلاعیں بھیج رہے تھے۔ وہاں صلیبیوں کی زیرِ نگرانی زور و شور سے سلطان ایوبی کے خلاف جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سلطان ایوبی نے مصر سے فوج بلالی۔ دمشق کی فوج کا بڑا حصہ اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے پہلے تو تمام باغی اُمراء کو پیغام بھیجے کہ وہ عظمتِ اسلام کی خاطر صلیبیوں کے ہاتھوں میں نہ کھیلیں اور اُس کا ساتھ دیں تاکہ صلیبیوں کو عالمِ اسلام سے بے دخل کر کے یورپ پر چڑھائی کی جائے مگر اُن ایمان فروشوں نے سلطان ایوبی کے ایلچیوں کا مذاق اُڑایا اور جواب دیئے بغیر واپس بھیج دیا۔ گمشتگین نے جو قلعہ دار سے خود مختار حاکم بن گیا تھا، سلطان ایوبی کے دو ایلچیوں کو قید میں ڈال دیا۔

سلطان ایوبی نے پیش قدمی کی۔ نورالدین زنگی کی بیوہ دمشق سے دُور تک اُسے رخصت کرنے گھوڑے پر سوار اُس کے ساتھ گئی اور بوقتِ رخصت کہا...... "اگر میرا بیٹا تمہارے تیر اور تلوار کی زد میں آئے تو بھول جانا کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ وہ غدار ہے۔ اُس کی لاش ملے تو دفن نہ کرنا۔ گِدھوں اور گیدڑوں کے آگے پھینک دینا"...... ماں کی آنکھیں خشک تھیں لیکن سلطان ایوبی کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ رضیع خاتون اُس سے چھوٹی تھی۔ اُس نے سلطان ایوبی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما اور کہا...... "اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے"...... وہ بہت دیر تک فوج کو جاتے دیکھتی رہی تھی۔

یہاں سے مسلمانوں کی خانہ جنگی کا طویل اور خون میں ڈوبا ہوا دور شروع ہوگیا۔ آپ ان تمام لڑائیوں کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں جو سلطان ایوبی کو مسلمان اُمراء کے خلاف لڑنی پڑیں۔ صلیبیوں نے یہ پلان بنایا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی بجائے انہیں آپس میں لڑایا جائے اور ان کے اتحاد کے ساتھ ساتھ ان کی جنگی طاقت کو بھی ختم کیا جائے۔ اس دوران انہوں نے حسن بن صباح کے فدائیوں سے سلطان ایوبی پر قاتلانہ حملے بھی کرائے۔ اللہ نے ہر بار سلام کی عظمت کے اس پاسبان کو بچالیا۔ مسلمان تین چار سال آپس میں لڑ لڑ کر مرتے رہے۔ سلطان ایوبی کو خدائے والجلال نے ہر میدان میں فتح عطا فرمائی۔ ایک لڑائی میں زنگی کی بیوہ کی بھیجی ہوئی سینکڑوں لڑکیوں نے بھی معرکہ لڑا اور معرکے کا پانسہ پلٹ دیا تھا مگر سلطان ایوبی نے سختی سے حکم دے دیا کہ آئندہ کوئی عورت میدانِ جنگ میں نہ آئے۔

آخری معرکے میں سلطان ایوبی حلب تک جا پہنچا اور حلب کا دفاعی قلعہ اعزاز لے لیا۔ الملک الصالح نے اپنی بہن شمس النساء کو اپنے ایلچیوں کے ساتھ سلطان ایوبی کے پاس صلح کے معاہدے کے لیے بھیجا اور بہن سے یہ بھی کہلوایا کہ اعزاز کا قلعہ انہیں واپس دے دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے بچی کو گلے لگالیا۔ الملک الصالح کی پیش کش منظور کر لی۔ اعزاز کا قلعہ بچی کو دے دیا۔ چند اور شرائط طے کر کے الملک الصالح کو حلب کا نیم خودمختار حکمران رہنے دیا۔ ان شرائط میں یہ بھی تھا کہ سلطان ایوبی کو جب فوج کی ضرورت پڑے گی، الملک الصالح اسے فوج دے گا۔ یہ صلح کا معاہدہ تھا۔ گمشتگین کو الملک الصالح نے اپنے خلاف سازش کے جرم میں مروادیا تھا۔ باقی اُمراء نے سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی۔

پچھلی قسط میں آپ نے پڑھا ہے کہ سلطان ایوبی نے قارا حصار کے حکمران ابن الاعون کو شکست دی۔ اس جنگ میں معاہدے کے مطابق حلب سے بھی فوج بھیجی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سلطان ایوبی نے ایک صلیبی بادشاہ بالڈون کو جو سلطان ایوبی پر حملہ کرنے آیا تھا، بہت ہی بُری شکست دی۔ بالڈون قید ہوتے ہوتے بچا اور اُس کی فوج کا انجام بہت ہی بُرا ہوا۔ اب سلطان ایوبی انہی علاقوں میں کہیں خیمہ زن تھا اور صلیبی اپنے جاسوسوں کے ذریعے یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اُس کی اگلی پیش قدمی کس طرف ہوگی۔

☆

نومبر ۱۱۸۱ء (رجب ۵۷۷ ہجری) کا واقعہ ہے کہ الملک الصالح کی چھوٹی بہن شمس النساء حلب سے دمشق اپنی ماں کو ملنے آئی۔ وہ ماں سے جدا ہوئی تو اس کی عمر آٹھ نو سال تھی۔ اب وہ پندرہ سولہ سال کی جوان لڑکی تھی۔ الملک الصالح سترہ اٹھارہ سال کا جوان ہو گیا تھا۔ شمس النساء کے ساتھ محافظ بھی تھے۔ خادمہ نے نورالدین زنگی کی بیوہ کو بتایا کہ اُس کی بیٹی آئی ہے۔ اُس نے بیٹی سے ملنے سے انکار کر دیا۔ خادمہ بھی عورت تھی۔ اُس نے رضیع خاتون کو قائل کرنے کے لیے ماتا کا واسطہ دیا اور کہا...... ''وہ اتنی دُور سے اتنے عرصے بعد آئی ہے، اسے اندر بلا کر کہہ دیں کہ وہ چلی جائے''۔

''ماتا مر چکی ہے''...... رضیع خاتون نے کہا۔

اتنے میں کمرے میں ایک نوجوان لڑکی داخل ہوئی۔ اس کے چہرے، بالوں اور کپڑوں پر گرد کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ لمبے سفر سے آئی ہے۔ رضیع خاتون نے حیران ہو کر اُسے دیکھا اور پوچھا...... ''تم کون ہو؟''

لڑکی خاموش کھڑی رہی۔ خادمہ ایک طرف ہٹ گئی۔ رضیع خاتون آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ اُس کے بازو اپنے آپ ہی پھیلتے جا رہے تھے۔ اس کے منہ سے سرگوشی نکلی...... ''تم میری بچی ہو۔ شمس النساء، میری شمسی''...... وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی...... ''تم اتنی بڑی ہو گئی ہو''...... شمس النساء دروازے کے پاس خاموش کھڑی رہی۔

رضیع خاتون اپنی بیٹی سے دو تین قدم دُور رہ گئی تو رُک گئی۔ اس کے پھیلے ہوئے بازو اُس کے پہلوؤں میں گر پڑے۔ اُس کے ہونٹوں سے مُسکراہٹ غائب ہو گئی۔ دو تین قدم آگے جانے کی بجائے وہ دو تین قدم پیچھے ہٹ آئی۔ اُس کے دانت جو مُسکرائے تھے، غصے سے پسنے لگے۔ ماتا جو اپنے آپ بیدار ہو گئی تھی، اپنے آپ بجھ گئی۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟''...... ماں نے دبی ہوئی مگر قہر بھری آواز میں پوچھا۔

''ماں!''...... شمس النساء نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور بازو پھیلا کر آگے بڑھی...... ''میں آپ سے ملنے آئی ہوں، میں نے بارہ روز کی مسافت تین دنوں میں طے کی ہے''۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟''...... ماں نے بلند آواز سے پوچھا اور کہا...... ''دُور کھڑی رہو۔ میں صلیبیوں کے

سائے میں پلی ہوئی لڑکی کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گی''۔

''ماں! میری بات سن لو''...... بیٹی نے منت کی...... ''میرے اوپر جو گرد پڑی ہے، اسے دیکھو''۔

''اس گرد سے مجھے مجاہدینِ اسلام کے خون کی بو آ رہی ہے''...... ماں نے کہا...... ''یہ اُن مجاہدین کا خون ہے جو میرے بیٹے کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ یہ خانہ جنگی کا خون ہے''۔

''ماں!''...... شمس النساء دوڑ کر آگے آئی اور ماں کے قدموں میں گر پڑی۔ رو رو کر کہنے لگی...... ''بھائی الملک الصالح مر رہا ہے۔ شاید مر چکا ہو۔ وہ آپ کو بلا رہا ہے۔ وہ سخت تکلیف میں ہے۔ اُس نے مجھے بھیجا ہے۔ اُس نے کہا کہ ماں کو لے آؤ، میں اُس سے دودھ کی دھاریں اور گناہ بخشواؤں گا''۔

''میں اُسے دودھ کی دھاریں بخش سکتی ہوں''...... ماں نے کہا...... ''اُسے وہ خون کون بخشے گا جو اُس نے مسلمان کی اولاد ہو کر مسلمانوں کا بہایا ہے۔ ماں اپنے بیٹے کی غداری کا گناہ نہیں بخش سکتی''۔

''ماں! وہ آپ کا اکلوتا بیٹا ہے''...... شمس النساء نے کہا۔ ''وہ آپ کے عظیم شوہر کی نشانی ہے''۔

''اُس نے باپ کی عظمت کو صلیبیوں کے قدموں تک پھینک دیا ہے''...... ماں نے کہا۔

''وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر چکا ہے''...... شمس النساء نے کہا...... ''اُن کی اب آپس میں کبھی لڑائی نہیں ہوگی''۔

''کیا تم مجھے حلفیہ بتا سکتی ہو کہ اُس کے ہاں کوئی صلیبی موجود نہیں؟''...... ماں نے گرج کر بیٹی سے پوچھا...... ''کیا اُس کے حرم میں کوئی صلیبی اور یہودی لڑکی نہیں؟ وہ اب اٹھارہ سال کا جوان ہوگا، اُس کے نیچے اب گھوڑا بھی محسوس کرتا ہوگا کہ پیٹھ پر کوئی مرد سوار ہے۔ مجھے یقین دلا دو کہ میرے بیٹے کے دربار سے صلیب کے مکروہ سائے اُٹھ گئے ہیں تو تم نے بارہ روز کی جو مسافت تین دنوں میں طے کی ہے، وہ میں ڈیڑھ دن میں طے کر کے اپنے بیمار بیٹے کے پاس پہنچوں گی''۔

''وہ اب کسی لڑکی کو دیکھنے کے بھی قابل نہیں رہا ماں!'' بیٹی نے کہا۔ ''اُس کی زندگی کے لیے دعا کرو''۔

''میں دعا نہیں کروں گی''...... ماں نے کہا...... ''اور میں بد دعا بھی نہیں دوں گی''...... اُس کی آواز کو جذبات نے دبا لیا۔ وہ رقت میں دبی ہوئی آواز میں بولی...... ''ماں بد دعا نہیں دیا کرتی لیکن ماں کی آہوں کو خدائے ذوالجلال نظر انداز بھی نہیں کیا کرتے۔ میں روزِ محشر اُن ہزاروں شہیدوں کی ماؤں، بیویوں اور بیٹیوں کے آگے شرمسار بھی نہیں ہونا چاہتی، جو میرے بیٹے کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں۔ میں ان شہیدوں کی مقدس روحوں کو اپنی مامتا کے خون کا خراج دوں گی''۔

''وہ اپنے گناہوں کی بخشش مانگ رہا ہے ماں!''...... بیٹی نے روتے اور چلاتے ہوئے کہا۔

''یہ بھی مجھے فریب نظر آتا ہے''...... ماں نے کہا...... ''مجھے معلوم ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حلب کو تہہ تیغ کر لیا تو اُس نے تمہیں صلاح الدین ایوبی کے پاس اعزاز کے قلعے کی بھیک مانگنے کو بھیجا تھا۔ اس عظیم سلطان نے تمہیں اپنی بچی سمجھ کر قلعہ تمہیں بخش دیا تھا۔ الصالح خود سلطان کے سامنے کیوں نہیں آیا تھا؟ اُس نے شکست کھائی تھی تو اُسے اپنے گناہوں سے شرمسار ہونا چاہیے تھا۔ اُسے خود آ کر اپنی تلوار ایوبی کے قدموں میں رکھ دینی چاہیے تھی۔ ایوبی اُس کا دشمن نہیں تھا۔ اُسے وہ ماموں جان کہا کرتا تھا، مگر اپنا ایمان نیلام کر دینے والوں میں اپنے گناہوں کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ وہ بزدل اور فریب کار ہو جاتے ہیں۔ عیار اور مکار ہو جاتے ہیں''۔

''پتھر دل نہ بنو ماں!''...... شمس النساء نے کہا۔

''ہر وہ شہید جو اس خانہ جنگی میں شہید ہوا ہے، اُس کی ماں نے دِل پر پتھر رکھا ہوا ہے''...... ماں نے کہا......'' وہ کسی کو بتاتے ہوئے شرمسار ہوتی ہے کہ انہوں نے جو بیٹے اسلام کے دشمنوں کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجے تھے، وہ آپس میں لڑ کر مارے گئے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟...... میرا بیٹا!''

''وہ اُس وقت بہت چھوٹا تھا ماں!''

''تو میرے پاس رہتا''...... ماں نے کہا......'' اُس کا شعور جب بیدار ہو گیا تھا تو میرے پاس آجاتا۔ حلب سلطان ایوبی کے حوالے کر دیتا...... تم چلی جاؤ۔ تم جلدی چلی جاؤ۔ اگر اسلام کی مائیں جذبات میں اُلجھ گئیں تو اللہ کی راہ میں کوئی بیٹا شہید نہیں ہوگا۔ میں مامتا کو مار چکی ہوں۔ مامتا شہید ہو چکی ہے''۔

''مائیں اپنی بیٹیوں کو یوں رخصت کیا کرتی ہیں ماں؟''

''تو میرے پاس رہو''...... ماں نے کہا......'' اگر اس شرط پر کہ میرے سامنے بھائی کا کبھی نام نہیں لوگی''۔

''ماں! یہ ممکن نہیں''...... بیٹی نے کہا......'' جس بھائی نے مجھے پالا پوسا ہے، اُس کا نام میں کیوں نہیں لوں گی''۔

''تو اُسی کے پاس چلی جاؤ''...... ماں نے کہا......'' تم صلیبیوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئی ہو، یہاں کی بیٹیوں کو دیکھو۔ اسلام کے نام پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ میں جب انہیں جنگی تربیت دیتی اور انہیں ڈانٹتی اور جھڑکتی ہوں تو ڈرتی ہوں کہ اُن میں سے کوئی مجھے یہ نہ کہہ بیٹھے کہ ذرا اپنی بیٹی کی بھی خبر لو...... کیا تم اس غلیظ حقیقت کو جھٹلا سکتی ہو کہ میرا بیٹا صلیبیوں کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیتا ہے اور اُس کے حرم میں صلیبی اور یہودی لڑکیاں ہیں؟''

شمس النساء کا سر جھک گیا۔ وہ انکار نہ کر سکی۔

''اپنی ماں کے گھر کا کھانا قبول کر لو اور جاؤ''...... ماں نے کہا......'' اگر میرا بیٹا زندہ ہوا تو اُسے کہنا کہ ماں نے تمہیں دودھ کی دھاریں بخش دی ہیں مگر شہیدوں کا خون نہیں بخشا۔ اُسے کہنا کہ تمہارے سینے میں صلیبیوں کا تیر اُتر گیا ہوتا اور تم سلطنتِ اسلامیہ کے جھنڈے کے سائے میں گر کر جان دیتے تو تمہاری ماں اُڑ کر پہنچتی اور تمہاری لاش کو سینے سے لگا کر دمشق لاتی اور فخر سے کہتی کہ یہ ہے میرے شہید بیٹے کا مزار...... اب میں کیا کہوں؟ ماں کا فخر بیٹے نے چھین لیا ہے''۔

شمس النساء کچھ دیر خاموش کھڑی رہی۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اُس نے سر اُٹھایا تو اُس کے رخساروں پر گرد کی جو تہہ جمی ہوئی تھی، اس میں سے آنسوؤں نے ندی کی طرح راستہ بنا لیا تھا۔ اس نے دوزانو ہو کر ماں کے کُرتے کا دامن پکڑا، چوما، آنکھوں سے لگایا اور اُٹھ کر کہا......'' وہ میرا بھائی ہے۔ بچپن کا ساتھی ہے۔ شاید زندہ نہ رہے۔ میں اُس کے پاس ضرور جاؤں گی۔ طبیبوں نے کہہ دیا ہے کہ وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ میں اُس کے کفن دفن کے بعد آپ کے قدموں میں آبیٹھوں گی''۔

''کس لیے؟''...... ماں نے طنزیہ پوچھا۔

''اُس بچے کو جنم دینے کے لیے جو اللہ کی راہ میں شہید ہوگا''...... بیٹی نے کہا......'' آپ کے بیٹے کے عوض میں آپ کو ایک بچہ دوں گی جس کی قبر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر آپ فخر سے کہہ سکیں گی کہ یہ میرے شہید بیٹے کا مزار ہے...... میں آؤں گی ماں، میں آؤں گی۔ میری شادی کا انتظام کر رکھنا۔ میں آنکھیں بند کر کے آئی تھی، آنکھیں کھول کر جا رہی ہوں۔ مجھے اجازت دو کہ بھائی کو اپنے ہاتھوں کفن پہنا سکوں...... الوداع ماں! الوداع''۔

لڑکی جو دبے پاؤں، آہستہ آہستہ چلتی اندر آئی تھی، سینہ پھیلا کر، گردن تان کر لمبے لمبے ڈگ بھرتی کمرے سے نکل گئی۔ رضیع خاتون اُسے دیکھتی رہی۔ دروازہ بند ہوا تو اُس نے بازو پھیلا دیئے اور وہ دروازے تک گئی۔ اُس کے منہ

سے چیخ نکلی...... ''میری بچی!''......اُس نے دروازہ ذرا سا کھولا۔ باہر سے اُسے اپنی بچی کی آواز سنائی دی جو بڑی ہی گرج دار تھی...... ''بن آذر! تمام سواروں کو جلدی بلاؤ، حلب کو واپسی کے لیے، فوراً''۔

ذرا سی دیر بعد ماں نے ذرا سے کھلے ہوئے کواڑ میں سے دیکھا۔ اُس کی بیٹی گھوڑے پر سوار آٹھ سواروں کے آگے چلی جا رہی تھی جو اُس کے حکم پر تیز ہو گئے۔ رضیع خاتون نے کواڑ بند کر دیا اور اُس کی ہچکی بندھ گئی۔ خادمہ اندر آئی تو رضیع خاتون نے روتے ہوئے کہا...... ''وہ بھوکی چلی گئی ہے''۔

☆

یہ نومبر ۱۱۸۱ء کا واقعہ ہے جب ماں بیٹی کی ملاقات ہوئی تھی۔ دو سال پہلے کا واقعہ ہے جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے ابن لاعون کو ایسی شکست دی کہ اُس کا قلعہ اُسی کی فوج کے جنگی قیدیوں سے اس طرح مسمار کرا دیا تھا کہ اس کا نام ونشان نہیں رہا تھا۔ اس کا ملبہ دریا میں پھینک دیا گیا تھا۔ اس کے فوراً بعد سلطان ایوبی نے صلیبی بادشاہ بالڈون کو شکست دی تھی۔ یہ دراصل ایک مسلمان جاسوس کا کارنامہ تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کو بروقت اطلاع دے دی تھی کہ فوج فلاں پہاڑی مقام پر گھات میں بیٹھی ہے۔ آپ نے ان دونوں جنگوں کی تفصیلات پچھلی قسط میں پڑھی ہیں۔

یہ بالڈون کی دوسری پسپائی اور پٹائی تھی۔ اس سے پہلے وہ سلطان ایوبی کے بھائی العادل سے ایسی ہی شکست کھا چکا تھا۔ اب سلطان ایوبی نے اُسے اُٹھنے کے قابل نہیں رہنے دیا تھا لیکن وہاں وہ اکیلا صلیبی بادشاہ نہیں تھا۔ عالمِ اسلام میں کئی صلیبی افواج موجود تھیں۔ اُن کے حکمران دِل سے ایک دوسرے کے خلاف تھے لیکن اُن کا دشمن مشترک تھا، اس لیے وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ ہر ایک کے دِل میں یہی تھا کہ وہ اکیلا زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قابض ہو جائے۔ اسی مقصد کے تحت بالڈون نے اکیلے العادل اور اس کے بعد سلطان ایوبی سے جنگیں لڑی تھیں۔ اُس کے پاس فوج اور وسائل کی کمی نہیں تھی۔ اُس کا اسلحہ بھی برتر تھا اور اس کے جانور بھی بہتر تھے لیکن ہار گیا۔

کچھ عرصہ تو اُسے بکھری ہوئی فوج اکٹھی کرنے میں لگ گیا۔ اس دوران اُسے اطلاع ملی کہ سلطان ایوبی ابن لاعون کو بھی شکست دے کر اس کی بادشاہی اور جنگی طاقت کمزور کر آیا ہے۔ ابن لاعون آرمینی تھا۔ آرمینی صلیبیوں کے دوست تھے۔ ان کی شکست صلیبیوں کے لیے اچھی خاصی چوٹ تھی۔ اس کے ساتھ ہی اُسے اطلاع ملی کہ ابن لاعون کی سلطنت تل خالد اور اس کے قلعے قار احصار پر حملے میں سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ الملک الصالح کی فوج کے دستے بھی تھے تو وہ بے چین ہو گیا۔ یہ تو اُسے اور دوسرے صلیبی حکمرانوں کو پتہ چل چکا تھا کہ سلطان ایوبی نے الملک الصالح کو شکست دے کر اپنا خودمختار امیر بنا لیا ہے مگر انہیں یہ توقع تھی کہ الصالح اس معاہدے پر عمل نہیں کرے گا۔ یہ الصالح کی خصلت تھی۔ وہ بظاہر سلطان ایوبی کے تابع ہو گیا تھا مگر اُس نے صلیبیوں کے ساتھ مراسم نہیں توڑے تھے۔ اب بالڈون کو پتہ چلا کہ الصالح نے سلطان ایوبی کو فوج دی تھی تو وہ یروشلم چلا گیا جہاں صلیبی بادشاہوں کا ہیڈکوارٹر بن گیا تھا۔ دوسرا ہیڈکوارٹر عکرہ تھا۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ مسلمان پھر متحد ہو رہے ہیں؟''...... بالڈون نے صلیبی حکمرانوں اور جرنیلوں کی کانفرنس میں کہا...... ''الملک الصالح کو آپ لوگ اپنا اتحادی سمجھتے رہے اور اُس نے اپنی فوج صلاح الدین ایوبی کو دے دی تھی''۔

''ابن لاعون کی شکست ہماری شکست ہے''...... فلپس آگسٹس نے کہا...... ''اگر آپ گھات میں بیٹھنے کی بجائے ابن لاعون کی مدد کو پہنچتے، صلاح الدین ایوبی پر عقب سے حملہ کر دیتے تو شکست اس کی ہوتی''۔

رُخ کرلیا ہے، اسی طرح مجھے بھی معلوم نہ ہو سکا''۔

''یہ آپ کے نظامِ جاسوسی کی کوتاہی ہے''...... گے آف لوزینان نے کہا...... ''ہم بہت دُور تھے۔ دیکھ بھال اور جاسوسی کا انتظام آپ کو کرنا چاہیے تھا۔ آپ قریب تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج آپ کے قریب سے گزر گئی۔ آپ کو پتہ نہ چل سکا۔ آپ گھات میں چھپے رہے''۔

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے ساتھ ایک مسلمان جاسوس ہے''...... بالڈوِن نے کہا...... ''میں اُسے بے ضرر آدمی سمجھتا رہا۔ وہ میرا قیدی تھا مگر بھاگ گیا اور سلطان ایوبی کو گھات کی خبر دے دی...... لیکن اب یہ سوچنا ہے کہ ایوبی اور الصالح کا معاہدہ اور اتحاد کس طرح توڑا جائے''۔

''کیا آپ مسلمانوں کی کمزوریوں کو بھول گئے ہیں یا انہیں نظر انداز کر رہے ہیں؟'' ایک اور صلیبی بادشاہ نے کہا۔ ''اُس وقت الصالح بچہ تھا، جب ہم نے اُس کے مشیروں، امیروں اور سالاروں کو تحفے تحائف اور عیاشی کا سامان دے کر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اب وہ جوان ہو گیا ہے۔ اسے اب ہاتھ میں لینا زیادہ آسان ہے۔ اپنا حربہ استعمال کریں اور مخصوص تحفہ اپنے ایلچی کے ہمراہ بھیج دیں۔ اگر آپ جنگی قوت سے اُسے ساتھ ملانے کی سوچ رہے ہیں تو یہ خیال ذہن سے نکال دیں۔ سلطان ایوبی کی فوج اس علاقے میں موجود ہے۔ العادل بھی اپنی فوج کے ساتھ یہیں ہے۔ الصالح کے پاس اپنی فوج کے علاوہ حرن اور موصل کی فوج بھی ہے۔ اگر آپ نے حلب پر حملہ کیا تو سلطان ایوبی تمام افواج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اگر اُس نے ہم پر فتح حاصل نہ کی تو یہ نقصان ضرور ہوگا کہ الصالح آپ کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لیے نکل جائے گا۔ ہمیں فلسطین کا دفاع کرنا ہے۔ ہم نے اپنی افواج کو مختلف جگہوں پر پھیلا دیا ہے اور دیکھ رہے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کدھر کا رُخ کرتا ہے اور اُس کے عزائم کیا ہیں۔ ان حالات میں ہم آپ کی مدد نہیں کر سکیں گے۔ آپ اپنے طور پر الصالح کو ہاتھ میں لے لیں''۔

☆

۱۱۸۰ء میں والیٔ موصل سیف الدین غازی مر گیا۔ اس کی جگہ عزالدین مسعود نے امارت سنبھال لی۔ اسی سال سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی شمس الدولہ طوران شاہ سکندریہ میں فوت ہو گیا۔ سلطان ایوبی مصر چلا گیا، وہاں کے حالات پھر بگڑنے لگے تھے۔ وہ اپنی فوج اپنے بھائی العادل کی زیرِ کمان پیچھے چھوڑ گیا تھا۔

پھر ۱۱۸۱ء کا سال آ گیا۔ بالڈوِن نے اپنی فوج کی کمی پوری کر لی تھی۔ اُسے ٹریننگ بھی دے لی تھی۔ اُس نے اپنی فوج کو سلطان ایوبی کی چالوں کے مطابق جنگی مشقیں بھی کرائی تھیں۔ وہ اگلی جنگ کے لیے تیار تھا لیکن الملک الصالح کو وہ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا تھا۔

الصالح اب بچہ نہیں، جوان تھا۔ سلطنت کے کاروبار کو وہ سمجھنے لگا تھا۔ اُس کی کمزوری اس کے مشیر اور سالار تھے جو در پردہ صلیبیوں کے حامی تھے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کر لی تھی، مگر اُس کے دماغ سے ابھی بادشاہی کا خبط نکلا نہیں تھا۔ وہ خود مختار حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ایک روز اُسے اطلاع ملی کہ صلیبی بادشاہ بالڈوِن کا ایلچی آیا ہے۔ اُس نے فوراً اُسے اندر لانے کی اجازت دے دی۔ یہ ایلچی ذہنی تخریب کاری کا ماہر اور انسانی نفسیات کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ اُس نے الملک الصالح کو بتایا کہ وہ کچھ تحفے بھی لایا ہے۔

تحفوں میں ایک تو بیش قیمت ہیروں اور جواہرات اور سونے کے سکوں کا بکس تھا۔ دو تلواریں تھیں۔ پچاس

اعلیٰ نسل کے گھوڑے تھے اور ایک لڑکی تھی۔ الصالح نے باہر جا کر گھوڑے دیکھے۔ ہیرے اور جواہرات دیکھے لیکن جس تحفے پر اُس کی نظریں جم کر رہ گئیں وہ لڑکی تھی۔ وہ بہت دیر لڑکی کو ہی دیکھتا رہا۔ اُس کی اُٹھتی جوانی کی تمام تر کمزوریاں ایک جادو بن کر اُس کی عقل پر غالب آ گئیں۔ ایلچی نے اُس کے ہاتھ میں بالڈون کا پیغام دیا جو عربی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ اُس نے کچھ دیر تو پیغام کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ لڑکی اُس کے خوابوں سے زیادہ حسین تھی۔

ایلچی نے پیغام کھول کر اُس کے آگے رکھا۔ اُس نے پڑھا۔ بالڈون نے لکھا تھا...... ''عزیز الملک الصالح والی حلب! میں ایلچی اور تحفوں کی بجائے اپنی فوج بھیج سکتا تھا لیکن میں آپ کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ آپ میرے دوست اور میرے بچے ہیں۔ ہم نے آپ کی مدد اُس وقت کی ہے جب آپ بچے تھے اور صلاح الدین ایوبی آپ کی سلطنت پر قابض ہونے کے لیے آ گیا تھا۔ ہمیں افسوس ہے کہ گمشتگین اور سیف الدین نے آپ کو دوستی کے دھوکے میں رکھا۔ ہم بھی اس دھوکے کو نہ سمجھ سکے۔ اگر آپ اکیلے ہوتے تو آپ کی فوج کبھی شکست نہ کھاتی۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ گمشتگین کس قدر فریب کار تھا۔ آپ کو اُسے سزائے موت دینی پڑی۔ سیف الدین نے بھی آپ کو ہمیشہ دھوکے میں رکھا۔ وہ حلب پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ ہم تھے جنہوں نے اُسے ان عزائم سے باز رکھا......

''آپ نے آخر صلاح الدین ایوبی سے شکست کھائی جس نے آپ کو اُس کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ آپ اتنے مجبور ہوئے کہ اُسے آپ نے ابن لاعون پر حملہ کرنے کے لیے فوج دے دی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ جیسا غیور جنگجو اپنی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا مگر آپ تنہا تھے۔ میں خود جنگ و جدل میں اُلجھا رہا، ورنہ آپ کی مدد کو پہنچتا۔ اب میں آپ کی طرف توجہ دینے کے قابل ہو گیا ہوں۔ آپ نہ بھولیں کہ صلاح الدین ایوبی نے آپ کو ایسی خود مختاری دی ہے جس کا مطلب غلامی ہے۔ وہ آپ کو آہستہ آہستہ غلام بنا رہا ہے۔ اُس نے عزالدین کی مدد کے لیے آرمینیوں کو شکست دی اور اُسے اپنے احساس کی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے۔ تمام چھوٹے چھوٹے اُمراء اُس کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اب اُس کی نظر آپ کے علاوہ موصل اور حرن پر ہے......

''ذرا غور کریں کہ وہ مصر سے ہمارے خلاف لڑنے کے لیے فوج لایا تھا لیکن اُس نے تل خالد پر جا حملہ کیا اور آپ سے بھی فوج لے لی۔ اب وہ پھر مصر چلا گیا ہے۔ اُس کے جانے کا جو مقصد ہے، وہ ہمارے جاسوس ہمیں بتا چکے ہیں۔ وہ بے بہا خزانہ لے کر گیا ہے جو وہ قاہرہ اپنے خزانے میں رکھ کر واپس آئے گا۔ اُس نے آپ کو کیا دیا آپ کی فوج کو اُس نے مالِ غنیمت میں کتنا حصہ دیا ہے؟ اُس نے یروشلم کی طرف پیش قدمی کیوں نہیں کی؟ کیا آپ کو کسی نے بتایا ہے کہ آرمینیوں کی کتنی لڑکیاں وہ اپنے ساتھ لے گیا ہے؟......

''اِن سوالوں کو اپنے ذہن میں اُلٹ پلٹ کریں۔ آپ پر صلاح الدین ایوبی کے کردار اور اُس کی نیت کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔ آپ کے ساتھ ہماری کوئی دشمنی نہیں۔ ہم اس خطے میں امن و امان قائم کرنے آئے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سلطان ایوبی یہاں سے ہمیں بے دخل کر کے یورپ پر حملہ کرنے اور اپنی سلطنت کو وسعت دینے کی سوچ رہا ہے۔ آپ کو اور دوسرے اُمراء کو وہ اپنی ہتھیلی کے سکے سمجھتا ہے۔ اگر آپ نے اپنے دفاع کا انتظام نہ کیا تو آپ کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ہم یہاں یورپ کے دفاع کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اگر آپ میری بات سمجھ گئے ہیں تو مجھے جواب دیں۔ میں اپنے مشیر بھیجوں گا جو آپ کی مالی اور جنگی ضرورت کا جائزہ لے کر مجھے بتائیں گے۔ میں نے جو گھوڑے بھیجے ہیں، یہ تحفہ ہے۔ میں آپ کی فوج کے لیے ایسے سینکڑوں گھوڑے بھیج سکتا ہوں۔ یورپ سے ہم نے جدید ہتھیار منگوائے ہیں۔ وہ

بھی آپ کو دیئے جائیں گے۔آپ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ نہ توڑیں، در پردہ معاہدہ توڑ دیں اور اپنے دفاع کی تیاری کریں۔ہم آپ کے ساتھ ہیں''۔

الملک الصالح کے نوجوان اعصاب پر یہودیوں کی اتنی حسین اور دل کش لڑکی نے پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا۔پیغام کے الفاظ جادو کی طرح اُس کے دل میں اُترتے گئے۔اس نے ایلچی کے آرام اور خوراک کا ایسا انتظام کرنے کا حکم دیا جیسے بالڈون خود آ گیا ہو۔پھر اُس نے اپنے آپ کو لڑکی کے حوالے کر دیا۔اُس نے اس سے زیادہ خوب صورت لڑکیاں بھی دیکھی تھی، لیکن اس لڑکی کا جو انداز تھا اور اُس کی جو مسکراہٹ تھی، اس نے اُس کے حسن میں طلسماتی اثر پیدا کر رکھا تھا۔الصالح اندھا ہو گیا۔

رات کو لڑکی اُس کی خواب گاہ میں آئی تو اُس کے ہاتھ میں صراحی اور پیالے تھے۔یہ بھی تحفہ تھا۔لڑکی نے اُسے بتایا کہ یہ فرانس کی شراب ہے جو صرف بادشاہوں کے لیے تیار کی جاتی ہے۔

''آپ کے حرم میں تو کچھ بھی نہیں''۔لڑکی نے اُسے کہا......''کیا آپ ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ آپ کا حرم آباد ہو؟''

''میرے حرم کے لیے تم اکیلی کافی ہو''۔الملک الصالح نے مخمور آواز میں کہا۔

''میں اپنے جیسی لڑکیوں سے آپ کا حرم بھر دوں گی''۔لڑکی نے شراب کا پیالہ اُس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا......''کیا یہ صحیح ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی ایک ہی بیوی ہے اور وہ کسی کو حرم میں عورتیں رکھنے کی اجازت نہیں دیتا؟''

''ہاں!'' الصالح نے جواب دیا......''یہ صحیح ہے۔وہ شراب کی بھی اجازت نہیں دیتا''۔

''آپ کو معلوم نہیں کہ اُس کا اپنا ایک خفیہ حرم ہے۔جس میں غیر معمولی طور پر حسین لڑکیاں ہیں۔اِن میں مسلمان بھی ہیں، یہودی بھی اور عیسائی بھی ہیں''۔

فانوس کی رنگین اور ہلکی ہلکی روشنی اور فرانس کی شراب کے نشے میں یہ لڑکی طلسم بن کر اُس پر چھاتی چلی گئی اور ذرا سی دیر بعد وہ لڑکی کے ریشمی بالوں کی زنجیروں میں جکڑا گیا......گناہ کی رات کی کوکھ سے سحر نے جنم لیا تو الصالح نے لڑکی سے کہا......''یہاں میری ایک بہن بھی ہے۔تم اُس کے سامنے نہ آنا۔وہ ابھی پسند نہیں کرتی کہ میں شادی کے بغیر کسی لڑکی کے قریب جاؤں۔میں کسی وقت اُسے بتاؤں کہ تم مسلمان ہو اور میرے ساتھ شادی کرنے آئی ہو''۔

''اپنی بہن کو آزاد کیوں نہیں کرتے؟'' لڑکی نے کہا......''اسے مردوں میں اُٹھنے بیٹھنے دیں۔وہ شہزادی ہے۔آپ بادشاہ ہیں۔صلاح الدین ایوبی آپ کی یہ حیثیت ختم کر رہا ہے۔ہم آپ کی بہن کو الگ سلطنت دے کر سلطانہ بنا دیں گے''۔

الملک الصالح تصوروں میں بادشاہ بن گیا۔

☆

''کیا خبر لائے ہو؟'' بالڈون نے شراب کے نشے میں بدمست لہجے میں اپنے ایلچی سے پوچھا۔

''کیا میں کبھی ناکام بھی لوٹا ہوں؟'' ایلچی نے جواب دیا۔اُس نے الملک الصالح کے محل میں چار روز قیام کیا تھا اور بڑی لمبی مسافت طے کر کے ابھی ابھی واپس آیا تھا۔اُس نے کہا......''مسلمانوں پر فوج کشی کر کے آپ اتنی جانیں ضائع کرتے اور اتنے زیادہ گھوڑے مرواتے ہیں۔مسلمانوں کے حکمرانوں سے صرف ایک لڑکی ہتھیار ڈلوا سکتی ہے''۔

''صرف لڑکی نہیں''۔بالڈون نے کہا......''مسلمان کو اگر لڑکی کا صرف تصور دے دو تو وہ اپنے نیک و بد کو بھول

کر اسی تصور کا ہو جاتا ہے..... کہو، تم کیا کر کے آئے ہو؟''

''اُس نے تحریری جواب نہیں دیا'' ۔ ایلچی نے کہا..... ''کہتا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور چھاپہ مار ہر طرف گھومتے پھرتے رہتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ پیغام پکڑا جائے۔ اُس نے آپ کی ہر بات مان لی ہے۔ وہ صلاح الدین ایوبی کا حامی نہیں، البتہ گھبرایا ہوا تھا اور اپنے آپ کو ایوبی کے مقابلے میں تنہا سمجھتا تھا۔ آپ کے پیغام نے اُسے بہت حوصلہ دیا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ آپ اپنے مشیر بھیج دیں لیکن عربی تاجروں کے لباس میں ہوں اور یہاں ہر کسی کو یہی بتائیں کہ وہ شاہی سطح پر تجارت کی بات چیت کرنے آئے ہیں'' ۔

''وہ کسی شک میں تو نہیں؟'' بالڈون نے پوچھا۔

''آپ نے اُسے یہودیوں کا جو تحفہ بھیجا ہے، اُس نے کسی شک کی گنجائش نہیں رہنے دی'' ۔ ایلچی نے جواب دیا..... ''میں نے وہاں چار روز قیام کیا ہے۔ اس دوران میں اُس کے سالاروں سے ملتا رہا ہوں اور اُس کے دوسرے حاکموں سے بھی ملا ہوں۔ ان میں بہت سے ایسے ملے ہیں جو ایوبی کے حق میں ہیں۔ میں نے ان میں سے دو کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور انہیں وعدے دیئے ہیں۔ چوری چھپے انہیں تحفے بھی دیئے ہیں، وہاں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بھی موجود ہیں۔ اس لیے کسی بات کو مخفی رکھنا ممکن نہیں۔ تاہم الملک الصالح کو اپنے ہاتھ میں سمجھئے۔ میں نے لڑکی کو ان دو جرنیلوں سے متعارف کروایا ہے جنہیں میں نے ہاتھ میں لیا ہے۔ وہ اپنا کام کرتی رہے گی۔ آپ اپنے آدمی جلدی روانہ کر دیں'' ۔

یہ ایلچی صرف ایلچی نہیں تھا۔ بتایا جا چکا ہے کہ انسانی نفسیات سے کھیلنے والا اُستاد تھا۔ اُس نے کہا..... ''صلاح الدین ایوبی اپنے افسروں کو اور اپنی قوم کو نصیحت اور وعظ کرتا رہتا ہے کہ بادشاہی کے خواب، دولت اور عورت ایسی بدعتیں ہیں جو انسان کے ایمان کو ختم کر دیتی ہیں۔ اُسے معلوم نہیں کہ جب یہ تینوں بدعتیں کسی عالم فاضل کے سامنے آ جائیں تو اُس کے بھی ایمان کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں۔ یہ انسانی کمزوریاں ہیں۔ اُن کے سامنے وعظ بے کار ہو جاتے ہیں'' ۔

بالڈون نے اُسی وقت تین مشیر تیار کر لیے۔

☆

تجارتی سامان سے لدے ہوئے بہت سے اونٹوں کا ایک قافلہ حلب میں الصالح کے محل سے ذرا ہی دور رُکا۔ اس کے ساتھ کئی ایک آدمی تھے۔ ان میں سے تین آدمی جو عربی لباس میں تھے، محل کی طرف چل پڑے۔ دربانوں نے انہیں روک لیا۔ تاجر الملک الصالح سے ملنا چاہتے تھے۔ کہتے تھے کہ وہ ہیرے اور کچھ اور بیش قیمت سامان لائے ہیں جو بادشاہ خریدتے ہیں اور وہ حلب کے ساتھ تجارت کرنے کی بات چیت کریں گے۔ محافظوں کے کمانڈر ابن خطیب نے انہیں سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ان کی باتوں میں دلچسپی لے کر انہیں بے تکلفی سے بولنے کا موقع دیا۔ وہ اُن کی آنکھوں کا سبز اور نیلا رنگ اور چہرے کی رنگت کو غور سے دیکھتا رہا۔ اُسے معلوم تھا کہ تجارت کی بات چیت براہِ راست بادشاہ کے ساتھ کبھی بھی نہیں ہوئی۔ وہ انہیں الگ لے گیا۔

آپ اپنا اصل مقصد بتائیں'' ۔ ابن خطیب نے پوچھا۔

''ہم اپنا مقصد بتا چکے ہیں'' ۔

''یروشلم سے آئے ہو یا عکرہ سے؟'' ابنِ خطیب نے پوچھا۔

''ہم تاجر ہیں'' ۔ ایک نے جواب دیا..... ''ہم ہر ملک میں جاتے ہیں۔ یروشلم اور عکرہ بھی جاتے ہیں، تم کس

شک میں ہو؟"

"شک میں نہیں"۔ ابنِ خطیب نے کہا...... "مجھے یقین ہے۔ میں آپ تینوں کو جانتا ہوں۔ آپ مجھے نہیں جانتے۔ میں آپ کا آدمی ہوں۔ میرا نام ابنِ خطیب ہے لیکن میرا نام کچھ اور ہے۔ ہرمن اچھی طرح جانتا ہے"۔

ہرمن صلیبیوں کے جاسوسی اور سراغ رسانی کے نظام کا سربراہ اور اس فن کا ماہر تھا۔ ابنِ خطیب نے کوئی خفیہ لفظ بولا جو صلیبیوں کے جاسوس ایک دوسرے کی شناخت کے لیے بولا کرتے تھے۔ تاجر جو دراصل بالڈوِن کے بھیجے ہوئے مشیر تھے، مُسکرائے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ الملک الصالح کے ہاں صلیبی جاسوس موجود ہیں۔ ابنِ خطیب نے انہیں یقین دلا دیا کہ وہ انہی کا جاسوس ہے۔

"آپ اسی مقصد کے لیے آئے ہیں؟" ابنِ خطیب نے پوچھا...... "مجھ سے نہ چھپائیں، ورنہ آپ کو اندر نہیں جانے دیا جائے گا"۔

"ہاں!" ایک صلیبی نے کہا..... "اسی مقصد کے لیے...... اور ہمیں یہ بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوس محل میں موجود ہیں؟"

"موجود ہیں لیکن اُن پر ہماری نظر ہے"۔ ابن خطیب نے کہا..... "اُن سے ہم آپ کو چھپائے رکھیں گے لیکن مجھے آپ کے مقصد سے پوری واقفیت ہونی چاہیے"۔

ان تینوں نے اپنے خفیہ الفاظ اور طریقوں سے یقین کر لیا کہ ابنِ خطیب انہی کا آدمی ہے۔ انہوں نے اُسے اپنا مقصد بتا دیا۔ ابنِ خطیب نے اندر جا کر الملک الصالح کو اطلاع دی کہ تاجر شرفِ ملاقات چاہتے ہیں۔

"تم محافظ دستے کے نئے کمان دار ہو؟" الملک الصالح نے پوچھا۔

"جی حضور!" اُس نے جواب دیا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"

اُس نے کسی گاؤں کا نام لیا تو الملک الصالح نے کہا..... "ہم ہر وقت ہر کسی سے نہیں مل سکتے۔ آئندہ خیال رکھنا، ان تینوں کو اندر بھیج دو"۔

اُس نے باہر جا کر تینوں کو اندر جانے کو کہا اور آنکھ مار کر ہدایت کی کہ بہت سنبھل کر بات کریں۔

☆

رات عشاء کی نماز کے بعد ابنِ خطیب جامع مسجد کے امام کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ دو اور آدمی بھی تھے۔

"اب اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہی کہ الملک الصالح ایک بار پھر صلیبیوں کے جال میں آ رہا ہے"..... ابنِ خطیب نے کہا..... "میں نے آپ کو پہلے ایلچی اور تحفوں کی اطلاع دی تھی۔ وہ صلیبیوں کی طرف سے آئے تھے اور ساتھ ایک بڑی ہی خوب صورت لڑکی تھی۔ آج پتہ چل گیا ہے کہ وہ ایلچی بالڈوِن کی طرف سے آیا تھا۔ آج تین تاجر الملک الصالح سے تجارت کی بات چیت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے دو سال بیت المقدس میں صلیبیوں کے درمیان رہ کر جاسوسی کی ہے۔ ان تینوں کے چہرے اور زبان کا لہجہ بتاتا تھا کہ انہوں نے جو عربی لباس پہن رکھا ہے، یہ بہروپ ہے۔ میں نے اُس کا جاسوس بن کر اُن کا اصل روپ دیکھ لیا ہے۔ بیت المقدس کی جاسوسی نے آج مجھے بہت فائدہ دیا ہے۔ میں اُن کے خفیہ (کوڈ) الفاظ جانتا ہوں اور خفیہ اشارے بھی۔ محترم علی بن سفیان کی تربیت

کی برکت آج دیکھی ہے"۔

ابنِ خطیب سلطان ایوبی کا جاسوس تھا جو تھوڑا ہی عرصہ گزرا حلب میں آیا اور الملک الصالح کے ایک ایسے نائب سالار کی کوشش سے محافظ دستے کا کمانڈر بنا دیا گیا جو سلطان ایوبی کا حامی تھا۔ ابنِ خطیب علی بن سفیان کا خصوصی طور پر ذہین اور بے خوف جاسوس تھا۔ وہ دو سال بیت المقدس میں صلیبی بادشاہوں اور جرنیلوں کے ہیڈ کوارٹر میں رہا اور اس نے کامیاب جاسوسی کی تھی۔ جامع مسجد کا امام ان تمام تر جاسوسوں کا کمانڈر تھا جو سلطان ایوبی نے حلب میں بھیج رکھے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد جسے کوئی رپورٹ دینی ہوتی، وہ مسجد میں جا کر امام کو دیتا تھا۔ امام اپنے طور پر تصدیق کر کے رپورٹ سلطان ایوبی تک پہنچا دیتا تھا۔ ابنِ خطیب بڑی ہی قیمتی رپورٹ لایا تھا۔

اتنے میں ایک ادھیڑ عمر عورت آ گئی۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ برقع نما کپڑے میں مستور تھی۔ اندر آ کر اُس نے چہرہ بے نقاب کیا۔ اسے دیکھ کر سب ہنس پڑے۔ وہ الملک الصالح کی خادمہ تھی۔ یہ اُس کی خواب گاہ کی دیکھ بھال کرتی اور اُس کی درپردہ زندگی کی راز دان تھی۔ وہ اُسی روز امام کو رپورٹ دے چکی تھی کہ صلیبیوں کی طرف سے الملک الصالح کے پاس ایک لڑکی آئی ہے جو شکل وصورت، جسم، رنگ، نازوادا اور زبان کی چاشنی کے لحاظ سے سر تا پا ایسا جادو ہے جس سے کوئی زاہد اور پرہیز گار بھی نہیں بچ سکتا۔ وہ امام کو بتا چکی تھی کہ الصالح کا باقاعدہ حرم نہیں لیکن اُس کی راتیں عورت کے بغیر نہیں گزرتیں۔ عورت اس کی کمزوری بن گئی ہے۔

"..... مگر اس لڑکی نے جو مجھے یہودی معلوم ہوتی ہے، الصالح کو اپنا غلام بلکہ قیدی بنا لیا ہے"۔ خادمہ نے کہا۔ "وہ اتنا پاگل ہو گیا ہے کہ مجھ سے باچھیں کھلا کر پوچھتا ہے، 'یہ لڑکی تمہیں پسند ہے؟ میں اس کے ساتھ شادی کر لوں؟'...... میں نے ایک بار اسے کہا کہ اپنی بہن سے پوچھ لیں۔ اُس نے مجھے سختی سے کہا کہ اس کی بہن کے ساتھ ذکر نہ کروں"۔ خادمہ بھی جاسوس تھی۔ اُس نے تفصیل سے بتایا کہ الملک الصالح پوری طرح اس لڑکی کے جال میں آ گیا ہے۔ اب کوئی اور لڑکی اس کی خواب گاہ میں داخل نہیں ہو سکتی۔

"اب سوچنا یہ ہے کہ اسی وقت سلطان ایوبی کو اطلاع دے دی جائے یا دیکھ لیا جائے کہ صلیبی کیا کرتے ہیں یا الصالح سے کیا کرواتے ہیں"۔ امام نے کہا...... "میری رائے ہے کہ الصالح کوئی ٹھوس کارروائی کرلے جو معاہدے کے خلاف ہو تو سلطان کو اطلاع دی جائے"۔

"سلطان مصر چلے گئے ہیں"۔ ایک اور نے کہا جو بوڑھا تھا اور دانش مند معلوم ہوتا تھا...... "اِدھر العادل ہیں۔ وہ سلطان سے حکم منگوائے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ اتنے عرصے میں یہاں کے حالات ایسے ہو سکتے ہیں جو شاید قابو سے نکل جائیں۔ کیوں نہ کوئی ایسی کارروائی سوچی جائے جو اس سلسلے کو یہیں پر ختم کر دے"۔

"میں آپ کو ایک مشورہ دیتی ہوں"۔ خادمہ نے کہا۔ "الصالح کی توجہ صرف لڑکی پر ہے، وہ بھلا بُرا سوچنے کے بھی قابل نہیں رہا۔ یہ لڑکی دن کے وقت بھی اُسے شراب میں مدہوش رکھتی ہے۔ بدبخت پہلے بھی پیتا تھا لیکن صرف رات کو پیتا تھا اور اتنی زیادہ اُس نے کبھی نہیں پی تھی۔ نشے کی حالت میں وہ اپنی بہن کے سامنے نہیں ہوتا تھا۔ اُسے دن کو ملتا تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ جب پوچھتی ہے تو میں کہہ دیتی ہوں کہ سلطنت کے کام ایسے ہیں کہ الصالح کو فرصت نہیں...... میرا مشورہ یہ ہے کہ لڑکی کو غائب کر دیا جائے تو الصالح کے ہوش ٹھکانے نہیں رہیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ صلیبیوں سے کوئی بات کرے یا نہ کرے"۔

اس کارروائی پر بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ ابنِ خطیب نے کہا کہ وہ تاجروں کو بھی غائب کر سکتا ہے۔ یہ فیصلہ ہوا کہ موقعہ دیکھ کر پہلے لڑکی کو غائب کیا جائے مگر یہ کام آسان نہیں تھا، بلکہ ناممکن تھا۔ تاہم انہوں نے اسی کارروائی کا فیصلہ کر لیا۔

☆

یہ نومبر ۱۱۸۱ء کے دن تھے۔ اونٹوں کا قافلہ باہر رُکا رہا۔ لوگ خرید و فروخت کرتے رہے۔ تینوں صلیبی مشیر عربی تاجروں کے بھیس میں الصالح سے ملتے ملاتے رہے۔ وہ اپنی شرائط خفیہ طور پر طے کر رہے تھے۔ ۱۶/۱۷ نومبر (۸/۷ رجب ۵۷۷ ہجری) کی رات الصالح نے بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا جس کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی، لیکن در پردہ اس ضیافت کی تقریب یہ تھی کہ صلیبی مشیروں کے ساتھ الصالح نے خفیہ معاہدہ کر لیا تھا جس کا علم صرف دو سالاروں کو تھا۔ رات کی ضیافت میں سینکڑوں مہمان تھے۔ ان میں صلیبی مشیر بھی تھے جو ابھی تک عربی تاجروں کے لباس میں تھے۔ اُن کے قافلے کے شتربان بھی اس میں مدعو تھے لیکن وہ شتربانوں کی حیثیت سے ضیافت میں نہیں آئے تھے۔ ان میں دراصل شتربان کوئی بھی نہیں تھا۔ ان میں بعض جاسوس تھے اور باقی صلیبی فوج کے افسر۔ ضیافت میں یہودی لڑکی بھی تھی اور الصالح کی بہن بھی مگر اسے انتظامات کی دیکھ بھال سونپی گئی تھی۔

اُس رات محافظ دستے کی پابندیاں بھی کم ہوگئی تھیں۔ مہمانوں کا ریلا چلا آرہا تھا۔ کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کم از کم الصالح کو خطرہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ سالم بکرے روسٹ کیے گئے تھے۔ وسیع میدان میں قناتیں اور شامیانے لگائے گئے تھے۔ جوں جوں رات گزرتی جارہی تھی، ضیافت کا رنگ نکھرتا آرہا تھا۔ ہر طرف مہمانوں کی چہل پہل تھی۔

یہودی لڑکی اِدھر اُدھر پھدکتی پھر رہی تھی۔ وہ کسی سے مل کر آرہی تھی کہ اسے خادمہ نے روک لیا اور کسی سالار کا نام لے کر کہا کہ وہ کسی ضروری بات کے لیے بلا رہا ہے۔ لڑکی کو معلوم تھا کہ وہ اُس کا اپنا آدمی ہے۔ وہ اُدھر چلی گئی اور پھر واپس نہیں آئی۔ الصالح کو ابھی پتہ نہیں چلا تھا کہ لڑکی غائب ہوگئی ہے۔ ابنِ خطیب اُس رات ڈیوٹی پر نہیں تھا۔ اُس نے تین تاجروں میں سے ایک کے ساتھ بات کرنے کا موقع پیدا کر لیا اور کہا...... ”آپ تینوں یہاں سے نکلیں، ورنہ مارے جائیں گے۔ بہت بڑا خطرہ ہے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کی اطلاع ملی ہے کہ مہمانوں کے بھیس میں یہاں موجود ہیں“...... اُس نے اسے ایک جگہ بتا کر کہا کہ تینوں وہاں آجائیں۔ آگے انہیں لے جا کر چھپانے کا انتظام کر لیا گیا ہے۔

”اب ہمیں یہاں سے نکلنا ہی ہے“۔ صلیبی نے کہا۔ ”ہمارا کام ہو چکا ہے“۔

”پھر جلدی نکلیں“۔ ابنِ خطیب نے کہا...... ”ورنہ صبح تک آپ کی لاشیں یہاں سے نکلیں گی“۔

اس صلیبی نے یہ بات اپنے ساتھیوں کے کانوں میں جا ڈالی اور وہ ایک ایک کر کے وہاں سے اس طرح نکلے کہ کسی کو شک نہ ہو۔ اگر وہ محل کے اندر ہوتے تو نکلتے دیکھے جا سکتے تھے۔ وہ میدان تھا۔ اندھیرے راستے سے گئے۔ آگے ابنِ خطیب تین گھوڑوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ خود بھی گھوڑے پر سوار تھا۔ ضیافت میں رقص و سرور اور مہمانوں کا اتنا شور تھا کہ کسی کو چار گھوڑوں کے قدموں کی آواز نہ سنائی دی اور الصالح کو علم ہی نہ ہو سکا کہ اُس کے خصوصی مہمان فرضی خطرے سے بھاگ کر حقیقی خطرے میں چلے گئے ہیں۔

☆

آبادی سے دُور ایک جھونپڑا نما مکان تھا۔ تینوں صلیبی اس میں بیٹھے تھے۔ ابنِ خطیب خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ ان کی جانیں بچ گئی ہیں۔ انہوں نے اپنے شتربانوں کے متعلق فکر کا اظہار کیا۔ ابنِ خطیب نے انہیں تسلی دی کہ سب کو نکال

لیا جائے گا۔ اُس نے ان سے پوچھا کہ وہ اُسے بتا کر جائیں کہ کیا معاملہ طے ہوا ہے تا کہ وہ اس کے مطابق چوکنا رہے۔ انہوں نے اسے بتایا کہ الصالح کو در پردہ جنگی سامان اور گھوڑے دیں گے۔ اس کی فوج کو ٹریننگ دیں گے۔ جاسوس دیں گے اور جب وہ سلطان ایوبی کے خلاف لڑے گا تو صلیبی فوج سلطان ایوبی پر عقب سے حملہ کرے گی۔ مختصر یہ کہ الصالح سلطان ایوبی کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ دے گا، لیکن اُس وقت توڑے گا جب صلیبی اُسے اشارہ دیں گے۔

''اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے؟'' ایک صلیبی نے پوچھا۔

''ہاں!'' ابنِ خطیب نے کہا..... ''آپ کی روانگی کا وقت آ گیا ہے۔ میرے ساتھ آؤ''۔

ابنِ خطیب نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ یہ دوسرا دروازہ تھا۔ اُس نے تینوں سے کہا کہ چلو۔ وہ کمرہ تاریک تھا۔ تینوں اس کمرے میں گئے تو پیچھے سے ایک کی گردن کے گرد ایک بازو لپٹ گیا اور ایک ایک خنجر ہر ایک کے دِل میں اُتر گیا۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک گہرا گڑھا پہلے ہی کھود لیا گیا تھا۔ تینوں کو اس میں پھینک دیا گیا۔

اسی کمرے کے ایک کونے میں یہودی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جو اندھیرے میں کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ اُس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ اُسے بھی ضیافت سے خادمہ کے ذریعے بلا کر کامیابی سے اغوا کر لیا گیا تھا۔ کمرے میں ابنِ خطیب کے علاوہ پانچ آدمی تھے۔ انہوں نے لڑکی کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور منہ سے کپڑا نکال دیا۔ لڑکی اپنے صلیبیوں کا حشر دیکھ چکی تھی۔ اس نے کہا کہ مجھے دوسرے کمرے میں لے چلو۔ اسے وہاں لے گئے۔ وہاں ایک دیا جل رہا تھا۔

''کیا تم نے مجھ سے زیادہ خوب صورت لڑکی کبھی دیکھی ہے؟'' لڑکی نے پوچھا

''کیا تم نے ہم سے زیادہ ایمان والے کبھی دیکھے ہیں؟'' ابنِ خطیب نے کہا..... ''ہم تمہیں اتنی مہلت نہیں دیں گے کہ تم الصالح کی طرح ہمارے ایمان بھی خرید سکو''۔

''میں اپنی جان کی بخشش مانگ رہی ہوں'' ۔ لڑکی نے کہا..... ''مجھے تم لوگ پسند نہیں کرتے تو بتاؤ کتنا سونا مانگتے ہو۔ صبح تمہارے قدموں میں رکھ دوں گی، پھر میں یہاں سے یروشلم چلی جاؤں گی''۔

ابنِ خطیب نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اُس نے دو ساتھیوں کے چہروں پر عجیب سے تاثرات دیکھے۔ ابنِ خطیب نے بڑی تیزی سے خنجر نکالا اور لڑکی کے دِل میں اُتار دیا۔ وہ گری تو اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا دوسرے کمرے میں لے گیا اور گڑھے میں پھینک دیا۔ سب نے مل کر گڑھا مٹی سے بھر دیا۔

امام کو رات کو ہی اطلاع دے دی گئی کہ کام مکمل کر دیا گیا ہے۔ اِدھر الصالح تینوں صلیبیوں اور لڑکی کے متعلق کہہ رہا تھا کہ بہت دیر سے نظر نہیں آئے..... آدھی رات کے کچھ دیر بعد جب آخری مہمان بھی رخصت ہو گیا تو وہ اپنے ہم رازوں سے یہی پوچھ رہا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ وہ کبھی بھی نہ ملے۔ وہ لڑکی کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔ اُس نے خادمہ کی جان کھالی۔ باقی رات نہ خود سویا، نہ اُس نے اپنی ذاتی ملازموں کو سونے دیا۔ خادمہ نے امام سے کہا تھا کہ لڑکی کے بغیر وہ ہوش کھو بیٹھے گا۔ اس کی رائے صحیح ثابت ہوئی۔ وہ تو پاگل ہوا جا رہا تھا۔

☆

صبح اُس کی حالت پاگلوں سے بھی بدتر تھی۔ اُس نے اپنے دو ہمراز سالاروں کو اپنے سامنے کھڑا کر رکھا تھا۔ انہوں نے ابنِ خطیب کو بلا لیا اور پوچھا کہ اُس نے ایک لڑکی اور عربی تاجروں کو باہر جاتے تو نہیں دیکھا؟

''میں نے انہیں دیکھا تھا''۔ ابنِ خطیب نے کہا۔ ''میں اپنے دستے کے ساتھ باہر مستعد کھڑا تھا۔ آدھی رات سے پہلے تینوں تاجر باہر آئے۔ اُن کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ وہ چلے گئے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ مجھے دوڑتے گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ میں نے انہیں واپس آتے نہیں دیکھا''۔

وہ سالار بھی جو سلطان ایوبی کا حامی تھا، آ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ صلیبی اور لڑکی کہاں ہیں۔ اُس نے الصالح کو صلیبیوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ اس نے کہا...... ''وہ اتنی خوب صورت لڑکی کو آپ کے پاس نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ انہوں نے آپ کو دھوکہ دے کر آپ سے کوئی بڑا ہی نازک راز حاصل کر لیا ہے۔ یہ شاید آپ کو بھی معلوم نہیں کہ وہ کیا راز ہوگا''۔

الصالح پر خاموشی طاری ہو گئی۔ اُسے غالباً یہ احساس ہو گیا تھا کہ لڑکی اسے دن کے وقت بھی شراب میں بے ہوش رکھتی رہی ہے۔ اس حالت میں معلوم نہیں، وہ اس سے کیا کچھ کہلواتی رہی ہے۔ اُسے شدید صدمہ ہوا، وہ رات بھر سویا بھی نہیں تھا۔ بہت دنوں سے وہ دن رات شراب پیتا رہا تھا۔ اُس کے اثرات کے علاوہ غصہ اور پچھتاوا بھی تھا۔ اُس نے غصے سے حکم دیا...... ''وہ جو اُن کے ساتھ قافلہ آیا تھا، ان سب کو قید میں ڈال کر مار ڈالو۔ اُن کے اونٹوں اور سامان کو سرکاری ملکیت میں لے لو''۔

اُسی شام الصالح کو پیٹ میں درد کی ٹیس اُٹھی۔ طبیب نے دوائی دی لیکن مرض بڑھتا گیا اور رات کو درد پیٹ سے ناف تک پھیل گئی۔ ۹ رجب ۵۷۷ ہجری یعنی اگلے روز اُس کی حالت طبیبوں کے بس سے باہر ہو گئی۔ طبیب ہر لحہ اُس کے پاس موجود رہنے لگے، مگر افاقہ ہونے کی بجائے درد بڑھتا گیا۔ رات بھی ایسے ہی گزری۔ دوسرے دن اس پر غشی طاری ہونے لگی۔ طبیبوں نے اُسے تو نہ بتایا، سالاروں وغیرہ کو بتا دیا کہ الصالح کا جانبر ہونا مشکل ہے۔ جامع مسجد کے امام کو بلا لیا گیا۔ اس نے سرہانے بیٹھ کر قرآن خوانی شروع کر دی۔ رات کو الصالح نے آنکھ کھولی۔ امام کو دیکھا اور مری ہوئی آواز میں کہا...... ''اگر قرآن برحق ہے تو اس کی برکت سے مجھے صحت یاب کرو''۔

''میں یہ کہنے سے نہیں ڈروں گا کہ آپ قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں''...... امام نے کہا...... ''قرآن کی برکت اُن کے لیے ہے جو اس کے ہر فرمان پر عمل کرتے ہیں...... خدا سے گناہوں کی بخشش مانگیں۔ اپنی ماں سے گناہوں کی معافی مانگیں''۔

اُس وقت اس کی بہن شمس النساء پاس کھڑی رو رہی تھی۔ الصالح کے منہ سے نکلا...... ''ماں...... میری ماں کو بلاؤ۔ اسے کہو کہ تمہارا گناہگار بیٹا مر رہا ہے۔ آ کر دودھ کی دھاریں اور گناہ بخش دو''۔

امام نے شمس النساء کی طرف دیکھا۔ اُس نے بھائی کے ماتھے پر پیار سے ہاتھ پھیر کر کہا...... ''ابھی دمشق کے لیے روانہ ہو جاتی ہوں۔ ماں کو لے کر آؤں گی''...... وہ تیز تیز قدم اُٹھاتی باہر نکل گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنے محافظوں کے ساتھ دمشق کے راستے پر جا رہی تھی۔

قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے۔ ''۱۳ رجب کے روز الصالح کی حالت اتنی بگڑی کہ قلعے کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ الصالح نے ذرا ہوش میں آ کر عزالدین کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ عزالدین سیف الدین کے مرنے کے بعد موصل کا والی بنا تھا۔ وہ موصل میں تھا۔ اب اُسے حلب کا والی بھی بنا دیا۔ الصالح نے تمام اُمراء اور سالاروں کو بلا کر کہا کہ وہ حلف اُٹھائیں کہ عزالدین کو اپنا والی تسلیم کرتے ہیں اور اس کے وفادار رہیں گے۔ سب نے حلف اُٹھایا۔ ۲۵ رجب ۵۷۷ ہجری الملک الصالح غشی کے عالم میں فوت ہو گیا۔ موصل کو قاصد دوڑایا گیا کہ عزالدین کو کہہ کر بلا

لائے کہ اسے حلب کا والی مقرر کیا گیا ہے"۔

☆

جس وقت شمس النساء دمشق میں اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھی ماں سے کہہ رہی تھی کہ اُس کا اکلوتا بیٹا مر رہا ہے اور دودھ کی دھاریں بخشوانے کے لیے اُسے بلا رہا ہے اور ماں نے کہا تھا کہ میں دودھ کی دھاریں بخش دوں گی، اس کے گناہ اللہ بخشے گا، اُس وقت الصالح فوت ہو چکا تھا۔ شمس النساء حلب واپس گئی تو اس کے اکلوتے بھائی کا جنازہ قلعے سے نکل رہا تھا۔

عزالدین کو قاصد نے الصالح کی موت کا پیغام دیا تو وہ اُسی وقت روانہ ہو گیا۔ راستہ چھوٹا کرنے کے لیے وہ کسی اور راستے سے جا رہا تھا۔ راستے میں اُس کا گزر سلطان ایوبی کے بھائی العادل کی فوج کی خیمہ گاہ سے ہوا۔ وہ العادل سے ملنے رُک گیا۔ العادل کو معلوم نہیں تھا کہ الصالح مر گیا ہے۔ عزالدین نے اُسے یہ خبر سنائی اور یہ بھی کہ اسے حلب کا والی مقرر کیا گیا ہے۔

العادل نے اسے کہا...... "تم آئندہ خانہ جنگی کو روک سکتے ہو اور حلب کو دمشق سے ملا سکتے ہو۔ غدار مر گیا ہے، تم تو ایمان فروش نہیں"۔

عزالدین گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ وقت بعد اُس نے العادل سے کہا...... "ہاں! میں حلب اور دمشق کو ایسے رشتے میں جکڑ سکتا ہوں جو کبھی نہیں ٹوٹے گا، لیکن...... لیکن اسے مضبوط بنانے کے لیے تم ایک کام بلکہ میری خواہش پوری کر سکتے ہو...... میں نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اگر وہ عظیم عورت مان جائے تو......"

"میں آج ہی دمشق چلا جاؤں گا"۔ العادل نے کہا۔ "مجھے اُمید ہے، وہ مان جائے گی"۔

العادل دمشق گیا۔ رضیع خاتون کو یہ خبر سنائی کہ اُس کا بیٹا مر گیا ہے۔

"اللہ اُس کے گناہ معاف کرے"۔ ماں نے کہا۔

کچھ دیر بعد العادل نے کہا کہ الصالح عزالدین کو اپنا جانشین مقرر کر گیا ہے اور عزالدین نے اُس کے ساتھ شادی کی خواہش ظاہر کی ہے۔ رضیع خاتون نے انکار کر دیا۔

"یہ شادی آپ کی اور عزالدین کی نہیں ہو گی"۔ العادل نے کہا...... "یہ دمشق اور حلب کی شادی ہو گی۔ اس سے آئندہ خانہ جنگی رُک جائے گی اور صلیبیوں کے خلاف محاذ مستحکم ہو سکے گا"۔

"عظمتِ اسلام کے لیے میں ہر قربانی کے لیے تیار ہوں"۔ رضیع خاتون نے کہا۔ "میری ذاتی خواہشیں مر چکی ہیں"۔

۵ شوال (۱۱ فروری ۱۱۸۲ء) عزالدین اور رضیع خاتون کی شادی ہو گئی۔

سانپ اور صلیبی لڑکی

سانپ ڈیڑھ بالشت لمبا ہوگا مگر اس نے اسحاق داویشکی کے اتنے قوی ہیکل گھوڑے کو اوندھا کر دیا۔ منزل ابھی بہت دُور تھی۔ صحرائے سینا ابھی آدھا باقی تھا۔ اسحاق داویشکی ترکی کا رہنے والا تھا۔ جسمانی لحاظ سے وہ تنومند تھا، خوبرو تھا، چہرے کی رنگت میں کشش تھی۔ اُس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ مسلمان ہے یا صلیبی۔ وہ جتنا تنومند اور خوبرو تھا، اُس سے کہیں زیادہ دماغی لحاظ سے چست اور چالاک تھا۔ وہ اُس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہوا تھا جب اُس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اُس نے فوجی ملازمت کو ذریعۂ معاش نہیں سمجھا تھا۔ وہ مردِ مومن کی صحیح تصویر تھا۔ صلیب کے پجاریوں کے عزائم سے آگاہ ہو کر اسلام کی پاسبانی کے لیے دمشق آیا اور فوج میں شامل ہو گیا تھا۔ جب سلطان ایوبی کو مصر کی امارت سونپی گئی تو اسحاق کو مصر بھیج دیا گیا تھا۔ وہ بڑے فخر سے اپنے آپ کو ترک کہلاتا تھا۔

ترکی کے بے شمار باشندے سلطان ایوبی کی فوج میں تھے۔ سلطان ایوبی کو اُن پر بھروسہ اور اعتماد تھا۔ اس نے جب کمانڈو فورس بنائی تو اس کے لیے زیادہ تر نفری ترکوں کی تیار کی۔ اسی فورس میں سے جاسوس بھی منتخب کیے گئے تھے۔ ان میں اسحاق ترک بھی تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر ذہین اور دلیر چھاپہ مار تھا۔ اسے کمان دار بنا دیا گیا تھا، پھر اُسے صلیبیوں کے علاقوں میں جاسوسی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وہ فرض کا شیدائی تھا۔ جان کی بازی لگا کر زمین کی تہوں سے بھی راز نکال لیا کرتا تھا، مگر اب صحرائے سینا میں ذرا جتنے سانپ نے اُسے بڑے ہی کڑے امتحان میں ڈال دیا۔ وہ اُن مسلمان علاقوں میں تھا جن پر صلیبیوں نے قبضہ کر رکھا تھا، وہاں سے حلب چلا گیا اور اب وہ ایک نہایت اہم اطلاع لے کر قاہرہ جا رہا تھا۔ اُس وقت سلطان ایوبی قاہرہ میں تھا۔ اسحاق ترک کو بہت جلدی پہنچنا تھا۔ راستے میں وہ کم سے کم آرام کر رہا تھا۔

وہ سرسبز علاقوں سے نکل گیا تھا۔ آگے ریت کا وہ سمندر تھا جس سے کوئی بھٹکا ہوا مسافر کبھی زندہ نکل کر نہیں گیا۔ صحرا انسان اور حیوان کا دشمن ہے۔ اسحاق ترک ریگزار کا بھیدی تھا...... سرسبز علاقے سے اُس نے پانی گھوڑے کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ اُسے راستے کا بھی علم تھا جہاں ایک دو جگہ پانی مل جاتا تھا۔ اس صحرا میں اس نے لڑائیاں بھی لڑی تھیں۔ حلب سے آتے ہوئے جب وہ اس میں داخل ہوا تھا تو اُسے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ صلیبیوں اور صحراؤں سے وہ کبھی نہیں ڈرا تھا۔ اسی جنگ و جدل اور مسافت کو وہ زندگی سمجھتا تھا۔ یہ اس کا عقیدہ تھا کہ خدا کی خوشنودی اسی جہاد میں ہے۔

وہ صحرائی ٹیلوں میں گھوڑے کو ذرا آرام دینے کے لیے رُک گیا۔ دوپہر کا سورج کچھ آگے نکل گیا تھا۔ اسحاق ترک ایک ٹیلے کے سائے میں لیٹ گیا اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ گھوڑا بڑی زور سے ہنہنایا۔ اسحاق کی آنکھ کھل گئی۔ گھوڑا تھوڑی سی جگہ میں چکر میں [illegible] رہا تھا لیکن زیادہ نہ دوڑ سکا، رُک گیا اور اس کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اسحاق ترک نے دیکھا کہ جہاں وہ سویا تھا، اس سے [illegible] پانچ قدم دُور ڈیڑھ بالشت لمبا سانپ جس کا رنگ سیاہ اور اس پر سفید اور گول دھبے تھے، تڑپ رہا تھا۔ دُم کی طرف سے آدھا [illegible] کا آدھا جسم کچلا ہوا تھا۔ گھوڑا وہیں کھڑا تھا۔ اسحاق سمجھ گیا کہ سانپ کاٹنے سے پہلے یا بعد

گھوڑے کے پاؤں کے نیچے آیا ہے۔ وہ اب چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اسحاق ترک نے اُس کا سر اپنے پاؤں تلے مسل ڈالا۔

گھوڑے کے زندہ رہنے کی اُمید ختم ہوگئی تھی۔ صحرا کا بچھو اور یہ سانپ اتنے زہریلے ہوتے ہیں کہ جسے ڈس لیں اسے پانی پینے کی مہلت نہیں ملتی۔ صحراؤں کے مسافر جلا دینے والے سورج سے اور لوٹ کر قتل کر دینے والے ڈاکوؤں سے اتنا نہیں ڈرتے، جتنا اس سانپ اور بچھو سے ڈرتے ہیں۔ یہ سانپ میدانی اور پہاڑی علاقوں کے سانپوں کی طرح آگے کو نہیں رینگتا بلکہ پہلو کی طرف عجیب سی چال سے رینگتا ہے۔ اسحاق نے اپنے گھوڑے کو مایوسی سے دیکھا۔ گھوڑا بڑی زور سے کانپا۔ اُس کا منہ کھل گیا تھا۔ گھوڑے کی ٹانگیں دوہری ہوئیں پھر اُس کا پیٹ زمین سے لگا اور وہ ایک پہلو پر گر پڑا۔ اسحاق ترک اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اعلیٰ نسل کا جنگی گھوڑا تھا جو لق و دق صحرا، بھوک اور پیاس کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ یہ تو ایک نقصان تھا کہ ایسا اعلیٰ گھوڑا ضائع ہو گیا تھا، مگر اُس وقت نقصان یہ ہوا کہ اسحاق ترک کو پیدل قاہرہ تک پہنچنا تھا۔ وہ بہت جلدی میں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے یہ راز جو وہ سینے میں لے کے جا رہا تھا، فوراً سلطان ایوبی تک نہ پہنچایا تو بہت بڑے جنگی نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔

اُس نے گھوڑے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کی نظر گھوڑے کے ایک پاؤں پر پڑی۔ کھر کے ذرا اوپر خون کے چند قطرے جمے ہوئے تھے۔ یہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ گھوڑا مر چکا تھا۔ اسحاق نے گھوڑے کی زین سے کھجوروں کا تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ کھولا اور چل پڑا۔ اس نے مرے ہوئے سانپ کو دیکھا اور نفرت سے کہا......

''سانپ اور صلیبی کی فطرت ایک سی ہے''۔

☆

وہ ریتلے ٹیلوں کے علاقے سے نکل گیا۔ سورج اُفق سے کچھ دُور رہ گیا تھا۔ اس کا قہر عروج پر تھا۔ وہ اپریل ۱۱۸۲ء کے دن تھے جو دُنیا کے لیے بہار کے دن تھے مگر صحراؤں میں کبھی بہار نہیں آتی۔ اسحاق ترک کے سامنے اُفق تک پھیلا ہوا ریت کا سمندر تھا جس میں چھوٹی چھوٹی خشک جھاڑیاں تھیں۔ ریت اس طرح جھلس رہی تھی جیسے ایک آدھ میل آگے پانی ہی پانی ہو اور اس میں سے شفاف بھاپ اُٹھ رہی ہو۔ اسحاق ابھی تازہ دم تھا۔ وہ کھجوروں کے تھیلے، مشکیزے، تلوار اور خنجر کا بوجھ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اُس کی چال میں جان تھی اور قاہرہ بہت جلدی پہنچنے کے عزم میں ابھی کوئی لرزہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ چلتا گیا اور سورج غروب ہو گیا۔

وہ ذرا سی دیر کے لیے رُکا۔ چند ایک کھجوریں کھائیں، پانی پیا اور چند منٹ لیٹ کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ بہت خوش تھا کہ بڑی ہی قیمتی اطلاع سلطان ایوبی کے لیے لے جا رہا ہے۔ اسے کچھ کھانے اور پینے کی جیسے ضرورت ہی نہیں تھی۔ اُس کی روح سیر تھی۔ فرض کے شیدائی جب فرض ادا کر لیں تو اُن کی روحیں مسرور ہو جاتی ہیں۔ اسحاق ترک بھی روحانی مسرت سے سرشار تھا۔ وہ اُٹھا۔ ستاروں کو دیکھا۔ سمت کا تعین کیا اور چل پڑا۔ صحرا کی رات اتنی خنک ہوتی ہے جتنا دن گرم اور جھلسا دینے والا ہے۔ رات کو چلنا آسان ہوتا ہے۔ وہ چلتا گیا۔ اس نے چلتے چلتے بہت کچھ سوچا۔ یہ بھی سوچا کہ وہ اتنی لمبی مسافت اتنے کم عرصے میں طے نہیں کر سکے گا۔ اس کا یہی ایک علاج تھا کہ کوئی اکیلا دکیلا گھوڑ سوار یا شتر سوار مل گیا تو اس سے گھوڑا یا اونٹ چھین لے گا اور اگر کوئی قافلہ رُکا ہوا نظر آ گیا تو گھوڑا یا اونٹ چوری کر لے گا۔ اسی توقع پر چلتا گیا۔

رات گزرتی جا رہی تھی۔ اُس کے پاؤں تلے سے ریگزار پیچھے ہٹتا جا رہا تھا اور اُسے تھکن کا احساس بھی ہونے لگا تھا لیکن اُسے ٹریننگ ایسی ملی تھی کہ تھکن، نیند، بھوک اور پیاس کو کئی روز تک برداشت کر سکتا تھا۔ تھکن کے پہلے احساس کو

اس نے ایک جنگی ترانے کے حوالے کر دیا۔ وہ بلند آواز سے ترانہ گانے لگا...... رات کے آخری پہر وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تھوڑا سا پانی پیا اور وہیں سو گیا۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا جب اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے بھوک کے احساس کو دبا لیا۔ پانی بھی نہ پیا۔ منزل ابھی بہت دُور تھی۔ کھجوریں اور پانی بچانے کی ضرورت شدید تھی۔ وہ اُٹھا اور چل پڑا۔

اُسے صحرا کا ایک اور خطرہ دُور سے ہی نظر آنے لگا۔ یہ ریت کی گول گول ٹیکریاں تھیں جو دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ان کی بلندی بھی ایک جیسی ہوتی ہے۔ ان میں کوئی اجنبی داخل ہو جائے تو باہر نکل نہیں سکتا۔ یہ بھول بھلیاں بنی ہوتی ہیں۔ بعض مسافر ایک ہی ٹیکری کے اِرد گرد گھومتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہی کہ وہ سفر طے کر رہے ہیں۔ صحراؤں کے بھیدی بھی ان سے ڈرتے ہیں۔ اسحاق ترک کو پہلا احساس یہ ہوا کہ یہ ٹیکریاں اس کے راستے میں نہیں آنی چاہئیں تھیں۔ اس سوال نے اُسے پریشان کر دیا۔ کیا وہ اُس راستے سے بھٹک گیا ہے جس سے وہ واقف تھا؟ وہ اب اِدھر اُدھر کہیں نہیں جا سکتا تھا اسے انہی میں سے گزرنا تھا۔ وہ بڑھتا گیا اور ٹیکریوں میں داخل ہو گیا۔ اس وقت تک سورج اوپر آ چکا تھا اور صحرا تپنے لگا تھا۔ وہ ٹیکریوں میں گھومتا، موڑ مڑتا گیا۔ ریت اس کے پاؤں جکڑنے کی کوشش کر رہی تھی، وہاں کی ریتلی زمین بتا رہی تھی کہ اسحاق سے پہلے یہاں سے کبھی کوئی مسافر نہیں گزرا۔ اسحاق چلتا گیا۔ سورج سر پر آ گیا تو بھی وہ ریت کی انہی ڈھیروں میں گھومتا مڑتا جا رہا تھا۔ وہ ایک اور موڑ مڑا تو ٹھٹھک کر رُک گیا۔ اُس نے زمین پر اپنے ہی پاؤں کے نشان دیکھے جو ایک اور ٹیکری کے گرد مُڑ گئے تھے۔ تب اُسے احساس ہوا کہ وہ صحرا کے بے حد خطرناک دھوکے میں آ گیا ہے۔ وہ ساتھ والی ٹیکری پر چڑھ گیا۔ ہر سُو نگاہ دوڑائی۔ اسے یوں نظر آیا جیسے ساری دُنیا ریت کے گول گول اونچے ڈھیروں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سورج کی آگ اور ریت کی گرمی نے اُس کے جسم کی نمی چوسنی شروع کر دی تھی۔ ریت نے اُس کے پاؤں جکڑ جکڑ کر من من وزنی کر دیئے تھے۔ اس نے پانی پیا اور سمت کا اندازہ کر کے نیچے اُترا۔ اب اُسے دماغ حاضر رکھنا تھا۔ ہر موڑ ذہن میں محفوظ رکھنا تھا۔ وہ ٹریننگ کے مطابق چل پڑا۔ اب وہ جن دو ڈھیری نما ٹیکریوں کے درمیان سے گزرتا انہیں ذہن میں نقش کر لیتا۔ آگے چلتا، پیچھے دیکھتا مگر صحرا کے ظالم اثرات اس کے دماغ کو ماؤف کرنے لگے تھے۔ اس میں برداشت کی قوت اوسط درجہ انسانوں سے زیادہ تھی، ورنہ وہ کبھی نہ اُٹھنے کے لیے گر پڑتا۔

سورج اُفق سے تھوڑا ہی اوپر رہ گیا تھا جب وہ صحرا کے اس دھوکے سے نکل گیا مگر اُس کی ٹانگوں میں جسم کا بوجھ اُٹھانے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ یہ فرض کی لگن تھی جو اسے چلائے جا رہی تھی۔ اُس نے آگے دیکھا تو اُسے ایک قطار میں کئی گھوڑے اُس کا راستہ کاٹ کر جاتے نظر آئے۔ گھوڑوں پر سوار بھی تھے۔ اُس نے سواروں کو پکارا، پھر اور زیادہ اونچی آواز سے پکارا۔ کسی بھی سوار نے اس کی طرف نہ دیکھا۔ گھوڑے دائرے میں چلنے لگے۔ اسحاق ترک رُک گیا۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے سر کو زور زور سے جھٹکے دیئے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ گھوڑے نہیں واہمہ ہے اور یہ سراب ہے جو صحرا کا ایک خطرناک دھوکہ ہوتا ہے۔ اُس کا ذہن صاف ہوا تو گھوڑے غائب ہو گئے۔ جھلتی ریت اور اس کی بھاپ نما چمک دُور تک دیکھنے نہیں دیتی تھی۔ وہ اب قدم گھسیٹ رہا تھا۔

☆

اُسے دن اور رات کا بھی احساس نہ رہا۔ ایک جگہ اُس کا پاؤں پھسلا تو وہ گر پڑا اور لڑھکتا ہوا دُور نیچے چلا گیا۔ اس سے وہ ذرا سا بیدار ہوا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ نادانستہ مٹی کی ایک ٹیکری پر چڑھ گیا تھا اور وہاں سے گرا تو نیچے آ پڑا

تھا۔اُس نے پانی کی شدید ضرورت محسوس کی۔حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے اور ہونٹ خشک لکڑی کی طرح اکڑ گئے تھے مگر اس کے پاس نہ پانی کا مشکیزہ تھا، نہ کھجوروں کا تھیلا۔اس نے اُٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔دونوں کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔وہ مایوسی اور بے بسی کے عالم میں چلا۔اِدھر اُدھر دیکھا۔اُسے ہر سُو سفید سفید اور شفاف شفاف سے شعلے نظر آئے جو اُس سے کچھ دُور دُور گول دائرے کی شکل میں اسے گھیرے ہوئے تھے۔وہ اب لاشعوری طور پر یا نیم غشی کی کیفیت میں چل رہا تھا۔

وہ رُک گیا۔اُسے دو آدمی اور ایک عورت کھڑی نظر آئی۔تینوں اُسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔اُن کے عقب میں تھوڑی دُور کھجور کے درخت بھی اُسے دکھائی دیئے۔اُن کے قریب ٹیلے تھے۔اسحاق ترک نے اسے بھی واہمہ اور سراب سمجھا۔اُس پر جو مایوسی طاری ہوگئی تھی اس میں اضافہ ہوگیا جس سے اُس کے جسم میں اگر کچھ سکت رہ گئی تھی، وہ بھی نہ رہی۔ اس نے اِن آدمیوں اور عورت کو آواز دینے کو بے کار سمجھا۔سراب اور واہمے بولا نہیں کرتے۔مسافروں کو اپنی طرف گھسیٹتے اور پیچھے ہٹتے جاتے ہیں، حتیٰ کہ انسان ہار کر گر پڑتا ہے اور ریت اُس کا گوشت پوست چوس کر اسے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیتی ہے۔اسحاق ترک میں اتنی سی زندگی رہ گئی تھی کہ اُس نے ان آدمیوں اور عورت کو واہمہ سمجھا مگر اُس نے چلنے کے لیے قدم اُٹھایا تو اُس کی ٹانگیں دوہری ہوگئیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے صحرا، سراب اور واہمہ گُپ تاریکی میں چھپ گئے۔

اُسے باتیں سنائی دیں۔وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آرہا تھا۔باتیں صاف ہونے لگیں۔وہ ریت پر گرا تھا۔ریت آگ پر رکھی ہوئی لوہے کی چادر کی طرح تپ رہی تھی لیکن ہوش میں آتے وہ خنکی محسوس کررہا تھا۔

''وہیں مرنے دیا ہوتا''......اُسے ایک مردانہ آواز سنائی دی......''اُٹھاؤ اور اسے باہر پھینک دو۔کوئی بھولا بھٹکا مسافر ہے''۔

''یہ کوئی عام مسافر نہیں لگتا''۔ایک اور مردانہ آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

''ذرا اسے ہوش میں آنے دو''......یہ آواز کسی عورت کی تھی۔''مجھے شک ہے۔یہ بے ہوشی میں بڑبڑا رہا تھا......''قاہرہ کتنی دُور ہے؟ سلطان......سلطان صلاح الدین ایوبی! ہوشیار ہو کر قاہرہ سے نکلنا۔بڑی قیمتی خبر لایا ہوں''......شک رفع کر لینا چاہیے''۔

اسحاق ترک اسے بھی واہمہ یا خواب سمجھنے لگا۔اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ آوازیں اِنہی دو آدمیوں اور عورت کی ہیں جنہیں اُس نے صحرا میں اپنے سامنے کھڑے دیکھا تھا۔انہیں اس نے واہمہ سمجھا تھا لیکن یہ انسان حقیقی تھے۔واہمہ نہیں تھے۔

''تم اس کے پاس بیٹھو''......ایک آدمی نے کہا......''اگر ہوش میں آگیا تو اسے پانی پلا دینا اور کھانے کے لیے بھی کچھ دے دینا، پھر ہمیں بتانا کہ یہ کون ہے''......آدمی باہر نکل گئے۔

اسحاق نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔اس کے کانوں میں گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز پڑی۔وہ یکلخت بیدار ہوگیا اور اُٹھ بیٹھا۔اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا......''یہ گھوڑا مجھے دے دو''۔

''لو تھوڑا سا پانی پی لو''......ایک نسوانی آواز نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔اس کے ہونٹوں کی طرف ایک پیالہ بڑھ رہا تھا۔عورت نے کہا......''تھوڑا پینا، ایک ہی بار سارا نہ پی لینا، مر جاؤ گے''۔

اُسے پانی کی ہی ضرورت تھی۔اُس نے یہ دیکھنے سے پہلے کہ پانی پلانے والی کون ہے، پیالہ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہونٹوں سے لگا کر دو تین گھونٹ پیئے۔پیالہ ہونٹوں سے الگ کر کے بولا......''میں جانتا ہوں کہ اس حالت میں زیادہ پانی نہیں پینا چاہیے''۔

اُس نے عورت کو دیکھا۔ وہ جوان لڑکی تھی۔ اس کا لباس اسی علاقے کا صحرائی خانہ بدوشوں کی طرح تھا لیکن اس کے نقش ونگار اور رنگ روپ سے دھوکہ ہوتا تھا کہ وہ خانہ بدوش نہیں۔ اس کے سر پر لپٹے ہوئے رومال میں سے جو بال نظر آرہے تھے، وہ بھی خانہ بدوش لڑکیوں جیسے نہیں تھے لیکن اس علاقے میں کوئی امیر کبیر لڑکی تو نہیں آسکتی تھی، خانہ بدوش ہی ہو سکتی تھی۔

''تم کسی قافلے کے ساتھ ہو؟''...... اسحاق نے لڑکی سے پوچھا۔

''یہ تاجروں کا قافلہ ہے''...... لڑکی نے جواب دیا اور پوچھا...... ''تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟''

اسحاق ترک نے جواب دینے کی بجائے پانی کا پیالہ منہ سے لگا لیا۔ پانی کی نمی نے اُس میں سوچنے کی قوت کچھ بحال کر دی تھی۔ اُسے یاد آ گیا کہ وہ سلطان ایوبی کا جاسوس ہے اور اسے اپنا آپ کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔

''میں بھی تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ تھا''...... اس نے سوچ کر جواب دیا...... ''یہاں سے بہت دُور ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ جو کچھ تھا، لے گئے۔ اونٹ اور گھوڑے بھی لے گئے۔ میں وہاں سے بھاگا اور بھٹک گیا''۔

''میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں''...... لڑکی نے کہا اور باہر نکل گئی۔

وہ ایک خیمے میں تھا جس میں دِیا جل رہا تھا۔ اُس نے خیمے سے ذرا چھپ کر باہر دیکھا۔ چاندنی رات تھی۔ اُسے باہر تین چار آدمی اِدھر اُدھر پھرتے دکھائی دیئے۔ اسے لڑکی کی ہنسی سنائی دی۔ پھر اُس نے لڑکی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ پیچھے ہٹ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ لڑکی نے اُس کے آگے کھانا رکھا جو وہ کھانے لگا۔

''تم اب قاہرہ جا رہے ہو؟''...... لڑکی نے پوچھا

''نہیں''...... اسحاق ترک نے جھوٹ بولا...... ''سکندریہ جا رہا ہوں''

''سلطان صلاح الدین ایوبی تو قاہرہ میں ہے''...... لڑکی نے مُسکرا کر کہا۔ ''سکندریہ جا کر کیا کرو گے؟''

''میرا سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے؟''...... اسحاق نے حیرت سے کہا۔

''ہمارا تو ہے''...... لڑکی نے کہا...... ''وہ ہمارا سلطان ہے، ہم مسلمان ہیں، ہم اُس کے حکم پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں''۔

''لیکن مجھ سے تم نے یہ کیوں کہا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قاہرہ میں ہے؟''...... اسحاق ترک نے پوچھا۔

''سنو''...... لڑکی نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا...... ''تمہیں گھوڑا چاہیے۔ تم سلطان کے پاس جا رہے ہو، ہم تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں گھوڑا دیں گے۔ تم بہت جلدی سلطان تک پہنچ جاؤ گے''۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا؟''

''یہ مت پوچھو''...... لڑکی نے کہا...... ''تم اپنا فرض ادا کر رہے ہو، ہمیں اپنا فرض ادا کرنے دو۔ ہم تمہیں گھوڑا دے کر سمجھیں گے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے''۔

لڑکی کا انداز ایسا تھا کہ اسحاق پسیج گیا۔ اس نے کہا...... ''ہاں، مجھے بہت جلدی سلطان کے پاس پہنچنا ہے''۔

''کوئی بہت ضروری خبر ہے؟''

''مجھ سے ایسی باتیں نہ پوچھو''...... اسحاق نے جواب دیا...... ''تمہیں ان کے ساتھ دلچسپی نہیں ہونی چاہیے''۔

''میں تمہارے لیے گھوڑے کا انتظام کرتی ہوں''...... لڑکی نے اُٹھتے ہوئے کہا...... ''آرام کر لو۔ رات ابھی

شروع ہوئی ہے۔ آخری پہر روانہ ہونا''۔

لڑکی خیمے سے نکل گئی۔ اسحاق ترک کی جسمانی حالت ایسی تھی کہ وہ فوراً سو گیا۔

☆

''کون کہتا تھا اسے وہیں پڑا رہنے دیتے؟''...... لڑکی نے خیمے سے باہر جا کر اپنے آدمیوں سے کہا...... ''مجھے استاد مانتے ہو؟ یہ ایوبی کا جاسوس ہے۔ کہتا ہے مجھے ایک گھوڑا دے دو، سلطان کے پاس جلدی پہنچنا ہے۔ وہ جب بے ہوشی میں بڑبڑا رہا تھا تو میں نے کان لگا کر سنا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کا نام لے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ بڑی قیمتی خبر لایا ہوں''......

لڑکی نے اسحاق ترک کے ساتھ جو باتیں کیں اور جو اُس سے کہلوائی تھیں، سب کو سنا دیں۔

یہ تاجروں کا قافلہ نہیں تھا۔ یہ سب صلیبی جاسوس اور تخریب کار تھے جو مصر میں کچھ عرصہ اپنی زمین دوز کارروائیاں کر کے واپس اپنے یا کسی اور مسلمان علاقے کو جا رہے تھے۔ اُن کے ساتھ ان کے محافظ بھی تھے۔ ان دس بارہ آدمیوں کے ساتھ دو جوان لڑکیاں تھیں۔ ان کا استعمال اور رول وہی تھا جو آپ اس سلسلے کی پہلی کہانیوں میں پڑھ چکے ہیں۔ یہ دونوں خوب صورت اور تربیت یافتہ تھیں۔ یہ گروہ تاجروں کے بھیس میں جا رہا تھا۔ ان کے پاس اونٹ بھی تھے اور گھوڑے بھی۔ سفر کے دوران یہاں پانی اور سایہ دیکھ کر رُک گئے تھے۔ شام سے کچھ دیر پہلے انہوں نے دُور سے اسحاق ترک کو آتے دیکھا۔ دو صلیبی اور ایک لڑکی اس کی طرف چل پڑے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ اس آدمی کو اپنے کیمپ سے دُور رکھیں۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ آدمی بہت بُری حالت میں چلا آ رہا ہے اور یہ زیادہ دیر چل نہیں سکے گا۔

اسحاق ترک نے انہیں دیکھا تو اسے سراب اور واہمہ سمجھا۔ پھر وہ گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ یہ دونوں صلیبی اور لڑکی اُس تک پہنچے۔ سب سے پہلے لڑکی نے کہا تھا کہ یہ کوئی عام قسم کا مسافر نہیں۔ دونوں آدمیوں نے رائے دی کہ یہ کوئی اناڑی مسافر ہے، ورنہ اس حال کو نہ پہنچتا۔ تاہم اسحاق کی شکل و صورت اور جسم سے شک ہوتا تھا کہ یہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ کچھ ازراہِ مذاق اور کچھ شک کی بنا پر وہ اسے اپنے کیمپ میں اُٹھا لے گئے اور ایک خیمے میں لٹا دیا۔ اس کے منہ میں پانی اور شہد ٹپکاتے رہے۔ اس دوران اسحاق ترک بڑبڑاتا رہا۔ اس پر غشی طاری تھی۔ غشی اور نیند میں ذہنِ لاشعور بیدار ہوتا ہے۔ جاسوس کو یہ خاص طور پر بتایا جاتا تھا کہ وہ دشمن کے علاقے میں بے ہوش ہونے سے بچیں۔ بے ہوشی میں انسان کی زبان سے بعض اوقات سینے کے راز نکل آتے ہیں۔ اسحاق کو صحرا نے بے بس اور بے ہوش کر دیا تھا، ورنہ اُس میں حیران کن قوتِ برداشت اور قوتِ مدافعت تھی۔ اگر بے ہوشی میں اس کی زبان بند رہتی تو اس کا اصل روپ بے نقاب نہ ہوتا۔

اسحاق ہوش میں آیا تو اس قدر ذہین اور چالاک ہوتے ہوئے بھی ایک لڑکی کے جال میں آ گیا۔ یہ لڑکی کی استادی تھی۔ وہ بھی تربیت یافتہ تھی اور وہ حسین لڑکی تھی۔ اُس کی زبان پر یقین کرتے ہوئے وہ اُسے مسلمان سمجھ بیٹھا۔ لڑکی نے باہر جا کر اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ اس کا شک صحیح نکلا ہے اور یہ خوبرو شخص سلطان ایوبی کا جاسوس ہے۔

''موٹا شکار ہے''...... اس گروہ کے سربراہ نے کہا...... ''اب اس سے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کیا راز اپنے ساتھ لے جا رہا ہے اور یہ راز کہاں سے لایا ہے''۔

''اگر اُس نے یہ بتا دیا کہ وہ راز کہاں سے لایا ہے تو اس سے یہ بھی پوچھیں گے کہ وہاں اس کے ساتھی کون کون ہے''...... ایک آدمی نے کہا۔

''لیکن اس پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ ہم کون ہیں''...... سربراہ نے کہا...... ''میں صلاح الدین ایوبی کے

جاسوسوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔موت قبول کر لیتے ہیں،کوئی راز نہیں دیتے۔خاصی استادی سے بات کرنی ہوگی''۔

''میں ان مسلمانوں کو زیادہ اچھی طرح جانتی ہوں''۔لڑکی نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا......''راز تو راز، یہ اپنے خنجر سے اپنا دل نکال کر میرے قدموں میں رکھ دے گا''۔

''تم اُن مسلمانوں کو جانتی ہو جن پر حکمرانی اور دولت کا نشہ سوار ہوتا ہے''۔ایک اور صلیبی نے کہا۔''تمہارا پالا کبھی کسی غریب مسلمان اور سپاہی سے نہیں پڑا۔وہ مسلمان دولت اور رُتبے کے شیدائی ہوتے ہیں جنہیں تم گمراہ کر لیتی ہو۔جن مسلمانوں کے پاس دولت کی بجائے ایمان ہے،کبھی اُن کے قریب جا کر دیکھنا''۔

اُن کے پاس ایک اور صلیبی لڑکی بیٹھی تھی جس نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کہا تھا۔سربراہ نے اُس کی طرف دیکھا اور قدرے طنزیہ لہجے میں اُسے کہا......''کیا تم اس مسلمان کے سینے سے راز نکال سکتی ہو، باربرا؟''لڑکی نے اُسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھا۔سربراہ نے کہا......''تم نے قاہرہ میں ہمیں بہت خراب کیا تھا۔میرنیا کی اُستادی دیکھو اور اس سے کچھ سیکھو۔میں تمہیں اور کوئی موقع نہیں دوں گا۔ذرا میرنیا کی عقل پر غور کرو۔ہم سب اس آدمی کو بھٹکا ہوا کوئی مسافر اور بے کار آدمی سمجھتے تھے لیکن اس نے اسے پہچان لیا کہ یہ موٹا شکار ہو سکتا ہے۔میں تمہیں اسی لیے مصر سے نکال کر لے جا رہا ہوں کہ تم صلیب کو فائدہ پہنچانے کی بجائے نقصان پہنچاتی ہو''۔

''تمہارا انجام بہت بُرا ہوگا''۔ایک اور صلیبی نے کہا......''تمہیں اس پیشے سے محروم کر دیا جائے گا جس میں تمہیں شہزادیوں کی طرح رکھا جاتا ہے۔اس سے نکال دیا گیا تو کسی کی داشتہ بن کر رہنے یا عصمت فروشی کے سوا تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا''۔

''اونہہ!''دوسری لڑکی جس کا نام میرنیا تھا نفرت سے بولی......''یہ تو ہے اسی قابل''۔

باربرا نے میرنیا کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھا۔اُس کے چہرے کا رنگ غصے سے لال ہو گیا لیکن خاموش رہی۔وہ بھی میرنیا کی طرح خوب صورت تھی لیکن جب سے مصر گئی تھی،اُس کی استادی ماند پڑ گئی تھی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کا سربراہ بھی مصر میں تھا اور زمین دوز کارروائیاں کر رہا تھا۔یہ لوگ کسی جگہ آپس میں ملا کرتے تھے۔سربراہ رُتبے والا افسر تھا اور خوبرو بھی تھا۔وہ باربرا کو پسند کرتا تھا اور اُس نے باربرا کے ساتھ شادی کرنے کا وعدہ بھی کر رکھا تھا۔سربراہ جس جاسوس کی سفارش کر دے اُسے ترقی اور انعام دلا دیا کرتا تھا۔باربرا بہت خوش تھی مگر میرنیا نے سربراہ پر اپنا جادو چلا لیا۔اس لڑکی نے اپنی فن کاری سے سربراہ کو باربرا کے خلاف بدظن کر دیا اور اس کے ساتھ محبت کا کھیل کھیلنے لگی۔باربرا بجھ کے رہ گئی۔جاسوسی اور تخریب کاری سے اس کی طبیعت اُچاٹ ہو گئی۔ایسے موقعے بھی آئے کہ وہ شک میں پکڑی جانے لگی تھی لیکن بچ گئی۔

اُسے سلطان ایوبی کے فوج کے کسی بڑے اہم حاکم کے ساتھ لگایا گیا تھا لیکن وہ مطلوبہ کام نہ کر سکی۔سربراہ کو معلوم ہو گیا کہ اُس کے دل میں میرنیا کے خلاف رقابت پیدا ہو گئی ہے۔اُس نے بہتر سمجھا کہ پورے گروہ کو واپس لے جائے اور اس کی جگہ نیا گروہ بھیجا جائے۔حقیقت بھی یہی تھی کہ باربرا میرنیا سے جلنے لگی تھی۔سربراہ اس کا دشمن بن گیا تھا۔میرنیا اُس کے ساتھ طنز اور نفرت سے بات کرتی تھی۔اُسے اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔اب میرنیا نے اُسے کہا کہ یہ تو ہے ہی اسی قابل تو اُس کے اندر انتقام کی آگ بھڑک اُٹھی۔

''اس آدمی کے سینے سے صرف میں راز نکال سکتی ہوں''۔میرنیا نے کہا۔''یہ باربرا کے بس کا روگ نہیں''۔

بار برا غصے سے اُٹھی اور اپنے خیمے میں چلی گئی۔

☆

''یہ آدمی رات کو کہیں بھاگ کے نہیں جا سکتا''۔ سربراہ نے کہا...... ''ابھی اس کے پاس بھاگنے کی کوئی وجہ بھی نہیں۔ پھر بھی احتیاط لازمی ہے، اسے بے ہوش کر دینا چاہیے''۔

تھوڑی دیر بعد میرنیا اُس خیمے میں داخل ہوئی جس میں اسحاق ترک سویا ہوا تھ۔ دِیا جل رہا تھا۔ میرنیا کے ہاتھ میں ایک رومال تھا جو بے ہوش کرنے والی دوائی میں بھیگا ہوا تھا۔ وہ دبے پاؤں اسحاق کے پاس گئی اور بیٹھ گئی۔ اس نے رومال اسحاق کی ناک پر رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد رومال ہٹایا اور باہر نکل گئی۔ اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر کہنے لگی...... ''کل سورج نکلنے کے بعد ذرا ہوش میں آئے گا''۔

''اطمینان سے سو جاؤ''۔ سربراہ نے کہا...... ''کل ہم صلاح الدین ایوبی کے اس جاسوس کو اس کی خواہش کے مطابق گھوڑا ضرور دیں گے لیکن وہ اس گھوڑے پر قاہرہ نہیں، بیروت جائے گا۔ یہ ہمارا اہم سفر ہوگا''۔

سلطان ایوبی کے ایک جاسوس کو پکڑ لینا اُن کے لیے بہت بڑی کامیابی تھی۔ وہ شراب پینے اور خوشیاں منانے لگے۔ میرنیا اُچھل کود رہی تھی مگر بار برا جیسے اس جشن سے لاتعلق تھی۔ اسی لیے وہ اپنے خیمے میں چلی گئی تھی۔ بہت دیر بعد سب ایک ایک کر کے اپنے اپنے خیمے میں چلے گئے۔ بار برا بھی جا چکی تھی۔ اُس ٹولے کا سربراہ میرنیا کو اپنے ساتھ وہاں سے دُور لے گیا۔ بار برا خیمے میں تنہا لیٹی اُداسیوں اور ناکامیوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ اُس کے دِل میں انتقام کی آگ سلگنے لگی تھی۔ باہر کے جشنِ شراب نوشی کا شور اس آگ کو بھڑکا رہا تھا۔ جب شور ختم ہوا تو وہ اور زیادہ بے چین ہوگئی۔ اُس نے خیمے کا پردہ ہٹا کر دیکھا۔ اُسے اپنا سربراہ اور میرنیا ٹیلے کی طرف جاتے نظر آئے۔ چاندنی رات میں وہ کچھ دُور تک نظر آئے اور غائب ہوگئے۔

بار برا کے کانوں میں میرنیا کے یہ الفاظ گونج رہے تھے...... ''صرف میں اس کے سینے سے راز نکال سکتی ہوں''...... بار برا کے دماغ میں یہ سوچ آئی کہ وہ میرنیا کو ناکام کر سکتی ہے۔ اس کا یہ طریقہ ہو سکتا تھا کہ وہ اسحاق ترک کو بتا دے کہ ہم سب صلیبی جاسوس ہیں تاکہ وہ اپنا اصل روپ چھپا لے۔ اُس نے یہ بھی سوچا کہ وہ اسحاق کو وہاں سے بھگا دے۔ یہ سب انتقامی سوچیں تھیں۔ وہ سب کے سو جانے کا انتظار کرتی رہی۔ اُسے نیند آ رہی تھی۔ اُس کے خیمے کا پردہ اُٹھا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ کون ہے۔ اُسے سرگوشی سنائی دی...... ''بار برا''۔

''چلے جاؤ مارٹن''۔ بار برا نے غم و غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا...... ''چلے جاؤ یہاں سے''۔

مارٹن جانے کی بجائے خیمے کے اندر چلا گیا اور بار برا کے پاس جا بیٹھا۔ بولا...... ''تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ہمارا یہ لیڈر میرنیا کے ساتھ دِل سے محبت کرتا ہے؟ اور کیا وہ تمہیں دِل سے چاہتا رہا ہے؟ یہ سب بدمعاشی ہے بار برا۔ تم دِل پر بوجھ ڈال کر اپنے فرائض سے لاپرواہ ہوگئی ہو۔ اگر سچی محبت کی خواہش مند ہو تو وہ میرے دِل میں ہے۔ میں نے تمہیں کب دھوکا دیا ہے؟''

''تم سراپا دھوکا ہو''۔ بار برا نے جل کر کہا...... ''ہم سب دھوکہ ہیں۔ میں اپنے فرائض سے لاپرواہ نہیں ہوئی، میرا دِل تو دُنیا سے بھی اُچاٹ ہوگیا ہے۔ ہم سب کو بچپن سے فریب کاری کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم مسلمانوں کو فریب دے کر انہیں صلیب کے مقابلے میں بے کار کر دیں مگر ہم ایک دوسرے کو بھی فریب دیتے ہیں۔ ہم

جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے اپنی لڑکیوں کو استعمال نہیں کرتے۔ ہمارے لیڈر نے پہلے مجھے محبت کا جھانسہ دیا۔ میرنیا چونکہ زیادہ ہوشیار ہے۔ اس لیے اُس نے لیڈر پر قبضہ کر لیا۔ تم نے مجھ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا سارا گروہ بے کار واپس جا رہا ہے۔ اگر تمہارے ساتھ ہم دو لڑکیاں نہ ہوتی تو تم مرد اپنا کام خوش اسلوبی سے کرتے۔ عورت کا وجود مردوں کے درمیان دشمنی پیدا کرتا ہے"۔

"اسی لیے ہم مسلمانوں کے درمیان اپنی تربیت یافتہ عورتوں کو چھوڑ دیتے ہیں"۔ مارٹن نے کہا۔۔۔۔۔۔"اُن کے درمیان دشمنی پیدا کرنا ہی ہمارا مقصد ہے۔ ہم یہ اس لیے کرتے ہیں کہ اسلام کو زوال آئے اور صلیب کی حکمرانی قائم ہو"۔ اُس نے جھنجلا کر باربرا کو اپنی طرف گھسیٹ کر کہا۔۔۔۔۔۔"اتنی پیاری رات کو ایسی خشک باتوں سے بے مزہ نہ کرو باربرا۔ آؤ باہر چلیں۔ دیکھو چاندنی کتنی حسین ہے"۔

"میرا دل ٹوٹ چکا ہے"۔ باربرا نے کہا۔۔۔۔۔۔"میں ناکام ہو چکی ہوں۔ میرے دِل میں نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ تم جاؤ"۔

"ایک روز تم میرے قدموں میں آ بیٹھو گی اور کہو گی، مارٹن! مجھے بچاؤ۔ دیکھو یہ لوگ مجھے کتوں کے حوالے کر رہے ہیں۔ اس وقت میں تمہاری مدد نہیں کر سکوں گا"۔

"میں اب بھی کتوں کے حوالے ہوں"۔ باربرا نے حقارت سے کہا۔۔۔۔۔۔"میں تم سے کبھی مدد نہیں مانگوں گی۔ یہاں سے چلے جاؤ"۔

"مارٹن غصے سے اُٹھا اور باہر نکل گیا۔ وہ خیمے کا پردہ ہٹا کر اُسے دیکھتی رہی اور انتظار کرتی رہی کہ مارٹن سو جائے۔ اُسے معلوم تھا کہ سربراہ اور میرنیا بہت دیر سے آئیں گے۔۔۔۔۔۔ کچھ دیر بعد وہ خیمے سے نکلی۔ وہ اُٹھی نہیں، پاؤں پر بیٹھے بیٹھے ایک طرف کو سرکتی گئی۔ آگے ذرا گہرائی تھی۔ اس میں اُتر گئی، وہاں سے جھک کر چلتی چشمے کے پیچھے گئی اور دُور کا چکر کاٹ کر اُس خیمے کے قریب پہنچ گئی جس میں اسحاق ترک بے ہوش پڑا تھا۔ باربرا کو معلوم نہیں تھا کہ اُسے بے ہوش کر دیا گیا ہے۔ وہ بیٹھ گئی اور پاؤں پر سرکتی خیمے کے اندر چلی گئی۔ دیا جل رہا تھا۔ اُس نے اسحاق کو ہلایا مگر وہ نہ جاگا۔ اُس کے سر کو پکڑ کر جھنجوڑا، اُسے بلایا۔ اسحاق ترک پر کچھ اثر نہ ہوا۔

"اُٹھو بد بخت"۔ اُس نے اسحاق کے منہ پر تھپڑ مار کر کہا۔۔۔۔۔۔"تم دھوکے میں آ گئے ہو۔ ہم سب جاسوس ہیں۔ تم قاہرہ نہیں پہنچ سکو گے، بیروت کے قید خانے کے تہہ خانے میں اذیت ناک موت مرو گے"۔

اسحاق بے ہوش پڑا رہا جیسے مر گیا ہو۔ باربرا کو خیمے کے باہر ہلکی ہلکی ہنسی کی آوازیں سنائی دینے لگیں، مگر وہ گھبرائی نہیں۔ وہ تربیت یافتہ تھی۔ آوازیں قریب آ گئیں تو بھی وہ اسحاق کے پاس بیٹھی رہی۔ آوازیں خیمے تک پہنچ گئیں۔ ان میں ایک آواز میرنیا کی تھی، وہ سربراہ کے ساتھ اپنے قیدی کو دیکھنے آئی تھی۔

"ہم سب مسلمان ہیں"۔ باربرا نے اسحاق سے مخاطب ہو کر بلند آواز سے کہا۔۔۔۔۔۔"ہم تمہیں ایسا گھوڑا دیں گے تو تمہیں دو دنوں میں قاہرہ پہنچا دے گا"۔

"باربرا!" اُسے اپنے سربراہ کی آواز سنائی دی۔ اُس نے گھوم کے دیکھا، خیمے میں سربراہ اور میرنیا کھڑے تھے۔ سربراہ نے کہا۔۔۔۔۔۔"تم اپنا فرض ابھی ادا نہیں کر سکو گی۔ اسے بے ہوش کر دیا گیا ہے"۔

"یہ میرا شکار ہے باربرا!" میرنیا نے طنزیہ مُسکراہٹ سے کہا۔۔۔۔۔۔"یہ صرف مجھے معلوم ہے کہ اس کے سینے سے

میں کیسے راز نکال سکتی ہوں''۔

''سربراہ اور میرینا ہنس پڑے۔ بار برا اس طنزیہ ہنسی کو سمجھ گئی۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھتے ہوئے بولی...... ''میں نے کوئی غلطی تو نہیں کی، اپنا فرض ادا کر رہی ہوں''۔

''جاؤ سو جاؤ''۔ سربراہ نے اسے کہا۔

وہ اُٹھی اور باہر نکل گئی۔ سربراہ نے اسحاق کی نبض پر ہاتھ رکھا، پھر میرینا کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ اسحاق ترک سلطان ایوبی کے لیے بڑی ہی اہم اطلاع لیے گہری بے ہوشی میں پڑا رہا۔

☆

''علی بن سفیان!'' قاہرہ میں سلطان ایوبی نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ علی بن سفیان سے کہا...... ''اُدھر سے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں آئی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہاں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ کوئی ہلچل نہیں۔ میں تسلیم نہیں کر سکتا''۔

''اور میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہاں کوئی تبدیلی یا ہلچل ہو تو ہم تک اطلاع نہ پہنچے''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''وہاں ہمارے جو آدمی ہیں وہ معمولی سوجھ بوجھ والے نہیں۔ اسحاق ترک کو آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ زمین کا سینہ چیر کر راز اور خبریں لانے والا آدمی ہے۔ باقی بھی اُسی جیسے ہوشیار اور عقل والے ہیں''۔

''صلیبی اُن واقعات سے ضرور فائدہ اُٹھائیں گے جو اُس طرف رونما ہوئے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''بالڈون اپنے فرنگی لشکر کے ساتھ حلب اور موصل کے اِردگرد موجود ہے''۔

''مگر الملک الصالح مر گیا ہے''۔ علی بن سفیان نے کہا...... ''اب حلب کا حکمران عزالدین ہے۔ وہ صلیبیوں کے ہاتھ آنے والا نہیں''۔

''علی!'' سلطان ایوبی نے قدرے حیرت سے کہا...... ''تم بھی خوش فہمیوں میں مبتلا ہو رہے ہو؟ تم شاید اس خیال سے عزالدین کو پکا مسلمان سمجھتے ہو کہ میں اُسے اپنا دوست سمجھتا ہوں اور میں نے اُس کی مدد کے لیے اپنا منصوبہ بدل کر تل خالد پر حملہ کیا اور آرمینیوں سے ہتھیار ڈلوائے تھے مگر میں اپنے مسلمان حکمرانوں اور اُمراء پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ عزالدین ہمارا اتحادی ہو سکتا ہے، اُس کے اُمراء، وزراء میں صلیبیوں کے بہی خواہ موجود ہیں۔ علی! تم نے دیکھا نہیں کہ مومن قسم کے حکمران بھی اپنے وزیروں اور مشیروں کے خوشامدانہ مشوروں کے جال میں آ کر مومن رہتے ہوئے بھی وطن اور قوم کو غلط فیصلوں سے تباہی کی کھائیوں میں پھینک دیتے ہیں؟ میں مشیروں کے خلاف نہیں۔ یہ قرآن پاک کا حکم ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نے دیا تھا کہ فیصلے سے پہلے مشورہ کر لیا کرو، مگر حکمران میں اتنی عقل ہونی چاہیے کہ مشورہ دینے والوں کی نیت اور کردار کو سمجھے۔ خوشامد حکمرانی کے نشے کو اور تیز کرتی ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ حکمران خوشامد کی سریلی لوریوں سے میٹھی نیند سو جاتا ہے۔ سوئے ہوئے ذہن والا حکمران کتنا ہی غازی اور زاہد کیوں نہ ہو قوم اور وطن کو لے ڈوبتا ہے۔ یہی خطرہ مجھے عزالدین کی طرف سے نظر آ رہا ہے''۔

''میں اس توقع پر بات کر رہا ہوں کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی ہے''۔ علی بن سفیان نے کہا...... ''آپ تک یہ اطلاع پہنچ چکی ہے کہ محترمہ رضیع خاتون نے یہ شادی صرف اس لیے قبول کی کہ حلب اور موصل کی امارتیں اور اُن کی فوجیں ہماری اتحادی رہیں۔ اس خاتون کو شادی کی اور کیا ضرورت ہو سکتی تھی؟''

''اس کے باوجود مجھے شک ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''اور میرے شک کی وجہ یہ ہے کہ عزالدین صلیبیوں

کے خطرے کی براہِ راست زد میں ہے۔ وہ اپنے تحفظ کے لیے بھی صلیبیوں کا درپردہ اتحادی بن سکتا ہے۔ مجھے وہاں کی اطلاع جلدی ملنی چاہیے۔ تم میری آنکھیں اور کان ہو علی! میں نے اندھیرے میں کبھی پیش قدمی نہیں کی"۔

"کچھ دن اور انتظار کر لیا جائے"۔ علی بن سفیان نے مشورہ دیا۔

"میں زیادہ دیر انتظار نہیں کروں گا"۔ سلطان ایوبی نے کہا..... "تم جانتے ہو میں نے فوج کو تیاری کا حکم دے رکھا ہے۔ یہ تمہارے سامنے کی بات ہے کہ میں دن رات فوج کی جنگی مشقیں کرا رہا ہوں۔ راز کی یہ بات بھی سن لو کہ میں حلب اور موصل کی طرف نہیں جاؤں گا۔ میرا ہدف اب بیروت ہوگا۔ میں اب دفاعی جنگ نہیں لڑوں گا۔ حلب وغیرہ کے علاقوں میں اپنی فوج لے جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں ان علاقوں کے دفاع کے لیے جا رہا ہوں۔ اب میرا انداز جارحانہ ہوگا۔ بیروت فرنگیوں کا دِل ہے۔ ٹانگوں اور بازوؤں پر وار کرنے کی بجائے، کیوں نہ ہم دشمن کے دِل پر ایک ہی وار کر کے ختم کر دیں۔ اب میں قوم اور فوج کو جارحیت کی تربیت دے رہا ہوں۔ اپنے علاقوں میں لڑتے رہنے سے ہم بیت المقدس تک کبھی نہیں پہنچ سکتے...... معلوم کرو علی! معلوم کرو۔ وہاں سے ابھی تک کوئی اطلاع کیوں نہیں آئی۔ مجھے دو راز درکار ہیں۔ ایک یہ کہ بیروت میں فرنگی فوج کی سرگرمیاں کیا ہیں اور حلب میں عزالدین کی نیت کیا ہے۔ کیا ہم ایک اور خانہ جنگی کی طرف تو نہیں بڑھ رہے؟"

"بیروت میں اسحاق متحرک ہے"۔ علی بن سفیان نے کہا..... "وہ خود نہ آیا تو کسی اور کو بھیج دے گا"۔ علی بن سفیان نے کہا..... "میں یہاں سے کسی کو روانہ کر دیتا ہوں"۔

"میں زیادہ دِن انتظار نہیں کر سکتا علی!" سلطان ایوبی نے کہا..... "یہاں سے کسی کو روانہ کرو گے۔ وہ جائے گا۔ وہاں کے حالات معلوم کرے گا اور واپس آئے گا۔ اس میں کم از کم تین مہینے لگ جائیں گے۔ چند دنوں تک فوج کو کوچ کا حکم دے دوں گا"۔

"تو آپ اندھیرے میں پیش قدمی کریں گے؟" علی نے پوچھا۔

"چھاپہ ماروں کو ہراوَل سے بہت آگے اور پھیلا کر رکھوں گا"۔ ایوبی نے کہا..... "میں اللہ کے حکم سے اللہ کی سرزمین کی آبرو کی خاطر جا رہا ہوں۔ میں اپنی سلامتی کے لیے مصر میں آرام سے نہیں بیٹھ سکتا"۔

یہ اپریل ۱۱۸۲ء کے دن تھے جب سلطان ایوبی اور علی بن سفیان اپنے اُن جاسوسوں میں سے کسی کا انتظار بے تابی سے کر رہے تھے جو انہوں نے صلیبیوں کے مقبوضہ مسلمان علاقوں اور حلب وغیرہ میں بھیج رکھے تھے۔ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ اس سے دو ماہ قبل نورالدین زنگی مرحوم کا بیٹا الملک الصالح جو والیٔ حلب بن کر سلطان ایوبی کے خلاف ہو گیا تھا، مر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور اُس کا اتحادی رہنے کے معاہدے کے باوجود وہ درپردہ صلیبیوں کا حواری رہا تھا۔ اُس کی موت صلیبیوں اور سلطان ایوبی کے لیے بہت اہم واقعہ تھا۔ الملک الصالح نے مرنے سے پہلے عزالدین مسعود کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یہ واقعہ بھی اہم تھا اور سب سے زیادہ اہم واقعہ یہ ہوا تھا کہ عزالدین کی خواہش کی مطابق نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ (الملک الصالح کی ماں) رضیع خاتون نے اُس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ رضیع خاتون شادی کی خاطر شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سلطان ایوبی کے بھائی العادل نے اُس تک عزالدین کا پیغام لے کر اُسے کہا تھا کہ یہ شادی دمشق اور حلب کی ہوگی، اس سے آئندہ خانہ جنگی کا خطرہ ختم ہو جائے گا اور صلیبیوں کے خلاف محاذ مضبوط کیا جا سکے گا۔ رضیع خاتون یہ کہہ کر رضامند ہو گئی تھی کہ میری خواہشیں مر چکی ہیں۔ میں عظمتِ اسلام کی خاطر ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہوں۔

اُس نے قربانی دے دی اور عزالدین کے ساتھ شادی کر لی۔ حلب اور موصل کی امارتوں پر بڑی مدت سے صلیبیوں کے اثرات کام کر رہے تھے جس کے نتیجے میں یہ امارتیں سلطان ایوبی کے خلاف متحد ہوگئیں اور تین سال مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوتی رہی تھی۔ آپ اس کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں۔ اب رضیع خاتون نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی تو صلیبیوں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ رضیع خاتون صلیبیوں کے سب سے بڑے دشمن زنگی کی بیوہ ہے۔ اس لیے وہ حلب اور موصل اور دیگر مسلمان علاقوں سے صلیب کے اثرات ختم کر دے گی۔ اِدھر مصر میں سلطان ایوبی کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ صلیبی جنگی کارروائی کریں گے۔ سلطان نے یہ بھی سوچا تھا کہ عرب سے اس کی غیر حاضری سے صلیبی فائدہ اُٹھائیں گے۔

سلطان ایوبی نے حالات کا اور آنے والے حالات کا بھی جائزہ لیا اور یہ فیصلہ کیا کہ پیشتر اس کے کہ صلیبی پیش قدمی کر کے حلب اور موصل کا محاصرہ کر لیں، وہ مصر سے برق رفتار پیش قدمی کرے اور بیروت کو محاصرے میں لے لے۔ یہ بڑا ہی خطرناک اور نازک فیصلہ تھا۔ بیروت کو محاصرے میں لینے کے لیے اُسے فوج دشمن کے علاقے میں سے گزار کر لے جانی تھی۔ راستے میں ہی تصادم کا خطرہ تھا۔ بہر حال سلطان ایوبی نے تمام خطروں کا جائزہ لے لیا تھا اور ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ اُس نے جاسوسوں کی اطلاعات کے بغیر کم ہی کبھی پیش قدمی کی تھی لیکن اب حالات کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اُسے سب سے زیادہ ضرورت اس اطلاع کی تھی کہ عزالدین کی نیت کیا ہے اور کیا رضیع خاتون کا وہاں کوئی اثر پڑ رہا ہے یا نہیں۔

علی بن سفیان کے بھیجے ہوئے جاسوس اناڑی نہیں تھے۔ راز حاصل کرنے اور قاہرہ تک پہنچانے کے لیے وہ جان کی بازی لگا دیا کرتے تھے۔ انہیں یہ سبق ہمیشہ یاد رہتا تھا کہ آدھی جنگ جاسوس جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی جیت لیا کرتے ہیں اور یہ بھی کہ صرف ایک جاسوس کی کوتاہی یا غلط اطلاع اپنی پوری فوج کو مروا سکتی ہے اور یہ بھی کہ صرف ایک جاسوس دشمن کی فوج سے ہتھیار ڈلوا سکتا ہے۔ علی بن سفیان کو اسحاق ترک پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ یہ بھروسہ بجا تھا۔ اسحاق بڑے ہی اہم راز لے کر قاہرہ کے لیے روانہ ہوا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کو خبردار کرنے آ رہا تھا کہ بالڈون فرنگی لشکر بیروت کے اِرد گرد دُور دُور تک پھیل گیا ہے اور عزالدین صلیبیوں کی طرف جھک رہا ہے۔ اس لیے سلطان کہیں بیروت کی طرف فوج نہ لے جائے اور اگر اُدھر کو ہی پیش قدمی کا ارادہ ہو تو اسحاق سلطان کو فرنگیوں کی فوج کے پھیلاؤ اور پوزیشنوں کا نقشہ بتانے آ رہا تھا...... مگر وہ راستے میں ہی صلیبی جاسوسوں کے گروہ کے جال میں پھنس گیا۔

☆

''آخر وہ اطلاع کیا ہے جو تم سلطان صلاح الدین ایوبی تک لے جا رہے ہو؟''...... صلیبی جاسوسوں کے اس گروہ کے سربراہ نے اسحاق ترک سے پوچھا اور کہا...... ''ہم بھی مسلمان ہیں۔ سلطان کے وفادار اور شیدائی ہیں۔ تمہارے لیے گھوڑا تیار کھڑا ہے۔ کھانے پینے کا سامان گھوڑے کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے''۔

''اللہ ہمارے سلطان کو ایسے وفاداروں اور شیدائیوں سے محفوظ رکھے''۔ اسحاق نے کہا...... ''میں نے اس لڑکی کو کہا تھا کہ آدھی رات کے کچھ دیر بعد مجھے جگا دینا۔ میں فوراً روانہ ہونا چاہتا ہوں مگر تم نے مجھے جگایا نہیں۔ آدھا دن گزر گیا ہے۔ وقت الگ ضائع ہوا اور اب میں روانہ ہوا تو گھوڑا اتنا سفر طے نہیں کر سکے گا، جتنا رات کو کر سکتا''۔

''تم بہت تھکے ہوئے تھے''۔ میرنیا نے پیار سے کہا...... ''تم ایسی گہری نیند سوئے ہوئے تھے کہ تمہیں جگانا ظلم سمجھا۔ گھوڑا اتنا اچھا ہے کہ جو وقت ضائع ہوا ہے، گھوڑا اسے پورا کر دے گا''۔

اسحاق ترک کو ابھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ جسے وہ تھکن کے بعد کی گہری نیند سمجھتا رہا ہے، وہ کسی دوائی کے اثر کی

بے ہوشی ہے۔ اتنا زیادہ وقت سونے کے بعد بھی اُس کا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ یہ دوائی کا اثر تھا جس سے وہ تھکن کا احساس محسوس کر رہا تھا۔ وہ سفر کے قابل نہیں تھا لیکن فوراً روانہ ہونے کے لیے بے قرار تھا۔ اُس کی آنکھ اُس وقت کھلی تھی جب سورج سر پر آیا ہوا تھا۔

جاسوسوں کا سربراہ اور میرنیا اُس کے ہوش میں آنے سے پہلے ہی اُس کے پاس بیٹھ گئے تھے۔ اُس کی آنکھ کھلی تو اُس کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے ایسی باتیں کیں جن سے اسحاق ترکی کو اب پوری طرح شبہ بھی نہ ہوا کہ وہ انہیں مسلمان سمجھتا رہا لیکن وہ ان کے ایک ہی سوال کا جواب دینے سے گریز کر رہا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کے لیے کیا اطلاع لے کے جا رہا ہے۔

... باہر نکل گیا۔ یہ اشارہ تھا کہ میرنیا اسے اپنے جادو کے ... ۔ اس دل کش لڑکی نے ایسے جذبات کو مشتعل کر دینے والے انداز سے کہا کہ وہ اُسے دل و جان سے چاہنے لگی ہے اور بھی بہت کچھ کہا ...

... ۔ "قاہرہ جا کر عشق و محبت کے لیے وقت نکال سکوں گا" ... اسحاق نے کہا ... "اگر تم مجھے دل و جان سے چاہتی ہو تو مجھے فرض ادا کرنے میں مدد دو" ...... وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور خیمے سے نکل گیا ... کہنے لگا "مجھے فوراً گھوڑا دو" ...

"... کھانا ..." میرنیا نے اُسے بازو سے پکڑ کر خیمے میں واپس لے جاتے ہوئے کہا "... میں تمہیں بھوکا ... جانے نہیں دوں گی" ... اسحاق ... فرض ... میرنیا نے اُسے بٹھا دیا اور خیمے کے دروازے میں جا کر بلند آواز سے کہا ... "کھانا فوراً لاؤ، وقت نہیں ہے" ...

... کھانا ... اور اسحاق ... آگے رکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔ میرنیا اسحاق کے پاس بیٹھی تھی اور بار بار اُدھر جا ... کھانا کھا رہا تھا ... کی طرف ... میرنیا نے ہاتھ میں چھوٹی سی صلیب چھپا رکھی تھی۔ اُس نے یہ صلیب اسحاق کو دکھائی، اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ میرنیا کی طرف اشارہ کیا پھر باہر کو اشارہ ... اور ... ہونٹوں پر ... وہ خیمے سے نکل گئی۔ یہ اشارے ... واضح تھے کہ اسحاق صاف سمجھ گیا کہ یہ سب صلیبی ہیں اور انہیں کچھ نہیں بتانا۔ وہ چونک اُٹھا لیکن استاد تھا۔ اُس نے ... کا اظہار نہ کیا ... شک پختہ ہو گیا ... اس سوال کا جواب مل گیا کہ یہ لوگ اس پر اصرار کیوں کر رہے ہیں کہ وہ سلطان ایوبی کے لیے کیا اطلاع لے کے جا رہا ہے۔

... یہ خیال ... آیا کہ ... قافلہ ... بے ہوشی کی نیند ... کبھی نہیں سویا تھا ... جاگتے ہی ناک میں ... بھی محسوس ہوئی تھی ... کہ اُسے سوتے میں ... بے ہوش کر دیا گیا تھا ... اس سوال کا کوئی جواب نہ ... مسلمان لڑکی ... اُن کے جال میں پھنسی ہوئی ہے؟ ...

... اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی اور اسحاق کا دماغ بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ وہ کیا کرے ... کس طرح ... کرے۔ اُس نے میرنیا سے پوچھا کہ اس قافلے میں کتنے آدمی ہیں۔ میرنیا نے بتایا ... اور باتیں پوچھیں اور کہا ......

"... مجھے گھوڑا دو" ...... کتنے آدمی ... کے نکل بھاگنے کے امکانات کیا ہے۔

... کوئی گھوڑا ... میرنیا ... پاس آن کھڑی ہوئی۔ ...

"گھوڑا کہاں ہے؟" اسحاق نے پوچھا۔ ...

... چلی گئی ... "...

...

"تم ٹھیک کہتے تھے" ۔ میرنیا نے اپنے سربراہ کو جا کر بتایا۔ "یہ شخص پتھر ہے، وہ گھوڑے کے سوا کوئی بات نہیں

کرتا۔ہم جو پوچھتے ہیں، اس کا نام نہیں لینے دیتا''۔

''اسے کوئی شک تو نہیں ہوا؟''

''ابھی نہیں''۔میرینا نے جواب دیا۔''لیکن وہ بتائے گا کچھ بھی نہیں''۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ناکام ہو گئی ہو''۔

''انہیں معلوم نہیں تھا کہ بار برا نے ان سے انتقام لیا ہے اور اُس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ میرینا کوئی جادوگرنی نہیں جو ناممکن کام بھی کر دکھائے گی۔وہ تو یہ بھی سوچ رہی تھی کہ سلطان ایوبی کے اس جاسوس کو وہاں سے بھاگ جانے میں مدد دے لیکن یہ ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

اسحاق پھر خیمے سے نکل گیا۔اس نے میرینا اور اس کے سربراہ کو دیکھ لیا۔وہ دُور کھڑے باتیں کر رہے تھے۔وہ اُن کی طرف دوڑا گیا اور پوچھا کہ گھوڑا کہاں ہے۔

''کہیں بھی نہیں''۔سربراہ نے بالکل ہی بدلے ہوئے لہجے میں کہا......''تم کہیں بھی نہیں جا سکو گے''۔

اسحاق نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھا، وہاں نہ تلوار تھی، نہ خنجر۔اُس نے ان لوگوں کی اصلیت جان لینے کے باوجود کہا......''میں حیران ہوں کہ تم مسلمان ہوتے ہوئے میرے راستے میں آ رہے ہو''۔

''اگر ہم سے عزت کرانا چاہتے ہو تو بتا دو کہ اپنے سلطان کے لیے کیا پیغام لے کر جا رہے ہو''۔سربراہ نے پوچھا

''صرف اتنا سا پیغام ہے کہ ہمارے ایک امیر عزالدین نے نورالدین زنگی کی بیوہ کے ساتھ شادی کر لی ہے''۔

اسحاق نے کہا۔

''یہ خبر پرانی ہو گئی ہے''۔سربراہ نے کہا......''تمہارا سلطان دو ماہ گزرے، یہ خبر سن چکا ہے اور وہ اپنی فوج کو شام میں لڑانے کے لیے تیار کر رہا ہے۔صحیح بات بتاؤ''۔

''کیا تم صحیح بات بتا دیا کرتے ہو؟''اسحاق ترک نے پوچھا۔

''تمہیں صحیح بات بتانی ہو گی''۔سربراہ نے کہا......''اور تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔تم نہتے ہو۔نہتے نہ بھی ہوتے تو اتنے آدمیوں سے لڑ نہ سکتے......سنو دوست! میں تمہارے زندہ رہنے اور شہزادوں کی طرح زندہ رہنے کی ایک صورت پیدا کر سکتا ہوں۔میری تجویز منظور کر لو۔ہمارے ساتھ چلو۔ہمارے لیے بھی کام کرو جو صلاح الدین ایوبی کے لیے کر رہے ہو اور زر و جواہرات میں کھیلو''۔اس نے میرینا کی طرف اشارہ کر کے کہا......''اس قسم کی لڑکیاں تمہاری خدمت کے لیے حاضر رہا کریں گی۔کیوں صحراؤں میں مارے مارے پھر رہے ہو''۔

''میں صلیب کے لیے کام کروں؟''

''نہیں کرو گے تو ہمارے کسی قید خانے کے تہہ خانے میں بند رہو گے''۔سربراہ نے کہا......''وہ ایسا جہنم ہو گا کہ نہ مرو گے، نہ زندہ رہو گے۔تم اس سزا کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔تصور بھی ہولناک ہے۔سوچ لو اور ہمارے ساتھ چلو۔تم واپس تو جا نہیں سکو گے''۔

''تم مجھ پر اعتماد کس طرح کرو گے؟''اسحاق ترک نے کہا......''میں تمہارے گروہ میں شامل ہو جاؤں تو تم مجھے میرے ہی علاقے میں بھیجو گے۔تم کس طرح یقین کرو گے کہ میں اپنے ہی علاقے میں نہیں رہ جاؤں گا اور تمہیں دھوکا نہیں دوں گا؟''

"ہمارے پاس اس کا انتظام ہے"۔ صلیبی سربراہ نے کہا..... "تم اپنے علاقے کی بات کرتے ہو۔ ہم تمہیں تمہارے گھر کے تہہ خانے سے بھی نکال لائیں گے۔ تمہارا خیال کیا ہے کہ تمہارے ملک میں ہمارے جتنے جاسوس ہیں، ان میں تمہارے ملک کا کوئی باشندہ نہیں؟ دس جاسوسوں کے ایک گروہ میں صرف دو آدمی ہمارے اور دس تمہارے اپنے بھائی ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ہمیں دھوکہ دینے کی جرأت نہیں کرتا۔ وہ جانتے ہیں کہ ایسی جرأت کرنے والے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ہم صرف اُسے قتل نہیں کرتے، سب سے پہلے اس کے بیوی بچوں کو ایک ایک کر کے قتل کرتے اور ہر لاش اُس کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور جو ہمارے وفادار رہتے ہیں، اُن کے لیے یہ دُنیا بہشت بنی رہتی ہے۔ ان میں سے جو پکڑا جاتا ہے، اُس کے گھر والوں کے گھر جا کر وہاں ہم نقدی کے انبار لگا دیتے ہیں"۔

"مجھے سوچنے دو"۔ اسحاق نے کہا..... "یہاں سے کب روانگی ہوگی؟"

"آج ہی"۔ سربراہ نے کہا..... "آدھی رات کے بعد، تم سوچ لو۔ یہ بھی سوچ لینا کہ انکار کے بعد تم آزاد نہیں ہو سکو گے"۔

"میں جانتا ہوں"

"اور تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ کیا راز لے کے جا رہے ہو"۔ سربراہ نے کہا۔

"بتا دوں گا"۔ اسحاق نے جواب دیا..... "میرا ذہن بہت حد تک آمادہ ہو گیا ہے"۔

"جاؤ، ابھی آرام کرو"۔ سربراہ نے کہا۔

اسحاق ترک خیمے کی طرف چل پڑا۔

☆

دو ماہ پہلے کا ذکر ہے کہ عزالدین نے نورالدین زنگی کی بیوہ رضیع خاتون کے ساتھ شادی کر لی تو رضیع خاتون کو اس شادی کی صرف یہ خوشی تھی کہ وہ عزالدین کو اپنے زیر اثر رکھے گی اور حلب کی افواج سلطان ایوبی کی افواج کی اتحادی بن جائیں گی۔ خانہ جنگی میں مسلمانوں کی فوجوں کی بڑی ہی کار آمد نفری ماری گئی تھی۔ اتنی زیادہ جنگی قوت ضائع ہوئی جو صلیبیوں کو سرزمینِ عرب سے نکال سکتی تھی اور فلسطین کو آزاد کرایا جا سکتا تھا۔ رضیع خاتون کو توقع تھی کہ عزالدین اُسے اپنا مشیر بنالے گا مگر شادی کے پہلے روز جب رضیع خاتون نے اُس کے ساتھ اس قسم کی باتیں کیں تو اس نے دیکھا کہ عزالدین کوئی دلچسپی نہیں لے رہا۔ اس کے انداز میں اُکتاہٹ تھی۔ وہ اس کمرے میں سویا بھی نہیں، محل کے کسی اور کمرے میں چلا گیا۔

رضیع خاتون نے اُس کا یہ رویہ اس لیے برداشت کر لیا کہ اُس نے امارت کو ابھی ابھی ہاتھ میں لیا ہے، اس لیے مصروف ہوگا اور اُس کا ذہن امارت کے جھمیلوں میں اُلجھا ہوا ہوگا۔ وہ خود امارت کے مسئلوں میں، خصوصاً فوج کے معاملات میں دلچسپی لینا اور کام کرنا چاہتی تھی۔ نورالدین زنگی کی زندگی میں اُس نے بہت کام کیے تھے۔ اُس نے دمشق کی جوان لڑکیوں کو جنگی تربیت دے رکھی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں مجاہدہ تھی، اس لیے وہ سلطان ایوبی کی مرید تھی۔

صبح ہوئی تو وہ اپنے کمرے سے نکلی۔ ٹہلتی ٹہلتی محل کے اندر اندر کچھ دُور چلی گئی۔ بہت بڑا محل تھا۔ اُسے دُور ایک باغیچہ نظر آیا۔ اس میں پانچ چھ جوان لڑکیاں ہنس کھیل رہی تھیں۔ وہ ابھی اُن سے دُور تھی۔ ایک ادھیڑ عورت جس کا چہرہ کرخت سا تھا، دوڑی آئی اور رضیع خاتون سے کہنے لگی..... "آپ اپنے کمرے میں چلی جائیں۔

"کیوں؟"

[illegible] ''محترم امیر کا یہی حکم ہے۔'' عورت نے بتایا۔ ''آپ یہیں آپ کو وہ جگہ بتاؤں گی جہاں آپ گھوم پھر سکتی ہیں۔ انہوں نے سختی سے حکم دیا ہے کہ آپ کو اس سے آگے نہ جانے دیا جائے۔'' [illegible]

[illegible] ''اگر میں یہ حکم نہ مانوں تو کیا ہو گا؟'' رضیع خاتون نے پوچھا۔ [illegible]

[illegible] ''مجھے گستاخی کا موقع نہ دیں۔'' عورت نے التجا کے لہجے میں کہا۔ ''مجھے آقا کا حکم ماننا ہے اور منوانا بھی ہے۔''

[illegible] ایک اور ادھیڑ عمر عورت آ گئی۔ وہ رضیع خاتون کے پاس چلی گئی۔ اس نے رضیع خاتون کو ساتھ لیا اور اسے ایک کمرے میں لے آئی۔ کہنے لگی: ''میں آپ کی خادمہ ہوں اور مجھے ہر وقت آپ کے پاس رہنے کا حکم ملا ہے اور یہ حکم مجھے بھی ملا ہے کہ آپ کو ایک خاص حد سے زیادہ باہر نہ جانے دیا جائے۔'' رضیع خاتون نے [illegible] اس کی خادمہ نے کہا: ''آپ گھبرائیں نہیں۔ میں جانتی ہوں آپ نے کیا کیا خواب دیکھ کے یہاں آئی ہیں۔ آپ کا ہر خواب خواب ہی رہے گا۔ مجھے اپنا ہمدرد اور ہمراز سمجھیں۔ یہ محل صلیبیوں کے گھیرے میں ہے۔ [illegible] آپ کا بیٹا ان کے ہاتھ کا کھلونا بنا رہا۔ اب نیا امیر بھی جو آپ کا خاوند ہے صلیبیوں کا حاشیہ بردار بنے گا۔ یہاں کے بہت سے وزیر اور مشیر صلیبیوں کے زرخرید ہیں۔''

''صلاح الدین ایوبی کے متعلق محل کے لوگوں کی کیا رائے ہے؟'' رضیع خاتون نے پوچھا۔ ''کیا اُس کا یہاں کچھ اثر نہیں؟'' [illegible]

''اتنا نہیں جتنا صلیبیوں کا ہے۔'' خادمہ نے رازداری سے کہا۔ ''محل میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس موجود ہیں۔ میں خود اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ آپ کو میں اچھی طرح جانتی ہوں [illegible] آپ کو بتا دیا ہے کہ میں کیا ہوں۔ میں ابھی آپ کو ساری باتیں نہیں بتاؤں گی۔ آپ عزالدین سے [illegible] کہ اس نے آپ کو اس کمرے کا قیدی کیوں بنا لیا ہے۔''

☆

[illegible] کر دوں گی۔'' [illegible]

[illegible] ''آپ [illegible] واضح ہو جائے گی۔'' خادمہ نے کہا۔ [illegible] جھوٹ نہیں بول رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ عزالدین نے آپ کے ساتھ صرف اس لیے شادی کی ہے [illegible] سلطان صلاح الدین ایوبی [illegible] دمشق کے لوگ سلطان ایوبی کے حامی ہیں [illegible] کے خلاف [illegible]

[illegible] پوچھا جائیں گے۔'' [illegible]

[illegible] ''کیا یہ اطلاع سلطان صلاح الدین ایوبی تک پہنچائی جا سکتی ہے؟'' رضیع خاتون نے پوچھا۔ [illegible]

[illegible] انتظام کیا جا چکا ہے۔'' خادمہ نے جواب دیا۔ [illegible] دلیر آدمی کو بھیجا ہے۔ [illegible] گا۔''

[illegible] ''مجھے [illegible] سکے گا؟'' [illegible]

''ضرور ملواؤں گی۔'' خادمہ نے جواب دیا۔ [illegible]

''کیا؟''

...... ❁ ......

داستان ایمان فروشوں کی

(جلد پنجم)

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں

عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

واحد تقسیم کار:

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

فون: 37232336، 37352332

www.ilmoirfanpublishers.com

E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

فہرست

تعارف

''داستان ایمان فروشوں کی'' کا آخری حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ ہماری اُبھرتی ہوئی نسل کا کردار مجروح ہو چکا ہے۔ اس قومی المیہ کے اسباب سے بھی آپ واقف ہوں گے، اگر نہیں تو ہم بتاتے ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بچوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ان کی نصابی کتابوں میں بھی ان روایات کا ذکر نہیں ملتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور نوجوان ایسی کہانیوں کے عادی ہو گئے ہیں جن میں تفریح اور لذیذ مواد زیادہ ہوتا ہے اور جن میں سنسنی، سسپنس، ہنگامہ آرائی اور جنسیت ہوتی ہے اور جو جذبات میں ہلچل بپا کر دیتی ہیں۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے لیکن بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے دشمن نے جو یہودی بھی ہے اور ہندو بھی، انسان کی اس فطری ضرورت کو اسلام دشمن مقاصد اور پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ جو فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور کہانیاں، رسالے اور فلمیں مقبول ہوئی ہیں، ان کا خالق ہمارا دشمن ہے اور انہیں ہمارے ملک میں پھیلانے کا کام دشمن ہی کر رہا ہے۔ یہ زہریلا ادب ہمارے ہاں اس حد تک مقبول ہو گیا ہے کہ غیر اسلامی نظریات کی حامل کہانیاں بھی پاکستانیوں نے دل و جان سے قبول کر لی ہیں۔ پاکستان کے زر پرست ناشروں، رسالوں کے مالکوں اور قلم کاروں نے دیکھا کہ ان کہانیوں سے تو دولت کمائی جا سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی قومی سُود و زیاں کو نظر انداز کر کے فحاشی کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے اور ہمارے مفاد پرست ناشروں نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنی اُبھرتی ہوئی نسل کے انفرادی اور قومی کردار کے تحفظ اور نشو و نما کے لیے ''حکایت'' میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی سچی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے ہم چار حصے کتابی صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ آخر حصہ پیشِ خدمت ہے۔ ان کہانیوں میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور آپ کے بچوں کے فطری مطالبات کی تسکین کریں گے۔ ان میں سنسنی بھی ہے، سسپنس بھی اور یہ کہانیاں آپ کو قدم قدم پر چونکائیں گی مگر ان کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ اُس قومی جذبے اور ایمان کو زندہ و بیدار کریں گی جسے ہمارا دشمن فحش اور اخلاق سوز کہانیوں کے ذریعے کمزور بلکہ مُردہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک جنگ میدان میں لڑی جسے صلیبی جنگوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ دوسری جنگ زمین دوز محاذ پر لڑنی پڑی۔ یہ جاسوسوں اور کمانڈو فورس کی جنگ تھی۔ یہ مختلف اوقات کی تفصیلی اور ڈرامائی وارداتیں ہیں، جن میں آپ کو سلطان ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سراغ رسانوں، تخریب کاروں، گوریلاوں اور کمانڈو عسکریوں کے سنسنی خیز، ولولہ انگیز اور چونکا دینے والے تصادم، زمین دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔

صلیبیوں نے مسلمانوں کے ہاں تخریب کاری، جاسوسی اور کردار کشی کے لیے غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک لڑکیاں استعمال کی تھیں، اس لیے یہ عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں بن گئیں۔

اگر آپ سچے دل سے فحش اور مخرب اخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ''داستان ایمان فروشوں کی'' کے سلسلے کی کہانیاں پڑھنے کو دیں۔

[illegible]

[illegible] عنایت اللہ (مرحوم)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سانپ اور صلیبی لڑکی

[illegible]

[illegible]

[illegible] ضیعفہ خاتون کو محل کی [illegible] کے پاؤں تلے [illegible]
[illegible] جو کوئی بننے والی حلب عزالدین کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ یہ ضعیفہ خاتون عظیم عورت تھی۔
اسلام کی تاریخ ساز مجاہدہ تھی۔ اپنے مرحوم خاوند نورالدین زنگی اور پھر سلطان اسلام صلاح الدین ایوبی کی طرح یہ ضعیفہ خاتون
بھی [illegible] صلیبیوں کے خلاف [illegible] اسلامیہ کے اتحاد [illegible] کے لیے [illegible] تھی۔ اگر خاوند نے اسے جو
راز بتایا وہ حقیقت تھا تو اس عظیم مجاہدہ کی کمند ٹوٹ چکی تھی اور اس کی تلوار [illegible] کے [illegible] قیدی بنا لیا گیا تھا۔ اس کی نوجوان
بیٹی شمس النساء اسی محل میں تھی جس کے ساتھ ابھی اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

[illegible] ہم آپ کو [illegible] شمس النساء کی عمر اپنے باپ نورالدین زنگی کی وفات کے وقت آٹھ نو سال تھی۔
[illegible] الملک الصالح گیارہ سال کا تھا۔ زنگی کی وفات کے بعد مفاد پرست امراء اور فوجی حکام نے
[illegible] سلطان ایوبی اس [illegible] صورت حال پر قابو پانے کے لیے مصر سے آیا تو
[illegible] زنگی کی بیوہ [illegible] کی کوششوں سے دمشق پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہو گیا۔ الملک الصالح اپنی
فوج کی بہت سی نفری کے ساتھ بھاگ کر حلب چلا گیا۔ اپنی بہن شمس النساء کو بھی ساتھ لے گیا۔ اُن کی ماں دمشق میں رہی
اور صلیبیوں کے خلاف [illegible] شمس النساء [illegible] کی ہوئی تو اُس کا بھائی بیمار ہو کر نزع کے عالم کو جا
پہنچا [illegible] ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ شمس النساء دمشق [illegible] کے پاس گئی [illegible] کا اکلوتا بھائی اُسے
[illegible] ضعیفہ خاتون نے [illegible] انکار کر دیا [illegible] وہ مر گیا [illegible] سلطان [illegible] اور اُس
نے صلاح الدین ایوبی [illegible] شمس النساء واپس چلی گئی۔ اس کا بھائی الملک الصالح مر چکا تھا۔
[illegible] ضعیفہ خاتون [illegible] اسی محل میں [illegible] کے جانشین عزالدین کی بیوی
[illegible] ضعیفہ خاتون [illegible] خادمہ سے پوچھا کہ [illegible] کی بیٹی کہاں
[illegible]

"وہ یہیں ہے"۔ خادمہ نے جواب دیا..... "یہ آپ [illegible] کہ آپ شمس النساء سے مل سکتی ہیں یا
نہیں [illegible] ملاقات [illegible]"
[illegible] "تم [illegible] کے ساتھ میری ملاقات ہو سکتی ہے؟" ضعیفہ
خاتون نے پوچھا۔ [illegible]
[illegible] ہوتی ہے۔
[illegible] آپ کی شادی [illegible]

کو بعد میں خبر ہوئی، ورنہ آپ کو پہلے ہی خبردار کر دیا جاتا کہ شادی کی اس پیش کش کو قبول نہ کریں''۔

''اور میں یہ کس طرح یقین کر لوں کہ تم میری ہمدرد ہو اور میرے ہی خلاف جاسوسی نہیں کر رہی؟''...... رضیع خاتون نے پوچھا۔

خادمہ کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آ گئی۔ رضیع خاتون کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی...... ''اگر میں کوئی امیر کبیر عورت ہوتی، کسی محل کی شہزادی ہوتی، کسی شہزادے کی بیوی ہوتی اور میری حیثیت آپ جتنی ہوتی تو آپ مجھ سے ایسا سوال کبھی نہ پوچھتیں۔ آپ ہر جھوٹ کو سچ مان کر دھوکے کا شکار ہو جاتیں، میری حیثیت ایسی ہے کہ میرا سچ بھی جھوٹ لگتا ہے۔ کیا آپ کو ابھی تجربہ نہیں ہوا کہ صداقت اور جذبہ صرف غریبوں کے دلوں میں رہ گیا ہے؟ آپ کو آنے والے حالات بتائیں گے کہ آپ کو کس پر اعتبار کرنا چاہیے۔ ایک غریب خادمہ پر یا حلب کے بادشاہ پر جو آپ کا خاوند ہے۔ آپ مجھ پر اعتبار کرنے کا خطرہ مول لے لیں، اور دُعا کریں اللہ آپ کی اور ہماری مدد کرے''۔

خادمہ کمرے سے نکل گئی۔ رضیع خاتون اُلجھے اُلجھے خیالوں میں بھٹکتی رہ گئی۔ وہ کمرہ جس کی سجاوٹ اور جس کا سامان شاہانہ تھا، اُسے جہنم کی طرح نظر آنے لگا۔

☆

دو تین روز رضیع خاتون کو عزالدین نظر نہ آیا۔ اُسے کمرے میں کھانا وغیرہ پہنچایا جاتا رہا۔ خادمائیں اُس کی حاضری میں کھڑی رہیں۔ اس کے آرام اور دیگر ضروریات کا خیال اس طرح رکھا جاتا جیسے وہ کوئی ملکہ ہو مگر یہ شہنشاہی اُسے ذہنی اذیت دے رہی تھی۔ وہ ایک سلطان کی بیوہ تھی۔ اس کی زندگی میں بھی اُس نے اپنے آپ کو کبھی ملکہ یا شہزادی نہیں سمجھا تھا۔ اُس کی صرف یہ خواہش تھی کہ مردوں کے دوش بدوش میدانِ جنگ میں جائے، صحراؤں میں لڑے اور اُسے شہیدوں میں سے اُٹھایا جائے۔

ایک روز عزالدین اس کے کمرے میں آ گیا اور مصروفیت کی بناء پر اتنے دن نہ آ سکنے کی معذرت کی۔

''میں نے آپ کو غیر حاضری کی شکایت تو نہیں کی''۔ رضیع خاتون نے کہا...... ''میں دُلہن بن کے نہیں آئی۔ میرے دِل میں ایسی بھی کوئی خواہش نہیں کہ آپ ہر وقت میرے ساتھ رہیں یا ہر رات میرے ساتھ گزاریں۔ میری آدھی سے زیادہ ازدواجی زندگی تنہائی میں گزری ہے۔ نورالدین زنگی مرحوم محاذ پر رہتے تھے اور میں اُن کے نہیں اُن کی لاش کے انتظار میں رہتی تھی۔ محاذ پر نہ ہوں تو سلطنت کے کاموں اور فوج کی تربیت میں مصروف رہتے تھے، لیکن وہاں میں بھی مصروف رہتی تھی۔ سلطنت کے بعض کاموں کی نگرانی اور شہیدوں کے گھروں کی دیکھ بھال میرے سپرد تھی۔ میں جوان لڑکیوں کو زخمیوں کی مرہم پٹی، تیغ زنی، تیر اندازی اور گھوڑ سواری کی تربیت دیتی تھی۔ وہاں میں ایک کمرے میں قید نہیں تھی جس طرح یہاں بند کر دی گئی ہوں۔ یہ قید مجھے پسند نہیں''۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ نورالدین زنگی مرحوم نے سلطنت کے کئی کام اپنی بیوی کے سپرد کر کے اچھا نہیں کیا تھا''۔ عزالدین نے کہا...... ''لیکن میں کسی سے یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ حلب کی قسمت بنانے اور بگاڑنے میں ایک عورت کا ہاتھ ہے۔ تم میری بیوی ہو۔ تم پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا جس کا تعلق ازدواجی زندگی سے نہیں''۔

چونکہ رضیع خاتون کو عزالدین کی نیت کا پتہ خادمہ سے چل چکا تھا، اس لیے اس نے اپنے اس دوسرے خاوند کو ایسی باتوں سے اپنے آپ کو اس خود فریبی سے جتلانہ کیا کہ وہ پیار کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ ایک ہی بار، آج ہی، اُس کی نیت کو

بے نقاب کرنے کا ارادہ کیے ہوئی تھی۔ وہ کم عمر لڑکی نہیں، پختہ کار عورت تھی۔

''مگر جس طرح مجھے اس کمرے میں قید کر دیا گیا ہے، یہ مجھے پسند نہیں''۔ رضیع خاتون نے کہا..... ''میں آپ کے حرم کی کوئی زرخرید لڑکی نہیں''۔

''رضیع خاتون!'' عزالدین نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے کہا..... ''تمہیں وہ ازدواجی زندگی ذہن سے اُتارنی ہوگی جو تم نے زنگی مرحوم کے ساتھ گزاری ہے۔ انہوں نے تمہیں جو آزادی دے رکھی تھی، وہ مجھے پسند نہیں اور یہ کسی بھی خاوند کو پسند نہیں آسکتی..... کیا تم باہر گھومنا پھرنا چاہتی ہو؟ چار گھوڑوں کی بگھی موجود ہے، جب چاہو باہر جاسکتی ہو''۔

''جسے محل کے اندر گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں، اُسے باہر جانے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟'' رضیع خاتون نے پوچھا..... ''کیا واقعی آپ نے حکم دیا ہے کہ میں محل کے اندر کہیں نہیں جاسکتی''۔

''میں نے یہ حکم تمہاری سلامتی کے لیے دیا ہے''۔ عزالدین نے جواب دیا..... ''تم جانتی ہو کہ حلب اور دمشق میں کیسی خون ریزی خانہ جنگی ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی نے تمہارے بیٹے کو شکست دے کر اُسے اطاعت کا معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا مگر یہاں کے لوگوں کے دلوں سے وہ دشمنی نکلی نہیں۔ محل کے اندر ایسے افراد موجود ہیں جو تمہیں اور سلطان ایوبی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ سلطان ایوبی کی فوج کے ہاتھوں اُن کے گھر تباہ ہوئے اور اُن کے جوان بیٹے مارے گئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تم سلطان ایوبی کی حامی ہو اور دمشق پر تم نے قبضہ کرایا تھا۔ اِن میں سے کوئی بھی تمہیں قتل یا اغوا کر سکتا ہے''۔

''وہ آپ کو بھی قتل کر سکتے ہیں کیونکہ آپ صلاح الدین ایوبی کے دوست اور اتحادی ہیں''..... رضیع خاتون نے کہا..... ''تو کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ اس قسم کے افراد کو جو اتحادِ اسلامی کے خلاف ہیں پکڑا جائے؟ کیا آپ کے پاس ایسے جاسوس اور مخبر نہیں ہیں جو تخریبی عناصر کا سراغ لگا کر انہیں پکڑوا سکیں؟''

''میں تمام انتظامات کر رہا ہوں''۔ عزالدین نے ایسے لہجے میں کہا جو اُکھڑا اُکھڑا سا تھا جیسے اس کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا..... ''میں تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا''۔

''کیا یہ خطرہ محل کے صرف اندر ہے؟''۔ رضیع خاتون نے پوچھا..... ''آپ نے مجھے چار گھوڑوں کی بگھی پر جہاں میں چاہوں باہر گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی ہے۔ کیا باہر مجھے کوئی قتل یا اغوا نہیں کر سکے گا؟''..... عزالدین کچھ جواب دینے ہی لگا تھا کہ رضیع خاتون نے اسے بولنے نہ دیا اور کہا..... ''میں نے آپ کے ساتھ شادی صرف اس لیے کی ہے کہ نور الدین زنگی مرحوم اپنا جو مقصد اُدھورا چھوڑ کر فوت ہو گئے ہیں، وہ آپ، سلطان صلاح الدین ایوبی اور میں مل کر پورا کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اگر ابھی تک آپ کے زیرِ سایہ ایسے عناصر پرورش پا رہے ہیں جو ایک اور خانہ جنگی کے لیے زمین ہموار کر رہے ہیں تو ان کا خاتمہ کیا جائے اور قوم میں اتحاد پیدا کر کے صلیبیوں کو اس سرزمین سے بے دخل کیا جائے''۔

''کیا تمہیں یہ شک ہے کہ میں سلطان ایوبی کا اتحادی نہیں؟''

''کیا آپ مجھے یقین دلا سکتے ہیں کہ اس محل پر صلیبیوں کے وہ اثرات جو میرے بیٹے نے پیدا کیے تھے، ختم ہو گئے ہیں؟'' رضیع خاتون نے پوچھا..... ''کیا آپ کے تمام اُمراء اور سالار بغداد کی خلافت کے وفادار ہیں؟''

''تم یہاں سفیر بن کے آئی ہو یا میری بیوی؟'' عزالدین نے قدرے طنز سے کہا۔

''میں جو ارادے لے کے آئی ہوں، وہ بتا چکی ہوں''۔ عزالدین نے کہا..... ''میں اپنے بطن سے آپ کے بچے پیدا کرنے اور صرف بیوی بن کے اس کمرے میں بند رہنے کے لیے نہیں آئی۔ میں محل میں گھوم پھر کر یہ معلوم کرنا

چاہتی ہوں کہ حلب صلیب کے سائے سے محفوظ رہے [illegible] عظیم [illegible] اپنے [illegible]
نہیں آسکوں گی [illegible]"

"میں تمہیں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ میرے کسی کام میں دخل نہ دینا"...... عزالدین نے [illegible] تم [illegible]
ہو اور [illegible] تمہاری حیثیت [illegible] اگر تم آزاد ہونے کی کوشش کرو گی تو میں نے تمہیں [illegible] پر باہر [illegible] کی جو اجازت دی
[illegible]

[illegible] اگر میں یہ شرط قبول نہ کروں تو [illegible]

[illegible] "تم بس [illegible] عزالدین نے جواب دیا [illegible] تم [illegible] طلاق [illegible] اور میں تمہیں
طلاق نہیں دوں گا" ۔عزالدین باہر نکل گیا [illegible]
[illegible]"

[illegible] آپ نے غلطی کی ہے" [illegible] رضیع خاتون [illegible]
عزالدین اور رضیع خاتون کی باتیں [illegible] عزالدین [illegible]
"اگر آپ ضد کریں گی تو یہ شخص آپ کو [illegible] قید [illegible]
[illegible]
[illegible] آقا نے آپ
کو [illegible] باہر جانے کی اجازت [illegible] آگیا تو اس کی
بھی ملاقات آپ سے کرائیں گے"۔ [illegible]

[illegible] رضیع خاتون [illegible] ۔اس کے
ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی مگر آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے [illegible]
[illegible] رہیں۔

[illegible] رضیع خاتون [illegible]
[illegible] عزالدین [illegible] آپ [illegible] منع کر دیا تھا [illegible]
[illegible]
[illegible]
کر اپنی ملکہ [illegible]
وقت گزارا کرو"۔ [illegible]

[illegible] ہوتی ہیں؟"
"[illegible]"
سکی۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ [illegible] معلوم ہوتی
ہے [illegible]"
[illegible]

کیوں کی کہ اب تمہارا پتا شادی ہو جانی چاہیے۔ مجاہدوں کی بیٹیوں کے ہاتھوں پر لہو کی مہندی لگا کرتی ہے۔ زندہ قوموں کی بیٹیوں کی بہنیں کام ہی اٹھایا کرتی ہیں ۔ اُن کی لاشیں میدانِ جنگ سے اُٹھائی جاتی ہیں ۔ تمہاری بدنصیبی یہ ہے کہ تم اپنے بھائی اور اس کے مشیروں کے سائے میں پل کر جوان ہوئی ہو۔ یہ سب غدار ہیں ۔ تمہارا بھائی بھی غدار تھا۔ تم نے اپنے بھائی کی فوج کو اپنے باپ کی فوج اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑتے دیکھا ہے۔ تمہارا بھائی، جسے میں اپنا بیٹا کہنے سے شرمندگی محسوس کرتی ہوں، صلیبیوں کا دوست تھا۔ اپنا صلیبیوں کا دوست جو تمہارے مذہب کے دشمن ہیں ۔ تمہارا باپ ساری عمر اُن کے خلاف لڑتا رہا ہے"۔

"بھائی الصالح کہا کرتا تھا کہ صلیبی بڑے اچھے لوگ ہیں"۔ شمس النساء نے کہا۔ "وہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف باتیں کیا کرتا تھا"۔

"میں تمہیں بتاؤں گی کہ صلیبیوں کے عزائم کیا ہیں اور یہ بھی کہ ان کی دوستی میں بھی دشمنی ہے"۔ رضیع خاتون بولتی جا رہی تھی اور شمس النساء کی آنکھیں کھلتی جا رہی تھیں ۔ ماں کا ایک ایک لفظ بیٹی کے دل میں اُترتا جا رہا تھا۔ ماں کا سحر بھی شامل تھا جس سے بیٹی مسحور ہوتی جا رہی تھی۔

"مسلمان کا کوئی دوست نہیں"۔ رضیع خاتون نے کہا۔ "دنیا کی ہر وہ قوم جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ نہیں پڑھتی، مسلمانوں کی دشمن ہے اور اُن کی دشمنی کی سب سے زیادہ خطرناک صورت اُن کی دوستی ہے۔ صلیبیوں نے حلب، موصل اور حران کے امراء سے دوستی کر کے ہماری قوم کو دو حصوں میں کاٹ دیا۔ تمہارا بھائی اُن کے ہاتھوں میں کھیلتا رہا۔ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ امت کے ٹکڑے نہ ہوں ۔ تقسیم بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ تقسیم ٹکڑوں کو آپس میں لڑاتی ہے۔ قرآن کا حکم بالکل واضح ہے کہ کفار کے مقابلے میں تم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے رہو مگر کفار نے عیاشی کا ایسا جال پھیلایا کہ ان امراء کو شگاف ڈال دیئے۔ یہ شیطان کی باتوں میں جادو کا اثر ہوتا ہے۔ عورت، شراب، زر و جواہرات اور بادشاہی کے خواب انسان کو گہری نیند سلائے رکھتے ہیں ۔ یہ شیطان کا کام صلیبیوں نے کیا"۔

"تمہارے سبز باغ آنکھوں سے اب محل میں ہی دیکھے ہوں گے"۔ شمس النساء نے کہا۔ "میں اُس وقت چھوٹی تھی، کچھ سمجھ نہیں سکی۔ مجھے جب بھائی الصالح نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس اعزاز کا قلعہ مانگنے کے لیے بھیجا تھا تو میں نہیں سمجھی تھی کہ بھائی کے سالاروں کے ساتھ جنگل میں کیوں گئی تھی۔ مجھے کسی نے نہیں بتایا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ خانہ جنگی تھی جو صلیبیوں کی کارستانی تھی۔ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں"۔

"خدا نے تمہیں ایک موقع دیا ہے"۔ رضیع خاتون نے کہا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "اس محل میں ابھی تک شیطان کی حکمرانی ہے۔ عز الدین نے میرے ساتھ شادی کر لی تھی۔ مجھے اپنی بیوی نہیں اپنا قیدی بنا لیا ہے۔ میں نے یہ شادی صرف اس لیے قبول کر لی تھی کہ خانہ جنگی کو ختم کر کے قوم میں اتحاد پیدا ہو اور صلیبیوں کے خلاف محاذ آرائی کی جا سکے مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ عز الدین کے دل میں صلیبیوں کی محبت ہے۔ میں ایک ایسا کام کرنے والی ہوں جس کی تکمیل تم کرو گی۔ اس کے لیے مجھے تمہارے ساتھ اور تعاون کی ضرورت ہوگی"۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں"۔ شمس النساء نے کہا۔ "تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں اور میں اصل صورتِ حال سے آگاہ ہوئی ہوں ۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا"۔

"جاسوسی"۔ رضیع خاتون نے کہا اور اسے تفصیل سے ہدایات دینے لگی۔

شمس النساء جب اس کمرے سے نکلی تو اُس کی ذات اور اُس کے خیالات میں انقلاب آچکا تھا۔ وہ اس کمرے میں داخل ہوئی تھی تو بے پروا اور کھلنڈری سی لڑکی تھی۔ جب کمرے سے نکلی تو اللہ کی راہ میں قربان ہونے والی مجاہدہ تھی۔

☆

''آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میری ماں جھگڑالو اور وہمی ہے؟'' شمس النساء نے عزالدین سے کہا......''آپ جانتے ہیں کہ اُن کی زندگی کیسی گزری ہے۔ وہ آپ کو بھی میرے باپ نور الدین زنگی مرحوم جیسا نامور جنگجو اور مجاہد اسلام بنانا چاہتی ہیں''۔

''وہ میرے کاموں میں دخل دینا چاہتی ہے''۔ عزالدین نے کہا......''اُسے یہ وہم ہے کہ میں صلیبیوں کا دوست ہوں''۔

''میں نے انہیں روک دیا ہے''۔ شمس النساء نے کہا......''اور اُن کا یہ وہم بھی دُور کر دیا ہے کہ آپ صلیبیوں کے دوست ہیں۔ انہیں غلط نہ سمجھیں۔ ان پر غیر ضروری پابندیاں عائد نہ کریں''۔

''میں نے کوئی پابندی عائد نہیں کی۔'' عزالدین نے کہا......''بگھی ہر وقت موجود ہے۔ اپنی ماں کو جب چاہو سیر کرانے لے جایا کرو''۔

ان کے درمیان اسی موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ عزالدین نے شمس النساء کی باتوں کو سچ مان لیا۔ یہ باتیں عزالدین کے دفتر میں ہو رہی تھی۔ شمس النساء وہاں سے نکلی تو باہر عامر بن عثمان کھڑا تھا۔ اُس کی عمر ابھی تیس برس نہیں ہوئی تھی۔ وجیہہ اور بڑا ہی پُرکشش جوان تھا۔ تیر اندازی اور تیغ زنی میں اس کا مقابلہ کوئی کم ہی کرسکتا تھا۔ دماغ کا بھی تیز تھا۔ وہ الملک الصالح کے خصوصی محافظ دستے کا کمان دار تھا۔ اسی عمر میں اسے جسمانی اور ذہنی چستی کی بدولت اتنا بڑا عہدہ اور اتنی نازک ذمہ داری دے دی گئی تھی۔ اس کی رہائش محل کے اندر ہی تھی۔ تھوڑے ہی عرصے سے وہ شمس النساء میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ شمس النساء کو پہلے ہی وہ اچھا لگتا تھا۔ اس لڑکی میں کھلنڈرا پن سا تھا۔ اُسے باپ کی عظمت اور عزم سے کسی نے بھی آگاہ نہیں کیا تھا۔ اُسے محل میں بے ضرر سمجھا جاتا تھا۔ اس کا بھائی مر گیا تو عزالدین نے بھی اُسے بھولی بھالی اور کھلنڈری لڑکی سمجھ کر آزادی دیئے رکھی۔ اسی لیے وہ عامر بن عثمان سے ملتی ملاتی رہی۔

اب وہ جوان ہوگئی تھی۔ عمر سولہ برس تھی۔ اُس دور میں لڑکیاں قد کاٹھ کے لحاظ سے عمر سے زیادہ جوان لگتیں اور بعض اسی عمر میں ایک دو بچوں کی مائیں بن جایا کرتی تھیں۔ شمس النساء تو حکمران خاندان کی شہزادی تھی۔ اپنے قدرتی حسن سے کچھ زیادہ ہی حسین لگتی تھی۔ عامر بن عثمان میں اُس کی جو دلچسپی تھی، اس کا رنگ بدل چکا تھا۔ کبھی وہ اُسے چھیڑ کر بھاگ جایا کرتی تھی مگر اب اُسے دیکھ کر شرما جاتی اور اُسے چوری چھپے ملا کرتی تھی۔ یہ پاک محبت تھی جس کی شدت نے انہیں روح کی گہرائیوں تک ایک دوسرے کا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ انہوں نے شادی کے عہد و پیمان کر رکھے تھے۔ مشکل یہ تھی کہ عامر بن عثمان شمس النساء کے خاندان کا ادنیٰ ملازم تھا۔ وہ اس لڑکی کے رشتے کی توقع رکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ پھر بھی اُس نے گھر والوں کا طے کیا ہوا رشتہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

شمس النساء عزالدین کے دفتر سے نکلی تو عامر باہر کھڑا تھا۔ شمس النساء اسے دیکھ کر مُسکرائی اور اشارہ کر کے چلی گئی۔ عامر اس اشارے کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے سر ہلایا جس کا مطلب یہ تھا کہ ضرور آؤں گا۔

☆

جگہ پودوں اور درختوں میں ڈھکی چھپی تھی۔ اوپر رات کی تاریکی نے پردہ ڈال رکھا تھا۔ عامر بن عثمان اور شمس النساء محل کی رونق اور ہماہمی سے بے نیاز اس جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے پُرشباب جذبات پر والہانہ محبت کا نشہ طاری تھا۔

''میں آج اپنی ماں سے ملی ہوں''۔ شمس النساء نے بتایا...... ''اور اب اُنہی کے ساتھ رہا کروں گی''۔

''تمہاری ماں بھی شاہی خاندان کی خاتون ہیں''۔ عامر نے کہا...... ''وہ تمہیں کسی شہزادے کے ساتھ ہی بیاہنا پسند کریں گی''۔

''نہیں!'' شمس النساء نے کہا...... ''وہ شاہی خاندان کی ضرور ہیں لیکن اُس خیمے میں رہنا پسند کرتی ہیں جو محاذ کے بالکل قریب ہو۔ وہ مجھے بھی سپاہی بنانا چاہتی ہیں''۔

''کیا یہ اُمید رکھی جا سکتی ہے کہ تم ان سے میرے متعلق بات کرو اور وہ مان جائیں؟''۔ عامر نے پوچھا

''اگر میں نے اُن کی وہ اُمیدیں پوری کر دیں جو انہوں نے میرے ساتھ وابستہ کر دی ہیں تو میں اُن سے اپنی ہر خواہش منوا سکتی ہوں''۔ شمس النساء نے جواب دیا...... ''تمہیں بھی اُن کی اُمید پوری کرنی ہوگی''۔

''انہوں نے میرا نام لیا تھا؟''

''نہیں''۔ شمس النساء نے جواب دیا...... ''انہوں نے مجھے اپنا مقصد بتایا ہے جس کی تکمیل کے لیے انہیں میرے تعاون کی ضرورت ہے اور مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں یہ مقصد اور اپنے فرائض بتاؤں میں تم سے حلف لینا چاہتی ہوں کہ تم مدد کرو یا نہ کرو، اس مقصد کو اور میری سرگرمیوں کو راز میں رکھو گے''۔

''اور اگر میں حلف نہ دوں تو؟'' عامر نے ہنستے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''شمس النساء پرے ہٹ گئی۔ عامر پر سنجیدگی طاری ہوگئی۔ شمس النساء نے کہا...... ''میں نے پہلے بھی وعدہ کیا ہے آج جیسی قسم کھو گے کھا کر اپنا وعدہ دہراؤں گی کہ میری شادی ہوگی تو تمہارے ساتھ ہوگی لیکن اس سے پہلے ہمیں وہ کام کرنا ہوگا جو ماں نے مجھے بتایا ہے''۔

''عامر بن عثمان کو حیرت اس پر ہوئی کہ شمس النساء کو اُس نے ایسی سنجیدگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ چونکا اور بولا...... ''کیا تمہارے دل میں میری اتنی سی محبت رہ گئی ہے کہ تم مجھ سے حلف لینا ضروری سمجھتی ہو؟''

''کام کچھ ایسا ہی ہے کہ حلف ضروری ہے''۔ شمس النساء نے جواب دیا...... ''میں تو اپنی ماں کا حکم مانتے ہوئے جان بھی دے دوں گی۔ تم شاید ساتھ نہ دے سکو''۔

''میں تمہاری محبت کی خاطر جان دے دوں گا''۔

''نہیں''۔ شمس النساء نے کہا...... ''محبت کی خاطر نہیں، اسلام کی عظمت کی خاطر۔ اس اسلام کی خاطر نہیں جو اس محل کے اندر ہم دیکھ رہے ہیں۔ میں اُس اسلام کی بات کر رہی ہوں جس کی خاطر میرے محترم والد نے کفار سے لڑتے عمر گزاری ہے اور جس کی خاطر صلاح الدین ایوبی لڑ رہا ہے''۔

''میں قرآن کے نام پر حلف دیتا ہوں کہ مجھے جو فرض سونپا جائے گا، جان کی بازی لگا کر پورا کروں گا''۔ عامر بن عثمان نے شمس النساء کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا...... اگر میں نے اس حلف کی خلاف ورزی کی تو مجھے جان سے مار دیا جائے اور میری لاش کتوں اور گیدڑوں کے آگے پھینک دی جائے...... اب بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟''

''جاسوسی''۔ شمس النساء نے کہا...... ''سلطان صلاح الدین ایوبی مصر میں ہیں۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ

انہوں نے اپنے بھائی الملک الصالح کے ساتھ جو [illegible] اور آپس میں جنگ [illegible] تھا، وہ [illegible] کی ملاقات کے بعد بھی قائم ہے مگر تم زیادہ اچھی طرح جانتے ہو کہ معاہدے کے باوجود [illegible] صلیبیوں کے [illegible] رہی۔ عزالدین کو سلطان صلاح الدین ایوبی اپنا دوست سمجھتا ہے لیکن [illegible] ملک کی [illegible] خطرے کا [illegible] کر رہی ہے"۔

[illegible] "آقا اور تمہاری والدہ کی شادی کے بعد کوئی خطرہ نہیں [illegible]" عامر بن عثمان نے کہا [illegible]

"اصل خطرہ شادی سے ہی شروع ہوا ہے"۔ شمس النساء نے کہا...... "یہ شادی دراصل قید ہے جس میں میری ماں کو ڈال دیا گیا ہے۔ عزالدین نے یہ شادی اس مقصد کے لیے کی ہے کہ دمشق والوں کو کوئی [illegible] دکھانے والا نہ رہے...... ہمیں اس محل کے ڈھکے چھپے بھید معلوم کر کے قاہرہ تک پہنچانے ہیں [illegible] صلیبیوں کی [illegible] ارادہ کیا ہے [illegible] کیا وہ ایک بار پھر ہماری افواج کو خانہ جنگی میں [illegible] چاہتے ہیں [illegible] کریں گے۔ تم ایسی جگہ پر ہو جہاں تمہیں بہت کچھ نظر آ سکتا ہے۔ تم عزالدین کے خصوصی محافظ دستے کے [illegible]"

"میں تمہاری بات سمجھ گیا ہوں"۔ عامر بن عثمان نے کہا...... "تم نے ٹھیک کہا ہے کہ میں ایسی جگہ پر ہوں جہاں مجھے بہت کچھ نظر آتا ہے۔ شمسی! میں جو دیکھ رہا ہوں اور جو دیکھ رہا ہوں اس پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ میں [illegible] مجاہد سے ملازم بن گیا تھا۔ جب سپاہی مجاہد سے ملازم بن جاتا ہے [illegible] اس محل میں [illegible] سپاہی کو اپنی ملازمت سے غرض ہوتی ہے۔ وہ دشمن کا خون بہانے کی بجائے [illegible] رہے اور ترقی ملے۔ خون اور خوشامد میں [illegible] فرق ہے [illegible] فتح اور شکست [illegible] سپاہی کا فرض صرف باہر کے حملے کو روکنا نہیں، بلکہ اندر کے خطروں کے خلاف لڑنا بھی ہے۔ سپاہی کا فرض یہ بھی ہے کہ اگر ملک اور قوم کو اپنے ہی حکمرانوں کی طرف سے خطرہ ہو [illegible] قلعے سے باہر پھینک [illegible]...... تم نے مجھے فرض یاد دلا دیا ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کسی کو قتل کرنا ہے یا صرف اندر کے راز معلوم کرنے ہیں [illegible]"

"دونوں کام کرنے ہیں!" شمس النساء نے جواب دیا...... "راز معلوم کرنے کے لیے کسی غدار کو قتل [illegible] کیا جا سکتا ہے [illegible]"

"سنو شمسی!" عامر بن عثمان نے کہا [illegible] "اب میں ملازم کی حیثیت سے نہیں، مجاہد کی حیثیت سے بات کروں گا۔ راز کی بات یہ ہے کہ [illegible] حاکموں اور [illegible] پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر عزالدین مخلص بھی ہو، سچے دل سے سلطان صلاح الدین ایوبی کا دوست بھی ہو، پھر بھی وہ حلب کی فوج کو مصر کی فوج کا اتحادی نہیں بنا سکے گا [illegible] حاکموں، مشیروں اور وزیروں کے ایمان کو صلیبیوں نے خرید رکھا ہے [illegible] کی وفات کے فوراً بعد عزالدین کو اس طرح پریشان کرنا شروع کر دیا ہے [illegible] رقم مانگتے رہتے ہیں۔ سرکاری خزانہ [illegible] خالی ہو رہا ہے [illegible] میرا خیال ہے [illegible] کا مقصد یہ ہے کہ خزانہ خالی کر کے عزالدین کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ صلیبیوں [illegible] اپنے حاکم وغیرہ جتنی رقم مانگتے ہیں [illegible]"

[illegible]

"اس کی کمزوری [illegible] حکمرانی کی گدی [illegible]"

[illegible]...... میں

اب اس کی اور اس کے مشیروں کی باتیں غور سے سنا کروں گا اور تمہیں بتاتا رہوں گا''۔

''یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ یہاں صلیبیوں کے جاسوس موجود اور سرگرم ہیں''۔ شمس النساء نے کہا...... ''اور یہاں ہمارے جاسوس بھی کام کر رہے ہیں۔ کسی روز اُن سے تمہاری ملاقات کراؤں گی۔ شمس النساء نے مُسکرا کر پوچھا۔ ''تمہاری سوڈانی پری کس حال میں ہے؟ اب بھی ملتی ہے؟''

''ملتی ہے''۔ عامر بن عثمان نے جواب دیا...... ''گھسیٹتی ہے، پرسوں ملی تو رو بھی پڑی تھی۔ کہتی ہے، ایک بار میرے کمرے میں آ جاؤ۔ شمسی! میں اس لڑکی سے ڈرتا ہوں۔ تم جانتی ہو کہ اس کے حسن میں جادو ہے۔ اس کے طلسم میں آیا ہوا انسان نکل نہیں سکتا۔ میں اس سے اس لیے نہیں ڈرتا ہوں کہ وہ بہت حسین ہے، مجھ پر مرتی ہے اور میں اُس کے جال میں پھنس جاؤں گا۔ ڈر یہ ہے وہ والئی حلب عزالدین کے حرم کا ہیرا ہے۔ اس کا نام انوشی ہے، لیکن محل کے اندرونی حلقوں کے افراد اسے سوڈانی پری کہتے ہیں۔ اگر عزالدین یا اُس کے کسی امیر وزیر کو پتہ چل گیا کہ یہ لڑکی مجھے چاہتی ہے تو لڑکی سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ سزا مجھے ملے گی۔ مجھے تہہ خانے میں باندھ کر ایسی اذیتیں دی جائیں گی کہ تم سنو تو مر جاؤ۔ مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ میں نے اُسے مایوس کیے رکھا تو وہ مجھ پر دست درازی یا بدنیتی کا الزام عائد کر کے مجھے قید میں ڈلوا دے گی''۔

''اُسے ابھی تک یہ تو معلوم نہیں ہوا کہ تم مجھے چاہتے ہو اور ہماری ملاقاتیں ہوتی ہیں؟'' شمس النساء نے پوچھا۔

''جس روز اُسے پتہ چل گیا وہ ہم دونوں کی زندگی کا آخری دن ہوگا''۔ عامر بن عثمان نے جواب دیا۔ ''تمہیں شاید بخش دیا جائے، مجھے کوئی نہیں بخشے گا''۔

انوشی دراصل صلیبیوں کا بھیجا ہوا تحفہ تھا۔ حلب میں یہ لڑکی آئی تو الملک الصالح بیمار پڑ گیا اور مر گیا۔ عزالدین نے آ کر حلب کی حکومت سنبھالی تو حکام نے انوشی اس کی خدمت میں پیش کی۔ اس کے ساتھ عزالدین نے رضیع خاتون کے ساتھ شادی کر لی۔ یہ اُس دور کے حکمرانوں کا دستور تھا کہ بیویاں الگ رکھتے تھے اور حرم میں بغیر شادی کے لڑکیاں الگ رکھتے تھے۔ صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمان اُمراء، وزراء کی اس تباہ کن عادت کو اور زیادہ پختہ کرنے کے لیے انہیں اپنی لڑکیاں تحفے کے طور پر پیش کرنی شروع کر دی تھیں۔ پھر اِن لڑکیوں میں انہوں نے جاسوسی کے فن کی تربیت یافتہ لڑکیاں بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا۔ انہیں رقابت اور فتنہ فساد پیدا کرنے کی بھی تربیت دی گئی تھی۔

انوشی ایسی ہی تربیت یافتہ لڑکی تھی۔ وہ عزالدین کے محل کی ضیافتوں میں شراب پلاتی تھی، پیتی بھی تھی۔ اُس نے حلب کے دو ایسے حاکموں کو اپنے حسن اور فریب کے جال میں پھانس لیا تھا جو حلب کی قسمت بنا بھی سکتے تھے، بگاڑ بھی سکتے تھے۔ وہ عزالدین کے تو اعصاب پر غالب آ گئی تھی۔ وہ سراپا بدی تھی اور مجسم دعوتِ گناہ۔ عامر بن عثمان عزالدین کے قریب رہتا تھا کیونکہ وہ خصوصی محافظ دستے کا کماندار تھا۔ اُس نے عزالدین کی حفاظت کے لیے محافظ دستے کے علاوہ پردہ انتظامات بھی کر رکھے تھے۔ اس کی نظریں عقاب کی طرح تیز اور دُور بین تھیں...... انوشی نے اُسے دیکھا تو یہ خوبرو جوان اُسے بہت اچھا لگا۔ اُس نے عامر پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے، لیکن عامر اُس کے ہاتھ نہ آیا۔ عامر کو معلوم تھا کہ حرم کے اس ہیرے کے ساتھ صرف بات کرتے بھی پکڑا گیا تو انجام ہولناک ہوگا۔ انوشی دوسرے تیسرے روز عامر بن عثمان سے ملتی اور والہانہ محبت کا اظہار کرتی تھی۔ عامر اُسے ٹال دیا کرتا تھا۔

''میں اس محل کا ملازم ہوں''۔ عامر نے ایک روز اسے کہا تھا۔ ''اگر تمہارے دِل میں میری سچی محبت ہے تو مجھ پر رحم کرو اور مجھ سے دُور رہو''۔

''تمہاری طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا''۔انوشی نے اُسے کہا......''ایک بار میرے کمرے میں آ جاؤ''۔

''اسی دوران عامر اور شمس النساء کی چوری چھپے ملاقاتیں ہو رہی تھیں۔

☆

قاضی بہاؤالدین شداد جو اُس دور کا عینی شاہد ہے،اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے''......عزالدین نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ موصل اور شام کی امارتوں کو اپنے ماتحت متحد نہیں رکھ سکے گا۔وہ سلطان صلاح الدین ایوبی سے بہت ڈرتا تھا۔اس کے ماتحت جو امیر اور وزیر تھے،وہ عزالدین سے اتنی زیادہ رقموں کا مطالبہ کرنے لگے جو وہ نہیں دے سکتا تھا،کیونکہ خزانے میں اتنی سکت نہیں تھی اور وسائل بھی محدود تھے''۔

اپنی یادداشتوں میں آگے چل کر قاضی بہاؤالدین شداد نے لکھا ہے کہ عزالدین کو یہ خطرہ تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو حلب کے ساتھ دل چسپی ہے،اس لیے وہ حلب پر ضرور قبضہ کرے گا۔عزالدین سلطان ایوبی کے خلاف آمنے سامنے کی جنگ لڑنے سے گریز کرتا تھا۔اُس نے اپنے ایک بڑے ہی قابل اور دلیر سالار مظفرالدین گکبوری سے مشورہ کیا جو ۔بات تہوں میں چھپا ہوا ایک راز تھا۔موصل کا والی عزالدین کا بھائی عمادالدین تھا جو کھلم کھلا سلطان ایوبی کے خلاف تھا۔حلب اور موصل میں یہ انقلاب آیا کہ عزالدین نے موصل کی حکمرانی سنبھال لی اور عمادالدین حلب آ کر والیٔ حلب بن گیا۔امارتوں یا سلطنتوں کا یہ تبادلہ دونوں کے باشندوں کے لیے ایک معمہ تھا۔

متعدد مورخین نے اس تبادلے پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ہر ایک نے مختلف رائے دی ہے۔اُس وقت کے وقائع نگاروں کی تحریروں سے کچھ بھید بے نقاب ہوتے ہیں۔عزالدین جب موصل کے قلعے میں گیا تو رضیع خاتون اور اس کی بیٹی شمس النساء اس کے ساتھ تھیں۔اس کا ذاتی محافظ دستہ بھی ساتھ تھا جس کا کمان دار عامر بن عثمان تھا۔یہ بہت ہی بڑا قافلہ تھا۔کئی اونٹوں پر پالکیاں تھیں جن کے پردے گرے ہوئے تھے۔رضیع خاتون اور شمس النساء کا اونٹ سب سے آگے تھا۔رضیع خاتون کی خادمہ بھی ساتھ تھی۔رات کو راستے میں ایک جگہ قیام بھی کرنا تھا۔

عزالدین کو موصل پہنچنے کی جلدی تھی،اس لیے اس نے قافلے کا سربراہ مقرر کیا اور خود قیام کیے بغیر اپنے چند ایک محافظوں اور دو تین مشیروں کے ساتھ سفر جاری کیا۔عامر بن عثمان کو قافلے کے ساتھ رہنے دیا گیا۔سورج غروب ہوتے ہی خیمے نصب کر دیے گئے۔رضیع خاتون کا خیمہ اُن خیموں سے بہت دور نصب کیا گیا جن میں رات حرم کی لڑکیوں کو رہنا تھا۔عزالدین نے خاص طور پر حکم دیا تھا کہ رضیع خاتون اور شمس النساء کو حرم کے خیموں سے دُور رکھا جائے۔قیام کی جگہ سرسبز اور چٹانی تھی۔چٹانوں پر بھی سبزہ تھا۔ہری بھری جھاڑیوں کی بہتات تھی۔

رات کو عامر بن عثمان مشعلوں کی روشنی میں حفاظتی انتظامات دیکھتا پھر رہا تھا۔اُن دنوں وہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔کہیں بھی لڑائی نہیں ہو رہی تھی۔سلطان ایوبی مصر میں تھا اور صلیبی کہیں دُور بیٹھے سلطان ایوبی کی اگلی چال کے انتظار میں تیاریاں کر رہے تھے۔پھر بھی عامر کا یہ فرض تھا کہ خیمہ گاہ اور جانوروں کے اِرد گرد گشت کا انتظام کرتا۔وہ حرم کے خیموں سے ذرا دُور گھوم کر گزر رہا تھا۔اس وقت وہ اکیلا تھا۔خیموں سے کچھ اور دُور گیا تو اُسے اپنے سامنے ایک سایہ کھڑا نظر آیا۔اُس نے قریب جا کر گھوڑا روک لیا۔

''میں نے تمہیں اندھیرے میں اتنی دُور سے پہچان لیا ہے،تم قریب آ کر بھی مجھے نہیں پہچانتے''۔یہ انوشی کی آواز تھی۔عامر بن عثمان نے آواز پہچان کر کہا۔''مجھے ابھی بہت کام کرنا ہے۔اتنی وسیع خیمہ گاہ اور

اتنے سارے جانوروں کی حفاظت کا انتظام میرے ذمے ہے۔ مجھے مت روکو"۔
انوشی اس کے گھوڑے کے آگے آ کر لگام پکڑ چکی تھی۔ بولی۔"گھوڑے سے اُتر عامر! جن کا تمہیں ڈر تھا، وہ موصل چلے گئے ہیں۔اُتر آؤ"۔
عامر گھوڑے سے اُترا۔انوشی نے اسے بازو سے پکڑا اور ذرا پرے چٹان کی اوٹ میں بٹھا لیا۔ عامر نے سدھائے ہوئے جانور کی طرح کوئی مزاحمت نہ کی۔
"عامر!" انوشی نے جذباتی سے لہجے میں کہا....."تم مجھے بدکار اور شیطان لڑکی سمجھ کر مجھ سے بھاگتے پھر رہے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم میری اصلیت سے اچھی طرح واقف ہو۔تم اپنے آپ کو زاہد اور پارسا سمجھتے ہو اور تمہیں جوانی اور راتنے دل کش جسم پر بھی ناز ہے۔تم نے ابھی اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ کسی بھی روز تمہارا جسم خون میں ڈوبی ہوئی لاش بن جائے گا۔یہ جنگ وجدل کا دَور ہے۔ایک وہ ہیں جو میدانِ جنگ میں کٹتے اور مرتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو قلعے اور محل کے اندر ہی خفیہ طریقے سے قتل کر دیئے جاتے ہیں۔تمہارا انعام ایسا ہی ہو سکتا ہے۔اپنے مردانہ حسن اور جسم کی دِل کشی کو دائمی نہ سمجھو"۔
"کیا تم مجھے قتل کی دھمکی دے رہی ہو؟"
"نہیں!" انوشی نے جواب دیا۔"میں تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ تمہیں اگر یہ خیال ہے کہ میں تمہاری خوب صورتی اور تمہارے جسم پر مرتی ہوں تو یہ خیال دِل سے نکال دو۔ میں جسمانی تعیش کا مجسم ذریعہ ہوں، مگر میں جسمانی لذت سے بیزار ہوں۔انسان کتنا ہی پتھر کیوں نہ بن جائے، دِل کو بھی پتھر ہی کیوں نہ سمجھ لے، دِل پتھر نہیں بن سکتا۔روح مرجھا جاتی ہے، مرتی نہیں۔ دِل اور روح کو وہ محبت زندہ رکھتی ہے جس کا تعلق جسم کے ساتھ نہیں ہوتا۔ مجھے اور زیادہ غور سے دیکھو۔میرا حسن اور اس کا طلسم دیکھو۔میں گناہ کرتی ہوں اور دوسروں کو گناہوں کی ترغیب دیتی ہوں۔ مجھے لوگ شہزادی نہیں پری کہتے ہیں۔تمہارے بادشاہ اور اُمراء میرے قدموں میں ایمان اور اپنا سر رکھ دیتے ہیں مگر میں ایک ایسی تشنگی سے دوچار رہی جسے میں کبھی بھی نہ سمجھ سکی۔تمہیں دیکھا تو تم مجھے اچھے لگے۔میں پہلی بار جب تمہارے قریب آئی تو میری نیت صاف نہیں تھی۔تم نے جب مجھے ٹال دیا اور اس کے بعد بڑے اچھے لفظوں میں دھتکار دیا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ تشنگی کیا ہے جو مجھے پریشان کیے ہوئے تھی۔ میں تمہیں دِل کی گہرائیوں سے چاہنے لگی۔یہ تمہاری صورت کا نہیں، سیرت کا اثر تھا اور یہ اثر ایسا تھا جس نے میرے دِل میں ان سب کے خلاف نفرت پیدا کی، جو مجھے عیاشی کا کھلونا سمجھتے ہیں اور جو اپنا ایمان اور اپنا قومی وقار میرے ہاتھ سے لیے ہوئے شراب کے پیالے میں ڈبو دیتے ہیں"۔
وہ جذبات سے مخمور آواز سے بول رہی تھی اور عامر بن عثمان اس ذہنی کیفیت سے سن رہا تھا کہ دِل میں یہ ڈر تھا کہ کسی نے دیکھ لیا تو وہ مارا جائے گا۔یہ خدشہ بھی تھا کہ شمس النساء اُس کی تلاش میں اِدھر آنکلی تو اُس کی محبت کا خون ہو جائے گا۔وہ صرف سن رہا تھا۔اتنی حسین لڑکی کی ایسی جذباتی باتیں اس کے دِل پر کوئی اثر نہیں کر رہی تھیں۔
"کیا تم ڈرتے ہو یا تمہارا دِل مردہ ہو گیا ہے؟" انوشی نے اس کے گال ہاتھوں میں تھام کر کہا....."اگر میرا دِل مُردہ نہیں ہوا تو میں مان ہی نہیں سکتی کہ تمہارا دِل مر گیا ہے"۔اس نے کان عامر کے سینے کے ساتھ لگا دیا۔اُس کے معطر اور ریشم جیسے بکھرے بال عامر کے جواں سال گال سے چھونے لگے۔وہ آخر جوان تھا۔اس کی ذات میں ہلچل سی بپا ہوئی۔اُسے انوشی کی ہنسی کا ترنم سنائی دیا۔ہنس کر بولی....."دِل زندہ ہے، دھڑک رہا ہے.....میں تم سے کیا مانگتی ہوں؟ کچھ بھی نہیں۔تم مجھ سے مانگو۔ہیرے، جواہرات، سونے کے سکے۔کہو کیا چاہیے"۔

''مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے، سوڈانی پری''۔

''مجھے انوشی کہو''۔لڑکی نے کہا......''سوڈانی پری کہنے والے محبت سے عاری ہیں۔ گناہگار ہیں۔تم ان سب سے بلند ہو، پاک ہو۔ مجھ سے خزانے لے لو، اِن کے عوض مجھے محبت دے دو''......اُس نے اپنا گال عامر کے گال کے ساتھ لگا دیا۔ عامر تڑپ کر پیچھے ہٹ گیا۔اس کی حالت اب اُس پرندے کی سی تھی جسے پنجرے میں بند کر لیا گیا ہو۔وہ تڑپنے اور پھڑ کنے لگا۔

''معلوم ہوتا ہے تمہارے دِل میں کسی اور کی محبت ہے''۔انوشی نے کہا......''میرے طلسم میں کبھی کوئی یوں تڑپا نہیں ۔ مجھے کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں''......اُس نے دانت پیس کر کہا۔''تمہیں اتنا بھی احساس نہیں کہ ایک گناہگار لڑکی تم سے پاک محبت کی بھیک مانگتی ہے اور ہو سکتا ہے، وہ گناہوں سے توبہ کر کے تمہارے قدموں میں سجدہ ریز ہو جائے۔ بدبخت انسان! یہ بھی سوچ لو کہ تم اس لڑکی کو دھتکار رہے ہو جس نے حکومتوں کے تختے اُلٹ دیئے ہیں اور جو بھائی کے ہاتھوں بھائی کا خون بہا دیتی ہے۔تم میرے سامنے ایک کیڑے سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتے''۔

''پھر مجھے مسل ڈالو''۔عامر نے کہا......''میں تمہارے قابل نہیں''......وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں تم سے کچھ نہیں مانگتی عامر!''انوشی نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا''صرف یہ کرو کہ میرے پاس بیٹھے رہا کرو۔ مجھے پناہ میں لے لیا کرو''۔

''عامر اس سے ہٹ کر اپنے گھوڑے کے پاس گیا۔انوشی وہیں کھڑی رہی۔ عامر گھوڑے پر سوار ہوا اور کچھ کہے بغیر چلا گیا۔

☆

عامر بن عثمان کا گھوڑا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ عامر کا سر جھکا ہوا تھا۔اس کی ناک میں انوشی کے بالوں کی خوشبو تر و تازہ تھی۔وہ گالوں پر انوشی کے بالوں کے لمس کا گداز محسوس کر رہا تھا۔وہ اس حسین جال سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ اگر انوشی ایک بار پھر ایسی ہی تاریکی اور تنہائی میں اُسے ملی تو اُس کی قسمیں ٹوٹ جائیں گی، پھر وہ کہیں کا نہیں رہے گا۔اُس نے اپنے خیالوں کا رُخ شمس النساء کی طرف پھیر دیا۔تب اُسے یاد آیا کہ شام خیمے نصب کرتے وہ ذرا سی دیر شمس النساء کے پاس رُکا تھا اور انہوں نے ملنے کا وقت اور جگہ طے کی تھی۔ اُسے یاد آ گیا کہ وہ اُسی جگہ کی طرف جا رہا تھا، راستے میں انوشی نے روک لیا۔اُس نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔اسے اندھیرے میں انوشی نظر نہ آئی۔وہ ایک ٹیکری سے مڑ کر اُس جگہ پہنچا جہاں شمس النساء کو آنا تھا۔عامر نے جس طرح انوشی کا سایہ دیکھا، اسی طرح اُسے شمس النساء کا سایہ نظر آیا جو گھوڑے کی طرف بڑھا۔وہ گھوڑے سے اُترا۔

''کہاں رہے؟''شمس النساء نے اس سے پوچھا......''بہت دیر سے انتظار کر رہی ہوں''۔

''میرے کام سے تم آگاہ ہو''۔عامر نے جھوٹ بولا......''اِدھر آ رہا تھا کہ ایک جگہ کام سے رُکنا پڑا اور اتنی دیر ہو گئی''۔

''اپنے آدمیوں کا بھی خیال رکھنا''شمس النساء نے کہا......''وہ سب بہت ہوشیار ہیں۔ کسی کو اُن پر شک نہیں ہو گا''۔

شمس النساء اُن ''اپنے آدمیوں'' کا ذکر کر رہی تھی جو حلب کے اندر سلطان ایوبی اور رضیع خاتون کے لیے جاسوسی اور مخبری کرتے تھے۔ان میں جو محل کے اندر ملازم تھے وہ اسی حیثیت سے ساتھ جا رہے تھے اور جو شہر میں کوئی کام کاج کرتے تھے، انہیں عارضی مزدوروں کے بہروپ میں راستے میں خیمے لگانے اور اُکھاڑنے اور دیگر کاموں کے لیے

ساتھ لے لیا گیا تھا۔ ان کے متعلق یہ طے کیا گیا تھا کہ موصل شہر میں مختلف کاموں پر لگا دیا جائے گا۔ رضیع خاتون کی خادمہ نے یہ تمام آدمی شمس النساء اور عامر بن عثمان کو دکھا دیئے تھے۔

''آؤ، کچھ دیر بیٹھ جائیں''۔ شمس النساء نے اپنا بازو عامر بن عثمان کی کمر کے گرد لپیٹ کر کہا۔

عامر نے اپنا بازو شمس النساء کی کمر کے گرد لپیٹا۔ شمس النساء اس کے ساتھ لگ گئی۔ ایک قدم اُٹھایا اور رُک گئی۔ اُس نے ناک عامر کے سینے سے لگا کر سونگھا اور اس سے الگ ہٹ کر بولی۔''تم کہاں تھے؟ کس کے پاس تھے''۔

''میں جانوروں کو دیکھ کر آ رہا ہوں''۔ عامر نے جواب دیا۔

''جانور عطر کب سے لگانے لگے ہیں؟'' شمس النساء نے دبے دبے غصے سے کہا...... ''تم نے کبھی عطر نہیں لگایا''۔ عامر چپ رہا۔ شمس النساء نے کہا...... ''تمہیں وہ خوب صورت ڈائن مل گئی ہوگی۔ تم اس کے جال میں آ گئے ہو''۔

''ابھی نہیں آیا شمسی!'' عامر نے کہا...... ''وہ مجھے راستے میں مل گئی تھی۔ میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا تھا۔ تمہیں کسی وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ میں اتنا کچا آدمی نہیں ہوں۔ تم نے میرے سینے سے جو خوشبو سونگھی ہے، یہ اُسی کی ہے لیکن تم میرے سینے کے اندر دیکھنے اور سونگھنے کی کوشش کرو''۔ عامر کے لہجے میں گھبراہٹ کا ہلکا ہلکا لرزہ تھا۔ کہنے لگا... ''میں بہت پریشان ہوں شمسی! میں کوئی امیر یا حاکم یا سالار نہیں، ادنیٰ ملازم ہوں۔ انوشی مجھے آسانی سے انتقام کا نشانہ بنا سکتی ہے''۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آج اُس نے تمہیں کچھ زیادہ ہی پریشان کیا ہے''۔ شمس النساء نے کہا۔

''بہت زیادہ''۔ عامر بن عثمان نے جواب دیا۔''آج اُس نے اپنا دِل کھول کر میرے آگے رکھ دیا ہے۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ گناہگار اور بدکار ہے۔ اس نے مجھ پر واضح کر دیا ہے کہ وہ یہاں بدکاری پھیلانے اور بھائی کو بھائی سے لڑانے آئی ہے۔ اس نے مجھ سے پاک محبت کی التجا کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے عوض جتنی دولت مانگو گے، دوں گی۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کے بازوؤں سے رہائی حاصل کی ہے۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ شمسی میں کیا کروں۔ وہ دُنیا کی ساری دولت میرے قدموں میں رکھ دے تو بھی میں تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتا''۔

''پھر اُسے دھوکہ دو''۔ شمس النساء نے کہا۔''اُسے وہی محبت دو جو وہ مانگتی ہے۔ اس کے عوض اس سے وہ راز لو جو ہم مانگتے ہیں۔ اس نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اُسے کس مقصد کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے۔ تم تجربہ کار اور دانش مند ہو۔ یہ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اُسے صاف کہہ دو کہ تمہیں اندر کے رازوں کی ضرورت ہے یا اسے بتائے بغیر اُس سے راز اُگلواتے رہو''۔

''میں یہ سوچ چکا ہوں''۔ عامر نے کہا...... ''مگر ڈرتا ہوں کہ تم ایک نہ ایک دن میرے خلاف غلط فہمی میں مبتلا ہو جاؤ گی''۔

''میں تمہیں اور اپنی محبت کو خدا کے سپرد کرتی ہوں''۔ شمس النساء نے کہا...... ''ماں ہر روز مجھے جو باتیں بتاتی ہے، وہ میری روح میں اُتر گئی ہیں۔ میری محبت مر نہیں سکتی۔ میں اسے اس عظیم مقصد پر قربان کر سکتی ہوں جو مجھے ماں نے دیا ہے۔ اپنے اللہ اور اپنے حلف کو یاد رکھو گے تو کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوگی''۔ اس نے پوچھا۔'' کیا اُسے معلوم ہو گیا ہے کہ تم مجھے ملتے ہو؟''۔

''اُس نے ذکر نہیں کیا''۔ عامر نے جواب دیا......''اُسے یقیناً معلوم نہیں''۔

''کام کی ایک بات سن لو''۔ شمس النساء نے کہا...... ''حلب سے روانگی سے کچھ دیر پہلے قاہرہ سے ایک آدمی یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ عزالدین کی نیت کیا ہے اور صلیبیوں کے منصوبے کیا ہیں۔ اُسے کوئی ٹھوس جواب نہیں دیا جا سکا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی بہت جلدی قاہرہ سے فوج کے ساتھ روانہ ہونے کو تیار بیٹھے ہیں۔ اس آدمی نے بتایا ہے کہ سلطان ایوبی اس وجہ سے جلدی کوچ کرنا چاہتے ہیں کہ صلیبی فوج نے موصل، حلب اور دمشق کی طرف پیش قدمی کر دی تو قاہرہ سے فوج کو بروقت یہاں پہنچانا ممکن نہیں ہوگا۔ خطرہ یہ ہے کہ سلطان اپنی فوج لے آئیں اور صلیبیوں کی چال کچھ اور ہو تو سلطان کی فوج نقصان اُٹھا سکتی ہے۔ ہمیں بہت جلد اپنے مسلمان اُمراء اور صلیبیوں کے عزائم معلوم کرنے ہیں۔''

''میں نے سنا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس آسمان سے تارے بھی توڑ لاتے ہیں''۔ عامر بن عثمان نے کہا۔۔۔۔۔ ''کیا صلیبی علاقوں میں اس کا کوئی آدمی نہیں؟''

''ماں نے مجھے بتایا ہے کہ اسحاق ترک ایک بڑا ہی قابل اور ہوشیار آدمی ہے''۔ شمس النساء نے جواب دیا۔ ''وہ بیروت گیا ہوا ہے۔ صحیح خبر تو وہی لائے گا لیکن اس کی طرف سے کوئی اطلاع قاہرہ نہیں پہنچی۔۔۔۔۔ دیکھو عامر! فوجوں کی نقل و حرکت ہوتی ہے تو یہ راز بے نقاب ہو جاتے ہیں مگر یہاں کوئی ایسی ہلچل نظر نہیں آتی جو راز ہے، وہ عزالدین اور عمادالدین کے سینے میں ہے۔ یہ اندرونی حلقوں سے مل سکتا ہے اور تمہیں یہ راز انوشی دے سکتی ہے۔

''مگر وہ جو قیمت مانگتی ہے، وہ میں نہیں دے سکوں گا''۔ عامر نے کہا۔

''تمہیں یہ قیمت دینی پڑے گی''۔ شمس النساء نے کہا۔ ''میں یہ قیمت دینے کو تیار ہوں۔ میں اپنے بھائی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ مذہب اور اُمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے لیے ہماری آپس کی محبت اور دلوں کی خواہشیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ ہمیں ان شہیدوں کا قرض ادا کرنا ہے جو اسلام کے نام پر اپنی دلہنوں کو نوجوانی میں بیوہ کر گئے ہیں۔۔۔۔۔ عامر! کچھ نہ سوچو۔ قربان ہو جاؤ''۔

☆

اُس وقت اسحاق ترک بیروت میں تھا۔ بیروت صلیبی حکمران بالڈوِن کے فرنگی لشکر کی بہت بڑی چھاؤنی بنا ہوا تھا۔ اس سلسلے کی پچھلی اقساط میں سنایا جا چکا ہے کہ بالڈوِن کو ایک شکست سلطان ایوبی کے بھائی العادل نے دی تھی اور تھوڑے ہی عرصے بعد اُس نے سلطان ایوبی کی فوج کو گھات میں لینے کی کوشش کی تو خود سلطان ایوبی کی گھات میں آ گیا تھا۔ وہ گرفتار ہوتے ہوئے بچا اور دونوں بار اُس کی فوج تتر بتر ہو کر پسپا ہوئی۔ وہ تو جیسے راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ ان دونوں پسپائیوں کا انتقام لینے کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ اُس نے الملک الصالح کو اپنا اتحادی بنا لیا تھا، مگر اس کا اتحادی مر گیا۔ اب وہ عزالدین اور عمادالدین کو سلطان ایوبی کے خلاف اپنے محاذ میں شامل کر رہا تھا۔ اُس نے قاہرہ میں جاسوس بھیج رکھے تھے جو سلطان ایوبی کے ارادوں کا پتہ چلا رہے تھے۔

اسحاق ترک بیروت پہنچ چکا تھا اور بالڈوِن کی ہائی کمانڈ تک پہنچنے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا، وہاں جس سے ملتا، اپنے آپ کو کسی مسلمان علاقے سے بھاگا ہوا عیسائی بتایا۔ اس طرح اس نے بہت سے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔ وہ چونکہ ترکی کا باشندہ تھا۔ اس لیے سفید فام تھا۔ خوبرو اور تنومند بھی تھا۔ گھوڑسواری، نیزہ بازی، تیراندازی اور تیغ زنی میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ اُس کے بازو لمبے اور ان میں طاقت تھی۔ دماغ بھی تیز اور باریک بین تھا۔ دوسروں کا دل موہنے کے لیے، بھڑکانے کے لیے ہر کسی کو اپنا گرویدہ بنا لینے کے لیے وہ مناسب ڈھونگ رچانے کے فن کا ماہر تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ میری اصل قوت میرا ایمان اور کردار ہے۔

اُن دنوں بیروت میں سلطان ایوبی کے خلاف جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ وہاں کے لوگوں کو فوج میں بھرتی

کرنے کے لیے فوجی میلے ہو رہے تھے جن میں فوجی کرتب دکھاتے اور تیغ زنی وغیرہ کے مقابلے کرتے تھے۔ ایک روز اسحاق ترک ایسے ہی ایک مقابلے کا تماشہ دیکھنے جا پہنچا۔ یہ صلیبیوں کا ایک پرانا کھیل تھا۔ دو گھوڑ سوار ہاتھوں میں لمبی برچھیاں تانے ایک دوسرے کی طرف گھوڑے سرپٹ دوڑاتے اور ایک دوسرے کو برچھی سے گھوڑے سے گرانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر کوئی پہلی بار نہ گرے تو ایک بار پھر ایک دوسرے کی طرف گھوڑے دوڑاتے اور ایک دوسرے کو برچھی سے گرانے کے لیے وار کرتے تھے۔ سوار زرہ بکتر پہنے ہوتے تھے۔

یہ مقابلہ ہوتا رہا۔ سوار گرتے رہے۔ دوسروں کو مقابلے کے لیے للکارتے رہے۔ ایک سوار نے کئی سواروں کو گرایا۔ اُس نے کسی اور کو للکارا تو کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ اسحاق ترک صحرائی لباس میں تھا۔ وہ میدان میں آ گیا۔ مقابلہ کرنے والے سوار فوجی تھے اور زرہ پوش۔ اسحاق کو عام لباس میں میدان میں اُترتے دیکھ کر تماشائیوں نے قہقہہ لگایا۔ وہاں صلیبی جرنیل اور دیگر کمانڈر وغیرہ بھی تھے۔ وہ بھی خوب ہنسے۔ جس گھوڑ سوار نے سب کو للکارا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار میدان میں گھوڑے کو اِدھر اُدھر بھگا رہا تھا۔ وہ صلیبی فوج کے ایک دستے کا کمانڈر تھا۔ اُس نے از راہِ مذاق گھوڑے کا رُخ اسحاق کی طرف کیا اور قریب آ کر برچھی اسحاق کو ماری۔ اسحاق وار بچا گیا۔ تماشائیوں نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ پھر شور اٹھا۔ ''پاگل۔ پاگل۔ یہ کوئی پاگل ہے۔ اسے جان سے مار ڈالو''۔

گھوڑ سوار کمانڈر نے گھوڑا پیچھے کو موڑا۔ اس کے ساتھی کمانڈوں میں سے کسی نے اسے کہا..... ''اب کے اسے برچھی میں اڑس کر ساتھ لے جاؤ۔ زندہ نہ رہے''...... کسی اور نے چلّا کر کہا...... ''یہ تمہاری توہین ہے۔ ایک پاگل دیہاتی نے تمہیں للکارا ہے''۔

گھوڑ سوار نے ایڑ لگائی۔ اسحاق نہتہ تھا۔ گھوڑے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے چغہ اُتار پھینکا اور برچھی کا وار بچانے کے لیے تیار ہو گیا۔ گھوڑ سوار ذرا سا جھکا برچھی ہاتھ میں تولی۔ قریب آ کر اس نے اسحاق پر وار کیا۔ اسحاق کچھ دُور تک گھوڑے کے ساتھ اس طرح دوڑتا گیا جیسے برچھی اس کے جسم میں اُتر گئی ہو اور وہ اُس کے ساتھ گھسیٹتا جا رہا ہو۔ تماشائیوں نے داد و تحسین کا شور بپا کر دیا لیکن یہ دیکھ کر سب پر سناٹا طاری ہو گیا کہ اسحاق ترک دوڑتے دوڑتے سوار کے پیچھے گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ برچھی کو اس نے پکڑ رکھا تھا۔ سوار نے بھی برچھی کو پکڑ رکھا تھا۔ اُس نے گھوڑے کو گھمایا۔ گھوڑا ایک چکر میں دوڑنے لگا۔ اسحاق اس سے برچھی چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔

اُس نے برچھی چھین لی اور دوڑتے گھوڑے سے کود کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے برچھی لہرا کر للکارا۔ ''مجھے ایک گھوڑا دے دو۔ کوئی میرے مقابلے میں آ جائے۔ زرہ بکتر کے بغیر مقابلہ کروں گا''۔

گھوڑ سوار کمانڈر گھوڑے سے اُتر کر اسحاق کے پاس آیا۔ اُس نے بازو پھیلا رکھے تھے۔ اسحاق نے برچھی زمین میں گاڑ دی۔ صلیبی سوار نے اُسے گلے لگا لیا۔ اسحاق نے کہا کہ مقابلہ کروں گا، مجھے گھوڑا دے دو''..... اسے ایک گھوڑا اور ایک برچھی دے دی گئی۔ وہ اسی کمانڈر کے مقابلے میں آیا۔ تماشائی دم بخود تھے۔ انہیں یقین تھا کہ یہ بدقسمت دیہاتی زرہ بکتر کے بغیر برچھی سے بہت بُری موت مرے گا۔ دونوں گھوڑے دُور آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اشارے پر گھوڑے دوڑے۔ کمانڈر نے برچھی اسحاق کے پیٹ کے سیدھ میں رکھی ہوئی تھی۔ اسحاق نے اپنے جسم کو ذرا موڑ کر کمانڈر کا وار خطا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی برچھی کمانڈر کے پیٹ میں لگی۔ کمانڈر گھوڑے کی دوسری طرف گر پڑا۔ اس نے غلطی یہ کی کہ اس طرف والا پاؤں رکاب سے نکالنا بھول گیا۔ گھوڑا اسے گھسیٹنے لگا۔

اس مقابلے میں کسی تماشائی کو کسی سوار کی مدد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوار مر بھی جایا کرتے تھے۔ کمانڈر کو گھوڑا گھسیٹ رہا تھا۔ اسحاق نے گھوم کر دیکھا تو اُس نے اپنے گھوڑے کو گھمایا، ایڑ لگائی اور کمانڈر کے گھوڑے کے پہلو میں آکر اپنے گھوڑے سے کود کر اس کے گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا، لگام کھینچی اور گھوڑے کو روک لیا۔ کمانڈر نے چونکہ زرہ بکتر پہن رکھی تھی، اس لیے اس کا جسم زمین کی رگڑ سے محفوظ رہا، ورنہ اس کی کھال اُتر جاتی۔

کمانڈر نے اُسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اسحاق ترک نے بتایا کہ وہ مسلمانوں کے علاقے سے بھاگا ہوا عیسائی ہے۔ وہ اپنے آپ کو عام قسم کا عیسائی تو کہہ نہیں سکتا تھا۔ ایسی گھوڑسواری اور ایسی نیزہ بازی کا ماہر کوئی فوج ہو سکتا تھا یا کوئی اونچے خاندان کا فرد۔ اس نے کمانڈر کو بتایا کہ مسلمان اسے زبردستی فوج میں بھرتی کرنا چاہتے تھے، اس لیے وہ وہاں سے بھاگ آیا۔

کمانڈر اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔

یہ کمانڈر بالڈوِن کی فوج کا نائٹ تھا۔ نائٹ صلیبی فوج کا بہت بڑا اعزاز اور رتبہ ہوتا تھا جو اُس کمانڈر کو دیا جاتا تھا جو ذاتی طور پر نڈر اور ماہر جنگجو ہو اور اجتماعی طور پر بہت بڑے دستے کو جنگی اہلیت سے لڑا سکے۔ اس اعزاز کے لیے جو اصاف دیکھے جاتے تھے، وہ کسی کسی میں پائے جاتے تھے۔ یہ اعزاز جسے ملتا اُسے سر سے پاؤں تک زرہ بکتر ملا کرتی تھی۔ صلیبیوں کے نائٹ جنگی قابلیت اور بے خوفی کی بدولت آج تک مشہور ہیں۔ اُن کا اتنا رتبہ ہوتا تھا کہ اُن کے مشوروں سے بادشاہ اپنے فیصلے بدل دیا کرتے تھے۔

اسحاق ترک نے زرہ بکتر کے بغیر اس نائٹ کو پچھاڑ دیا اور اُسے گھوڑے کے پاؤں تلے آنے سے بچا بھی لیا تو نائٹ اس کی قدر و قیمت سمجھ گیا۔ اُسے اپنے گھر لے جا کر نائٹ نے اُسے شراب پیش کی۔ مسلمان جاسوسوں کے لیے یہ ایک مشکل پیدا ہو جایا کرتی تھی کہ دشمن کے علاقے میں وہ عیسائیت کا بہروپ دھار لیتے اور اونچے حلقوں میں بھی پہنچ جایا کرتے تھے مگر وہاں شراب پانی کی طرح پی پلائی جاتی تھی۔ مسلمان شراب پینے سے گریز کرتے تھے۔ بہانے تراشتے تھے۔ بعض جاسوس شراب کے سلسلے میں شک میں پکڑے بھی گئے تھے۔ علماء ایسا فتویٰ دینے سے ہچکچاتے تھے کہ ان حالات میں شراب جائز ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے یہ ہدایت جاری کی تھی کہ شراب پینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی کیونکہ مذہب میں حرام ہونے کے علاوہ یہ خطرہ تھا کہ شراب نوشی عادت بن جاتی تھی۔ دوسرے یہ کہ جس نے شراب کبھی نہ پی ہو وہ ہوش کھو کر اپنی اصلیت بے نقاب کر سکتا ہے۔ البتہ سلطان ایوبی نے کہا تھا کہ دشمن کے ملک میں شراب سے گریز کی کوشش کرو۔ اگر فرض کا تقاضا یہی ہو کہ شراب پی لو تو اتنی پی لی جائے جو بدمست نہ کرے۔

یہی مشکل اسحاق ترک کے سامنے آگئی۔ وہ ایمان کا پکا تھا۔ اس نے پینے سے انکار کر دیا اور کہا۔ ''میری قوت آپ نے دیکھ لی ہے۔ اس کا راز صرف یہ ہے کہ میں شراب نہیں پیتا۔ میرے اُستاد نے مجھے کہا تھا کہ تمہارے جسم میں شراب چلی گئی تو تمہارے نیچے جو گھوڑا ہوگا، وہ محسوس کرے گا کہ اس کی پیٹھ پر ایک کمزور انسان بیٹھا ہے۔ پھر گھوڑا بھی حکم نہیں مانے گا''...... اسحاق نے گردن سے لٹکتے دھاگے کو کھینچا۔ اُس کے کُرتے کے اندر سے چھوٹی سی صلیب باہر آ گئی۔ اسحاق نے کہا...... ''میں نے اپنی طاقت کو اس صلیب کے تحفظ کے لیے صرف کرنے کے لیے صلیب ہاتھ میں رکھ کر قسم کھائی تھی کہ شراب نہیں پیوں گا، بدکاری نہیں کروں گا...... میری قسم نہ توڑیں''

''تم کہاں رہتے ہو؟'' نائٹ نے پوچھا...... ''گھر والے تمہارے ساتھ آئے ہیں؟''

''نہیں''۔ اسحاق نے جواب دیا...... ''میں گھر والوں سے یہ کہہ کر بھاگا تھا کہ اپنے کسی علاقے میں کوئی تسلی بخش ٹھکانہ بن گیا تو انہیں یہاں لے آؤں گا''۔

''تمہارا ٹھکانہ بن گیا ہے''۔ نائٹ نے کہا...... ''میں تمہیں اپنی باقاعدہ فوج میں نہیں لے رہا۔ تم میرے ذاتی محافظ ہو گے۔ ہر کمانڈر کے ساتھ دو چار محافظ ہوتے ہیں لیکن میں تم جیسے اوصاف کے آدمیوں کا قدر دان ہوں۔ میری پسند کا صرف ایک محافظ میرے پاس ہے۔ تم دوسرے ہو گے۔ تمہاری رہائش کا انتظام کر دیا جائے گا''۔

وہ زمانہ جنگجوؤں کا تھا۔ اسحاق جیسے طاقتور اور دلیر آدمیوں کی خوب قدر ہوتی تھی۔ نائٹ نے اُس کی رہائش کا انتظام کر دیا۔ اس کے لیے عربی گھوڑے اور دیگر سامان کا بندوبست کیا اور اس کی تنخواہ مقرر کر دی۔ اسحاق ترک کو خدا نے دماغی صلاحیتیں بڑی فیاضی سے عطا کی تھیں۔ انہیں بروئے کار لاتے ہوئے وہ دو دنوں میں اس صلیبی نائٹ کا معتمد بن گیا۔

''میری صرف ایک خواہش ہے''۔ اس نے نائٹ سے کہا...... ''جس طرح مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہمارے قبضے میں آ گیا ہے، اُن کے خانہ کعبہ پر بھی ہمارا قبضہ ہو جائے۔ اسلام تھوڑے سے عرصے میں ہمیشہ کے لیے مر جائے گا۔ اگر ساری دُنیا پر نہیں تو دنیائے عرب پر صلیب کی مقدس حکمرانی ہو جانی چاہیے''۔

''تم خواب دیکھ رہے ہو میرے دوست!'' نائٹ نے کہا۔ ''مسلمانوں کو اتنی جلدی شکست دینا آسان نہیں۔ اگر ہم نے مسلمانوں کے کعبے کی طرف پیش قدمی کی تو ساری دُنیا کے مسلمان اکٹھے ہو جائیں گے۔ انہیں چھوڑو، ہم ابھی تک اکیلے صلاح الدین ایوبی کو شکست نہیں دے سکے''۔

''آپ لوگ اپنے ہی پیدا کیے ہوئے وہموں کا شکار ہو گئے ہیں''...... اسحاق نے ترک نے کہا...... ''مسلمانوں میں اتحاد نہیں رہا۔ صلاح الدین ایوبی اپنے مسلمان دشمنوں میں اکیلا رہ گیا ہے۔ کیا حلب اور موصل کے نئے حکمران، عزالدین اور عمادالدین آپ کے حمایتی نہیں؟ وہ آپ کی مدد کے محتاج اور منتظر ہیں۔ آپ کے جاسوسوں نے مسلمانوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ میں آپ کو وہاں کی صحیح تصویر بتاتا ہوں''...... اس نے الفاظ میں ایسی تصویر پیش کی جس سے نائٹ کی باچھیں کھل گئیں۔ اسحاق نے ایسے مشورے دیئے جو کوئی جرنیل ہی دے سکتا تھا۔ نائٹ کی آنکھیں کھل گئیں۔

''تم مجھے حیران کر دینے کی حد تک ذہین ہو''۔ نائٹ نے کہا...... ''ہم کچھ ایسے ہی منصوبے بنا رہے ہیں جو تمہاری خواہشوں اور عزائم کے مطابق ہیں''۔

''میرے اس مشورے کو ذرا اہمیت دیں کہ صلاح الدین ایوبی کی طرح چھاپہ مار جیش تیار کریں''۔ اسحاق نے کہا...... ''ایک جیش میرے حوالے کر دیں۔ میں مسلمان علاقوں اور ان کی نازک رگوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ مجھے دور اندر تک وہ جگہیں معلوم ہیں جہاں وہ رسد وغیرہ کے ذخیرے رکھتے ہیں۔ اِدھر جنگ ہوئی تو اُدھر اُن کا کوئی ذخیرہ نہیں رہنے دوں گا''۔

''ایسا ہی ہو گا''۔ نائٹ نے کہا...... ''ہم تمہیں موقعہ دیں گے''۔

☆

''میں نے تمہیں شمس النساء کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تھا''۔ انوشی عامر بن عثمان سے کہہ رہی تھی۔ وہ موصل میں تھے۔ عامر نے اُسے محبت کا جھانسہ دے دیا تھا۔ انوشی آدھی رات کے بعد اس کے کمرے میں آ گئی تھی۔ کہنے لگی...... ''شمس النساء مجھ سے زیادہ خوب صورت تو نہیں''۔

''اُس کا نام نہ لو''۔ عامر نے اُکتاہٹ سے کہا...... ''وہ شہزادی ہے، مجھے اپنا نوکر سمجھتی ہے اور حکم چلاتی ہے۔

میں کبھی اس کے پاس کھڑا ہوتا ہوں تو یہ حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔تم سے بھی میں اسی لیے ڈرتا رہتا تھا۔تمہیں بھی میں شہزادی سمجھتا رہا،لیکن تم نے میرا ڈر دُور کر دیا ہے۔پھر بھی کبھی کبھی ڈر آہی جاتا ہے کہ تم مجھے کسی دھوکے میں مبتلا کر رہی ہو۔یہ نہ بھی ہوا تو اپنا یہ انجام مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ بڑوں نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو مجھے تہہ خانے میں بند کر دیں گے"۔

"اگر تمہیں کسی نے تہہ خانے میں بند کیا تو میرے اشارے پر موصل کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی"۔انوشی نے کہا اور اُسے اپنے ساتھ لگالیا۔پیار سے بولی......"تمہارا یہ ڈر بجا ہے کہ میں تمہیں کوئی دھوکہ دے رہی ہوں۔میرا وجود ایک دلکش دھوکہ ہے لیکن تم مجھے انسان کے روپ میں دیکھو۔مجھے اپنی عبادت کرنے دو"۔

انوشی پر بے خودی سی طاری ہوگئی۔عامر بن عثمان کی اُنگلیاں اس کے بالوں میں رینگ رہی تھیں۔رات گزرتی جا رہی تھی۔انوشی کے لہجے اور انداز میں خمار آگیا تھا۔عامر بن عثمان کے لیے یہ بڑا ہی سخت امتحان تھا۔وہ جوان تھا،تنومند تھا اور وہ غیر شادی شدہ تھا۔کئی بار اس کے جذبات اپنے قابو سے نکل چلے تھے۔اُس نے دِل ہی دِل میں دھیان خدا کی طرف کر دیا اور خدا سے التجائیں کرنے لگا کہ اس کی ذاتِ باری اسے جبر اور ہمت واستقلال عطا فرمائے"۔

رات تھوڑی سی رہ گئی تھی جب انوشی اس کے کمرے سے نکلی۔پھر ایسی تین چار راتیں آئیں۔انوشی اُس کے وجود میں جذب ہو چکی تھی۔اُس نے دیکھ لیا تھا کہ عامر حیوان نہیں انسان ہے مگر عامر کی ذات میں جو زلزلے بپا ہو رہے تھے،ان سے انوشی واقف نہیں تھی۔

"مجھے ان مسلمان حکمرانوں سے نفرت ہوگئی ہے"۔ایک رات عامر نے انوشی سے کہا......"میں نے صلیبی حکمران نہیں دیکھے۔ہمارے حکمرانوں سے تو اچھے ہوں گے"۔اُس نے رازداری سے پوچھا......"کیا یہ ممکن نہیں کہ صلیبی آکر ان علاقوں پر قبضہ کر لیں؟"

انوشی بہت ہی چالاک لڑکی تھی۔بچپن سے استادوں کے ہاتھوں میں کھیلی تھی۔اُس کا حسن قلعوں کی دیواریں توڑ دیتا تھا۔جابر حکمرانوں کو وہ اپنا غلام بنالیا کرتی تھی،مگر وہ انسانی فطرت کی کمزوریوں اور فطری تقاضوں اور مطالبوں سے آزاد نہیں تھی۔کوئی بھی انسان خواہ وہ اوصاف اور عادات کے لحاظ سے درندہ ہی کیوں نہ بن جائے،اس فطرت کی زنجیروں سے آزاد نہیں ہوسکتا جو خدا نے بنائی ہے۔انوشی اپنی تشنگی عامر بن عثمان کو بتا چکی تھی۔یہ اس کی دُکھتی رگ تھی جو اُس نے عامر کے ہاتھ میں دے دی تھی۔سچے پیار کی تشنگی اور عامر کے وجود نے اس کا ڈنگ مار دیا تھا۔وہ شراب کے نشے کو جانتی تھی،محبت کے خمار سے واقف نہیں تھی۔یہ خمار جب طاری ہوا تو عامر نے صلیبی حکمرانوں کے حق میں بات کر دی تو انوشی کی تمام تر تربیت بے کار ہوگئی۔اس نے عامر کے ساتھ ایسی باتیں شروع کر دیں جو جاسوس اور تخریب کار نہیں کیا کرتے۔

عامر کا مقصد پورا ہوگیا۔اس نے بچ بچ کر سوال پوچھنے شروع کر دیئے۔اگر اس وقت انوشی کو اس کے صلیبی استاد یا عزالدین اور اس کے وہ دو اعلیٰ حاکم دیکھتے جو اُسے گوہر نایاب سمجھتے تھے تو یقین نہ کرتے کہ یہ وہ لڑکی ہے جسے وہ سوڈانی پری کہا کرتے تھے۔وہ معصوم سی بچی بنی ہوئی تھی اور اسے ذرہ بھر احساس نہیں تھا کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی بجائے صلیب کو دیمک کی طرح کھا رہی ہے۔عامر بن عثمان اس کی فطرت کے تقاضے پورے کر رہا تھا۔

انوشی جب اُس رات عامر کے کمرے سے نکلی تو رات کا آخری پہر تھا۔وہ بڑے اہم راز عامر کے سینے میں ڈال گئی تھی۔

☆

بہت دِن گزر گئے تھے۔ بیروت میں اسحاق ترک اپنے صلیبی نائٹ کا ذاتی محافظ ہی نہیں، اس کا ہم راز دوست اور قابلِ اعتماد ساتھی بن چکا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ بالڈوِن سے فرنگی لشکر کے ایک بڑے دستے کا یہ کمانڈر صلیب کا اتنا خیر خواہ نہیں جتنا اپنی اس خواہش اور عزم کا غلام ہے کہ وہ اگلی جنگ میں بڑھ چڑھ کر کامیابی حاصل کرے اور شاہ بالڈوِن سے عرب کا کوئی ٹکڑا انعام کے طور پر حاصل کر لے۔ اس کے دماغ پر خود مختار حکمرانی سوار تھی اور اس کی سوچیں اسی خواہش کے تابع تھیں۔ اسحاق ترک اپنے استاد علی بن سفیان کی تربیت کے مطابق اس کی نفسیات سے کھیلنے لگا۔ جس طرح انوشی جیسی خطرناک لڑکی فطرتِ انسانی کی کمزوریوں اور تقاضوں کے سامنے بے بس ہو گئی تھی، اسی طرح صلیبیوں کا یہ نائٹ اپنے نظریے سے ہٹ کر اور اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کر رہا تھا کہ جس اجنبی کو اس نے اپنا دوست بنا لیا ہے، وہ صرف اس کی نہیں، اس کے بادشاہ اور اس کی صلیب کی شکست کا پیامبر ہے۔

ایک روز نائٹ اسحاق ترک کو بیروت سے دُور لے گیا۔ اسحاق کو پتہ چلا کہ نائٹ کا دستہ رات کو بڑی جلدی میں کوچ کر گیا ہے۔ نائٹ اس دستے کو مختلف جگہوں پر تقسیم کرنے کے لیے جا رہا تھا۔ اسحاق محافظ کے طور پر اس کے ساتھ تھا۔ دستے تک پہنچے تو دیکھا کہ خیمے نہیں لگائے گئے تھے۔ اس میں گھوڑ سوار بھی تھے اور پیادے بھی۔ نائٹ نے اپنے ماتحت کمانڈروں کو بلا کر مختلف جگہیں بتائیں اور حکم دیا کہ ان جگہوں پر وہ خیمے گاڑ لیں اور تیاری کی حالت میں رہیں۔ اسحاق پاس کھڑا یہ احکام سن رہا تھا۔

''ہو سکتا ہے تمہیں ایک مہینے تک تیاری کی حالت میں رہنا پڑے''۔ نائٹ نے اپنے چھوٹے کمانڈروں سے کہا...... ''لیکن اُکتا نہ جانا۔ ہمیں کل قاہرہ سے آئے ہوئے ایک جاسوس نے اطلاع دی ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے بیروت کو محاصرے میں لے کر اس شہر پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہمیں توقع تھی کہ وہ اب بھی دمشق کی طرف سے آئے گا اور سب سے پہلے اپنے مسلمان اُمراء کو جن میں حلب، موصل اور حرن کے اُمراء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، اپنے ساتھ ملائے گا، اُس کے بعد وہ ہمیں للکارے گا، مگر اب یہ قابلِ اعتماد اطلاع ملی ہے کہ وہ سب سے پہلے ہمارے دِل پر وار کرے گا اور اس کے بعد اپنے ان اُمراء سے جنہیں ہم نے اپنا درپردہ دوست بنا رکھا ہے، نپٹے گا۔ اگر ہمیں یہ اطلاع نہ ملتی تو ہم بیروت کے اندر اس کے محاصرے میں آ جاتے۔ تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہیں یہ معلوم نہیں کہ صلاح الدین ایوبی محاصرے کا ماہر ہے۔ اس کے محاصرے میں آئی ہوئی فوج کے پاس صرف یہ چال رہ جاتی ہے کہ ہتھیار ڈال دے۔ صلیب کی برکت سے ہمیں پہلے ہی اشارہ مل گیا ہے''۔

اسحاق سن رہا تھا۔ اُس نے اپنے کپڑوں کے اندر پسینے کی نمی محسوس کی۔ اسے یہ سن کر غصہ آنے لگا کہ صلاح الدین ایوبی کے اندرونی حلقے میں بھی صلیبیوں کے جاسوس موجود ہیں جنہوں نے اتنی خطرناک اطلاع یہاں پہنچا دی ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ مسلمان ایمان فروشی پر فوراً اُتر آتے ہیں۔ سلطان ایوبی کے ہم راز حلقے میں کوئی صلیبی تو نہیں جا سکتا۔ اب یہ ذمہ داری اسحاق ترک بڑی شدت سے محسوس کرنے لگا کہ وہ قاہرہ پہنچے اور علی بن سفیان کو بتائے کہ اگر سلطان نے واقعی بیروت پر فوج کشی کا فیصلہ کر لیا ہے تو سیدھا بیروت نہ جائے۔

''اس اطلاع سے ہم یہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں کہ جس طرح ہمارا دستہ اس علاقے میں گھات کی صورت میں بھیجا گیا ہے، اسی طرح چند اور دستے جن میں گھوڑ سوار زیادہ ہیں، بیروت کے اِردگرد اور دُور دُور بھیج دیے گئے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کا استقبال وہ دستے کریں گے جو بیروت میں تیار ہوں گے۔ وہ اُس کی فوج کو یہ تاثر دے کر اُلجھائیں گے کہ

اس نے بیروت کو اچانک آ دبوچا ہے۔ وہ جب محاصرے کو تنگ کر رہا ہوگا ہم عقب سے اس پر حملہ کر دیں گے۔ پھر وہ بیروت کے اندر والی ہماری فوج اور ہمارے باہر والے دستوں میں آ کر ہمیشہ کے لیے پس جائے گا''۔

''جناب!'' ایک پرانی عمر کے کمانڈر نے کہا..... ''یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کس طرف سے آئے گا؟''

''ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا''۔ نائٹ نے جواب دیا۔''ممکن یہ نظر آتا ہے کہ وہ ہمارے علاقوں میں سے گزر کر آنے کا خطرہ مول لے گا۔ شاہ بالڈون نے ہدایت جاری کی ہے کہ راستے میں اُس کے ساتھ جھڑپ نہ کی جائے۔ اُسے دُور اندر تک اور بیروت تک آنے دیا جائے۔ یہاں ہم اُس کی فوج کو رسد سے محروم کر کے ماریں گے''۔

''اور آپ کو یہ تو معلوم ہوگا کہ بیروت سمندر پر واقع ہے''۔ اسی کمانڈر نے کہا..... ''وہ اپنی بحری قوت بھی استعمال کر سکتا ہے''۔

''وہ بحری قوت استعمال کرے گا''۔ نائٹ نے کہا۔''اس کی بہت سی فوج بحری جہازوں سے آ رہی ہے۔ ہم نے اس کا بھی انتظام کر لیا ہے۔ ہم سمندر میں اس کا مقابلہ نہیں کریں گے۔ اُس کی فوج کو اُترنے کا موقع دیں گے۔ اس طرح ہم اُس کے جہازوں کو تباہ کرنے یا انہیں بھاگنے کا موقع دینے کی بجائے جہازوں پر قبضہ کریں گے..... میرے دوستو! تم جانتے ہو کہ فوج کو راز کی ایسی باتیں نہیں بتائی جاتیں، کیونکہ جس طرح ہمارے جاسوس مسلمان علاقوں میں موجود ہیں، اسی طرح ہمارے علاقوں میں مسلمان جاسوس سرگرم ہیں۔ سپاہیوں کے منہ سے نکلی ہوئی بات صلاح الدین ایوبی کے کانوں تک پہنچ سکتی ہے مگر بعض حالات میں اپنے کمانڈروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ آنے والے حالات کیسے ہوں گے اور ان کا پس منظر کیا ہے۔ یہ احتیاط کریں کہ سپاہیوں کو پتہ نہ چلنے پائے کہ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے متعلق کوئی اطلاع ملی ہے، ورنہ وہ اپنا فیصلہ بدل دے گا''۔

''کیا آپ کو مسلمان اُمراء کی نیت کا علم ہے؟'' ایک اور کمانڈر نے پوچھا..... ''ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر حملہ کر دیں''۔

''ان کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں''۔ نائٹ نے کہا۔''حلب کا والی عزالدین موصل میں آ گیا ہے اور موصل کا امیر عمادالدین حلب چلا گیا ہے۔ یہ تبادلہ ہماری کارستانی سے ہوا ہے، وہاں کے حالات ہمارے قبضے میں ہیں۔ البتہ یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ ان میں سے کوئی حکمران صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دے یا اُسے رسد دینے سے انکار کر دے۔ بہر حال یہ یقین ہے کہ اپنے مسلمان اُمراء کی طرف سے صلاح الدین ایوبی کو تعاون نہیں ملے گا''۔

☆

رات کو اسحاق ترک نے نائٹ کے ساتھ سلطان ایوبی کے متوقع حملے اور بیروت کے محاصرے پر تبادلۂ خیال اور خوشی کا اظہار کیا کہ اُسے اپنی خواہش کی تکمیل کا موقع مل جائے گا۔ اُس نے کچھ اور ضروری باتیں معلوم کر لیں۔ اس کے سامنے اب یہ مسئلہ تھا کہ وہاں سے نکلے اور قاہرہ پہنچے۔ وہ آسانی سے فرار ہو سکتا تھا لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ غائب ہو جانے سے نائٹ کو شک ہو جائے گا کہ یہ جاسوس تھا جو سب کچھ دیکھ کر چلا ہے، لہٰذا وہ اپنی سکیم میں رد و بدل کر لیں گے۔ وہ نائٹ کو بتا کر جانے کی سوچنے لگا۔ اُسے ایک بہانہ مل گیا جو یہ تھا کہ وہ اپنے گھر کے تمام افراد کو مسلمان علاقے میں چھوڑ آیا ہے، اب چونکہ اس کا ٹھکانہ بن گیا ہے، اس لیے وہ انہیں وہاں سے نکالنا چاہتا ہے، ورنہ مسلمان انہیں پریشان کریں گے۔

یہ بہانہ پیش کر کے اس نے نائٹ سے کہا..... ''ایک آدھ مہینے بعد ہم جنگ میں اُلجھ جائیں گے پھر نہ جانے کب فرصت ملے۔ انہیں ابھی لے آؤں تو بہتر ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں جنگ میں مارا جاؤں۔ مرنے سے پہلے انہیں

یہاں لانا چاہتا ہوں تاکہ میرے بعد میری بہنیں مسلمانوں کے ہاتھوں خراب نہ ہوتی پھریں''۔

بہانہ معقول تھا۔ نائٹ نے اُسے جو گھوڑا دے رکھا تھا، وہی اس کے پاس رہنے دیا اور کہا..... ''ابھی روانہ ہو جاؤ اور جس قدر جلدی آسکو، واپس آؤ''۔

اسحاق ترک اس صلیبی نائٹ سے زیادہ جلدی میں تھا۔ اُسے بہت جلدی قاہرہ پہنچنا تھا لیکن اس سے پہلے حلب اور موصل جانا ضروری تھا کیونکہ اُس کے کانوں میں وہاں کے حکمرانوں اور اُمراء کے متعلق کچھ باتیں پڑی تھیں۔ اسے یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ سلطان ایوبی جب ان علاقوں میں فوج لائے گا تو موصل کے حکمرانوں اور سالاروں کا رویہ کیا ہوگا۔ اسے معلوم تھا کہ حلب میں اُس کے ساتھی جاسوس کون کون ہیں اور وہ کہاں مل سکتے ہیں، مگر نائٹ کی زبان سے اس نے سنا تھا کہ عزالدین موصل اور عمادالدین حلب چلا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوسکتا تھا کہ رضیع خاتون بھی موصل میں ہوگی اور اگر وہ موصل میں ہے تو اُس کی خادمہ بھی ساتھ ہوگی۔ محل کے اندر کی دُنیا سے رابطہ اس خادمہ کے ذریعے ہوسکتا تھا۔ بہر حال اُسے وہاں کے حالات کا اور حالات کی خبر دینے والے خفیہ ساتھیوں کا کچھ پتہ نہ تھا، سوائے دو کے جو موصل میں تھے۔

وہ اُسی رات روانہ ہوگیا۔ گھوڑا اچھا تھا۔ اسحاق ماہر سوار تھا۔ مہینوں کی مسافت دنوں میں طے کرنے کا اُسے تجربہ تھا۔ وہ فاصلہ طے کرتا اور خدا سے یہی دُعائیں مانگتا جا رہا تھا کہ اُس کے قاہرہ پہنچنے سے پہلے سلطان ایوبی کوچ نہ کر چکا ہو۔ گھوڑا دوڑ سے تھک گیا تو اسحاق نے اسے روکا نہیں۔ گھوڑا اپنی سہولت کی چال آہستہ آہستہ چلتا گیا۔ اسحاق نے آگے جھک کر پیٹ زین کے ساتھ لگا لیا اور چلتے گھوڑے پر سو گیا۔ سحر کی تاریکی میں اُس کی آنکھ کھلی۔ اس نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ اس کی راہنمائی کرنے والا ستارہ چمک رہا تھا۔ گھوڑا صحیح سمت جا رہا تھا۔ صبح کی روشنی میں ایک جگہ گھوڑے کو پانی پلایا اور کچھ کھلا کر اُس نے خود بھی ذرا آرام کیا، گھوڑے کو بھی آرام دیا اور چل پڑا۔

یہ دن بھی گزر گیا۔ رات آئی اور گزر گئی۔ صلیبی نائٹ کے دیئے ہوئے عربی گھوڑے نے اسحاق کا خوب ساتھ دیا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر تھی، جب اُسے موصل کے میناروں کے کلس نظر آنے لگے۔ اسحاق ترک اس شہر سے اچھی طرح واقف تھا اور اسے اپنے دو ساتھی جاسوسوں کے ٹھکانوں کا بھی علم تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اسے کچھ بتا سکیں گے یا حلب کا راستہ دکھا دیں گے۔

☆

عزالدین کو اطمینان ہوگیا کہ رضیع خاتون اُس کی زوجیت میں خوش ہے اور اب وہ اُس کے کاموں کے متعلق کوئی بات نہیں کرتی، نہ کچھ پوچھتی ہے۔ رضیع خاتون نے اُس سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ اُس نے عمادالدین کے ساتھ امارتوں کا تبادلہ کیوں کرلیا ہے۔ رضیع خاتون نے جس مقصد کے لیے عزالدین کے ساتھ شادی کی تھی وہ تو پورا نہ ہوسکا، تاہم وہ اس پہلو سے کر مطمئن ہوگئی کہ وہ اس پُراسرار دُنیا کے اندر آ گئی ہے اور سلطان ایوبی نے یہاں جاسوسی کا جو جال بچھا رکھا ہے، اسے یہ مضبوط اور کارآمد بنا رہی ہے۔ شمس النساء کو اُس نے تربیت دے لی تھی اور اُس کی یہ بیٹی لڑکپن کے کھلنڈرے جذبات سے نکل کر مجاہدہ بن گئی تھی۔ اس لڑکی نے عزالدین کے ذاتی محافظ عامر بن عثمان کو مخبر اور جاسوس بنا دیا تھا۔ اس کے لیے اس نے قربانی دی تھی کہ اُسے ایسی چالاک لڑکی کے حوالے کردیا تھا جو عامر کو اس سے ہمیشہ کے لیے چھین سکتی تھی۔

عامر بن عثمان نے انوشی کے سینے سے جتنے راز نکالے تھے، وہ شمس النساء کے ذریعے رضیع خاتون تک پہنچا نہایت اہم راز تھے جو قاہرہ تک پہنچانے تھے۔ حلب سے سلطان ایوبی کے جو جاسوس آئے تھے۔ اُن کے

کمان دار سے پوچھا گیا تھا کہ قاہرہ جانے والا کوئی آدمی تیار کرو۔ اس نے کہا تھا کہ اسحاق ترک بیروت سے آجائے گا، وہاں کی جب تک خبر نہیں ملے گی۔ قاہرہ کے لیے اطلاع نامکمل رہے گی۔ علی بن سفیان سے سلطان ایوبی بار بار کہہ رہا تھا کہ صلیبیوں کے آئندہ اقدام کے متعلق معلومات حاصل کرو۔

انوشی نے عامر بن عثمان کو جو باتیں بتائی تھیں وہ غلط نہیں ہوسکتی تھیں۔ وہ عزالدین اور اُس کے خصوصی مشیروں پر اتنی غالب آئی ہوئی تھی کہ وہ اس لڑکی کی موجودگی میں انتہائی نازک باتیں کرتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہیں وہ قابلِ نفرت انسان سمجھتی تھی۔ وہ تو اپنا فرض ادا کر رہی تھی۔ اسے ابھی یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ جس عامر کو وہ دل و جان سے چاہتی ہے، وہ اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔ عامر کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اپنی دلچسپی کی خاطر ایسی باتیں پوچھ رہا ہو۔

عزالدین نے رضیع خاتون کی سیر کے لیے بگھی وقف کر رکھی تھی۔ ایک شام رضیع خاتون شمس النساء کے ساتھ باہر نکل گئی۔ شہر کے قریب ہی سبزہ زار تھا جس میں ایک چشمہ بھی تھا، یہ جگہ اتنی خوب صورت تھی کہ صرف شاہی خاندان کے لیے وقف کر دی گئی تھی۔ رضیع خاتون کے ساتھ اس کی خادمہ بھی تھی اور محافظ کے طور پر عامر بن عثمان بھی ساتھ تھا۔ عزالدین کو عامر پر بھروسہ تھا اور اُس نے عامر کو حکم دے رکھا تھا کہ رضیع خاتون جب بھی سیر کے لیے باہر جائے تو عامر ساتھ ہو۔ اس جگہ پہنچ کر بگھی کو دُور کھڑا کر دیا گیا۔ رضیع خاتون اور شمس النساء چشمے کی طرف چلی گئیں۔ عامر بن عثمان بھی ساتھ رہا۔ یہ صرف سیر نہیں تھی بلکہ سیر کے بہانے عامر سے معلوم کرنا تھا کہ اُسے اور کیا کچھ معلوم ہوا ہے۔

اس وقت اسحاق ترک موصل میں اپنے ایک ساتھی کے پاس پہنچ چکا تھا اور یہ ساتھی اُسے بتا رہا تھا کہ رضیع خاتون بھی ان کے گروہ میں شامل ہوگئی ہے بلکہ سرپرستی کر رہی ہے۔ اس دونوں کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں تو ان کا ایک ساتھی اور آگیا۔ اُس نے اسحاق کو بتایا کہ رضیع خاتون کی خادمہ اس وقت چشمے پر گئی ہے۔ بہتر ہے اسحاق اسے وہاں ملے۔ اسحاق نے اپنے ان ساتھیوں کو بتایا تھا کہ وہ بہت جلدی میں ہے اور کام کی کوئی بات معلوم ہو سکے تو وہ رات رُکنے کی بجائے فوراً قاہرہ کو روانہ ہو جائے۔ اسی لیے اُسے بتایا گیا تھا کہ خادمہ چشمے پر ملے گی۔ اس آدمی نے رضیع خاتون کی سواری اُدھر جاتے دیکھی تھی۔ اسحاق کو یہ تو بتا ہی دیا گیا تھا کہ رضیع خاتون بھی اُن کے ساتھ ہے۔ لہٰذا یہ اُمید رکھی ہے کہ اس کے ساتھ بھی ملاقات ہو جائے۔

عامر بن عثمان چشمے کے کنارے رضیع خاتون اور شمس النساء کو بتا رہا تھا کہ انوشی کی بتائی ہوئی باتوں کے مطابق یہ یقین ہو گیا ہے کہ صلیبیوں کے خلاف جنگ کی صورت میں عزالدین سلطان ایوبی کو دوستی کے دھوکے میں رکھے گا۔ اگر سلطان رسد مانگے گا تو رسد بروقت پوری نہیں بھیجے گا۔ اگر سلطان نے فوج مانگی تو یہ بہانہ پیش کیا جائے گا کہ اس کے تعلقات عمادالدین کے ساتھ اچھے نہیں رہے اور عمادالدین موصل پر حملے کے لیے آرمینیوں کے ساتھ ساز باز کر رہا ہے اس لیے فوج قلعے میں موجود رہنی چاہیے۔ عامر نے بتایا کہ عمادالدین کا رویہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ ان حالات سے سلطان ایوبی کا باخبر ہونا ضروری تھا، کیونکہ وہ ان دونوں کو اپنا اتحادی سمجھتا تھا۔

خادمہ اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اُسے کسی کے گانے کی آواز سنائی دی...... ''ریگزاروں کے راہی راہوں سے بھٹکیں، ستاروں کو دیکھیں''...... سیرگاہ کے قریب سے کوئی گاتا ہوا گزر رہا تھا۔ خادمہ کے کان کھڑے ہوگئے۔ یہ جاسوسوں کے اس گروہ کے خفیہ الفاظ تھے جو ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے ترنم میں اس طرح استعمال کیا کرتے تھے جیسے کوئی

اُسے روکا۔ اسحاق نے اسے کہا کہ وقت نہیں ہے۔ خادمہ نے کہا کہ اسی طرح ٹہلتے رہو اور وہ رضیع خاتون کے پاس گئی۔

☆

سورج غروب ہو چکا تھا۔ سیر گاہ پر تاریکی چھا رہی تھی۔ اسحاق ترک ایک ایسی جگہ رضیع خاتون، شمس النساء اور عامر عثمان کے پاس بیٹھا تھا جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ رضیع خاتون اُسے حلب اور موصل کے تمام اسرار اور دھوکے بتا چکی تھی۔ اُس نے اسحاق سے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی سے کہنا کہ میں نے نورالدین زنگی کا مقام عزالدین کو دیا تھا۔ میں نے اس اُمید پر اپنے دِل پر پتھر رکھ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ عزالدین کو زنگی مرحوم کا صحیح جانشین بنادوں گی اور یہ زنگی کی طرح تمہارا دایاں بازو بنے گا مگر شادی کے بعد راز کھلا کہ میں نے عمر بھر کی ایک بھیانک غلطی کی ہے۔ مجھے قید کر لیا گیا ہے۔ اب دمشق کی لاج تمہارے ہاتھ میں ہے۔ بیروت کے علاقے میں تمہارا جس طرح استقبال ہوگا، وہ تم اسحاق سے سن لو گے۔ تم ہی فیصلہ کر سکتے ہو کہ ان حالات میں جبکہ بیروت کو محاصرے میں لینے کا تمہارا منصوبہ پہلے ہی بیروت پہنچ گیا ہے، تم بیروت ہی جاؤ گے یا اپنا منصوبہ بدل دو گے۔ اس سوال کا جواب علی بن سفیان دے سکتا ہے کہ یہ راز بیروت کس نے پہنچایا۔ ہماری قوم میں ایمان کا نیلام عام ہو گیا ہے۔ عرب کے اُمراء کی عیاشیوں کا یہی عالم رہا تو وہ قبلۂ اوّل کی طرح خانہ کعبہ بھی بیچ کھائیں گے۔ عیاشی اور حکمرانی مل کر ملکوں کو ٹکڑوں میں کاٹتی اور قوم کا نام ونشان مٹا دیتی ہیں...... عزالدین اور عمادالدین پر بھی بھروسہ نہ کرنا۔ یہ تمہیں مدد نہیں مدد کا دھوکہ دیں گے۔ بیروت کی بجائے حلب اور موصل کو محاصرے میں لے کر ان ایمان فروش حکمرانوں سے ہتھیار ڈلوالو اور یہ اہم علاقے اپنی عمل داری میں لے لو تو یہ اسلام کی بہت بڑی خدمت ہو گی۔ اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ پر ایک نظر ڈالو۔ ہمارے بادشاہوں نے ہمیشہ ملکوں کے سودے کیے ہیں اور ان سودوں پر اسلام کے سپاہی نے لکیر پھیر دی اور قوم کی لاج رکھی ہے۔ دشمن کو صرف سپاہی دیکھتا ہے اور دشمن کے ہاتھوں صرف سپاہی کٹتا اور مرتا ہے، اس لیے وطن اور قوم کی قدر وقیمت صرف سپاہی جانتا ہے......

''جب یہ عیاش حکمران دشمن کی بھیجی ہوئی شراب، حسین لڑکیوں اور دولت کے نشے میں بدمست پڑے ہوتے ہیں، اُس وقت اللہ کے سپاہی ریگزاروں، کوہستانوں اور سمندروں میں کٹ رہے ہوتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی! تمہاری عمر بھی صحراؤں میں لڑتے گزر رہی ہے، میرا پہلا خاوند بھی ساری عمر دین کے دشمن سے لڑتا رہا، مگر جب تم ایمان فروش حکمرانوں کے خلاف اُٹھتے ہو تو وہ تمہیں اپنی قوم کا قاتل اور غدار کہتے ہیں۔ ان فتوؤں کی پروا نہ کرو۔ یہ سب صلیبیوں اور یہودیوں کے فتوے ہیں جو ہمارے اپنے بھائی تمہارے خلاف داغ رہے ہیں۔ آؤ، طوفان کی طرح آؤ۔ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہارے لیے زمین ہموار کر رہی ہوں۔ یہاں کا بچہ بچہ تمہارے ساتھ ہوگا...... باقی خبریں اسحاق سے سن لینا''۔

اسحاق ترک کو تمام تر معلومات دے دی گئیں۔ وہ اُٹھا اور پودوں کو روندتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس نے کچھ ایسا محسوس کیا جیسے اُس نے کسی کے قدموں کی ہلکی سی آہٹ سنی ہو۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے یہ شک بھی ہوا جیسے اُسے کچھ دُور ایک سایہ جاتا اور پودوں میں غائب ہوتا نظر آیا ہو۔ اُس نے زیادہ توجہ نہ دی۔ اس کے ذہن پر یہ مسئلہ سوار تھا کہ جس قدر جلدی ہو سکے وہ قاہرہ پہنچے، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان ایوبی فوج کے ساتھ کوچ کر چکا ہو۔ اسے اس کامیابی کی بہت خوشی تھی کہ اُسے ہر جگہ سے نہایت کارآمد معلومات مل گئی تھیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا۔ بہت جلدی میں کھانا کھایا اور روانہ ہو گیا۔ اُسے اپنا سفر اس وجہ سے لمبا کرنا پڑا کہ حلب میں اپنے کمان دار سے ملنا ضروری تھا۔

حلب پہنچا۔ کمان دار سے ملا۔ اس نے اسحاق کو تازہ دم نہایت اچھی نسل کا گھوڑا دیا۔ پانی کے چھوٹے مشکیزے

اور کھانے کی چیزوں سے تھیلا بھر کر گھوڑے کے ساتھ باندھ دیا۔ اسحاق قاہرہ کے لیے روانہ ہو گیا۔

☆

اُس رات کا ذکر ہے، جس رات اسحاق سیر گاہ میں رضیع خاتون سے ملا تھا کہ انوشی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے عزالدین اور اس کے قریبی ہم رازوں کی محفل میں نہ گئی۔ عزالدین اس کی مزاج پُرسی کے لیے گیا تو انوشی کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ وہ بات کرتی تو زبان ہکلاتی تھی۔ عزالدین نے اپنے طبیب کو بلایا۔ طبیعت نے دوا دی جو انوشی نے یہ کہہ کر رکھ لی کہ کھا لے گی۔ اُس نے کہا کہ وہ آرام کرنا چاہتی ہے۔ یہ شب بیداری اور زیادہ شراب پی لینے کے اثرات ہیں۔ عزالدین اور طبیب چلے گئے۔ انوشی دروازہ اندر سے بند کر کے لیٹنے کی بجائے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ بہت بے چین تھی۔ اس نے کئی بار کھڑکی کا پردہ اُٹھا کر باہر دیکھا اور کمرے میں کبھی ٹہلتی، کبھی رُکتی اور پھر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھتی۔

اس نے اپنے زیورات والا خوش نما بکس کھولا۔ اس میں سے ایک انگوٹھی نکالی۔ اس کے نگینے والی جگہ ڈبیا کی شکل کی تھی۔ خوش نما اور وزنی انگوٹھی تھی۔ اس نے اس پر جڑی ہوئی چھوٹی سی ڈبیا کو جو انگوٹھی کا حصہ تھی، کھولا۔ اس میں سفید سفوف بھرا ہوا تھا۔ اس نے سفوف کو ذرا سی دیر دیکھا اور ڈبیا بند کر کے انگوٹھی اپنی اُنگلی میں ڈال لی۔ اس سے اُسے کچھ سکون محسوس ہوا جیسے اس نے اپنی بے چینی اور اُداسی کا ذریعہ پیدا کر لیا ہو۔

رات آدھی گزر گئی تھی۔ اس کی ذاتی خادمہ اس کے کمرے کے قریب ایک کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ انوشی نے اُسے کہہ دیا تھا کہ آج رات اُسے اس کی ضرورت نہیں۔ آدھی رات کے بعد وہ خادمہ کے کمرے میں گئی اور اسے جگا کر کہا کہ عامر بن عثمان کو بلاؤ۔ اس کی خادمہ اس کی اور عامر کی ملاقاتوں کی رازدان تھی۔ وہ گئی اور عامر بن عثمان کو بلا لائی۔ انوشی نے خادمہ سے کہا کہ وہ کمرے کے باہر بیٹھی رہے۔

''عامر!'' انوشی ایسے لہجے میں بولی جس سے عامر واقف نہیں تھا..... ''آج شام وہ کون تھا جو سیر گاہ میں تم سب کے ساتھ بیٹھا تھا؟''

''کوئی بھی نہیں''۔ عامر نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا..... ''میرے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔ میں تو خاتون کی سواری کے ساتھ محافظ بن کے جاتا ہوں اور اُن سے دُور رہتا ہوں''۔

''عامر!'' انوشی نے بالکل ہی بدلے ہوئے لہجے میں کہا..... ''مجھ سے زمین کی تہوں کے راز پوچھ لو۔ میں نے تمہیں دِل کی گہرائیوں سے چاہا ہے مگر تم نے مجھے کوئی سیدھی سادی صحرائی لڑکی سمجھ لیا۔ تم، رضیع خاتون، شمس النساء اور ان کی خادمہ اکٹھے بیٹھے تھے اور ایک اجنبی تمہارے درمیان بیٹھا تھا۔ راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ثبوت چاہتے ہو؟ میں نقاب اوڑھ کر اور مستور ہو کر وہاں گئی تھی۔ تم سب سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے، پھر وہ اجنبی وہاں سے اُٹھا اور چلا گیا۔ میں وہاں سے آ گئی''۔

اسحاق تُرک جب ان لوگوں سے اُٹھ کر جا رہا تھا تو اس نے کسی کے قدموں کی دبی دبی آہٹ سنی تھی اور کچھ دُور ایک سایہ سا بھی دیکھا تھا۔ یہ انوشی تھی جو چوری چھپے رضیع خاتون، شمس النساء اور عامر بن عثمان کے پیچھے گئی تھی۔

عامر بن عثمان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس نے کوئی بے معنی سی بات کی۔ انوشی استاد تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کے شکوک بے بنیاد نہیں۔ اس نے کہا..... ''اگر شمس النساء اکیلی ہوتی تو میں سمجھتی کہ اس شہزادی نے تمہیں گھیر رکھا ہے مگر یہ معاملہ کچھ اور ہے..... مجھے بتاؤ کہ تم مجھ سے یہ راز کی باتیں کیوں پوچھتے رہے ہو؟''

''ویسے ہی''۔ عامر نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا......''ان باتوں کے ساتھ میری کیا دِل چسپی ہو سکتی ہے۔ میں صرف اس سے لطف اُٹھاتا تھا کہ ہم بادشاہوں کو کیا سمجھتے ہیں اور یہ اندر سے کیا ہیں؟''

''عامر!'' انوشی نے قہر بھری آواز میں کہا......''تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں۔ میرے اشارے پر اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بج سکتی ہے۔ مجھے میرے پیاسے جذبات نے دھوکہ دیا اور میں تمہاری محبت کے نشے میں اپنے فرائض فراموش کر بیٹھی اور تم اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ پھر بھی میرے دِل میں تمہاری محبت ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ تم میرے کمرے میں زندہ اور سلامت ہو۔ میں اگر چاہتی تو اس وقت تم قید خانے کی اُس کوٹھڑی میں بے ہوش پڑے ہوتے جہاں اذیتوں کے بعد غداروں اور جاسوسوں کو ڈال دیا جاتا ہے۔ میں نے تمہیں اس جہنم سے بچا لیا ہے۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم نے میرے سینے سے راز نکال کر اس اجنبی کو دیئے ہیں اور وہ قاہرہ چلا گیا ہے۔ میرا خلوص اور میری محبت دیکھو کہ میں نے اس آدمی کو نکل جانے کی مہلت دی۔ میں اُسے اُسی وقت پکڑوا سکتی تھی مگر تمہاری محبت نے میرا زہر چوس لیا ہے''......اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔''میں جواتنا دِل نشیں دھوکہ ہوں، دھوکے کا شکار ہو گئی ہوں۔ تم جیت گئے۔ سچ کہہ دو عامر، سچ کہہ دو''۔

''ہاں انوشی!'' عامر نے کہا......''تم نے اپنا فرض ادا کیا ہے، میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ تم مجھے قید خانے میں بند کرا دو''۔

''انوشی کے آنسو بہہ نکلے تھے لیکن اُس نے قہقہہ لگایا اور کہا۔''بس اتنی سی بات پوچھنی تھی جو تم نے بتا دی ہے۔ تمہیں کوئی قید میں نہیں ڈال سکتا۔ اب میں بھی اس خوش نما پنجرے سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ تم شراب نہیں پیتے۔ میں تمہیں بادشاہوں کا شربت پلاؤں گی''۔

وہ اُٹھی اور اُس میز کے پاس جا کھڑی ہوئی جس پر صراحی رکھی تھی۔ اس کی پیٹھ عامر کی طرف تھی۔ انوشی نے دو پیالے اپنے سامنے رکھے۔ ناخن سے انگوٹھی کے ساتھ جڑی ہوئی ڈبیہ کھولی۔ اس میں جو سفوف تھا، وہ کچھ ایک پیالے میں اور باقی دوسرے پیالے میں ڈال دیا۔ عامر نہ دیکھ سکا۔ انوشی نے دونوں پیالوں میں صراحی سے مشروب ڈالا۔ ایک پیالہ عامر کو دے دیا، ایک اپنے ہاتھ میں رکھا۔

''سونگھ لو''۔ انوشی نے کہا......''یہ شراب نہیں شربت ہے۔ یہ میری محبت کا جام ہے۔ پی لو''۔ اس نے پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا۔ عامر نے بھی پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا۔ دونوں نے پیالے خالی کر دیئے۔ انوشی نے اس کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا اور دونوں پیالے پرے پھینک کر بازو عامر کے گلے میں ڈال دیئے۔ اپنے رخسار اس کے گالوں سے رگڑتی ہوئی بولی......''اب ہم آزاد ہیں''۔

انوشی اُچک کر عامر سے الگ ہو گئی اور بولی۔''تم بھی غنودگی محسوس کر رہے ہو؟''

''ہاں!'' عامر نے جواب دیا......''میں گہری نیند سے اُٹھ کر آیا ہوں۔ نیند پریشان کر رہی ہے''۔

''اب ہم دونوں اتنی گہری نیند سوئیں گے کہ ہمیں کوئی جگا نہیں سکے گا''۔ انوشی نے ایسی آواز میں کہا جس میں غنودگی کا نمایاں اثر تھا۔ کہنے لگی۔''میں تم سے زیادہ تھکی ہوئی ہوں۔ گناہوں نے تھکا دیا ہے''......اس کا سر ڈولنے لگا۔ اُس نے سنبھل کر کہا......''زیادہ باتوں کا وقت نہیں عامر! تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ اب ہم اگلے جہان میں اکٹھے اُٹھائے جائیں گے۔ میں اپنا فرض ادا کر چکی ہوں، تم اپنا فرض ادا کر چکے ہو۔ میں نے اس شربت میں وہ زہر ملایا تھا جو مجھ جیسی لڑکیوں کو دے کر پردیس بھیجا جاتا ہے۔ یہ ضرورت کے وقت کے لیے دیا جاتا ہے۔ اس سے کوئی تکلیف اور تلخی محسوس نہیں

ہوتی۔ بڑی میٹھی غنودگی میں انسان ہمیشہ کی نیند سو جاتا ہے۔ میں اس لیے زندہ نہیں رہنا چاہتی کہ زندہ رہی تو تمہیں سزا دلا دوں گی۔ تمہیں اس لیے زندہ نہیں رہنے دیا کہ کوئی اور لڑکی یہ نہ کہے کہ عامر کو اُس سے محبت ہے''۔

عامر بن عثمان لیٹ گیا تھا، جیسے وہ انوشی کی باتیں سن ہی نہیں رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ انوشی کا سر ڈول رہا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے تک گئی۔ خادمہ دروازے کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔ اُسے اندر بلا کر کہا......

''ہم دونوں نے زہر پی لیا ہے۔ سب کو بتا دینا کہ ہم نے خود زہر پیا ہے۔ کسی اور نے نہیں پلایا۔ کوئی صلیبی ملے تو اُسے بتا دینا کہ سوڈان کی پری اپنا فرض ادا کر کے مری ہے''۔

اُس کی آواز دب گئی۔ وہ گرتی گرتی عامر تک پہنچی۔ خادمہ دوڑتی باہر نکلی۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں کئی لوگ آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ عامر بن عثمان پلنگ پر چت پڑا ہے اور انوشی اس کے ساتھ لگی اس طرح لیٹی ہوئی ہے کہ اس کا سر عامر کے سینے پر اور اس کا ایک ہاتھ عامر کے سر پر تھا جس کی انگلیاں بالوں میں اُلجھی ہوئی تھیں۔ دونوں مرے ہوئے تھے۔

☆

اُس وقت اسحاق ترک موصل سے جا چکا تھا۔ انوشی نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اجنبی سلطان ایوبی کا جاسوس ہو سکتا ہے، اُس کا تعاقب نہ کیا، نہ گرفتار کرانے کی سوچی۔ اُس نے زندگی کی یہ چند ہی ساعتیں روحانی سکون پایا تھا جو اُس نے عامر کے ساتھ پیار کے دھوکے میں گزاری تھیں۔ اس نے اس پیار کا صلہ یہ دیا کہ اسحاق کو جانے دیا۔

اسحاق ترک قاہرہ سے ابھی کئی دنوں کی مسافت جتنا دُور تھا کہ اس کے گھوڑے کو سانپ نے ڈس لیا۔ اس حادثے کی تفصیلات اس کہانی کی پچھلی قسط میں سنائی جا چکی ہیں۔ مندرجہ بالا واقعات اس حادثے سے پہلے کے ہیں، یہ واضح کرنے کے لیے سنانا ضروری تھے کہ اسحاق ترک کتنی اہم اطلاعات لے کر قاہرہ جا رہا تھا۔ اسلام کی عزت اور بے عزتی کا دارومدار اس پر تھا کہ یہ اکیلا مجاہد اتنے وسیع اور ایسے ظالم صحرا سے گزر کر قاہرہ بروقت پہنچتا ہے یا نہیں، مگر اُس کے گھوڑے کو سانپ نے ڈس کر مار دیا اور یہ سوار صحرا کے مظالم سے بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آیا تو وہ صلیبیوں کے خیمے میں پڑا تھا جہاں دو صلیبی لڑکیاں بھی تھیں۔ ایک کا نام میرینا اور دوسری کا باربرا تھا۔ یہ تفصیلات پچھلی قسط میں پڑھ لیں تا کہ وہ واقعات ایک بار پھر آپ کے ذہن میں تازہ ہو جائیں۔

اسحاق ترک بے ہوشی میں بڑبڑا تا رہا تھا جس سے صلیبیوں کی اس ٹولی پر ظاہر ہو گیا کہ یہ مسلمان جاسوس ہے اور کوئی اہم خبر لے کر قاہرہ لے جا رہا ہے۔ دونوں لڑکیوں، میرینا اور باربرا کی آپس میں رقابت تھی۔ دونوں اپنے کمانڈر کو چاہتی تھیں اور کمانڈر باربرا کو محبت کا دھوکہ دے کر میرینا کے ساتھ گہری دوستی لگائے ہوئے تھا۔ باربرا نے انتقام لینے کے لیے اسحاق کو چوری چھپے بتا دیا کہ وہ صلیبی جاسوسوں کے جال میں آ گیا ہے۔ اسحاق اس جال میں ایسی بُری طرح آیا کہ اُس نے اعتراف کر لیا کہ وہ سلطان ایوبی کا جاسوس ہے اور حلب سے آیا ہے۔ صلیبیوں کے سربراہ نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا خبر لے جا رہا ہے؟ اسحاق نے بتایا کہ خبر صرف اتنی سی ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ رضیع خاتون نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ صلیبی سربراہ نے کہا کہ یہ خبر پرانی ہو گئی ہے اور اب سلطان ایوبی شام کی طرف پیش قدمی کرنے والا ہے۔

اس صلیبی نے اسحاق ترک سے کہا کہ وہ صلیبیوں کے لیے جاسوسی کرے اور یہ بھی بتائے کہ وہ کیا راز لے کے جا رہا تھا اور بیروت میں جو مسلمان جاسوس ہیں، وہ کون کون ہیں اور کہاں کہاں ہیں اور اگر وہ نہیں بتائے گا تو اُسے صلیبی علاقے میں جا کر کسی قید خانے کے تہہ خانے میں بند کر دیا جائے گا۔ اسحاق نے یہ سوچ کر ہتھیار ڈال دیئے کہ وہ ان کی

حراست سے فرار کی کوشش کرے گا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ صلیبیوں کے لیے جاسوسی کرے گا۔ اس سے یہ بھی پوچھا جا رہا تھا کہ وہ کیا راز لے کے جا رہا ہے۔ اس نے چند ایک باتیں گھڑ لیں جو زیادہ تر شام کے مسلمان اُمراء سے تعلق رکھتی تھیں۔ بیروت کے متعلق اس نے بے خبری کا اظہار کر دیا اور یہ بھی کہا کہ اُسے بیروت کے راستے کا بھی علم نہیں۔

جیسا کہ پچھلی قسط میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ صلیبی جاسوسوں اور تخریب کاروں کی پارٹی تھی۔ اس کے ساتھ ان کے محافظ بھی تھے اور دو لڑکیاں۔ اس پارٹی کی نفری آٹھ نو تھی۔ یہ قاہرہ سے بیروت کو واپس جا رہے تھے۔ ان کے سربراہ نے اسحاق کو بتایا تھا کہ وہ رات کو روانہ ہو رہے ہیں۔ اسحاق نے جب یہ سنا کہ وہ بیروت جا رہے ہیں تو وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ وہاں اُس کی ملاقات اپنے نائٹ سے بھی ہو سکتی تھی لیکن یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا، اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ اُسے سلطان ایوبی کو بالڈون کی فوج کا ڈیپلائے بتانا تھا اور اُسے خبردار کرنا تھا کہ وہ بیروت کا محاصرہ ترک کر دے۔ اس کے بعد اسحاق جان دینے کے لیے تیار تھا مگر وہ قیدی بن چکا تھا اور نہتہ تھا۔

رات کو اس قافلے نے وہاں سے کوچ کیا۔ اسحاق کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ کر ایک اونٹ پر سوار کر دیا گیا تھا۔ اس اونٹ پر سامان بھی لدا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کا یہ جاسوس بیروت سے قاہرہ کو روانہ ہوا تھا مگر قاہرہ پہنچے بغیر بیروت کو واپس جا رہا تھا۔ مسافت بڑی ہی لمبی تھی۔ اسحاق ترک اس اُمید پر جا رہا تھا کہ فرار کی کوئی صورت پیدا کر لے گا۔

☆

''میں اب ایک دن بھی انتظار نہیں کر سکتا''۔ صلاح الدین ایوبی اپنے سالاروں سے کہہ رہا تھا ... ''فوج تیاری کی حالت میں ہے۔ اس حالت میں فوج کو زیادہ عرصہ رکھنا مناسب نہیں ہوتا۔ سپاہیوں کے اعصاب تھک جاتے ہیں۔ یہ کیفیت جنگ کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میں صلیبیوں کو تیاری کی حالت میں دبوچ لینا چاہتا ہوں۔ ہم جب بھی لڑے اپنے علاقوں میں لڑے ہیں اور اسی پہ خوش ہوئے کہ ہم نے دشمن کو پسپا کر دیا ہے۔ دشمن ہماری ہی زمین پر حملہ آور ہوا اور پسپا ہو کر ہماری ہی زمین پر رہا۔ اب میرا ہر اقدام جارحانہ ہوگا۔ فرنگی فوج بیروت میں ہے۔ مجھے اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اگر بالڈون نے کوئی نقل و حرکت کی ہوتی تو اطلاع آ جاتی۔ میرا قیاس یہ ہے کہ وہ اور دوسرے صلیبی ہمارے مسلمان اُمراء کو اپنا حمایتی اور ہمارا دشمن بنانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ وہ ایک بار پھر ہمیں خانہ جنگی میں اُلجھائیں گے۔ وہ زمین دوز کارروائیوں میں لگے رہیں۔ ہم بیروت کو محاصرے میں لیں گے اور اللہ کی مدد شاملِ حال رہی تو یہ عظیم شہر ہمارے قبضے میں آ جائے گا''۔

سالاروں کے اس اجلاس میں سلطان ایوبی کی بحریہ کا امیر البحر بھی موجود تھا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے اس کا نام حسام الدین لولوع لکھا ہے۔ یہ بحری جنگ کا ماہر اور غیر معمولی طور پر قابل امیر البحر مانا جاتا تھا۔ بیروت چونکہ بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع تھا، اس لیے سلطان ایوبی محاصرہ مکمل کرنے کے لیے سمندر کی طرف سے بھی فوج بھیجنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

''جن دستوں کو بحری جہازوں سے جانا اور ساحل پر اُترنا ہے، وہ سکندریہ پہنچ چکے ہیں۔ حسام الدین کو ہدایات دی جا چکی ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''سمندر سے جانے والے دستے جلدی منزل پر پہنچ جائیں گے، اس لیے یہ کچھ دن بعد روانہ ہوں گے، تاکہ خشکی والے دستے پہنچ جائیں، سمندری دستے ساحل پر اُتریں گے۔ تیز رفتار قاصد ہمیں اُترنے کی اطلاع دیں گے۔ شہر پر اُن کی یلغار طوفانی ہوگی۔ اگر فرنگیوں نے ہتھیار نہ ڈالے تو آپ سب کو اجازت ہوگی کہ شہر کو تباہ و

برباد کردیں۔عورت، بچے، بوڑھے اور مریض پر ہاتھ نہیں اُٹھایا جائے گا۔انہیں پناہ میں لیا جائے گا۔فوجیوں کو ہلاک نہیں، قید کیا جائے گا۔کسی صورت میں لوٹ مار نہیں ہوگی۔آپ سب کو اجازت ہوگی کہ ان احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو موقعہ پر قتل کردیں، خواہ وہ کتنے ہی اونچے عہدے کے عسکری کیوں نہ ہو۔خشکی کی طرف جانے والے دستوں کی پیش قدمی امن کے انداز سے نہیں، جنگی رفتار سے ہوگی۔پڑاؤ بغیر خیموں کے ہوں گے۔کوئی سامان کھولا نہیں جائے گا۔سب کو پانی محدود مقدار میں ملے گا۔کھانا پکایا نہیں جائے گا۔کھجوروں وغیرہ کا ذخیرہ ساتھ جارہا ہے۔جانوروں کو پوری خوراک دی جائے گی"۔

سلطان نے چادر جتنے چوڑے کپڑے پر قاہرہ سے بیروت تک کا نقشہ تیار کرا رکھا تھا جو اُس نے دیوار کے ساتھ لٹکایا اور پیش قدمی کے راستے پر اُنگلی چلاتے ہوئے کہا۔"یہ ہوگا ہمارا پیش قدمی کا راستہ"۔اجلاس کی خاموشی اور زیادہ گہری ہوگئی۔سلطان ایوبی نے سب کے چہروں کو دیکھا اور مُسکرا کر بولا......"خاموش کیوں ہو؟ کہتے کیوں نہیں کہ ہم دشمن کے علاقوں میں سے گزر کر جارہے ہیں...... میرے دوستو! ہم احتیاط کے اصولوں پر جنگ لڑتے رہے ہیں۔پیش قدمی سے پہلے ہم پہلوؤں کی حفاظت اور پسپائی کا راستہ دیکھتے رہے ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ صلیبی فلسطین پر قابض ہیں اور وہ دمشق اور بغداد پر قابض ہوکر مکہ اور مدینہ منورہ کی طرف بڑھنے کے منصوبے بنائے ہوئے ہیں۔زیاد کا بیٹا طارق سمندر سے دور مصر کے ساحل پر بیٹھا رہتا تو یورپ تک اسلام کا پرچم کبھی نہ پہنچتا۔قاسم کا بیٹا محمد اس قدر خطرناک اور اس قدر لمبی مسافت طے کرکے ہندوستان پہنچا تھا جس سے تاریخ کے ورق بھی پھڑ پھڑا اُٹھے تھے۔صلیبی بہت دُور سے ہماری سرزمین میں آئے تھے۔اگر آپ اسلام کی سربلندی چاہتے ہیں تو ہمیں آگ میں سے گزرنا ہوگا۔اگر صرف حکومت کرنی ہے تو آؤ مصر اور شام کو ٹکڑوں میں بانٹ لیں اور بادشاہ بن کے بیٹھ جائیں۔پھر اپنی اپنی بادشاہی کو قائم رکھنے کے لیے صلیبیوں اور یہودیوں سے مدد لیتے رہیں گے اور اپنا دین وایمان ان کے پاس گروی رکھ دیں گے"۔

"محترم سلطان!" ایک سالار نے اُٹھ کر کہا......"ہم احکام اور ہدایات کے منتظر ہیں۔ہم میں سے کوئی بھی اس سے خوف زدہ نہیں کہ ہم دشمن کے علاقوں سے گزریں گے۔ہمیں یہ بتائیے کہ ان علاقوں سے گزرتے ہماری ترتیب کیا ہوگی؟ کیا ہر دستہ اپنی حفاظت خود کرے گا؟"

"نہیں!" سلطان ایوبی نے کہا......"میں انہی ہدایات کی طرف آرہا تھا۔ہر دستہ اپنی پیش قدمی جاری رکھے گا۔دائیں بائیں، آگے اور پیچھے جو کچھ ہوتا رہے، اس کی طرف آپ دھیان نہیں دیں گے۔رسد اکٹھی نہیں جارہی۔اسے کئی حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے تاکہ دشمن اسے تباہ نہ کرسکے۔ساری فوج کی حفاظت چھاپہ مار جیش کریں گے۔چھاپہ ماروں کے سالار صارم مصری یہاں موجود ہیں۔انہیں بہت پہلے ہدایات دے دی گئی تھیں۔انہوں نے چھاپہ ماروں کو تربیت اور مشق دے لی ہے۔باقی سب اپنی نظریں بیروت پر رکھیں گے"۔

سلطان ایوبی نے ہر قسم کی ہدایات دے کر کہا......"کوچ آج رات کے پہلے پہر ہوگا اور سب سے ضروری احتیاط یہ کرنی ہے کہ اس کمرے سے باہر کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہماری منزل کیا ہے۔سپاہیوں اور کمان داروں تک کے کان میں نہ پڑے کہ ہم کہاں جارہے ہیں"۔

سلطان ایوبی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ بیروت میں اس کے استقبال کا انتظام کردیا گیا ہے اور وہ فرنگیوں کو بے خبری میں شاید نہ دبوچ سکے۔

رات کو جب فوج کوچ کررہی تھی، سلطان ایوبی اپنی ہائی کمان کے سالاروں کے ساتھ راستے میں کھڑا ہر دستے

کی سلامی لے رہا اور دُعائیں دے رہا تھا۔ اُس کے پاس اُس کے ایک بیٹے کا بزرگ اتالیق بھی کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی اساتذہ اور علماء کی بہت قدر کیا کرتا تھا۔ محمد فرید ابوحدید کی تحریر کے مطابق جب فوج کا آخری دستہ بھی چلا گیا تو سلطان ایوبی بھی روانہ ہونے لگا۔ اس کے بیٹے کے اتالیق نے عربی کا ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یوں ہے۔

''آج نجد کے پھول عرار کی خوشبو سے لطف اُٹھالو۔ شام کے بعد یہ پھول نہیں ملا کرتا''

یہ مصری وقائع نگار لکھتا ہے کہ اُس وقت تک سلطان ایوبی کا مزاج ہشاش بشاش تھا مگر یہ شعر سن کر اُس پر اداسی طاری ہوگئی۔ اس نے بوقتِ رخصت اس شعر کو بدشگونی سمجھا۔ وہ فوج کے پیچھے روانہ ہوگیا۔ راستے میں اُس نے اپنے سالاروں سے کہا..... ''اس بزرگ سے مجھے توقع تھی کہ الوداعی کے وقت دُعا دیں گے۔ انہوں نے ایسا شعر سنا دیا ہے جس نے میرے دل پر بوجھ ڈال دیا ہے''...... اور ہوا بھی یہی کہ اس روانگی کے بعد سلطان ایوبی مصر آ ہی نہ سکا۔ اس کی باقی عمر سرزمین عرب پر جنگ و جدل میں ہی گزر گئی۔ مصر والوں کو عرار کا یہ پھول پھر کبھی نظر نہ آیا۔

مصر سے سلطان کی روانگی مئی ۱۱۸۲ء میں ہوئی تھی۔

☆

صحرا کا وہ خطہ بڑا ہی ہولناک تھا جہاں صلیبی جاسوسوں اور تخریب کا قافلہ داخل ہوگیا تھا۔ اسحاق ترک اُن کا قیدی تھا لیکن اب اُس کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں تھے۔ دو دن اور دو راتیں اُس کے ہاتھ کھانے کے وقت کے سوا ہر وقت بندھے رہتے تھے۔ اُس نے اس پارٹی کے سربراہ سے کہا تھا کہ وہ بھاگ نہیں سکتا۔ بھاگ کر جائے گا کہاں۔ پاپیادہ تو وہ کہیں جا نہیں سکتا۔ بڑی مشکل سے دو کوس چلے گا اور صحرا اُسے اسی طرح بے ہوش کر کے ختم کر دے گا جس طرح وہ بے ہوش ہو کر پکڑا گیا تھا۔ سربراہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے ہاتھ کھول دیئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ اس پر نظر رکھیں۔

اسحاق ترک نے اُن پر اعتماد جما لیا۔ اُس نے سلطان ایوبی اور دوسرے مسلمان حکمرانوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا۔ اُس نے صلیبی سربراہ کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ ان کا جاسوس بن جائے گا مگر اس سے جب یہ پوچھتے تھے کہ وہ کیا راز لے کر جا رہا تھا تو وہ صحیح جواب نہیں دیتا تھا۔

دو صلیبی لڑکیوں کی رقابت بدستور چل رہی تھی۔ میرنیا اپنے سربراہ کی منظورِ نظر تھی اور باربرا کو سربراہ نے اس حد تک دھتکار دیا تھا کہ اُس کے ساتھ جو بھی بات کرتا طنزیہ انداز سے کرتا تھا۔ باربرا بجھ کے رہ گئی تھی میرنیا اس کوشش میں تھی کہ وہ اسحاق ترک کے سینے سے وہ راز نکال لے جو وہ قاہرہ لے کے جا رہا تھا۔ اس دلکش لڑکی نے راتوں کو اسحاق کے پاس بیٹھ کر اُس کے جذبات کو مشتعل کرنے کا ہر داؤ آزما لیا لیکن اسحاق پتھر کا بُت بنا رہا۔ باربرا کی خواہش یہ تھی کہ اسحاق میرنیا کو کچھ بھی نہ بتائے۔ پارٹی کے سربراہ کے بعد کا رتبہ مارٹن نام کے ایک آدمی کا تھا۔ یہ آدمی باربرا کو چاہتا تھا مگر باربرا نے اُسے بُری طرح دھتکار دیا تھا۔ وہ اس لڑکی کو دھمکیاں بھی دے چکا تھا کہ اُس نے قاہرہ میں جو غلطیاں کی ہیں، اُن کی سزا دلائے گا۔ یہی دھمکی اُسے سربراہ بھی دے چکا تھا۔ وہ مایوس تو تھی ہی، اب خوف زدہ بھی رہنے لگی تھی۔

باربرا کا خون اُس وقت کھولتا تھا جب میرنیا اُس کے ساتھ طنزیہ بات کرتی تھی۔ ایک روز اس نے باربرا سے کہا ''باربرا! تم اس کام کے قابل نہیں ہو۔ تمہاری کھوپڑی میں دماغ ہے ہی نہیں۔ تم کسی قحبہ خانے میں ناچنے اور گانے والی عورت ہو۔ میرا کمال دیکھو۔ صحرا میں بھی ایک مسلمان جاسوس پکڑ رہی ہے۔ یہ میرا شکار ہے۔ تم اس کے قریب نہ جانا۔ بیروت میں اس کا مجھے انعام ملے گا''۔

باربرا جل اُٹھی۔ اُس رات اُس کا دماغ جیسے جواب دے گیا۔ مارٹن تو اُس کے پیچھے پڑا ہی رہتا تھا۔ اُس رات وہ خود مارٹن کے پاس گئی اور اُسے کہا کہ وہ میرنیا سے انتقام لینا چاہتی ہے۔ اُس نے اس خوف کا اظہار بھی کیا کہ بیروت پہنچ کر اُسے سزا ملے گی کیونکہ قاہرہ میں اُس سے اپنی زمین دوز سرگرمیوں میں کوتاہی ہوئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو بے بس اور تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ مارٹن سے مدد، ہمدردی اور پناہ مانگ رہی تھی۔ مارٹن تو اس کا شیدائی تھا۔ اُس نے باربرا سے مدد کا معاوضہ یہ مانگا کہ اُسی کی ہو جائے۔ باربرا کون سی شریف لڑکی تھی۔ وہ مان گئی۔ گناہوں میں پلی ہوئی اور گناہوں کی تربیت یافتہ لڑکی کے لیے یہ معاوضہ جو مارٹن نے مانگا تھا کوئی زیادہ نہیں تھا...... مارٹن نے فوراً ایک ترکیب سوچ لی اور باربرا کو بتادی۔ اس پر عمل درآمد کے لیے اگلی رات مقرر کی گئی۔

اگلی رات جہاں قیام کیا گیا، وہ صحرا کا بڑا ہی ہولناک خطہ تھا۔ دُور دُور تک عجیب و غریب شکلوں کے ٹیلے کھڑے تھے۔ بعض ستونوں اور میناروں جیسے تھے۔ بعض ٹیڑھی ٹیڑھی دیواروں کی طرح اور کچھ جانوروں کی شکلوں کے بھی تھے۔ یہ ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ پانی اور سبزے کا وہاں نام و نشان نہ تھا۔ رات کو یہ ٹیلے یوں نظر آتے تھے جیسے دیو کھڑے ہوں۔ اس خطے میں قافلہ شام کا اندھیرا پھیل جانے کے بعد رُکا۔ مارٹن نے اندھیرے سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ اپنا گھوڑا اپنے خیمے کے ساتھ باندھا اور زین اُتار کر اس کے قریب رکھ دی۔

اسحاق کے لیے الگ خیمہ تھا جو مارٹن نے اپنے قریب نصب کرایا تھا۔ اسحاق کے متعلق اب سربراہ بھی مطمئن ہو گیا تھا۔ رات گھوڑوں اور اونٹوں کے اِردگرد محافظ سوتے تھے۔ ایسا امکان نہیں تھا کہ اسحاق گھوڑا کھول لے گا۔ کسی کو پتہ چلے بغیر زین کس لے گا اور بھاگ نکلے گا...... قافلے والے تھکے ہوئے تھے۔ سب سو گئے۔ اسحاق بھی سو گیا۔ آدھی رات کو کسی کے آہستہ آہستہ ہلانے پر وہ جاگ اُٹھا اور سرگوشی سنائی دی...... ''اُٹھو، ساتھ والے خیمے کے پاس گھوڑا کھڑا ہے۔ زین پاس پڑی ہے۔ دیر نہ کرو، بھاگو''۔

''کون ہو تم!''

''باربرا!'' لڑکی نے جواب دیا...... ''مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ مجھے تم سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ یہ میں ہی تھی جس نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم سب صلیبی جاسوس ہیں اور تمہیں غلط بتایا جا رہا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ وقت ضائع نہ کرنا۔ سب سوئے ہوئے ہیں۔ جلدی اُٹھو۔ گھوڑے والے خیمے سے بائیں طرف ہو جانا۔ آگے راستہ صاف ہے۔ میں اپنے خیمے میں جاتی ہوں''۔

باربرا اپنے خیمے میں چلی گئی، وہاں کمان پڑی تھی۔ اُس نے کمان اور تیروں کی ترکش اُٹھائی اور خیمے سے باہر نکل کر اُس راستے کے قریب بیٹھ گئی جو اس نے اسحاق کو فرار کے لیے بتایا تھا۔ اسحاق نے بڑی تیزی سے گھوڑے پر زین ڈال کر کس لی۔ گھوڑا کھولا اور دبے پاؤں چل پڑا۔ ریت پر گھوڑے کے قدموں کی آہٹ نہیں تھی۔ سب سوئے ہوئے تھے۔ خیمے سے ذرا دُور جا کر وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ کچھ اور آگے جا کر اُس نے ایڑ لگائی۔ صحرا کی خاموش اور خنک رات میں کمان کی ''ٹنگ'' سنائی دی اور ایک تیر اسحاق کی پیٹھ میں اُتر گیا۔ فوراً بعد دوسرا تیر آیا اور یہ بھی اُس کی پیٹھ میں لگا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی کا شور سنائی دی...... ''بھاگ گیا، بھاگ گیا۔ اُٹھو، جاگو''۔

سب جاگ اُٹھے۔ مشعلیں جلائی گئیں۔ باربرا شور بپا کیے ہوئے تھی کہ قیدی بھاگ گیا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کمان تھی۔ بہت جلدی گھوڑے دوڑا دیے گئے۔ انہیں زیادہ دُور نہ جانا پڑا۔ اسحاق کو دو تیروں نے گھوڑے سے گرا دیا تھا اور

گھوڑا کچھ دور کھڑا تھا۔ تیر قریب سے چلائے گئے تھے، اس لیے جسم میں گہرے اُتر گئے تھے۔ اسحاق ابھی ہوش میں تھا۔ اُسے اُٹھا کر لے آئے۔ سربراہ نے اُس سے پوچھا کہ اُسے بھاگنے میں کسی نے مدد دی تھی؟ اس نے جواب دیا..... ''نہیں۔ میں نے گھوڑا اور زین دیکھی۔ سب سوگئے تھے۔ میں بھاگ اُٹھا''..... اُس کے فوراً بعد وہ غشی میں چلا گیا اور غشی ہی میں شہید ہو گیا۔

''میں نے اُسے گھوڑے پر سوار ہوتے اور بھاگتے دیکھا تھا''۔ بار برا نے کہا..... ''اتفاق سے کمان اور ترکش میرے خیمے میں تھی۔ میں نے اُٹھائی اور اُس کے پیچھے دوڑی۔ یکے بعد دیگرے دو تیر چلائے۔ دونوں اُسے لگ گئے، ورنہ یہ نکل گیا تھا''۔

''آج ہی یہ اتفاق کیوں ہوا کہ کمان اور ترکش تمہارے خیمے میں تھی؟'' میرینا نے باربرا سے پوچھا۔

''اور مارٹن! یہ گھوڑا تمہارا تھا''۔ سربراہ نے کہا..... ''یہ کہاں تھا اور زین کہاں تھی؟''

''یہ گھوڑا قیدی کے خیمے کے قریب بندھا تھا''۔ ایک محافظ نے کہا

''تم میرے اس کارنامے پر مٹی ڈالنا چاہتے ہو؟'' باربرا نے غصے سے کہا..... ''یہ کوئی اہم راز قاہرہ لے جارہا تھا۔ میں نے اُسے صرف بھاگنے سے نہیں روکا بلکہ ایک راز قاہرہ پہنچنے سے روکا ہے''۔

یہ دراصل مارٹن کا تیار کیا ہوا ڈرامہ تھا کہ اسحاق کو بھاگنے کی سہولت دو اور باربرا گھات میں بیٹھ کر اُس پر تیر چلائے تاکہ یہ کارنامہ باربرا کے کھاتے میں لکھا جائے، مگر اُن کا سربراہ تجربہ کار جاسوس اور سراغ رساں تھا۔ اس نے مارٹن اور باربرا کو گہری نظروں سے دیکھا اور کہا..... ''مارٹن! میں اس پیشے میں تم سے بہت عرصہ پہلے آیا تھا۔ بیروت پہنچنے تک تم اور باربرا کوئی بہتر جواب سوچ لو''۔

یہ ان لوگوں کی ذاتی رقابت اور دوستی دشمنی کی سیاست تھی جس کا شکار سلطان ایوبی کا ایک بڑا ہی قیمتی جاسوس ہو گیا۔

☆

سلطان ایوبی کی پیش قدمی بہت تیز تھی۔ اُس کی فوج آدھی سے زیادہ مسافت طے کر کے اس علاقے میں داخل ہو گئی تھی جس پر صلیبیوں کا سایہ پڑا ہوا تھا۔ اُس جگہ تک فوجیوں کا حلیہ ایک جیسا تھا۔ گرد کی تہوں میں کسی کا چہرہ پہچانا نہیں جاتا تھا مئی کا مہینہ تھا۔ جب صحرا لوہے کی طرح تپ رہا تھا۔ سب نے منہ سر کپڑوں میں لپیٹ رکھے تھے۔ کوئی بھی اجازت کے بغیر پانی نہیں پی سکتا تھا۔ دستے ترتیب میں نہیں رہے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے سواروں نے پیادوں کو باری باری گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار کرنا شروع کر دیا۔ فضا جل رہی تھی..... اور ایک گونج دُور دُور تک سنائی دے رہی تھی..... ''لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ''..... کبھی چند سپاہی مل کر کوئی ترانہ گاتے تھے اور فوج جنون اور وجد کی کیفیت میں چلی جارہی تھی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی فوج کے درمیان جارہا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو بھی پانی پینے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اُس نے گھوڑے سے ذرا اوپر اُٹھ کر دیکھا اور گھوڑے کا رُخ بدل کر ایڑ لگا دی۔ اس کی ہائی کمان کے سالار اور دیگر عملہ جس میں تیز رفتار قاصد تھے، اُس کے پیچھے گئے۔ آگے وہی علاقہ تھا جہاں اسحاق ترک شہید ہوا تھا۔ ذرا وانی شکلوں کے ٹیلے تھے۔ سلطان ایوبی نے ان ٹیلوں کے درمیان جا کر گھوڑا روک لیا اور چھاپہ مار دستوں کے کمانڈر صارم سے کہا.....

''صارم دوست! یہاں سے تمہارا کام شروع ہوتا ہے۔ اپنے دستوں کو پھیلا دو۔ ہر جیش دوسرے سے دُور رہے۔ آگے جانے والے جیش فوراً چلے جائیں''۔

''اور باقی فوج اسی طرح چلتی رہے۔'' صارم مصری کے جانے کے بعد سلطان ایوبی نے دوسروں سے کہا.....

''کچھ ہی ہو جائے فوج پیش قدمی جاری رکھے۔ ہم دشمن کے علاقے میں آ گئے ہیں''۔

احکام اور ہدایات دے کر سلطان ایوبی نے گھوڑا آہستہ آہستہ چلایا۔ اُسے ایک طرف زمین پر ایسے آثار نظر آئے جیسے یہاں کوئی مسافر رُکے ہوں۔ وہیں ایک لاش پڑی نظر آئی جو ریت میں دبی ہوئی تھی، لیکن نظر آتی تھی۔ سلطان رُک گیا۔ لاش کھائی ہوئی تھی۔ ہڈیاں نظر آ رہی تھی۔ ایک آدمی نے اس ڈھانچے کو سیدھا کیا۔ پیٹھ پر دو تیر لگے ہوئے تھے۔ چہرے کا گوشت سوکھ گیا تھا۔

''جانے دو''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''کسی قافلے کا مقتول معلوم ہوتا ہے۔ صحرا میں آ کر انسان پاگل ہو جاتے ہیں''۔

سلطان ایوبی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ اُس کا اپنا قابلِ اعتماد جاسوس اسحاق ترک تھا جو اُسے یہ بتانے آ رہا تھا کہ بیروت نہ جانا۔ صلیبیوں نے وہاں اپنی فوج کو جس طرح پھیلا رکھا تھا، اس کا نقشہ اُس نے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا...... اسحاق کی ہڈیوں کا پنجر اُسے کچھ بھی نہ بتا سکا۔

چھاپہ مار جیش اس طرح پھیل گئے کہ پیش قدمی کرتی ہوئی فوج کے پہلوؤں میں دو تین میل دُور تک چلے گئے۔ چند ایک جیش ہراول سے بھی آگے نکلے گئے اور عقب میں بھی چلے گئے۔ اُن کی جنگ بیروت سے دُور ہی سے شروع ہوگئی۔ اس دراوٗ نے علاقے سے آگے نکل گئے تو رات آ گئی۔ فوج چلتی رہی۔ آدھی رات کے قریب پڑاؤ کا حکم ملا۔ فوج رُک گئی لیکن چھاپہ مار متحرک اور سرگرم رہے۔ اُن کے لیے احکام یہ تھے کہ کوئی مشکوک آدمی نظر آئے اور وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے ہلاک کر دو۔ کوئی قافلہ دیکھو تو اُسے بھی روک لو اور فوج بہت دُور آگے نکل جائے تو اُسے چلنے کی اجازت دو۔

فوج چلتی رہی۔ رُکتی رہی۔ سورج طلوع ہوتا، مجاہدوں کے اس قافلے کو جھلساتا اور غروب ہوتا رہا اور سلطان کو پہلی اطلاع ملی کہ صلیبیوں کی سرحد کی ایک چوکی پر اپنے چھاپہ ماروں نے شب خون مار کر سب کو ختم کر دیا ہے۔ ریگزار ختم ہوتا جا رہا تھا۔ درخت بھی نظر آنے لگے تھے اور کہیں کہیں سبزہ بھی دکھائی دیتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی نظر آنے لگے تھے۔

بیروت میں بالڈون اپنے مختلف فوجی شعبوں سے رپورٹیں لے رہا تھا۔ اُس کے پاس ابھی وہی اطلاع تھی کہ سلطان ایوبی بیروت کا محاصرہ کرے گا۔ اُس نے اس کا انتظام تو کر لیا تھا لیکن اُسے اس سے آگے کوئی اطلاع نہیں مل رہی تھی کہ سلطان ایوبی نے قاہرہ سے کوچ کیا ہے یا نہیں۔ اس دوران جاسوسوں کا یہ قافلہ بھی بیروت پہنچ گیا تھا جس نے اسحاق ترک کو پکڑا اور مارا تھا۔ یہ قافلہ بھی بالڈون کو کوئی خبر نہ دے سکا۔ بالڈون نے دیکھ بھال کے لیے بیس پچیس گھوڑ سواروں کا ایک جیش آگے بھیجا تھا۔ وہ بھی واپس نہیں آیا تھا۔ وہ واپس آ بھی نہیں سکتا تھا۔

گھوڑ سواروں کا جیش بہت دُور نکل گیا تھا۔ اُسے دُور سے گرد اُٹھتی نظر آئی جو کسی قافلے کی نہیں ہو سکتی تھی۔ زمین سے اُٹھتے ہوئے گرد کے یہ بادل فوج کے ہی اڑائے ہوئے ہو سکتے تھے۔ گھوڑ سوار ٹیلوں کے اندر چلے گئے۔ ان کا کمانڈر ایک ٹیلے پر چڑھا اور دیکھنے لگا۔ کہیں سے ایک تیر آیا جو اُس کی گردن کے آر پار ہو گیا۔ دوسرے سوار نیچے تھے۔ اچانک ان پر تیر برسنے لگے۔ ان میں سے چند ایک نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن صارم مصری کے چھاپہ ماروں نے کسی کو زندہ نہ جانے دیا۔ اُن کے ہتھیار اور گھوڑے قبضے میں لے لیے گئے۔

کوئی خبر نہ ملنے کے باوجود بالڈون اور اُس کے جرنیل مطمئن تھے۔ انہوں نے بیروت کو محاصرے سے بچانے کے لیے نہایت کارگر انتظامات کر رکھے تھے۔ وہ اس لیے بھی مطمئن تھے کہ سلطان ایوبی ابھی قاہرہ سے روانہ نہیں ہوا اور

جنگ ابھی بہت دور ہے، لیکن جنگ شروع ہو چکی تھی۔ جوں جوں سلطان ایوبی آگے بڑھتا جا رہا تھا، چھاپہ ماروں کے حملوں اور سرگرمیوں کی اطلاعیں زیادہ آنے لگی تھیں۔ اب تو یہ اطلاعیں بھی آنے لگی تھی کہ اتنے میل دُور دشمن کے ایک دستے کے ساتھ جھڑپ میں اتنے چھاپہ مار شہید اور اتنے زخمی ہو گئے ہیں۔ سلطان ایوبی ایسی ہر اطلاع پر ایک ہی جواب دیتا ...... ''شہیدوں کو کہیں دفن کر دو...... زخمیوں کو پیچھے بھیج دو''۔

یہ سلطان ایوبی کی جنگی اہلیت کا کمال تھا کہ وہ اپنی فوج کو ایسے علاقے سے صحیح و سالم لے جا رہا تھا جہاں جگہ جگہ دشمن موجود تھا۔ اُس کے تھوڑی تھوڑی نفری کے چھاپہ مار جیش شب خون مارتے، دشمن کی جمعیت کو بکھیرتے اور بے کار کرتے جا رہے تھے۔ بعض شب خون بڑے پیمانے کی لڑائی کی صورت اختیار کر جاتے تھے، لیکن چھاپہ مار جم کر نہیں لڑتے تھے۔ وہ بھاگتے دوڑتے، وار کرتے اور دشمن کی بڑی سے بڑی جمعیت کو بکھیر دیتے تھے۔ یہ جھڑپیں اور خون خرابہ سلطان ایوبی کی فوج سے دُور دُور ہوتا تھا۔

سکندریہ میں حسام الدین لولوع کا بحری بیڑہ تیار تھا۔ جہازوں میں جانے والی فوج بھی تیار تھی۔ حسام الدین نے سلطان ایوبی کی مسافت اور رفتار کا حساب اندازے سے رکھا ہوا تھا۔ ایک روز اُس نے فوج کو جہازوں میں سوار ہونے کا حکم دیا اور رات کے وقت جہازوں کے لنگر اُٹھا کر بادبان کھول دیئے گئے۔ جہاز سمندر کے سینے پر سرکنے لگے۔ کھلے سمندر میں جا کر حسام الدین نے جہازوں کو دُور دُور پھیلا دیا۔ وہ ماہر امیر البحر تھا۔ اُس کے جہازوں میں جو فوج جا رہی تھی، اُس کے سالار اور نائب سلطان ایوبی کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ اندھا دھند نہیں جا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھ بھال کے لیے تربیت یافتہ فوجی ماہی گیروں کے بہروپ میں چھوٹی چھوٹی بادبانی کشتیوں میں آگے بھیج دیئے تھے۔

دنوں راتوں کی مسافت طے ہو چکی تھی۔ اُفق پر بیروت اُبھرنے لگا تھا مگر کوئی کشتی واپس نہیں آئی تھی۔ حسام الدین نے جہاز روک دیئے اور دیکھ بھال کے لیے ایک اور کشتی اُتاری۔ رات کو اُس کے رُکے ہوئے جہاز کے قریب سمندر سے کسی نے چلّا کر کہا...... ''رسّہ پھینکو، رسّہ پھینکو''...... رسّہ پھینکا گیا۔ ایک بحری سپاہی اوپر آیا جو اَدھ موا ہو چکا تھا۔ وہ اُس کشتی میں تھا جو سمندر میں اُتاری گئی تھی۔ اُس نے بتایا کہ اُن کی کشتی کو صلیبیوں کی ایک کشتی نے روک لیا تھا۔ اس میں فوجی تھے۔ حسام الدین کے آدمیوں نے کشتی نکالنے کی کوشش کی، تیروں کا تبادلہ ہوا۔ یہ آدمی سمندر میں کود گیا۔ اُس کے ساتھی پکڑے گئے یا مارے گئے۔ اور آدمی یہ خبر لے کر آ گیا کہ آگے دشمن بیدار ہے۔ اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ دیکھ بھال کے لیے پہلے جو آدمی بھیجے گئے تھے، وہ پکڑے گئے ہیں اور امکان یہی نظر آتا ہے، ان آدمیوں سے دشمن کو بحری بیڑے کی آمد کا علم ہو گیا ہے۔

بحری بیڑہ بیروت سے اتنی دور تھا کہ سورج غروب ہوتے بادبان کھولے جاتے تو جہاز آدھی رات کو بیروت کے ساحل سے جا لگتے مگر خطرہ یہ تھا کہ ساحل پر صلیبیوں نے آتشیں گولے پھینکنے کے لیے منجنیقیں لگا رکھی ہوں گی، جن سے جہازوں کو بچانا محال ہو جائے گا مگر ان خطروں سے ڈر کر پیچھے رہنا بھی مناسب نہیں تھا۔ سلطان ایوبی کو سمندر کی طرف سے مدد کی شدید ضرورت ہو گی...... اس اثنا میں ایک کشتی نظر آئی۔ یہ اپنے بحری بیڑے کی تھی۔ اس کے بحری سپاہی دو صلیبیوں کو سمندر سے پکڑ لائے تھے۔ یہ اُسی کشتی میں تھے جس نے حسام الدین کے بیڑے کی کشتی پر حملہ کیا تھا۔ یہ بھی سمندر میں کود گئے تھے اور تیرتے تیرتے اِدھر اُدھر نکل آئے تھے۔ انہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر سمندر میں زندہ پھینک دینے کی دھمکی دی گئی تو انہوں نے بتایا کہ ساحل پر بالڈون کی فوج گھات میں ہے اور جہازوں کو آگ لگانے کے لیے منجنیقیں تیار ہیں۔ ان سپاہیوں سے مزید پوچھ گچھ سے معلوم ہوا کہ بیروت کی فوج اندر کم اور شہر سے دُور دُور زیادہ ہے۔

یہ خبر بڑی خوف ناک تھی۔ امیر البحر حسام الدین اور سالاروں نے باہم غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ فرنگیوں کو ہماری آمد کا پتہ چل چکا ہے۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ سلطان ایوبی کو علم ہے یا نہیں۔ فیصلہ ہوا کہ سلطان کو خبر کر دی جائے۔ اس وقت اُسے بیروت کے قریب ہونا چاہیے تھا۔ اس فیصلے کے تحت اُسی وقت ایک کشتی اُتاری گئی جس میں دو گھوڑے اور دو قاصد تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ ساحل پر کس جگہ اُتریں اور وہاں سے کس سمت جائیں۔ انہیں بتا دیا گیا کہ وہ سلطان ایوبی کو کیا خبر دیں گے۔

☆

یہ بادبانی کشتی تھی۔ ہوا کا رُخ موافق تھا۔ بیروت سے دُور جنوب کی طرف ساحل سے جا لگی، وہاں چٹانیں تھیں۔ قاصدوں نے گھوڑے اُتارے، ان پر سوار ہوئے اور ہوا ہو گئے۔ کشتی وہیں چٹانوں میں چھپا دی گئی۔

قاصد رات کو پہنچے مگر سلطان ایوبی فرنگیوں کے پھندے میں آ چکا تھا۔ اُس نے بیروت کو محاصرے میں لے لیا تھا۔ خشکی کی تمام اطراف اُس نے فوج کو پھیلا دیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے محفوظہ کے ایک دستے کو جوابی حملے کے لیے استعمال کیا مگر فرنگیوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ اگلے روز محاصرے کے ایک اور حصے پر ایسا حملہ ہوا۔ سلطان ایوبی نے اس کے خلاف بھی محفوظہ کو بھیجا۔ تب سلطان نے محسوس کیا کہ وہ محفوظہ کو استعمال کیے بغیر جنگ جیت لیا کرتا تھا مگر یہاں اُس کے محفوظہ کی آدھی قوت ابتدا میں ہی لڑائی میں جھونکی گئی تھی۔ وہ محاصرے کو کمزور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُسے کچھ شک ہونے لگا۔

اُس کا دیکھ بھال (رَیکی) اور چھاپہ ماروں کا انتظام نہایت اچھا تھا۔ اُسے اطلاعیں ملنے لگیں کہ عقب میں ہر طرف دشمن موجود ہے۔ ایک چھاپہ مار جیش میں سے صرف ایک سپاہی خون میں ڈوبا ہوا پہنچ کر آیا۔ وہ صرف یہ بتا کر شہید ہو گیا کہ اُس کا پورا جیش فرنگیوں کے پورے دستے کے گھیرے میں آ گیا تھا۔ کوئی بھی زندہ نہیں رہا، اور یہ کہ ہمارا محاصرہ فرنگیوں کی بہت بڑی فوج کے محاصرے میں ہے۔

اُس کے فوراً بعد سمندری قاصد پہنچ گئے۔ انہوں نے سمندر کی خبر سنائی اور حسام الدین کے لیے حکم مانگا۔

''صلیبیوں کو میں نے اس طرح تیاری کی حالت میں کبھی نہیں دیکھا تھا''۔ سلطان ایوبی نے اپنی ہائی کمان کے سالاروں وغیرہ سے کہا..... ''صاف پتہ چل رہا ہے کہ انہیں قبل از وقت پتہ چل گیا ہے کہ ہم بیروت کے محاصرے کے لیے آ رہے ہیں۔ ہم خود محاصرے میں آ گئے ہیں۔ اپنے مستقر سے اتنی دُور آ کر میں ہاری ہوئی جنگ نہیں لڑ سکتا''۔ اُس نے حسام الدین کے قاصدوں سے کہا..... ''حسام الدین سے کہو کہ بیڑہ واپس لے جائے اور اس میں جو فوج ہے وہ سکندریہ اُتر کر دمشق روانہ ہو جائے''۔

قاصد چلے گئے تو سلطان ایوبی نے موصل کی طرف پسپائی کی ہدایت دینی شروع کر دی، لیکن پسپائی آسان نہیں تھی۔ اس کے لیے بھی چھاپہ ماروں کو استعمال کیا گیا۔ راتوں کو دستے آہستہ آہستہ سمیٹے اور نکالے گئے۔ کچھ جھڑپیں ہوئیں لیکن چھاپہ ماروں اور عقبی دستے (رئیر گارڈ) نے جان اور خون کی قربانیاں دے کر فوج کو وہاں سے نکال لیا۔ فرنگیوں نے تعاقب نہ کیا۔

موصل کے راستے میں سلطان ایوبی کو موصل سے آیا ہوا ایک جاسوس ملا جس نے اُسے اسحاق ترک کی روانگی اور موصل کے والی عزالدین کے عزائم کے متعلق پوری اطلاع دی۔ سلطان غصے سے لال ہو گیا۔ اُس نے حکم دے دیا کہ موصل کو محاصرے میں لے لیا جائے۔

قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے..... ''سلطان صلاح الدین ایوبی بروز جمعرات گیارہ رجب ۵۷۸ ہجری (۱۰ نومبر ۱۱۸۲ء) موصل کے قریب پہنچا۔ میں اُس وقت موصل میں تھا۔ عزالدین نے مجھے کہا کہ میں خلیفہ کی مدد حاصل کرنے جاؤں۔ میں دجلہ کے ساتھ ساتھ اتنی تیز رفتاری سے گیا کہ دو دنوں اور دو گھنٹوں میں بغداد پہنچ گیا۔ خلیفہ نے مجھے کہا کہ وہ شیخ العلماء سے کہیں گے کہ موصل والوں اور سلطان ایوبی کے درمیان صلح صفائی کرادیں۔ موصل کے والی نے آذربائیجان کے حکمران کو مدد کے لیے کہہ دیا تھا مگر اس حکمران نے جو شرائط پیش کیں، اُن سے بہتر یہ تھا کہ عزالدین سلطان ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دے''۔

صلح صفائی کی بات چیت ہونے لگی۔ ۱۶ شعبان ۵۷۸ ہجری (۱۵ دسمبر ۱۱۸۲ء) کے روز سلطان ایوبی نے موصل کا محاصرہ اُٹھالیا اور نصیبہ کے مقام پر فوج کو لمبے عرصے کے لیے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔

''بیروت کا محاصرہ صلیبیوں نے نہیں میرے ایمان فروش بھائیوں نے ناکام کیا ہے''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا..... ''میں آپس کے خون خرابے سے بچنا چاہتا تھا مگر یہ ممکن نظر نہیں آتا''۔

سُنّت، سارہ اور صلیب

بیروت کے محاصرے کی ناکامی سلطان صلاح الدین ایوبی کی دوسری شکست تھی۔ اس ناکامی میں اس نے کھویا کچھ بھی نہیں تھا مگر پایا بھی کچھ نہیں تھا۔ اس لیے وہ اسے اپنی شکست سمجھتا تھا۔ اگر سلطان ایوبی کی نہیں تو یہ اس کی انٹیلی جنس کی شکست ضرور تھی۔ بیروت والوں کو قبل از وقت پتہ چل گیا تھا کہ سلطان ایوبی بیروت کو محاصرے میں لینے آ رہا ہے۔ صلیبیوں کو یہ خبر قاہرہ سے ہی ملی ہوئی، حالانکہ سلطان نے اپنی ہائی کمان کے سالاروں کے سوا کسی کو پتہ نہیں چلنے دیا تھا کہ اس کا ہدف کیا ہے۔

''آپ اسے شکست نہ کہیں''۔ ایک سالار نے سلطان ایوبی کو مایوسی کے عالم میں دیکھ کر کہا۔ ''بیروت وہیں ہے جہاں پہلے تھا۔ وہیں رہے گا۔ ہم اس شہر پر ایک اور حملہ کریں گے''۔

''اتنا بڑا شکار میرے ہاتھ سے نکل گیا''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ''میں اسے محاصرے میں لینے اور اس پر قابض ہونے آیا تھا لیکن میں خود محاصرے میں آ گیا اور مجھے محاصرہ اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ یہ شکست نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ شکست ہے۔ میرے مشیروں اور سالاروں میں بھی ایمان فروش موجود ہیں''۔

خیمے میں سناٹا طاری ہو گیا۔ اس وقت سلطان ایوبی نصیبہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ بہت دن گزر گئے تھے۔ اس کی فوج بہت تھکی ہوئی تھی۔ بہت سی نفری زخمی بھی تھی۔ اس نے قاہرہ سے بیروت تک بہت تیز پیش قدمی کرائی تھی۔ مہینوں کا فاصلہ دنوں میں طے کیا تھا۔ فاصلہ طے کرنے کے فوراً بعد فوج کو صلیبیوں کے محاصرے سے نکلنے کے لیے خون ریز لڑائی لڑنی پڑی، پھر تیز رفتار پسپائی ہوئی۔ سلطان ایوبی نے فوج کو مکمل آرام دینے کے لیے نصیبہ کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ آرام فوج کے لیے تھا، سلطان ایوبی کی تو نیند بھی اڑ گئی تھی۔ دن کو وہ بے چینی سے خیمے میں ٹہلتا یا باہر نکل کر ادھر ادھر گھومتا رہتا تھا۔ اپنے سالاروں کے ساتھ بھی کم ہی بولتا تھا۔ اسی کیفیت میں اسے ایک سالار نے کہا کہ اسے شکست نہ کہیں۔ سلطان ایوبی کا جواب سن کر سالار خاموش ہو گیا۔ سلطان ایوبی اپنے خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ وہاں ایک اور سالار بھی تھا۔ بہت دیر تک دونوں سالار خاموش رہے۔ سلطان ایوبی کے مزاج میں جیسے غصہ تھا ہی نہیں، پھر بھی سالار اس کے ساتھ بات کرتے ڈرتے تھے۔

''تم دونوں کیا سوچ رہے ہو؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ آپ اسی طرح مایوسی اور غصے کی حالت میں رہے تو آپ کے فیصلے مزید نقصان کا باعث بنیں گے''۔ ایک سالار نے کہا۔ ''میں نے آپ کو اس حالت میں رملہ کی شکست کے وقت بھی نہیں دیکھا تھا۔ اپنے آپ کو ٹھنڈا کریں اور اس جذباتی کیفیت سے نکلنے کی کوشش کریں''۔

''اور میں سوچ رہا ہوں کہ کفار ہماری جڑوں میں اتر گئے ہیں''۔ دوسرے سالار نے کہا۔ ''ہم اس وقت اپنی [illegible] صلیبیوں [illegible] ہے اور ہمارا مقصد فلسطین کی آزادی ہے مگر مسلمان اُمراء میں سے کوئی

ایک بھی امیر ہمارے پاس نہیں آیا۔ عزالدین اور عمادالدین کہاں ہیں؟ کیا انہوں نے ہمارے ساتھ معاہدہ نہیں کیا تھا کہ ضرورت کے وقت ہمیں اپنی فوج دیں گے؟ ان کا یہ سرد رویہ بتاتا ہے کہ وہ ابھی تک صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں تو کیا ہم آپس میں لڑتے رہیں گے؟''

سلطان ایوبی خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ رُک گیا۔ آسمان کی طرف دیکھ کر اس نے آہ بھری اور کہا ''میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کا زوال شروع ہو گیا ہے۔ جب غیر مذہب کے اثرات قبول کیے جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے جو ہم دیکھ اور بھگت رہے ہیں۔ صلیبی اور یہودی مسلمانوں کو اپنا غلام بنانے کے لیے انسانی فطرت کی سب سے بڑی کمزوری کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ کمزوری لالچ ہے۔ انسانوں پر حکومت کرنے کا لالچ، بادشاہ اور شہزادہ بننے کا لالچ اور یہ لالچ کہ میں روئی جیسے ملائم قالینوں پر چلوں اور لوگ ننگے پاؤں گرم ریت پر چلیں۔ اُن کے پاؤں جلیں تو میرے آگے سجدے کریں۔ جب یہ لالچ دِل میں اُتر جاتا ہے تو دِل سے ایمان نکل جاتا ہے۔ عقل پر ایسا پردہ پڑتا ہے کہ قومی غیرت اور خودداری بے معنی سے جذبے بن جاتے ہیں۔ جب کوئی انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ غداری کو قابلِ فخر اقدام سمجھتا ہے۔ صلیبیوں نے ہمارے بیشتر اُمراء کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے۔ انہوں نے اپنی تہذیب کی بے حیائی مسلمانوں میں بھی پھیلا دی ہے۔ جب تہذیب بدل جاتی ہے تو مذہب ایک کمزور سا خول بن کے رہ جاتا ہے جو اُتار کر پھینکا بھی جا سکتا ہے اور قوم کو دھوکہ دینے کے لیے اپنے اوپر چڑھایا بھی جا سکتا ہے''۔

دونوں سالار خاموشی سے سن رہے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی ٹھہری ٹھہری آواز میں بول رہا تھا۔ وہ چپ ہو گیا، پھر گہرا سانس لے کر بولا...... ''تم محسوس نہیں کر رہے کہ یہ بھی میری شکست ہے کہ میں جو عمل کے میدان کا مرد ہوں، خیمے میں کھڑا عورتوں کی طرح باتیں کر رہا ہوں۔ ہمیں اس وقت بیت المقدس میں ہونا چاہیے تھا۔ میری پیشانی مسجد اقصیٰ میں سجدے کرنے کو تڑپ رہی ہے۔ مجھے اُن شہیدوں کے خون کا خراج ادا کرنا ہے جو فلسطین کی آبرو اور آزادی پر قربان ہو گئے ہیں''...... سلطان ایوبی کی آواز میں یکلخت قہر آ گیا۔ اس نے ٹہلتے ٹہلتے رُک کر سالاروں کے سامنے کھڑے ہو کر کہا...... ''کیا تم اُن بچوں کا سامنا کر سکتے ہو جنہیں میرے حکم اور میرے عزم نے یتیم کیا ہے؟ کیا تم اُن عورتوں کے سامنے جا کر اپنا سر اونچا کر سکتے ہو جن کے خاوند نعرے لگاتے ہمارے ساتھ آئے اور اُن کے لہولہان جسم گھوڑوں کے سُموں سے قیمہ ہو گئے؟ تم اُن خوبرو اور جوان چھاپہ ماروں کو کیسے بھول سکتے ہو جو ہم سے بہت دُور دشمن کے علاقوں میں دُور اندر جا کر شہید ہوئے؟...... میں اُن میں سے کسی کی ماں کے سامنے جانے سے ڈرتا ہوں۔ ڈرتا اس لیے ہوں کہ اُس نے یہ کہہ دیا کہ میرا بیٹا واپس کر دیا مجھے قبلۂ اوّل لے چلو جہاں میں اپنے بیٹے کی شہادت پر شکرانے کے نفل پڑھوں تو میں اس ماں کو کیا جواب دوں گا؟

''شہیدوں کا خون رائیگاں نہیں جائے گا محترم سلطان!'' یہ چھاپہ مار دستوں کے سالار صارم مصری کی آواز تھی جو سلطان ایوبی کے خیمے کے دروازے میں آن کھڑا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کی اُدھر پیٹھ تھی۔

''کسی شہید کی ماں اپنے بیٹے کے خون کا حساب نہیں مانگے گی۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلمہ پڑھنے والی ماؤں کا دودھ آبِ زم زم جیسا پاک اور مقدس ہے۔ اُس دودھ کے پلے ہوئے بیٹے آپ کے حکم سے نہیں اللہ کے حکم سے لڑا کرتے ہیں۔ آپ اُن کے خون کا خراج اپنے ذمے نہ لیں۔ غداروں کے خون کی بات کریں۔ ہماری تلواریں غداروں کے خون کی پیاسی ہیں''۔

''تم نے میرے حوصلے میں جان ڈال دی ہے صارم!'' سلطان ایوبی نے کہا۔ ''میرے یہ دونوں رفیق بھی

مجھے یہی کہہ رہے تھے کہ مایوس اور جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں"۔

''ضرورت ہے بھی کیا!'' صارم مصری نے کہا...... ''شکست شکست ہے مگر دائمی نہیں۔ ہم اسے فتح میں بدل سکتے ہیں اور بدل کر دکھائیں گے''۔

''اگر بات میدانِ جنگ کی ہوتی تو میں ایک بازو کٹوا کر بھی مایوس اور پریشان نہ ہوتا''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''مشکل یہ پیدا ہوگئی ہے کہ دشمن زمین کے نیچے چلا گیا ہے۔ صلیبی اور یہودی ہماری قوم میں ایسے زہریلے اثرات چھوڑ رہے ہیں جو پُرکشش اور طلسماتی ہیں۔ قوم اور فوج کے متعلق مجھے اطمینان ہے۔ سپاہی اور عام آدمی ان اثرات کو قبول نہیں کرتا۔ انہیں وہ چند ایک افراد قبول کرتے ہیں اور کر چکے ہیں جن کا اثر قوم پر ہے۔ یہ اُمراء اور حاکموں کا طبقہ ہے۔ ان میں بعض مذہبی پیشوا بھی شامل ہیں اور ان میں چند ایک سالار بھی ہیں جو ریاستوں کے حکمران بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہ ایمان فروشوں کا گروہ ہے جو سیدھے سادے لوگوں کو مذہب کا دھوکہ دے کر اُن میں مذہب کا جنون پیدا کرتے اور انہیں مسلمان بھائیوں کے خلاف اُکساتے، بھڑکاتے اور اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ غیر مذہب کے لوگ مسلمان اُمراء اور اسی سطح کے طبقے کو اپنے زیر اثر لیتے ہیں۔ پھر یہ طبقہ لوگوں کو مذہب اور محبت کا دھوکہ دیتا اور انہیں بھوکا اور بے بس رکھتا ہے تاکہ لوگ یہ نہ دیکھ سکیں کہ یہ طبقہ درپردہ کیا کر رہا ہے''۔

''مگر ہم عالم نہیں''۔ ایک سالار نے کہا...... ''ہم خطیب اور مسجدوں کے امام نہیں کہ تلواریں پھینک کر لوگوں کو وعظ اور خطبے سناتے پھریں۔ ہمیں یہ مسئلہ تلوار سے حل کرنا ہوگا۔ ان پتھروں کو گھوڑوں کے سُموں تلے روندنا ہوگا''۔

''یہ لوگ قرآن کے منکر ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''قرآن کا حکم بڑا واضح ہے کہ کفار کو دوست مت سمجھو۔ ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ تم نہیں جانتے کہ اُن کے دِل ہمارے خلاف کدورتوں سے بھرے ہوئے ہیں''۔

''یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں''۔ صارم مصری نے کہا...... ''قرآن کا اُن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں''۔

''یہ صورتِ حال بہت نقصان دہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن بھی ہاتھوں میں اُٹھا رکھا ہے اور کفار کے اشاروں پر بھی ناچ رہے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''قوم نے ہمیشہ ایسے ہی سربراہوں کے ہاتھوں دھوکہ کھایا ہے جن کے ہاتھ میں قرآن اور دِل میں صلیب ہے۔ یہ لوگ اذان کی آواز پر خاموش ہو جاتے ہیں مگر ان کے دِلوں میں گرجوں کے گھنٹے بجتے ہیں۔ قوم ان کا اصلی روپ نہیں دیکھ سکتی اور ان کے دِل کی آواز نہیں سن سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ایک خانہ جنگی میں ایک دوسرے کا خون بہا چکے ہیں اور دوسری خانہ جنگی کی تلوار ہماری گردن پر لٹک رہی ہے''۔

''ہم اس طوفان کو روک سکیں گے''۔ ایک سالار نے کہا...... ''لیکن مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہم اب کوئی معاہدہ اور کوئی صلح نامہ نہ کریں۔ ہمیں اپنے بھائیوں کا خون بہانا پڑے گا اور ہمیں ان کے ہاتھوں مرنا بھی ہوگا''۔

سلطان ایوبی کے چہرے پر اُداسی کا سایہ آ گیا۔ اس کی آنکھیں جیسے اُفق پر کسی چیز کو دیکھ رہی تھیں۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ اس کی نظریں آنے والی صدیوں کا سینہ چاک کر رہی ہیں۔ خیمے میں ایک بار پھر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ تینوں سالار اپنے سلطان کے اس تاثر سے جو اُس پر کبھی کبھی طاری ہوا کرتا تھا، اچھی طرح واقف تھے۔

''میرے عزیز رفیقو!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''مجھے نظر آ رہا ہے کہ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت آپس میں لڑلڑ کر ختم ہو جائے گی۔ صلیبی اور یہودی اسے خانہ جنگی میں اُلجھائے رکھیں گے۔ حکمرانی کا لالچ بھائی کو بھائی کا دشمن بنائے گا۔ فلسطین خون سے لال ہوتا رہے گا۔ مسلمان حکمران سلطنتوں میں بٹ کر عیش و عشرت میں پڑے

رہیں گے۔ ہمارا قبلۂ اوّل اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پکارتا رہے گا اور اُس پکار کو کوئی مسلمان نہیں سنے گا۔ اگر کوئی فلسطین کی سرزمین کو آزاد کرانے اُٹھے گا تو وہ کوئی ہم جیسا دیوانہ ہوگا۔ ایسے دیوانوں کو خود اپنے مسلمان حکمران دھوکے دیں گے اور درپردہ دوست بنے رہیں گے۔ تم نے کہا ہے کہ ہم اس طوفان کو روک سکیں گے، مگر ہمارے مرنے کے بعد یہ طوفان پھر اُٹھے گا''۔

''پھر ایک اور صلاح الدین ایوبی پیدا ہوگا''۔ سالار صارم مصری نے کہا..... ''ایک اور نور الدین زنگی پیدا ہوگا۔ مسلمان مائیں مجاہدین کو جنم دیتی رہیں گی''۔

''اور یہ مجاہدین عیاش حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونے بنے رہیں گے''۔ سلطان ایوبی نے طنزیہ لہجے میں کہا..... ''اور وہ وقت بھی آجائے گا جب فوج بھی عیاش سپاہیوں کا گروہ بن جائے گی اور اس کے سالار کفار کے ہاتھوں میں کھیلیں گے''۔ سلطان ایوبی اس انداز سے خاموش ہوگیا جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔ اُس نے تینوں سالاروں کی طرف باری باری دیکھا اور کہا..... ''مگر ہم یہ باتیں کب تک کرتے رہیں گے؟ ہم چاروں ایک دوسرے کو خطبے سنا رہے ہیں۔ اللہ کے سپاہی خطیب نہیں ہوا کرتے۔ ہمیں عمل کرنا ہے۔ ہم میدانِ عمل کے مرد ہیں۔ صارم! تم نے میری پہلی ہدایت کے مطابق اپنے چھاپہ مار دستوں کو میری بتائی ہوئی جگہوں پر پھیلا رکھا ہوگا اور تم جانتے ہو کہ ہماری یہ خیمہ گاہ کس خطرے میں ہے''۔

''اچھی طرح جانتا ہوں سلطانِ محترم!'' سالار صارم مصری نے جواب دیا..... ''ہم بیروت کا محاصرہ اُٹھا کر اس طرف آئے تھے تو ہماری توقع کے خلاف صلیبیوں نے ہمارے تعاقب میں فوج نہیں بھیجی تھی، لیکن ہم اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے کہ صلیبی ہمیں بخش دیں گے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کھلا حملہ نہیں کریں گے۔ وہ ہم پر ہمارے انداز کے شب خون ماریں گے، بلکہ اُن کے چھاپوں اور شب خونوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ خیمہ گاہ سے بہت دُور سے فرنگیوں اور ہمارے گشتی دستوں کی چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کی خبریں آنے لگی ہیں۔ میں نے چھاپہ مار دستوں کو دُور دُور تک پھیلا رکھا ہے۔ مجھے شک ہے کہ کفار کا اڈہ کہیں باہر نہیں، بلکہ موصل میں ہے اور والیٔ موصل عزالدین انہیں پناہ اور مدد دے رہا ہے''۔

''اگر ایسی بات ہے تو مجھے اس کی اطلاع مل جائے گی''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''اگر موصل میں ہی صلیبیوں کا خفیہ اڈہ ہوا تو میں اس کا بندوبست کرلوں گا''۔ اُس نے دوسرے دو سالاروں سے کہا..... ''ہمیں مسلمان اُمراء کے اُن قلعوں پر قبضہ کرنا ہوگا جو موصل اور حلب کے درمیان ہیں۔ میں اِن دونوں شہروں کو ایک دوسرے سے کاٹ دینا چاہتا ہوں۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اُن کے قاصدوں کو بھی راستہ نہیں ملے گا۔ میں نے بہت کوشش کی ہے کہ میری تلوار کسی مسلمان کے خلاف نیام سے نہ نکلے لیکن میں ناکام رہا۔ ان حکمرانوں اور اُمراء کو ختم کردوں گا جو صلیبیوں کے دوست ہیں۔ میں خود قوم کی آڑ میں نہیں بیٹھوں گا، نہ قوم کا خون بہنے دوں گا۔ میں اُن اُمراء کو گھٹنوں بٹھاؤں گا جو قوم کو گمراہ کررہے ہیں''۔

سلطان ایوبی نے نقشہ نکالا اور اپنے سالاروں کو دکھانے لگا۔

☆

بیروت میں بالڈون کے محل میں اُس نے اپنے سالاروں اور تین چار صلیبی حکمرانوں کو مدعو کر رکھا تھا۔ بہت بڑی ضیافت کا اہتمام تھا۔ بے شمار صلیبی مہمانوں میں دو مسلمان بھی شراب کے پیالے اُٹھائے اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ شراب پیش کرنے والی لڑکیاں ایسے باریک ریشمی لباس میں ملبوس تھیں کہ عریاں لگتی تھیں۔ جوں جوں شراب

اثر دکھاتی جارہی تھی لڑکیوں کے ساتھ مہمانوں کی دست درازی بڑھتی جارہی تھی اور لڑکیاں پہلے سے زیادہ بے حیا ہوتی جا رہی تھیں۔ ان دو مسلمان مہمانوں کی طرف دوسرے مہمانوں کی نسبت زیادہ توجہ دی جارہی تھی۔ دو لڑکیاں ان کے اردگرد اٹھکیلیاں کرتی پھر رہی تھیں۔ یہ دونوں مہمان لباس اور شکل وصورت سے کسی شاہی خاندان کے افراد معلوم ہوتے تھے۔

ایک صلیبی آیا۔ دونوں سے کہا کہ انہیں شاہ بالڈون نے اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ دونوں شراب کے پیالے رکھ کر چلے گئے۔ وہ جس غلام گردش سے گزر کر بالڈون کے کمرے میں گئے۔ اس میں ایک آدمی ہاتھ میں برچھی اُٹھائے فوجی انداز سے ٹہل رہا تھا۔ اس کا لباس خاص قسم کا تھا۔ اُس کے پہلو میں جو تلوار لٹک رہی تھی، اس کی نیام پالش سے چمک رہی تھی۔ اُس کے سر پر فولاد کی چمک دار خود تھی۔ محل میں اس لباس میں کئی ایک آدمی سینے تانے اور گردنیں اکڑائے ٹہل رہے تھے۔ یہ محل کے خصوصی ملازم تھے جو سالاروں کے کمروں کے سامنے موجود رہتے اور ضیافتوں میں برآمدوں اور غلام گردشوں میں ٹہلتے رہتے تھے۔ فانوسوں کی روشنی میں اُن کا لباس اور اُن کی چال اچھی لگتی تھی۔ یہ دراصل نمائش کے لیے رکھے گئے تھے اور یہ تربیت یافتہ لڑاکے بھی تھے۔

یہ آدمی جس نے دو مسلمانوں کو بالڈون کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا، گورے رنگ کا تھا۔ وہ رُک کر انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ دونوں بالڈون کے کمرے میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔ اس دروازے کے سامنے اسی آدمی جیسے لباس میں دو آدمی پہرے پر کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے اُسے کہا...... ''ہیلو جیکب، اِدھر کیوں گھومتے پھر رہے ہو؟ اُدھر جاؤ جہاں پریاں ناچ رہی ہیں۔ ہم تو یہاں سے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے''۔

''جیکب نے اُن کے مذاق کا جواب دے کر کہا...... ''یہ دو آدمی جو اندر گئے ہیں مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ کون ہیں یہ؟''

''تمہیں ان سے کیا دلچسپی ہے؟''

''تم مجھ سے سے پوچھ رہے ہو کہ اِن سے مجھے کیا دِلچسپی ہے؟'' جیکب نے کہا...... ''کیا تم جانتے نہیں کہ مسلمان کے خلاف کتنی نفرت پائی جاتی ہے؟ یہ دونوں کسی جنونی صلیبی یہودی کے ہاتھوں قتل ہو سکتے ہیں۔ ان کی حفاظت کی ذمہ داری ہمیں دے دی گئی ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ مسلمان ہیں یا مسلمان علاقے کے عیسائی۔''

''یہ مسلمان علاقے کے مسلمان ہیں''۔ اُسے جواب ملا۔ ''یقین سے نہیں کہا جا سکتا، جہاں تک ہم جانتے ہیں، یہ موصل سے آئے ہیں۔ غالباً عزالدین کے ایلچی ہیں''۔

''صلاح الدین ایوبی کے خلاف مدد مانگنے آئے ہوں گے''۔ جیکب نے کہا...... ''اِن ایلچیوں کو کون بتائے کہ صلاح الدین ایوبی ختم ہو چکا ہے۔ رملہ سے شکست کھا کر بھاگا تو بیروت کو محاصرے میں لینے آ گیا۔ اُس کے بحری بیڑے کو آگے آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ ہماری فوج نے ایوبی کی فوج کا تعاقب نہیں کیا، ورنہ آج ایوبی قید خانے میں ہوتا''۔

''تم اپنا کام کرو دوست!'' ایک پہرے دار نے طنزیہ کہا...... ''سلطان صلاح الدین ایوبی قید ہو گیا تو اُس کی سلطنت تمہیں نہیں ملے گی۔ اگر شاہ بالڈون مارا گیا تو بیروت کی بادشاہی تمہارے نام نہیں لکھی جائے گی''۔

جیکب وہاں سے ہٹ آیا لیکن گھوم گھوم کر بند دروازے کو دیکھتا رہا جس کے پیچھے یہ دونوں مسلمان گم ہو گئے تھے۔

☆

وہ دونوں عزالدین والیٔ موصل کے ہی ایلچی تھے۔ اس سلسلے کی پچھلی قسط میں بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی جب بیروت کا محاصرہ اُٹھا کر موصل کی طرف گیا تھا تو عزالدین نے قاضی بہاؤالدین شداد کو خلیفہ کی طرف اس غرض داشت کے ساتھ دوڑا دیا تھا کہ سلطان ایوبی کے ساتھ اس کی صلح کرا دیں۔ دوسرے لفظوں میں اُس نے یہ درخواست کی تھی کہ اُسے سلطان ایوبی سے بچایا جائے۔ خلیفہ نے یہ کام شیخ العلماء کے سپرد کر دیا اور سلطان ایوبی نے عزالدین کو بخش دیا۔ عزالدین نے بظاہر سلطان ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کا معاہدہ کر لیا تھا لیکن اُس نے درپردہ دو ایلچیوں کو صلیبی حکمران بالڈوِن کے پاس بھیج دیا تھا۔ یہ دو ایلچی اب بالڈوِن کے کمرے میں بیٹھے تھے۔

"والیٔ موصل نے کہا ہے کہ آپ نے صلاح الدین ایوبی کا تعاقب نہ کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے"۔ ایک ایلچی نے بالڈوِن کو بتایا۔۔۔۔۔ "آپ نے اُس کی فوج کو آرام کرنے کا موقعہ دے دیا ہے۔ والیٔ موصل نے کہا ہے کہ میں تحریری پیغام نہیں دے سکتا کیونکہ راستے میں پکڑے جانے کا خطرہ ہے۔ میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ دمشق کی طرف پیش قدمی کریں اور اس شہر کو محاصرے میں لے کر اس پر قبضہ کر لیں۔ آپ کی فوج ایسے راستے سے اور اتنی تیزی سے دمشق پہنچے کہ صلاح الدین ایوبی دمشق بروقت نہ پہنچ سکے۔ میں آپ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی جب آپ کے حملے کی اطلاع پر یہاں سے روانہ ہو گا تو موصل اور حلب کی فوجیں آمنے سامنے آ کر لڑنے کی بجائے اس کی فوج پر شب خون مارتی رہیں گی۔ اس سے اُس کی پیش قدمی بہت سست ہو جائے گی اور آپ دمشق پر آسانی سے قبضہ کر لیں گے۔ ہمارے علاقوں میں جو چھوٹے موٹے اُمراء ہیں، میں ان سب کو اپنے ساتھ ملا لوں گا۔ آپ ان کے قلعے استعمال کر سکتے ہیں۔ میں آپ کی فوج کو موصل کے اندر قیام کی اجازت نہیں دے سکتا، کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ میرا اور آپ کا اتحاد ہے۔ میں صلاح الدین ایوبی کو یہ تاثر دے رہا ہوں کہ میں اُس کا دوست ہوں"۔

ایلچی جب یہ پیغام دے رہے تھے، اُس وقت بالڈوِن کے ساتھ اس کے دو جرنیل تھے۔ عزالدین کے ایلچی بھی فوجی مشیر تھے۔ جنگی امور کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ بالڈوِن ان کے ساتھ اس مسئلے پر بحث اور بات چیت کرتا رہا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ مسلمان اُس کے جال میں آ گئے ہیں۔ چنانچہ اُس نے اپنی شرطیں عائد کرنی شروع کر دیں۔

"عزالدین کو شاید پوری طرح احساس نہیں کہ صلاح الدین ایوبی کو بے خبری میں نہیں دبوچا جا سکتا"۔ بالڈوِن نے کہا۔۔۔۔۔ "ہم دمشق کو محاصرے میں لیں گے تو وہ برق رفتار پیش قدمی کر کے ہم پر عقب سے حملہ کر دے گا۔ میں اسے ممکن نہیں سمجھتا کہ ہم دمشق کی طرف پیش قدمی کریں تو صلاح الدین ایوبی کو قبل از وقت خبر نہ ہو۔ وہ عقاب اور گدھ کی طرح بہت دور سے شکار کو دیکھ لیتا ہے اور ایسا جھپٹا مارتا ہے کہ چھپائی بھی محال ہو جاتی ہے۔ ہم ابھی کھلی جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ ہم اس کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔ فوری طور پر ہم نے یہ بندوبست کر دیا ہے کہ چھاپہ مار دستے بھیج دیئے ہیں جو صلاح الدین ایوبی کی فوج کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ ان دستوں کے لیے ہمیں مستقل اڈے کی ضرورت ہے۔ یہ آپ مہیا کر دیں گے تو ہم صلاح الدین ایوبی کی فوج کو صرف چھاپہ مار دستوں سے ہی بے حال کر سکتے ہیں۔ وہ نہ لڑنے کے قابل رہے گا نہ بھاگ سکے گا۔ آپ ہمارے دستوں کو پناہ، مدد اور خوراک وغیرہ مہیا کرتے رہیں۔ ہم اسلحہ اور سامان بھیجتے رہیں گے۔ آپ حلب کے والی عمادالدین سے بھی کہہ دیں کہ ہم پر بھروسہ رکھے اور ہمارے چھاپہ مار دستوں کو بوقتِ ضرورت پناہ اور مدد دیتا رہے۔ دوسرے اُمراء اور قلعہ دار بھی آپ کے ساتھ ہونے چاہئیں۔ ان کا خیال رکھیں کہ ان میں سے کوئی صلاح الدین ایوبی کے پاس جا کر اس کا اتحادی نہ بن جائے"۔

اتحاد کی شرائط طے کر لی گئیں۔ عزالدین نے ان ایلچیوں کو پورا اختیار دے دیا تھا کہ وہ شرائط طے کر کے آئیں اور جو مراعات صلیبیوں کو دینا مناسب سمجھیں، دے آئیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایمان ایک صلیبی حکمران کے ہاں صرف اس لیے گروی رکھ دیا کہ اُن کی حکمرانی محفوظ رہے۔ انہوں نے اپنا کام کر لیا تو ضیافت میں شریک ہونے کے لیے چلے گئے۔ انہیں دراصل شراب اور شراب پلانے والی لڑکیوں کے ساتھ ہی دلچسپی تھی۔

''اِن مسلمان پر زیادہ اعتماد نہ کریں''۔ ایک جرنیل نے بالڈوِن سے کہا...... ''انہوں نے ضرورت محسوس کی تو آپ کو بتائے بغیر صلاح الدین ایوبی کے پاؤں میں جا بیٹھیں گے''۔

''مجھے اپنے چھاپہ ماروں کے لیے ایک اڈہ چاہیے''۔ بالڈوِن نے کہا...... ''موصل میرا اڈہ بن گیا تو میں آہستہ آہستہ پوری فوج وہاں لے جاؤں گا اور عزالدین کو وہاں سے بے دخل کر دوں گا۔ ہم سب کا منصوبہ یہ ہونا چاہیے کہ ان مسلمانوں کو ہم متحد نہ ہونے دیں بلکہ انہیں آپس میں لڑاتے رہیں اور آہستہ آہستہ ان کے علاقوں پر قابض ہو جائیں۔ ہم سب نے دیکھ لیا ہے کہ مسلمان کو عیش و عشرت اور حکمرانی کا لالچ دے دو تو وہ اپنی خودداری اور اپنا مذہب تمہارے قدموں میں رکھ دیتا ہے۔ عزالدین، عمادالدین اور دوسرے چھوٹے موٹے مسلمان اُمراء صرف اس لیے صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہیں کہ وہ سب خودمختار حکمران بنے رہنا چاہتے ہیں اور عیش و عشرت کی خاطر پُرسکون زندگی کی خواہش رکھتے ہیں، مگر صلاح الدین ایوبی عیش و عشرت اور حکمرانی کا قائل نہیں۔ وہ ان سب کو ایک محاذ پر متحد کر کے فلسطین سے ہمیں بے دخل کرنے کا منصوبہ بنائے ہوئے ہے لیکن جنہیں وہ متحد کرنے کی کوشش کر رہا ہے، وہ جنگ و جدل سے ڈرتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ عزالدین اور اُس کا ٹولہ ہمارے ہاتھ سے نکلے گا نہیں۔ اگر کسی نے نکلنے کی کوشش کی تو اُسے ہمیں حشیشین کے ہاتھوں قتل کرا دیں گے۔

''بالڈوِن نے اپنے جرنیلوں کو چند ایک ہدایات دے کر کہا...... ''عزالدین کے ان دونوں ایلچیوں کی اتنی زیادہ خاطر تواضع کرو کہ اِن کی عقل بالکل ہی ماری جائے اور انہیں یاد ہی نہ رہے کہ ان کا مذہب کیا ہے''۔ اس نے جس ہدایت پر سختی سے عمل کرنے کو کہا، وہ یہ تھی کہ اس کمرے میں ان ایلچیوں کے ساتھ جو باتیں ہوئی ہیں وہ کمرے سے باہر نہ جائیں''۔

بالڈوِن نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بیروت میں موجود ہیں''۔

دونوں ایلچی شراب اور لڑکیوں کے نشے میں بدمست ہوئے جا رہے تھے۔ مہمان اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے شراب پی رہے تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ جیکب اِن دو ایلچیوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اُن میں سے ایک اسے الگ مل گیا۔ جیکب نے فوجی انداز سے اُسے سلام کیا اور پوچھا...... ''آپ غالباً موصل کے مہمان ہیں؟ ہم موصل والوں سے بہت محبت کرتے ہیں''۔

''ہم موصل کے حکمران عزالدین کے ایلچی ہیں''۔ ایلچی نے شراب کے نشے میں بدمست ہوتے ہوئے کہا...... ''ہم یہ معلوم کرنے آئے ہیں کہ بیروت کے صلیبیوں کے دِل میں موصل کے مسلمانوں کی کتنی محبت ہے''...... ایلچی کی جس طرح زبان لڑکھڑا رہی تھی، اسی طرح اُس کی ٹانگیں بھی لڑکھڑا گئیں۔ وہ اتنی زیادہ پی چکا تھا کہ پاؤں پر بھی کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس نے جیکب کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا...... ''شراب کا یہی کمال ہے کہ انسان کے دِل سے مذہب نکل جاتا ہے اور اس کی جگہ محبت آ جاتی ہے۔ مجھے صلیب سے محبت ہے اور مجھے تمہاری اس برچھی سے محبت ہے، جس روز یہ برچھی صلاح الدین ایوبی کے سینے میں اُتر جائے گی، اُس روز میں سالارِ اعظم بن جاؤں گا''۔

جیکب وہاں زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ اس کی ڈیوٹی گھومنے پھرنے کی تھی۔ وہ ایلچی کو جھومتا لڑکھڑاتا چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے دیکھا کہ ایلچی کو دو آدمی تھام کر لے جا رہے تھے۔ وہ ہوش میں نہیں رہا تھا۔

☆

آدھی رات کے قریب جیکب کی ڈیوٹی ختم ہوگئی۔ ناچ گانا جاری تھا، جیکب اور اُس کے ساتھیوں کی جگہ دوسرے آدمی آ گئے۔ جیکب اپنے کمرے میں گیا۔ وردی اُتاری اور اپنے کپڑے پہن لیے۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اُسے سو جانا چاہیے تھا لیکن وہ باہر نکل گیا۔ اُس کا رُخ کسی اور طرف تھا لیکن وہ اُس طرف چلا گیا جہاں لڑکیاں رہتی تھیں۔ یہ ایک عمارت تھی جس کا ایک حصہ اتنا خوب صورت تھا جیسے وہاں شہزادیاں رہتی ہوں۔ یہ اُن لڑکیوں کی رہائش گاہ تھی جو جاسوسی کے لیے اور کردار کی تخریب کاری کے لیے مسلمانوں کے علاقوں میں اُمراء اور سالاروں اور حکمرانوں کو صلیب کے جال میں پھانسنے کے لیے بھیجی جاتی تھیں۔ انہیں اُن علاقوں میں جو صلیبیوں کے قبضے میں آ گئے تھے، مسلمان جاسوسوں کو پھانسنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

اسی عمارت کے دوسرے حصے میں ناچنے اور گانے والی لڑکیاں رہتی تھیں۔ ان کی قدر و قیمت جاسوس لڑکیوں جتنی نہیں تھی جو جسمانی حسن کے لحاظ سے جاسوس لڑکیوں سے کم نہیں تھیں۔ اُن کا کام صرف یہ تھا کہ محل میں ضیافتوں پر ناچا کرتی تھیں۔ باہر کے مہمان آئیں تو ناچ گانا ضرور ہوتا تھا۔ اُس رات موصل کے مسلمان ایلچیوں کے اعزاز میں جو ضیافت دی گئی تھی، اس میں ناچ گانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اُن میں سارہ نہیں تھی۔ سارہ بہت خوب صورت لڑکی تھی۔ اُس کے خدوخال اور اُس کے بالوں اور آنکھوں کا رنگ یورپ کی لڑکیوں جیسا نہیں تھا۔ وہ بیروت کی ہی رہنے والی ہو سکتی تھی، مصر کی بھی اور وہ یونان کی بھی ہو سکتی تھی۔ کسی کو معلوم نہیں تھا، کہاں کی رہنے والی ہے۔

جیکب کسی اور طرف جا رہا تھا۔ اُسے یاد آ گیا کہ ناچنے گانے والیوں میں اُسے سارہ نظر نہیں آئی تھی۔ اس کی غیر حاضری کی وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ بیمار ہے یا اس پیشے سے تنگ آ کر بھاگ گئی ہے۔ جیکب کو معلوم تھا کہ سارہ اس پیشے سے خوش نہیں ہے، کیونکہ وہ خود نہیں آئی، لائی گئی ہے۔ جیکب بھی اسی محل کے قریب رہتا تھا اور اس کی ڈیوٹی محل میں ہی ہوتی تھی۔ ایسی ہی ایک ضیافت کے دوران سارہ اتفاق سے جیکب سے ملی تھی۔ سارہ کو سب مغرور لڑکی کہا کرتے تھے، کیونکہ وہ کسی کے ساتھ بولتی نہیں تھی۔ جیکب میں نہ جانے اُسے کیا نظر آیا کہ اُسے وہ پسند کرنے لگی۔ جیکب کو بھی یہ لڑکی اچھی لگنے لگی۔

ایک رات سارہ محل سے فارغ ہو کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ اسے جیکب مل گیا۔ سارہ نے اسے کہا کہ ''میں اکیلی جا رہی ہوں، میرے ساتھ کمرے تک نہیں چلو گے؟''

''اکیلے جاتے ڈر آتا ہے؟'' جیکب نے کہا...... ''یہاں سے تمہیں کوئی اغوا کر کے نہیں لے جا سکتا''۔

''اب میں اغوا نہیں ہو سکتی''۔ سارہ کی مُسکراہٹ بجھ گئی۔ کہنے لگی...... ''اب تو اپنے آپ کو خود ہی اغوا کروں گی...... میرے ساتھ چلو۔ اکیلے جاتے ڈر تو نہیں آتا۔ تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے''۔

سارہ جیسی حسین لڑکی کا جیکب کو پسند کرنا کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ جیکب مردانہ حسن اور وجاہت کا شاہکار تھا۔ چند اور لڑکیوں نے بھی اس کے ساتھ دوستی کی پیش کش کی تھی لیکن جیکب ان سے دُور ہی رہا تھا۔ دور رہنے کی وجہ تھی کہ یہ سب ناپاک اور عصمت بریدہ لڑکیاں تھیں۔ جیکب نے اُن کی پیش کش ٹھکرا کر اپنی قیمت چڑھالی اور اپنی کشش میں اضافہ کر لیا تھا۔ وہاں تو یہ عالم تھا کہ بدکاری کو گناہ کی بجائے تفریح بلکہ جائز تفریح سمجھا جاتا تھا۔ پہلی ملاقات میں جیکب سارہ کو بھی ایسی ہی بدکار

لڑکی سمجھا تھا لیکن سارہ میں سنجیدگی اور متانت سی تھی جو جیکب کو اچھی لگی تھی۔ سارہ کو جب یہ پتہ چلا کہ جیکب شراب بھی نہیں پیتا تو وہ اُسے زیادہ اچھا لگنے لگا تھا۔ پھر ایک رات سارہ نے اُس کے منہ سے اپنی تعریف کرانے کے لئے پوچھا تھا..... ''تم نے میرے رقص کی کبھی تعریف نہیں کی۔ دوسرے مجھے راستے میں روک کر میرے فن اور جسم کی تعریف کیا کرتے ہیں؟''

''میری زبان سے تم اپنے فن کی تعریف کبھی نہیں سنو گی''..... جیکب نے جواب دیا..... ''البتہ تمہارے جسم میں جادو کا سا اثر ہے۔ بہت اچھا جسم ہے۔ خدا نے تمہارے چہرے مہرے میں جو کشش پیدا کی ہے۔ وہ خدا کے بندوں کی نظروں کو جکڑ لیتی ہے لیکن یہ جسم ناچتا ہوا اچھا نہیں لگتا، نہ کسی کو انگلیوں پر نچاتا ہوا اچھا لگتا ہے۔ یہ جسم کسی ایک مرد کی ملکیت ہوتا ہے۔ وہ مرد چھ کلمے پڑھ کر اس جسم کو احترام اور پیار کے ساتھ مستور کر کے لے جاتا تو اس جسم پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ تم خدا کی توہین کر رہی ہو''۔

''جیکب؟'' سارہ نے اسے حیران سا ہو کے کہا..... ''تم کون سے چھ کلموں کی بات کر رہے ہو؟ عیسائی اپنی دلہنوں کو مستور کر کے بھی نہیں لے جاتے''۔

جیکب گھبرا گیا، پھر اچانک قہقہہ لگا کر بولا..... ''میرے دماغ پر مسلمان سوار رہتے ہیں۔ میری اپنی تو شادی ہوئی نہیں، مسلمانوں کی شادیاں دیکھی ہیں''۔

اُس نے وضاحت کی کہ ''چھ کلمے'' اُس کے منہ سے نکل گئے ہیں مگر سارہ اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی، پھر وہ چپ سی ہو گئی اور خلاؤں میں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ بے تاب سی ہو کر اُس نے جیکب کے بازو پر ہاتھ رکھا اور پوچھا..... ''تم مسلمان تو نہیں جیکب؟ میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم جاسوس ہو۔ ہو سکتا ہے ملازمت کی خاطر تم نے اپنے آپ کو عیسائی بنا رکھا ہو یا عیسائی مذہب قبول کر لیا ہو''۔

''جیکب مسلمان نہیں ہوا کرتے سارہ!'' جیکب نے کہا..... ''میرا نام گلبرٹ جیکب ہے۔ تم اتنی پریشان اور اداس کیوں ہو گئی ہو؟ معلوم ہوتا ہے تمہارے دل میں مسلمان کے خلاف اتنی نفرت ہے کہ تم ان کلموں کا نام بھی نہیں سننا چاہتی''۔

''تمہیں راز کی ایک بات بتاؤں؟'' سارہ نے کہا..... ''شاید تم اچھا نہ جانو مجھے مسلمان اچھے لگتے ہیں۔ ان کی وجہ شاید یہی ہے کہ وہ چھ کلمے پڑھ کر اپنی دلہنوں کو مستور کر کے لے جاتے ہیں''۔ اس نے آہ بھر کر کہا..... ''عورت عریاں کر دی جاتی ہے تو اُسے احساس ہوتا ہے کہ مستور ہونے میں جو روحانی اقرار تھا، وہ چھن گیا ہے۔ ناچنے میں بھی لذت نہیں اور اپنے حسن کا جادو طاری کر کے دوسروں کو انگلیوں پر نچانے پر بھی قرار نہیں۔ میں جب تنہائی میں آئینے کے سامنے کھڑی ہوتی ہوں تو آئینے میں مجھے ایک قابلِ نفرت عورت نظر آتی ہے۔ میں اپنے عکس کو مستور نہیں کر سکتی۔ اس پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔ البتہ میری روح پر سیاہ پردہ پڑ گیا ہے''۔

''تم اس پیشے سے اتنی متنفر ہو تو نکل بھاگو یہاں سے؟'' جیکب نے کہا۔

''کدھر کو؟'' سارہ نے کہا..... ''یہاں سے بھاگوں گی تو کسی قحبہ خانے والوں کے قبضے میں آ جاؤں گی..... کیا تم میرے رقص کو پسند کرتے ہو یا مجھے؟''

''میں اُس سارہ کو پسند کرتا ہوں جو اس پیشے سے نفرت کرتی ہے، اُداس اور پریشان رہتی ہے''۔ جیکب نے کہا..... ''میں کہہ چکا ہوں کہ تم خدا کی توہین کر رہی ہو''۔

"تم فوج میں کس طرح آ گئے ہو؟" سارہ نے کہا...... "تمہیں کسی دیہاتی گرجے میں پادری ہونا چاہیے تھا... تم ہر روز کتنی شراب پیتے ہو؟"

"اس کی بو سے بھی نفرت ہے"۔

"پھر تم مسلمان ہو"۔ سارہ نے وثوق کے لہجے میں کہا...... "اگر تم نہیں تو تمہارا باپ مسلمان تھا۔ تم عورت کو مستور دیکھنا چاہتے ہو۔ تمہیں رقص پسند نہیں۔ تمہیں شراب کی بو سے بھی نفرت ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ مجھے تو جو کوئی بھی دیکھتا ہے، کھا جانے کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ تم میرے دل کے درد کو سمجھتے ہو نا؟"

"سمجھتا ہوں سارہ!" جیکب نے کہا...... "یہ درد میرے دل نے محسوس کیا تھا"۔

پھر وہ کئی بار ملے۔ سارہ جیکب کے ساتھ دل کی باتیں کیا کرتی تھی۔ اُس نے جیکب سے کئی بار کہا تھا کہ تمہاری چال ڈھال اور تمہارے خیالات مسلمانوں جیسے ہیں۔ جیکب نے کئی بار اُس سے پوچھا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اتنا زیادہ پسند کیوں کرتی ہے؟ سارہ نے کبھی کوئی ٹھوس جواب نہیں دیا تھا۔ البتہ دونوں نے یہ ضرور محسوس کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے دل میں اُتر گئے ہیں۔

☆

ضیافت کی رات جب جیکب اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر کسی اور طرف جا رہا تھا، وہ سارہ کی رہائش کی طرف چل پڑا۔ ضیافت میں سارہ کی غیر حاضری کی وجہ بیماری ہی ہو سکتی تھی۔ اس عمارت میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ جیکب نے وہاں جانے کا خطرہ اس لیے مول لے لیا کہ تمام لڑکیاں ضیافت میں گئی ہوئی تھیں اور وہاں ملازم عورتیں بھی نہیں تھیں۔ جیکب اندھیرے طرف سے گیا۔ وہ سارہ کا کمرہ جانتا تھا۔ وہ دبے پاؤں کمرے کے دروازے تک پہنچا۔ ہاتھ لگایا تو کواڑ کھل گیا۔ ایک کمرے سے گزر کر وہ دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں چھوٹی سی قندیل جل رہی تھی، جس کی مدھم سی روشنی میں اُسے سارہ سوئی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اُسے یہ لڑکی دودھ پیتے بچے کی طرح معصوم لگی۔ اُس کا ہاتھ اپنے ہی بکھرے ہوئے بالوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ کھڑکی کھلی تھی۔ بحیرۂ روم کی ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکوں سے سارہ کے بکھرے ہوئے بال آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ وہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ جیکب نے ہاتھ اُس کی پیشانی پر رکھا۔ پیشانی اتنی ہی گرم تھی جتنی اُس عمر کی سوئی ہوئی لڑکی کی گرم ہونی چاہیے تھی۔ جیکب کو یہ اطمینان ہو گیا کہ سارہ کو بخار نہیں۔

"تم نخلستان کا پھول ہو جو بادشاہوں کی خواب گاہوں میں آ کر مرجھا جاتا ہے"۔ جیکب نے دل ہی دل میں سارہ سے کہا...... "تم صبح کا ستارہ ہو جو سورج کی چمک سے بجھ جاتا ہے اور رات کو پھر چمک اُٹھتا ہے۔ تمہاری زندگی راتوں کے اندھیرے میں بیت رہی ہے۔ تمہاری قسمت اندھیرے میں لکھی گئی تھی...... تم مجھے کیوں اچھی لگتی ہو؟ مجھ سے بار بار کیوں پوچھتی ہو کہ میں نے چھ کلموں کا ذکر کیوں کیا تھا؟ تم کسی مسلمان کی ماں کی کوکھ کی پیداوار تو نہیں؟ تمہاری رگوں میں کسی مسلمان باپ کا خون تو نہیں؟ اس راز سے پردہ کون اُٹھائے گا؟ میں تمہارے لیے راز ہوں، تم میرے لیے راز ہو"۔

جیکب کو یاد آ گیا کہ صلیبی فوجی مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ ان کی بچیوں کو اُٹھا لے جاتے ہیں اور انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر جاسوسی اور بے حیائی اور رقص کی تربیت دیتے ہیں۔ سارہ بھی شاید انہی بدنصیب لڑکیوں میں سے ہو گی، ورنہ یہ قوم احساسات اور جذبات کے لحاظ سے مردہ اور بے حیائی میں پوری طرح زندہ ہوتی ہے۔ جیکب بھول گیا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ کسی مرد کو ان کمروں میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ سارہ اُس کے دل میں ایسی اُتری تھی کہ وہ

خطروں سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ اُس سے رہا نہ گیا۔ اُس نے قندیل بجھا دی اور اس کے ساتھ ہی سارہ کی آنکھ کھل گئی۔

جیکب کو اُس کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی...... ''کون ہو؟''

''جیکب''

''اس وقت یہاں کیوں آ گئے ہو؟'' سارہ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں محبت بھی تھی، ہمدردی بھی۔ ''کسی نے دیکھ لیا تو تم سیدھے قید خانے میں جاؤ گے۔ مجھے باہر بلا لیا ہوتا''۔

''یہ پریشانی مجھے اس خطرے میں لے آئی ہے کہ تم بیمار ہو؟'' جیکب نے اندھیرے میں اُس کے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا...... ''روشنی اس لیے گل کر دی ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ میں کسی اور نیت سے نہیں آیا سارہ! معلوم نہیں کیا کشش ہے جو مجھے یہاں لے آئی ہے۔ تمہیں بخار تو نہیں؟''

''میری روح علیل ہے''۔ سارہ نے کہا...... ''میں تو جب بھی محفلوں اور ضیافتوں میں ناچتی ہوں، میرا دِل ساتھ نہیں ہوتا۔ میرا جسم ناچتا ہے اور روح مرجاتی ہے، مگر آج جب مجھے کہا گیا کہ موصل سے دو بڑے ہی اہم مہمان آ رہے ہیں تو روح کے ساتھ میرا جسم بھی بے جان ہو گیا۔ مجھے متلی آنے لگی اور سر چکرانے لگا۔ مجھے ان بادشاہوں کی جنگوں اور ان کے امن اور دوستی کے معاہدوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں لیکن میرے کانوں میں جب یہ بات پڑی کہ موصل سے اہم مہمان آ رہے ہیں تو مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے صلیبیوں اور مسلمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ میرا گہرا تعلق ہے۔ میں ابھی تک یہ نہیں سوچ سکی کہ میرا روحانی تعلق کس کے ساتھ ہے۔ صرف یہ احساس جاگ اُٹھا کہ میں اس محفل میں نہیں ناچ سکوں گی۔ میں موصل کے مہمانوں کا سامنا نہیں کر سکوں گی یا وہ مجھے دیکھ کر وہاں سے بھاگ جائیں گے''۔

''کیوں؟'' جیکب نے پوچھا...... ''موصل والوں کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''میں بتا نہیں سکتی''۔ سارہ نے کہا...... ''میں تو اپنے آپ کو بھی یہ بتانے سے ڈرتی ہوں کہ موصل والوں کے ساتھ میرا کیا تعلق ہے''۔

''سارہ!'' جیکب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا...... ''تم اپنا آپ مجھ سے کیوں چھپا رہی ہو؟ کیا تمہیں کسی قافلے سے اغوا کیا گیا تھا؟ تم کس باپ کی بیٹی ہو؟''

سارہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ جیکب چونک اُٹھا۔ دونوں نے کھڑکی کی طرف دیکھا جو کھلی ہوئی تھی، وہاں ایک سایہ کھڑا نظر آیا۔ سارہ نے جیکب کے کان میں سرگوشی کی...... ''پلنگ کے نیچے ہو جاؤ''...... جیکب نے اندھیرے سے فائدہ اُٹھایا۔ آہستہ سے سرک کر فرش پر بیٹھا اور آواز پیدا کیے بغیر پلنگ کے نیچے چلا گیا۔ سارہ لیٹ گئی۔

''سارہ!'' کھڑکی کے ساتھ کھڑے سائے کی آواز آئی۔ یہ ایک بوڑھی عورت کی آواز تھی جو بعض راتیں ناچنے گانے والیوں کو دیکھا کرتی تھی کہ کوئی لڑکی غیر حاضر تو نہیں۔

اُس کی آواز پر سارہ نہ بولی۔ عورت نے اُسے ایک اور آواز دی۔ سارہ پھر بھی نہ بولی۔ عورت نے تحکمانہ لہجے میں کہا...... ''سارہ تم سوئی ہوئی نہیں ہو۔ مجھے جواب دو۔ قندیل کیوں بجھی ہوئی ہے؟''

سارہ نے منہ سے ایسی آواز نکالی، جیسے ہڑبڑا کر جاگ اُٹھی ہو۔ گھبراہٹ کی اداکاری کرتے ہوئے بولی۔

''کون ہو؟ کیا ہو گیا ہے؟''

''میں اُدھر سے آ کر بتاتی ہوں''۔ عورت کا سایہ کھڑکی سے ہٹ گیا۔ وہ دروازے کی طرف سے آنا چاہتی تھی۔

سارہ نے جھک کر جیکب سے کہا۔۔۔۔۔ ''وہ دوسری طرف سے آرہی ہے، باہر آ ؤ اور کھڑکی سے کود جاؤ''۔

''نہیں سارہ!'' جیکب نے پلنگ کے نیچے سے نکل کر کہا۔۔۔۔۔ ''میں اسے جانتا ہوں، آنے دو اسے۔ میں اس کی مٹھی گرم کردوں گا تو خاموشی سے چلی جائے گی''۔

''یہ خبیث عورت ہے''۔ سارہ نے کہا۔۔۔۔۔ ''یہ در پردہ لڑکیوں کی دلالی کرتی ہے۔ تم فوراً نکلو یہاں سے، ورنہ میرا جھوٹ مجھے مروا دے گا۔ میں اسے سنبھال لوں گی''۔

وہ عورت ابھی دروازے تک آئی ہی تھی کہ جیکب کھڑکی سے باہر کود گیا۔ سارہ نے قندیل جلا دی۔ عورت اندر آئی۔ جسم کے لحاظ سے وہ عورت کم اور مرد زیادہ تھی۔ وہ سارہ پر برس پڑی۔ سارہ نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس کمرے میں اور کوئی نہیں تھا اور شاید خواب میں بول رہی ہوگی۔ عورت نے اُسے کہا کہ خواب میں عورت کی آواز مرد جیسی بھاری نہیں ہو جایا کرتی۔

''یہ کیا ہے؟'' عورت نے جھک کر پلنگ کے قریب فرش پر گرا ہوا ایک رومال اُٹھایا۔ یہ گز بھر لمبا اور اتنا ہی چوڑا کپڑا تھا جو مرد گرمی سے بچنے کے لیے سر پر ڈال لیا کرتے تھے۔ ''یہ کس کا ہے؟ یہ اُس کا ہے جو تمہارے پاس آیا بیٹھا تھا۔ وہ کون تھا؟ تم نے اُس سے کتنی رقم لی ہے؟''

''میں عصمت فروش نہیں''۔ سارہ نے غصے سے کہا۔۔۔۔۔ ''میں رقاصہ ہوں۔ تم جانتی ہو، میں کسی مرد کو منہ نہیں لگاتی''۔

''سنو سارہ!'' عورت اُس کے پاس بیٹھ گئی اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے بولی۔۔۔ ''یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ تم رقاصہ ہو مگر تم یہ نہیں جانتی کہ رقاصہ فوج کی جرنیل یا شہر کی حاکم نہیں ہوا کرتی۔ میں اتنی سی بات کہہ دوں گی کہ تمہارے پاس رات کو ایک آدمی آیا تھا وہ تمہیں بیروت کے کسی انتہائی گھٹیا قحبہ خانے میں بیچ ڈالیں گے یا تمہیں قید میں ڈال دیں گے۔ اس نشے میں بات نہ کرو کہ تم شاہی رقاصہ ہو۔ یہاں تمہارا کوئی مقام نہیں''۔

''تم مطلب کی بات کرو''۔ سارہ نے کہا۔۔۔۔۔ ''تم مجھ پر جو مہربانی کرنا چاہتی ہو، اُس کا معاوضہ کیا لوگی؟ میں ابھی ادا کر دیتی ہوں''۔

''میں تم سے کچھ بھی نہیں لوں گی''۔ عورت نے کہا۔ ''میں کسی اور سے معاوضہ وصول کروں گی۔ تمہاری ہاں کی ضرورت ہے''۔

سارہ اُس کا مطلب سمجھ گئی۔ باہر سے شاہی مہمان آتے ہی رہتے تھے۔ ان میں عیسائی بھی ہوتے تھے، مسلمان بھی۔ شاہی حیثیت کے مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے لڑکیاں موجود رہتی تھیں، لیکن اُن کے ساتھ جو عملہ آتا تھا، انہیں اس قسم کی عیاشی مہیا نہیں کی جاتی تھی۔ یہ عورت ان لوگوں سے مل کر اُن کے پاس لڑکیاں بھیجا کرتی اور منہ مانگا معاوضہ وصول کرتی تھی۔ یہ اُس کا خفیہ کاروبار تھا۔ بعض شاہی مہمان ایسے ہوتے تھے جو سرکاری طور پر دی ہوئی لڑکی سے مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ یہ عورت در پردہ محل کے ایک دو ملازموں کے ذریعے اُن کی یہ ضرورت پوری کرتی اور انعام لیتی تھی۔ سارہ اُس کے ہاتھ کبھی نہیں آئی تھی مگر اب یہ لڑکی اُس کے جال میں آ گئی۔ وہ اگر بتاتی کہ اُس کے پاس جیکب آیا تھا اور اُس کے ساتھ اس کا تعلق پاک ہے تو یہ عورت کبھی یقین نہ کرتی اور دوسرا ظلم یہ ہوتا کہ جیکب کو قید میں ڈال کر بڑی ہی ظالمانہ اذیتیں دے دے کر مار دیا جاتا۔

''سارہ!'' عورت نے کہا۔۔۔۔۔ ''اگر اپنے ہولناک انجام سے بچنا چاہتی ہو تو میری بات مان لو۔ باہر سے دو

مہمان آئے ہوئے ہیں۔ بہت دولت مند ہیں۔ پرسوں سے وہ ملازموں سے کہہ رہے ہیں کہ انہیں اچھی قسم کی لڑکیوں کی ضرورت ہے۔ یہ دراصل اُن کی عادت ہے۔ اپنے ہاں حرموں میں بیس بیس تیس تیس لڑکیاں جمع کیے رکھتے ہیں۔ یہاں بھی چاہتے ہیں کہ ان کے کمروں میں لڑکیوں کی چہل پہل لگی رہے۔ کل تم اِن میں سے ایک کے پاس چلی جانا''۔

''کون ہیں وہ؟'' سارہ نے پوچھا..... ''اگر مسلمان ہیں تو میں اُن کے پاس نہیں جاؤں گی''۔

''تو قید خانے میں جاؤ'' عورت نے کہا..... ''ہوش میں آؤ۔ اپنے آپ کو دیکھو۔ تم کیا ہو۔ اپنے پیشے کو دیکھو۔ شریف بننے کی کوشش نہ کرو۔ وہ دِل کھول کر انعام دیں گے جس میں تمہارا حصہ بھی ہوگا''۔

''اور پکڑے گئے تو؟''

''میں پکڑنے والوں کا منہ بند رکھا کرتی ہوں'' ۔عورت نے کہا..... ''کل رات تیار رہنا۔ اب تم سے بالکل نہیں پوچھوں گی کہ ابھی ابھی تمہارے پاس کون آیا تھا''۔

عورت چلی گئی۔ سارہ کے آنسو بہنے لگے۔

جیکب بھاگنے والا آدمی نہیں تھا لیکن وہ اِس ڈر سے نکل گیا کہ سارہ کی مصیبت آجائے گی۔ اُسے اُمید تھی کہ سارہ اسی غلیظ دُنیا کی لڑکی ہے، وہ اس عورت کو سنبھال لے گی۔ وہ شہر کی طرف چلا جارہا تھا۔ اس کے ذہن پر سارہ چھائی ہوئی تھی۔ سارہ سے اُسے دِلی محبت ہوگئی تھی اور سارہ اس کے لیے معمہ بھی بن گئی۔ اُسے رہ رہ کر یہی خیال آرہا تھا کہ سارہ کسی مسلمان باپ کی بیٹی ہے..... وہ چلتے چلتے شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں داخل ہوگیا۔ گلیوں کے موڑ مڑتا ایک مکان کے سامنے رُکا اور دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔

''کون؟''

''حسن!'' جیکب نے جواب دیا۔

''اتنی رات گئے؟'' دروازہ کھولنے والے نے پوچھا۔ ''فوراً اندر آجاؤ۔ کسی نے دیکھا تو نہیں؟''

''نہیں'' ۔جیکب نے جواب دیا..... ''کافروں کی ضیافت سے ابھی فارغ ہوا ہوں۔ ایک ضروری اطلاع لایا ہوں''۔

وہ اندر چلا گیا۔ دروازہ بند ہوگیا۔ اب وہ جیکب نہیں بلکہ حسن الادریس تھا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا۔ اس نے ایک سال پہلے اپنے آپ کو ایک عیسائی ظاہر کرکے اور نام گلبرٹ جیکب بنا کر صلیبی فوج میں ملازمت کرلی تھی۔ گورے رنگ کا جوان تھا۔ ٹریننگ کے مطابق وہ اداکاری اور چرب زبانی کا ماہر تھا۔ اس کی شکل وصورت اور دراز قد کی بدولت اُسے محل کی خصوصی ڈیوٹی کے لیے منتخب کرلیا گیا تھا۔ یہاں سے وہ قاہرہ کو خبریں بھیجتا رہتا تھا۔ اس کے گروہ کا لیڈر حاتم اس مکان میں رہتا تھا جس میں وہ داخل ہوگیا تھا۔

''موصل کے دو ایلچی بالڈون کے پاس آئے ہیں'' ۔حسن نے اپنے لیڈر کو بتایا..... ''میں نے یہ یقین کرلیا ہے کہ یہ دونوں موصل سے آئے ہیں اور دونوں مسلمان ہیں۔ انہیں بالڈون اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ والیٔ موصل عزالدین کا کوئی پیغام لے کر آئے ہیں''۔

''اور یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف معاہدے کا پیغام ہوگا'' ۔لیڈر نے کہا..... ''یہ معلوم کرلیا ہے کہ ان کے درمیان کیا طے پایا ہے؟ سلطان ابھی تک اس دھوکے میں ہیں کہ عزالدین اور عمادالدین ہمارے دوست ہیں یا کم از کم ہمارے خلاف لڑیں گے نہیں''۔

''اُن کی بات چیت بند کمرے میں ہوئی ہے'' حسن نے کہا...... ''میرا خیال ہے کہ جو کچھ طے ہونا تھا، ہو چکا ہے۔ میں نے ان میں سے ایک کے ساتھ بات کی تھی۔ وہ بہت خوش نظر آتا تھا۔ بدبخت نے شراب اس قدر پی لی تھی کہ اس نے نشے میں مجھے بڑا صاف اشارہ دے دیا کہ وہ دونوں مسلمان ہیں اور موصل سے آئے ہیں۔ مجھے کہتا تھا کہ وہ ہماری یعنی صلیبیوں کی محبت دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکا اور گر پڑا''۔

''ہم سلطان کو صرف یہ اطلاع بھجوائیں کہ بیروت میں موصل کے دو آدمی آئے تھے، کافی نہیں''۔ حاتم نے کہا...... ''ہم اپنے سلطان سے بہت شرمسار ہیں کہ اُن تک ہماری یہ اطلاع نہ پہنچ سکی کہ وہ بیروت کو محاصرے میں لینے کا منصوبہ ترک کر دیں، کیونکہ بالڈون کو اس منصوبے کی اطلاع قاہرہ سے مل گئی ہے''۔

''اس میں ہمارا کوئی قصور نہ تھا'' حسن نے کہا۔ ''اسحاق ترک بروقت روانہ ہو گیا تھا۔ وہ دھوکہ دینے والا آدمی نہیں تھا۔ وہ راستے میں صحرا کا شکار ہو گیا یا پکڑا گیا ہے''۔

''بیروت کے محاصرے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا جو نقصان ہوا ہے۔ ہمیں اس کا ازالہ کرنا ہے''۔ حاتم نے کہا...... ''اُن کے لیے یہ خبر بہت اہم ہے کہ موصل والے بیروت والوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر رہے ہیں لیکن ہمیں پوری اطلاع دینی چاہیے کہ معاہدے میں کیا کیا شرائط طے ہوئیں اور کیا منصوبہ بنا ہے۔ اس وقت سلطان بہت بڑے خطرے میں بیٹھے ہیں۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ دوستوں کے درمیان محفوظ ہیں لیکن وہ دراصل دشمنوں کے گھیرے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں''۔ حاتم نے حسن سے پوچھا...... ''محل میں تم کوئی ایسا ذریعہ پیدا نہیں کر سکتے جو اندر کی باتیں بتا سکے؟''۔

''باتیں بند کمرے میں ہوئی ہیں'' حسن نے جواب دیا...... ''بالڈون یا اس کے مشیروں اور سالاروں سے تو پوچھا نہیں جا سکتا۔ ان دونوں آدمیوں کے سینے سے راز نکالنے کی کوشش کی جا سکتی ہے جو موصل سے آئے ہیں۔ میں ذریعہ پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر نہ ہوا تو دوسرا طریقہ اختیار کریں گے۔ یہ جب واپس جائیں گے تو انہیں راستے سے اغوا کر لیا جائے گا یا ضرورت پڑی تو ختم کر دیا جائے گا''۔

''انہیں ختم کرنے سے ہمارا مسئلہ حل نہیں ہو گا'' حاتم نے کہا...... ''ہمیں بالڈون اور عزالدین کے منصوبے کی ضرورت ہے''۔

''میری کوشش یہی ہو گی'' حسن نے کہا...... ''اگر منصوبہ نہ ملا تو ان دونوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچا دیا جائے گا''۔

''اگر انہیں قتل کرنا ہوا تو وہ میں یہیں کرا سکتا ہوں'' حاتم نے کہا...... ''جس قدر جلدی ہو سکے، مجھے بتاؤ کہ تم مطلوبہ معلومات حاصل کر سکتے ہو یا نہیں۔ میں صبح ایک آدمی کو سلطان کو یہ خبر دینے کے لیے روانہ کر دوں گا کہ بالڈون کے پاس عزالدین کے ایلچی آئے ہیں اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو گیا ہے، تا کہ سلطان اس خوش فہمی میں نہ پڑے رہیں کہ عزالدین اُن کا دوست ہے۔ تم بہت تھوڑے وقت میں مکمل اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کرو''۔

''میری کامیابی کے لیے دُعا کریں'' حسن اُٹھا اور باہر نکل گیا۔

☆

''صلیبی چھاپہ ماروں کو زندہ پکڑنے کی کوشش کرو'' سالار صارم مصری نے اپنے چھاپہ مار دستوں کے کمانداروں کو ہدایات دے رکھی تھیں...... ''لیکن اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالو جہاں حملہ کرو، وہاں کاری ضرب لگاؤ اور نکلنے کی

کوشش کرو اور جب تم پر حملہ ہو تو جم کر لڑو اور دشمن کو نکلنے نہ دو۔ یہ اتنی زیادہ فوج تمہارے بھروسے پر آرام کی نیند سوتی ہے اور اتنی زیادہ رسد تمہاری ذمہ داری پر پڑی ہے"۔

چھاپہ ماروں کو اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا۔ سلطان ایوبی نے خیمہ گاہ سے دُور چٹانوں اور بلند جگہوں پر بیس سے چالیس نفری کی چوکیاں قائم کر رکھی تھیں جن کے ذمے دیکھ بھال اور خیمہ گاہ کی حفاظت تھی۔ ایسی ہی ایک چوکی جو پہاڑیوں میں گھری ہوئی ایک چٹان پر تھی دشمن کے تیروں کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے اونچی پہاڑیاں تھیں اور ایک وادی۔ اس وادی میں سے فوج گزر سکتی تھی۔ اس ڈھکی چھپی گزرگاہ پر نظر رکھنے کے لیے یہ چوکی قائم کی گئی تھی، وہاں دو سوار گھوڑوں کے ساتھ ہر وقت تیار رہتے تھے، وہاں روزمرہ کا معمول بن گیا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد تین چار تیر آتے اور ایک دو سپاہیوں کو ختم کر دیتے۔ ایک شام ایک گھوڑے کو بیک وقت تین تیر لگے اور گھوڑا تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ تیر قریب کی پہاڑی سے آتے تھے۔ اس کے فوراً بعد اندھیرا چھا جاتا تھا، اس لیے تیر چلانے والوں کو ڈھونڈا نہیں جا سکتا تھا۔

ایک روز شام سے پہلے چوکی کے دو سپاہی پہاڑی پر کہیں چھپ کر بیٹھ گئے۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ دو تیر آئے، دونوں اِن دو سپاہیوں کی پیٹھوں میں لگے۔ دونوں شہید ہو گئے۔ صبح اُن کی اَدھ کھائی لاشیں اُٹھائی گئیں۔ رات کو بھیڑیئے لاشوں کو کھاتے رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ صلیبی چھاپہ ماروں کا کام ہے۔ اگلے روز دس سپاہیوں کا ایک گشتی جیش علاقے کی تلاشی کے لیے بھیجا گیا۔ پہاڑی علاقے میں جا کر چار چار افراد میں تقسیم ہو کر بکھر گیا۔ ایک جگہ دس بارہ سال کی عمر کا ایک بچہ نظر آیا۔ وہ سپاہیوں کو دیکھ کر دوڑ پڑا۔ اور ایک بلند چٹان کے دامن میں غائب ہو گیا۔ وہ گڈریا ہو سکتا تھا لیکن وہاں کوئی بھیڑ بکری اور کوئی اونٹ نہیں تھا۔ سپاہی وہاں تک گئے تو انہیں چٹان میں تنگ سا ایک دہانہ نظر آیا جو کسی غار کا تھا۔ بچہ اِسی میں چلا گیا ہو گا۔

سپاہیوں نے دہانے کے ساتھ کان لگائے تو اندر سے انہیں باتوں کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دی۔ کسی بچے کا غار میں چھپ جانا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ یہ سپاہی اس بچے سے صلیبی چھاپہ ماروں کے متعلق پوچھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بہت پکارا لیکن غار میں خاموشی چھا گئی۔ سپاہیوں نے دھمکی دی کہ جو کوئی اندر ہے، باہر آ جائے، ورنہ ہم اندر آ کر سب کو قتل کر دیں گے۔ اندر سے ایک جوان عورت نکلی۔ وہ اس علاقے کی زبان میں سپاہیوں کو کوسنے لگی۔ پھر رو پڑی اور کہا کہ مجھے قتل کر دو، میرے بچوں کو بخش دو۔ اُس کے دو بچے تھے۔ ایک دس بارہ سال کا جو باہر سے دوڑا تھا اور دوسرا چند مہینوں کا تھا جو اس عورت نے اندر سلایا ہوا تھا۔

سپاہیوں نے اسے بتایا کہ وہ مسلمان سپاہی ہیں مگر عورت انہیں گالیاں دینے لگیں اور منت سماجت بھی کرنے لگی۔ اس نے بتایا کہ دو روز ہوئے اس کے گاؤں میں پندرہ سولہ صلیبی سپاہی آئے اور گاؤں پر قبضہ کر لیا...... انہوں نے تمام گھروں کی تلاشی لی۔ اس عورت کے خاوند کو قتل کر دیا۔ قتل اس طرح کیا کہ انہوں نے گاؤں کے تمام بچوں، جوانوں، بوڑھوں اور تمام عورتوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے کہا کسی کو پتہ نہ چلنے دیں کہ اس گاؤں میں سپاہی رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی اور گھوڑوں کی خوراک کی ذمہ داری گاؤں پر ڈال دی۔ ان کے کمان دار نے تلوار نکالی۔ اس عورت کا خاوند سب سے آگے کھڑا تھا۔ کمان دار نے خاوند کو بازو سے پکڑ کر آگے کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اُس نے گاؤں والوں سے کہا کہ کسی نے اُن کے حکم کی نافرمانی کی تو اُسے ایسی سزا ملے گی۔

لگے۔ یہ عورت رات کو موقعہ پا کر وہاں سے بھاگ آئی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ سپاہی ابھی تک گاؤں میں موجود ہیں یا نہیں۔ یہ گاؤں وہاں سے تھوڑی ہی دُور تھا۔ سپاہی عورت کو وہیں چھوڑ کر گاؤں کی طرف گئے۔ پہاڑی سلسلہ ختم ہو جاتا تھا، وہاں وسیع میدان تھا جس میں پندرہ بیس جھونپڑوں کا ایک گاؤں تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا گشتی جیش گھوڑوں پر سوار تھا۔ انہوں نے گاؤں پر یلغار کرنے کے لیے گھوڑے دوڑا دیئے۔ اُس وقت صلیبی سپاہی جو گاؤں پر قابض تھے، گاؤں میں موجود تھے۔ انہوں نے شاید پہرہ کھڑا کر رکھا تھا۔ گھوڑ سوار ابھی گاؤں سے کچھ دُور ہی تھے کہ تمام صلیبی سپاہی باہر آگئے۔ اُن کے آگے چند ایک بچے اور بہت سی عورتیں تھیں۔ انہوں نے بچوں اور عورتوں کو ایک جگہ اکٹھے کر کے کھڑا کر دیا اور خود ننگی تلواریں ہاتھوں میں لے کر اُن کے گرد نیم دائرے میں کھڑے ہو گئے۔ ایک نے سلطان ایوبی کے سواروں سے مخاطب ہو کر چلّا کر کہا..... ''اگر تم آگے آؤ گے تو ہم اِن بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیں گے''۔

سوار بیس پچیس قدم دُور رُک گئے۔ وہ مسلمان بچوں اور عورتوں کو صلیبیوں کے ہاتھوں قتل نہیں کرانا چاہتے ہیں۔

''بزدلو!''..... سلطان ایوبی کے چھاپہ مار جیش کے کمان دار نے کہا..... ''صلیب کی خاطر لڑنے آئے ہو تو مردوں کی طرح سامنے آ کر لڑو۔ عورتوں اور بچوں کی ڈھال کے پیچھے کیوں کھڑے ہو''۔

''تم سب واپس چلے جاؤ''..... صلیبی کمان دار نے کہا..... ''ہم گاؤں سے چلے جائیں گے''۔

جن بچوں اور عورتوں کو صلیبی سپاہیوں نے یرغمال بنا رکھا تھا، ان میں سے ایک عورت نے سلطان ایوبی کے سپاہیوں سے بلند آواز سے کہا..... ''اسلام کے سپاہیو! رُک کیوں گئے ہو۔ ہمیں اپنے گھوڑوں تلے روند ڈالو۔ ان کافروں میں سے کسی کو زندہ نہ جانے دو۔ ہم اپنے بچوں سمیت مرنے کو تیار ہیں''۔

صلیبی کمان دار نے تلوار کا بھرپور وار کیا۔ اس عورت کا سر اس کے جسم سے کٹ کر گر پڑا۔ سلطان ایوبی کے گشتی جیش نے اپنے سپاہیوں کو تیر و کمان نکالنے کا حکم دیا۔ پلک جھپکتے انہوں نے کمانیں کندھوں سے اُتاریں، آگے کیں اور ترکشوں سے ایک ایک تیر نکال کر کمانوں میں ڈال لیا۔ تمام صلیبی سپاہی بچوں اور عورتوں کے پیچھے بیٹھ گئے۔

''جھوٹے مذہب کے پجاریو!''..... مسلمان کمان دار نے کہا..... ''سپاہی بچوں اور عورتوں کی پیٹھ پیچھے نہیں چھپا کرتے''

صلیبی ایک غلطی کر بیٹھے تھے۔ وہ شاید بھول گئے تھے کہ گاؤں میں مرد بھی ہیں۔ ان مردوں کو صلیبیوں نے بہت خوف زدہ کر رکھا تھا۔ وہ بھی اپنے بچوں اور عورتوں کے قتل سے ڈرتے تھے۔ اتنے میں ایک عورت نے للکار کر کہا..... ''یہ کافر تو بزدل ہیں، تم ہمارے خون سے کیوں ڈرتے ہو''..... اس نے اپنے سامنے کھڑے تین چار سال کے بچے کو اُٹھایا اور اُسے آگے زمین پر پھینک کر کہا..... ''میں اپنے اس بچے کی قربانی خوشی سے دیتی ہوں۔ حملہ بولو۔ دس کافروں کی جان لینے کے لیے میں اپنا بچہ قربان کرتی ہوں''۔

''ایک صلیبی تلوار سونتے اس عورت کو قتل کرنے کو اُٹھا مگر اسے اتنی مہلت نہ ملی۔ ان کے عقب سے گاؤں کے تمام آدمی برچھیاں، لاٹھیاں اور جو ہاتھ لگا اُٹھائے صلیبی سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ صلیبی بچوں اور عورتوں کے پیچھے تیروں سے بچنے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ جب مقابلے کے اُٹھے، مسلمان سپاہیوں نے حملہ بول دیا۔ ان میں سے دو تین سپاہی چلا رہے تھے۔ ''عورتیں نکل بھاگیں، بچوں کو ایک طرف کر لو''۔

ان کے گھوڑے صحرائی آندھی کی طرح آ رہے تھے۔ عورتوں نے بچوں کو اُٹھایا اور نکل بھاگیں۔ گاؤں کے آدمی

گھوڑوں سے بچنے لگے۔ ذرا سی دیر میں دو صلیبیوں کے سوا باقی تمام کو مار ڈالا گیا۔ گاؤں والوں نے اُن کی لاشوں کا قیمہ بنا دیا۔ وہ دو زندہ صلیبیوں کو بھی اپنے ہاتھوں مارنا چاہتے تھے لیکن مسلمان جیش کے کمان دار نے بڑی مشکل سے انہیں سمجھایا کہ ان دونوں سے ان کے باقی ساتھیوں کا سراغ لگایا جائے گا۔

ان دونوں کو سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کے نائب سربراہ حسن بن عبداللہ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ اپنے چھاپہ مار دستوں کے متعلق سب کچھ بتا دیں۔ وہ سپاہی تھے۔ انہوں نے سب کچھ بتا دیا۔ یہ بالڈون کی فوج کے چھاپہ مار تھے۔ کم و بیش ایک ہزار چھاپہ مار سلطان ایوبی کی فوج اور رسد کو نقصان پہنچانے کے لیے بیروت سے بھیجے گئے تھے۔ ان کا ابھی کوئی مستقل اڈہ نہیں بنا تھا۔ وہ تمام علاقے میں پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ اسی طرح چھوٹے چھوٹے گاؤں پر قبضہ کر کے وہیں سے خوراک وغیرہ حاصل کریں اور سلطان ایوبی کی فوج کے لیے مصیبت بنے رہیں۔

انہیں سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اُس نے ان کی باتیں سنیں اور حکم دیا..... "ان دونوں کو دُور لے جا کر قتل کر دیا جائے۔ یہ قاتل اور لٹیرے ہیں"..... اس نے اپنے سالاروں سے کہا..... "اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صلیبی چھاپہ ماروں کو موصل میں یا کسی اور قلعے میں رہنے کی اجازت نہیں ملی ورنہ گاؤں کو اڈے نہ بناتے"۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا..... "ایسے ہر ایک گاؤں میں تھوڑی تھوڑی نفری بھیج دو۔ سپاہیوں کو سختی سے کہنا کہ گاؤں میں کسی کو پریشان نہ کریں۔ اپنی اور گھوڑوں کی خوراک فوج کی رسد سے لیں۔ کسی گاؤں سے اناج کا ایک دانہ اور چارے کا ایک تنکا بھی نہ لیا جائے"۔

☆

حسن حاتم کو رپورٹ دے کر واپس آیا تو وہ باقی رات سو نہ سکا۔ اُس کے ذہن پر سارہ سوار تھی۔ اُسے دن کو ہی پتہ چل سکتا تھا کہ سارہ کو اس عورت نے پکڑ لیا تھا۔ اس کی اسے کوئی سزا تو نہیں ملی؟ حسن کو معلوم تھا کہ وہ عورت کون ہے لیکن اس عورت سے مل کر وہ سارہ کی سفارش نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ اُسے بتا نہیں سکتا تھا کہ رات سارہ کے کمرے میں وہی تھا۔ حسن یہ بھی سوچ رہا تھا کہ وہ موصل کے ایلچیوں سے کس طرح معلوم کرے کہ بالڈون کے ساتھ انہوں نے کیا معاہدے طے کیا ہے۔ یہ راز انہی سے لیا جا سکتا تھا۔ اس اجلاس میں کوئی ملازم اندر نہیں تھا جس سے حسن کچھ معلوم کر لیتا۔ وہ جس قدر ذہن پر زور دے کر اس مسئلے کا حل ڈھونڈتا تھا، سارہ اتنی ہی زیادہ اُس کے ذہن پر غالب آتی جا رہی تھی۔

"سارہ!"..... اُس کے منہ سے سرگوشی نکل گئی جو غیر ارادی تھی۔ اس سے وہ چونک اُٹھا۔ اسے کچھ ایسا اطمینان ہونے لگا جیسے اسے مسئلے کا حل مل گیا ہو اور سارہ اس مسئلے کو حل کر دے گی۔ اسے یہ سوال پریشان کرنے لگا..... "کیا سارہ کسی مسلمان باپ کی بیٹی ہے؟"..... اور دوسرا سوال یہ کہ اسے اگر اپنا بچپن یاد آ جائے تو کیا وہ اس کا مسئلہ حل کر سکتی ہے؟ اس کا یہی ایک ذریعہ تھا کہ سارہ موصل کے کسی ایک ایلچی کو اپنا گرویدہ بنا لے اور اُس پر شراب اور اپنے حسن کا طلسم طاری کر کے اس کے سینے سے راز نکال لے مگر سوال یہ تھا کہ سارہ مان جائے گی؟ کہیں اسے ہی نہ پکڑوا دے۔

جاسوسوں کو خطرے مول لینے پڑتے تھے۔ ان کی کوشش تو یہی ہوتی تھی کہ پکڑے نہ جائیں لیکن وہ ڈر سے دبک کے بھی نہیں بیٹھ سکتے تھے کہ وہ پکڑے یا مارے جائیں گے۔ حسن کو اپنی نوجوانی کے فن کا کمال دکھانا تھا۔ اسے سارہ کی باتیں یاد آ رہی تھیں جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو پسند کرتی ہے۔ حسن کو یہ بھی احساس ہو گیا تھا کہ سارہ کو شک ہو گیا ہے کہ وہ (حسن) مسلمان ہے۔ حسن کا دماغ سوچ سوچ کر تھک گیا۔ اسے دُور سے صبح کی اذان کی آواز سنائی

دینے لگی۔ اُس کے دماغ پر اسلام اور خدا کا تقدس طاری ہو گیا۔ اس کی مدد خدا ہی کر سکتا تھا۔ اس نے اُٹھ کر وضو کیا اور کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ صلیبیوں کی اس دُنیا میں وہ مسلمان نہیں عیسائی تھا۔ حسن الادریس نہیں گلبرٹ جیکب تھا۔ وہ چھوٹے سے کمرے میں اکیلا رہتا تھا جہاں اُس نے حضرت عیسیٰ کا بت صلیب کے ساتھ لٹکا ہوا لٹکا رکھا تھا۔ دیوار کے ساتھ کسی مصور کی بنائی ہوئی مریم کی تصویر آویزاں کر رکھی تھی۔ قریب ہی صلیب لٹک رہی تھی۔ اُس نے یہ بُت، تصویر اور صلیب پلنگ کے نیچے رکھ دیں۔ دروازے کے اندر والی زنجیر چڑھا کر قبلہ رُو ہوا اور نماز پڑھنے لگا۔ وہ ہر روز اسی طرح چھپ کر نماز پڑھا کرتا تھا مگر اس کی جذباتی حالت کبھی ایسی نہیں ہوئی تھی جیسی اس صبح کی نماز میں ہوئی۔ اُس کے آنسو نکل آئے تھے۔ اس کے منہ سے یہ الفاظ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن'' (تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) بلند آواز سے نکل گئے تھے۔ اُسے پہلی بار محسوس ہوا۔ جیسے خدا اُس کے سامنے کھڑا ہے اور اتنی قریب کھڑا ہے کہ وہ خدا کو چھو سکے گا۔ اس نے نماز ختم کر کے دو نفل پڑھے اور دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اُس کی زبان سے الفاظ اس کے سوچے بغیر پھسلنے لگے..... ''قبلۂ اوّل کے خدا! آج تیرا نام لینے والے، تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان اُن انسانوں کے ڈر سے تیری مسجدِ اقصیٰ میں تیرے حضور سجدہ کرنے سے ڈرتے ہیں جو تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منکر ہیں۔ آج تیرا قبلۂ اوّل ویران ہو گیا ہے۔ جو زمین تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں سے مقدس اور مبارک ہوئی تھی، اس پر آج صلیب کا سیاہ سایہ پڑ گیا ہے جس بنی اسرائیل کو تیری ذلت نے دھتکار دیا تھا، وہ آج تیرے قبلۂ اوّل کو ہیکل سلیمانی کہہ رہی ہے......

''میرے خدا! اپنی عظمت کا پتہ دے۔ مجھے بتا تو عظیم ہے یا خدائے یہود۔ مجھے بتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیرے پاس ہیں، یا صلیبیوں کی صلیب پر لٹک رہے ہیں۔ اپنی عظمت کا پتہ دے۔ قرآن کی عظمت کا پتہ دے۔ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت کا پتہ دے اور مجھے اس کا سبب بتا کہ میں تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تیرے قرآن کی عظمت کا پتہ یہودیوں اور صلیبیوں کو دوں۔ مجھے ہمت عطا فرما کہ میں ان چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر سکوں جو سلطان صلاح الدین ایوبی اور قبلۂ اوّل کے درمیان حائل ہو گئی ہیں۔ مجھے روشنی دکھا کہ میں ان اندھیروں میں اپنے فرض کی منزل دیکھ سکوں۔ مجھے اتنے سخت امتحان میں ڈال کہ میری جان تیرے نام پر قربان ہو جائے لیکن وعدہ فرما کہ میری جان رائیگاں نہیں جائے گی۔ تجھے تیرے نام پر قربان ہونے والے شہیدوں کے یتیم بچوں کی قسم! مجھے ہمت اور روشنی عطا فرما کہ میں ان یتیموں کے باپوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لے سکوں......

...... ''تجھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کی اُن بیٹیوں کی قسم جن کی عصمتیں مسجدِ اقصیٰ کی آبرو کی خاطر لٹ گئی ہیں۔ مجھے جرأت عطا فرما کہ کفر کے ہر قلعے کو مسمار کر سکوں۔ اپنے غازی بندوں کو، اپنے حجازی بندوں کو ہمت اور ہدایت عطا فرما کہ وہ اپنی غیرت کا انتقام لیں اور آنے والی نسلیں یہ نہ کہیں کہ ہم بے غیرت تھے۔ آج بت بھی تیرے نام پر ہنس رہے ہیں۔ میرا خون کھول رہا ہے۔ مجھے وہ شجاعت عطا کر کہ میں پتھر کے ان بتوں کا مذاق اُڑا سکوں۔ میرے خدا! اگر تو یہ نہیں کر سکتا تو میرے خون کو سرد کر دے۔ مجھے ایسا بے غیرت بنا دے کہ مجھے یاد ہی نہ رہے کہ غیرت کس چیز کا نام ہے۔ میری بینائی واپس لے لے کہ میں اسلام کی بیٹیوں کو بے حیا اور بے آبرو ہوتا نہ دیکھ سکوں۔ میرے کان بند کر دے کہ میں تیرا نام نہ سن سکوں۔ میں ان مسلمانوں کی فریادیں نہ سن سکوں جو فلسطین میں صلیبیوں اور یہودیوں کے غلام ہو گئے ہیں''۔

حسن کی آواز بلند ہو گئی..... ''تو کہاں ہے؟..... تو ہے کہ نہیں؟..... بول میرے خدا! مجھے زبان دینے والے

خدا! خود بھی بول۔ مجھے بتا سنت برحق یا صلیب، یا مجھے فیصلہ کرنے دے کہ سچا کون ہے! سنت یا صلیب۔ قرآن تیری آواز ہے یا کسی بندے کی؟''

بڑی ہی ہولناک گڑگڑاہٹ سنائی دی جیسے چھت ہل رہی ہو۔ اس کے فوراً بعد رعد اتنی زور سے کڑکی کہ حسن کا کمرہ ہل گیا۔ کمرے کی درازوں میں سے حسن کو بجلی کی چمک دکھائی دی۔ اُس نے اور زیادہ بلند آواز سے کہا......'' اس بجلی سے مجھے بھسم کر دے یا اپنی مسجدِ اقصیٰ کو۔ مسافر نہ رہیں، منزل نہ رہے۔ بجلیاں ان پر بھی گرا جن کے سہاگ تیرے نام پر اُجڑ گئے ہیں۔ اپنے نام پر یتیم ہونے والوں پر بجلیاں گرا۔ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیواؤں پر بجلیاں گرا تا کہ کسی کی فریادیں تیرے کانوں تک نہ پہنچ سکیں''۔

رعد پھر کڑکی اور اس کے بعد گھٹائیں گرجنے لگیں۔ بیروت کا ساحل قریب ہی تھا۔ اُن دنوں سمندر خاموش ہوا کرتا تھا مگر سمندر جوش میں آ گیا۔ اس کی لہروں کی مہیب آواز حسن کو یوں سنائی دینے لگی جیسے بحیرۂ روم کی غصے میں آئی ہوئی موجیں اُس کے کمرے کی دیواروں سے ٹکرا رہی ہوں۔ گھٹاؤں کی گرج، رعد کی کڑک اور سمندر کا جوش مل جل کر قیامت کا شور بن گئے۔ حسن کی آواز اور زیادہ بلند ہوگئی۔

'' ایسے ہی طوفان میرے اندر اُٹھا کہ میں کفر کے ہر نشان کو اُڑاتا اور بہاتا لے جاؤں۔ میرے خون کے قطرے بہادے لیکن مسجدِ اقصیٰ کے صحن میں۔ میں شرمسار ہوں کہ قبلۂ اوّل کا پاسبان صلاح الدین ایوبی یہاں تیرا لشکر لے کر آیا تو میں اُسے خبردار نہ کر سکا کہ بیروت سے دُور رہے کہ یہاں کفار کا پھندا تیار ہے۔ یہ میری مجبوری تھی۔ یہ میرا گناہ تھا۔ مجھے جرأت اور شجاعت عطا کر کہ میں گناہ کا کفارہ ادا کر سکوں، ورنہ یہ بت میری روح کو بھی طعنے دیتے رہیں گے کہ تیرا تو خدا ہی کوئی نہیں۔ مجھے اِن بتوں کے آگے شرمسار نہ کر، مجھے شہیدوں کی روحوں کے آگے شرمسار نہ کر، اگر میری دعا قبول نہ ہوئی تو روزِ قیامت میرے مُردے میں جان نہ ڈالنا، ورنہ میں تیرا گریبان پکڑلوں گا اور تیری مخلوق سے کہوں گا کہ یہ ہے وہ خدا جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاج نہیں رکھی، اُس خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیواؤں کو اتنا مجبور اور بے بس کیا کہ قبلۂ اوّل ویران ہو گیا اور اس پر صلیب اور یہودہ کے سیاہ سائے پڑ گئے''۔

رعد زور سے کڑکی حسن کے کمرے کی چھت، دروازے اور کھڑکی کے کواڑ بڑی زور سے کھڑکے اور چھت پر یوں آوازیں آنے لگیں جیسے گھوڑے دوڑ رہے ہوں۔ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی تھی۔ طوفانِ باد و باراں زمین و آسمان کو ہلا رہا تھا حسن کے دِل پر ایسی گرفت آ گئی جس میں خوف بھی تھا اور جذبات کی شدّت بھی۔ کبھی اُسے ایسے لگتا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ اُس نے خدا سے اس طرح کبھی باتیں نہیں کی تھیں۔ وہ چھپ کر نماز پڑھا کرتا تھا اور مختصر الفاظ میں دُعا مانگ کر حسن سے جیکب بن جایا کرتا تھا۔

اُس رات، جب وہ حاتم کو رپورٹ دے کر آیا تھا، اُس کی جذباتی کیفیت کچھ اور تھی۔ اس پر نیند کا اثر بھی تھا۔ اُس کے سامنے مسئلہ ایسا آ گیا تھا کہ وہ سوچ سوچ کر دیوانہ ہونے لگا تھا۔ اس کے لیے آسان راستہ یہ تھا کہ جس مسئلے کا کوئی حل نہیں، اسے ذہن سے اُتار دے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، علی بن سفیان اور اس کے لیڈر حاتم کو کیا خبر تھی کہ عزالدین کے ایلچی بالڈون کے پاس آئے ہیں اور کوئی معاہدہ ہو رہا ہے۔ وہ خاموش رہتا۔ اس کے گھر میں اس کے ماں باپ کو اس کی تنخواہ اور غیر ممالک میں جاسوسی کے فالتو پیسے باقاعدہ پہنچ رہے تھے۔ بیروت میں اُسے اچھی پوزیشن اور عیش وعشرت کا سامان حاصل تھا، مگر وہ ایمان والا مردِ مومن تھا۔ اپنے فرائض کو نماز روزے کی طرح متبرک سمجھتا تھا۔ اُسے احساس تھا کہ

قوم کا ہر فرد یہ سمجھ لے کہ یہ کام کوئی اور کرے گا تو یہ رویہ سیدھا شکست، قوم کی تباہی اور کفار کی فتح کی طرف لے جاتا ہے۔

☆

رات بھر جاگے ہوئے جوان اور توانا حسن کو نیند نے مصلے پر ہی دبوچ لیا۔ اس جذباتی کیفیت میں اُسے نیند نہیں چاہیے تھی لیکن اُس سوچ نے کچھ ایسا قرار اور سکون محسوس کیا کہ روح نے جسم اور دماغ کو سلا دیا۔ وہ وہیں اوندھا ہو گیا۔ اسے اتنی مہلت نہ ملی کہ مصلیٰ چھپا کر اور حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کا بت، مریم کی تصویر اور صلیب پلنگ کے نیچے سے اُٹھا کر اپنی اپنی جگہ رکھ دیتا۔ دروازہ کھول دیتا اور جیکب کے بہروپ میں پلنگ پر سو جاتا۔ وہ خوابوں کی دُنیا میں پہنچ گیا۔ اُس نے مسجد اقصیٰ دیکھی۔ یہ مسجد اُس نے ایک بار دیکھی تھی جب وہ بیت المقدس میں جاسوسی کے ایک مشن پر گیا تھا۔ یہ مسجد ویران تھی۔ اُس کے کھلے ہوئے دروازے اپنے نمازیوں کی راہ دیکھ رہے تھے مگر مسلمان چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں یا گھروں میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ صلیبیوں اور یہودیوں کے بچوں نے مسجدِ اقصیٰ کے صحن کو کھیل کا میدان بنایا ہوا تھا جہاں بے شمار بچے جوتوں سمیت کھیل رہے تھے۔ صلیبیوں نے وہاں کے مسلمانوں کو خوف زدہ کر رکھا تھا۔ حسن مسجدِ اقصیٰ کے مقدس مقام اور مسلمانوں کے لیے اس کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جب وہاں گیا تھا تو اُس کا نام ریلف نکلسن تھا۔

اب وہ بیروت میں خواب میں مسجدِ اقصیٰ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے گنبد پر بے شمار کبوتر بیٹھے تھے۔ کبوتر یک بارگی اڑے اور تمام کبوتر فضا میں جا کر شرارے بن گئے۔ یہ شرارے مسجدِ اقصیٰ کے اِردگرد گرنے لگے۔ مسجد کے اندر سے صلیبیوں اور یہودیوں کا ایک ہجوم نکلا۔ ان سب کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ سب اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ وہ سب چیخ اور چلا رہے تھے مگر کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ فضا سے برستے ہوئے شرارے رنگ برنگ کے پرندے بن گئے، اور ایک ایک کر کے مسجدِ اقصیٰ کے سبز گنبد پر بیٹھنے لگے۔ اب مسجد میں نہ کوئی صلیبی تھا نہ یہودی۔ حسن آہستہ آہستہ مسجد کی طرف چلا۔ آسمان نیلا تھا۔ دن کی روشنی بھی نیلی تھی۔ مسجد کے دروازے میں ایسی چمک دکھائی دی جیسے بہت بڑے آئینے پر سورج کی کرنیں پڑی ہوں۔

حسن کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ چمک یا نور کا یہ گولا وہاں نہیں تھا۔ وہاں سارہ کھڑی مُسکرا رہی تھی۔ حسن حیرت زدہ ہو کے رُک گیا۔ سارہ پاؤں سے سر تک چاند کی طرح سفید لبادے میں ملبوس تھی۔ اُس کا چہرہ اور دونوں ہاتھ نظر آ رہے تھے۔ اُس کی مُسکراہٹ سے اُس کے دانت اتنے زیادہ سفید نظر آ رہے تھے جتنی سفیدی اس زمین کے لوگوں نے کبھی نہیں دیکھی۔ سارہ نے بازو پھیلا دیئے۔ اس کے ہونٹ ہلے نہیں تھے، لیکن حسن کو اس کی مترنم آواز سنائی دی...... "آ جاؤ، مسجدِ اقصیٰ ہماری ہے۔ اس مسجد میں جو کافر داخل ہو گا اُس پر آسمان آگ برسائے گا اور جو مسلمان اس مسجد کے تقدس کو بھول گئے ہیں، ان پر بھی آگ برسے گی۔ میں نے اس کے صحن کو زم زم کے پانی سے دھو دیا ہے۔ میرے گناہ دُھل گئے ہیں آؤ...... آؤ"۔

حسن کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے پھر آنکھیں موند لیں۔ وہ اس خواب سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا مگر موندھی ہوئی آنکھوں میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ اب حقیقت کی دُنیا میں لوٹ آیا تھا۔ چھت پر اور اِدھر اُدھر موسلا دھار بارش کا قیامت خیز شور اور جھکڑ کی چیخیں تھیں۔ اس میں سمندر کی بھی آواز تھی جو پہلے سے زیادہ غصے میں آ گیا تھا۔ باد و باراں اور بحیرۂ روم کے اس ہنگامے میں حسن کو ایسے لگا جیسے کسی نے اُس کے دروازے پر دستک دی ہو۔ یہ اس کا وہم بھی ہو سکتا تھا۔ وہ وہم سے ہی بیدار ہو گیا۔ اُس نے صلیب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بت اور مریم کی تصویر اُٹھا کر سب کو اپنی اپنی جگہ لٹکا دیا۔ اسی دوران دروازے پر دستک بڑی صاف ہوئی۔ حسن نے مصلیٰ لپیٹ کر تکیے کے نیچے رکھ دیا اور دروازہ کھولا۔

دروازے میں سارہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ بادو باراں کا یہ سماں کہ برآمدے سے پرے کچھ اور نظر نہیں آتا تھا۔ سارہ کے کپڑوں اور بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

"تم اس طوفان میں میرے پاس آئی ہو؟"...... حسن نے اُسے بازو سے پکڑ کر اندر گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں جیکب!"...... سارہ نے جواب دیا...... "میں کسی اور پاس گئی تھی۔ وہ ملا نہیں۔ گہری نیند سویا ہوا ہے۔ رات بھر سب شراب پیتے اور بے ہودگی کرتے رہے ہیں۔ اب شام کو ہی جاگیں گے۔ میں نے انتظار کیا لیکن مایوس ہو کر اِدھر آ گئی۔ یہ طوفان آگے نہیں جانے دے رہا تھا۔ دن کے وقت تو تمہارے پاس آنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا"۔

حسن نے ایک کپڑا اُٹھایا جو اُس نے سارہ کے سر پر ڈال دیا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے بال اس کپڑے سے خشک کرنے لگا۔ سارہ کو یہ بے تکلفی بہت پسند آئی۔ حسن نے اس کا چہرہ بھی پونچھ دیا۔ پھر ایک چادر اُسے دے کر کہا...... "میں منہ اُدھر پھیر لیتا ہوں تم بھیگے ہوئے کپڑے اُتار کر چادر لپیٹ لو"۔

سارہ نے جب بھیگے ہوئے کپڑے اُتارے تو وہ سوچنے لگی کہ اس شخص کو اتنی زیادہ روحانی محبت ہے کہ اُس کے جسم کی دل کشی کے ساتھ اسے کوئی دلچسپی نہیں، یا اُس کا دل بالکل ہی مردہ ہے...... سارہ نے جب اُسے کہا کہ میں نے کپڑے بدل لیے ہیں تو حسن نے منہ پھیرا اور اُس کے کپڑے برآمدے میں جا کر نچوڑ لایا۔

"اب بتاؤ تم کہاں گئی تھی"...... حسن نے پوچھا...... "اور رات میرے بعد کیا ہوا تھا؟ وہ عورت اندر آ گئی تھی؟"

"اسی سلسلے میں اِدھر آئی تھی"...... سارہ نے کہا اور اُسے بتایا کہ رات کو اس عورت نے اُس کے کمرے میں آ کر معافی کی کیا شرط پیش کی ہے۔ اُس نے کہا...... "میں نے یہ نہیں بتایا کہ تم میرے کمرے میں آئے تھے۔ میں نے صرف اس لیے اس کی شرط مان لی کہ تمہارا نام لیا تو میرے ساتھ تمہیں بھی سزا ملے گی اور تم جانتے ہو کہ یہ سزا کیسی بھیانک ہو گی۔ تم شاید حیران ہو گئے ہو گے کہ میں کوئی پاک صاف لڑکی نہیں، پھر بھی میں موصل کے مہمانوں یا کسی اور کی خواب گاہ میں جانے کو پسند نہیں کرتی۔ میں رقاصہ ضرور ہوں لیکن میں یوں کھلونا نہیں بننا چاہتی جس طرح یہ بڑھیا مجھے بنانا چاہتی ہے۔ میری اپنی بھی کوئی پسند اور ناپسند ہے۔ میں نے بہت گناہ کیے ہیں لیکن کسی کی آمدنی کا اور کسی اور کے گناہوں کا ذریعہ نہیں بنوں گی۔ اس عورت نے کہا ہے کہ وہ مجھے اس چوری چھپے کے کاروبار میں سے معاوضہ دے گی۔ وہ مجھے معاوضوں کی بھوکی سمجھتی ہے۔ میں نے اسے کہہ دیا کہ میں اس کی خواہش کے مطابق آج رات موصل کے ایک مہمان کے پاس چلی جاؤں گی لیکن میں اب کوشش کر رہی ہوں کہ حاکموں کو بتا دوں کہ اس عورت نے در پردہ کیا کاروبار شروع کر رکھا ہے"۔

"اور وہ کہہ دے گی کہ رات تمہارے کمرے میں آدمی جاتے ہیں"۔ حسن نے کہا۔

"کہتی رہے"۔ سارہ نے کہا...... "میں تو اب سزا لینے کو بھی تیار ہوں اور خودکشی کے لیے بھی تیار ہوں۔ میں اس عورت کو بے نقاب کر کے رہوں گی۔ میں رقاصہ ہوں۔ میں عصمت فروشی نہیں کروں گی"۔

"میں سامنے آ کر یہ کیوں نہ کہہ دوں کہ تمہارے کمرے میں، میں گیا تھا"۔ حسن نے کہا...... "میں کہوں گا کہ میرا تمہارے ساتھ جسمانی نہیں، جذباتی تعلق ہے"۔

"اگر یہ کہنا ہوتا تو میں خود کہہ دیتی کہ میرے کمرے میں جیکب آیا تھا"۔ سارہ نے کہا...... "مگر ایسا کہا تو تمہیں گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھوڑا دوڑا دینے کے برابر ہے۔ کوئی نہیں مانے گا کہ میرا تمہارا جذباتی تعلق ہے۔ یہ لوگ کبھی ایسے جذبات سے واقف نہیں۔ ان کے ہاں سب کچھ جسمانی ہے...... تم البرتو کو جانتے ہو۔ اٹلی کا رہنے والا ہے۔ نیک اور رحم دل افسر ہے۔ بالڈون نے

پر اُس کا خاصا اثر ہے۔ صرف ایک بڑا افسر ہے جو مجھ جیسی لڑکیوں کو صاف ستھری نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ میں اُسے رات کی بات سناؤں گی اور اپنی عزت بچانے کی کوشش کروں گی۔ اگر میری یہ کوشش ناکام رہی تو میں سمندر میں کود جاؤں گی۔ اگر سمندر نے میری لاش اُگل دی تو تم بھی دیکھ لینا، ورنہ الوداع۔ بحیرۂ روم کی مچھلیاں کھاؤ گے تو شاید اُن میں تم میرے جسم کی بو سونگھ سکو گے"۔

"سارہ!" حسن نے کہا...... "تم عیسائی نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ رہنے والی کوئی ایک بھی لڑکی نہیں جو جسمانی عیاشی اور معاوضے کو تمہاری طرح ٹھکرا دے۔ تم نے آج تک میرے ساتھ جو باتیں کی ہیں، ان سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمہاری رگوں میں مسلمان کا خون ہے۔ اس خون میں اب اُبال آیا ہے جب تم صلیبیوں کی گناہوں کی دلدل میں پھنس گئی ہو۔ کہو، میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟"۔

سارہ نے اُس کی طرف دیکھا۔ آہ لی اور بولی...... "سنو جیکب!......"

"میں جیکب نہیں سارہ!" حسن نے کہا...... "میرا نام حسن الادریس ہے اور ملک شام کا رہنے والا ہوں۔ یہاں میرا نام گلبرٹ جیکب ہے"

"جاسوس ہو؟"

"کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے"۔ حسن نے کہا...... "جاسوسی ہی وجہ نہیں۔ جس طرح ہم دونوں ایک دوسرے کی رُوح میں اُتر گئے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں مسلمان کی اولاد ہیں"۔ اُس نے تکیے کے نیچے سے مصلّٰی نکالا اور دیوار میں سے ایک پتھر ہٹا کر اس کے پیچھے سے قرآن کا ایک چھوٹا سا نسخہ نکالا۔ سارہ کو دِکھا کر کہا...... "میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ بت، یہ تصویر اور یہ صلیب دھوکہ ہے"۔

"اگر میں کسی سے کہہ دوں کہ تم عیسائی نہیں، مسلمان ہو تو کیا کرو گے؟" سارہ نے ہنس کر کہ...... "تم جاسوس نہیں ہو سکتے۔ جاسوس اپنا آپ اس طرح ظاہر نہیں کیا کرتے"۔

"کہہ دو"۔ حسن نے کہا...... "میں تمہاری نظروں کے سامنے اس طوفانِ بادو باراں میں غائب ہو جاؤں گا۔ جاسوس میری طرح اپنا آپ ظاہر نہیں کیا کرتے اور جب ظاہر ہوتے ہیں تو اتنی آسانی سے ہاتھ بھی نہیں آتے، جتنا تم سمجھتی ہو...... لیکن سارہ! مجھے یقین ہے کہ تم کسی سے نہیں کہو گی"۔

حسن نے آگے بڑھ کر سارہ کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر بالکل قریب کر لیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمی مگر پُر اثر آواز میں کہا...... "تم کسی سے نہیں کہو گی کہ یہ شخص جیکب نہیں حسن ہے۔ تم کہہ ہی نہیں سکو گی۔ ہماری رگوں میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیدائیوں کا خون ہے۔ یہ خون سفید نہیں ہو سکتا۔ یہ خون اپنے قطروں کو دھوکہ نہیں دے سکتا"...... سارہ کی آنکھوں کو حسن کی آنکھوں نے جکڑ لیا۔ وہ محسوس کرنے لگی جیسے یہ خوبرو جوان بڑے ہی حسین آسیب کی طرح اُس کے دماغ پر اور اس کے دِل پر غالب آ گیا ہو۔ حسن کہہ رہا تھا...... "تم رقص کے لیے نہیں مسجد اقصیٰ کو کفار سے آزاد کرانے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔ خدا نے مجھے خواب میں بشارت دے دی ہے۔ اب یہ نہ کہنا کہ تم مسلمان نہیں۔ تم کہہ ہی نہیں سکو گی۔ بولو سارہ! میں نے تمہیں اپنا راز دے دیا ہے، تم مجھے اپنا راز دے دو۔ مجھے تمہارے جسم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تمہاری روح کو پاک دیکھنا چاہتا ہوں"۔

سارہ پر حسن طلسم بن کر طاری ہو چکا تھا۔ سارہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آہستہ سے بولی...... "ہاں حسن، میں مسلمان ہوں۔ میں اپنے باپ کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہوں۔ میں سارہ نہیں سائرہ ہوں"۔

''گناہ کسی کے بھی تھے''۔ حسن نے کہا...... ''میں نے آج تک تمہاری زبان سے جو باتیں سنی ہیں اور جس انداز سے تم نے یہ باتیں کی ہیں، میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ گناہ تمہارے دِل اور روح میں چُبھ رہے ہیں۔ تم صلیبیوں کے خلاف نفرت کا اور مسلمانوں کی پسندیدگی کا اظہار کرتی رہی ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چبھن تمہیں بے چین رکھتی ہے۔''

''جب سے تم نے میری رُوح کو پاک پیار سے آشنا کیا ہے، مجھے عیش و عشرت کی یہ زندگی جہنم سے زیادہ آتشیں اور اذیت ناک محسوس ہونے لگی ہے۔ میں گناہوں میں پلی، بڑھی اور گناہوں میں جوان ہوئی۔ گناہوں کا حسن اب زہریلا ناگ بن گیا ہے۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتی''۔

''اپنی جان لینا بھی گناہ ہے''۔ حسن نے کہا...... ''اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ گناہوں کا کفارہ ادا کردو، سب بے قراریاں روحانی سکون میں بدل جائیں گی''۔

''کیا کروں؟'' سارہ نے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا...... ''نماز پڑھا کروں؟ تارک الدنیا ہو جاؤں؟ بتاؤ کیا کروں؟''

''جاسوسی''۔ حسن نے جواب دیا...... ''صرف ایک بار۔ پہلی اور آخری بار...... لیکن تم اُس وقت تک جاسوسی نہیں کرسکو گی جب تک یہ نہ سمجھ لو کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ انسان اپنے مقصد کی عظمت سے عظیم بنا کرتے ہیں۔ جانتی ہو نور الدین زنگی کا مقصد کیا تھا؟ سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقصد کیا ہے؟ یہ تو بہت بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ میں اُن کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، لیکن تم نے میری ذات میں اور میری آنکھوں میں ایسا تاثر دیکھا ہوگا جس نے تم سے سچ بات کہلوا لی ہے۔ یہ دراصل میری ذات کا اثر نہیں یہ میرے مقصد کی عظمت ہے جو مجھے ایمان سے زیادہ عزیز ہے۔ مقصد کی ہی عظمت ہے اور اسی کا تقدس ہے کہ تمہارا یہ حسن اور تمہارے جسم کی یہ کشش جو عبادت گزاروں کو چونکا دیتی ہے، مجھ پر اثر نہیں کرسکی۔ کیوں نہیں کرسکی؟ صرف اس لیے کہ میں انسانوں اور اشیاء کو روح کی نظروں سے دیکھا کرتا ہوں''۔

''میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقصد اچھی طرح جانتی ہوں''۔ سارہ نے کہا...... ''میں یہ بھی جانتی ہوں کہ صلیبی حکمران مسلمان اُمراء اور حکمرانوں کو مدد اور عیاشی کا سامان دے کر انہیں سلطان ایوبی کے خلاف لڑا رہے ہیں...... اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ صلیبی عالمِ اسلام کو صلیب کے سائے میں لانا چاہتے ہیں۔ حسن! میں نے یہ مقصد یہاں آکر پہچانا ہے، ورنہ میں بھی صلیب کے سیلاب میں بہہ گئی تھی۔ یہ سیلاب مجھے یہاں تک لے آیا ہے۔ یہ بھی سناؤں گی کہ کیسے۔ کچھ دنوں سے مسجدِ اقصیٰ میرے دِل پر غالب آگئی ہے۔ دو راتیں گزریں، میں نے خواب میں مسجدِ اقصیٰ دیکھی ہے۔ میں نے ابھی تک یہ مسجد نہیں دیکھی۔ مجھے معلوم نہیں یہ کیسی ہے۔ خواب میں یہ مسجد دیکھی اور اُس کے اندر گئی۔ مسجد خالی اور ویران تھی۔ مجھے ایک گونج دار آواز سنائی دی...... ''یہ تیرے خدا کا گھر ہے، اسے آباد کرو''...... میں دیکھ رہی ہوں کہ آواز کہاں سے آئی ہے لیکن آنکھ کھل گئی۔ یہ آواز میرے دِل میں اُتر گئی ہے...... کیا اسے میں اپنا مقصد بنا سکتی ہوں؟''

''یہ ہر مسلمان کا فرض ہے''۔ حسن نے کہا...... ''لیکن اس کے لیے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ میں بیروت میں ہر لحہ موت کا انتظار کرتا ہوں۔ میں جس روز پکڑا گیا، وہ زندگی کا آخری دن ہوگا''۔

''میں قربانی دینے کو تیار ہوں''۔ سارہ نے کہا...... ''مجھے میرا فرض بتاؤ''

''تمہیں اس بوڑھی اور بھدی عورت نے موصل کے جس ایلچی کی تفریح کے لیے جانے کو کہا ہے، تم اُس کے پاس چلی جاؤ''...... حسن نے کہا

''ہاں سارہ!'' حسن نے کہا...... ''تمہیں یہ قربانی دینی ہوگی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی عورت کو جاسوسی کے لیے نہیں بھیجا کرتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ایک عورت کی عصمت بچانے کے لیے میں ایک مضبوط قلعہ دشمن کو دینے کے لیے تیار ہوں۔ ہم عصمتوں کے محافظ ہیں، مگر سارہ! تم یہاں موجود ہو۔ ہمیں جو فرض ادا کرنا ہے، وہ صرف تمہارے ذریعے ہوسکتا ہے۔ تمہارے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی کہ کسی کی تفریح کا سامان بنو۔ میں تمہیں ایک دو طریقے بتاؤں گا جن سے تم ان بوڑھے مسلمانوں کے سینوں سے راز بھی نکال سکوگی اور اپنی عزت بھی بچالوگی۔ تمہارا مقصد بڑا پاک اور بلند ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہاری آبرو کی حفاظت کرے گا''۔

''مجھے بتاؤ کرنا کیا ہے''۔ سارہ نے کہا...... ''میں بے آبرو لڑکی ہوں۔ اگر خدا بھی مجھ سے یہی قربانی لے کر خوش ہوسکتا ہے تو میں یہ قربانی دینے کو تیار ہوں''۔

''یہ دونوں ایلچی موصل کے حکمران عزالدین کی طرف سے آئے ہیں''۔ حسن نے اُسے بتایا...... ''مجھے یقین ہے کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف بالڈون سے مدد لینے آئے ہیں۔ اس وقت ہماری فوج نصیبہ کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ سلطان کو یہ خوش فہمی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے درمیان خیمہ زن ہیں مگر وہ اپنے مسلمان دشمنوں کے نرغے میں آئے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کر کے سلطان کو خبردار کرنا ہے کہ صلیبی کیسا جنگی اقدام کریں گے اور موصل اور حلب اور دیگر چھوٹی چھوٹی مسلمان امارتوں کا رویہ کیا ہوگا۔ کیا وہ صلیبیوں کے اتحادی بن جائیں گے؟'' حسن نے اُسے بڑی لمبی تفصیل سے اس کا کام سمجھا دیا اور یہ بھی بتایا کہ صلیبی لڑکیاں مسلمان علاقوں میں جا کر کس طرح مسلمان اُمراء سالاروں اور دیگر حکام پر اپنی پُرکشش نسوانیت کا جادو طاری کر کے راز لے آتی ہیں۔ حسن نے کہا...... ''تمہیں خودکشی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ میں تمہیں پاک اور پُرمسرت زندگی میں داخل کر رہا ہوں۔ تم مظلوم لڑکی ہو۔ تمہیں غالباً بچپن میں صلیبیوں نے کسی قافلے سے اغوا کیا تھا۔ انہی نے تمہیں گناہوں کی زندگی میں داخل کیا ہے''۔

''نہیں حسن!'' سارہ نے کہا...... ''میں نے اپنے آپ کو خود ہی اغوا کیا تھا۔ یہ کہانی پھر کبھی سناؤں گی۔ مجھے ابھی یہ کام کرنے دو۔ دُعا کرو اللہ مجھے سرخرو کرے اور میں گناہوں کا کفارہ ادا کرسکوں'۔

بارش تھم گئی تو سارہ اپنے کپڑے پہن کر حسن کے کمرے سے نکلی۔ وہ جب اُس عمارت میں داخل ہوئی جہاں اُس کا کمرہ تھا تو اُسے وہ عورت مل گئی جو ان سب لڑکیوں کی کمانڈر تھی۔ اس نے سارہ کو دیکھا اور مُسکرا کر کہا...... ''رات کو تیار رہنا۔ میرے آدمی نے موصل کے ایک ایلچی کے ساتھ بات کر لی ہے۔ آج رات نہ کہیں ناچ گانا ہوگا نہ کوئی ضیافت۔ میں تمہیں اُس کے کمرے میں چھوڑ آؤں گی''۔

''میں تیار رہوں گی''۔ سارہ نے کہا۔

☆

موصل کے دونوں ایلچیوں کی حالت بھوکے بھیڑیوں جیسی تھی۔ وہ یہاں عزالدین کا اور اپنا ایمان فروخت کرنے آئے تھے۔ وہ اپنی غداری کو کامیاب بنانے کے لیے اس صلیبی بادشاہ سے مدد لینے آئے تھے۔ یہ بادشاہ اپنے مفاد کی خاطر اور مسلمانوں کے حکمرانوں کو آپس میں لڑانے کی خاطر انہیں شہ، پشت پناہی اور مدد دے رہا تھا۔ ان مسلمان ایلچیوں کے پاس نہ ایمان رہا تھا، نہ ذاتی وقار اور نہ قومی وقار۔ اُن کی دلچسپی اب اس میں رہ گئی تھی کہ شاہ بالڈون انہیں زیادہ سے زیادہ عیاشی کرائے اور انعام واکرام دے۔ ان دونوں کو بیروت کے گرد و نواح اور سمندر کی سیر کرانے کے لیے

روک لیا گیا تھا۔اس دوران ناچنے گانے والی لڑکیوں کی کمانڈر نے اپنے ایک آدمی کو اُن کے پاس بھیجا تھا۔اس آدمی نے انہیں کہا تھا کہ وہ انہیں ایسی لڑکیاں لا دے گا جو انہوں نے کبھی نہیں دیکھی ہوں گی۔ان دونوں کو باچھیں کھل گئیں اور معاوضہ طے ہو گیا۔ان میں سے ایک کے پاس سارہ کو بھیجنے کے لیے تیار کیا گیا۔

رات سارہ کو سیاہ لبادے میں چھپا کر ایک ایلچی کے کمرے تک پہنچایا گیا۔ایلچی جو والی موصل عزالدین کا فوجی مشیر تھا، پچاس سال سے اوپر کی عمر کا آدمی تھا۔گزشتہ رات اُس نے اس قدر شراب پی لی تھی کہ بے ہوش ہو گیا تھا لیکن آج رات وہ اپنے کمرے میں آہستہ آہستہ پی رہا تھا۔وہ ایک رقاصہ کا انتظار بے تابی سے کر رہا تھا جس کے حُسن کے اُسے افسانے سنائے گئے تھے۔اُس کا دروازہ کھلا۔ایک لڑکی سر سے پاؤں تک سیاہ لبادے میں مستور اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔دروازہ بند ہو گیا۔ایلچی اُس کی طرف لپکا اور اُس کا چہرہ بے نقاب ہونے سے پہلے ہی بڑے فحش الفاظ کہہ کر اس سے لپٹ گیا۔وہ اپنی عمر کو بھی بھول گیا۔

سارہ نے اُس کے بازوؤں سے آزاد ہو کر سیاہ لبادے کو اُتار کر پرے پھینک دیا۔اُس نے ایلچی کی طرف دیکھا تو حیرت سے اُس کا منہ کھل گیا۔وہ پیچھے ہٹنے لگی حتیٰ کہ اس کی پیٹھ دیوار سے جا لگی۔اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان ڈھانپ لیے۔ایلچی نے سارہ کا چہرہ دیکھا تو اُسے ہچکی سی آئی اور اُس کے منہ سے سرگوشی نکلی......''سائرہ؟''

سارہ خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی جیسے اُس کی زبان بند ہو گئی ہو۔ایلچی نے گھبرائی ہوئی اور حیرت زدہ آواز میں ایک بار پھر پوچھا۔''سائرہ؟ تم سائرہ ہو؟''......وہ کھسیانی سی ہنسی ہنس کر بولا''نہیں مجھے غلطی لگی ہے۔تمہاری شکل میری ایک بیٹی سے بالکل ملتی جلتی ہے۔اُس کا نام سائرہ ہے''۔

''وہ سائرہ میں ہی ہوں جو آپ کی بیٹی ہے''۔سارہ کی زبان اچانک کھل گئی۔اُس نے نفرت سے دانت پیس کر کہا......''میں ہی آپ کی بیٹی ہوں۔محلات میں دوسروں کی بیٹیوں کو نچانے والے کی بیٹی بھی ناچ سکتی ہے۔میں ایک بے غیرت باپ کی بے غیرت بیٹی ہوں''۔

ایلچی لڑکھڑایا اور پلنگ پر گر پڑنے کے انداز سے بیٹھ گیا۔اب اس کی زبان بند ہو گئی تھی۔سائرہ اسی کی بیٹی تھی۔باپ بیٹی کو جدا ہوئے دو سال گزر گئے تھے۔

''ایمان فروشوں کی بیٹیاں عصمت فروش ہوا کرتی ہیں''۔سارہ آگے بڑھی اور باپ کے سامنے رُک کر نفرت سے دانت پیسنے لگی۔اُس نے کہا......''آج اپنی غیرت اور اپنی عزت کا انجام دیکھ۔تو اپنی بیٹی کی عصمت کا گاہک ہے۔تیری بیٹی تیری خواب گاہ میں رات گزارنے آئی ہے''......سارہ نے تیر کی تیزی سے ایک ہاتھ آگے کیا اور کہا......''لا، میری اُجرت نکال۔میں رات تیرے ساتھ بسر کرنے آئی ہوں''۔

''تو......تو......''اُس کے باپ کی زبان لڑکھڑا کر ہکلانے لگی......''تو گھر سے بھاگ آئی تھیں۔میں بے غیرت نہیں ہوں تو بے غیرت ہے''۔

''جو باپ اپنی جوان بیٹی کے سامنے بیٹی کی عمر کی لڑکیوں کے ساتھ بے حیائی کی حرکتیں کرتا ہے اور اپنی بیٹی جیسی لڑکیوں کو نچاتا اور شراب کے نشے میں بدمست ہو کر ان کے ساتھ بیٹی کے سامنے دست درازی کرتا ہے، اُس باپ کی بیٹی غیرت والی نہیں بن سکتی۔وہ بھی رقاصہ اور طوائف بنتی ہے۔باپ اُس کی شادی کر دے تو وہ اپنے خاوند کو دھوکے دیتی اور درپردہ کئی خاوند بنائے رکھتی ہے۔سن میرے باپ! تجھے تیرا ماضی اور اپنا حال بتاتی ہوں۔میں نے تیرے گھر میں دمشق

میں ہوش سنبھالا تو تجھے عورتوں سے درپردہ عیش کرتے دیکھا۔ نورالدین زنگی مر گئے تو تُو الملک الصالح کے ساتھ حلب کو بھاگ گیا۔ تُو مجھے اور میری ماں کو بھی ساتھ لے آیا۔ حلب میں تُو شراب بھی پینے لگا۔ تب میں لڑکپن میں تھی۔ تیرے پاس گورے چٹے صلیبی آنے لگے۔ انہوں نے تجھے دولت دی۔ بڑی خوب صورت لڑکیاں دیں اور تُو کھلے عام شراب پینے لگا۔ تیرے گھر میں شراب کی محفلیں جمنے لگیں۔ لڑکیاں ناچنے لگیں۔ صلیبیوں نے میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تو تُو خوش ہوا......

''پھر الملک الصالح مر گیا۔ تیرے پاس صلیبی پہلے سے زیادہ آنے لگے۔ تُو پہلے سے زیادہ عیاش ہو گیا۔ عزالدین نے تجھے بہت بڑا عہدہ اور رُتبہ دے دیا۔ میں تیری چہیتی رقاصہ لڑکیوں میں اُٹھنے بیٹھنے لگی۔ اُن سے میں نے رقص سیکھا۔ تجھے پتہ چلا تو تُو خوش ہوا۔ صلیبیوں نے مجھے دیکھا تو انہوں نے تیرے سامنے مجھے اپنے سینوں سے لگایا۔ تُو نے بُرا کیوں نہ منایا؟ صرف اس لیے کہ وہ میرے بدلے تجھے یورپ کی ایک لڑکی دے دیتے تھے تُو نے اپنا ایمان بیچ ڈالا۔ صلاح الدین ایوبی کے خلاف سازشیں کیں۔ تیرا کردار ختم ہو گیا تو یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ اپنی بیٹی کو بھی تُو نے اپنی راہ پر ڈال دیا ہے۔ پھر ایک صلیبی نے مجھے سبز باغ دکھائے اور میں تیرے گھر کو خیرباد کہہ کر اپنے خیالوں میں جنت کو روانہ ہو گئی۔ مجھ سے یہ مت پوچھ کہ میں جس طرح آج رات تیری خواب گاہ میں آئی ہوں، اس طرح کتنی خواب گاہوں کی رونق بنی ہوں۔ اُس صلیبی نے مجھے محبت کا فریب دے کر مجھے بیچ ڈالا۔ میں تجھ جیسے بے شمار دولت مندوں کی تفریح کا ذریعہ بن کر بیروت پہنچی، جہاں مجھے شاہی رقاصہ کی حیثیت سے رکھ لیا گیا۔ آج اپنا باپ میری عصمت کا گاہک ہے''۔

ایلچی نے سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔

''آج تُو اپنے ایمان کی قیمت وصول کرنے آیا ہے''۔ سارہ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا ..... ''تُو فلسطین اور قبلۂ اوّل کا سودا کرنے آیا ہے۔ اپنی بیٹی کی قیمت دینے آیا ہے''۔ سارہ کی آواز بھرا گئی۔ اُس نے کہا..... ''یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔ میں باپ کے گناہوں کی سزا بھگت کر اس دُنیا سے جا رہی ہوں''۔

اُس کے باپ نے آہستہ آہستہ سر اُٹھایا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر اس کے گالوں کو تر کر رہے تھے۔ اُس نے اُٹھ کر دیوار سے لٹکتی ہوئی تلوار اُتاری۔ نیام سے نکالی اور تلوار سارہ کے آگے کر کے کہا..... ''یہ لو۔ اپنے ہاتھوں مجھے ختم کر دو۔ شاید میرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے''۔

سارہ نے اُس کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور کہا..... ''آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت اس مقام پر آ پہنچی ہے جہاں ایک باپ اپنی بیٹی کے ہاتھ میں تلوار دے کر یہ کہنے کی بجائے کہ جا بیٹی قبلۂ اوّل کو اس تلوار سے آزاد اور آباد کر، یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے اس تلوار سے قتل کر کے میرے گناہوں کا کفارہ ادا کر دے''۔ اپنے باپ کی جذباتی حالت اور شرمساری کے آنسو دیکھ کر سارہ کا لہجہ بدل گیا۔ باپ کا احترام لَوٹ آیا۔ اُس نے کہا..... ''مر کر ہی گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ زندہ رہو اور دشمن کو قتل کرو۔ میں آپ کو بتاؤں؟''

باپ نے شکست خوردگی کے انداز سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

''شاہ بالڈوِن کے ساتھ آپ نے جو معاہدہ کیا ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دینے کے لیے جو منصوبہ تیار اور طے کیا ہے، وہ مجھے بتا دیں''۔ سارہ نے کہا..... ''میں یہ سلطان تک پہنچا دوں گی۔ اس سے بڑی نیکی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ آپ کے سارے گناہ بخشے جائیں گے''..... باپ خاموشی سے سن رہا تھا۔ سارہ نے کہا..... ''ہم دونوں کی نجات اس میں ہے کہ ہم دونوں یہاں سے فرار ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچ جائیں اور آپ اسے ساری

بات اپنی زبانی سنا دیں"۔ "میں تیار ہوں"۔ باپ نے کہا..... "لیکن ہم یہاں سے نکلیں گے کیسے؟"

"انتظام ہو جائے گا"۔ سارہ نے کہا۔

باپ نے بیٹی کو گلے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے اپنے گناہوں نے اس سے ہتھیار ڈلوا لیے تھے۔

☆

لڑکیوں کی کمانڈر عورت بہت خوش تھی کہ اُسے بڑا موٹا گاہک مل گیا ہے۔ وہ اطمینان سے سوگئی۔ اُسے معلوم تھا کہ سارہ صبح واپس آئے گی مگر سارہ حسن الادریس کے کمرے میں تھی۔ اُس نے جب حسن کو بتایا کہ اس کا گاہک اس کا باپ تھا تو حسن کو چکر آ گیا تھا۔ سارہ نے حسن کو سنایا کہ اُس کے باپ نے گھر کا ماحول کس قدر گناہ آلود بنا رکھا تھا اور وہ کس طرح انہی گناہوں کی شیدائی ہو کر ایک صلیبی کے ساتھ گھر سے بھاگی اور کس طرح اس مقام تک پہنچی تھی۔ سارہ نے اُسے بتایا کہ اُس کا باپ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس جانے کو تیار ہے۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ تمہارا مقصد پاک ہے"۔ حسن نے کہا..... "مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہاری آبرو کی حفاظت کرے گا۔ خدا نے میری اُمید پوری کر دی ہے..... اب میں تمہارے باپ سے ملوں گا اور اُسے کہوں گا کہ تیار رہنا"۔

دن کو حسن سارہ کے باپ سے ملا۔ بچ بچ کر بات کی۔ اس کی غیرت کو جھنجوڑا اور جب دیکھا کہ وہ بہت ہی نادم ہے تو حسن نے اُسے وہاں سے نکلنے کا سہل طریقہ بتایا۔ اس کے ساتھ ساری بات طے کر کے وہ سارہ سے اُس محفوظ جگہ ملا جہاں وہ کبھی کبھی ملا کرتے تھے۔ سارہ کے باپ نے اپنے میزبانوں سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اکیلے ذرا سیر کے لیے جانا چاہتا ہے۔ اُسے گھوڑا دے دیا گیا۔ وہ اپنے ساتھی ایلچی کو یہ بتا کر چلا گیا کہ شام تک لوٹ آئے گا۔ وہ شہر سے نکلا تو ایک جگہ حسن گھوڑے پر سوار اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ ایک اور جگہ سارہ چھپی ہوئی تھی۔ اُسے باپ نے اپنے گھوڑے پر سوار کر لیا اور وہ نصیبہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

وہ بچ بچ اور چھپ چھپ کر چلتے رہے۔ بہت دُور نکل گئے تو انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ سفر بہت لمبا تھا جو انہوں نے ایک رات اور ایک دن میں طے کر لیا۔ بیروت کے سراغ رسانوں کے لیے شاہ بالڈون قہر بنا ہوا تھا۔ موصل کا ایک ایلچی لاپتہ ہو گیا تھا۔ ایک شاہی رقاصہ جو شاہ بالڈون کو ذاتی طور پر اچھی لگتی تھی، غائب تھی اور گلبرٹ جیکب نام کا ایک خصوصی باڈی گارڈ بھی لاپتہ تھا۔ تینوں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ لڑکیوں کی کمانڈر عورت کی زبان بند تھی۔ وہ کسی کو بتاتے سے ڈرتی تھی کہ اُس نے سارہ کو گم شدہ ایلچی کے کمرے میں بھیجا تھا۔ بیروت میں صرف ایک آدمی کو معلوم تھا کہ یہ تینوں کہاں ہیں۔ اس آدمی کا نام حاتم تھا مگر حاتم گمنام سا نعل ساز تھا۔ اُسے وہی لوگ جانتے تھے جو اُس سے گھوڑوں کو نعل لگوایا کرتے تھے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ غریب سا نعل ساز سلطان ایوبی کے اُس جاسوس گروہ کا لیڈر ہے جو بیروت کے اندر سرگرم ہے۔ سراغ رساں اپنے قیافوں اور قیاس آرائیوں سے باؤلے ہوئے جا رہے تھے۔

حسن الادریس، سارہ اور اس کا باپ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ سلطان ایوبی عادت کے مطابق خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ سارہ کا باپ اُسے بتا چکا تھا کہ بالڈون کے ساتھ اُس نے کیا منصوبہ تیار کیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بلا لیا اور نقشہ سامنے رکھ کر انہیں بتانے لگا کہ صلیبیوں کا منصوبہ کیا ہے اور ان کے خلاف وہ کیا کارروائی کرنا چاہتا ہے۔

چلے قافلے حجاز کے

اس خبر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو حیران نہ کیا کہ حلب اور موصل کے حکمرانوں، عمادالدین اور عزالدین نے صلیبیوں کے ساتھ اس کے خلاف در پردہ گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ یہ تو جیسے اُس دور میں رسم بن گئی تھی کہ چھوٹے بڑے مسلمان اُمراء صلیبیوں کے ساتھ در پردہ دوستانہ گانٹھنے لگے تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سلطان ایوبی ان سب کو ایک خلافت کے تحت لا کر انہیں ایک متحد قوم بنانا چاہتا تھا مگر یہ اُمراء اپنی الگ الگ ریاستیں برقرار رکھ کر ان کے حکمران بنے رہنے کو اپنا مقصد بنائے ہوئے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ ان کا یہ مقصد صلیبیوں کی دوستی سے پورا ہو سکتا ہے۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ان سب میں اہم حکمران عزالدین اور عمادالدین تھے۔ ان کی ریاستیں، حلب اور موصل، محلِ وقوع، وسعت، دفاعی استحکام وغیرہ کے لحاظ سے جنگی اہمیت کی حامل تھیں۔ صلیبی اس کوشش میں تھے کہ مسلمانوں کے یہ دونوں مقام اُن کے قبضے میں آجائیں یا یہ سلطان ایوبی کے قبضے میں نہ چلے جائیں، کیونکہ ان پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہو جانے سے افواج اور رسد وغیرہ کے لیے دو ایسے اڈے مل جاتے تھے جہاں سے وہ آسانی سے بیت المقدس پر فوج کشی کر سکتا تھا۔

''ربِّ کعبہ کی قسم! مَیں حلب اور موصل پر قبضہ نہیں کرنا چاہتا''۔ سلطان ایوبی نے متعدد بار کہا تھا..... ''میں کسی مسلمان ریاست میں سے اپنی فوجیں گزارنا بھی پسند نہیں کروں گا۔ میرا مدعا یہ ہے کہ یہ اُمراء یہ حکمران صلیبیوں کے خلاف متحد ہو جائیں۔ خلافتِ بغداد کے وفادار ہو جائیں جو قرآن کا حکم ہے۔ میں انہیں اپنے زیرِ نگین نہیں کروں گا۔ میں خلیفہ نہیں ہوں۔ میں تو خود خلیفہ کا پیروکار اور خادم ہوں''۔

خلافت کے تحت آجانے سے ان لوگوں کو یہ خطرہ نظر آرہا تھا کہ اُن کی عیاشیاں بند ہو جائیں گی اور صلیبیوں کی طرف سے انہیں لڑکیوں اور شراب کے جو تحفے ملتے تھے، وہ بند ہو جائیں گے۔ وہ حکومت، دُنیا کی جھوٹی شان و شوکت اور عیش و عشرت کے عادی ہو گئے تھے۔ اُن کی نظروں میں سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی وقعت نہیں رہی تھی۔

۱۱۸۳ء کے اوائل میں سلطان صلاح الدین ایوبی نصیبہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ یہاں سے اُسے بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کرنی تھی مگر اُسے مسلمان اُمراء کی نیت میں فتور نظر آرہا تھا۔ وہ اب یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ حلب اور موصل کے والیان کی در پردہ سرگرمیاں کیا ہیں اور صلیبی کیا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

اُسے اپنے جاسوس حسن الادریس نے بیروت سے آکر پوری اطلاع دے دی۔ اس جاسوس نے دوسرا کارنامہ یہ کر دکھایا کہ عزالدین کے ایک فوجی مشیر اور اُس کی بیٹی جو گھر سے بھاگ کر بیروت میں صلیبیوں کے پاس رقاصہ تھی، اپنے ساتھ لے آیا۔ حسن الادریس سلطان ایوبی کے پاس آیا اور بتایا کہ عزالدین نے بیروت دو ایلچی صلیبیوں کے پاس جنگی امداد کے لیے بھیجے ہیں۔ سلطان اس اطلاع پر حیران ہوا، البتہ یہ اطلاع اس کے لیے اہم تھی۔ اُس نے اُسی وقت

سالاروں کو بلالیا اور نقشہ سامنے رکھ کر انہیں بتایا کہ صلیبیوں کا منصوبہ کیا ہے۔

عزالدین کا جو ایلچی بیروت صلیبیوں سے مدد لینے گیا تھا، اس کا نام احتشام الدین تھا۔ اب سلطان ایوبی کے پاس اس کی حیثیت ایک قیدی کی تھی لیکن سلطان ایوبی نے احترام سے اسے اپنے سالاروں کے ساتھ بٹھایا۔ احتشام الدین کو تقریباً ہر ایک سالار جانتا تھا۔ کوئی اسے حقارت سے گھور رہا تھا اور کسی کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے کہ وہ اُن کے درمیان بیٹھا ہے اور قید ہے۔ سلطان ایوبی نے حسن الا دریس کی رپورٹ سن لی تھی۔

''مجھے اُمید ہے کہ ہمارا دوست احتشام الدین آپ کو خود ہی بتائے گا کہ عزالدین اور عمادالدین کی نیت کیا ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں احتشام الدین پر الزام عائد نہیں کرتا کہ یہ ہمارے خلاف لڑنے کے لیے صلیبیوں سے جنگی امداد لینے گیا تھا۔ اسے والی موصل عزالدین نے بھیجا تھا۔ یہ عزالدین کا ملازم ہے''۔

''سلطانِ محترم!'' ایک سالار نے کہا...... ''مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے یہ کہنے سے نہیں روکیں گے کہ احتشام الدین اپنے حکمران کا معمولی سا ملازم نہیں۔ یہ اُس کا فوجی مشیر ہے۔ یہ سالار ہے۔ اسے اپنے حکمران کو ایسا مشورہ نہیں دینا چاہیے تھا کہ صلیبیوں سے مدد حاصل کی جائے''۔

''مجھے حکم دیا گیا تھا''۔ احتشام الدین نے جواب دیا...... ''اگر میں حکم عدولی کرتا تو......''

''تو آپ کو جلاد کے حوالے کر دیا جاتا''...... ایک نائب سالار نے کہا...... ''آپ نے موت کے ڈر سے اپنے بادشاہ کا ایسا حکم مانا جو آپ کی اپنی قوم اور اپنے مذہب کی ذلت کا باعث ہے۔ کیا ہم اپنے گھروں سے دُور، اپنی اولاد سے بے خبر، اپنے آپ سے بے نیاز یہاں اپنی عمریں لمبی کرنے بیٹھے ہیں؟ ایک مدت سے ہم ان چٹانوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں اور رات اس پتھریلی زمین پر سوتے ہیں۔ جبکہ آپ حلب کے محل میں شہزادوں جیسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ شراب پیتے ہیں۔ ناچنے والی حسین یہودی، صلیبی اور مسلمان لڑکیاں آپ کا دِل بہلاتی ہیں اور آپ نرم بستر پر سوتے ہیں، جن پر مخمل کے پلنگ پوش بچھے ہیں۔ ہم یہاں مرنے آئے ہیں۔ ہمارے رفیقوں کی لاشیں جانے کہاں کہاں گم ہو گئی ہیں۔ ہمارے سپاہیوں کی ہڈیاں سارے علاقے میں بکھر گئی ہیں۔ تم کسی شہید کی کوئی ہڈی دیکھو گے تو کہو گے یہ کسی جانور کی ہڈی ہے۔ عیش و عشرت نے تمہاری نظروں میں شہیدوں کو شراب میں ڈبو دیا ہے۔ دوست اور دشمن کو ایک کر دیا ہے۔ ہم مرنے آئے ہیں تو تمہیں جینے کا کیا حق ہے؟''

''احترام!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''احتشام الدین نے میرے پاس آ کر گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے، اگر اسے طعنے دینے ہوتے تو میں بھی دے سکتا تھا''۔

''سلطانِ ذی شان!'' ایک اور سالار نے کہا۔

''خدا کے لیے مجھے صرف سلطان کہو''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''مجھے شان و شوکت سے دُور رہنے دو۔ مجھے بادشاہ بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں سپاہی ہوں، مجھے سپاہی رہنے دو...... کہو، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''میں احتشام الدین کو اور اپنے ان تمام ہتھیار بند بھائیوں کو جو یہاں موجود ہیں، یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جو سالار اپنے حکمران کا اتنا غلام ہو جاتا کہ اُسے خوش کرنے کے لیے اُس کا غلط حکم بھی مان لیتا ہے، وہ اپنی قوم کی عزت کا قاتل ہوتا ہے۔ قوم کی عزت کے محافظ ہم ہیں۔ سلطنت کا مالک بادشاہ یا سلطان نہیں قوم ہوتی ہے۔ آج ہم جس دور میں سے گزر رہے ہیں، یہ سپاہی کا دور ہے، یہ جہاد کا دور ہے۔ اگر خلیفہ اور سلطان سلطنت کا کاروبار دیانت داری سے نہیں چلائیں گے

تو اللہ کے سپاہیوں پر بھی سلطان بننے کا نشہ طاری ہو جائے گا تو لا الٰہ الا اللہ کی لاشوں پر گرجوں کے گھنٹے بجیں گے"۔

"اسلام پر جو بھی دور آئے گا وہ اللہ کے سپاہی کا دور ہوگا"۔ سلطان ایوبی نے کہا..... "جب تک اسلام زندہ ہے، کفار اسلام کے دشمن ہی رہیں گے۔ آج ہمارے سالاروں کے دلوں میں جاہ و حشمت کی جو خواہش پیدا ہوگئی ہے، وہ کسی بھی وقت اسلام کو لے ڈوبے گی۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ اسلام زندہ رہے گا مگر اس شیر کی طرح زندہ رہے گا جسے سدھا لیا گیا ہو اور اُسے فراموش کرا دیا گیا ہو کہ وہ بادشاہ ہے۔ یہ شیر بکریوں سے بھی ڈرتا رہے گا۔ مسلمان کفار کی انگلیوں پر ناچیں گے۔ اللہ کا سپاہی موجود ہوگا مگر اس کے ہاتھ میں تلوار نہیں ہوگی۔ اگر تلوار ہوگی تو وہ کسی صلیبی کی دی ہوئی ہوگی جسے وہ نیام سے باہر نکالنے کے لیے صلیبی سے اجازت لے گا"۔ سلطان ایوبی بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ اس نے نظریں گھما کر سب کو دیکھا اور بولا..... "میں بھی باتوں میں اُلجھ گیا ہوں۔ میرے رفیقو! ہمیں کام کرنا ہے۔ اگر ہم اس بحث میں پڑ گئے کہ یہ گناہ کس کا ہے اور وہ خطا کس کی ہے اور کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے تو ہم صرف باتیں ہی کرتے رہیں گے..... احتشام الدین تمہیں بتائے گا کہ حلب اور موصل کے حکمرانوں نے صلیبیوں کے ساتھ کیا گٹھ جوڑ کیا ہے اور ہمیں کس قسم کے دشمن سے کس قسم کی لڑائی لڑنی پڑے گی"۔

☆

احتشام الدین اُٹھا اور سب کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سب کو نظریں گھما کر دیکھا اور بولا..... "میرے دوستو! میں تمہاری نظروں میں حقارت اور قہر دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں حق پہنچتا ہے کہ میرے لیے سزائے موت تجویز کرو، مگر میں تمہارے لیے عبرت کا سامان ہوں۔ یہ درست ہے کہ میں نے والیٔ موصل عزالدین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنا ایمان فروخت کیا اور اس کا ایلچی بن کر بیروت گیا اور صلیبیوں سے مدد مانگی، مگر یہ بھی درست ہے کہ جس طلسم نے میری عقل اور میرے ایمان کو اپنے قبضے میں لیا، اس سے تم میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ کیا تم میں سے سالار اور حاکم غداری کا جرم کرتے نہیں پکڑے گئے؟ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جن پر سلطان کو اتنا اعتماد تھا جتنا انہیں اپنی ذات پر ہے مگر وہ ایمان فروش نکلے۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انسانی فطرت میں ایک ایسی کمزوری ہے جو انسان کو عیش و عشرت میں ڈال دیتی ہے اور جہاں کے روز و شب میں حکومت اور معاشرے میں گناہ کی ترغیب دینے والی باتیں ہوں، وہاں زاہد بھی عیش پسند اور گناہگار بن جاتے ہیں۔ ہر کوئی امیر اور سلطان بننے کے خواب دیکھنے لگتا ہے۔ ہر کسی کی ذات کا قلعہ مسمار ہو جاتا ہے..

"اگر تم مجھے گناہگار سمجھتے ہو تو میری تلوار سے میرا سر تن سے جدا کر دو، اگر مجھے توبہ کا موقع دیتے ہو تو میں عظمت اسلام کی پاسبانی اور سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع کے لیے تمہاری بہت مدد کر سکتا ہوں"۔

"صلیبی شاید تم سے آمنے سامنے کی ٹکر نہیں لیں گے"۔ احتشام الدین نے کہا..... "انہوں نے ہمیں ہماری اپنی تلواروں سے مروانے کا انتظام کر لیا ہے۔ انہیں اپنی فوجیں مروانے کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑانے کے لیے انہیں مدد اور شہ دے رہے ہیں۔ یہ چھوٹی بڑی مسلمان امارتیں اور ریاستیں جو دراصل خلافتِ بغداد کے صوبے ہیں، سب درپردہ صلیبیوں کے غلام بن گئے ہیں، تاکہ خودمختار رہیں۔ اپنے مرکز سے کٹ کر خودمختاری اسی صورت میں حاصل کی جا سکتی ہے کہ دشمن کی مدد لو اور اپنے بھائی کو دشمن کہو۔ خانہ جنگی میں صرف ایک فریق سچا اور محبِ وطن ہوتا ہے۔ دوسرا فریق دشمن کا دوست ہوتا ہے۔ دشمن اُسے خلوص سے مدد نہیں دیتا بلکہ اپنے فائدے اور اپنے عزائم کی تسکین کے لیے مدد دیتا ہے.....

''صلیبی ہمارے مخالف دھڑے کو مدد دے رہے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ موصل کو اپنے چھاپہ مار دستوں کا اڈہ بنا رہے ہیں۔ وہ کچھ عرصے تک چھاپوں اور شب خونوں کی جنگ لڑیں گے۔ رفتہ رفتہ وہ حلب کو اور دیگر تمام مسلمان ریاستوں کو اپنے اڈے بنالیں گے جو آپ کے خلاف استعمال ہوں گے۔ میں جب بیروت میں تھا تو مجھے پتہ چلا تھا کہ صلیبی موصل سے کچھ دُور پہاڑی علاقے میں بے شمار اسلحہ اور سامان چھپا کر رکھیں گے۔ اس میں آتش گیر مادہ بہت زیادہ ہوگا۔ اسے وہ اپنے چھاپہ ماروں کے لیے استعمال کریں گے اور بعد میں کھلی جنگ میں بھی۔ وہ کھلی جنگ اسی صورت میں لڑیں گے جب بہت سی مسلمان امارتوں میں اپنے اڈے بنا کر مستحکم کر چکے ہوں گے۔ میں ابھی یہ معلوم نہیں کر سکا کہ وہ اسلحہ اور آتش گیر مادہ کس مقام پر رکھیں گے۔ یہ معلوم کرنا آپ کے جاسوسوں کا کام ہے''۔

سلطان ایوبی نے سالاروں کو بھیج دیا، سوائے حسن بن عبداللہ کے جو جاسوسی اور سراغ رسانی کے محکمے کا سربراہ تھا اور سالار صارم مصری کو بھی سلطان ایوبی نے اپنے پاس روک لیا۔ یہ چھاپہ مار دستوں کا سالار تھا۔

''میرا قیاس صحیح نکلا ہے''۔ سلطان ایوبی نے ان دونوں سے کہا..... ''مجھے معلوم تھا کہ صلیبی موصل اور حلب کو در پردہ طریقوں سے اپنے اڈے بنانے کی کوشش کریں گے اور ہمارے مسلمان بھائی ان کے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔ تم نے احتشام الدین کی زبانی سن لیا ہے کہ بالڈون اور دوسرے صلیبی موصل سے کچھ دُور کہیں جنگی سامان اور آتش گیر سیال کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر رہے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ جس طرح ہمیں رسد کے ذخیرے کی ضرورت ہے، اسی طرح صلیبیوں کو بھی ضرورت ہے۔ ہم میں سے جس کا ذخیرہ ختم یا تباہ ہوگیا، وہ آدھی جنگ ہار جائے گا۔ ہمارے کچھ دستے ٹولیوں میں تقسیم ہو کر موصل اور حلب کے درمیان بیٹھے ہیں۔ انہیں میں نے عزالدین اور عمادالدین کا آپس کا رابطہ توڑنے کے لیے بٹھایا ہے۔ اب بیروت اور ان دونوں جگہوں کے راستے روکنے ہیں۔ یہ مہم ذرا مشکل اور خطرناک ہوگی کیونکہ چھاپہ ماروں کو اپنے مستقر سے دُور جانا ہوگا''۔

''یہ مجھے دیکھنا ہے کہ یہ مہم مشکل ہے یا آسان''۔ صارم مصری نے کہا..... ''اور یہ میرا فرض ہے کہ مشکل کو آسان کروں۔ آپ حکم دیں''۔

''کوئی قافلہ نظر آئے، اُسے روک لو''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''تلاشی لو، مزاحمت ہو تو پورا معرکہ لڑو۔ کوشش کرو کہ قیدی زیادہ ہوں''۔ اُس نے حسن بن عبداللہ سے کہا..... ''اور حسن! تم مجھے یہ کام کر کے دکھاؤ کہ معلوم کرو کہ صلیبی اسلحہ اور آتش گیر سیال کا ذخیرہ کہاں جمع کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے، وہ ذخیرہ کر بھی چکے ہوں۔ اگر تم جگہ معلوم کر سکو تو میں اس کی تباہی کا انتظام کردوں گا''۔

''یہ انتظام انشاءاللہ میرا ہوگا''۔ صارم مصری نے کہا۔

''یہ ذہن میں رکھو کہ کچھ عرصے تک ہماری جنگ آنکھ مچولی جیسی ہوگی''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''صلیبی کھلی جنگ لڑنے کی بجائے شب خونوں اور تخریب کاری کی جنگ لڑیں گے۔ وہ شاید مجھے مشتعل کرنے کی کوشش کریں گے کہ میں اُن پر کھلا حملہ کروں۔ میں ایسی حماقت نہیں کروں گا۔ مجھے کئی جگہوں پر گھات لگائیں گے۔ میں سب سے پہلے اپنے ان اُمراء کو ساتھ ملاؤں گا جو صلیبیوں کے دوست بنتے جا رہے ہیں۔ میں اُن سے تعاون کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ میں اَب تلوار کی نوک پر اُن سے تعاون لوں گا۔ میں اُن میں سے کسی کا بھی خون بہانے سے دریغ نہیں کروں گا۔ یہ برائے نام مسلمان ہیں۔ مسلمان کے خلاف کافر کے ساتھ دوستی کرنے والا مسلمان بھی کافر ہوتا ہے۔ مجھے اب پروا نہیں کہ تاریخ مجھے کیا کہے

گی۔ اگر مجھے آج کوئی کہے کہ آنے والی نسلیں مجھے اپنے بھائیوں کا قاتل اور خانہ جنگی کا مجرم کہیں گی تو بھی میں اپنے ارادوں سے باز نہیں آؤں گا۔ میں تاریخ اور آنے والی نسلوں کے آگے نہیں، خدا کے آگے جواب دہ ہوں۔ خدا کے سوا نیت کو اور کوئی نہیں جانتا۔ میرے اور فلسطین کے درمیان اگر میرے بیٹے حائل ہوں گے تو میں انہیں بھی قتل کر دوں گا۔ اگر ہم نے آج قبلۂ اوّل کو صلیبیوں سے آزاد نہ کرایا تو ہمارے بعد صلیبی اور یہودی خانہ کعبہ پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ مجھے اپنے اُمراء اور حکمرانوں کے تیور اور طور طریقے بتا رہے ہیں کہ وہ بادشاہ بنیں گے اور اُن کی اولاد بھی بادشاہ ہوگی اور یہ لوگ فلسطین کو یہودیوں کے تسلط میں دے دیں گے۔ تلوار کے سوا میرے پاس اب کوئی علاج نہیں رہا''۔

''ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں''۔ صارم مصری نے کہا..... ''اگر آپ میری رائے لیں تو میں یہی کہوں گا کہ مرکز سے خودمختاری یا نیم خودمختاری مانگنے والوں کو غداری کی سزا ملنی چاہیے''۔

''اور میں انہیں سزا دوں گا''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔

''سلطان صلاح الدین ایوبی نے صارم مصری اور حسن بن عبداللہ کو جنگی نوعیت کی ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔

☆

وہ دونوں چلے گئے تو سلطان ایوبی ایک اور مسئلے پر غور کرنے لگا۔ اُس نے جب نے بیروت سے محاصرہ اُٹھایا تھا اور وہ نصیبہ کے مقام پر آ کر خیمہ زن ہو گیا تھا، اُس سے کچھ عرصے پہلے اُسے بحیرۂ قلزم کے مشرقی علاقے کے متعلق یہ اطلاعیں ملی تھیں کہ صلیبی فوج دستے اس علاقے میں قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ صلیبی صرف مسلمان قافلوں کو لوٹتے تھے۔ مال و دولت کے علاوہ اونٹ اور گھوڑے لے جاتے اور کمسن اور نوجوان لڑکیوں کو بھی اُٹھا لے جاتے تھے۔ زیادہ تر رہزنی اُن دنوں ہوتی تھی جن دنوں مصر کے حاجیوں کے قافلے جاتے اور آتے تھے۔ ان ڈاکوؤں کو فوجی پیمانے پر ہی روکا جا سکتا تھا، لیکن سلطان ایوبی کے پاس اتنی فوج نہیں تھی۔ اس کے علاوہ اُس کے دماغ میں فلسطین اور وہ مسلمان اُمراء سوار تھے جو صلیبیوں کے ساتھ درپردہ صلح اور مدد کے معاہدے کر رہے تھے۔ اس لیے سلطان ایوبی ادھر توجہ نہیں دے سکا تھا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ بیروت کے محاصرے میں سلطان ایوبی نے بحری بیڑہ بھی استعمال کیا تھا جس کا امیر البحر حسام الدین لولو تھا۔ محاصرہ ابتداء میں ہی ناکام ہو گیا تو سلطان ایوبی نے حسام الدین کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ بیڑہ سکندریہ لے جائے۔ اس کے فوراً بعد قاہرہ سے سلطان ایوبی کو پیغام ملا کہ صلیبیوں نے قافلوں کو لوٹنا باقاعدہ پیشہ بنا لیا ہے اور اب کوئی قافلہ منزل تک پہنچتا ہی نہیں۔ سلطان ایوبی نے قاہرہ کو جواب دینے کی بجائے سکندریہ امیر البحر حسام الدین کو حکم بھیجا کہ وہ اپنے بیڑے کے اُس حصے کی جا کر کمان لے لے جو بحیرۂ قلزم میں ہے۔

سلطان ایوبی کا حکم یہ تھا...... ''بحیرۂ قلزم میں تمہارا مقابلہ دشمن کے بحری بیڑے سے نہیں ہوگا، بلکہ تم خشکی پر گھات لگا کر اُن ڈاکوؤں کو پکڑو گے جو مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ ڈاکو صلیبی فوجی ہیں جو باقاعدہ منصوبے اور اوپر والوں کے احکام کے تحت لوٹ مار کر رہے ہیں۔ یہ صحرا میں نہیں رہتے۔ سمندر کے کنارے رہتے ہیں۔ تم فوج کا ایک منتخب دستہ لے جاؤ اور سمندر میں گھومتے پھرتے رہو، جہاں تمہیں ڈاکوؤں کا شبہ ہو وہاں سپاہیوں کو کشتیوں سے اُتار کر خشکی پر بھیجو اور ڈاکوؤں کا خاتمہ کر دو۔ میرے اگلے حکم تک تم قلزم میں ہی رہو گے''۔

حسام الدین حکم ملتے ہی بحیرۂ قلزم میں چلا گیا۔ اُس دور میں بحیرۂ روم اور قلزم کو ملانے کے لیے نہر سویز نہیں تھی۔ بحیرۂ قلزم میں سلطان ایوبی نے چند ایک جنگی جہاز اور کشتیاں رکھی ہوئی تھی۔ اگر آپ مشرق وسطیٰ کا نقشہ دیکھیں تو

آپ کو بحیرۂ قلزم اور اس کے اوپر خلیج سویز نظر آئے گی۔ اس سمندر کے مغربی کنارے پر مصر اور مشرقی کنارے پر سعودی عرب ہے۔ شمال میں صحرائے سینائی اور خلیج عقبہ ہے۔ بعض قافلے جو مصر سے حج کے لیے جاتے تھے، وہ اونٹوں اور گھوڑوں سمیت کشتیوں کے ذریعے خلیج سویز عبور کرتے تھے۔ اکثر قافلے خشکی پر ہی جاتے تھے اور بحیرۂ قلزم کے ساتھ ساتھ سفر کرتے تھے، کیونکہ سمندر کے قریب گرمی میں کمی رہتی تھی۔

حسام الدین نے وہاں جاتے ہی ساحل کے ساتھ ساتھ خشکی پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے اور چند ایک ڈاکوؤں کو پکڑ کر وہیں قتل کر دیا لیکن اُسے ان میں صلیبی افواج کا کوئی ایک بھی سپاہی نہ ملا۔

☆

حسام الدین کو ایک روز اطلاع ملی کہ مصر سے ایک بہت بڑا قافلہ حجاز کے لیے روانہ ہو گیا ہے۔ اُس وقت قافلے کو صحرائے عرب میں ہونا چاہیے تھا۔ حسام الدین نے تین چار سپاہیوں کو خانہ بدوشوں کے لباس میں گشت کے لیے بھیجا مگر انہیں کہیں قافلہ نظر نہ آیا۔ یہ ایک بدقسمت قافلہ تھا جو ساحل سے دُور دُور جا رہا تھا۔ ایک رات قافلے نے ایک جگہ قیام کیا۔ اس میں تاجر بھی تھے اور حجاج بھی۔ کئی ایک پورے پورے کنبوں کو ساتھ لیے جا رہے تھے۔ ان میں بچے بھی تھے، بوڑھے بھی اور چند ایک کمسن اور نوجوان لڑکیاں بھی تھیں۔ اونٹوں اور گھوڑوں کی تعداد خاصی تھی اور افراد کم و بیش چھ سو تھے۔ یہ سب کھا پی کر سو گئے تھے۔

قافلہ سحر کی تاریکی میں جاگا۔ کسی نے اذان دی۔ سب نے تیمم کر کے باجماعت نماز پڑھی اور جب روانگی کی تیاری ہونے لگی تو کہیں سے بلند للکار سنائی دی...... ''سامان مت باندھو۔ سب ایک طرف کھڑے ہو جاؤ۔ کسی نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو وہ زندہ نہیں رہے گا''۔

قافلے میں کئی ایک گھبرائی ہوئی آوازیں سنائی دیں...... ''ڈاکو، ڈاکو''

صبح کی روشنی صاف ہو گئی۔ قافلے والوں نے دیکھا۔ اِن کے اِرد گرد صحرائی لباس میں ملبوس سینکڑوں آدمی کھڑے تھے۔ ان میں بعض گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے ہاتھوں میں برچھیاں اور بعض کے پاس تلواریں تھیں۔ اُن کے سر اور چہرے صافوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ قافلے کی تعداد زیادہ تھی، اس لیے یہ عارضی قیام گاہ وسیع تھی۔ ڈاکوؤں نے گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔ قافلے والے مسلمان تھے۔ خاموشی سے ہتھیار ڈال دینا اُن کا اصول نہیں تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ قافلوں پر حملے ہوا کرتے ہیں، اس لیے وہ مسلح تھے اور لڑنے کے لیے تیار تھے۔

''عورتوں اور بچوں کو درمیان میں ایک جگہ کر لو''۔ کسی نے آہستہ سے کہا اور یہ ہدایت کانوں کان بکھرے ہوئے قافلے تک پہنچ گئی۔

عورتیں اور بچے قیام گاہ کے وسط کو جانے لگے۔ ڈاکو آگے بڑھنے لگے۔ قافلے میں سے تلواریں نکل آئیں۔ کچھ برچھیاں بھی تھیں۔ ڈاکوؤں نے ہلّہ بول دیا۔ اس کے بعد گھوڑوں کے دوڑنے کا، للکار کا اور تلواریں ٹکرانے کا شور تھا جس میں عورتوں اور بچوں کی چیخیں سنائی دیتیں اور شور میں ڈوب جاتی تھیں۔ ڈاکوؤں میں سے زیادہ تر گھوڑوں پر سوار تھے، اس لیے پلّہ انہی کا بھاری تھا اور وہ تربیت یافتہ اور تجربہ کار فوجی تھے۔ قافلے والے بھی جم کر مقابلہ کر رہے تھے اور نعرے بھی لگا رہے تھے۔ ایک آواز بار بار سنائی دیتی تھی ...... ''لڑکیوں کو درمیان میں رکھنا...... ''لڑکیوں کو آنچ نہ ہونے دینا''۔

ایک لڑکی کی بلند آواز سنائی دی...... ''ہمارا غم نہ کرو، ہم تمہارے ساتھ ہیں''۔

قافلے والوں کو اگر گھوڑوں پر سوار ہونے کا موقعہ مل جاتا تو وہ زیادہ بہتر طریقے سے لڑ سکتے ،مگر اُن کے گھوڑے ابھی زینوں کے بغیر بندھے ہوئے تھے۔ وہ صلیبیوں کے گھوڑوں تلے روندے جا رہے تھے۔ اِن میں بے بعض گر بھی رہے تھے۔ زیادہ تر نقصان قافلے والوں کا ہو رہا تھا۔ اس وجہ یہ بھی تھی کہ وہ عورتوں اور بچوں کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے۔ وہ گھوم پھر کر نہیں لڑ سکتے تھے۔ معرکہ پھیلتا بھی جا رہا تھا۔ قافلے میں سات آٹھ جوان لڑکیاں تھیں۔ ان میں سکندریہ کی رہنے والی ایک رقاصہ بھی تھی جس کا نام رعدی تھا۔ وہ اپنے پیشے سے اسی عمر میں متنفر ہوگئی اور حج کے لیے جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ وہ آدمی تھا جس سے اُسے محبت ہوگئی تھی۔ وہ اسی کے سہارے اپنے آقاؤں سے بھاگ آئی تھی۔ انہوں نے ابھی شادی نہیں کی تھی۔ دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ مکہ معظمہ جا کر شادی اور پھر حج کریں گے۔

رعدی رقاصہ تھی، اس لیے اس کا جسم پھرتیلا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اُس آدمی کے ساتھ رہی جس کے ساتھ وہ حج کو جا رہی تھی۔ اس آدمی کے پاس تلوار نہیں تھی جو اُس زمانے میں لوگ لباس کا حصہ سمجھ کر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس کی بجائے اس کے پاس خنجر تھا۔ اُس نے رعدی کو اپنے ساتھ رکھا اور اس کا چہرہ اور سر اس طرح کپڑے میں لپیٹ دیا کہ پتہ نہ چلے کہ یہ لڑکی ہے۔ اس آدمی نے ایک ڈاکو کو جو گھوڑے پر سوار نہیں تھا، پیچھے سے پیٹھ پر خنجر مارا۔ خنجر اتنا گہرا اُترا کہ فوراً باہر نکل نہ سکا۔ ڈاکو نے گھوم کر اس آدمی کے پہلو میں برچھی کی طرح تلوار گھونپ دی، پھر دونوں گر پڑے۔

اس ڈاکو کی پیٹھ کے ساتھ تیروں سے بھری ہوئی ترکش بندھی ہوئی تھی اور اُس کے کندھے اور گردن میں کمان بھی لٹک رہی تھی۔ رعدی نے اس کی کمان اور ترکش اُتار لی۔ یہ تینوں قیام گاہ کے کنارے پر تھے۔ قریب ہی کچھ سامان پڑا تھا جس میں خیمے بھی تھے۔ رعدی سامان اور خیموں کے ڈھیر میں چھپ گئی۔ صلیبی ڈاکوؤں کے گھوڑے دوڑتے ہوئے اس کے سامنے سے گزرتے تھے۔ رعدی کی کمان سے تیر نکلتا اور گھوڑ سوار اوندھا ہو جاتا۔ اس طرح اُس نے کچھ سواروں کو گرا لیا اور اُس کے بعض تیر گھوڑوں کو لگے جو بے قابو ہو کر اور زیادہ تباہی مچانے لگے۔

رعدی کو کوئی بھی نہ دیکھ سکا مگر اُس نے ایک سوار پر تیر چلایا جو سوار کی بجائے گھوڑے کی گردن میں اُتر گیا۔ گھوڑا بے قابو ہو کر گھوما اور دُور کا چکر کاٹ کر سامان اور خیموں کے اُسی ڈھیر پر آ گیا جس میں رعدی چھپی ہوئی تھی۔ گھوڑا سامان کے ساتھ ٹکرایا اور ڈھیر پر گر پڑا۔ سوار دُور جا پڑا۔ ڈھیر سے ایک چیخ سنائی دی۔ گھوڑا رعدی کے اوپر گرا تھا لیکن وہ ابھی مرا نہیں تھا۔ اس کی گردن میں تیر اُترا ہوا تھا۔ وہ فوراً اُٹھا اور اندھا دُھند بھاگ گیا۔ سوار اُٹھا تو اسے لپٹے ہوئے خیموں میں ایک سر نظر آیا جو کسی عورت کا تھا۔ سوار نے خیمے ہٹا کر دیکھا۔ اُسے ایک بڑی ہی خوب صورت لڑکی نظر آئی۔ وہ اُٹھنے کے قابل نہیں تھی اور وہ بے ہوش بھی نہیں تھی۔ صلیبی نے اُسے اُٹھایا تو وہ کراہنے لگی۔

دو روز بعد حسام الدین ایک بحری جہاز میں اپنے کیبن میں بیٹھا ہوا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ بری فوج کے دستے کا کمانڈر دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اُس کے ساتھ ایک آدمی تھا جس کا چہرہ اُترا ہوا اور لاش کی طرح سفید تھا۔

''صلیبی ڈاکوؤں نے بہت بڑے قافلے کو لُوٹ لیا ہے''۔ دستے کے کمانڈر نے حسام الدین سے کہا۔۔۔ ''یہ آدمی اُن کی قید سے بھاگ آیا ہے۔ باقی اس سے سن لیں''۔

''اس آدمی نے تفصیل سے بتایا کہ قافلے پر کس طرح حملہ ہوا تھا۔۔۔۔۔'' ہم نے بہت مقابلہ کیا لیکن ہمارے گھوڑے زینوں کے بغیر ابھی بندھے ہوئے تھے، ورنہ ہم گھوڑ سواروں کو کامیاب نہ ہونے دیتے۔ قافلے کے تھوڑے سے آدمی زندہ ہیں جو ڈاکوؤں کے قبضے میں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب تک انہیں قتل کیا جا چکا ہوگا۔ میں بھی انہی قیدیوں میں

تھا۔ ہم تو مرد تھے، شرمناک صورت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ پانچ جوان لڑکیاں اور دس کمسن لڑکیاں اُن کے قبضے میں ہیں۔ قافلے میں بڑا قیمتی سامان تھا۔ نقدی ہر ایک پاس تھی۔ نوے گھوڑے اور تقریباً ڈیڑھ سو اونٹ ہیں"۔

"وہ اب کہاں ہیں؟"

"وہاں ڈراؤنے ڈراؤنے سے سیدھے کھڑے ٹیلے ہیں"۔ اُس نے جواب دیا...... "ٹیلوں میں ڈاکوؤں نے کمروں جیسے غار بنا رکھے ہیں۔ اُن کے پاس پانی کا ذخیرہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُن کا مستقل اڈہ ہے۔ ویرانے میں ہوتے ہوئے یہ جگہ ویران نہیں لگتی"۔ اس نے جو جگہ بتائی وہ سمندر سے بیس میل دُور تھی۔ اُس نے کہا...... "کچھ ڈاکو بھی ہماری تلواروں اور برچھیوں سے مرے ہیں لیکن زیادہ نقصان ہمارا ہوا ہے۔ ہم جو زندہ رہ گئے ہیں، انہیں وہ اپنے ساتھ لے آئے۔ شام تک وہ ہمارے تمام اونٹ، گھوڑے اور سارا سامان اُٹھا کر اپنے ٹیلوں والے اڈے پر لے آئے۔ رات کو انہوں نے شراب پی اور ہمارا سامان کھول کھول کر دیکھنے لگے۔ ان کا ایک سردار بھی ہے۔ لڑکیاں اس کے حوالے کر دی گئی تھیں۔ میں نے پھر لڑکیوں کو نہیں دیکھا۔ وہ ہم سے سامان اُٹھوا کر ایک وسیع غار میں رکھوا رہے تھے۔ بہت سی مشعلیں جل رہی تھیں۔ میرے زیادہ تر ساتھی زخمی تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں بھاگنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ان میں سے کسی نے بتایا کہ اگر خیریت سے نکل جاؤ تو سمندر تک پہنچنے کی کوشش کرنا، وہاں اپنی فوج کی گشتی کشتی مل جائے گی۔ اس میں اپنے عسکری ہوں گے۔ انہیں بتانا کہ ہم پر کیا مصیبت ٹوٹی ہے......

"مجھے یاد آ گیا کہ ہم مصر کی سرحد سے نکل رہے تھے تو وہاں اپنے عسکری ملے تھے۔ انہوں نے ہمیں کہا تھا کہ راستے میں کوئی مشکل پیش آ جائے تو ساحل پر چلے جانا، وہاں سے تمہیں فوج کی مدد مل جائے گی...... ڈاکو شراب میں بدمست ہوئے جا رہے تھے۔ ہم سامان اُٹھا اُٹھا کر غار میں رکھ رہے تھے۔ مجھے اندھیرے میں بھاگنے کا موقعہ مل گیا۔ ان ٹیلوں میں سے نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ دو بار میں گھوم پھر کر وہیں پہنچ گیا جہاں سے بھاگا تھا۔ میں نے اللہ کو یاد کیا اور قرآن کی جو آیات یاد تھیں، وہ پڑھنے لگا اور آدھی رات کے بعد ٹیلوں کی گلیوں سے نکل آیا۔ سمندر کی سمت کا خیال نہ رہا۔ میں اندھا دُھند چلتا رہا اور صبح ہونے تک اتنی دُور آ گیا جہاں ڈاکو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ سارا دِن اللہ کو یاد کرتا رہا۔ پانی کا یہ چھوٹا مشکیزہ ساتھ تھا۔ تھوڑی سی کھجوریں بھی تھیں۔ انہوں نے مجھے زندہ رکھا......

"تھکن سے چلا نہ گیا تو دوپہر کے وقت ایک ریتلے ٹیلے کے دامن میں گر پڑا۔ ٹیلے کے سائے میں نیند آ گئی۔ سورج غروب ہوا تو آنکھ کھلی۔ ستارے روشن ہوئے تو سمت کا اندازہ ہوا، بہت دیر بعد ہوا میں سمندر کی بو محسوس ہونے لگی۔ میں ہوا کے مخالف چلتا چلا آیا اور شاید سحر کا وقت تھا جب میں ساحل پر آ گیا اور جسم نے جواب دے دیا۔ میں گرا اور نہ جانے بے ہوش ہو گیا یا سو گیا۔ کسی نے مجھے جگایا۔ سورج بہت اوپر آ گیا تھا۔ مجھے جگانے والا کوئی عسکری تھا۔ ساحل کے ساتھ مجھے ایک کشتی نظر آئی۔ اس میں بھی عسکری تھے۔ وہ سب میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں یہی قصہ سنایا جو آپ کو سنا رہا ہوں۔ انہوں نے مجھے کشتی میں بٹھا لیا، کھلایا پلایا اور مجھے یہاں لے آئے۔ یہاں ان (کمانڈر) کے حوالے کر دیا۔ یہ مجھے آپ کے پاس لے آئے"۔

"ہماری راہنمائی کے لیے تم ہمارے ساتھ چلو گے"۔ حسام الدین نے کہا...... "لیکن تمہاری حالت ایسی بُری ہے کہ فوراً ہمارے ساتھ نہیں چل سکو گے۔ تھکن نے تمہیں لاش بنا دیا ہے"۔

مسلمان لڑکیاں ڈاکوؤں کے قبضے میں ہیں، اگر اس سفر میں مجھے تھکن سے مرنا ہے تو میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے قرآن کی آیات نے اُس جہنم سے نکالا ہے، مجھ پر قرآن کا فرض عائد ہوتا ہے کہ اِن معصوم بچیوں کو ظالموں کے چُنگل سے چھڑاؤں۔ میں اس فرض پر جان دینا چاہتا ہوں"۔

"ڈاکوؤں کی تعداد کتنی ہے؟"

"پانچ سو سے زیادہ ہوگی"۔ اس نے جواب دیا

"پانچ سو آدمی کافی ہوں گے؟" حسام الدین نے بڑی دستے کے کمانڈر سے پوچھا...... "مجھے ساتھ ہونا چاہیے"۔

"کافی ہوں گے"۔ کمانڈر نے جواب دیا......"ان میں کم از کم ایک سو سوار اور باقی پیادے ہوں گے۔ ہمیں چھاپہ مارنا ہے، اس لیے ہدف تک خاموشی برقرار رکھنی ہوگی۔ گھوڑے جتنے زیادہ ہوں گے، اتنا ہی شور کا خطرہ ہوگا۔ اس شخص سے اُس جگہ کی مزید تفصیل پوچھ لیتے ہیں اور ابھی روانہ ہو جائیں گے۔ یہ چونکہ بھٹکتا اور گرتا پڑتا آیا ہے، اس لیے اتنی دیر سے پہنچا ہے۔ میں نے سمت کا اندازہ کرلیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ہم شام کے چلے آدھی رات کے قریب ہدف پر پہنچ جائیں گے"۔

"چھوٹی منجنیقیں ساتھ لے لینا"۔ حسام الدین نے کہا...... "ہانڈیاں (آتش گیر سیال والی) اور فلیتے والے تیر بھی ساتھ ہوں...... اور اسے شام تک مکمل آرام کرنے دو...... سب کو بتا دینا کہ مقابلہ ڈاکوؤں سے نہیں، صلیب کے تجربہ کار فوجیوں کے ساتھ ہے"۔

"بڑی فوج کا کمانڈر اس آدمی کو اپنے ساتھ لے گیا۔

☆

صحرا کا وہ خطہ جہاں صلیبی ڈاکوؤں نے اپنا اڈہ بنا رکھا تھا، قلعے سے کم نہ تھا۔ بلکہ اس لحاظ سے قلعے سے زیادہ مضبوط اور ناقابلِ تسخیر تھا کہ وہاں ٹیلوں نے بھول بھلیوں جیسی گلیاں بنا رکھی تھیں جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مڑ جاتیں یا شاخوں میں تقسیم ہو جاتی تھیں۔ اس خطے کے درمیان ایک وسیع میدان تھا۔ اِس کے اِرد گرد ٹیلوں میں صلیبیوں نے اونچے اور لمبے چوڑے کمرے کھود رکھے تھے۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے رہنے کی جگہ الگ تھی۔ حسام الدین کا بڑی فوج کا دستہ پوری خاموشی سے آدھی رات سے پہلے اس خطے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ صلیبیوں نے پکڑے جانے کا خطرہ غالباً کبھی بھی نہیں محسوس کیا تھا، ورنہ وہ اِدھر اُدھر پہرے کا انتظام کرتے۔

حسام الدین نے گھوڑوں کو پیچھے رکھا تا کہ ان کے ہنہنانے کی آواز دشمن تک نہ پہنچے۔ دستے کا کمانڈر چار سپاہیوں کو ساتھ لے کر ٹیلوں کی ایک گلی میں چلا گیا۔ گھومتا مڑتا بہت آگے گیا تو اُسے گھوڑوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ گھوڑوں کی ان رات کی آوازوں سے واقف تھا۔ ایک جگہ وہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گیا۔ وہ شب خون کا ماہر تھا اور اُسے چھپے ہوئے ہدف پر پہنچنے کا تجربہ تھا۔ وہ ٹیلے کے اوپر گیا۔ اوپر چوڑائی تھی، وہاں سے اُترنا پڑا، پھر ایک اور بلندی پر چڑھا۔ اُسے آدمیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو ہلڑ بازی کی طرح تھیں۔ وہاں سے بھی اُسے اُترنا پڑا۔ وہ ایک گلی میں جا رہا تھا کہ قریب ہی اُسے کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور سب اپنے ہتھیار تان کر ٹیلے کے ساتھ ہو گئے۔ آگے موڑ تھا۔

دو آدمی باتیں کرتے موڑ مڑے۔ وہ شراب پیے ہوئے تھے جو اُن کے لہجے سے ظاہر تھا۔ سپاہیوں سے دو چار قدم آگے گئے تو پیچھے سے سپاہیوں نے تلواریں اُن کے پہلوؤں سے لگا دیں۔ کمانڈر نے اُن کی زبان میں جو فلسطینی، عربی اور

عبرانی کی آمیزش تھی کہا کہ آواز نکالی تو مارے جاؤ گے۔ انہیں وہاں سے دُور لے گئے۔ انہوں نے جان کے خوف سے بتا دیا کہ اُن کے ساتھی کہاں ہیں اور اُن تک کون سا راستہ جاتا ہے۔ مسلمان کمانڈر، اُن میں سے ایک کو اپنے ساتھ بلندی پر لے گیا جہاں سے وہ میدان نظر آتا تھا، جہاں اس کے ساتھی جشن منا رہے تھے۔ کمانڈر نے اوپر سے دیکھا اور وہ حیران رہ گیا۔ اس بے رحم صحرا میں جو جہنم سے کم نہ تھا، ان صلیبیوں نے جنت کا منظر بنا رکھا تھا، جہاں مسافر پیاسے مر جاتے تھے، وہاں یہ لوگ شراب پی رہے تھے۔ ان میں سے کچھ اِدھر اُدھر بے سُدھ پڑے تھے۔ بعض ٹولیوں میں بیٹھے گا رہے تھے یا ہلڑ بازی میں مصروف تھے۔ ایک جگہ ایک لڑکی ناچ رہی تھی۔ مشعلیں اس طرح جل رہی تھیں کہ اُن کے ڈنڈے عموی ٹیلوں میں گاڑے ہوئے تھے۔

''بہت سے اندر ہیں''...... صلیبی قیدی نے کمانڈر کو بتایا...... ''وہ شراب سے بے ہوش پڑے ہوں گے۔ ایسا جشن صرف اُس وقت منایا جاتا ہے جب کوئی بہت بڑا قافلہ لوٹا جاتا ہے۔ تین چار راتیں جشن منایا جاتا ہے''۔

''تعداد کتنی ہے؟''

''چھ سو کے قریب ہوگی''...... اُس نے جواب دیا...... ''کمانڈر ایک نائٹ ہے۔ وہ اس وقت لڑکیوں کے درمیان بدمست پڑا ہوگا''۔

کمانڈر نے بلندی سے میدان کا جائزہ لیا۔ اُسے مشعلوں کی روشنی میں جو کچھ نظر آ رہا تھا۔ وہ اُس نے دیکھ لیا۔ جو نظر نہیں آتا تھا وہ اسے صلیبی قیدی نے بتا دیا۔ وہ ایسے راستے معلوم کر رہا تھا جن کی ناکہ بندی کی جا سکے۔ اس نے اپنے قیدی کو ساتھ لیا اور وہاں سے اُتر آیا۔ دوسرے قیدی اور اپنے ساتھیوں کو بھی ساتھ لے کر وہ حسام الدین کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ کس قسم کی کارروائی کرنی ہے۔

☆

میدان میں مشعلوں کی روشنی میں ہلڑ بازی کرنے والے صلیبیوں کی تعداد کم ہوگئی تھی۔ اب ان میں سے چند ایک ہی جاگ رہے تھے۔ حسام الدین نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ ڈاکوؤں کو زندہ باہر لانا۔ کمانڈر نے اس پر اعتراض کیا اور کہا...... ''میں ان سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ میں ان کی لاشیں یہیں گلنے سڑنے کے لیے اور صحرائی لومڑیوں کے لیے پڑی رہنے دوں گا۔ آپ انہیں زندہ قیدی بنا کر ان کے حکمران کے ساتھ کوئی سودا کرنا چاہتے ہیں''۔

''نہیں''...... حسام الدین نے کہا...... ''مجھے بھی انتقام لینا ہے۔ مجھے اپنے اُن مسلمان قیدیوں کے خون کا انتقام لینا ہے جنہیں صلیب کے ایک جنگجو بادشاہ ارناط نے نکرہ لے جا کر قتل کیا تھا۔ جنگی قیدیوں کو قتل نہیں کیا جاتا مگر ارناط نے ہمارے تمام قیدیوں کو پہلے بھوکا رکھا۔ ان سے مشقت کرائی پھر انہیں قطار میں کھڑا کر کے قتل کیا تھا۔ اس واقعہ کو سات سال گزر گئے ہیں۔ میں اسے ساری عمر نہیں بھول سکتا۔ آج انتقام کا موقعہ ملا ہے۔ میں یہ نہیں سننا چاہتا کہ یہ صلیبی ڈاکو ہمارے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ انہیں زندہ لاؤ لیکن میں انہیں زندہ نہیں رہنے دوں گا۔ میں انہیں اسی طرح قتل کروں گا جس طرح صلیبیوں نے ہمارے قیدی قتل کیے تھے''۔

حسام الدین کے سپاہی تین راستوں سے میدان میں داخل ہوئے۔ انہوں نے جلتی ہوئی مشعلوں سے اپنی مشعلیں جلا لیں، جو صلیبی جاگ رہے تھے، انہوں نے نشے کی حالت میں گالیاں دیں۔ وہ لڑنے کی حالت میں نہیں تھے۔ حملہ آور سپاہیوں نے انہیں زندہ پکڑنے کی بجائے تلواروں سے ختم کر دیا، جو سوئے ہوئے تھے وہ شور و غل سے جاگ

اُٹھے۔ پیشتر اس کے کہ وہ سمجھ پاتے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، وہ برچھیوں کی انیوں پر دھر لیے گئے۔ انہیں ہتھیار اُٹھانے کی مہلت نہ ملی۔ غار نما کمروں میں سے چند ایک برچھیاں اور تلواریں لے کر نکلے لیکن کچھ مارے گئے، باقی ہتھیار پھینک کر الگ کھڑے ہو گئے۔ اُن کا نائٹ اس حالت میں مدہوش پڑا تھا کہ اس کے جسم پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ وہ گالیاں بکنے لگا۔ مسلمان سپاہیوں کو وہ اپنے سپاہی سمجھ رہا تھا۔ اس کے کمرے سے تین مسلمان لڑکیاں برآمد ہوئیں۔

دوسرے کمروں سے بھی چند ایک لڑکیاں نکلیں۔ یہ سب مسلمان تھیں۔ اُن کی حالت بہت بُری تھی۔ وہ مسلمان سپاہیوں کو شاید ڈاکوؤں کا کوئی دوسرا گروہ سمجھ رہی تھیں، اسی لیے وہ دہشت سے دبکی ہوئی تھی۔ جب انہیں پتہ چلا کہ یہ مسلمان سپاہی ہیں تو لڑکیاں پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگی۔ وہ روتی تھیں اور کبھی صلیبیوں کو دانت پیس پیس کر گالیاں دیتیں اور کبھی مسلمان سپاہیوں کو کوسنے لگتیں۔ انہوں نے انہیں بے غیرت اور بزدل کہا اور ان میں سے بعض بار بار کہتی تھیں ...... ''اگر تم مسلمان ہو تو ان کافروں کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ کیا ہم تمہاری بہنیں اور بیٹیاں نہیں؟ کیا ہماری عصمتیں تمہاری بیٹیوں کی عصمتوں جیسی نہیں؟''

اُس وقت حسام الدین اور برّی دستے کا کمانڈر کمروں کی تلاشی لے رہے تھے۔ باہر اب کوئی لڑائی نہیں ہو رہی تھی۔ صلیبیوں کو ایک جگہ بٹھا دیا۔ ان کے گرد مسلح سپاہی کھڑے تھے، جن میں بہت سے سپاہیوں نے کمانوں میں تیر ڈال رکھے تھے۔

☆

صبح جب صلیبیوں کا نشہ اُترا تو وہ سمندر کے کنارے بیٹھے تھے۔ لڑکیوں کو حسام الدین نے اپنے بحری جہاز میں رکھا۔ قیدیوں کی تعداد کم و بیش پانچ سو تھی۔ باقی مارے گئے تھے۔ انہوں نے ٹیلوں کے اندر جو سامان اور رقم جمع کر رکھی تھی، وہ قیدیوں سے اُٹھوا کر ساحل پر لائی گئی۔ ان قیدیوں کے کمانڈر سے جو معلومات حاصل ہوئیں، ان سے یہ انکشاف ہوا کہ یہ ایک مشہور صلیبی بادشاہ رینالڈ ڈی شاٹون کی فوج کا دستہ تھا۔ مسلمان قافلوں کو لوٹنے کے لیے اتنی نفری کا ایک دستہ یہاں موجود رہتا تھا۔ کچھ عرصے بعد دوسرا دستہ بھیج دیا جاتا تھا۔ سامان جو لوٹا جاتا، اس میں سے کچھ حصہ سپاہیوں کو ملتا اور باقی سب اپنے بادشاہ کو بھیج دیا جاتا تھا۔ اونٹ اور گھوڑے بھی سرکاری ملکیت میں چلے جاتے تھے۔

لڑکیوں کے متعلق یہ احکام تھے کہ کمسن بچیاں جو غیر معمولی طور پر خوب صورت ہوتی تھیں، وہ صلیبیوں کے ہیڈ کوارٹروں میں بھیج دی جاتی تھیں جہاں انہیں ٹریننگ دے کر جوانی کی عمر میں جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے مسلمانوں کے علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔ جوان لڑکیوں میں کوئی بہت ہی خوب صورت ہوتی تو اُسے بھی ہیڈ کوارٹروں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ باقی لڑکیوں کو یہ صلیبی سپاہی اور کمانڈر اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔

''اس قافلے کے ساتھ بھی بچیاں ہوں گی'' ...... حسام الدین نے پوچھا۔

''بارہ چودہ تھیں'' ...... صلیبی کمانڈر نے بتایا ...... ''صرف ایک بھیجی گئی ہے''۔

''اور باقی؟''

''قتل ہو چکی ہیں''

''اور قافلے کے جن آدمیوں کو ساتھ لائے تھے؟''

''انہیں سامان اُٹھانے کے لیے لائے تھے، پھر انہیں قتل کر دیا تھا''

اُس نے جوان لڑکیوں کے متعلق بتایا کہ ان میں ایک رقاصہ تھی۔ بہت خوب صورت تھی۔ اس کا جسم، حُسن اور اُس کا رقص ہماری اس ضرورت کے مطابق تھا جس کے لیے ہم لڑکیاں حاصل کرتے ہیں۔ اس رقاصہ کو اُسی شام بھیج دیا گیا تھا۔ فوراً بھیجنے کی وجہ یہ بتائی تھی کہ ایسی قیمتی اور دِل کش لڑکی کا سپاہیوں میں رکھنا خطرناک ہوتا ہے۔ کوئی بھی سپاہی اُسے آزادی کا جھانسہ دے کر بھگا لے جا سکتا ہے۔

''انہوں نے اس قافلے کو قتل کیا ہے جو حج کو جا رہا تھا''...... حسام الدین نے کمانڈر سے کہا...... ''قافلہ حجاز تک نہ پہنچ سکا۔ ان بدنصیبوں کی بجائے میں ان کے قاتلوں کو حجاز بھیجوں گا اور وہاں انہیں قتل کراؤں گا''۔

''حسام الدین تمام قیدیوں کو اُس جگہ لے گیا جہاں انہوں نے قافلے کو لوٹا اور قتلِ عام کیا تھا، وہاں لومڑیوں، بھیڑیوں اور گیدڑوں کی کھائی ہوئی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ حسام الدین نے قیدیوں سے قبریں کھدوائیں۔ اُس نے سب کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور سب کو دفن کر دیا۔ اس نے قاہرہ سے حکم لیے بغیر ان تمام قیدیوں کو ایک ہی بحری جہاز میں ٹھونسا اور جدہ کی طرف لے گیا، وہاں انہیں اُتارا اور اس پیغام کے ساتھ حجاز روانہ کر دیا کہ انہیں منیٰ کے میدان میں قتل کر دیا جائے۔ پیغام میں اس نے تفصّل سے لکھا کہ ان کا جرم کیا ہے۔

یورپی مورخوں نے صلیبی سپاہیوں اور اُن کے کمانڈر کے قتل کو بہت اچھالا اور غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ انہیں انہوں نے جنگی قیدی کہا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کون سی جنگ کے جنگی قیدی تھے۔ وہ کسی قلعے میں نہیں تھے۔ مسلمان مورخوں نے اصل واقعہ لکھا ہے۔ ان کی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ امیر البحر حسام الدین لولو کا فیصلہ تھا جس سے سلطان صلاح الدین ایوبی بالکل بے خبر تھا۔

☆

اس صلیبی ڈاکو دستے کے کمانڈر نے جس رقاصہ کے متعلق بتایا تھا کہ اُسے اُسی شام یہاں سے بھیج دیا گیا تھا۔ وہ رعدی تھی۔ اُس کے کہنے کے مطابق اُسے اتنی جلدی اس لیے بھیج دیا گیا تھا کہ گھوڑے کے نیچے آ کر اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ کمانڈر نے اس ڈر سے اسے بھیج دیا کہ اس پر یہ الزام عائد نہ ہو سکے کہ اس رقاصہ کو اس کے تشدد نے اس حالت تک پہنچایا ہے۔ یہ کمانڈر جس وقت حسام الدین کو اپنا بیان دے رہا تھا، اُس وقت رقاصہ رعدی چار صلیبی سپاہیوں کے ساتھ وہاں سے بہت دُور پہنچ چکی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ اس کی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی۔ راستے میں اس نے سپاہیوں سے کئی بار کہا تھا کہ وہ اُسے قاہرہ لے چلیں جہاں وہ انہیں بے شمار رقم دے گی مگر سپاہی نہ مانے۔ آخر ایک سپاہی نے اُسے کہا...... ''تم دیکھ رہی ہو کہ ہم تمہیں شہزادیوں کی طرح ساتھ لے جا رہے ہیں۔ تم اتنی زیادہ خوب صورت ہو اور تمہارے جسم میں ایسا جادو ہے کہ جسے اشارہ کرو، وہ تمہارے قدموں میں جان دے دے گا، لیکن ہم تمہارے جسم سے چار قدم دُور رہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ تم ہمارے پاس امانت ہو اور یہ امانت ہمارے بادشاہ کی ہے جو صلیب کا بادشاہ ہے۔ اگر تمہارا کہا مان لیں یا تمہیں اپنی ملکیت سمجھ لیں تو ہمیں نہ بادشاہ بخشے گا، نہ صلیب''۔

''ہماری منزل کہاں ہے؟''...... رعدی نے پوچھا۔

''بہت دُور''...... اُسے جواب ملا...... ''سفر کٹھن ہے اور لمبا بھی۔ ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ ہمیں اُس علاقے میں سے بھی گزرنا پڑے گا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہے''۔

''رعدی کو یہ چار صلیبی واقعی شہزادیوں کی طرح لے جا رہے تھے۔ ''تم کسی بڑے حاکم کی بیٹی معلوم ہوتی ہو یا

کسی دولت مند تاجر کی بیٹی۔ تم اپنے خاندان کے ساتھ حج کو جارہی تھی؟''......ایک صلیبی نے پوچھا۔

''تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ میں رقاصہ ہوں؟''......رعدی نے جواب دیا......''میرا کوئی باپ نہیں، کوئی بھائی نہیں۔ میری ماں اسمٰعیلیہ میں مشہور رقاصہ اور مغنیہ ہے۔ مجھے بالکل علم نہیں کہ میں اُس کے کس چاہنے والی کی بیٹی ہوں۔ ماں نے بچپن میں ہی مجھے رقص کی تربیت دینی شروع کردی تھی۔ مجھے رقص اور گانا اچھا لگتا تھا۔ میں سولہ سترہ سال کی ہوئی تو ماں نے مجھے ایک بہت امیر آدمی کے گھر بھیجا۔ وہ بوڑھا آدمی تھا۔ شراب پیئے ہوئے تھا۔ بوڑھے نے مجھے کہا کہ وہ میری محبت میں دیوانہ ہوا جارہا ہے۔ مجھے اس بوڑھے سے نفرت ہوگئی۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ میرا باپ نہیں ہے۔ اس بوڑھے کو دیکھ کر مجھے اپنے باپ کا خیال آگیا تھا۔ اس بوڑھے نے مجھے اپنے پاس بٹھا کر ایسی ذلیل حرکتیں کیں کہ مجھے پتہ چل گیا کہ یہ میرا باپ نہیں، نہ اس کے دل میں میری محبت ہے۔ یہ میرا گاہک ہے......

''میں وہاں سے اکیلی بھاگ گئی۔ ماں کو بتایا تو اس نے مجھے سمجھایا کہ یہ ہمارا پیشہ ہے۔ میں نہ مانی۔ ماں نے مجھے مارا پیٹا۔ میں نے کہا کہ میں ناچوں گی، گاؤں گی لیکن کسی کے گھر نہیں جاؤں گی۔ ماں نے میری شرط مان لی۔ جن کے پاس دولت تھی، وہ ہمارے گھر آنے لگے۔ میں چونکہ کسی کے گھر نہیں جاتی تھی، اس لیے میری قیمت چڑھ گئی۔ تین سال گزر گئے اور اس دوران میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کوئی میرے حُسن اور میرے رقص کی بجائے میرے ساتھ محبت کرے جس میں عیاشی اور بدمعاشی کا دخل نہ ہو۔ آخر ایک آدمی مجھے مل گیا۔ وہ دوبار میرے ہاں آیا تھا۔ وہ مجھے اچھا لگتا تھا۔ مجھ سے سات آٹھ سال بڑا تھا۔ میری اور اس کی ملاقاتیں باہر ہونے لگیں۔ میں کبھی میں سیر کے بہانے چلی جاتی اور وہ وہاں موجود ہوتا......

''وہ تو شہزادہ تھا۔ شراب پیتا تھا۔ میں نے ایک شام اُسے کہا کہ شراب چھوڑ دو۔ اس نے قسم کھا کہ کہا کہ وہ آئندہ شراب نہیں پیئے گا۔ اس نے وعدہ پورا کر دکھایا۔ ایک روز اُس نے مجھے کہا کہ ناچنا چھوڑ دو۔ میں نے قسم کھا کر کہا کہ میں اس پیشے پر لعنت بھیجوں گی لیکن جب تک اس گھر میں ہوں، یہ ممکن نہیں۔ اُس نے کہا کہ میں عیاش باپ کا عیاش بیٹا ہوں۔ میرے باپ کے حرم میں تم سے چھوٹی عمر کی بھی لڑکیاں ہیں۔ میں اس گھر میں رہ کر نیک نہیں بن سکتا۔ میں نے اُسے کہا کہ میں ناچنے والی ماں کی ناچنے والی بیٹی ہوں۔ تمہیں اپنے باپ کی عیاشی خراب کررہی ہے اور مجھے اپنی ماں کا پیشہ خراب کررہا ہے۔ آؤ، کہیں دور چلے چلیں اور میاں بیوی کی طرح پاک زندگی بسر کریں۔ وہ مان گیا۔

''وہ مسلمان تھا، میرا کوئی مذہب نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میرا باپ مسلمان تھا، عیسائی یا یہودی تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے مسلمان سمجھو اور بتاؤ کہ مذہب کیا ہے۔ مجھے محبت دو، مجھے پاک زندگی دو۔ اُس نے بہت سوچا اور بولا کہ پاک ہونا ہے تو حجاز چلو۔ میں نے حجاز کی بہت باتیں سنی تھیں۔ مجھے ایسے گانے بہت پسند آتے تھے جن میں حجاز اور حجاز کے قافلوں کا ذکر ہوتا۔ میں ایک گانا اکیلے میں بھی گنگنایا کرتی تھی ......''چلے قافلے حجاز کے''......اُس نے حجاز کا نام لے کر میری آرزو کو شعلہ بنادیا۔ میں نے اُسے کہا کہ میں تیار ہوں۔ ہمت کرو، میری آرزو پوری کردو۔ اُس نے پوچھا۔ تم جانتی ہو کہ میں تمہیں حجاز کیوں لے جارہا ہوں؟ میں نے کہا کہ وہ بہت خوب صورت سرزمین ہے۔ اُس نے کہا کہ صرف خوب صورت نہیں، وہ پاک سرزمین ہے، وہاں خانہ کعبہ ہے، وہاں آبِ زم زم ہے اور وہاں جو جاتا ہے، اس کی روح پاک ہو جاتی ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہاں ہم حج کعبہ کریں گے اور پاک ہو کر شادی کریں گے پھر وہیں رہیں گے۔

''میں اُس وقت کو بھول نہیں سکتی جب وہ میرے ساتھ یہ باتیں بچوں کی طرح کررہا تھا اور میں جیسے اُس کی

آنکھوں میں اُتر کر اُس کی روح میں سما گئی تھی۔ میری ذات فنا ہو گئی تھی، میرا وجود اُس کے وجود میں تحلیل ہو گیا تھا اور میں نے اُسے کہا تھا کہ کل چلنا ہے تو ابھی چلو۔ اُس نے کہا کہ قافلے جاتے رہتے ہیں۔ میں معلوم کر لوں گا...... پھر ایک شام اُس نے کہا کہ آج رات یہیں آ جانا۔ قافلہ روانہ ہو گیا ہے۔ ہم اس سے جاملیں گے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں گھر چلی گئی تو رات کوئی آنے نہیں دے گا۔ ابھی لے چلو۔ اُس نے کہا آ جاؤ۔ میں نے بگھی والے کو کچھ نہ بتایا۔ شام گہری ہو گئی تھی۔ چھپ کر اس کے ساتھ چلی گئی۔ اُس نے مجھے ایک کھنڈر میں چھپا دیا اور چلا گیا۔ وہ کچھ دیر بعد دو گھوڑے لے کر آ گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ دوسرا گھوڑا خالی تھا۔ دونوں کے ساتھ پانی اور کھانے کا سامان بندھا تھا......

''ہم اگلی شام قافلے سے جا ملے اور رات وہاں جا پہنچے جہاں تم نے میرے خواب میری محبت کے لہو میں غرق کر دیئے۔ وہ مارا گیا، میں پکڑی گئی، حجاز کا قافلہ لوٹا گیا اور خانہ کعبہ سے دُور ہی اللہ کے حضور چلا گیا...... خدا نے میرے گناہ بخشے نہیں۔ میرے ماتھے کی قسمت میں کعبہ کا سجدہ نہیں لکھا تھا۔ میرا وجود ناپاک تھا جو اللہ کو پسند نہیں تھا کہ اُس کے کعبے تک پہنچے''۔

''تم مذہب میں پناہ لینا چاہتی ہو تو ہمارے مذہب کو قریب سے دیکھنا''...... ایک سپاہی نے کہا

''تم نے میرا ایک پاک تصور ریزہ ریزہ کر دیا ہے''...... رعدی نے کہا...... ''کیا تمہارے مذہب نے یہ حکم دیا ہے، جس کی تم نے تعمیل کی ہے؟ میں جو تصور لے کر نکلی تھی وہ ایسا بھیانک تو نہیں تھا؟''

''یہ ہمارا مذہب نہیں''...... سپاہی نے کہا...... ''یہ اُن انسانوں کا حکم تھا جن کے ہم ملازم ہیں''۔

''تم سے تو میں اچھی ہوں جس کے قدموں میں شہزادے زر و جواہرات کے ساتھ اپنا سر بھی رکھتے تھے''...... رعدی نے کہا...... ''مگر میں صحراؤں کی خاک چھاننے نکل آئی...... حکم وہ مانو جو اپنی رُوح سے نکلے۔ میں اُس کے مذہب کی مرید ہوں جس نے مجھے پاک محبت دی اور پاکیزہ تصور دیا۔ اس سے میں سمجھی کہ اُس کا مذہب بھی پاک ہو گا۔ وہ مجھے میرے تصوروں کی سرزمین حجاز کی طرف لے جا رہا تھا۔ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟''

''ہم انسانوں کے حکم کے پابند ہیں''...... سپاہی نے کہا

''میں خدا کے حکم کی پابند ہوں''...... رعدی نے کہا

''خدا نے تمہیں دھتکار دیا ہے''...... ایک اور سپاہی بولا...... ''تم اس وقت ہماری پابند ہو۔ ہم جہاں تمہیں لے جا رہے ہیں وہاں سوچنا کہ خدا کو راضی کس طرح کیا جائے۔ کوئی نیکی کرنا، شاید خدا تمہیں بخش دے''۔

''میں جانتی ہوں، تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو اور کیوں لے جا رہے ہو''...... رعدی نے کہا...... ''میرا وجود سراپا گناہ ہو گیا اور میں کوئی نیکی نہیں کر سکوں گی''۔

''تم کوئی نیکی سوچ بھی نہیں سکتی''...... ایک سپاہی نے کہا...... ''تم گناہ کی پیداوار ہو۔ گناہوں میں تم نے پرورش پائی ہے۔ ایک گناہ گار کے ساتھ گھر سے بھاگ کر جا رہی تھی...... تم نیکی کیا کرو گی؟''

''ان بے گناہوں کے خون کا انتقام لوں گی جنہیں تم نے قتل کیا ہے''...... رعدی نے دانت پیس کر کہا

چاروں سپاہیوں نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا اور ایک نے کہا...... ''ہم پر تمہارا احترام فرض ہے۔ ہمیں حکم ہی ایسا ملا ہے، ورنہ تم ایسے الفاظ دوبارہ زبان سے نہ نکالتی''۔

رعدی انہیں دیکھتی رہی اور اُس کے دل میں نفرت گہری ہوتی گئی۔

☆

موصل میں ایک درویش کی شہرت آناً فاناً پھیل گئی۔ وہ ایک ضعیف العمر انسان تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ کسی خوش نصیب انسان کے ساتھ ہی بات کرتا ہے اور وہ جس کی بات کرتا ہے۔ اُس کی ہر مراد پوری ہو جاتی ہے۔ کسی نے اُسے شہر کی دیواروں کے باہر ایک جھونپڑہ دے دیا تھا۔ اس کی کرامات سارے شہر میں مشہور ہو گئیں۔ لوگ اُس کے جھونپڑے کے گرد ہجوم کیے رکھتے۔ وہ ذرا سی دیر کے لیے باہر آتا۔ بازو اوپر کر کے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتا۔ ہجوم پر خاموشی طاری ہو جاتی۔ وہ اشاروں میں انہیں تسلی دیتا اور جھونپڑے میں چلا جاتا۔ اس کے ساتھ چار پانچ خوبرو آدمی تھے جن کے چہرے سفید اور گلابی تھے اور وہ سر سے پاؤں تک سبز لبادوں میں ملبوس تھے۔

پھر یہ مشہور ہو گیا کہ درویش موصل والوں کے لیے خوش خبری لایا ہے۔ شہر میں اجنبی سے کچھ لوگ نظر آتے تھے۔ وہ لوگوں کو درویش کے متعلق کچھ ایسی باتیں سناتے تھے جو ہر کسی کے دِل میں اُتر جاتی تھیں۔ ہر کسی کو اپنی اپنی مراد پوری ہوتی نظر آتی تھی۔ چند دنوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ درویش امام مہدی ہے۔ بعض اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہنے لگے، پھر ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ درویش والی موصل عزالدین کی بگھی پر محل کو جا رہا تھا۔ عزالدین کے محافظوں نے اس کا استقبال کیا اور وہ محل میں چلا گیا۔ کئی گھنٹوں بعد وہاں سے نکلا اور شاہی بگھی پر چلا گیا۔ لوگ جب اس کے جھونپڑے کو گئے تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ درویش کو بگھی کہیں دُور لے گئی تھی۔ شام کو بگھی واپس آئی۔ اس میں بگھی بان اور دو محافظ تھے۔ لوگوں نے بگھی روک لی اور محافظوں سے پوچھا کہ درویش کہاں چلا گیا ہے۔

''ہمیں کچھ علم نہیں، وہ کہاں ہے؟''...... ایک محافظ نے لوگوں کو بتایا...... ''اُس نے پہاڑیوں کے قریب بگھی رکوائی اور ہمیں کہا کہ تم چلے جاؤ۔ ہم نے اُس کے ساتھ ایک آدمی سے پوچھا کہ درویش کہاں جا رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ان پہاڑیوں میں سے کسی کی چوٹی پر بیٹھے گا۔ اُسے اُفق سے ایک نشانی نظر آئے گی۔ درویش پہاڑی کی چوٹی سے اُتر آئے گا اور والی موصل کو بتائے گا کہ وہ کیا کرے، پھر موصل کی فوج جدھر جائے گی، اُدھر پہاڑ اُسے راستہ دے دیں گے، صحرا سرسبز ہو جائیں گے۔ دشمن کی فوجیں اندھی ہو جائیں گی اور والی موصل جہاں تک پہنچ سکے گا وہاں تک اس کی حکمرانی ہوگی۔ صلاح الدین ایوبی عزالدین کے آگے ہتھیار ڈال دے گا۔ صلیبی اُس کے غلام ہو جائیں گے اور موصل کے لوگ آدھی دُنیا کے بادشاہ ہوں گے۔ سونے چاندی میں کھیلیں گے...... ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ کون سی پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے گا''۔

موصل کے کچھ دُور کوہستانی علاقہ تھا، وہاں کوئی آبادی نہیں تھی، جہاں کہیں پہاڑوں میں گھرا ہوا میدان تھا، وہاں دو چار جھونپڑے نظر آتے تھے۔ علاقہ ہرا بھرا تھا۔ گڈریے مویشی لے کے وہاں جاتے تھے۔ ایک روز گڈریوں کو اُدھر جانے سے روک دیا گیا۔ لوگوں کو دُور سے گزرنے کی اجازت تھی۔ موصل کی فوج کے سنتری گشت کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ باہر کے اجنبی لوگ بھی تھے۔ کوہستان کا ایک وسیع علاقہ تھا جس کے قریب جانے سے لوگوں کو منع کر دیا گیا۔ ان پابندیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خطہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ اس کے متعلق عجیب وغریب باتیں سننے میں آنے لگیں۔ یہ تو ایک دِن میں ہر کسی کی زبان پر چڑھ گیا کہ درویش کو آسمان سے ایک نشانی نظر آئے گی پھر آدھی دُنیا پر موصل والوں کی بادشاہی ہوگی۔

☆

صرف ایک چاردیواری تھی جس کے اندر چار آدمی بیٹھے کچھ اور قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ ان میں ایک حسن الادریس بھی تھا۔ پچھلی قسط میں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حسن الادریس سلطان ایوبی کا جاسوس تھا جو بیروت سے نہایت قیمتی خبر لایا تھا اور اس خبر کے ساتھ والی موصل عزالدین کے ایلچی احتشام الدین اور اس کی رقاصہ بیٹی سائرہ کو بھی

سلطان ایوبی کے پاس لے آیا تھا۔ یہ ایک بے مثال کامیابی تھی۔ اسلام کی تاریخ پر اس جاسوس نے بہت بڑا احسان کیا تھا۔
احتشام الدین نے سلطان ایوبی کو بتایا تھا کہ صلیبی موصل کے قریب پہاڑیوں کی کھوہ میں اسلحہ اور آتش گیر سیال اور رسد کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کریں گے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کوہستان کو اپنی فوج کا اڈہ بنائیں گے۔ موصل کو تو وہ اپنے چھاپہ ماروں کا اڈہ بنا رہے تھے۔ اس حقیقت کو سلطان ایوبی اور سالار سمجھ سکتے تھے کہ جس فوج کا اڈہ اور رسد قریب ہو، وہ آدھی جنگ جیت لیتی ہے۔ صلیبی فوج کو یہ تلخ تجربہ ہو چکا تھا کہ انہوں نے جب کبھی پیش قدمی کی یا حملہ کیا، سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے عقب میں جا کر اُن کی رسد تباہ کر دی یا رسد اور فوج کے درمیان حائل ہو کر رسد روک لی۔ آگے سلطان ایوبی نے یہ انتظام کر رکھا ہوتا تھا کہ پانی جہاں کہیں ہوتا تھا، وہاں قبضہ کر لیتا تھا۔ جہاں کہیں گھاس اور چارہ ہوتا وہاں بھی وہ قبضہ کر لیتا یا گھاس وغیرہ کٹوا لیتا یا تباہ کر دیتا تاکہ صلیبیوں کے گھوڑوں اور اونٹوں کو چارہ نہ مل سکے، اس کے علاوہ وہ بلندیوں پر اپنے تیراندازوں کی ٹولیاں بٹھا دیتا تھا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ سلطان ایوبی نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ حسن بن عبداللہ سے کہا تھا کہ وہ معلوم کرے کہ صلیبی کس مقام پر ذخیرہ کر رہے ہیں۔ اس نے چھاپہ مار دستوں کے سالار صارم مصری سے کہا تھا کہ جب ذخیرے کا مقام معلوم ہو جائے تو اسے تباہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ سلطان ایوبی کی دُوربین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ صلیبی اب مکمل تیاری کر کے کھلی جنگ لڑیں گے۔ اس سے پہلے وہ صلیبی علاقوں پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُسے جب احتشام الدین کی زبانی صلیبیوں کے عزائم کی اطلاع ملی تو اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ صلیبیوں کو کہیں بھی قدم نہ جمانے دیئے جائیں۔ اس نے ایک حکم یہ دیا کہ معلوم کرو کہ صلیبی کوہستان میں کہاں ذخیرہ جمع کر رہے ہیں اور دوسرا حکم یہ دیا کہ سنجار کی طرف پیش قدمی کرو اور قلعے کو محاصرے میں لے لو۔ سنجار موصل سے کچھ دُور ایک اہم قلعہ اور جنگی اہمیت کا ایک قصبہ تھا۔ اس کا امیر شرف الدین بن قطب الدین تھا۔ سنجار کو اپنے قبضے میں لینے کا اقدام سلطان ایوبی کے اُس منصوبے کی کڑی تھی جس کے متعلق اس نے کہا تھا کہ وہ اب کسی سے تعاون کی بھیک نہیں مانگے گا بلکہ تلوار کی نوک پر تعاون حاصل کرے گا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے مسلمان اُمراء خودمختار حکمران رہنا چاہتے ہیں، اس لیے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ معاہدے کر رہے ہیں۔ سنجار کے امیر شرف الدین کے متعلق سلطان ایوبی کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ والیٔ موصل عزالدین کا دوست ہے اور اس دوستی کی بنیاد یہی ہے کہ سلطان ایوبی کے خلاف محاذ مضبوط کیا جائے۔

حسن بن عبداللہ نے اپنے جاسوسوں کا جائزہ لیا۔ موصل میں اُس کے جاسوس موجود تھے لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ کسی زیادہ ذہین اور جرأت مند جاسوس کو اُن کے پاس بھیجا جائے کیونکہ اسے خیال تھا کہ صلیبیوں کا ذخیرہ معلوم کرنا مشکل کام ہو سکتا ہے۔ حسن الادریس نے اپنی خدمات پیش کیں۔ حسن بن عبداللہ اسے نہیں بھیجنا چاہتا تھا کیونکہ وہ لمبے عرصے تک بیروت رہا تھا، اس لیے اسے پہچانا جا سکتا تھا۔ حسن الادریس بھیس اور اپنا لب و لہجہ بدلنے کا ماہر تھا۔ اس نے حسن بن عبداللہ سے کہا کہ وہ اگر بیروت چلا جائے تو ایسا بہروپ دھارے گا کہ جو اسے پہچانتے ہیں، وہ بھی نہیں پہچان سکیں گے۔ موصل میں تو اُسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ آخر اسی کو روانہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور سلطان ایوبی نے خود اسے کچھ ہدایات دیں۔

''میرے عزیز دوست!''...... سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھ سینے پر رکھ کر حسن الادریس سے کہا۔ ''تاریخ میں نام سلطان ایوبی کا آئے گا۔ شکست کھاؤں گا تو تاریخ مجھے شرمسار کرے گی اور فتح حاصل کر کے مروں گا لوگ میری قبر پر پھول چڑھائیں گے اور آنے والی نسلیں مجھے خراج تحسین پیش کریں گی۔ یہ بہت بڑی بے انصافی ہوگی۔ فتح کا سہرا تمہارے سر

ہوگا، تمہارے ان ساتھیوں کے سر ہوگا جو دشمن کے اندر جا کر خبر لاتے اور میری فتح کا باعث بنتے ہیں۔ خدا اس حقیقت کو دیکھ رہا ہے۔ تمہارے سر پر سہرا خدا اپنے ہاتھوں باندھے گا۔ میں شکست کھاؤں گا تو یہ میری اپنی غلطی ہوگی کہ میں نے تمہاری اطلاع کے مطابق عمل نہ کیا اور میں فتح حاصل کروں گا تو یہ تمہاری فتح ہوگی کیونکہ میری آنکھیں اور میرے کان تم ہو۔ میری روح تمہاری قبر پر پھول چڑھاتی رہے گی۔ عظیم تم ہو اور تمہارے جاسوس ساتھی۔ میری کوئی عظمت نہیں۔ میں پوری فوج لے کر سنجار جا رہا ہوں۔ تم اکیلے جا رہے ہو۔ میں جو فتح پوری فوج کے ساتھ حاصل کروں گا، وہ تم اکیلے کرلو گے۔ جاؤ میرے دوست! خدا حافظ"۔

جب حسن الادریس ایک غریب مسافر کے بھیس میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر نصیبہ کی خیمہ گاہ سے نکلا، اُس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ دُور نکل گیا تو اسے بے شمار گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دینے لگے۔ وہ رُک گیا۔ اُسے معلوم تھا یہ گھوڑے کس کے ہیں۔ یہ صلاح الدین ایوبی سنجار کو محاصرے میں لینے جا رہا تھا۔ اُس نے نصیبہ سے اپنا کیمپ اکھاڑا نہیں تھا۔ اپنا ہیڈ کوارٹر اور کچھ عملہ وہیں رہنے دیا اور اپنے محفوظہ (ریزرو ٹروپس) کو بھی تیاری کی حالت میں نصیبہ چھوڑ گیا تھا۔

☆

"تم یہاں یہ معلوم کرنے آئے ہو کہ صلیبی پہاڑوں میں اپنا ذخیرہ کہاں رکھیں گے"...... موصل کے جاسوسوں کے کمانڈر نے کہا...... "اور ہم یہاں یہ معلوم کرنے کی سوچ رہے ہیں کہ یہ درویش کون ہے جو انہی پہاڑوں میں کہیں جا بیٹھا ہے۔ کوئی اُسے امام مہدی کہتا ہے اور کوئی عیسیٰ"...... اُس نے حسن الادریس کو پوری تفصیل سے بتایا کہ اس درویش کو شہر میں اور اِردگرد کے علاقے میں کیسی شہرت حاصل ہوئی ہے...... "اُن پہاڑیوں کے قریب سے گزرنے کی بھی اجازت نہیں۔ کچھ تو اپنی فوج کے سنتری ہیں اور کچھ اجنبی سے آدمی ہیں جو کسی کو آگے نہیں جانے دیتے۔ درویش کسی پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھا ہے۔ اُسے خدا آسمان سے کوئی اشارہ دے گا۔ رات کو لوگ اپنی چھتوں پر کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے تو وہ چلا اُٹھتے ہیں، وہ رہا اشارہ۔ لوگ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھولتے جا رہے ہیں"۔

یہ چاروں جاسوس تھے۔ انہیں خصوصی ٹریننگ دی گئی تھی جس میں یہ تعلیم بھی شامل تھی کہ توہم پرستی حرام ہے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو کچھ ہے وہ انسان خود ہے۔ جہاں موصل کے ہر باشندے کے دماغ پر یہ درویش غالب آگیا تھا، وہاں یہ چار جاسوس درویش کی حقیقت معلوم کرنے کی فکر میں تھے۔

"میرے دوستو! میری بات ہنسی میں نہ ٹال دو تو کہوں"۔ حسن الادریس نے کہا۔ "جہاں درویش ہے وہاں صلیبیوں کا ذخیرہ ہے اور یہ کوئی معمولی ذخیرہ ہوتا تو اس علاقے کے لوگوں کے لیے ممنوع قرار دے کر درویش کا ڈھونگ نہ رچایا جاتا۔ تم جانتے ہو کہ اتنے وسیع علاقے کے اِردگرد پوری فوج کا پہرہ کھڑا کر دو تو بھی کوئی نہ کوئی اندر چلا ہی جاتا ہے، لیکن صرف یہ کہہ دینا کہ یہاں خدا کا بھیجا ہوا ایک درویش بیٹھا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ اس علاقے میں کوئی آئے تو کوئی اُدھر دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کرتا"۔

"یہ اعلان میں کہا گیا ہے کہ جس نے اس علاقے میں جانے کی اور درویش کو دیکھنے کی کوشش کی تو وہ کوڑھی ہو جائے گا اور اس کے بچے اندھے ہو جائیں گے"...... حسن الادریس کے ایک اور ساتھی نے کہا...... "تم نے یہ بتا کر کہ صلیبی وہاں کچھ رکھیں گے، ہمارا آدھا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ درویش صلیبیوں کا کوئی ڈھونگ ہے یا یہ معلوم کرنا ہے کہ انہوں نے وہاں کیا ذخیرہ کیا ہے؟

''درویش کو ذخیرے کے ساتھ تباہ کرنا ہے''۔ حسن الادریس نے کہا۔

''اور لوگوں کو اس وہم سے بچانا ہے جو ان پر طاری کر دیا گیا ہے''۔ جاسوسوں کے کمانڈر نے کہا..... ''صلیبیوں کی عقل کی تعریف کرو۔ وہ اس جگہ ایک درویش کو بٹھا کر اپنے ذخیرے کو لوگوں کی نظروں سے دُور رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ موصل کی فوج اور لوگوں کو اور والیٔ موصل کو بھی خدا کے اشارے کا جھانسہ دے کر جنگی تیاریوں سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ فوج بھی اور لوگ بھی خدا کے اُس اشارے کے انتظار میں بیٹھ گئے ہیں جو درویش کو ملے گا''۔

''والیٔ موصل کا درویش کے متعلق کیا رویہ ہے؟'' حسن الادریس نے پوچھا۔

''درویش اُس کے محل میں اُس کی چھ گھوڑوں کی بگھی پر گیا تھا''..... کمانڈر نے جواب دیا..... ''اور درویش اسی بگھی میں پہاڑیوں میں گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عزالدین بھی اس سازش میں شامل ہے یا وہ اس سازش کا شکار ہے جو کچھ بھی ہے، ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ رضیع خاتون محل میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ محل میں درویش کی حیثیت کیا ہے''۔

انہوں نے اس علاقے اور درویش کی حیثیت معلوم کرنے پر غور کرنا شروع کر دیا۔

☆

سنجار کے قلعے کی دیواروں پر سنتری نیم بیدار تھے۔ وہ زمانہ جنگ وجدل کا تھا مگر سنجار کے امیر شرف الدین بن قطب الدین کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ صلیبیوں کا حاشیہ بردار تھا۔ اس لیے اُن سے اُسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ والیٔ حلب عماد الدین اور والیٔ موصل عزالدین نے اُسے کہا تھا کہ اُسے جب بھی ضرورت پڑی وہ دونوں اس کی مدد کو پہنچیں گے۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس کی نیت کا علم نہیں۔ وہ شراب اور عورت میں بدمست ہو کر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ صلیبیوں نے اُسے دو بڑی حسین لڑکیاں تحفے کے طور پر بھیجی تھیں۔ یہ لڑکیاں اُسے بیداری کے خوابوں میں مگن رکھتی تھیں۔

قلعے کی دیوار کے اوپر سے ایک شرارہ سا گزر گیا۔ اس کے فوراً بعد ایک اور پھر ایک اور..... سنتری پر دہشت طاری ہوگئی۔ یہ شرارے قلعے کے اندر گرے اور بھیانک شعلے بن گئے۔ قریب ہی کوئی سامان پڑا تھا اور اُس کے قریب ایک مکان تھا۔ دونوں کو آگ لگ گئی۔ یہ آتش گیر سیال کی ہانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کی فوج نے منجنیقوں سے پھینکی تھیں۔ ان کے ساتھ جلتے ہوئے فلیتے بندھے ہوئے تھے۔ ہانڈیاں مٹی کی تھیں جو گر کر ٹوٹیں تو اندر کا سیال پھیل گیا اور جلتے ہوئے فلیتوں نے اُسے آگ لگا دی۔

قلعے میں قیامت بپا ہوگئی۔ قلعے کے اوپر رات روشن ہوگئی۔ ہر کوئی جاگ اُٹھا۔ امیر شرف الدین کو جگایا گیا۔ اُس نے کھڑکی میں سے شعلے دیکھے تو واہی تباہی بکتا باہر آیا۔ کسی وقت شرف الدین مردِ میدان ہوا کرتا تھا مگر صلیبیوں نے اُسے شراب اور لڑکیوں سے اس حال تک پہنچا دیا تھا کہ اُس رات اس کے قدم نہیں اُٹھتے تھے۔ راتوں کو ریگزاروں اور سنگلاخ وادیوں میں بابا تھکے لڑنے والا جنگجو چلنے کے قابل نہیں رہا تھا..... پھر قلعے کا رات کی ڈیوٹی والا کمان دار اوپر سے دوڑا آیا اور شرف الدین کو بتایا کہ قلعہ محاصرے میں ہے۔

''کس بدبخت نے محاصرہ کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''سلطان صلاح الدین ایوبی نے''۔ کمان دار نے جواب دیا۔ ''وہ باہر سے للکار رہے ہیں کہ قلعے کے دروازے کھول دو، ورنہ ہم قلعے کو جلا کر بھسم کر دیں گے''۔

شرف الدین کا نشہ اُتر گیا..... وہ سوچ میں پڑ گیا۔ بہت دیر بعد بولا..... ''دروازہ کھول دو، ہم خود باہر جائیں گے''۔

کچھ دیر بعد قلعے کا دروازہ کھلا اور شرف الدین باہر نکلا۔ اس کے ساتھ مشعل بردار تھے۔ اُدھر سے سلطان ایوبی نے اپنے ایک سالار سے کہا کہ وہ آگے جا کر شرف الدین کو اس کے پاس لے آئے۔ وہ خود ہی آ رہا تھا۔ اُس کے استقبال کے لیے سلطان ایوبی ایک قدم آگے نہ بڑھا۔ شرف الدین سلطان ایوبی کے سامنے جا کر گھوڑے سے اُترا اور بازو پھیلا کر اس کی طرف دوڑا لیکن سلطان ایوبی نے ایسا سرد رویہ اختیار کیا کہ بددلی سے اُس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔

''شرف الدین!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''اپنی فوج اور جنگی سامان کے سوا قلعے میں سے جو کچھ لے جانا چاہتے ہو، صبح طلوع ہونے سے پہلے نکال کر لے جاؤ، پھر ادھر کا رُخ نہ کرنا''۔ اُس نے اپنے ایک سالار سے کہا...... ''کچھ نفری اپنے ساتھ لے جاؤ اور نظر رکھو کہ قلعے سے فوج اور جنگی سامان باہر نہ جائے۔ فوج کی گنتی کر وا اور اسے اپنی فوج میں شامل کر لو''۔

''میں آپ کا غلام ہوں سلطان!'' شرف الدین نے کہا۔ قلعہ اور فوج آپ کی ہوگی۔ مجھے قلعے میں رہنے دیں''۔

''قلعے کی ضرورت تھی تو مقابلہ کرتے''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''تم جیسے بزدلوں اور ایمان فروشوں کو حق حاصل نہیں کہ اتنے بڑے قلعے کے امیر کہلائیں''۔

''میں اور آپ کا مقابلہ کرتا؟'' شرف الدین نے کہا۔ ''میں نے سنا کہ آپ آئے ہیں تو میں باہر آ گیا۔ مسلمان مسلمان کے خلاف کیسے لڑ سکتا ہے؟''

''جیسے پہلے لڑ چکا ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''شرف الدین! تم صلیبیوں کے دوست ہو اور نام کے مسلمان۔ ذرا اپنی حالت دیکھو، تم سپاہی سے کیا بن گئے ہو۔ ایمان بیچ کر عیاشی خریدنے والوں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ شراب اور عورت نے تم میں جرأت نہیں رہنے دی۔ تم جھوٹ بھی بولتے ہو۔ اگر تم میں ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو اپنا قلعہ یوں لڑے بغیر اور مرے بغیر میرے حوالے نہ کرتے''۔

سلطانِ عالی مقام!'' شرف الدین نے التجا کی۔ ''مجھے قلعے میں رہنے دیجئے''۔

سلطان نے اپنے ایک سالار سے کہا۔ ''اسے قلعے میں لے جاؤ اور قید میں ڈال دو۔ اس کی خواہش پوری کر دو''۔

تین چار آدمی آگے بڑھے تو شرف الدین نے سلطان ایوبی کے قریب ہو کر کہا...... ''میں موصل جانا چاہتا ہوں''۔

''ہاں۔ عز الدین تمہارا دوست ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''اس کے پاس چلے جاؤ''۔

سنجار پر سلطان ایوبی نے قبضہ کر لیا اور تقی الدین کو اس کا قلعہ دار اور امیر مقرر کیا۔

اس سے آگے آمد ایک قلعہ تھا۔ سلطان ایوبی نے رات باقی حصہ سنجار قلعے میں گزارا اور صبح آمد کی طرف کوچ کر گیا۔ آمد جسے آج کل امیدہ کہا جاتا ہے، دجلہ کے کنارے ایک مشہور قصبہ تھا اور اس کا بھی امیر مسلمان تھا۔ یہ قصبہ ایک قلعہ تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے محاصرے میں لے لیا، وہاں کی فوج اور شہریوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر آٹھویں روز امیر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان ایوبی نے وہاں کا جو امیر اور قلعہ دار مقرر کیا، اس کا نام نور الدین تھا جو کارا ارسلان کا بیٹا تھا۔

☆

رعدی چار صلیبیوں کے ساتھ ابھی سفر میں تھی۔ اس کی جسمانی حالت ٹھیک ہو گئی تھی۔ صلیبیوں نے اُس کے آرام کا بہت خیال رکھا تھا لیکن اُس رات کے بعد جب اُس نے انہیں اپنی زندگی کی کہانی سنائی تھی، اُن کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ اُس کے ذہن میں صلیبی کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔ ''تمہیں خدا نے دھتکار دیا ہے۔ کوئی نیکی کرو، خدا تمہیں بخش دے گا''...... اُس کی جسمانی حالت تو ٹھیک تھی لیکن جذباتی حالت بہت بُری تھی۔ وہ جس کے ساتھ حج کو جا رہی تھی، اُس کی یاد اُسے تڑپاتی رہتی

تھی۔ اُس کے ساتھ ہی اس کے تصوروں میں حجاز کے قافلے سوئے منزل چلتے رہتے تھے۔ وہ جب بہت پریشان ہو جاتی تو یہ سوچنے لگتی کہ خدا اُسے اُس کے گناہوں کی سزا دے رہا ہے۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ گناہوں سے بخشش کس طرح مانگی جاتی ہے۔

رعدی اپنے چار محافظوں کے ساتھ منزل کے قریب آ گئی تھی۔ یہ اب موصل کے علاقے میں داخل ہو گئے تھے۔ ایک روز انہوں نے ایک شتر سوار دیکھا جس نے انہیں دیکھ کر اونٹ روک لیا تھا۔ اُس نے سر اور چہرہ سیاہ پگڑی میں لپیٹ رکھا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ اُس کی نظریں رعدی پر جمی ہوئی تھیں۔ صلیبی سپاہی اپنی فوجی وردی میں نہیں تھے، اس لیے کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ صلیبی سپاہی ہیں۔ انہیں ڈاکو یا مسافر کہا جا سکتا تھا۔

''اس شتر سوار کی آنکھیں دیکھی تھیں؟'' ایک صلیبی نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

''بہت غور سے دیکھی تھیں''۔ دوسرے سپاہی نے جواب دیا۔ ''میں ان نظروں کو پہچانتا ہوں۔ اب ہمیں زیادہ ہوشیار رہنا پڑے گا۔ یہ لڑکی اتنی خوب صورت ہے کہ کسی ڈاکو کی نظر میں آ گئی تو مشکل پیدا ہو جائے گی۔ آگے علاقہ پہاڑی ہے''۔

وہ دن بھر چلتے رہے۔ شام کے بعد دو چٹانوں کے درمیان موزوں جگہ دیکھ کر انہوں نے گھوڑے روک لیے اور کھانے پینے کا اہتمام کرنے لگے۔ کھانے کے بعد وہ بے سدھ ہو گئے۔ صرف ایک سپاہی ہر رات کی طرح جاگتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے کوئی آہٹ سنائی دی۔ یہ کسی گیدڑ وغیرہ کے چلنے سے ڈھلان سے پتھر لڑھکا ہو گا لیکن سپاہی چوکنا ہو گیا۔ اُس نے کان کھڑے کر لیے، آہٹ سنائی دی۔ اُس نے اپنے ایک ساتھی کو جگایا اور اُسے کان میں بتایا کہ اُسے کسی کی آہٹ سنائی دے رہی ہے۔ وہ بھی اُٹھا۔ دونوں نے کمانوں میں تیر ڈال لیے اور ایک ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف کھڑا ہو گیا۔

رات تاریک تھی۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اب کوئی آہٹ سنائی نہیں دیتی تھی۔ رات کے سکوت میں کے بعد دیگرے دو مرتبہ ''ٹِنگ ٹِنگ'' کی آواز سنائی دی۔ پیشتر اس کے کہ دونوں سپاہی ان آوازوں کی سمت معلوم کر سکتے، ایک ایک تیر دونوں کی پسلیوں میں اُتر گیا۔ اُن کے ساتھی دِن بھر کے تھکے ہوئے گہری نیند سو رہے تھے۔ ان دونوں نے تیر کھا کر انہیں آوازیں دیں تو وہ ہڑبڑا کر اُٹھے، بھاگتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں تو ایک مشعل بھی جل اُٹھی جو اِن دونوں سپاہیوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ فوراً بعد وہ سات آٹھ آدمیوں کے محاصرے میں آ گئے۔ ان میں ایک نے چہرہ اور سر پگڑی میں لپیٹ رکھا تھا۔ یہ وہی معلوم ہوتا تھا جو دِن کے وقت اونٹ پر سوار تھا اور اُس نے رُک کر رعدی کو گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

دونوں سپاہی تھے۔ انہوں نے تلواروں سے مقابلہ کیا لیکن سات آٹھ برچھیوں نے اُن کے جسم چھلنی کر دیئے اور رعدی حملہ آوروں کے قبضے میں آ گئی۔ وہ الگ کھڑی تھی۔ اُس کے چہرے پر خوف کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی۔ مشعل کے ناچتے ہوئے شعلے میں اُس کا حُسن ایسا پُر اسرار لگ رہا تھا جیسے وہ اس دُنیا کی مخلوق نہ ہو۔

رعدی کو گھوڑے پر سوار کر لیا گیا۔ سیاہ پگڑی والا بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں گھوڑے پہلو بہ پہلو چلنے لگے۔ اس آدمی نے رعدی سے پوچھا...... ''اپنے متعلق کچھ بتاؤ گی؟''...... رعدی نے اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔

☆

رعدی کو جہاں لے جایا گیا، وہ کوئی محل یا مکان نہیں بلکہ ایک چوکور خیمہ تھا۔ اس کا آدھا حصہ زمین کے اوپر اور باقی نصف زمین میں تھا۔ قناتیں اور اُوپر شامیانہ پھول دار ریشمی کپڑے کا تھا۔ اندر قالین بچھا ہوا اور چوڑا پلنگ تھا۔ فانوس روشن تھے۔ گمان نہیں ہوتا تھا کہ یہ خیمہ ہے۔ شراب کی صراحی بھی رکھی تھی۔ وہاں تین آدمی موجود تھے جن کے متعلق فوراً پتہ چل گیا کہ صلیبی ہیں۔ انہوں نے رعدی کو دیکھا تو وہ خاموشی سے اور حیرت سے اُسے دیکھنے لگے۔ سیاہ نقاب پوش اُن کے

ساتھ تھا۔ اس نے پگڑی کا نقاب اُتار پھینکا اور بولا..... ''ایسا تحفہ پہلے کبھی دیکھا ہے؟..... اور یہ رقاصہ ہے''۔

رعدی خاموش کھڑی رہی۔ فانوس کی روشنی میں اُس کا حُسن اور زیادہ طلسماتی لگتا تھا۔ وہ یہاں بھی خوف زدہ نہیں تھی۔ اُسے پلنگ پر بٹھایا گیا اور پوچھا گیا کہ وہ کون ہے اور کہاں جارہی تھی۔ رعدی نے اپنی زندگی کی کہانی ایک بار پھر سنادی۔ اُس کی کہانی سے وہاں کوئی بھی متاثر نہ ہوا۔ ان لوگوں کے پاس متاثر ہونے والے جذبات کی کمی تھی۔ اس سوال کے جواب میں کہ وہ کہاں جارہی تھی۔ اُس نے کہا..... ''مجھے کسی صلیبی بادشاہ کے پاس لے جایا جارہا تھا''۔

''تو کیا تم نے چار صلیبیوں کو قتل کردیا ہے؟'' ایک آدمی نے غصے سے اُس آدمی سے پوچھا جو رعدی کو لایا تھا۔

''وہ صلیبی نہیں لگتے تھے''۔ اس نے جواب دیا..... ''تم نے مجھے کہا کہ دو تین لڑکیاں لے آؤ تاکہ اس ویرانے میں دل بہلانے کا کوئی ذریعہ ہو۔ مجھے اتفاق سے یہ نظر آگئی۔ میں نے اُن چاروں کو مشکوک مسلمان سمجھا۔ پیچھا کیا اور انہیں قتل کر کے لڑکی لے آیا''۔

''تمہارے ساتھ کون کون تھا؟''

''صرف دو آدمی تھے''۔ اُس نے جواب دیا..... ''باقی پانچ موصل کے مسلمان تھے جو یہاں پہرے کا کام کرتے ہیں''۔

''اگر یہ راز فاش ہوگیا کہ تم نے اپنے کسی حکمران کا تحفہ اُس کے محافظوں کو قتل کر کے اُڑا لیا ہے تو اس کا نتیجہ جانتے ہو کیا ہوگا؟''

''وہ خاموش رہا۔ اچانک ایک آدمی خیمے میں اُترا اور بولا..... ''یہ راز فاش نہیں ہوگا۔ تم ڈرتے ہو کہ ہم جو مسلمان تمہارے ساتھ ہیں، یہ راز فاش کردیں گے۔ ایسا نہیں ہوگا''۔

''یہ کون ہے؟''

''یہ میرا خاص آدمی ہے''۔ سیاہ پگڑی والے نے جواب دیا اور موصل کے کسی بڑے آدمی کا نام لے کر کہا..... ''اُس نے دیا ہے۔ قابلِ اعتماد اور عقل مند ہے''۔

'میں آپ کا ہی آدمی ہے''۔ اس نے کہا..... ''موصل اور اس علاقے کے جو راز آپ کے پاس جاتے ہیں، وہ میرے اور میرے ساتھیوں کے حاصل کیے ہوئے ہوتے ہیں''۔

اُس سے کچھ اور باتیں پوچھی گئیں جن کے جواب میں اُس نے ایسے انداز سے باتیں کیں کہ سب نے اُسے قابلِ اعتماد سمجھ لیا۔ کسی کو ذرا سا بھی شبہ نہ ہوا کہ یہ صلاح الدین ایوبی کا بڑا ہی خطرناک جاسوس ہے۔ جس کا اصل نام حسن الادریس ہے۔ خدا نے اُس کے چہرے مہرے اور جسم کی ساخت میں ایسی جاذبیت پیدا کی تھی کہ دیکھنے والا اُسے نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ اُس نے اپنی زبان اور لب و لہجے میں ایسا جادو پیدا کرلیا تھا جسے سننے والا مسحور ہوجاتا تھا۔ وہ اداکاری اور لہجہ بدل کر بات کرنے کا ماہر تھا۔ موصل میں سلطان ایوبی کے جو جاسوس تھے، اُن کا رابطہ حکام کے حلقے تک بھی تھا۔ انہوں نے معلوم کرلیا تھا کہ اس درویش سے والئی موصل عزالدین بھی متاثر ہے۔ اُس نے موصل کے ہر باشندے کی طرح تسلیم کرلیا تھا کہ درویش کو آسمان سے اشارہ ملے گا اور اُس کے بعد عزالدین اپنی فوج کو باہر نکالے گا پھر یہ فوج فتح پر فتح حاصل کرتی چلی جائے گی۔

جاسوسوں کو عزالدین کے عقیدے کے متعلق اس کی بیوی رضیع خاتون (بیوہ نورالدین زنگی) نے اطلاع دی تھی۔ اس خاتون کے متعلق آپ پچھلی اقساط میں پڑھ چکے ہیں۔ وہ سلطان ایوبی کی عقیدت مند تھی۔ محل کی خبریں اسی کے

ذریعے باہر آتی تھیں۔ اُس نے جاسوسوں کو تفصیل سے بتایا تھا کہ عزالدین صلیبیوں کے جال میں بُری طرح پھنس گیا ہے۔ صلیبیوں نے اُس پر جادو سا کر دیا ہے۔ یہ درویش اگر صلیبیوں کا کوئی ڈھونگ نہیں اور درویش ہی ہے تو یہ کوئی پاگل ہے۔ اس کا یہ کہنا ہے کہ خدا اُسے فتح کا اشارہ دے گا، ہمارے اسلامی عقیدے کے منافی ہے۔ اس پیغام کے ساتھ رضیع خاتون نے جاسوسوں سے کہا تھا کہ اس درویش کو بے نقاب کریں اور ممکن ہو تو قتل کر دیں۔ رضیع خاتون نے اس شک کا بھی اظہار کیا کہ صلیبی ان پہاڑیوں کے اندر کچھ اور کر رہے ہیں۔ معلوم کرو کہ یہ کیا ہے اور اس کی اطلاع سلطان ایوبی تک پہنچاؤ۔

☆

حسن الادریس درویش کی پُر اسرار دُنیا میں داخل ہو گیا تھا اور اُس نے ان صلیبیوں میں اعتماد حاصل کر لیا تھا جو پہاڑیوں میں رہتے تھے مگر اُسے ایک حد سے آگے پہاڑیوں میں نہیں جانے دیا جاتا تھا جو راز تھا، وہ اس حد سے آگے تھا۔ وہاں پہاڑیاں اونچی تھیں اور ان میں گھری ہوئی چٹانیں تھیں۔ حسن الادریس درویش کو دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ اُسے نظر نہیں آتا تھا۔ وہ کسی سے پوچھتا نہیں تھا، تاکہ اس پر کوئی شک نہ کرے۔ اُس نے اس قدر اعتماد حاصل کر لیا تھا کہ وہ اُسے رعدی کے اغوا کے لیے بھی ساتھ لے گئے تھے۔

رعدی اس نیم زمین دوز سائبان میں رہنے والے دو تین صلیبیوں کے لیے تفریح کا سامان بن گئی تھی۔ ان میں جواں کا سربراہ تھا، وہ رعدی کو تفریح کے ذریعے سے کچھ زیادہ اہمیت دینے لگا تھا، اس لیے وہ اس لڑکی کو ہر کسی کا کھلونا بننے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ یہ رعدی کے حُسن کا اثر بھی تھا جو بازاری قسم کی ناچنے والیوں کی نسبت پاک اور معصوم لگتا تھا اور یہ اثر اس کی باتوں کا بھی تھا جو ناچنے والیوں جیسی نہیں تھیں۔ ایک رات اس سربراہ نے اُس سے پوچھا...... ''کیا تم میری خوشنودی کے لیے ناچتی ہو اور کیا تم میرے ساتھ راتیں گزارنے میں خوشی محسوس کرتی ہو؟''

''نہ آپ کو خوش ہونا چاہیے، نہ میں خوش ہوں''۔ رعدی نے متانت سے کہا...... ''مجبوری نے مجھے کھلونہ بنا دیا ہے۔ میں دِل کی بات کہنے سے ڈروں گی نہیں۔ مجھے آپ سے نفرت ہے۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل شدید حقارت سے کرتی ہوں''۔

''تم جانتی ہو کہ اس بدزبانی کی پاداش میں، میں تمہارا سر تن سے جُدا کر سکتا ہوں؟'' سربراہ نے کہا۔ ''میں تمہارا یہ حسین چہرہ گدھوں کے آگے پھینک سکتا ہوں''۔

''اور یہ میرے لیے بہت بڑا انعام ہوگا''۔ رعدی نے کہا............ ''میرے لیے یہ بہت سخت سزا ہے کہ میرا سر میرے تن کے ساتھ ہے اور آپ جیسا گدھ میری روح کو کھا رہا ہے۔ آپ اپنے آپ کو جنگجو اور بہادر سمجھتے ہیں۔ ایک بے بس اور مجبور لڑکی کو قید میں رکھ کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ مردانگی اور تلوار کے زور سے آپ مجھے اپنی لونڈی بنانا چاہتے ہیں۔ میرے دِل پر اس طرح حکومت کریں کہ آپ مجھ سے یہ نہ پوچھیں کہ میں آپ کی خوشنودی کے لیے آپ کا حکم مانتی ہوں؟ بلکہ میں آپ سے پوچھوں کہ میرے رقص اور میرے وجود سے آپ کو مسرت حاصل ہوتی ہے یا نہیں؟''

''اگر میں تمہارے سامنے سونے کی ڈلیاں رکھ دوں تو دِل سے مجھے اپنا آقا تسلیم کر لوگی؟''

''نہیں''۔ رعدی نے جواب دیا...... ''مجھے جس انعام کی ضرورت ہے، وہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ وہ جس کے پاس تھا، وہ مر گیا۔ وہ انسان تھا جسے میرے جسم کے ساتھ کوئی دِل چسپی نہیں تھی...... اور تم؟...... تم گِدھ ہو، گیدڑ ہو، بھیڑیے ہو''۔

''اُس نے تمہیں محبت دی تھی''۔ سربراہ نے کہا...... ''اگر میں تمہیں وہی محبت دے دوں تو؟''

''میں نہیں، میری روح محبت کی پیاسی ہے''۔ اُس نے کہا۔'' سربراہ نے شراب کا پیالہ اُٹھایا۔ منہ سے لگانے لگا

تو رعدی نے پیالہ پکڑ لیا اور اُس کے ہاتھ سے لے کر رکھا نہیں بلکہ پرے پھینک دیا اور کہا...... "مجھے باتوں پر اُکسایا ہے تو میری باتیں سن لو۔ شراب پی لو گے تو تمہاری عقل اور جذبات پر بھی پردے پڑ جائیں گے۔ تم نے پوچھا ہے کہ تم مجھے وہی محبت دے دو تو میں قبول کر لوں گی؟ مجھے پہلے اپنی محبت دکھاؤ۔ یہ سچی ہوئی تو مجھے اپنے ساتھ جلتے ہوئے صحرا میں لے چلو گے تو ہنسی خوشی چلوں گی۔ تمہارے ساتھ جل کر مر جاؤں گی"۔

سربراہ نے اُسے دیکھا۔ اُس نے اس لڑکی کے جسم کے روئیں روئیں کو دیکھا تھا۔ کئی روز سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بھورے بھورے، بکھرے بکھرے بالوں کے گداز سے بھی لطف انداز ہوا تھا۔ اُس نے اِن ریشمی بالوں کا سحر اُس وقت بھی دیکھا تھا، جب یہ بال اُس کے عُریاں سینے پر اور عُریاں پیٹھ پر بکھرے ہوئے ہوتے تھے۔ وہ لڑکی کے جسم سے اتنا ہی واقف ہو گیا تھا جتنا اپنے جسم سے واقف تھا، مگر لڑکی نے نفرت اور حقارت کا اظہار ایسی بے خوفی سے کر دیا اور اس کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر پرے پھینک دیا تو اس شخص کی مردانگی جواب دے گئی۔ اس نے اپنے آپ میں ایسی بے بسی محسوس کی جیسے یہ لڑکی اس پر طلسم بن کر غالب آ گئی ہو۔ یہ مردِ کی فطرت ہے کہ دس مردوں کا مقابلہ کر سکتا ہے، درندوں سے بھی لڑ جاتا ہے، مگر ایک عورت جسے وہ پسند کرتا ہے، وہ اُسے کہہ دے کہ مجھے تم سے نفرت ہے تو وہ ریت کی ڈھیری بن جاتا ہے۔ یہی جذباتی حالت اس شخص کی ہوئی جس نے جوانی میدانِ جنگ میں گزاری اور مسلسل موت سے کھیل رہا تھا۔

"میں تمہیں اپنے کسی ساتھی کے ہاتھ کھلونا نہیں بننے دوں گا"۔

"میں حکم کی پابند ہوں"۔ رعدی نے کہا...... "میں خودکشی نہیں کروں گی۔ یہ بزدلی ہے۔ میں بھاگنے کی بھی کوشش نہیں کروں گی۔ یہ دھوکہ ہے۔ میں خودکشی کر چکی ہوں۔ اپنا من مار دیا ہے"۔

وہ آہستہ آہستہ اُٹھا اور اس طرح قدم پھونک کر رعدی کی طرف بڑھا جیسے اس لڑکی نے اُسے ہپناٹائز کر لیا ہو۔ اُس نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اُٹھایا اور رعدی کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر بولا...... "تم میرے تصوروں سے بھی زیادہ خوب صورت ہو"۔ اُس نے ہاتھ پیچھے کر لیا اور بولا...... "میں نے آج پہلی بار محسوس کیا کہ تمہاری آواز میں سوز ہے، تم رقاصہ ہو۔ مغنیہ تو نہیں؟"۔

"میں گاتی بھی ہوں"۔ رعدی نے کہا...... "لیکن نغمہ وہ سناؤں گی جو مجھے پسند ہوگا، جس میں میرا درد ہوگا"۔

وہ گنگنانے لگی۔ "چلے قافلے حجاز کے"۔

سائبان کے اندر کے ماحول پر وجد طاری ہو گیا۔ آواز رعدی کے دِل سے نکل رہی تھی۔ اس نغمے میں اس کی محبت کے بین تھے۔ دِل کی آہیں تھیں۔ آرزوؤں کا سوز تھا اور اُس کے اُن خوابوں کا حسن تھا جو حجاز کے راستے میں شہید ہو گئے تھے۔ رعدی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، اُس کی لَے اور پُرسوز ہو گئی...... اور عجیب بات یہ ہوئی کہ صلیبی سربراہ کو ایسی غنودگی آنے لگی جو اُسے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ اُسے ہر رات شراب مدہوش کرتی اور وہ اسی مدہوشی میں سو جایا کرتا تھا۔

وہ گہری نیند سو گیا تو رعدی کی نظر اس خنجر پر پڑی جو پلنگ کے قریب تپائی پر پڑا تھا۔ رعدی نے آہستہ سے خنجر نیام سے نکالا۔ اس کی نوک پر انگلی رکھی اور خنجر مضبوطی سے پکڑ کر سوئے ہوئے صلیبی کے قریب گئی۔ اس نے خنجر کی نوک اُس کی شہ رگ کے قریب کی، پھر دِل کے قریب لے گئی۔ ہاتھ اوپر اُٹھایا تو اُسے آواز سنائی دی...... "شی"...... اُس نے اُدھر دیکھا۔ سائبان کا پردہ اُٹھائے وہی خوبرو آدمی کھڑا تھا جس نے کہا تھا کہ وہ صلیبیوں کا جاسوس ہے۔ وہ حسن الادریس تھا۔

☆

حسن الادریس نے اُسے بازو سے پکڑا اور باہر لے گیا، بولا ...... ''آج رات یہ اکیلا ہے۔ دوسرے بہت دنوں کے لیے چلے گئے ہیں۔ یہ شخص میری ذمہ داری اور حفاظت میں ہے لیکن میں سوئے ہوئے کو قتل نہیں کروں گا۔ اسے جو قتل کرنے آئے گا، وہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا...... تم تو اسے کہہ رہی تھی کہ میں خودکشی نہیں کروں گی کہ یہ بزدلی ہے اور میں بھاگوں گی نہیں کہ یہ دھوکہ ہے، مگر سوئے ہوئے کو قتل کرنے لگی تھیں۔ کیا یہ دھوکہ نہیں؟''

''تم اسے بتا دو گے کہ میں نے اس کی شہ رگ اور دل پر خنجر رکھا تھا؟'' اس نے پوچھا اور آہ لے کے بولی...... ''بتا دینا۔ وہ مجھے قتل کر دے گا۔ اس سے میرا بھلا ہو جائے گا اور وہ تمہیں انعام دے گا، اس سے تمہارا بھلا ہو جائے گا''۔

''مجھے اس شخص سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی تمہارے دِل میں ہے''۔ حسن الادریس نے کہا...... ''میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گا''۔

''اور مجھ سے اس کا انعام مانگو گے؟'' رعدی نے پوچھا۔ ''بلکہ مجھے انعام کے طور پر مانگو گے؟''

''نہیں''۔ حسن الادریس نے کہا...... ''مجھے کسی انعام کی ضرورت نہیں'' ...... وہ لڑکی کو ذرا پرے لے گیا اور اپنائیت کے لہجے میں بولا ...... ''میں بھی تمہاری طرح حجاز کا مسافر ہوں۔ ہم نے جس رات تمہیں اُن آدمیوں سے چھینا تھا، اس رات تم نے اپنی زندگی کی کہانی سنائی تھی۔ تم نے اپنے جذبات اور اپنی ایک خواہش کا بھی ذکر کیا تھا۔ میں اُس رات سے سوچ رہا ہوں کہ تمہیں کون سی نیکی بتاؤں جس سے تم خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتی ہو''۔ حسن الادریس کی زبان کے سحر نے رعدی کو مسحور کر لیا۔ وہ بولتا رہا۔ وہ سنتی رہی۔ سلطان ایوبی کے اس جاسوس نے اس حسین لڑکی کے دِل پر قبضہ کر لیا.... رعدی وہاں سے اُٹھنے پر آمادہ نہیں تھی...... حسن الادریس نے اُسے جانے پر مجبور کیا تو وہ چلی گئی۔

وہ تین چار راتیں ملے۔ حسن الادریس نے رعدی کو اپنی جذباتی باتوں اور نیک نیتی کے جادو میں گرفتار کر لیا تھا۔ رعدی اس سے حجاز کی باتیں پوچھتی تھی اور وہ جذباتی انداز میں اُسے حجاز کی دِل کش باتیں سناتا تھا۔ دن کے وقت حسن الادریس اس کوشش میں لگا رہتا کہ معلوم کر سکے کہ جہاں اُسے نہیں جانے دیا جاتا، وہاں کیا ہے مگر وہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکا۔ ایک رات اُس نے لڑکی کو اعتماد میں لے لیا اور کہا کہ ان لوگوں نے ان پہاڑوں میں کیا چھپا رکھا ہے۔ رعدی نے فوراً جواب دیا۔ ''جنگی سامان ہے۔ اس (سربراہ) نے مجھے بتایا تھا۔ کہتا تھا کہ اس میں آگ لگانے والا تیل اتنا زیادہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے شہروں کو جلا کر بھی ختم نہ ہو...... بے شک میں اس شخص کی لونڈی بلکہ داشتہ ہوں، لیکن یہ میرے آگے غلاموں جیسی حرکتیں کرتا ہے''۔

''کیا تم اس سے خوش ہو کہ تم اتنے اونچے رُتبے والے صلیبی کی داشتہ ہو اور یہ تمہارا غلام ہے؟''

''نہیں!'' رعدی نے اُداس لہجے میں جواب دیا...... ''میں اپنے جسم کی بات کر رہی ہوں۔ میری روح بھی خوش نہیں ہوگی۔ مجھے جو حجاز کے راستے سے اغوا کر کے لائے تھے، وہ کہتے تھے کہ خدا تم سے ناراض ہے۔ کوئی ایسی نیکی کرو کہ خدا تمہارے گناہ بخش دے اور وہ جو مجھے حجاز لے جا رہا تھا اور جسے میں نے چاہا تھا، کہتا تھا کہ حج کر کے ہم پاک ہو جائیں گے، پھر وہیں شادی کریں گے۔ میں تو گناہوں میں ڈوبتی چلی جا رہی ہوں۔ میں کیا نیکی کروں گی۔ خدا مجھے سزا دیتا چلا جائے گا''۔

''زم زم کا پانی ہی نہیں، آگ بھی تمہیں پاک کر سکتی ہے''۔ حسن الادریس نے ہنس کر کہا...... ''تم حجاز نہ پہنچ سکی۔ پاسبانِ حجاز کو خوش کر دو تو خدا تمہاری رُوح کو گناہوں سے پاک کر دے گا، تم نجات پا لو گی''۔

''کون ہے پاسبانِ حجاز؟'' رعدی نے حیران ہو کر پوچھا...... ''اور یہ کون سی آگ ہے جو مجھے پاک کر سکتی ہے؟''

''پاسبانِ حجاز، سلطان صلاح الدین ایوبی ہے''۔ حسن الادریس نے کہا...... ''اور آگ یہ ہے جو ان پہاڑوں

میں کنستروں اور مٹکوں میں تیل کی صورت میں بھری پڑی ہے۔ اس سے حجاز تک کو آگ لگائی جائے گی۔ تم کسی طرح مجھے وہاں تک پہنچا دو، جہاں آگ اور جنگ کا سامان بھرا پڑا ہے''۔

رعدی کچھ سمجھ نہ سکی۔ حسن الادریس نے اُسے بڑی لمبی کہانی سنائی۔ ''سلطان ایوبی کا عزم اور اُس کا کردار بتایا۔ صلیبیوں کے عزائم بتائے اور اُسے ایسی باتیں سنائیں کہ اُس کے دِل میں صلیبیوں کی نفرت پیدا ہو گئی اور اسے حق اور باطل کا تضاد معلوم ہو گیا۔

☆

دوسرے دن حسن الادریس نے دیکھا کہ رعدی گھوڑے پر سوار صلیبی سربراہ کے ہمراہ پہاڑیوں کے اُس حصے کی طرف جا رہی تھی جدھر حسن الادریس کو اور صلیبی پہرہ داروں کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی...... رات کو سربراہ رعدی سے دِل بہلا کر گہری نیند سو گیا۔ یہ نیند بہت ہی گہری تھی کیونکہ رعدی نے حسن الادریس کا دیا ہوا چٹکی بھر سفوف اس کے شراب کے پیالے میں ڈال دیا تھا۔ جاسوس بے ہوش کرنے والا سفوف اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ رعدی اُس جگہ پہنچ گئی جہاں حسن الادریس اُس کے انتظار میں کھڑا تھا۔

''وہاں تو بہت بڑا غار ہے''۔ رعدی نے اُسے بتایا...... ''اِن لوگوں نے کھود کھود کر اسے اور زیادہ وسیع کر لیا ہے۔ اتنا چوڑا اور لمبا کہ دہانے سے دوسرا سرا نظر نہیں آتا۔ اندر آگ لگانے والے تیل کے ہزار ہا مٹکے اور کنستر رکھے ہیں۔ ساتھ ہی برچھیاں، تیر و کمان، اناج، خیمے، کپڑے اور بے انداز سامان پڑا ہے...... میں نے اس صلیبی سردار سے بچوں کی طرح کہا کہ میں ان پہاڑیوں کے اندر کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔ اُس نے کہا کہ کل دن کو لے چلوں گا۔ تم تو میری ملکہ ہو۔ کسی کو بتانا مت کہ میں تمہیں اُدھر لے گیا تھا۔ وہ مجھے لے گیا''...... رعدی نے اُسے بتایا کہ اس غار میں سامنے دو آدمی پہرے پر کھڑے رہتے ہیں اور غار کا دہانہ کھلا رہتا ہے۔ غار سے سو ڈیڑھ سو گز دُور پہرہ دار دستے کے خیمے ہیں۔ رعدی نے کہا...... ''غار سے ذرا پرے ایک خیمہ ہے جس کے باہر ایک ضعیف آدمی بیٹھا اُونگھ رہا تھا۔ سربراہ نے اُسے پاؤں کی ٹھوکر سے بیدار کر کے کہا...... ''اوئے درویش! کوئی تکلیف تو نہیں؟ کھانا ٹھیک ملتا ہے؟...... بوڑھے نے ضعیف آواز میں پوچھا۔ ''جناب، مجھے کب رہا کرو گے؟ مجھے اب جانے دو''...... سربراہ نے نفرت سے کہا...... ''ابھی انتظار کرو۔ بہت انعام ملے گا''...... یہ شاید وہی درویش ہے جس کا تم نے ذکر کیا تھا''۔

''ہاں!'' حسن الادریس نے کہا...... ''یہ صلیبیوں کا وہی ڈھونگ ہے جس نے موصل کے باشندوں اور اُن کے والی عزالدین کو بھی دیوانہ بنا رکھا ہے...... آؤ رعدی! ہم دونوں مل کر خدا سے تمہارے گناہوں کی بخشش حاصل کریں گے''۔

دونوں چل پڑے۔ مگر چھپ چھپ کر۔ رات کا اندھیرا فائدہ دے رہا تھا۔ وہ چٹانوں کی تنگ گلیوں سے گزرتے، رُکتے، اِدھر اُدھر دیکھتے، کان کھڑے کیے ہوئے اُس جگہ پہنچ گئے، جہاں دو پہرہ دار کھڑے تھے۔ اُن کے قریب ایک مشعل جل رہی تھی جس کا ڈنڈا زمین میں گڑا ہوا تھا۔ حسن الادریس اور رعدی اُن سے پندرہ بیس قدم دُور چھپے رہے۔ دونوں اپنی اپنی جان کی بازی لگانے آئے تھے۔ خدا دیکھ رہا تھا۔ حسن الادریس کھانسا اور رعدی کو ایک طرف کر دیا اور خود بیٹھ گیا۔ ایک سنتری ''کون ہے؟'' پکار کر اِدھر آیا۔ اندھیرے میں اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ حسن الادریس نے پیچھے سے اس کی گردن بازو کے گھیرے میں جکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے خنجر کے تین چار وار اس کے دِل کے مقام پر کیے۔ سنتری گر پڑا۔

حسن الادریس انتظار کرتا رہا۔ دوسرے سنتری [illegible]

آیا۔ وہ جب اپنے مرے ہوئے ساتھی کے قریب پہنچا تو اندھیرے میں اُسے کوئی زمین پر پڑا نظر آیا۔ اُس نے جھک کر دیکھا اور وہ حسن الادریس کے شکنجے میں آ گیا۔ رعدی نے انتظار نہ کیا۔ وہ غار کی طرف دوڑی اور زمین سے مشعل اکھاڑ کر غار کے اندر چلی گئی۔ حسن الادریس نے دوسرے سنتری کو بھی ختم کر دیا۔ پہرے داروں کا دستہ خیموں میں سویا ہوا تھا۔ حسن الادریس نے رعدی کو پکارا مگر وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ غار کی طرف دوڑا۔ وہاں مشعل بھی نہیں تھی۔

اتنے میں غار میں ایک شعلہ اُٹھا۔ رعدی دوڑتی باہر آئی۔ اس کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ اس نے غار کے اندر آتش گیر سیال کا ایک مٹکا اوندھا کر کے مشعل سے اُسے آگ لگا دی تھی۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ یہ سیال کس طرح بھڑک کر جل اُٹھتا ہے۔ شعلے نے پھیل کر رعدی کو بھی زد میں لے لیا۔ جب حسن الادریس نے اُسے پکڑا، اُس وقت اُس کا اتنا حسین چہرہ سیاہ ہو چکا تھا اور اس کے ریشم جیسے بال جل چکے تھے۔ حسن الادریس نے اُس کے کپڑوں کی آگ بجھاتے اپنے ہاتھ جلا لیے۔ کپڑوں کی آگ تو بجھ گئی مگر رعدی پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جھلس کر بند ہو گئی تھیں۔

حسن الادریس نے اُسے کندھے پر اُٹھایا اور دوڑ پڑا۔ ممنوعہ علاقے سے نکل کر اُسے اگلے علاقے سے پوری واقفیت تھی۔ غار میں رکی ہوئی آگ نے بند کنستروں اور مٹکوں کو اتنی حرارت دے دی کہ ایک مہیب دھماکہ ہوا جس سے زمین زلزلے کی طرح کانپی۔ ہزاروں من بند آتش گیر سیال ایک ہی بار پھٹ گیا تھا۔ اس نے جہاں تباہی کا سارا سامان تباہ کیا، وہاں صلیبیوں کا چھپایا ہوا تمام تر اسلحہ اور دیگر سامان بھی بھسم ہو گیا۔

دھماکے نے موصل شہر کو جگا دیا۔ لوگوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ حسن الادریس شہر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ شہر کے دروازے بند تھے۔ وہ شہر کی بجائے نصیبہ کی طرف چل پڑا۔ وہ خطرے سے نکل گیا تھا۔ اُس نے رعدی کو کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ بہت دُور جا کر وہ تھک گیا۔ رُکا اور رعدی کو زمین پر لٹا دیا۔ رعدی نے سرگوشی کی ...... ''آگ نے مجھے پاک کر دیا ہے''...... وہ ہنسی اور خواب میں بڑبڑانے کے لہجے میں بولی...... ''قافلہ حجاز کو جا رہا ہے۔ وہاں جا کر شادی کریں گے''۔

''رعدی، رعدی''۔ حسن الادریس نے اسے بلایا۔

''خدا نے میرے گناہ بخش دیئے ہیں نا؟'' رعدی نے پوچھا۔ وہ اُٹھ بیٹھی اور بازو آگے کر کے بولی...... ''وہ جا رہے ہیں، دیکھو۔ وہ قافلے حجاز کو جا رہے ہیں۔ میں بھی جا رہی ہوں''۔

وہ ایک طرف گری۔ حسن الادریس نے اُسے بلایا، ہلایا، آخر نبض پر ہاتھ رکھا...... رعدی کی رُوح حجاز کے قافلے کے ساتھ جا چکی تھی۔

حسن الادریس نے خنجر سے قبر کھودی۔ صبح تک وہ دو اڑھائی فٹ گہرا اور رعدی کے قد جتنا لمبا گڑھا کھود سکا۔ اس نے رعدی کو اُس میں لٹایا اور اُوپر مٹی ڈال دی۔

جب کچھ روز بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کو صلیبیوں کے ذخیرے کی تباہی کی اطلاع ملی تو اُس وقت وہ ایک مشہور مقام تل خالد کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ تل خالد ایک بڑی ریاست تھی جس کا حکمران سوکمان القطبی شاہ ارمن تھا۔ وہ اُس وقت ہرزم کے مقام پر تھا جہاں اُسے والیٔ موصل عزالدین نے ملاقات کے لیے بلایا تھا۔ ملاقات کا مقصد یہ تھا کہ شاہ ارمن سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے کے لیے عزالدین کو فوج اور دیگر جنگی مدد دے۔ سلطان ایوبی کو اُس ملاقات کا علم قبل از وقت ہو گیا۔ اُس نے شاہ ارمن کے دارالحکومت تل خالد کو محاصرے میں لینے کے لیے پیش قدمی کر دی۔

دوسرا درویش

صلیبیوں کے لیے یہ چوٹ معمولی نہیں تھی کہ انہوں نے مسلمان کے علاقے موصل کے قریب پہاڑیوں کے غاروں کو وسیع کر کے اتنا زیادہ اسلحہ اور آتش گیر سیال چھپا کر رکھا تھا جس سے وہ سلطنتِ اسلامیہ کی تمام تر قلعہ بندیوں کو کھنڈروں میں بدل سکتے تھے، مگر سلطان ایوبی کے تباہ کار جاسوسوں نے اُسے اُڑا دیا۔ یہ سامان چونکہ پہاڑی کے اندر وسیع غار میں تھا۔ اس کے دھماکے نے دُور دُور تک زمین یوں ہلا دی تھی جیسے زلزلہ آیا ہو۔ یہ تو کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ تباہی کس طرح بپا کی گئی ہے جس سے صرف صلیبیوں کی ہی نہیں بلکہ صلیبیوں کے سب سے بڑے اتحادی عزالدین کی بھی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ انہوں نے سلطان ایوبی کے خلاف جو در پردہ معاہدہ کر رکھا تھا، اس معاہدے کے پرخچے اُڑ گئے تھے۔ صلیبیوں کو یقین تھا کہ یہ سلطان ایوبی کے جاسوسوں کا کام ہے۔ انہوں نے سوچا ہی نہیں کہ یہ اتفاقیہ حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔

پچھلی قسط میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ صلیبی موصل کے والی عزالدین کو اپنا اتحادی بنا کر موصل کے پہاڑی علاقے کو اپنا فوجی اڈہ اور اسلحہ بارود اور دیگر رسد کا بہت بڑا ذخیرہ بنانا چاہتے تھے مگر رعدی نام کی صرف ایک لڑکی نے اپنے ساتھی حسن الادریس کے تعاون سے اُن کا ذخیرہ تباہ کر دیا۔ اس علاقے سے لوگوں کو دُور رکھنے کے لیے ایک درویش کی نمائش کر کے اُس کی زبانی یہ مشہور کرا دیا گیا تھا کہ یہ درویش اس علاقے کی ایک پہاڑی پر بیٹھے گا اور اسے خدا موصل کی فتح کا اشارہ دے گا پھر موصل یعنی عزالدین کی سلطنت دور دور تک پھیل جائے گی۔ اس درویش کا یہ انجام ہوا کہ اسلحہ اور آتش گیر سیال کی تباہی کے ساتھ ہی تباہ ہو گیا۔

دوسرے دن موصل کے لوگوں پر دہشت طاری تھی۔ انہیں بتانے والا کوئی نہ تھا کہ رات یہ دھماکہ اور زمین کا لرزہ کیسا تھا اور پہاڑیوں میں سے یہ جو سیاہ بادل اُٹھ اُٹھ کر آسمان کو جا رہے ہیں، یہ کیسے ہیں۔ آتش گیر سیال کئی روز جلتا رہا تھا۔ اُس کے ساتھ وسیع غار میں اندر جو سامان رکھا تھا، وہ بھی جل رہا تھا۔ ڈر کے مارے کوئی اُدھر جاتا نہیں تھا۔ سب اُسے درویش کی کرامات یا قہر سمجھ رہے تھے۔ ایسی دہشت زدگی کی اذیت ناک کیفیت میں انہیں ایک صدا سنائی دی...... ''وہ جہنم کی آگ میں جل گیا ہے۔ وہ اپنے جہنم میں جل گیا ہے''۔

یہ ایک اور درویش تھا جو سبز قبا میں ملبوس تھا۔ سر کے بال لمبے اور سفید تھے، داڑھی بھی لمبی اور سفید تھی۔ اس کے چہرے پر بڑھاپے کی جھریاں تھیں۔ ایک ہاتھ میں لمبا عصا اور دوسرے میں قرآن تھا۔ یہ اُسی درویش کی مانند تھا جو اُسی کی طرح اچانک نمودار ہوا اور اُس نے اعلان کیا تھا کہ اُسے خدا آسمان سے ایک اشارہ دے گا۔ یہ نیا درویش بھی اچانک نمودار ہوا اور جب وہ بازار میں آیا تو خوف سے کانپتے ہوئے لوگوں نے اُسے روک کر گھیر لیا۔ اُس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ اُس نے رُک کر کہا...... ''وہ جہنم میں جل گیا ہے جو کہتا تھا خدا اشارہ دے گا۔ اس کے انجام سے عبرت حاصل نہ کرنے والو! تم سب اسی جہنم میں، اسی دُنیا میں جلو گے۔ خدا نے تمہیں رات کو بجلی کی کڑک کی آواز سے اشارہ دے دیا ہے۔ وہ سیاہ

دھواں دیکھو۔ اللہ کے قہر سے ڈرو۔ اس کتاب کو مانو جو میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ قرآن پاک ہے''۔

''خدا کے لیے ہمیں کچھ بتا''۔ ایک بوڑھے نے آگے ہو کر پوچھا۔ ''یہ سب کچھ کیا تھا؟ وہ کون تھا؟ تم کون ہو؟ ہمیں بتا کہ رات زمین کیوں لرزی تھی اور یہ سیاہ دُھواں کیسا ہے؟''

''وہ مجذوب تھا''۔ نئے درویش نے کہا..... ''پاگل تھا۔ اُس نے اللہ کے رازوں کی دُنیا میں دخل دیا۔ اللہ کے سوا کوئی اور فتح کا یا کسی خوش خبری کا اشارہ نہیں دے سکتا۔ فتح اور شکست، خوشی اور غم اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اُس نے اپنے آپ کو اللہ کا ایلچی کہا اور گناہگار ہوا۔ اُس نے سزا پالی۔ جا کر دیکھو۔ اُس کی ایک ہڈی بھی نظر نہیں آئے گی۔ وہ جس پہاڑ پر بیٹھا تھا، اُس پہاڑ کو بھی سزا ملی۔ وہ سیاہ دھواں دیکھو، پہاڑ ابھی تک جل رہا ہے۔ اُس جھوٹے درویش کو اب بھی سچا مانو گے تو تم بھی جلو گے''۔

''ہمیں بتا سچا کون ہے؟''لوگوں نے پوچھا..... ''کیا تو سچا ہے؟''۔

''نہیں''۔ اُس نے جواب دیا اور قرآن بلند کر کے کہا..... ''اللہ کا یہ کلام سچا ہے۔ اُس درویش کو بھول جاؤ، اس کتاب کی بات مانو، جو اشارے اللہ نے اس میں دیئے ہیں، وہ کوئی انسان نہیں دے سکتا''۔

وہ آگے چل پڑا۔

☆

وہ دِن بھر موصل میں یہی صدا لگاتا پھرتا رہا..... ''وہ جہنم کی آگ میں جل گیا ہے۔ وہ اپنی آگ میں جل گیا ہے''۔ جہاں اُسے لوگ روک لیتے، وہ اس موضوع پر وعظ دیتا کہ غیب کا حال کوئی انسان نہیں جانتا اور خدا کے اشارے یہی ہیں جو قرآن میں ہیں۔ اُس نے ظہر کی نماز ایک مسجد میں پڑھی، عصر کی کسی دوسری مسجد میں اور مغرب کی ایک اور مسجد میں پڑھی۔ وہ جس مسجد میں گیا، وہاں نمازیوں کے ہجوم جمع ہو گئے۔ اُس نے ہر مسجد میں یہی وعظ دیا کہ برحق صرف قرآن پاک ہے اور اے لوگو! قرآن کے اشاروں پر عمل کرو۔

وہ مغرب کی نماز پڑھ کر نکلا تو رات گہری ہو رہی تھی۔ وہ ایک ویرانے کی طرف چل پڑا۔ لوگ بھی اُس کے پیچھے چل پڑے۔ اُس نے سب کو روک کر کہا..... ''اب میرے پیچھے کوئی نہ آئے۔ میں ساری رات ویرانے میں عبادت کروں گا اور تمہارے گناہوں کی بخشش مانگوں گا''۔

اُس نے لوگوں پر ایسا تاثر پیدا کر دیا تھا کہ اُن کے دِلوں میں پہلے دُرویش کی دہشت نکل گئی تھی۔ اُس نے لوگوں سے وہیں رُکنے کو کہا تو وہ رُک گئے۔ اُس نے کچھ دُعائیہ الفاظ کہے اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ لوگ وہیں کھڑے چہ میگوئیاں کرتے رہے۔ کسی میں اُس کے پیچھے جانے کی جرأت نظر نہیں آتی تھی مگر ایک آدمی ایسا تھا جو اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے لوگوں کی نظریں بچا کر درویش کے پیچھے جا رہا تھا۔ درویش لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر تیز چلنے لگا تھا۔ اُس کے پیچھے جانے والے آدمی نے بھی قدم تیز کر لیے۔ اس کے قدموں کی آواز پر درویش رُکا اور پیچھے دیکھا۔ وہ آدمی جسے اندھیرے میں درویش سائے کی طرح نظر آ رہا تھا، فوراً رُکا اور بیٹھ گیا۔ درویش کو کچھ بھی نظر نہ آیا تو وہ چل پڑا لیکن وہ بار بار گھوم کر دیکھتا تھا۔

کچھ اور آگے گئے تو یہ آدمی درویش کے قریب پہنچ گیا۔ درویش نے بلند آواز سے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ کسی آیت کا ورد تھا۔ اُس نے قدم سست کر لیے۔ پیچھے والے آدمی نے اپنے کمربند سے خنجر نکالا اور دبے پاؤں وہ فاصلہ طے کیا جو

اُس کے اور درویش کے درمیان رہ گیا تھا۔ اُس نے خنجر والا ہاتھ اوپر کیا۔ وہ پیچھے سے درویش پر وار کر کے اُسے ختم کرنے کو تھا۔ خنجر ابھی اوپر ہی تھا کہ درویش بجلی کی تیزی سے گھوما۔ اُس نے اپنا موٹا عصا اوپر کو گھمایا۔ عصا اُس آدمی کی خنجر والی کلائی پر لگا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے اس آدمی کے پیٹ میں ایسی لات جمائی کہ وہ آدمی دُہرا ہو گیا۔ درویش کے ایک ہاتھ میں قرآن تھا، اس لیے وہ ایک ہی ہاتھ سے لڑ سکتا تھا۔ اس نے عصا اُس آدمی کے سر پر مارا۔ اُس کا خنجر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

درویش نے خنجر اُٹھا لیا۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ اُٹھ رہا تھا۔ درویش نے اُسے کہا...... ''خنجر میرے ہاتھ میں ہے، پیٹ کے بل لیٹے رہو''۔

وہ آدمی پیٹ کے بل لیٹ گیا۔ درویش نے منہ سے کسی جانور کی آواز نکالی۔ ایسی ہی آواز دُور سے بھی سنائی دی۔ اس نے پھر آواز نکالی۔ اندھیرے میں دوڑتے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ دو آدمی درویش کے قریب آ رُکے۔ درویش نے ہنس کر کہا...... ''اس بدبخت نے وہی حرکت کی ہے جس کا ہمیں پہلے ہی خطرہ تھا۔ مجھے تو اُمید تھی کہ دِن کے وقت موصل کے کسی دریچے سے تیر آئے گا اور میرے دِل میں اُتر جائے گا لیکن انہوں نے مجھے رات کو اس سے قتل کرانے کی کوشش کی ہے۔ یہ لو اس کا خنجر''...... درویش نے زمین پر لیٹے ہوئے آدمی کو عصا کی ہلکی سی ضرب لگا کر کہا...... ''اُٹھ مردود! تو مسلمان ہے؟''

''ہاں میرے بزرگ!'' اس شخص نے ادب سے کہا...... ''میں مسلمان ہوں''۔

درویش اور اُس کے دونوں ساتھیوں نے قہقہہ لگایا۔ درویش نے اُسے کہا...... ''مجھے بزرگ نہ کہو دوست! میں تم سے زیادہ جوان ہوں''۔

''تمہارا بہروپ کامیاب رہا ہے''۔ درویش کو اُس کے ایک ساتھی نے کہا۔

اس آدمی کو تینوں اپنے ساتھ دُور ایک خیمے میں لے گئے جس کے قریب چار پانچ اونٹ بندھے تھے۔ اردگرد چٹانیں تھیں۔ اس آدمی کو خیمے میں بٹھایا گیا۔ ایک دیا جل رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ درویش کا چہرہ تو جھریوں بھرا تھا جیسے وہ اسی سال کا بوڑھا ہو لیکن اب اُس کی آواز جوانوں جیسی تھی۔ درویش نے سفید داڑھی اور سر کے لمبے بال اُتار دیئے۔ اُس کے ایک ساتھی نے اسے پانی میں بھیگا ہوا کپڑا دیا جو درویش نے اپنے منہ پر رگڑا۔ بڑھاپے کی جھریاں غائب ہو گئیں۔ اِن میں سے جو چہرہ برآمد ہوا، وہ ایک جوان آدمی کا چہرہ تھا، جس پر سلیقے سے تراشی ہوئی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔

''تم اصل میں کون ہو؟'' حملہ کرنے والے نے اس سے پوچھا۔

''جسے تم قتل کرنے آئے تھے''۔ اُس نے کہا...... ''اب تم بتا دو کہ تمہیں کس نے میرے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ کچھ چھپانے کی کوشش کرو گے تو بہت بُری موت مرو گے''۔

''میرے پاس چھپانے کے لیے کچھ بھی نہیں''۔ اس آدمی نے جواب دیا...... ''مجھے محل کے ایک حاکم احمد بن عمرو نے کہا تھا کہ شہر میں ایک درویش پھر رہا ہے۔ اُس نے مجھے تمہارا حلیہ اور تمہاری صدائیں بتائی تھیں اور کہا تھا کہ اس درویش کو اندھیرے میں قتل کرنا ہے۔ کسی کو پتہ نہ چلے۔ احمد بن عمرو نے کہا تھا کہ درویش کو قتل کر کے آؤ گے تو دو سو دینا ملیں گے''۔

''کیا احمد بن عمرو مجھے بوڑھا درویش سمجھ رہا تھا؟''

''اُس نے بتایا نہیں''۔ اُس آدمی نے جواب دیا...... ''اُس نے یہی کہا تھا کہ درویش کو قتل کرنا ہے''۔

درویش کا بہروپ دھانے والے اُس کے دونوں ساتھی صلاح الدین ایوبی کے زمین دوز گروہ کے آدمی تھے جو

موصل میں کام کر رہے تھے۔ پچھلی کہانی میں جس درویش کا ذکر آیا ہے، اُس کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے سلطان ایوبی کے گروہ کے ان آدمیوں نے ایک آدمی کو درویش بنایا اور اُسے شہر میں گھمایا تھا۔ لوگ تو ہم پرست تھے۔ درویشوں کو خدا کی آواز سمجھتے تھے۔ پہلے درویشوں کو صلیبیوں نے اپنے ایک فریب کی کامیابی کے لیے استعمال کیا تھا۔ سلطان ایوبی کے آدمیوں نے اپنے ایک جوان ساتھی کو درویش کے بہروپ میں پیش کر کے لوگوں کو توہم پرستی سے ہٹا کر قرآن کی طرف مائل کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔

احمد بن عمرو جو موصل میں بن عمرو کے نام سے مشہور تھا، والئی موصل عزالدین کی انتظامیہ کا ایک اعلیٰ حاکم تھا جس کی حیثیت وزیر جنگی تھی۔ اُسے اطلاع ملی کہ ایک درویش شہر میں پہلے درویش کے خلاف صدائیں لگاتا پھر رہا ہے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ سلطان ایوبی کے حامی گروہ کا آدمی ہے، لہٰذا اسے قتل کرنا ضروری ہے، ورنہ لوگوں کو پہلے درویش کی اصلیت کا علم ہو جائے گا اور انہیں یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ پہاڑوں میں کیا جل رہا ہے۔ سلطان ایوبی کے اس آدمی کو قتل کرنے کے لیے محل کے حفاظتی دستے کا ایک سپاہی منتخب کیا گیا اور اُسے دوسو دینار کا لالچ دے کر ''درویش'' کے قتل کے لیے بھیجا گیا۔ کرائے کا یہ قاتل جسے بوڑھا سمجھ رہا تھا، وہ ایک جوان آدمی نکلا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ بوڑھے کے بہروپ میں یہ جوان آدمی تجربہ کار لڑاکا جاسوس اور چھاپہ مار ہے۔

بن عمرو کے بھیجے ہوئے اس قاتل کو دیئے کی روشنی میں خیمے میں بٹھا کر بہت کچھ پوچھا گیا، لیکن اس سے کوئی راز معلوم نہ ہو سکا۔ وہ صلیبیوں کے کسی باقاعدہ جاسوس یا تخریب کار گروہ کا آدمی نہیں تھا۔ وہ اُجرت پر صرف قتل کرنے آیا تھا۔ جس آدمی نے درویش کا بہروپ دھارا تھا، اُس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ تینوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ طے کر لیا۔ اِن میں سے ایک اُٹھا اور خیمے سے رسّی کا ایک گز بھر لمبا ٹکڑا اُٹھایا۔ وہ کرائے کے اس قاتل کے پیچھے ہوا اور تیزی سے رسّی اُس کی گردن کے گرد لپیٹ کر ایسا پھندا بنایا کہ یہ آدمی تڑپنے لگا اور ذرا سی دیر میں ٹھنڈا ہو گیا۔

☆

دوسرے دِن احمد بن عمرو والئی موصل عزالدین کے ڈیوڑھی نما کمرے میں اُس کے پاس کھڑا تھا۔ وہ غصے میں تھا اور عزالدین کے چہرے پر پریشانی تھی۔ احمد بن عمرو کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ ان کے سامنے فرش پر ایک لاش پڑی تھی جس کی گردن کے گرد رسّی لپٹی ہوئی تھی اور اس رسّی کے ساتھ یہ کاغذ بندھا ہوا تھا جو عزالدین کے پاس تھا۔ یہ حفاظتی دستے کے اُس سپاہی کی لاش تھی جسے اُس نے نئے درویش کو اندھیرے میں کہیں جا کر قتل کرنے کو بھیجا تھا۔ بن عمرو ساری رات اس سپاہی کا انتظار کرتا رہا تھا۔ صبح اُسے اطلاع ملی کہ اس کے گھر کے سامنے ایک لاش پڑی ہے۔ وہ باہر آیا۔ زمین پر اس کے سپاہی کی لاش پڑی تھی۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ زبان باہر آ گئی تھی۔ گردن کے گرد رسّی تھی اور رسّی کے ساتھ کاغذ بندھا تھا۔

کاغذ پر لکھا تھا۔ ''عزالدین والئی موصل کے نام...... تمہارے ایک حاکم، احمد بن عمرو نے اس آدمی کو میرے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ میں اس کی لاش عزت واحترام سے احمد بن عمرو کی دہلیز پر رکھ چلا ہوں۔ یہ بدنصیب سپاہی مجھے قتل نہیں کر سکتا۔ تم بھی اس طرح کے بدنصیب ہو جو سلطان ایوبی کا ابھی تک کچھ نہیں بگاڑ سکے اور آئندہ بھی کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ کفار کی دوستی سے تم ذلت کے سوا کچھ حاصل نہیں کر سکو گے۔ ہم تمہیں چین سے جینے نہیں دیں گے۔ ایک روز تمہاری لاش بھی تمہارے محل کی دہلیز پر پڑی ہو گی۔ احمد بن عمرو جیسے حاکموں اور مشیروں سے بچو۔ یہ خوشامدی ٹولہ تمہارا کبھی وفادار نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ تمہارے زوال کا باعث بنیں گے۔ ہماری طاقت دیکھو۔ تمہارا فوجی مشیر احتشام الدین بیروت صلیبیوں

کے ساتھ درپردہ معاہدے کے لیے گیا لیکن ہم نے اُسے لاپتہ کردیا۔ وہ اب سلطان ایوبی کے پاس ہے۔ تمہارے صلیبی دوستوں نے پہاڑیوں کو کھود کر اُن کے اندر جنگی سامان رکھا۔ ہم نے یہ سامان نذرِ آتش کر کے تمہاری ریاست کو زلزلے کا جھٹکا دیا۔ تم نے اپنے ایک سپاہی کو میرے قتل کے لیے بھیجا اور ہم نے تمہارے سپاہی کی لاش تم تک پہنچادی۔ ہم جنوں اور بھوتوں کی طرح تم پر غالب رہیں گے مگر تم ہمیں دیکھ نہیں سکو گے۔ تمہارا زوال شروع ہو چکا ہے۔ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کرلو اور اپنی فوج اس کے حوالے کردو۔ ہمیں قبلۂ اوّل آزاد کرانا ہے۔ اس دُنیاوی بادشاہی اور جاہ وجلال سے باز آ جاؤ۔ تخت وتاج نے کسی کا کبھی ساتھ نہیں دیا''۔

''احمد بن عمرو نے لاش اپنے گھر کے سامنے سے اُٹھوائی اور عزالدین کے سامنے جار کھوائی۔ عزالدین نے بھی یہ تحریر پڑھی اور کاغذ بن عمرو کو دے کر گہری سوچ میں کھو گیا۔ بن عمرو غصے کا اظہار کر رہا تھا لیکن عزالدین کا غصہ سرد پڑ چکا تھا۔

''مجھے اطلاع ملی ہے کہ مسجدوں میں بھی اس نئے درویش کے چرچے ہو رہے ہیں''...... عزالدین نے کہا ......

''اور اب اس تحریر سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ کوئی درویش نہیں، بلکہ صلاح الدین ایوبی کا کوئی آدمی ہے''۔ اُس نے کاغذ مروڑ کر لاش پر پھینک دیا۔

''میں اسے تلاش کرلوں گا''...... بن عمرو نے غصے سے کہا...... ''اور سرِ عام اس کا سر تن سے جُدا کراؤں گا''۔

''ٹھنڈے دل سے سوچو''...... عزالدین نے کہا...... ''اس ایک آدمی کو قتل کر دینے سے تم صلاح الدین ایوبی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ہمیں کچھ اور کرنا ہے، کچھ اور سوچنا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ صلیبی صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیتے، مگر معلوم نہیں وہ آگے کیوں نہیں آ رہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں صلاح الدین ایوبی سے براہِ راست ٹکراؤں، پھر وہ میری مدد اس طرح کریں گے کہ اُن کے چھاپہ مار دستے صلاح الدین ایوبی کے پہلوؤں اور عقب پر اور اس کی رسد پر شب خون مارتے رہیں گے۔ اس طرح مجھے میدانِ جنگ میں برتری اور کامیابی حاصل ہوگی''۔

''اور ضرور ہوگی''...... بن عمرو نے فرش پر پاؤں مارتے ہوئے کہا۔

''اس تحریر میں صحیح لکھا ہے کہ تم خوشامدی ہو''...... عزالدین نے کہا...... ''میں ایک اُلجھن میں پڑا ہوا ہوں اور تم خوش کرنے کے لیے بچوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔ کیا تم مجھے کوئی بہتر مشورہ نہیں دے سکتے؟'' ...... اُس نے تالی بجائی۔

ایک نوجوان خادمہ دوڑی آئی۔ اس نے جھک کر سلام کیا۔ عزالدین نے کہا...... ''دربان سے کہو کہ یہ لاش اُٹھوالے اور کہیں دفن کردے''...... یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا جو اس کا خاص کمرہ تھا۔ احمد بن عمرو بھی ساتھ تھا۔ عزالدین پھر ادھر آیا اور خادمہ سے کہا...... ''صراحی اور پیالے لے آؤ۔ دربان سے کہو کسی کو اِدھر نہ آنے دے''۔

☆

خادمہ نے لاش دیکھی تو وہ ڈر گئی۔ اس کی نظر مروڑے ہوئے کاغذ پر پڑی۔ وہ عربی پڑھ سکتی تھی۔ اُس نے تحریر پڑھی اور کاغذ اپنے کپڑوں کے اندر چھپالیا۔ دوڑ کر باہر گئی۔ دربان سے کہا کہ لاش اُٹھوا کر دفن کرادے اور صراحی اور دو پیالے سنہری تھال میں رکھ کر عزالدین کے کمرے میں چلی گئی۔

''شاہ آرمینیا نے میرے پیغام کا جواب دے دیا ہے''...... عزالدین بن عمرو سے کہہ رہا تھا...... اُس نے مجھے اپنے دارالحکومت تل خالد میں ملنے کی بجائے مجھے ہرزم بلایا ہے۔ وہ تل خالد سے روانہ ہو گیا ہے۔ میں دو روز بعد اُسے ملنے جارہا ہوں''۔

خادمہ نے پیالوں میں جلدی جلدی شراب ڈالنے کی بجائے کپڑے سے پیالے پونچھنے شروع کر دیئے۔ اُس کے کان عزالدین کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔

''میرا خیال ہے شاہ آرمینیا تل خالد سے ہرزم جانے کی غلطی کر رہا ہے''......بن عمرو نے کہا۔

''کیونکہ صلاح الدین ایوبی تل خالد کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے''......عزالدین نے کہا......''تمہیں یہ ڈر ہے کہ شاہ آرمینیا کی غیر حاضری میں صلاح الدین ایوبی تل خالد کو محاصرے میں لے لے گا......ایسا نہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہوا بھی تو ہم صلاح الدین ایوبی کی فوج پر عقب سے حملہ کر دیں گے۔ ہم اس لڑائی کو طول دیں گے اور صلیبیوں کو اطلاع دیں گے کہ وہ بھی صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیں۔ مجھے یقین ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج پس کے رہ جائے گی''۔

''آپ کب جا رہے ہیں؟''......بن عمرو نے پوچھا۔

''دو روز بعد''......عزالدین نے جواب دیا۔

خادمہ شراب پیش کرنے میں اس سے زیادہ تاخیر نہیں کر سکتی تھی۔ اُس نے پیالوں میں شراب ڈالی اور دونوں کو پیش کی۔ عزالدین نے اُسے کہا کہ وہ چلی جائے۔ وہ ڈیوڑھی نما کمرے میں گئی تو وہاں سے لاش اُٹھائی جا چکی تھی۔ خادمہ ابھی وہاں سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ اُسے ڈیوٹی پر رہنا تھا۔ وہ بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔ اچانک اُس کے منہ سے ''ہائے'' نکلی۔ اُس نے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ لیے اور دوہری ہوگئی۔ دربان اور دوسرے ملازم دوڑے آئے۔ اس نے کراہتے ہوئے بتایا کہ اُسے پیٹ میں اچانک درد اُٹھا ہے۔ اُس کی جگہ فوراً دوسری خادمہ بلا کر وہاں بٹھا دی گئی اور اسے طبیب کے پاس لے گئے۔ طبیب کو اُس نے بتایا کہ اسے پیٹ میں درد ہے۔ اسے دوائی دی گئی۔ اُس نے کہا کہ وہ کام کے قابل نہیں رہی۔

کچھ دیر بعد اس کی طبیعت سنبھل گئی۔ طبیب نے اُسے دو دنوں کی چھٹی لکھ دی اور اُسے کہا کہ اپنے گھر چلی جائے۔ وہ اپنے گھر کو جانے کی بجائے غلام گردشوں وغیرہ سے گزرتی عزالدین کی بیوی رضیع خاتون کے کمرے میں چلی گئی۔ رضیع خاتون کے متعلق پہلے تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ تھی۔ عزالدین نے اُس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ رضیع خاتون نے اس اُمید پر شادی قبول کر لی تھی کہ عزالدین کو وہ سلطان ایوبی کا دوست اور اتحادی بنا دے گی اور مسلمان اُمراء اور حکمران متحد ہو کر فلسطین سے صلیبیوں کو نکال دیں گے، مگر عزالدین نے جس نیت سے شادی کی تھی وہ رضیع خاتون کی نیت سے اُلٹ تھی۔ دمشق، بغداد اور ان مقامات کے گردونواح کے تمام علاقوں پر رضیع خاتون کا اثر تھا اور رضیع خاتون اپنے مرحوم خاوند نورالدین زنگی کی طرح سلطان ایوبی کی معتقد اور اُس کے نیک عزائم کی حامی تھی۔ اُس نے جوان لڑکیوں کی فوج بنا رکھی تھی۔

عزالدین نے اِس عظیم خاتون کے ساتھ اس نیت سے شادی کی تھی کہ اسے سلطان ایوبی کے خلاف استعمال کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو سکا کہ اُسے زوجیت کی قید میں رکھے تاکہ دمشق اور بغداد کے لوگ اس کی قیادت سے محروم ہو جائیں۔ رضیع خاتون نے شادی کے بعد اُس کی نیت پہچان لی تھی۔ پہلے تو اُس نے احتجاج کیا لیکن عورت عقل والی تھی۔ اُس نے عزالدین پر اپنا اعتماد پیدا کر کے جاسوسی شروع کر دی اور شہر میں سلطان ایوبی کے جو جاسوس تھے، ان کے ساتھ درپردہ رابطہ قائم کر لیا۔ اس کی بیٹی (جو زنگی کی بیٹی تھی) شمس النساء جوان تھی۔ وہ بھی جاسوسی کر رہی تھی۔ ماں بیٹی نے سلطان ایوبی تک بڑے ہی قیمتی راز پہنچائے تھے۔ اس کے ساتھ ہی رضیع خاتون نے عزالدین کے دو سالاروں اور ایک مشیر کو اپنے ہاتھ میں کر لیا تھا۔ عزالدین کو اُس نے یقین دلا دیا تھا کہ وہ اب سلطان ایوبی کے حق میں نہیں رہی یا کم از کم اس

کے خلاف نہیں رہی۔ رضیع خاتون خوب صورت عورت تھی۔ اس نے نسوانیت کی شیرینی اور زبان کی چاشنی سے عزالدین کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی محل کے اندر بھی جاسوسوں کا گروہ بنا لیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ عزالدین کی نوجوان خادمہ اندر آئی۔

''پیٹ درد کا بہانہ کر کے آئی ہوں''...... خادمہ نے رضیع خاتون سے کہا...... ''طبیب نے آج اور کل کی چھٹی دے دی ہے''...... اُس نے قمیض کے اندر سے وہ کاغذ نکالا جو اُس نے لاش سے اُٹھایا تھا۔ کاغذ رضیع خاتون کو دیا اور اسے بتایا کہ یہ کاغذ ایک سپاہی کی لاش کے ساتھ تھا۔

رضیع خاتون نے تحریر پڑھی اور بولی...... ''آفرین، ہمارے مجاہد کام کر رہے ہیں، تو اُس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کمبختوں نے ہمارے آدمی کو قتل کرانے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ ہمارے اس درویش نے لوگوں کے دلوں سے صلیبیوں کے درویش کی دہشت اور وہم نکال دیا ہے''۔

''یہ تحریر اُسی کی ہے''...... خادمہ نے کہا...... ''میں اُس کا ہاتھ پہچانتی ہوں''۔

رضیع خاتون نے ہنس کر کہا...... ''مجھے معلوم ہے کہ تم اُس کا ہاتھ ہی نہیں، اُس کا دِل بھی پہچانتی ہو، لیکن یہ خیال رکھنا کہ دِلوں کے جال میں نہ اُلجھ جانا۔ فرض پہلے''۔

خادمہ شرما سی گئی۔ کہنے لگی...... ''ابھی تک اپنے جذبات کو فرض کے راستے میں نہیں آنے دیا۔ میں فہد کو بھی یہی کہا کرتی ہوں کہ اُسے مجھ سے دِلی محبت ہے تو اپنے فرض کو جذبات پر حاوی رکھے''۔

فہد وہی جواں سال آدمی تھا جس نے نئے درویش کا روپ دھارا تھا۔ وہ بغداد کا رہنے والا تھا۔ اُس میں جاسوس بننے کی تمام تر خوبیاں موجود تھیں۔ خوبرو جوان تھا۔ دو سال سے موصل میں مقیم تھا اور کامیابی سے جاسوسی کر رہا تھا اور نظریاتی محاذ پر بھی اُس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نمایاں کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ اسی سلسلے میں اس کی ملاقات عزالدین کی خادمہ سے ہوئی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے دِل میں اُتر گئے تھے۔ خادمہ شہر میں رہتی تھی لیکن اس کا زیادہ وقت محل میں گزرتا تھا۔ جاسوسی کی زمین دوز کارروائیوں کے علاوہ بھی ان دونوں کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔

''میں جو خبر لائی ہوں، وہ ابھی بتائی ہی نہیں''...... خادمہ نے رضیع خاتون سے کہا...... ''عزالدین دو روز بعد شاہ آرمینیا سے ملنے ہرزم جا رہے ہیں۔ میں نے شراب پیش کرنے کے دوران اُس سے یہ بات سنی ہے۔ وہ احمد بن عمرو کو بتا رہے تھے کہ شاہ آرمینیا نے انہیں پیغام بھیجا ہے کہ وہ تل خالد سے ہرزم روانہ ہو رہا ہے اور عزالدین اسے وہاں ملیں...... میں رات تک فارغ نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے پیٹ درد کا بہانہ بنایا اور آپ تک پہنچی ہوں''۔

رضیع خاتون نے اپنے زانو پر ہاتھ مار کر کہا...... ''صلاح الدین ایوبی تل خالد کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ تل خالد میں اپنے جاسوس ہیں یا نہیں۔ یہ خبر صلاح الدین ایوبی تک پہنچنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ ان دونوں کو ہرزم میں پکڑ لے۔ یہ کام تم ہی کرو۔ فہد یا اس کے کسی اور ساتھی تک پہنچو اور اسے یہ خبر سنا کر میرا پیغام دو کہ صلاح الدین ایوبی ابھی تل خالد کے راستے میں ہو گا، یہ خبر اس تک پہنچا دو۔ ابھی جاؤ''۔

خادمہ چلی گئی۔

☆

کچھ ہی دیر بعد عزالدین رضیع خاتون کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ بڑی صاف تھی۔

رضیع خاتون کو معلوم تھا کہ وہ کیوں پریشان ہے، پھر بھی اس پریشانی کی وجہ پوچھی۔

''میں صلاح الدین ایوبی کی دشمنی اور صلیبیوں کی دوستی کے پتھروں میں پس رہا ہوں''......عزالدین نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میری تمام دلچسپیاں آپ کے ساتھ ہیں''......رضیع خاتون نے کہا......''مگر میں صلاح الدین ایوبی کے حق میں کوئی بات کرتی ہوں تو آپ کو شک ہوتا ہے کہ میں اُس کی حامی اور آپ کے خلاف ہوں۔ آپ کی پریشانی کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کے اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان عداوت پیدا ہوگئی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے اُس قوم کو دوست سمجھ لیا ہے جو آپ کی دوست نہیں ہوسکتی ہے، وہ آپ کے مذہب کی دشمن ہی رہے گی۔ صلیبی اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے آپ کو دھوکہ دیں گے اور ضرور دیں گے''۔

''تو کیا میں صلاح الدین ایوبی کے قدموں میں جا کر تلوار رکھ دوں؟''......عزالدین نے طنزیہ لہجے میں پوچھا......''اگر میں ایسا کر گزروں تو اپنی فوج کے سامنے کس منہ سے کھڑا ہوں گا''۔

''صلاح الدین ایوبی آپ کو اپنا محکوم نہیں، اپنا اتحادی بنانا چاہتا ہے''......رضیع خاتون نے کہا۔

''تم اس شخص کی نیت کو نہیں سمجھ سکی''......عزالدین نے کہا......''وہ سلطنتِ اسلامیہ کی بات کرتا ہے مگر اُسے اپنی ذاتی سلطنت بنائے گا''۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ اس سے لڑیں گے''......رضیع خاتون نے کہا......''اگر آپ کا یہی ارادہ ہے تو پریشان ہونے کی بجائے جنگ کی تیاری کریں۔ فوج میں اضافہ کریں''۔

''میری پریشانی یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے جاسوسوں اور تباہ کاروں کا جال بچھا دیا ہے''......عزالدین نے کہا......''تمہیں معلوم ہے کہ میرا اتنا قابل فوجی مشیر احتشام الدین بیروت بالڈوِن سے معاہدہ کرنے گیا اور وہاں سے غائب ہوگیا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ ہے۔ ہمارے تمام راز اُس کے پاس ہیں۔ میں نے صلیبیوں سے اسلحہ آتش گیر سیال اور دیگر سامان کا ذخیرہ اپنے قریب جمع کرایا تھا۔ وہ تباہ ہوگیا ہے۔ آج میرے حفاظتی دستے کے ایک سپاہی کی لاش میرے پاس آئی ہے''۔

''اُسے کسی نے قتل کیا ہے؟''......رضیع خاتون نے انجان بن کر پوچھا۔

''ہاں''......عزالدین نے اصل بات پر پردہ ڈال کر کہا......''اُسے کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اسے ایک خاص کام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کے قاتل صلاح الدین ایوبی کے آدمی معلوم ہوتے ہیں''۔

اس لاش کے ساتھ فہد کا لکھا ہوا جو کاغذ تھا وہ رضیع خاتون کے پاس تھا لیکن وہ انجان بنی رہی۔ اُس نے سوچا کہ عزالدین گھبرایا ہوا ہے، اس پر اور زیادہ گھبراہٹ طاری کی جائے۔

''آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ صلاح الدین ایوبی صرف میدانِ جنگ میں نہیں لڑتا''......رضیع خاتون نے کہا......''وہ جب اپنے گھر میں سویا ہوا ہوتا ہے تو اس کے دشمن سمجھتے ہیں جیسے وہ اُن کے سر پر بیٹھا ہے۔ اس وقت وہ تل خالد کی طرف جا رہا ہے لیکن یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ موصل میں بیٹھا ہے اور اپنی نگرانی میں تباہی کر رہا ہے۔ صلیبیوں کی فوج کا اندازہ کریں۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج سے دس گنا زیادہ ہے مگر صلیبی آگے بڑھ کر اُس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ صلیبیوں کے مقابلے میں آپ کے پاس جو فوج ہے، وہ آپ جانتے ہیں۔ آپ کو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ

آپ کی فوج میں ایسے کمان دار موجود ہیں جو آپ کے وفادار نہیں۔ وہ آپ کو دھوکہ دے سکتے ہیں''۔

عزالدین اور زیادہ گھبرا گیا اور بولا......''میں اس حد تک پہنچ چکا ہوں جہاں سے آسانی سے واپس نہیں آسکتا۔ میں دو روز بعد کہیں باہر جا رہا ہوں۔ اگر حالات نے ساتھ دیا تو کامیاب ہو جاؤں گا''...... وہ چپ ہو کر گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد بولا......''رضیع! میں نے ایک اُمید تمہارے ساتھ وابستہ کر رکھی ہے''۔

''میں آپ کی ہر اُمید پوری کروں گی''...... رضیع خاتون نے کہا......''اگر آپ مجھے صلاح الدین ایوبی کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کو کہیں گے تو میں کر گزروں گی۔ میں آپ کے ایک بچے کی ماں بن چکی ہوں۔ مجھے بتائیں میں آپ کی کون سی اُمید پوری کر سکتی ہوں۔ مجھے کسی کڑی آزمائش میں ڈالیں''۔

''میں باہر جا رہا ہوں''......عزالدین نے کہا......''مجھ سے ابھی یہ نہ پوچھنا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اُسے ابھی راز میں رکھنا ہے۔ اس کے بعد میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف کوئی کارروائی کروں گا۔ اگر حالات میرے خلاف ہو گئے تو میں تم سے اُمید رکھوں گا کہ تم میری طرف سے سلطان ایوبی کے پاس جاؤ گی اور اس کے ساتھ میرا سمجھوتہ کرا دو گی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس وقت میں اُس کے پاس جاؤں تو وہ مجھے ملنے سے بھی انکار کر دے''۔

رضیع خاتون نے اُسے یہ مشورہ دیا کہ وہ شکست سے پہلے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ سمجھوتہ کر لے۔ اُس نے عزالدین سے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اسے خادمہ بتا گئی تھی کہ وہ ہرزم شاہ آرمیدیا سے ملنے جا رہا ہے اور یہ سلطان ایوبی کے خلاف محاذ بن رہا ہے۔ رضیع خاتون کو وہ ابھی نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے، کیونکہ اُسے وہ راز رکھنا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ سلطان ایوبی کی جاسوسہ سے باتیں کر رہا ہے۔ تاہم رضیع خاتون نے اسے یقین دلایا کہ وہ جب بھی کہے گا سلطان ایوبی کے ساتھ اس کا سمجھوتہ کرا دیا جائے گا۔ عزالدین کی گھبراہٹ سے رضیع خاتون کو خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

عزالدین سر جھکائے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ رضیع خاتون کی ذاتی خادمہ جو اسی کی عمر کی تھی، اندر آئی اور رضیع خاتون سے پوچھا کہ والیٔ موصل بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ یہ خادمہ بھی رضیع خاتون کے زمین دوز گروہ کی فرد تھی۔

''ایمان اور کردار سے منحرف ہو کر انسان کی یہی حالت ہوا کرتی ہے''۔ رضیع خاتون نے کہا......''یہ حکمران جو قوم سے الگ ہو کر اپنی اپنی ریاستوں کے بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں، کسی درخت کی اُن ٹہنیوں کی مانند ہیں جو درخت سے الگ ہو گئی ہیں۔ ان کی قسمت میں اب یہی لکھا ہے۔ ان کے پتے جھڑ جائیں گے، بکھر جائیں گے اور یہ ٹہنیاں سوکھ کر مٹی میں مل جائیں گے۔ یہ حکومت کا لالچ ہے جس نے میرے خاوند کو شراب اور عورت کا شیدائی بنایا ہے۔ اس شخص نے صلیبیوں کا میٹھا زہر اپنی رگوں میں انڈیل لیا ہے۔ عزالدین میدانِ جنگ کا بادشاہ تھا۔ اُس کی تلوار سے صلیب کا دل کانپتا تھا لیکن آج اُس کے دِل پر خوف طاری ہے۔ اُس شخص کی جرأت جواب دے گئی ہے۔ مجھ سے، ایک عورت سے مدد مانگ رہا ہے۔ بادشاہی کا نشہ، شراب اور عورت انسان کا یہی حشر کیا کرتی ہے۔ اُس کی قسمت میں شکست لکھ دی گئی ہے۔ جب ایک سالار تخت و تاج کا خواہاں ہو جاتا ہے تو اُس کی پوری فوج دین و ایمان سے دست بردار ہو جاتی ہے، پھر ملک و ملت کا وقار خاک میں ملتا ہے اور دشمن سر پر سوار ہو جاتا ہے''۔

☆

وہ نوجوان خادمہ جو فہد کو یہ پیغام دینے نکلی تھی کہ عزالدین شاہ آرمیدیا سے ملنے ہرزم جا رہا ہے، اس ٹھکانے پر گئی

جہاں فہد کو ہونا چاہیے تھا مگر وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ فہد عموماً شتربانوں کے بھیس میں رہتا تھا۔ وہ دو اونٹ اپنے ساتھ رکھتا تھا اور تاجروں وغیرہ کا سامان اِدھر اُدھر لے جاتا تھا۔ وہ اُس جگہ گئی جہاں وہ اپنے اونٹوں کے ساتھ بیٹھا یا کھڑا ہوتا تھا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ اُس نے ایک شتربان سے پوچھا کہ فہد کہاں ہے۔ شتربان کی حیثیت سے اس کا نام کچھ اور تھا۔ اُسے بتایا گیا کہ وہ اونٹوں پر سامان لاد کر فلاں جگہ چلا گیا ہے۔ خادمہ اُدھر کو چل پڑی...... اور اُسے پتہ نہ چلا کہ ایک اور آدمی اس کے تعاقب میں آرہا ہے۔

یہ آدمی تھا تو موصل کا مسلمان لیکن صلیبیوں کا جاسوس تھا اور اس کا تعلق عزالدین کے محل کے عملے سے تھا۔ اس نے خادمہ کو طبیب کے پاس پیٹ کے شدید درد کی حالت میں دیکھا تھا۔ وہ اس لڑکی کو جانتا تھا۔ اُس نے اس لڑکی کو اُس وقت بھی دیکھا تھا جب وہ دوائی لے کر محل سے نکل رہی تھی۔ اُسے یہ تو معلوم نہ تھا کہ یہ رضیع خاتون سے مل کر آئی ہے۔ اُس نے یہ دیکھا تھا کہ لڑکی اتنی تیز چل رہی تھی جیسے اُسے کوئی تکلیف نہ ہو۔ یہ آدمی صلیبیوں کا تیار کیا ہوا جاسوس تھا۔ اسے اس لڑکی پر شک ہوا۔ عزالدین کا اپنا جاسوسی کا نظام اتنا اچھا نہیں تھا۔ صلیبیوں نے اُسے بتائے بغیر وہاں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ اُن کے ذمے دو کام تھے۔ ایک یہ کہ عزالدین پر نظر رکھیں کہ وہ کہیں در پردہ سلطان ایوبی کا دوست تو نہیں بن رہا۔ دوسرا یہ کہ ان افراد کی نشان دہی کریں جو عزالدین کے محل میں اور موصل میں موجود ہیں اور جاسوسی کر رہے ہیں۔

صلیبیوں کے اس جاسوس نے اس لڑکی کا تعاقب شروع کر دیا اور جب دیکھا کہ وہ اور زیادہ تیز چل رہی ہے اور کسی کو ڈھونڈتی پھرتی ہے تو اُس کا شک پختہ ہو گیا۔ اُسے اب یہ دیکھنا تھا کہ وہ کسے ڈھونڈ رہی ہے۔ اگر یہ لڑکی واقعی جاسوس ہے تو اس سے ایک یا ایک سے زیادہ جاسوسوں کو پکڑا جا سکتا تھا۔ لڑکی کو اب ایک شتربان نے بتایا تھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ وہ اس طرف جا رہی تھی اور جاسوس اس کے پیچھے جا رہا تھا۔

ایک جگہ اونٹوں سے سامان اُتارا جا رہا تھا۔ فہد بھی سامان اُتار رہا تھا۔ اُس نے لڑکی کو دیکھ لیا۔ قریب سے گزرتے ہوئے لڑکی نے فہد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور آگے نکل گئی۔ فہد کو معلوم تھا کہ وہ کہاں اس کا انتظار کرے گی۔ جاسوس اُس کے پیچھے لگا رہا۔ لڑکی کو معلوم نہ تھا۔ فہد نے جلدی جلدی اپنے اونٹوں سے سامان اُتارا اور لڑکی کے پیچھے گیا۔ اُس نے ایک اونٹ کی مہار پکڑ رکھی تھی۔ دوسرے اونٹ کی مہار اس اونٹ کے پیچھے بندھی تھی۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ فہد لڑکی کے ساتھ ہو گیا۔ لڑکی رُکی نہیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اپنے دھیان سے جا رہی ہو۔ فہد بھی بظاہر اُس کی طرف توجہ نہیں دے رہا تھا لیکن لڑکی اُسے پیغام دے رہی تھی۔

چند قدموں تک لڑکی نے پیغام سنا دیا اور کہا...... ''یہ کام کر کے آؤ گے تو وہاں ملوں گی جہاں ہم کچھ دیر بیٹھا کرتے ہیں۔ ابھی نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے فرض سے بھٹک جائیں...... تمہیں معلوم ہو گا۔ سلطان کی فوج کہاں ہو گی؟''

''مجھے معلوم ہے''...... فہد نے جواب دیا...... ''میں ابھی روانہ ہو جاؤں گا''۔

''خدا حافظ''...... لڑکی نے کہا

''فی امان اللہ''۔

لڑکی ایک طرف مڑ گئی۔ وہ ایک گلی تھی۔ تب اس نے گھوم کر دیکھا۔ ایک آدمی اُس کے پیچھے آ رہا تھا۔ اُسے یاد آیا کہ اس آدمی کو اُس نے فہد کی تلاش کے دوران تین چار مرتبہ دیکھا تھا۔ اُسے یہ بھی خیال آیا کہ اس آدمی کو اُس نے محل میں بھی دیکھا ہے۔ ذہن پر زور دیا تو اُسے یاد آیا کہ یہ شخص محل میں ملازم ہے۔ لڑکی کو کچھ شک ہوا۔ اُس نے اُس آدمی کی

نیت معلوم کرنے کے لیے گلیوں کے دو تین موڑ مڑے۔ یہ آدمی اُس کے پیچھے رہا۔لڑکی آبادی سے باہر نکل گئی۔ یہ آدمی بھی باہر نکل گیا۔ کچھ دُور درختوں کا جھنڈ تھا۔لڑکی وہاں بیٹھ گئی۔ یہ آدمی آگے نکل گیا۔ انسے غالباً یہ شک ہوا ہو گا کہ لڑکی کسی کے انتظار میں بیٹھی ہے۔ وہ بہت آگے چلا گیا۔

لڑکی ہوشیار تھی۔ وہ جلدی سے قریب کی جھاڑیوں میں چھپ گئی۔ وہاں سے سرکتی جھاڑیوں سے نکلی اور ایک گلی میں غائب ہو گئی۔ وہ آدمی دُور جا کر واپس آیا۔ اب اُس نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ لڑکی کے پاس کوئی آدمی بیٹھا ہو گا مگر اُس نے قریب آ کر دیکھا، وہاں لڑکی نہیں تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔لڑکی کا نام و نشان نہیں تھا۔

لڑکی اپنے گھر پہنچ چکی تھی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی آرمینیا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا خطرہ مول لے رکھا تھا۔ صلیبی افواج کسی بھی وقت متحد ہو کر اُس پر حملہ کر سکتی تھیں اور وہ اکیلا تھا۔ مسلمان اُمراء اس کے خلاف تھے۔ اپنی اپنی ریاست اور حکمرانی الگ الگ قائم کرنے کے لیے وہ اپنا ایمان صلیبیوں کے ہاتھ بیچ چکے تھے۔ خانہ جنگی تک ہو چکی تھی جو صلیبیوں کی در پردہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اب سلطان ایوبی ان تمام مسلمان اُمراء کو بزورِ شمشیر اپنے محاذ پر متحد کرنے کا عزم لیے ہوئے تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ ان میں سے جو میری صفوں میں نہیں آتا، وہ خود مختار بھی نہیں رہے گا۔ اُس نے چند ایک قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں کے اُمراء اور قلعہ داروں نے اُس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اب وہ ان حکمرانوں کی طرف بڑھ رہا تھا جو کچھ طاقت رکھتے تھے۔ وہ کمال دلیری سے ان دشمنوں کے درمیان فوج کو گھما پھرا رہا تھا اور یہ بہت بڑا خطرہ تھا۔

''اگر تمہارے ارادے نیک ہیں تو تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے''...... سلطان ایوبی تل خالد کے راستے میں ایک پڑاؤ کیے پڑا تھا۔ اس نے اپنے خیمے میں سالاروں کو بلا رکھا تھا، کہہ رہا تھا...... ''میں جانتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔ اگر تم میں سے کوئی میرے اس فیصلے سے متفق نہیں کہ میں صلیبیوں کی طرف سے بے خبر ہو کر غلط سمت کو چل پڑا ہوں تو میں اسے حق بجانب سمجھوں گا۔ میں اُسے یہ نہیں کہوں گا کہ وہ میرا حکم مانے اور میرے غلط فیصلے پر عمل کرے۔ میں اسے یہی کہوں گا کہ وہ میرے مقصد کو سمجھے اور دل سے تمام خوف اور وسوسے نکال دے۔ ہمارے منزل یروشلم ہے۔ بیت المقدس، قبلۂ اوّل...... خدا نے ہمیں اس کڑی آزمائش ڈال دیا ہے کہ ہمارے بھائی ایمان فروش نکلے۔ انہیں قبلۂ اوّل نہیں حکمرانی چاہیے...... یاد رکھو میرے رفیقو! جب تاریخ لکھی جائے گی تو اس میں یہ تحریر ہو گا کہ ہمارے دور کی فوج بزدل اور نااہل تھی۔ شکست کی لعنت ہمیشہ فوج کے حصے میں آتی ہے۔ حکمران اگر کفار کے در پردہ دوست ہی ہوئے، آنے والی نسلیں فوج پر لعنت بھیجیں گی......

''ہمیں خدا کے حضور بھی جانا ہے۔ خدا نے ہم پر فرض عائد کیا ہے وہ ہمیں پورا کرنا ہے یا اس فرض کی ادائیگی میں جان دینی ہے۔ مرکز سے الگ ہونے والوں کے لیے میرے دِل میں کوئی رحم نہیں۔ اگر ہم نے آج الگ الگ ریاستیں بنانے کے رجحان کو نہ روکا تو ایک دن یہی رجحان اسلام کے زوال کا باعث بنے گا۔ کہنے کو یہ اسلامی ملک ہوں گے لیکن اپنی بادشاہیاں اور عیش و عشرت قائم رکھنے کے لیے اپنے طاقتور دشمن کے ساتھ سمجھوتے کرتے اور اپنا ایمان نیلام کرتے پھریں گے۔ اپنے طاقتور دشمن کو خوش کرنے کے لیے در پردہ ایک دوسرے کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہیں گے۔ اُن کا کمزور سا دشمن بھی ان کے لیے طاقتور ہو گا۔ ایک حکمران اپنی پوری رعایا کو بے وقار بنا دے گا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ قوم کے بکھرے ہوئے شیرازے کو آج ہی سمیٹ لیں......

''میں اب یہ باتیں بار باراس لیے کررہا ہوں کہ اپنا نقطۂ نظر جو وقت کی ایک ضرورت ہے، تمہارے دِلوں پر نقش ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ اپنے کسی ایسے بھائی کو دیکھ کر جو ہمارے مذہب کا دشمن ہو، تمہاری تلوار جھک جائے۔قوم کی مرکزیت اور اتحاد کو ختم کرنے والا بھائی دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے...... میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہم تل خالد کے محاصرے کے لیے جا رہے ہیں اور یہ ہمارا آخری پڑاؤ ہے۔اس کے آگے تل خالد ہے۔محاصرے کے لیے میں تم سب کو بتا چکا ہوں کہ کس کس کے دستے ہوں گے۔محفوظہ میرے ہاتھ میں ہوگا۔چھاپہ مار دستے ٹولیوں میں تقسیم ہو کر اُن راستوں کو زد میں لے لیں گے جن سے صلیبی فوج کے آنے کا خطرہ ہو سکتا ہے یا آرمینیا کی فوج محاصرہ توڑنے کے لیے آسکتی ہے۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق صلیبی حملے کا خطرہ نہیں، پھر بھی احتیاط لازمی ہے......

''ہم آرمینیا پر قبضہ نہیں کرنا چاہتے۔ہمیں شاہ آرمینیا سے اپنی شرائط تسلیم کرانی ہیں۔میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ عزالدین شاہ آرمینیا کی مدد کا طلب گار ہے۔ہمیں آرمینیا پر خطرہ بن کر سوار ہو جانا ہے تا کہ شاہ آرمینیا عزالدین کو مدد نہ دے سکے لیکن میں تمہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔یہ عین ممکن ہے کہ آرمینیا کی فوج اور شہری ہمارا مقابلہ اتنا سخت کریں کہ ہمیں پسپا ہونا پڑے۔اس صورت میں عزالدین بھی ہم پر حملہ کر سکتا ہے اور حلب کا والی عمادالدین بھی۔ہمیں گرتا دیکھ کر چھوٹے چھوٹے اُمراء بھی ہمیں گھوڑوں تلے روندیں گے۔ان نتائج اور خطروں کو سامنے رکھ کر ہمیں لڑنا ہے۔میں تمہیں نقشہ دکھا چکا ہوں۔کسی کے دِل میں کوئی شک ہو تو رفع کرلو۔یہ محاصرہ اور حملہ ہمیں اتنی بڑی مشکل میں ڈال سکتا ہے کہ ہم شکست بھی کھا سکتے ہیں''۔

☆

رات کا پہلا پہر تھا جب سلطان صلاح الدین ایوبی اس آخری پڑاؤ میں اپنے سالاروں کو اپنی پہلے سے دی ہوئی ہدایات یاد دلا رہا تھا۔اُس کے سامنے نقشہ پڑا تھا۔دربان نے خیمہ میں آکر اس کے کان میں کچھ کہا۔سلطان ایوبی نے اُسے کہا...... فوراً اندر بھیج دو''۔

دربان نے خیمے کا پردہ اُٹھایا اور سر سے اشارہ کیا۔فہد خیمے میں داخل ہوا۔اُس نے موصل سے یہاں تک کہیں رُکے بغیر مسافت طے کی تھی۔اُس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ہونٹ خشک تھے اور آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔جاسوسی اور سراغ رسانی کے محکمے کا سربراہ حسن بن عبداللہ خیمے میں موجود تھا۔

''معلوم ہوتا ہے تم نے آرام کیے بغیر سفر کیا ہے''۔سلطان ایوبی نے فہد سے کہا۔''بیٹھ جاؤ''...... دربان کو آواز دے کر اسے کہا...... ''اُس کے لیے کھانا یہیں لے آؤ''۔

''خبر ایسی تھی کہ آرام کی مہلت حاصل کرنا گناہ معلوم ہوتا تھا''۔فہد نے اُکھڑی ہوئی سانسوں سے کہا...... ''میرا گھوڑا شاید زندہ نہ رہ سکے''۔

''کیا خبر ہے؟''

''شاہ آرمینیا اپنے دارالحکومت میں نہیں''۔فہد نے کہا...... ''وہ ہرزم میں خیمہ زن ہے۔عزالدین اُسے ملنے ہرزم جا رہا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ ہماری فوج کے خلاف معاہدہ ہوگا۔شاہ آرمینیا کے ساتھ اپنی فوج کے بھی دو دستے ہوں گے اور عزالدین بھی اپنی فوج کے دو تین دستے اپنے ساتھ لا رہا ہے''۔

''یہ بادشاہ شاہی شان و شوکت سے ایک جگہ اکٹھے ہو رہے ہیں''۔سلطان ایوبی نے مُسکرا کر کہا، پھر پوچھا......

''موصل میں صلیبیوں کے کیا رنگ ڈھنگ ہیں''۔

''صلیبی ٹھنڈے ٹھنڈے سے معلوم ہوتے ہیں''۔فہد نے جواب دیا......''ان کے ذخیرے کی تباہی کی اطلاع آپ کو مل چکی ہے۔ہم نے وہاں کے لوگوں کے دلوں سے پہلے درویش کا وہم اور فریب نکال دیا ہے''۔

''شاہ آرمینیا اور عزالدین کی ہرزم میں ملاقات کے متعلق تمہیں کہاں سے اطلاع ملی ہے؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا......''میں کیسے یقین کرلوں کہ یہ اطلاع صحیح ہے؟''

''رضیع خاتون کی اطلاع غلط نہیں ہوسکتی''۔فہد نے کہا

''اللہ اس عظیم خاتون کو اپنی رحمتوں سے نوازے''۔سلطان ایوبی نے کہا اور جذبات کے غلبے سے اُس کی آواز بھرا گئی۔

''رضیع خاتون نے آپ کو سلام کہا ہے''۔فہد نے کہا......''اور یہ بھی کہ عزالدین کے پاؤں لڑنے سے پہلے ہی اُکھڑ گئے ہیں۔اُس پر گھبراہٹ طاری ہے اور اگر اُسے ایک ضرب اور پڑی تو وہ گھٹنے ٹیک دے گا''۔

''موصل میں کوئی فوجی ہلچل ہے؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا......''کوئی جنگی تیاری؟''

''صلیبی جاسوس اور مشیر سرگرم ہیں''۔فہد نے جواب دیا......''کوئی جنگی تیاری نظر نہیں آتی۔عزالدین صلیبیوں سے جس قسم کی اعانت مانگ رہا ہے۔وہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔شہر میں ہمارے آدمی پوری کامیابی سے اپنا کام کر رہے ہیں اور رضیع خاتون اور اُن کی بیٹی شمس النساء کی کوششوں سے قلعے اور محل کے اندر کا ہر گوشہ اور ہر راز ہماری نظر میں ہے''۔

''صد آفرین میرے دوست!'' سلطان ایوبی نے اُٹھ کر اُس کے گال کو تھپکایا اور کہا......''تمہیں معلوم نہیں کہ تم جو اطلاع لائے وہ کتنی کارآمد اور قیمتی ہے۔مجھے اُمید ہے کہ فوجوں کا اب اتنا خون خراب نہیں ہوگا، جتنا محاصرے اور حملے میں ہوتا''۔اُس نے سالاروں سے مخاطب ہو کر کہا......''اب ہم تل خالد کا محاصرہ نہیں کریں گے۔فوج اُدھر ہی جائے گی۔چھاپہ ماروں کا صرف ایک دستہ میرے ساتھ ہرزم کی سمت جائے گا''۔

☆

ہرزم ایک خوب صورت جگہ تھی۔ہر طرف سبزہ زار، چشمے اور ہرے بھرے درخت تھے۔ہریالی سے ڈھکی ہوئی چٹانیں بھی تھیں۔اس خطے کو قدرت نے تو حسن دیا ہی تھا، آرمینیا کے بادشاہ نے اُسے آ کر جنتِ ارض بنا دیا۔شامیانوں اور قناتوں نے محل کا منظر بنا دیا۔ان کے اندر رنگین روشنیوں والے فانوس لٹکائے گئے تھے۔چھ چھ گھوڑوں کی بگھیاں بھی تھیں اور محافظ دستے کے سوار اور گھوڑے طلسماتی سی شان کے حامل تھے۔رقص و سرور کا خاص انتظام تھا۔آرمینیا کی سب سے زیادہ حسین اور ناچنے والی لڑکیاں ساتھ لائی گئیں تھیں۔حرم کی منتخب لڑکیوں کے خیمے الگ تھے۔شاہ آرمینیا نے مردین کے امیر کو بھی وہاں مدعو کیا تھا۔مردین ہرزم کے قریب ہی ایک علاقہ تھا جس کا امیر قطب الدین غازی تھا۔مردین اس کی جاگیر تھی......شامیانوں، قناتوں اور خیموں سے کچھ دور شاہ آرمینیا کی دو دستے فوج خیمہ زن تھی۔

شاہ آرمینیا امیر مردین کے ساتھ دو تین روز شکار کھیلتا رہا، پھر ایک روز والی موصل عزالدین آ گیا۔اُس کے ساتھ بھی اپنی فوج کے دو منتخب دستے تھے۔رات کو رقص و سرود کی محفل جمی۔شراب کی صراحیاں خالی ہوئیں، عورت اور شراب نے وہ کیفیت پیدا کر دی کہ یہ مسلمان حکمران، ان کے اُمراء، وزراء اور سالار قبلۂ اوّل کے ساتھ خانہ کعبہ کو بھی بھول گئے۔رات عیش و عشرت میں گزار کر وہ سارا دن گہری نیند میں سوئے رہے۔اس رات جب وہ شراب اور عورت کے نشے

میں مخملیں قالینوں پر رنگین فانوسوں کے نیچے بدمست ہو رہے تھے، اس رات سلطان صلاح الدین ایوبی وہاں سے دو اڑھائی میل دُور چھاپہ ماروں کے ایک دستے کے ساتھ پتھریلی زمین پر سویا ہوا تھا۔ اُس نے چھوٹا سا سفری خیمہ ساتھ رکھا تھا تا کہ نصب کرنے اور گاڑنے میں زیادہ وقت صرف نہ ہو۔ وہ یہاں سلطان نہیں چھاپہ مار بن کے آیا تھا۔

اس نے خانہ بدوشوں کے بہروپ میں اپنے جاسوس ہرزم کے اس شاہانہ کیمپ کا جائزہ لینے اور تمام تر ضروری معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیج دیئے تھے۔ ان میں فہد بھی تھا۔ اس نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ یہ تین چار جاسوس اپنے اونٹوں کی مہاریں پکڑے کیمپ کے اردگرد گھومتے رہے تھے۔ انہیں کوئی وہاں ہٹ جانے کو کہتا تو وہ ہاتھ پھیلا کر کھانے کی بھیک مانگتے۔ فہد شاہی شامیانوں کے قریب سے گزرا تو اُسے وہ نوجوان خادمہ نظر آئی جس نے اُسے رضیع خاتون کا پیغام دیا تھا۔ فہد نے اسے پہچان لیا۔ یہ لڑکی عزالدین کی خصوصی خادمہ تھی جو یہاں بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔

فہد نے بھکاریوں کی طرح صدا لگائی...... ''شہزادی! آپ کا غلام سفر میں ہے۔ کچھ کھانے کو مل جائے''۔

''بھاگ جاؤ یہاں سے''۔ لڑکی نے دُور سے کہا...... ''ورنہ پکڑے جاؤ گے''۔

''فہد کو موصل میں تو کوئی نہیں پکڑ سکا''۔ فہد نے اپنی اصلی آواز میں کہا...... ''تم یہاں پکڑوا دو''۔

''اوہ!'' لڑکی اِدھر اُدھر دیکھ کر اُس کے قریب آگئی...... ''تم پہنچ گئے ہو؟ دیکھ لو۔ میری خبر غلط تو نہیں تھی...... لیکن یہاں نہ رُکو۔ چلے جاؤ...... تم رات کہاں ہو گے؟ آج رات شاید میں جلدی فارغ ہو جاؤں۔ مل بیٹھے مدت گزر گئی ہے''۔

''تم نے ہی کہا تھا کہ جذبات پر فرض کو غالب نہ آنے دیا''۔ فہد نے کہا...... ''ہمارا فرض ابھی ادا نہیں ہوا۔ زندہ رہے تو ملیں گے''۔

''تم نے سب کچھ دیکھ لیا ہے؟'' لڑکی نے پوچھا۔ ''سلطان کہاں ہے؟''

''سلطان جلدی آ جائے گا''۔ فہد نے جواب دیا۔

''اوئے کون ہے یہ؟'' کسی کی آواز آئی۔ ''ہٹاؤ اس بدبخت کو یہاں سے''۔

لڑکی فہد کو ڈانٹنے لگی اور فہد وہاں سے چلا گیا۔ لڑکی ایک خیمے کی اوٹ سے اُسے جاتا دیکھتی رہی۔ اس خیال سے اُس کے آنسو نکل آئے کہ فہد کا فرض کیسا اذیت ناک ہے اور کتنا خطرناک ہے۔ وہ اس خوبرو اور تنومند جوان کو دِل وجان سے چاہتی تھی مگر وہ چوری چھپے ملتے تھے تو اپنے جذبات کی کم اور فرائض کی باتیں زیادہ کرتے تھے۔ کئی معرکے جو ان کی فوج نے جیتے تھے، وہ فہد اور اس لڑکی جیسے جاسوسوں کی بدولت جیتے تھے۔ یہ دشمن کے گھر میں رہ کر زمین دوز معرکہ لڑتے تھے۔ ان کی جان ہر لحہ موت کے منہ میں رہتی تھی۔ اس نوجوان اور حسین خادمہ کے جذبات اُبل آئے۔ اگر اس کا فرض راستے میں حائل نہ ہوتا تو وہ فہد کو یوں مارا مارا پھرنے نہ دیتی۔ وہ جانتی تھی کہ فہد انہی پتھریلی وادیوں میں کہیں سو جاتا ہو گا۔

''ہم خدا کے حضور ملیں گے''۔ لڑکی نے اپنے آپ سے کہا اور اپنے کام کو چلی گئی۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ آج رات ہرزم کے شاہی کیمپ میں کوئی گانا بجانا نہیں تھا۔ خاموشی طاری تھی۔ شاہ آرمینیا کے شامیانے میں اس کے پاس عزالدین اور امیر مروین قطب الدین غازی بیٹھے تھے۔ عزالدین کہہ رہا تھا...... ''اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ صلاح الدین ایوبی اپنی سلطنت وسیع کر رہا ہے۔ اگر ہم اس کے اتحادی بن جائیں تو وہ ہمیں اپنا امیر بنا کر رکھے گا۔ ہم خود مختار نہیں ہوں گے۔ حال ہی میں وہ مسلمان اُمراء کے کئی قلعوں پر قبضہ کر چکا ہے اور اُس کی فوجی طاقت کے خوف سے یہ تمام اُمراء اور قلعہ دار اس کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اگر میں نے اُسے نہ روکا تو وہ

صرف موصل پر نہیں، حلب پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کرے گا، مگر میں اکیلا اس کے خلاف نہیں لڑ سکتا۔ عماد الدین میرے ساتھ ہے لیکن اس صورت میں کہ صلاح الدین ایوبی اپنی فوج لٹیروں کی طرح لیے دندناتا پھر رہا ہے، عماد الدین کو اپنی فوج حلب سے نہیں نکالنی چاہیے۔ حلب کا دفاع زیادہ ضروری ہے کیونکہ یہ مقام بہت اہم ہے۔''

''میں جانتا ہوں'' ۔شاہ آرمینیا نے کہا...... ''صلیبیوں کی بھی نظریں حلب پر لگی ہوئی ہیں''۔

''اسی لیے میں صلیبیوں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کرتا'' ۔عزالدین نے کہا...... ''وہ ہم سے مدد کے عوض حلب مانگیں گے''۔

''اور وہ ضرور مانگیں گے'' ۔قطب الدین غازی نے کہا...... ''میں بہتر یہی سمجھتا ہوں کہ آپ کو آپس میں کوئی معاہدہ کر لینا چاہیے۔ آپ دونوں کی فوجیں مل کر صلاح الدین ایوبی کو شکست دے سکتی ہیں''۔

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج تل خالد کی طرف جا رہی ہے'' ۔عزالدین نے کہا۔

''میری اُس کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں'' ۔شاہ آرمینیا نے کہا...... ''میرا خیال ہے وہ میری سرحدوں سے دُور رہے گا۔ میں نے اُس کی پیش قدمی کی سمت کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کہیں اور جا رہا ہے''۔

''مجھے صلیبیوں پر بھروسہ نہیں'' ۔عزالدین نے کہا...... ''وہ مجھے ہر طرح کی مدد دیتے ہیں لیکن جنگ صرف سامان اور مشیروں سے نہیں لڑی جا سکتی۔ میں انہیں کہتا ہوں کہ میں صلاح الدین ایوبی کی فوج کو جنگ میں اُلجھا لیتا ہوں اور وہ اس پر حملہ کر دیں۔ میں نے انہیں یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ دمشق اور بغداد کو محاصرے میں لے لیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو صلاح الدین ایوبی ہمارے علاقوں سے نکل جائے گا مگر وہ نہ جانے کیا سوچ رہے ہیں''۔

''وہ ہم سب کو اپنا محکوم بنانے کی سوچ رہے ہیں'' ۔شاہ آرمینیا نے کہا...... سلطان ایوبی نہ رہا تو صلیبی ہمیں کھا جائیں گے۔ ہمیں ان پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہیے''۔

''پھر آپ میری مدد کریں'' ۔عزالدین نے کہا...... ''میں آگے بڑھ کر صلاح الدین ایوبی سے لڑتا ہوں۔ آپ اس پر حملہ کریں''۔

اس موضوع پر وہ بہت دیر تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ آخر شاہ آرمینیا نے اس شرط پر عزالدین کی تجویز مان لی کہ اُس کی فوج کے انسانوں اور جانوروں کی خوراک کی ذمہ داری عزالدین لے۔ عزالدین نے یہ شرط مان لی اور طے ہوا کہ عزالدین سلطان ایوبی کے ساتھ آمنے سامنے کی ٹکر لے گا اور شاہ آرمینیا کی فوج سلطان ایوبی کی فوج پر عقب سے حملہ کر دے گی۔ عزالدین تجربہ کار جنگجو تھا۔ جنگ لڑنا اور لڑانا جانتا تھا۔ اُس نے وہیں جنگ کی منصوبہ بندی کر لی۔

☆

آدھی رات سے کچھ دیر پہلے کا ذکر ہے۔ جب عزالدین اور شاہ آرمینیا جنگ کا پلان بنا رہے تھے۔ رات گھوڑوں کے ٹاپوؤں سے لرزنے لگی۔ شاہ آرمینیا نے دربان کو بلا کر غصے سے کہا...... ''یہ جن سواروں کے گھوڑے کھل کر بھاگ رہے ہیں، انہیں صبح یہاں لے آؤ۔ بدبخت بے خبری کی نیند سو جاتے ہیں''۔

مگر یہ گھوڑے اُس کے دستے کے نہیں تھے۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار سوار تھے جن کی تعداد چالیس اور پچاس کے درمیان تھی۔ یہ اُن کا شب خون تھا۔ ذرا سی دیر میں باہر قیامت بپا ہوگئی۔ چھاپہ مار دو حصوں میں تقسیم ہوکر سرپٹ آئے اور گزر گئے۔ اُن کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں جو [illegible]

آگ لگ گئی تھی۔ سوئے ہوئے سپاہی ہڑبڑا کر اُٹھے۔ فوراً بعد سواروں کی ایک اور موج آئی جو برچھیوں اور تلواروں سے اپنے سامنے آنے والوں کو کاٹتے گزر گئے۔ جلتے ہوئے خیموں نے روشنی کر دی تھی۔ پھر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ ان میں جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر بھی تھے۔ بندھے ہوئے گھوڑوں اور اونٹوں کا وہ غُل کہ دہشت طاری ہوئی جارہی تھی۔ زخمیوں کی چیخ و پکار قیامت خیز تھی۔

پھر جانوروں کے رسّے کھل گئے۔ گھوڑے اور اونٹ ڈر کر اِدھر اُدھر بھاگنے دوڑنے لگے۔ اس غل غپاڑے اور چیخ و پکار میں کیمپ کے اِرد گرد سے بلند آوازیں سنائی دے رہی تھیں...... ''ہتھیار ڈال دو۔ عزالدین ہمارے سامنے آجاؤ۔ شاہ آرمینیا تل خالد ہمارے محاصرے میں ہے''۔

ان میں سے کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ عزالدین نے اپنے ایک وفادار کمان دار سے کہا کہ وہ اُسے ایک گھوڑا لا دے۔ بڑی مشکل سے اُسے گھوڑا لا کر دیا گیا۔ وہ سوار ہوا اور افراتفری کے اس قیامت خیز عالم میں نکل گیا۔ اس نے اپنے دستوں کی، اپنے ذاتی عملے کی اور اپنے ساتھ جو لڑکیاں لایا تھا، ان کی بھی پرواہ نہ کی۔ جان بچا کر بھاگ گیا۔

اُس دور کا ایک وقائع نگار اسد الاسدی لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی گھیرا تنگ کر کے ان حکمرانوں کو گرفتار کر سکتا تھا لیکن اس نے مصلحتاً ایسا اقدام نہ کیا۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ وہ ان حکمرانوں کو اپنا اتحادی بنا کر ان کی فوجوں کو فتح فلسطین کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ وجہ خواہ کچھ ہی تھی۔ فروری ۱۱۸۳ء (۵۷۹ ہجری) کا یہ معرکہ سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں سے اسی طرح لڑایا اور اُس نے آگے بڑھ کر کسی کو گرفتار کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ اس شب خون کی نگرانی اس نے خود کی تھی۔

شاہ آرمینیا نے بھاگنے کی بجائے وہیں رُکے رہنا مناسب سمجھا۔ رات گزر گئی۔ صبح ہوئی تو کیمپ میں جلے ہوئے خیموں کی راکھ بکھری ہوئی تھی۔ لاشیں پڑی تھیں۔ زخمی تڑپ رہے تھے۔ گھوڑے اور اونٹ اِدھر اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔ حملہ آوروں کا کچھ پتہ نہ تھا، کہاں ہیں۔ شاہ آرمینیا جانتا تھا کہ سلطان ایوبی یہیں کہیں قریب ہی ہوگا۔ وہ سوچنے لگا کہ سلطان ایوبی کو کہاں تلاش کرے۔ اتنے میں اُسے دو سوار آتے نظر آئے۔ وہ شاہ آرمینیا کے سامنے آکر اُترے اور سلام کیا۔ وہ سلطان ایوبی کے فوجی حکام تھے۔

''سلطان صلاح الدین ایوبی نے سلام بھیجا ہے''۔ ایک نے کہا...... ''انہوں نے کہا ہے کہ وہ کسی کو گرفتار کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ عزالدین واپس موصل چلا جائے اور آرام سے بیٹھ کر سوچے اور شاہ آرمینیا کے لیے سلطانِ محترم نے پیغام دیا ہے کہ اُن کی فوج تل خالد کے قریب پہنچ گئی ہے۔ آپ کو شام تک وہاں سے اطلاع مل جائے گی۔ آپ کے پہنچنے تک آپ کا دارالحکومت ہمارے قبضے میں ہوگا۔ اگر آپ سلطانِ شام و مصر کی شرائط قبول کر لیں تو تل خالد سے فوج واپس آسکتی ہے۔ اگر آپ مقابلے کا فیصلہ کرتے ہیں تو نتائج کو پہلے ذہن میں رکھ لیں۔ ہمیں پیغام کا جواب دیں۔ آپ ہمارے محاصرے میں ہیں''۔

''سلطان صلاح الدین ایوبی کو میرا سلام کہو''۔ شاہ آرمینیا نے کہا...... ''میں اپنے ایک وزیر کو شام سے پہلے سلطان کے پاس بھیج رہا ہوں''۔

دونوں سوار چلے گئے۔ شاہ آرمینیا کا یہ وزیر بکتیمور تھا جو اُس کے ساتھ تھا۔ شاہ آرمینیا نے اُسے کہا کہ ہمیں ان لوگوں کے اختلافات اور عداوت میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اُدھر تل خالد محاصرے میں ہے اور ہم یہاں ہیں۔ جاؤ اور صلاح الدین ایوبی سے کہو کہ اپنی فوج واپس بلا لے۔ ہم اُس کے کسی دشمن کے ساتھ کوئی معاہدہ اور کوئی اتحاد نہیں کریں گے''۔

کیں اور منوالیں۔ بکتیمور نے تحریری وعدہ دے دیا کہ شاہ آرمینیا کی فوج سلطان ایوبی کے کسی دشمن کی مدد کو نہیں جائے گی۔
سلطان ایوبی نے محاصرہ اُٹھالیا اور شاہِ آرمینیا سے ملے بغیر تل خالد کو روانہ ہو گیا۔

☆

ایک اور اہم مقام دیارِ بکر تھا جو اس زمانے میں عمیدہ کہلاتا تھا۔ اس مقام کو جنگی اہمیت حاصل تھی اور اس کی اہمیت یہ بھی تھی کہ اس کے گردونواح کے علاقے کے لوگ جنگجو اور فنِ سپہ گری کے ماہر تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج میں بہت سے سپاہی اسی علاقے کے تھے۔ اپنی فوج کی کمی سلطان اسی علاقے سے پوری کیا کرتا تھا۔ یہاں کے لوگ تو سلطان ایوبی کے حامی تھے مگر ان کا حکمران اپنی حکمرانی قائم رکھنے کی خاطر سلطان ایوبی کا مخالف تھا اور مسلمان ہوتے ہوئے صلیبیوں کے ساتھ در پردہ دوستی کی کوشش میں تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو دیارِ بکر کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ یہ برق رفتار پیش قدمی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو اتنا ہی بتایا تھا کہ دیارِ بکر کو محاصرے میں لے کر اُس جگہ پر قبضہ کرنا ہے اور فتح کی صورت میں وہاں کے موجودہ امیر کی کوئی شرط تسلیم نہیں کی جائے گی اور کوئی رحم نہیں کیا جائے گا۔

''میرا خیال ہے کہ ان اُمراء پر ظلم نہ کیا جائے''۔ ایک سالار نے کہا..... ''ان کی افواج کو اپنی فوج میں شامل کر کے انہیں برائے نام امیر رہنے دیا جائے''۔

''میں اب کسی سانپ کو قوم کی آستین میں نہیں پلنے دوں گا''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''مجھے اطلاعیں ملی ہیں کہ یہ شخص اپنے علاقے کے لوگوں کو ہماری فوج میں شامل ہونے سے روک رہا ہے اور وہ خلافت کے خلاف کارروائیاں کر رہا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ مرکز سے خود مختاری مانگنے والے یا در پردہ کوششوں سے الگ ہونے والے غدار ہوتے ہیں اور یہ غدار بہت خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ وہ قوم کے دشمن سے مدد لیتے ہیں اور اپنی قوم یعنی خلافت کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ میں ان لوگوں کا سر کچل دینا چاہتا ہوں تاکہ جب آپ کا اصل دشمنی یعنی صلیبی آپ کے سامنے آئیں تو آپ کی پیٹھ پیچھے سے کوئی وار کرنے والا نہ ہو اور کوئی سانپ زمین سے نکل کر آپ کو ڈنک نہ مار سکے۔ دیارِ بکر اللہ کے سپاہیوں کا خطہ ہے۔ ہماری فوج کی ایک چوتھائی نفری اسی خطے کی ہے۔ اگر ہم نے ان جنگجوؤں کے غدار حکمران کو بخش دیا تو اس خطے کے لوگوں کا ایمان بھی تباہ ہو جائے گا اور فنِ سپاہ گری بھی......

''ساری قوم یا کسی ملک کے تمام لوگ غدار یا بے ایمان نہیں ہوا کرتے۔ حکمران اگر ایمان فروش ہو تو قوم کے جوہر ختم ہو جاتے ہیں۔ اچھی بھلی قومیں بے وقار ہو جاتی ہیں۔ جذبے مر جاتے ہیں اور پھر قومیں آزاد قوموں کی طرح زندہ نہیں رہتیں۔ ہمیں اپنے اس قسم کے حکمرانوں کو ختم کرنا ہے اور سلطنتِ اسلامیہ کا ایک مرکز بنانا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ خلافتِ بغداد مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ اگر خلافت کا حکم چلتا تو ہمیں فوج کشی نہ کرنی پڑتی۔ یہ فوج کا فرض ہے کہ ملک کے اندر انتشار کو اور نااہل اور ایمان فروش حکمران کو ختم کرے۔ میں پھر وہی الفاظ دہراتا ہوں کہ تاریخ یہی کہے گی کہ چھٹی صدی ہجری کی فوج نکمی تھی جس نے نہ خلافت کا وقار بحال کیا نہ دشمن کو نیست و نابود کیا۔

☆

دیارِ بکر کا محاصرہ اتنی تیزی سے ہوا کہ اندر والوں کو مزاحمت کی مہلت نہ ملی۔ سلطان ایوبی نے ہدایت جاری کی تھی کہ شہریوں کا نقصان کم سے کم ہو۔ اندر اپنے جاسوس موجود تھے اور سلطان ایوبی خود بھی شہر سے اور حکمران کے محل اور

ہیڈکوارٹر سے واقف تھا۔اس لیے منجنیقوں سے جو پتھر اور آتش گیر سیال کی جو ہانڈیاں پھینکی گئیں،وہ سرکاری عمارتوں پر پھینکی گئیں۔باہر سے اعلان کیے گئے کہ امیر ہتھیار ڈال کر باہر آ جائے لیکن قلعے کی دیواروں پر کھڑے امیر نے جوابی اعلان کرایا کہ ہتھیار نہیں ڈالے جائیں گے۔لڑو اور شہر لے لو۔

دیارِ بکر کی فوج نے جم کر مقابلہ۔سلطان ایوبی محاصروں کا ماہر تھا لیکن اُس نے مزاحمت دیکھی تو سمجھ گیا کہ یہ محاصرہ طول پکڑے گا اور اس کے لیے کچھ زیادہ ہی قربانی دینی پڑے گی۔دیواریں توڑنے والے افرادرات کی تاریکی میں دیوار تک پہنچ گئے لیکن اوپر سے اُن پر آگ پھینکی گئی اور وزنی پتھر بھی پھینکے گئے۔بڑے دروازے پر منجنیقوں سے آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینک کر فلیتے والے تیر مارے گئے جس سے دروازے کا لکڑی کا حصہ جل گیا مگر اُس کا لوہے کا ڈھانچہ گھنا تھا جس میں سے گزرنا ممکن نہیں تھا تاہم گزرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔فضا میں تیر اُڑ رہے تھے۔

سلطان ایوبی حیران تھا کہ اندر والے ایسا سخت مقابلہ کیوں کر رہے ہیں۔یہ راز بعد میں کھلا تھا کہ امیر دیارِ بکر نے محاصرے کی اطلاع ملتے ہی شہر میں اعلان کرا دیا تھا کہ صلیبیوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔اس اعلان پر شہر کے لوگ لڑنے اور مرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے اور انہوں نے فوج کے دوش بدوش شہر کی دیوار پر آ کر محاصرہ کرنے والوں پر تیروں اور برچھیوں کا مینہ برسا دیا۔یہ دیکھا گیا تھا کہ چاروں طرف دیوار پر فوج کے ساتھ شہری بھی تھے۔شہر کے لوگوں کا حوصلہ بلند تھا لیکن سلطان ایوبی نے شہریوں کو لڑتے دیکھ کر بھی یہ حکم نہ دیا کہ شہر پر بھی آگ برسائی جائے۔

محاصرہ آٹھ روز جاری رہا۔زیادہ تر نقصان سلطان ایوبی کی فوج کا ہو رہا تھا کیونکہ اس کی ٹولیاں آگے بڑھتی اور تیروں کا نشانہ بنتی تھیں۔پھر ایک معجزہ ہوا۔شہر کی دیوار سے نعرے گرجنے لگے......''یہ صلیبی نہیں ہیں۔یہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔اُن کے جھنڈے دیکھو،مسلمانو!تم آپ میں لڑ رہے ہو''۔تب سلطان ایوبی کی فوج میں دیارِ بکر کے علاقے کے جو سپاہی اور کمان دار تھے،انہوں نے بلند آواز سے پکارنا شروع کر دیا......''ہم تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی ہیں۔دروازے کھول دو''۔

یہ انکشاف بھی بعد میں ہوا تھا کہ شہر کے اندر سلطان ایوبی کے جو جاسوس اور زمین دوز کارندے تھے،انہوں نے بھاگ دوڑ کر لوگوں کو بتایا تھا کہ محاصرہ کرنے والے صلیبی نہیں،مسلمان ہیں اور یہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔یہ مہم آسان نہیں تھی۔جاسوس آزادی سے لوگوں کو سرکاری اعلان کے خلاف کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔اس مہم میں جو جاسوس پکڑے بھی گئے تھے۔انہوں نے کامیابی حاصل کر لی۔نویں روز اندر کی فوج اور شہریوں کی سوچ اور جذبہ بدل گیا۔شہریوں نے حکمران اور اُس کے حاشیہ برداروں کی دھمکیوں اور چیخ و پکار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شہر کے دروازے کھول دیئے۔جب سلطان ایوبی شہر میں داخل ہوا تو شہر کے لوگوں نے بے تابی سے نعرے لگا لگا کر اُس کا استقبال کیا۔عورتوں نے منڈیروں اور دریچوں سے اُس پر اور اُس کی فوج پر اپنے دوپٹے اور رومال پھینکے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے دیارِ بکر کے امیر کو شہر سے نکل جانے کا حکم دیا اور یہ شہر نور الدین ابنِ قارا ارسلان اور ایک اور امیر کو دے دیا۔قاضی بہاؤالدین شداد نے اس کا نام ابنِ نکن لکھا ہے جو نور الدین کے ہی خاندان کا فرد تھا۔سلطان ایوبی نے انہیں ضروری ہدایات دیں۔وہاں کی فوج کو اپنی فوج کا حصہ بنایا اور حکم دیا کہ اس علاقے سے مزید فوج تیار کی جائے۔

مئی ۱۱۸۳ء(محرم الحرام ۵۷۹ ہجری)میں سلطان ایوبی نے دیارِ بکر کو اپنی عمل داری میں لیا اور حلب کی سمت کوچ کیا۔

اس کے سب سے بڑے دشمن حلب کا والی عماد الدین اور موصل کا والی عزالدین تھے۔اب وہ ان کی طرف توجہ دینا چاہتا تھا۔

نہ میں تمہاری، نہ مصر تمہارا

فتح حاصل کر کے کون خوش نہیں ہوتا؟ سلطان صلاح الدین ایوبی کو کسی معرکے، محاصرے یا بڑی جنگ میں فتح ہوتی تھی تو اس کے چہرے پر نورانی سی رونق آ جاتی تھی۔ اس کی فوج جشن مناتی، سپاہی رقص کرتے، گاتے اور راتوں کو سوتے تھے۔ بکرے، دُنبے اور اونٹ ذبح ہوتے۔ سپاہی خود پکاتے اور سلطان ایوبی اُن کے لیے مشروبات کے مٹکے کھول دیا کرتا تھا، مگر ۱۱۸۳ء (۵۷۹ ہجری) کے دوران اُس کے چہرے پر رونق نہیں تھی، نہ ہی اس کی فوج جشن منا رہی تھی، حالانکہ اُس نے ایک سال کے عرصے میں متعدد قلعے سر کر لیے اور شاہ آرمینیا جیسے طاقتور حکمران سے شکست کے عہدنامے پر دستخط کرا کے اُس سے اپنی شرائط منوائی تھیں۔

مورخوں نے اس دور کو سلطان ایوبی کی فتوحات کا دور کہا ہے مگر اس کی جذباتی کیفیت یہ تھی جیسے ہر فتح کے بعد اس کے چہرے پر بڑھاپے کی ایک لکیر کا اضافہ ہو گیا ہو۔ یہ لکیریں بڑھاپے اور اُداسی کی تھیں۔ وہ ان میں سے کسی ایک فتح اور کسی ایک کامیابی پر بھی خوش نہ تھا۔ اُسے جب چھاپہ ماروں کا سالار صارم مصری فاتحانہ انداز سے رپورٹ دیتا تھا کہ گزشتہ رات چھاپہ ماروں نے فلاں جگہ شب خون مار کر دشمن کو اتنا نقصان پہنچایا ہے تو سلطان ایوبی آہستہ سے سر ہلا کر اُسے خراجِ تحسین پیش کرتا اور پھر اس کا سر یوں جھک جاتا تھا جیسے اُس کے ضمیر پر ایسا بوجھ آ پڑا ہو جو اس کی برداشت سے باہر ہو۔

''مجھے مبارک باد اُس روز کہنا جس روز تم صلیبیوں کو شکست دو گے''...... ایک روز سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا۔ وہ اُسے دیارِ بکر کی فتح کے بعد مبارک باد کہنے آئے تھے۔ اس روز تو اس کی آنکھیں لال ہو گئیں جیسے وہ آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اُس نے کہا...... ''تم محسوس نہیں کر رہے کہ ہم گھروں سے نکلے تھے، صلیبیوں کو شکست دینے اور انہیں اپنی سرزمین سے نکالنے کے لیے مگر اُنگلیوں پر گنو کہ تم کتنے برسوں سے اپنے ہی بھائیوں سے لڑ رہے ہیں اور حساب کرو کہ ہم ایک دوسرے کا کتنا خون بہا چکے ہیں۔ کیا تم اُسے فتح کہتے ہو؟ میں اس خانہ جنگی میں جو بھی فتح حاصل کرتا ہوں، وہ میری اور تمہاری نہیں، وہ صلیبیوں کی فتح ہوتی ہے۔ جب دو بھائی آپس میں لڑتے ہیں تو خوشی اور کامیابی اُن کے دشمن کی ہوتی ہے۔ میں اُسے فتح نہیں کہتا جو ہم نے اپنے بھائیوں پر حاصل کی ہے''۔

''صلیبی کیوں دبک گئے ہیں؟''...... ایک سالار نے کہا...... ''ہم آپ کو ان پر بھی فتح حاصل کر کے دکھا دیں گے''۔

''انہیں وہاں سے نکلنے اور لڑنے کی کیا ضرورت ہے، جہاں وہ دبک کر بیٹھ گئے ہیں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''جنگ کا پہلا اصول کیا ہے؟...... دشمن کی عسکری قوت کو تباہ کرنا۔ صلیبیوں نے ہماری عسکری قوت کو ہمارے بھائیوں کے ہاتھوں تباہ کرانے کا کامیاب انتظام کر رکھا ہے۔ ہم آپس میں لڑ لڑ کر کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور صلیبی اس صورتِ حال سے اور اس وقت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے روز بروز طاقتور ہوتے جا رہے ہیں۔ فلسطین پر اُن کا قبضہ مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ حکمرانی سدا اللہ کی ہے مگر حکمرانی کا نشہ جب انسان پر طاری ہوتا ہے تو مذہب اور ملت کا وقار تو دُور کی بات

ہے، وہ اپنی بیٹیوں کو ننگا نچانے لگتا ہے۔ جھوٹ اور فریب کاری کو وہ جائز اور ضرورت سمجھنے لگتا ہے۔ صلیبی اُمت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ریاستوں میں تقسیم کرتے چلے جارہے ہیں اور اللہ کی فوج کو ان ریاستوں میں تقسیم کر کے اسلام کی عسکری قوت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں''۔

''ہمیں اِن علاقوں سے فوج کے لیے بہت بھرتی مل رہی ہے''...... ایک سالار نے کہا...... ''بڑے اچھے سپاہی اور سوار بڑی خوشی سے آرہے ہیں''۔

''لیکن مجھے اس کی کوئی خوشی نہیں''...... سلطان ایوبی نے سب کو چونکا دیا۔ اس نے کہا...... ''یہ لوگ صرف اس لیے ہماری فوج میں بھرتی ہورہے ہیں کہ جس شہر کو فتح کیا جاتا ہے، وہاں ہماری فوج لوٹ مار کرتی ہے اور وہاں سے حسین عورتیں ملتی ہیں''۔

''ہم نے اپنی فوج کو ایسی لوٹ مار اور آبروریزی کی اجازت کبھی نہیں دی''...... ایک اور سالار نے کہا۔

''مگر ہمارا دشمن ہماری فوج کے خلاف یہی مشہور کر رہا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو لوٹ مار کی اور مفتوح کی جوان لڑکیاں اُٹھالے جانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ دشمن نے ہماری فوج کے خلاف یہ بے بنیاد باتیں اس لیے مشہور کر رکھی ہیں کہ خود مسلمانوں کے دِلوں میں اسلامی فوج کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے اور ہمیں کہیں سے بھی لوگوں کا تعاون نہ ملے، بلکہ ہم جس شہر کا محاصرہ کریں وہاں کے لوگ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہماری اس فوج کے خلاف لڑیں جو اسلامی فوج ہے اور جو ہر لحاظ سے حزب اللہ کہلانے کی حق دار ہے۔ یاد رکھو میرے دوستو! قوم بغیر فوج کے اور فوج قوم کے والہانہ تعاون کے بغیر دشمن کے لیے آسان ہوتی ہے۔ اپنے دشمن کو پہچانو۔ تمہارا دشمن دانش مند ہے۔ اُس نے ہماری قوم اور فوج میں منافرت پیدا کرنے کا بڑا اچھا اہتمام کیا ہے۔ قرآن نے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کا حکم صرف قوم یا صرف فوج کو نہیں دیا۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار قوم اور فوج مل کر بنتی ہے۔ اس دیوار میں شگاف ڈالنے کا یہ طریقہ کارگر ہے کہ فوج کو نااہل، بزدل، زانی اور ڈاکو کہہ کر قوم کی نظروں سے گرا دیا جائے''۔

''دیارِ بکر کے لوگوں پر تو ایسا کوئی اثر نہیں دیکھا''...... صارم مصری نے کہا...... ''انہیں جونہی پتہ چلا کہ محاصرہ کرنے والے ہم ہیں اور اُن کا حکمران اپنی فوج کو اسلامی فوج کے خلاف لڑا رہا ہے تو لوگوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے تھے''۔

''وہاں ہمارے جاسوس زیادہ تعداد میں تھے''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''وہاں کی تمام بڑی مسجدوں کے امام ہمارے آدمی تھے۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں کو صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے وعظ نہیں دیئے۔ اس کے ساتھ وہ لوگوں کو صلیبیوں کے عزائم اور اپنے ایمان فروش اُمراء اور حاکموں کے متعلق بھی بتاتے رہے ہیں اور یہ بھی کہ جب ایک مسلمان دوسرے کا خون بہاتا ہے تو عرشِ معلّٰی لرز جاتا ہے اور خدا اس بستی پر اپنا قہر نازل کرتا ہے جہاں کے مسلمان مسلمانوں کے خلاف لڑتے اور خون بہاتے ہیں۔ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ دیارِ بکر میں صلیبیوں کے جاسوس اور تخریب کار بھی درویشوں، صوفیوں اور عالموں کے بہروپ میں موجود تھے اور نظریاتی تخریب کاری کر رہے تھے لیکن ہمارے آدمیوں نے ان میں بعض کو خفیہ طریقوں سے اغوا اور قتل کیا اور اُن کی آواز کو بے کار کر دیا، مگر ہم اس وقت جس علاقے میں ہیں، یہاں صلیبیوں کی تخریب کاری کامیاب ہورہی ہے''۔

''یہ جو سپاہی اور سوار لوٹ مار کے لالچ سے بھرتی ہورہے ہیں، کیا یہ پوری فوج کو خراب نہیں کریں گے؟''

سالار نے پوچھا۔

''تم نے دیکھا نہیں کہ انہیں کس قسم کی تربیت دی جارہی ہے؟''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں نے تمہیں تربیت اور جنگی مشقوں کا جو نیا طریقہ بتایا ہے، وہ انہیں صحیح سوچ پر لے آئے گا۔ میں فوج میں ان کی تقسیم ایسے طریقے سے کررہا ہوں کہ یہ فوج پر نہیں بلکہ فوج ان پر اثر انداز ہوگی۔ تم بہت جلدی میرا یہ تحریری حکم بھی دیکھ لو گے کہ مفتوحہ علاقے میں اپنا کوئی سپاہی لوٹ مار کرتا یا کسی عورت پر ہاتھ ڈالتا دیکھا جائے تو اُسے تیر کا نشانہ بنا دیا جائے یا قریب جاکر اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ دشمن کے بے بنیاد الزامات کو غلط ثابت کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ فوج اپنے کردار سے مفتوح لوگوں پر اور اپنی قوم پر بھی دل موہ لینے والا اثر پیدا کرے۔ مجھے یہی خطرہ نظر آرہا ہے کہ صلیبی اور یہودی ہر دور میں اسلام کی فوج اور قوم کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ قوم کی کردارکشی الگ اور فوج کی الگ کریں گے اور اس طرح دونوں کا ایمان اور قومی جذبہ برباد کرکے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنائے رکھیں گے۔ یہ کام وہ مسلمانوں کے ہاتھوں کرائیں گے''۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی دریائے فرات کے کنارے خیمہ زن تھا۔ اس نے کئی ایک چھوٹی مسلمان ریاستوں کے حکمرانوں کو مطیع بنالیا اور متعدد قلعوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ یہ وہ مسلمان حکمران تھے جو درپردہ صلیبیوں کے دوست اور سلطان ایوبی کے مخالف تھے۔ سلطان ایوبی کی منزل بیت المقدس تھی جس پر صلیبیوں نے قبضہ کرکے اسے یروشلم کا نام دے رکھا تھا مگر اپنے مسلمان حکمران اور اُمراء سلطان ایوبی کے راستے میں حائل ہوگئے تھے۔ سلطان ایوبی فوج کو چند دن آرام دینے کے لیے فرات کے کنارے رُک گیا تھا، وہاں گھوڑوں، خچروں، اونٹوں اور رسد کی کمی پوری کی جارہی تھی۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے سلطان ایوبی فرات کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ اس کے ساتھ گھوڑ سوار دستوں کا سالار اور چھاپہ مار دستوں کا سالار صارم مصری تھا۔ اُن سے کچھ دُور سفید جُبّے میں ملبوس ایک آدمی کھڑا تھا جس نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا رکھے تھے۔ سلطان ایوبی اُدھر چل پڑا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہاں چار قبریں ہیں۔ ان میں سے ایک قبر کے سرہانے ایک ڈنڈا گڑا تھا اور اس کے ساتھ لکڑی کی ایک تختی تھی جس پر لال رنگ سے عربی زبان میں لکھا تھا:

عمر الملوک

اللہ تیری شہادت قبول کرے

نصر الملوک

اس کے ساتھ کی قبر پر بھی ایسی ہی تختی لگی ہوئی تھی جس پر اسی قسم کی لال تحریر تھی!

نصر الملوک

اللہ میری شہادت قبول کرے

سلطان ایوبی نے دونوں تحریریں پڑھیں اور اس آدمی کی طرف دیکھا جو قبروں پر فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ وہ وضع اور لباس سے عالم فاضل لگتا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس کی طرف دیکھا تو اُس نے ذرا جھک کر کہا...... ''میں اس گاؤں کا امام ہوں، جہاں کہیں پتہ چلتا ہے کہ شہید کی قبر ہے وہاں چلا جاتا ہوں اور فاتحہ پڑھتا ہوں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ جس جگہ شہید کے خون کا قطرہ گرتا ہے وہ جگہ مسجد جتنی مقدس ہوجاتی ہے۔ میں لوگوں کو یہی بتایا کرتا ہوں کہ مجاہد وہ عظیم شخصیت ہے جس کے گھوڑے کے سموں کی اُڑائی ہوئی گرد کا احترام خدا نے بھی کیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کو خدائے ذوالجلال نے افضل عبادت کہا ہے''۔

''مگر اللہ کے نام پر جانیں قربان کرنے والے ایسے ہی گمنام لوگ ہوتے ہیں جن کی قبریں آپ دیکھ رہے ہیں۔تاریخ میں اُن کا نہیں میرا نام آئے گا مگر مجھے عظمت دینے والے یہ لوگ تھے''.....اُس نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھا اور قبروں کی دونوں تختیوں کی تحریروں پر ہاتھ پھیر کر کہا.....''یہ الفاظ لال رنگ میں اُنگلی ڈبو کر لکھے گئے ہیں۔لکھنے والا ایک ہی آدمی معلوم ہوتا ہے''۔

''لال رنگ نہیں سلطان محترم!''..... چھاپہ ماروں کے سالار صارم مصری نے کہا.....''یہ خون ہے۔عمرالملوک کی قبر کی تختی نصرالملوک نے اپنے خون سے لکھی تھی اور اس نے اپنے ہی خون سے اپنی قبر کی بھی تختی لکھی اور شہید ہو گیا تھا۔سولہ سترہ دِن گزرے، رات کو دریا سے ہم نے ایک بہت بڑی کشتی پکڑی تھی، جس میں دشمن کے چھاپہ ماروں کے لیے رسد جا رہی تھی۔آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تھی۔یہ کشتی ہمارے آٹھ چھاپہ ماروں نے پکڑی تھی۔ان میں سے یہ چار شہید ہو گئے تھے۔ہمیں پہلے اطلاع مل گئی تھی کہ ایک بڑی کشتی رات کو گزرے گی جس میں دشمن کی رسد اور اسلحہ ہوگا۔میں نے اپنے آٹھ چھاپہ مار بھیجے۔یہ ایک چھوٹی سی کشتی میں تھے.....

''آدھی رات دوسرے کنارے کے ساتھ ساتھ وہ کشتی جا رہی تھی۔ہمیں اطلاع ملی تھیں کہ اس میں چار پانچ آدمی ہوں گے لیکن ہمارے چھاپہ ماروں کی کشتی اُس کے قریب گئی تو اُس میں کم و بیش بیس آدمی تھے۔اس سے پہلے کہ ہمارے یہ چھاپہ مار دشمن کی کشتی میں کود جاتے۔دشمن کے آدمی جو تلواروں سے مسلح تھے، ہماری کشتی میں کود آئے۔ہمارے یہ چھاپہ مار دریائی چھاپوں کا تجربہ رکھتے تھے۔وہ اپنی کشتی سے دریا میں کودے اور دشمن کی کشتی پر چڑھ کر اس کے بادبانوں کے رسّے کاٹ دیئے۔دونوں کشتیوں میں خون ریز معرکہ لڑا گیا۔ہمارے چھاپہ ماروں نے بڑی کشتی سے اپنی کشتی پر تیر پھینکے جس میں دشمن کے آدمی تھے۔بہر حال ہمارے جانباز عقل اور داؤ پیچ سے معرکہ لڑ کر دونوں کشتیاں لے آئے۔دشمن کے آدمی جو مرے نہیں تھے، دریا میں کود کر دوسرے کنارے پر چلے گئے.....

''کشتیاں کنارے لگیں۔مجھے اطلاع ملی تو میں انہیں دیکھنے گیا۔صبح طلوع ہو رہی تھی۔ایک کشتی میں عمرالملوک کی اور اس کے دو ساتھیوں کی لاشیں تھیں اور باقی سب زخمی تھے۔نصرالملوک سب سے زیادہ زخمی تھا۔دو گہرے زخم برچھی کے اور تین زخم تلوار کے تھے۔وہ ہوش میں تھا۔مرہم پٹی کے لیے لے گئے تو اُس نے مجھ سے کہا کہ اُسے ایک تختی دی جائے جو وہ اپنے دوست کی قبر پر لگانا چاہتا ہے۔میں نے ترکھانوں سے اُسے تختی منگوا دی۔اس دوران اُس نے اپنی مرہم پٹی نہ ہونے دی۔تختی آئی تو اس نے اپنے خون میں شہادت کی اُنگلی ڈبو ڈبو کر عمرالملوک کا نام اور یہ تحریر لکھی اور تختی مجھے دے کر کہا کہ یہ عمر کی قبر پر لگا دی جائے۔میں نے یہ تختی ایک ڈنڈے کے ساتھ لگا کر عمرالملوک کی قبر کے سرہانے لگا دی.....

''نصرالملوک کے زخموں سے خون نکلتا رہا۔بند نہیں ہو رہا تھا۔تیسرے دِن اُس کی حالت بگڑ گئی۔میں اُسے دیکھنے آیا تو جراح نے مایوسی کا اظہار کیا۔خود نصرالملوک کو محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔اُس نے مجھے کہا کہ اُسے ویسی ہی ایک تختی دی جائے۔میں نے تختی منگوا دی۔اُس نے تختی اپنے پاس رکھ لی۔رات کو مجھے اطلاع ملی کہ نصر شہید ہو گیا ہے۔میں گیا تو اُس کے ایک زخمی ساتھی نے تختی مجھے دی اور بتایا کہ نصر نے اپنے ایک زخم سے پٹی کھول لی۔خون نکل رہا تھا۔اُس نے اپنے خون میں اُنگلی ڈبو ڈبو کر یہ تحریر لکھی.....''نصرالملوک..... اللہ میری شہادت قبول کرے''.....اُس کے ساتھی نے بتایا کہ نصر نے کہا تھا کہ اُسے اپنے دوست عمرالملوک کے پہلو میں دفن کیا جائے۔اس طرح یہ دونوں تختیاں ایک ہی شہید کے خون سے لکھی گئی ہیں''۔

''یہ دونوں مملوک تھے محترم امام!''......سلطان ایوبی نے امام سے کہا......''آپ جانتے ہوں گے کہ مملوک کس نسل سے ہیں۔ یہ اُن غلاموں کی نسل سے ہیں جنہیں آزاد کرا دیا گیا تھا۔ ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلامی کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا تھا کہ انسان انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ ذرا دیکھو، ان غلاموں نے کیسا کارنامہ کر دکھایا ہے۔ یہ آٹھ تھے لیکن بیس آدمیوں سے اتنی بڑی کشتی چھین کر لے آئے ہیں۔ مجھے اپنی فوج میں مملوکوں اور ترکوں پر جتنا بھروسہ ہے اور کسی پر نہیں''۔

''اب انسان پھر انسان کا غلام بنتا جا رہا ہے''...... امام نے کہا...... ''حکمرانی حاصل کرنے کے جتن اسی لیے کیے جاتے ہیں کہ انسانوں کو غلام بنایا جائے لیکن انسان سمجھتا نہیں کہ تخت و تاج نے کسی کے ساتھ کبھی وفا نہیں کی۔ فرعون بھی مٹی میں مل گئے۔ خدا نے ہر اُس انسان کو عبرت ناک سزا دی ہے جس نے تخت و تاج سے پیار کیا اور ہر اُس انسان کا خون بہایا جس سے اُسے اپنی بادشاہی کے لیے خطرے کی بو آئی''۔

سلطان ایوبی کے محافظ دستے کا کمانڈر ایک آدمی کو ساتھ لیے آ رہا تھا۔ اس آدمی کی حالت بتا رہی تھی کہ بڑے لمبے سفر سے آیا ہے۔ کمانڈر نے قریب آ کر کہا......''قاہرہ سے قاصد آیا ہے''۔

''کیا خبر لائے ہو؟''......سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا۔

''خبر اچھی نہیں''......قاصد نے کہا اور کمر بند سے ایک کاغذ نکال کر سلطان ایوبی کو دیا۔

سلطان ایوبی اپنے خیمے کو چل پڑا۔

☆

خیمے میں بیٹھ کر اس پیغام کو کھولا۔ یہ اس کے جاسوسی اور سراغ رسانی کے سربراہ علی بن سفیان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ لکھا تھا......''ہمارا سب سے زیادہ دین دار اور دلیر نائب سالار حبیب القدوس دس دنوں سے لاپتہ ہے۔ صلیبیوں کی تخریب کاری زوروں پر ہے۔ ہم یہاں زمین دوز جنگ لڑ رہے ہیں۔ ایمان فروشوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس مسئلے پر آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم دشمن کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ پریشانی حبیب القدوس نے پیدا کر دی ہے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ اس کا صرف لاپتہ ہو جانا پریشان کن نہیں۔ ہم ایک اور خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ حبیب القدوس کے ماتحت جتنے دستے ہیں، وہ ان میں اتنا ہر دل عزیز ہے کہ سپاہی اس کے اشارے پر جانیں قربان کرتے ہیں۔ اگر وہ خود دشمن سے جا ملا ہے تو یہ خطرہ ہے کہ وہ اپنے دستوں کو جو اس کے زیرِ اثر ہیں، سلطنت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر سکتا ہے۔ میں اُسے تلاش کرنے کی کوششوں سے دستبردار یا مایوس نہیں ہوا۔ میں آپ سے صرف یہ اجازت لینا چاہتا ہوں کہ اگر تلاش کے دوران وہ سامنے آ جائے اور ضرورت محسوس ہو کہ اُسے مار ڈالا جائے تو اُسے مار دیا جائے۔ آپ کے قائم مقام امیر مصر نے اس کی اجازت نہیں دی۔ صرف یہ اجازت دی ہے کہ میں آپ کو براہ راست خط لکھ کر اجازت لے لوں۔ اگر میں اسے تلاش نہ کر سکا تو آپ مجھ سے باز پرس کریں گے اور اگر وہ میرے ہاتھ سے مارا گیا تو بھی آپ پسند نہیں کریں گے۔ اس نائب سالار کا ہمارے دشمن کے پاس رہنا ہمارے لیے بہت بڑا خطرہ ہے''۔

سلطان ایوبی نے اُسی وقت کاتب کو بلایا اور پیغام کا جواب لکھوانے لگا:

''عزیز علی بن سفیان! تم پر خدا کی رحمت ہو۔ حبیب القدوس پر مجھے اتنا ہی اعتماد تھا جتنا تم پر ہے، جو انسان اپنا ایمان فروخت کرنے پر آ جائے وہ خدا سے نہیں ڈرتا، وہ مجھ جیسے حقیر انسان کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ ایمان ایک قوت ہے مگر

یہ ہیرے اور جواہرات کی طرح چمکتا نہیں۔ اس میں عورت کے حسن و جمال کی کشش نہیں اور ایمان تخت اور تاج بھی نہیں۔ جب انسان پر دُنیا کی لذتوں کا سرور اور زر و جواہرات کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے تو ایمان سے دست بردار ہونے میں کچھ وقت نہیں لگتا...... حبیب القدوس کو تلاش کرنے کی کوشش کرو، اگر کبھی ضرورت محسوس ہو کہ اُسے قتل کر دیا جائے تو تمہیں میری طرف سے اجازت لیکن یہ معلوم کرنے کی بھی کوشش کرنا کہ اُسے اغوا تو نہیں کیا گیا؟ حالات تمہاری نظر میں ہیں۔ جو بہتر سمجھو وہ کرو۔ مفاد سلطنت اور مذہب مقدم ہے۔ ایک انسان کی زندگی اور موت اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی، جہاں فوج کی اتنی زیادہ تعداد ماری جارہی ہے، سپاہی اپنی جانیں دے رہے ہیں وہاں ایک غدار حاکم کو مار دینے سے پہلے اتنا زیادہ نہ سوچو کہ تمہارا قیمتی وقت اس پر صرف ہوتا رہے۔ اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتے رہو۔ ہم سب گنا ہگار ہیں۔ پاک ذات صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ تم حق پر ہو تو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

سلطان ایوبی نے پیغام کے نیچے اپنی مہر لگائی اور پیغام قاصد کے حوالے کر دیا اور اُسے کہا کہ وہ رات بھر آرام کر کے علی الصبح روانہ ہو جائے۔

وہ تاریخ اسلام کا پُر آشوب دَور تھا۔ ادھر سرزمین عرب مسلمانوں کے خون سے لال ہو رہی تھی۔ صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمانوں میں غدار اور سازشی پیدا کر کے مسلمانوں کو خانہ جنگی میں اُلجھا دیا تھا۔ اُدھر مصر میں بھی کفار مسلمان حاکموں میں غدار پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ لوگوں میں سلطان ایوبی کی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کر رہے تھے اور سلطان ایوبی کی فوج پر بڑے ہی شرمناک الزامات کی تشہیر کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ مُہم زمین دوز طریقے سے چلا رکھی تھی۔ علی بن سفیان اور قاہرہ کا کوتوال غیاث بلبیس اس مہم کے اثرات زائل کرنے اور مجرموں کو پکڑنے میں سرگرم رہتے تھے۔

ایک نائب سالار کا غائب ہو جانا معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اُس کا کچھ بھی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ حبیب القدوس کے متعلق کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بھی غدّاری کا مرتکب ہوسکتا ہے لیکن اس دَور میں غداری ایک عام سی چیز بن کے رہ گئی تھی۔ حبیب القدوس لاپتہ ہوا تو سب نے یہی کہا کہ وہ کوئی فرشتہ تو نہیں تھا۔ اس کی تین بیویاں تھیں اور یہ کوئی معیوب امر نہیں تھا۔ اس کی حیثیت کے حاکموں نے چار چار بیویاں رکھی ہوئی تھیں اور جو ذرا زندہ دل تھے، ان کے ہاں ایک دو داشتہ عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ حبیب القدوس کی زندگی میں شراب اور راگ رنگ کا ذرہ بھر دخل نہ تھا۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا اور میدانِ جنگ میں دشمن کے لیے سراپا قہر۔ شجاعت کے علاوہ فنِ حرب وضرب میں مہارت رکھتا تھا۔ جنگی منصوبہ بندی ایسی کہ کم سے کم نفری سے کثیر تعداد دشمن کا ستیاناس کر دیتا تھا۔

اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اپنے دستوں میں ہر دل عزیز تھا۔ اس کے ماتحت جو کمان دار اور سپاہی تھے اُن کے لڑنے کا انداز یہ ہوتا تھا جیسے وہ حکم سے نہیں عقیدت سے لڑ رہے ہوں۔ بعض اوقات تو یہ گمان ہوتا تھا کہ یہ دستے اُس کی ذاتی فوج ہیں اور یہ سلطان ایوبی کے حکم سے نہیں، حبیب القدوس کے اشارے پر ہی لڑتے ہیں۔ اُن کی تربیت س نے اتنی سخت کر رکھی تھی اور انہیں اتنی جنگی مشقیں کراتا تھا کہ آج کی زبان میں یہ "کریک ٹروپس" بن گئے تھے۔ لُن ا نفری تین ہزار پیادہ اور دو ہزار سوار تھی۔ تیر اندازی میں اتنے ماہر جیسے اندھیرے میں آواز پر تیر چلائیں تو تیر بولنے لے کے منہ میں لگے۔

علی بن سفیان جاسوسی اور سراغ رسانی کا ماہر تھا۔ غیاث بلبیس کوتوال تھا اور سول انٹیلی جنس میں مہارت رکھتا ۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ حبیب القدوس کو دشمن نے اُس کی اسی خوبی کی وجہ سے اپنے جال میں لیا ہے کہ وہ اپنے

پانچ ہزار نفری کے دستوں کو باغی کر سکے گا۔ پانچ ہزار نفری معمولی نفری نہیں تھی۔ ان دستوں کو نہتہ کر دینے کی بھی تجویز پیش ہوئی تھی جو علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے یہ دلیل دے کر مسترد کر دی تھی کہ اس طرح یہ باغی نہ ہوئے تو بھی باغی ہو جائیں گے۔ اس کی بجائے انہوں نے اِن دستوں میں کسی نہ کسی بہروپ میں اپنے جاسوس چھوڑ دیئے تھے جو بارکوں میں سپاہیوں کی گپ شپ سنتے رہتے تھے۔ کمان داروں پر بھی اُن کی نظر تھی۔

گہری نظر حبیب القدوس کے گھر پر رکھی گئی تھی۔ اس کی تین بیویوں میں ایک کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان تھی اور دو چوبیس پچیس سال کی تھیں۔ ان سے پوچھا گیا۔ انہوں نے اتنا ہی بتایا تھا کہ ایک شام اس کے پاس دو آدمی آئے تھے۔ حبیب القدوس اُن کے ساتھ نکل گیا تھا، پھر واپس نہیں آیا۔ ملازموں سے بھی بہت گہری تفتیش کی گئی۔ ان سے بھی کوئی سراغ نہ ملا۔ بیویوں کے متعلق در پردہ معلوم کیا گیا۔ ان میں کوئی بھی مشکوک نہیں تھی۔ صرف اتنا پتہ چلا کہ چھوٹی عمر کی دو بیویوں میں سے ایک کے ساتھ جس کا نام زہرہ تھا، اُسے سب سے زیادہ پیار تھا۔ یہ اُس کے ایک سوار دستے کے کمان دار کی بیٹی تھی۔

اس کمان دار سے پوچھا گیا کہ اس نے اپنی عمر کے آدمی کو اپنی جوان بیٹی کیوں دی تھی؟ کیا حبیب القدوس نے اُسے ماتحت سمجھ کر مجبور کیا تھا؟۔

''نہیں''۔ کمان دار نے جواب دیا...... ''نائب سالار حبیب القدوس اسلام اور جہاد کے اتنے ہی متوالے ہیں جتنا میں ہوں۔ میں نے اُن کے ساتھ لڑائیاں لڑی ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مومن کی تلوار نیام سے نکل آئے تو نیام میں اس وقت تک نہیں آنی چاہیے جب تک دشمن کا ایک بھی سپاہی سامنے موجود ہے اور وہ کہا کرتے تھے کہ کفر کا فتنہ ختم ہونے تک جہاد جاری رہتا ہے۔ غداروں سے وہ اتنی نفرت کرتے تھے کہ ایک سرحدی لڑائی میں سوڈانیوں نے اچانک حملہ کیا تو ہمارے دو سوار بھاگ اُٹھے۔ نائب سالار نے دیکھ لیا، انہیں پکڑنے کا حکم دیا۔ انہیں پکڑ لائے۔ نائب سالار نے اُن سے کچھ پوچھے اور کہے بغیر دونوں کو انہی کے گھوڑوں کے پیچھے اپنے ہاتھوں سے باندھا اور گھوڑوں پر دو سوار بٹھا کر حکم دیا کہ گھوڑے دوڑاؤ اور رُکو اُس وقت جب گھوڑے خود تھک کر رُک جائیں......

''جب گھوڑے واپس آئے تو اُن کا پسینہ بہہ رہا تھا اور سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ اِن کے پیچھے بندھے ہوئے سپاہیوں کا یہ حال تھا کہ اُن کے جسم پر کپڑے نہیں تھے اور اُن کی کھالیں اُتر گئی تھیں۔ جسم پر گوشت بھی پورا نہیں تھا۔ لڑائی اس طرح ختم ہوگئی تھی کہ سوڈانیوں میں سے زیادہ تر مارے گئے، کچھ پکڑے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ حبیب القدوس نے تمام دستوں کو اکٹھا کر کے ان سپاہیوں کی لاشیں دکھائیں اور کہا کہ اللہ کی راہ میں لڑنے سے بھاگنے والوں کی یہ سزا دُنیاوی ہے، اگلے جہان اُن کے جسم سالم ہوں گے اور انہیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا......

''ہم سب جہاد اور شہادت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ ایک روز میری بیٹی میرے ساتھ تھی۔ میں نے اپنی بیٹی کو بھی وہی تربیت دے رکھی ہے جو باپ نے مجھے دی تھی۔ میرا ایک بیٹا اس وقت سلطان کی فوج کے ساتھ شام میں ہے۔ میں اپنی بیٹی کو بتایا کرتا تھا کہ ہمارے نائب سالار حبیب القدوس سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے مجاہد ہیں۔ میری بیٹی کو اس روز نائب سالار نے دیکھ لیا اور پوچھا کہ یہ کون ہے۔ میں نے بتایا کہ یہ میری بیٹی ہے اور یہ مجاہدہ ہے۔ بہت دِنوں بعد انہوں نے مجھے کہا کہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے اپنی بیٹی کی ماں سے بات کی تو اُس نے کہا کہ بیٹی پہلے ہی کہتی ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے جو اسلام کی پاسبانی میں اپنی جان کی بازی لگانے والا ہو۔ اس طرح میں نے بڑی خوشی سے اپنی بیٹی کی شادی نائب سالار سے کر دی اور میری بیٹی نے انہیں دِلی طور پر قبول کر

لیا۔ اب سنا ہے کہ وہ لاپتہ ہیں۔ میں آپ کو یقیناً کے ساتھ کہتا ہوں کہ اُن کے متعلق اگر دِل سے کسی کو رنج ہے تو وہ صرف میری بیٹی ہے۔ وہ اسی کو زیادہ چاہتے تھے۔ باقی دو بیویاں کہتی ہیں کہ یہ مر گیا تو کسی اور کے ساتھ شادی کر لیں گی"۔

☆

"مجھے اب یقین سا ہونے لگا ہے کہ اُس کا دماغ ہمارے قبضے میں آ گیا ہے"...... یہ آواز قاہرہ سے بہت دُور اُن کھنڈروں سے اُبھری تھی جہاں کسی فرعون نے اپنے زمانے میں محل بنایا تھا۔ اُس زمانے میں یہ جگہ بہت خوب صورت اور سرسبز ہوگی۔ علاقہ پہاڑی تھا اور دریائے نیل کے کنارے پر تھا۔ پہاڑیوں پر درخت اور سبزہ تھا اور وہاں دریا کچھ اندر کو آ جاتا تھا۔ کسی فرعون نے یہ محل بنایا تھا۔ سلطان کے دور میں یہ ڈراؤنا کھنڈر بن چکا تھا۔ دیواروں اور ستونوں پر کائی اُگی ہوئی تھی۔ چیلوں جتنے بڑے چمگادڑوں کے سیاہ بادل اس کھنڈر میں سمٹے رہتے تھے۔ کھنڈروں کے برآمدوں اور کمروں میں انسانی ہڈیاں اور کھوپڑیاں بکھری ہوئی تھی۔ اُس دور کے ہتھیار بھی اِدھر اُدھر پڑے نظر آتے ہیں۔ اُدھر اب کوئی نہیں جاتا تھا۔ مشہور ہو گیا تھا کہ وہاں جنوں، چڑیلوں اور بدروحوں کا بسیرا ہے جو زندہ انسانوں کا شکار کرتی ہیں۔

اس ہولناک کھنڈر میں جس کے میلوں دُور سے بھی کوئی نہیں گزرتا تھا، ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ مجھے اب یقین سا ہونے لگا ہے کہ اس کا دماغ ہمارے قبضے میں آ گیا ہے۔ پھر اُس نے کہا...... "نہیں آئے گا تو یہاں سے زندہ نہیں نکلے گا"۔

"ہم اُسے اس لیے نہیں لائے کہ یہاں لا کر اُسے قتل کر دیں"...... دوسرے نے کہا...... "اگر قتل کرنا ہوتا تو اُسے اُس کے گھر سے اُٹھانے اور اتنی دُور لانے کی بجائے وہیں قتل نہ کر دیتے؟ اُسے اس کام کے لیے تیار کرنا ہے جس کے لیے اسے لائے ہیں"۔

"حشیش اپنا کام کر رہی ہے"۔

"تم کسی کو نشہ پلا کر اُس سے ایسی باتیں کرا سکتے ہو جن کا اُس کی عقل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حشیش سے تم کسی کے ایمان اور نظریئے کو نہیں بدل سکتے۔ یہ شخص پانچ ہزار نفری کی جنگی قوت کا حامل ہے۔ ہمیں صرف اُسے نہیں، اُس کی پوری نفری کو اپنے ہاتھ میں لے لینا اور اسے مصری فوج کے خلاف لڑانا ہے، پھر مصر ہمارا ہوگا اور پھر صلاح الدین ایوبی کی حالت اُسی شیر جیسی ہوگی جو بہت سے شکاریوں کے گھیرے میں ہوگا۔ وہ سب کو چیر پھاڑ دینے کو جھپٹے گا مگر اُسے صرف موت ملے گی...... اگر سلطان ایوبی کا یہ نائب سالار حبیب القدوس اپنے دستوں کو اشارہ کر دے تو وہ کچھ سوچے بغیر اُس کا حکم مانیں گے"۔

حبیب القدوس اسی کھنڈر کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا جسے صاف کر لیا گیا تھا۔ اُس کے نیچے نرم گدے بچھے ہوئے اور اس کے پیچھے گول تکیے تھے۔ آسائش کا سارا سامان موجود تھا۔ اس کے سامنے ایک آدمی بیٹھا تھا جس نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال رکھی تھی اور وہ کہہ رہا تھا...... "مصر میری مملکت ہے۔ صلاح الدین ایوبی عراقی کرد ہے۔ اُس نے میری مملکت پر قبضہ کر رکھا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے میری مملکت کی حسین لڑکیوں سے اپنا حرم بھر رکھا ہے۔ میرے پانچ ہزار جانباز پورے مصر پر قبضہ کر لیں گے"۔

حبیب القدوس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی۔ اُس کے چہرے پر رونق تھی۔ وہ بڑبڑانے کے لہجے میں کہنے لگا...... "میری تلوار کہاں ہے؟ میرا گھوڑا تیار کرو۔ میں صلاح الدین ایوبی کو قتل کروں گا۔ میرے پانچ ہزار جانباز ایک دن میں مصری فوج سے ہتھیار ڈلوا لیں گے"۔

''صلیبی میرے دوست ہیں''...... اُس آدمی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے کہا...... ''وہ میری مدد کو آئیں گے۔ دوست وہ جو بُرے وقت میں مدد دے''۔

''میری تلوار کہاں ہے؟'' حبیب القدوس ذرا صاف آواز میں بولنے لگا...... ''مصر بہت خوب صورت ہو گیا ہے۔ مصر کی لڑکیاں زیادہ حسین ہو گئی ہیں۔ مصر میرا ہے۔ مصر میرا ہے''۔

ایک لڑکی اندر آئی جس کا لباس ایسا تھا کہ برہنہ لگتی تھی۔ اُس کے بال ملائم اور کھلے ہوئے تھے۔ اس کا جسم ہلکے گلابی رنگ کا اور سڈول تھا۔ وہ حبیب القدوس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے اپنا ایک بازو حبیب القدوس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ حبیب القدوس اپنا گال اُس کے ریشمی بالوں سے مَس کرنے لگا۔ اُس نے مخمور لہجے میں کہا...... ''مصر بہت حسین ہو گیا ہے''۔

لڑکی ایک طرف ہٹ گئی اور بولی...... ''لیکن مجھ پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہے''۔

حبیب القدوس نے لپک کر اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور اپنے قریب گھسیٹ کر بولا...... ''تم پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ تم میری ہو، مصر میرا ہے''۔

''جب تک صلاح الدین ایوبی زندہ ہے یا جب تک مصر پر اُس کی بادشاہی ہے، نہ میں تمہاری ہوں نہ مصر تمہارا ہے''۔

''میں اُسے قتل کر دوں گا''۔ حبیب القدوس نے کہا...... ''میں اُسے قتل کر دوں گا''۔

''رُک جاؤ''۔ ایک سخت غصیلی آواز کمرے میں گونجی۔ یہ ایک صلیبی تھا جو مصری زبان بول رہا تھا۔ یہ وہی تھا جسے کھنڈر میں کسی دوسری جگہ ایک مصری بتا رہا تھا کہ اب یقین ہونے لگا ہے کہ اس شخص (حبیب القدوس) کا دماغ ہمارے قبضے میں آ رہا ہے اور اُس نے کہا تھا کہ اسے حشیش کے نشے کے بغیر اپنے کام میں لانا ہے۔ وہ اس کمرے میں آیا جہاں حبیب القدوس کے دماغ کو حشیش کے نشے کے زیر اثر اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اُس نے غصے میں کہا...... ''تم حسن بن صباح کے پجاری حشیش اور خفیہ قتل کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے۔ لڑکی کو اس کے پاس رہنے دو اور تم میرے ساتھ آؤ''۔

وہ اس آدمی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ باہر لے جا کر اُسے کہا...... ''اب اُسے حشیش نہ دینا۔ اس کا نشہ اُتر جانے دو۔ ہمیں اس کے ہاتھوں صلاح الدین ایوبی کو قتل نہیں کرانا۔ ہمیں اس کے دستوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا ہے۔ میں بہت دیر سے پہنچا ورنہ اس کا یہ حال نہ ہونے دیتا۔ ہوش میں رکھ کر اسے صلاح الدین ایوبی کا دشمن بنانا ہے۔ تم لوگوں نے اُسے جس خوبی سے اغوا کیا ہے، اُس کی میں دل سے تعریف کرتا ہوں اور اس کی تمہیں اتنی قیمت دی جا رہی ہے جو پہلے تمہیں کہیں سے نہیں ملی ہوگی مگر تم نے اسے حشیش دے دے کر ہمارا کام مشکل بنا دیا ہے۔ اسے اب وہ سفوف اور شربت دو جس سے نشے کا اثر اُتر جاتا ہے''۔

☆

صلیبیوں کی جاسوسی اور تخریب کاری اور مسلمان نوجوانوں کی کردار کشی کے طریقے اناڑیوں والے نہیں تھے۔ اُن کے اُس فن کے ماہرین انسانی فطرت کی کمزوریوں اور مطالبات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اُن کی نظر سلطان ایوبی کی فوج اور انتظامیہ کے ہر افسر پر تھی۔ اُدھر عرب کے اُمراء، وزراء اور مختلف ریاستوں کے مسلمان حکمرانوں کی خامیوں سے بھی وہ آگاہ تھے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ حکمران اور حاکم اُن کے زیر اثر ہو جائیں اور سلطان ایوبی

کے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ یہودی اپنی دولت اور اپنی لڑکیوں کی صورت میں اُن کی پوری مدد کر رہے تھے۔ ان کفار کے ماہرین نے مسلمان حکمرانوں وغیرہ کو چند ایک زمروں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

ایک زمرے میں انہیں رکھا گیا تھا جو ایک دو خوب صورت اور شوخ لڑکیوں، شراب اور زر و جواہرات کے عوض اپنا ایمان بیچ ڈالتے تھے۔ دوسرے زمرے میں وہ تھے جو اپنی الگ ریاست بنا کر اس کے خود مختار بادشاہ بننے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ تیسرے میں وہ تھے جو ملک و ملت کے وفادار اور پکے مسلمان تھے۔ ان میں سے صلیبی یہ دیکھتے تھے کہ کون اثر و رسوخ والا ہے جسے ہاتھ میں لیا جائے تو وہ سلطان ایوبی کی خفیہ پالیسیوں اور پروگراموں سے قبل از وقت اطلاعات دے سکتا ہو اور اُن میں کون ایسا ہے جس کا فوج کے کچھ حصے پر اثر ہو اور وہ اس حصے کو اپنی سلطنت کے خلاف باغی کر سکتا ہو۔ ان پکے دین داروں اور مجاہدوں کو ہاتھ میں لینے کے لیے ان کے پاس کچھ طریقے تھے جن میں ایک اغوا کرنا ورا سے اپنا اتحادی بنانا تھا۔ ایک طریقہ قتل کا بھی تھا لیکن قتل کم ہی کرائے جاتے تھے۔ اگر ضرورت پڑے تو قتل حسن بن صباح کے پیشہ ور قاتلوں سے کرایا جاتا تھا۔

نائب سالار حبیب القدوس ایسا حاکم تھا جس کو قتل کرانے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے ہاتھ میں لینا تھا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ مصری فوج کی پانچ ہزار نفری اس کی مرید تھی۔ صلیبیوں کے مسلمان ایجنٹوں نے انہیں بتایا تھا کہ یہ شخص ایمان نہیں، جان دینے والا ہے اور اس میں اتنا شدید جذبہ اور غیر معمولی اہمیت ہے کہ اگر اسے اپنے انہی دستوں کے ساتھ ایک لاکھ کے لشکر کے خلاف لڑایا جائے تو شام کا سورج اتنی جلدی اُفق میں نہیں گرے گا جتنی جلدی اس کے آگے دشمن کی لاشیں اور ہتھیار گریں گے۔

صلیبیوں نے تجربہ کر لیا تھا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے کبھی اس کے پاس کوئی نوجوان اور غیر معمولی طور پر خوب صورت لڑکی ایک نادار، یتیم اور مظلوم لڑکی کے بہروپ میں مدد لینے کے لیے بھیجی۔ کبھی کسی لڑکی کو کسی اور ذاتی کام سے بھیجا۔ ضیافتوں اور کھیل تماشوں میں بڑی بڑی حسین لڑکیاں اُس کے پیچھے ڈالیں مگر وہ اس جال میں نہ آیا، جیسے پتھر ہو۔ مصر میں بغاوت کرانا صلیبیوں کے لیے ضروری ہو گیا تھا کیونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی شام اور فلسطین کے علاقوں کے بکھرے ہوئے مسلمان اُمراء کو دلائل سے یا تلوار سے اپنا مطیع بناتا چلا جا رہا تھا اور اُس کے بعد اسے فلسطین کا رُخ کرنا تھا۔ اُس کی توجہ فلسطین سے ہٹانے کے لیے ایک طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ مصر میں اُس کی جو فوج ہے اُسے بغاوت پر آمادہ کیا جائے۔

اس سے پہلے صلیبی سوڈانیوں کو مصری فوج کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔ سوڈانی فوج نے حملہ کیا تھا مگر سوڈانی فوج میں اکثریت وہاں کے حبشیوں کی تھی اور وہ توہم پرست تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ ہجوم کی صورت میں لڑتے اور ہجوم کی صورت میں بھاگتے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں مصر کے خلاف ہی رکھا، لیکن لڑنے کی نہ سوچی۔ اب بغاوت مصر کی فوج ہی سے کرائی جا سکتی تھی۔ اس کے لیے انہوں نے جو موزوں سالار دیکھا وہ حبیب القدوس تھا۔ جاسوسوں اور ماہرین نے اس کے اغوا کا فیصلہ کیا اور حسن بن صباح کے فرقے کے فدائیوں کو منہ مانگی اُجرت دے کر اُن سے اغوا کرا لیا۔

اغوا کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ ایک شام دو آدمی اس کے گھر گئے اور کسی گاؤں کا نام لے کر کہا کہ وہاں کی مسجد کی چھت بیٹھ گئی ہے اور پوری مسجد از سر نو تعمیر کرنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رات کو گاؤں کے لوگ جمع ہو رہے ہیں اور وہ بھی چلیں لوگ [illegible] اس سلسلے میں انہوں نے ایسی جذباتی باتیں کیں کہ وہ اُن کے ساتھ چل پڑا۔ شہر سے باہر

نکل گئے تو چار اور آدمی ملے۔ ان سب نے اُسے جکڑ لیا اور اس کھنڈر میں لے گئے۔ وہاں پہنچتے ہی اُسے دھوکے میں حشیش پلا دی۔ صلیبی جو اس سے بات کرنے اور اسے اپنا ہم خیال بنانے پر مامور تھا، وہ کسی اور کام سے کہیں چلا گیا۔ اُسے اغوا کرنے والے کھنڈر میں موجود رہے۔ کھنڈر کے ایک کمرے میں اس کے لیے آسائش کی ہر چیز پہنچا دی گئی۔ دو لڑکیاں بھی تھیں جو حسین ہونے کے علاوہ دِلوں کو موہ لینے اور پتھر جیسے پختہ کردار کے آدمیوں کو بھی حیران بنا دینے کے فن کی ماہر تھیں۔

ان سب کو معلوم تھا کہ اس نائب سالار کو کیوں اغوا کیا گیا ہے۔ انہوں نے انعام و اکرام کے لالچ میں از خود ہی اس کے ذہن کو اپنے مخصوص طریقے سے اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہ طریقہ حشیش کی ایک خاص قسم سے نشہ طاری کرنے کا تھا جس کے دوران مطلوبہ فرد کے ذہن میں باتوں کے ذریعے نہایت دِل کش تصورات ڈالے جاتے تھے۔ یہ ایک قسم کا ہپناٹائز کرنے کا طریقہ تھا۔ اس میں نیم عُریاں خوب صورت لڑکیاں بھی استعمال کی جاتی تھیں۔ یہ گروہ کئی دنوں سے حبیب القدوس پر یہ طریقہ استعمال کر رہا تھا اور اس نے اُن کے ساتھ مطلب کی باتیں شروع کر دی تھیں جن سے انہیں اُمید بندھ چلی تھی کہ انہوں نے اُس کے دماغ کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔

☆

اُدھر قاہرہ میں مصری فوج اور کوتوالی کے جاسوس اس کی تلاش میں پریشان ہو رہے تھے۔ سب کا یہی خیال تھا کہ وہ سوڈانیوں یا صلیبیوں کے پاس چلا گیا ہے۔ علی بن سفیان کو معلوم تھا کہ حبیب القدوس کا اثر اپنے دستوں پر کس قدر زیادہ ہے، اس لیے اس نے مصر کے قائم مقام امیر کی اجازت سے سلطان ایوبی کو اطلاع دے دی تھی۔ توقع یہی تھی کہ وہ اپنے معتقد کمان داروں کو کوئی پیغام بھیجے گا۔ جاسوسوں اور سراغ رسانوں نے ہر طرف نظر رکھی، لیکن معلوم یہی ہوتا تھا کہ اس کا پیغام کسی کی طرف نہیں آیا۔ یہ بھی دیکھا جا رہا تھا کہ ان دستوں میں سے کون سا کمان دار غائب ہوتا ہے لیکن اتنے دِنوں میں کوئی بھی غیر حاضر نہ ہوا۔

اتنے میں وہ صلیبی کھنڈرات میں آ گیا جسے حبیب القدوس کے ساتھ بات چیت کرنی تھی۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ حشیش رکوائی اور حبیب القدوس کا نشہ اُتارا۔ صلیبی نے پوری رات نشے کے اثرات اُترنے کا انتظار کیا۔ اگلے روز وہ حبیب القدوس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ ابھی سویا ہوا تھا۔ اس کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور جب اُس کی نظر صلیبی پر پڑی تو وہ فوراً اُٹھ بیٹھا اور صلیبی کو بڑی غور سے دیکھنے لگا۔

''مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا''۔ صلیبی نے کہا..... ''آپ اتنے حیران اور پریشان نہ ہوں۔ یہ بدبخت آپ کو حشیش پلاتے رہے اور آپ کو بڑے خوب صورت خواب دکھاتے رہے ہیں۔ آپ حشیش اور فدائیوں کے اس طریقے سے یقیناً واقف ہوں گے۔ آپ کی توہین کی گئی ہے جس کی میں معافی چاہتا ہوں۔ میں آپ کو کوئی خواب نہیں دکھاؤں گا۔ بڑی خوب صورت حقیقت آپ کے سامنے رکھوں گا۔ اپنے آپ کو قیدی نہ سمجھیں۔ میں آپ کا رُتبہ اونچا کروں گا، کم نہیں ہونے دوں گا''۔

''یہ لوگ دھوکے میں مجھے یہاں لے آئے تھے''۔ حبیب القدوس نے کہا..... ''پھر شاید مجھے کہیں اور لے گئے تھے''۔ اُس نے نگاہیں گھما کر ہر طرف دیکھا اور حیران سا ہو کے بولا..... ''وہ کوئی بہت ہی خوب صورت جگہ تھی..... مجھے یہاں کون لایا ہے؟''

''اپنے آپ کو بیدار کریں''۔ صلیبی نے کہا..... ''یہ سب حشیش کا اثر تھا۔ آپ پہلے روز سے یہیں ہیں''۔

''مجھے اغوا کیا گیا تھا؟'' حبیب القدوس نے حقیقت کو سمجھتے ہوئے ذرا رُعب سے کہا..... ''تم کون ہو؟''

''میں آپ کا ایک مسلمان بھائی ہوں''۔ صلیبی نے کہا..... ''مجھے آپ سے لینا کچھ بھی نہیں، کچھ دینا ہے''۔

''اگر میں لینے دینے سے انکار کر دوں تو؟''

''تو زندہ واپس نہیں جا سکیں گے''۔ صلیبی نے کہا..... ''آپ قاہرہ سے اتنی دُور ہیں کہ آپ کو میں نے آزاد کر دیا تو آپ راستے میں مر جائیں گے''۔

''مجھے وہ موت زیادہ پسند ہوگی''۔ حبیب القدوس نے کہا..... ''میں اپنے دشمن کی قید میں نہیں مرنا چاہتا''۔

''نہ آپ قید میں ہیں، نہ میں آپ کا دشمن ہوں''..... صلیبی نے کہا..... ''ان خبیثوں نے آپ کے ساتھ توہین آمیز سلوک کر کے آپ کو بدظن کر دیا ہے۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں''۔

''اِن باتوں کے لیے مجھے اغوا کر کے اتنی دُور لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''اگر مَیں یہ باتیں قاہرہ میں آپ کے ساتھ کرتا تو ہم دونوں قید خانے کے تہہ خانے میں ہوتے''۔ صلیبی نے کہا..... ''وہاں قدم قدم پر علی بن سفیان اور کوتوال غیاث بلتیس نے جاسوس کھڑے رکھے ہیں''۔

حبیب القدوس کا ذہن صاف ہو چکا تھا۔ اس کا دماغ سوچنے کے قابل ہو گیا تھا۔ وہ جان گیا کہ وہ صلیبی تخریب کاروں کے چنگل میں آ گیا ہے۔ اُس نے پوچھا..... ''تم صلیبیوں کے آدمی ہو یا سوڈانیوں کے؟''

''میں مصر کا آدمی ہوں''۔ اس نے جواب دیا..... ''اور آپ بھی مصری ہیں۔ آپ بغدادی، شامی یا عربی نہیں۔ مصر مصریوں کا ہے۔ یہ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے خاندان کی جاگیر نہیں۔ یہ اسلامی ملک ہے۔ یہاں اللہ کی حکمرانی ہوگی اور اس کا انتظام اور کاروبار مصری مسلمان چلائیں گے۔ کیا آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ ہم پر حکومت کرنے والے بغداد اور دمشق سے آئے ہیں اور انہوں نے مصر کو شام کے ساتھ ملا کر ایک سلطنت بنا لیا ہے؟''

''تم مجھے مصر کو صلاح الدین ایوبی سے آزاد کرانے پر اُکسا رہے ہو؟''

''میں جانتا ہوں کہ آپ صلاح الدین ایوبی کو پیغمبر نہیں تو پیرو مُرشد ضرور سمجھتے ہیں''۔ صلیبی نے کہا..... ''میں اس کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گا۔ ایوبی میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ میں بھی اُسے اتنا ہی پسند کرتا ہوں جتنا آپ کرتے ہیں مگر ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ وہ کب تک زندہ رہے گا۔ اس کے بعد مصر اُس کے جس بھائی یا بیٹے کے ہاتھ آئے گا، اس میں صلاح الدین ایوبی کی خوبیاں نہیں ہوں گی۔ مصر ایک اور فرعون کے قبضے میں آ جائے گا''۔

''مجھ سے تم کیا کام لینا چاہتے ہو؟''

''اگر آپ میری بات سمجھ گئے ہیں تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ آپ کیا کر سکتے ہیں''..... صلیبی نے جواب دیا..... ''اگر آپ کے دِل میں شک ہے تو مجھ سے پوچھیں۔ پہلے اپنا شک رفع کریں۔ آپ سوچ لیں۔ آپ ابھی ابھی جاگے ہیں۔ ان بدبختوں کی دی ہوئی حشیش کا بھی آپ پر اثر ہے۔ میں آپ کے لیے ناشتہ بھجواتا ہوں۔ اتنے دِنوں آپ کو کسی نے نہانے نہیں دیا۔ میں آپ کو ایک چشمے پر لے چلوں گا''۔

وہ اُٹھا اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی آیا۔ اُس نے کہا..... ''میرے ساتھ چلیں۔ ناشتے سے پہلے نہا لیں''۔

☆

کھنڈر سے اُسے کسی ایسے راستے سے نکالا گیا جو پہاڑیوں میں چلا گیا تھا۔ کچھ آگے ایک چشمہ تھا جس کا شفاف پانی چھوٹے سے قدرتی تالاب میں جمع ہو رہا تھا۔ وہ پہاڑیوں سے گھوم کر چشمے کی طرف گئے تو وہاں دو لڑکیاں بالکل ننگی نہا رہی تھی اور ایک دوسری پر ہاتھوں سے پانی پھینک رہی تھی۔ حبیب القدوس رُک گیا اور اُس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ لڑکیاں چیختی بھاگ اُٹھیں۔ اُس ویرانے میں ایسی حسین اور برہنہ لڑکیاں جن اور چڑیلیں لگتی تھیں۔ حبیب القدوس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ہر طرف پہاڑیاں تھیں۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ کھنڈر ایک پہاڑی کے پیچھے آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ جو آدمی آیا تھا وہ اس کے آگے آگے جا رہا تھا۔

حبیب القدوس نے لپک کر ایک بازو اس کی گردن کے گرد لپیٹ دیا اور بازو کا شکنجہ تنگ کر کے اُس نے دوسرے ہاتھ سے اس کی پیٹ میں پوری طاقت سے تین چار گھونسے مارے۔ یہ آدمی دم گھٹنے سے مر گیا۔ حبیب القدوس نے اُسے گھسیٹ کر ایک گھنی جھاڑی کے پیچھے پھینک دیا اور خود بھاگ اُٹھا۔ اُس نے ایک پہاڑی میں سے راستہ دیکھ لیا تھا۔ وہاں پہنچا تو ایک آدمی برچھی تانے کھڑا تھا۔ اُس نے اتنا ہی کہا...... ''واپس''...... وہ نہتہ تھا، سر جھکا کر پیچھے کو مُڑا۔ چند قدم ہی چلا ہو گا کہ صلیبی اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ وہ مُسکرا رہا تھا۔

''میں آپ کو دانش مند سمجھتا ہوں''۔ صلیبی نے کہا...... ''آپ اس علاقے سے نکل نہیں سکتے۔ احمق نہ بنیں، نہا لیں۔ میرے ساتھ آئیں''۔

وہ جھیل سے نہا کر نکلا اور کپڑے پہنے۔ صلیبی اُسے اپنے ساتھ لے آیا۔ راستے میں اس نے صلیبی سے پوچھا...... ''یہ لڑکیاں تمہارے ساتھ ہیں؟''۔

''اس ویرانے میں ایسی رونق ساتھ رکھنا ضروری ہے''۔ صلیبی نے کہا...... ''کیا آپ کی تین بیویاں نہیں؟ ... اگر آپ کو ان کے ساتھ دلچسپی نہیں تو نہ سہی۔ اگر آپ تنہائی یا گھبراہٹ محسوس کریں تو ان لڑکیوں میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں''۔

اتنے میں ایک لڑکی ناشتہ لے کر آئی۔ حبیب القدوس اُسے دیکھتا رہا۔ لڑکی اس کے پاس بیٹھ گئی اور صلیبی باہر نکل گیا۔ لڑکی نے باتوں اور اداؤں سے اُس پر طلسم طاری کر دیا۔ بہت دیر بعد جب صلیبی واپس آیا اور لڑکی چلی گئی تو حبیب القدوس کو افسوس سا ہوا۔

''آپ آزاد مصر کے سالارِ اعلیٰ ہوں گے''...... صلیبی نے اُسے کہا...... ''آپ کے دستوں میں جو تین ہزار پیادے اور دو ہزار سوار ہیں، وہ آپ کے مرید ہیں۔ آپ اُن کی مدد سے مصر کی حکومت پر قبضہ کر سکتے ہیں''۔

''صلاح الدین ایوبی حملہ کرے گا تو کیا میں انہی دستوں سے مصر کو اُس سے بچا لوں گا؟''

''سوڈانی مسلمان جو کبھی مصر کی فوج میں ہوا کرتے تھے، ہمارے ساتھ ہوں گے''...... صلیبی نے کہا۔ ''صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جو مصری ہیں، اُن تک ہم خبر پہنچائیں گے کہ یہ خانہ جنگی نہیں بلکہ مصری مصر کو آزاد کرانے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ آپ اپنے دستوں سے بغاوت کرائیں۔ آپ کو جنگی طاقت دینا ہمارا کام ہے''۔

اس آدمی نے لمبی تفصیل سے اُسے اپنا منصوبہ بتایا۔ حبیب القدوس اب انکار نہیں کر رہا تھا، بلکہ یوں سوال کر رہا تھا جیسے وہ قائل ہو گیا ہو۔

''میں واپس قاہرہ نہیں جاؤں گا تو بغاوت کیسے کراؤں گا؟''...... حبیب القدوس نے پوچھا

''آپ واپس نہیں جائیں گے''...... صلیبی نے کہا...... ''آپ یہیں سے اپنے قابل اعتماد ساتھیوں کو پیغام دیں گے۔ اس کا انتظام ہم کریں گے...... آپ نے ہمارے ایک قیمتی آدمی کو مار ڈالا ہے۔ ہم آپ کو قتل کر سکتے ہیں۔ ہمارے بازو اتنے لمبے ہیں کہ آپ کے خاندان کے بچے بچے کو قتل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمیں دھوکہ دیا تو ہم ایسا کر کے دکھا بھی دیں گے''۔

''پھر مجھے یہاں لمبے عرصے کے لیے رہنا پڑے گا''...... حبیب القدوس نے کہا۔

''کچھ عرصہ تو لگے گا''۔ صلیبی نے جواب دیا۔

''میری ایک ضرورت پوری کر دو''...... حبیب القدوس نے کہا...... ''تم نے مجھے دو لڑکیاں پیش کی ہیں۔ میں گناہ سے بچنا چاہتا ہوں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میں اتنی حسین لڑکی میں اُلجھ کر اپنا اصل مقصد بھول جاؤں۔ اس کی بجائے یہ انتظام کر دو کہ میری سب سے چھوٹی بیوی کو جس کا نام زہرہ ہے، یہاں لے آؤ۔ اُسے میں پیغام رسانی کے لیے بھی استعمال کر سکوں گا''۔

''اُسے اغوا کرنا پڑے گا''...... صلیبی نے کہا...... ''اگر اُسے ہم یہ کہیں گے کہ آپ اسے بلا رہے ہیں تو وہ ہم پر اعتبار نہیں کرے گا۔ وہ ہمیں پکڑوا بھی سکتی ہے۔ ہم آپ کو اس کا جو نعم البدل دے رہے ہیں، اُسے آپ قبول کر لیں اور پیغام رسانی کے لیے اپنے کسی آدمی کا اتا پتہ دیں''۔

''پھر مجھ پر اعتماد کرو''۔ حبیب القدوس نے کہا...... ''مجھے قاہرہ پہنچا دو۔ میں ایک ماہ کے اندر بغاوت کر دوں گا''۔

''یہ نہیں ہو سکتا''۔ صلیبی نے کہا...... ''محترم! ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ مصر کے مفاد میں ہے اور اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے۔ میں یا میری تنظیم کا کوئی بھی فرد مصر کا حکمران بننے کا خواب نہیں دیکھ رہا۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں''۔

''میں سمجھ گیا ہوں''۔ حبیب القدوس نے کہا...... ''اور میں سوچ سمجھ کر بات کر رہا ہوں۔ میری بیوی زہرہ تک میرا پیغام پہنچاؤ کہ میرے پاس آ جائے۔ جو کام وہ کر سکتی ہے، وہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اس کے آنے کے بعد دیکھوں گا کہ اس منصوبے کو کس طرح کامیاب بنایا جا سکتا ہے''۔

وہ ایک بھکارن تھی جس نے زہرہ کو راستہ میں روک لیا تھا۔ وہ دو تین سے دیکھ رہی تھی کہ زہرہ حبیب القدوس کے گھر سے ہر روز بعد دوپہر اپنے ماں باپ کے گھر جاتی ہے۔ بھکارن نے اُس کے آگے ہاتھ پھیلا کر کہا...... ''نائب سالار حبیب القدوس نے آپ کو بلایا ہے۔ یہ اُن کے ہاتھ تحریر ہے''...... زہرہ نے کاغذ ہاتھ میں لے کر تحریر پڑھی۔ یہ اس کے خاوند کے ہاتھ کی تھی۔ بھکارن نے کہا...... ''وہ جہاں کہیں بھی ہیں، خود گئے ہیں۔ اتنے بڑے آدمی کو کوئی اُٹھا کر نہیں لے جا سکتا۔ وہ صرف آپ کو چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زہرہ کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا...... اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ آپ نے مجھے پکڑوانے کی کوشش کی یا کوتوال کو اطلاع دی تو دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ حبیب القدوس کے پاس آپ کا جانا ضروری ہے''۔

''میں تم پر کس طرح اعتبار کر لوں؟'' زہرہ نے پوچھا۔

''میں بھکارن نہیں''۔ عورت نے جواب دیا...... ''یہ میرا بہروپ ہے۔ میں بھی آپ کی طرح شہزادی ہوں۔ ہمارا مقصد نیک اور مقدس ہے۔ آپ دل میں کوئی وہم نہ رکھیں''۔

اس عورت نے اور بھی بہت سی باتیں کیں جن سے زہرہ متاثر ہو گئی۔ اُس نے اس عورت کے کہنے کے مطابق رات کو ایک جگہ چوری چھپے پہنچنے کا وعدہ کر دیا۔ اس نے اس ڈر سے کسی سے ذکر نہ کیا کہ اس عورت نے کہا تھا کہ اس کی اور

اُس کے خاوند کی زندگی اور موت کا اور مصر کی آزادی اور غلامی کا سوال تھا۔

اُسے رات مقرر کی ہوئی جگہ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ دو آدمی جنہیں وہ اندھیرے کی وجہ سے پہچان نہ سکی، اسی بھکارن کے ساتھ آئے۔ بھکارن کو اُس نے آواز سے پہچانا مگر وہ اب بھکاریوں کے بہروپ میں نہیں تھی۔ وہ کوئی جوان اور خوب صورت عورت تھی۔ اس نے زہرہ سے کہا۔ ''اللہ کے بھروسے پر اُن کے ساتھ چلی جاؤ۔ دِل میں کوئی ڈر نہ رکھنا''...... اُسے ایک گھوڑے پر بٹھایا گیا۔ وہ دونوں بھی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور زہرہ ایک ایسے سفر روانہ ہوگئی جس کی منزل کا اُسے علم نہ تھا۔ عورت وہیں کھڑی رہی۔ شہر سے دُور جا کر سواروں نے زہرہ سے کہا کہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھنا ضروری ہے۔ زہرہ ان میں اکیلی تھی۔ مزاحمت نہیں کر سکتی تھی۔ اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔

دو روز بعد پتہ چلا کہ نائب سالار حبیب القدوس کی چھوٹی بیوی بھی لاپتہ ہوگئی ہے۔ سراغ رسانوں نے ابتدائی تفتیش کی تو وہ ماننے کو تیار نہ ہوئے کہ اُسے اغوا کیا گیا ہے۔ حبیب القدوس کے متعلق ہر کوئی کہہ رہا تھا کہ وہ صلیبیوں یا سوڈانیوں کے پاس چلا گیا ہے۔ اب لوگ یہ بھی کہنے لگے کہ اس کی بیوی بھی اُس کے پاس چلی گئی ہے۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس وقت اور کس طرح گئی ہے۔ اس وقت تک وہ حبیب القدوس کے پاس پہنچ چکی تھی۔ اس کی آنکھیں اُس کمرے میں کھولی گئی تھیں جہاں اس کا خاوند اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ پوری رات اور اگلا دِن آدھا دِن سفر میں رہی تھی۔ راستے میں اُسے کھانے پلانے کے دوران آنکھوں سے پٹی کھولی گئی تھی اور اسے ساتھ لے جانے والے آدمیوں نے اُس کے ساتھ کوئی بلا ضرورت یا ایسی ویسی بات نہیں کی تھی۔ اُسے انہوں نے یہ یقین بار بار دلایا تھا کہ اُسے ڈرنا نہیں چاہیے۔

حبیب القدوس کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ اس کے ساتھ صلیبی بھی تھا۔ حبیب القدوس نے زہرہ سے کہا...... ''یہ ہمارا دوست ہے اور اپنے آپ کو یہاں قیدی نہ سمجھنا۔ تم بہت تھکی ہوئی ہو۔ آج رات آرام کر لو۔ کل صبح تمہیں بتائیں گے کہ ہم کیا کرنے والے ہیں۔ تم اکثر کہا کرتی ہو کہ مردوں کی طرح جہاد میں شریک ہونا چاہتی ہو۔ میرے اس دوست نے تمہارے لیے بڑا اچھا موقعہ پیدا کر دیا ہے''۔

صلیبی انہیں اکیلا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

☆

زہرہ ابھی نوجوانی کی عمر میں تھی اور اُس کے حسن میں خاصی کشش تھی۔ جسم چھریرا اور طبیعت میں کچھ شوخی بھی تھی۔ شام سے ذرا پہلے وہ دو لڑکیاں جنہیں حبیب القدوس نے تالاب میں نہاتے دیکھا تھا، اس کے کمرے میں آئیں اور زہرہ کو بے تکلف سہیلیوں کی طرح اپنے ساتھ لے گئیں۔ یہ تھا تو ہیبت ناک کھنڈر لیکن لڑکیاں جہاں رہتی تھیں وہ کمرہ سجا ہوا اور وہاں رنگین فانوس تھے۔ اس کمرے میں کھنڈر کا گماں نہیں ہوتا تھا۔ زہرہ تھوڑے سے وقت میں اُن میں گھل مل گئی۔ اُن میں سے ایک لڑکی نے اُسے کہا...... ''تمہارے ماں باپ کتنے ظالم ہیں جنہوں نے تم جیسی نوخیز کلی کو اس بوڑھے کے قدموں میں پھینک دیا ہے۔ تمہیں اس نے خریدا تو نہیں تھا؟''

''ہاں!'' زہرہ نے رنجیدہ لہجے میں کہا...... ''اس نے مجھے خریدا تھا۔ میں بھاگ کر کہیں جا بھی تو نہیں سکتی''۔

''اگر کوئی پناہ مل جائے تو بھاگ جاؤ گی؟''

''اگر یہ پناہ میری موجودہ زندگی سے بہتر ہوئی تو میں ضرور بھاگوں گی''...... زہرہ نے کہا اور پوچھا...... ''اس نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟ تم لوگ کون ہو؟ کیا یہ مجھے بیچ رہا ہے؟''

''اگر تم ہمارے پاس آجاؤ تو شہزادی بن کے رہوگی''...... ایک لڑکی نے اُسے کہا...... ''ہم تمہیں بتادیں گی کہ ہم کون ہیں لیکن اس سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ تم ہمارے ساتھ رہنے کے قابل بھی ہو یا نہیں...... تم ہمارے ساتھ باہر جاکر ہماری طرح کپڑے اُتار کر تالاب میں نہا سکو گی؟''

''اس حیوان سے مجھے آزاد کرادو تو جو کہوگی، کروں گی''...... زہرہ نے کہا۔

ایک آدمی زہرہ کو کھانے کے لیے بلانے آگیا۔ اس نے کہا کہ نائب سالار کھانے پر انتظار کررہے ہیں۔ زہرہ چلی گئی تو وہی صلیبی آگیا جو حبیب القدوس کے ساتھ بات چیت کرتا رہا تھا۔ لڑکیوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اُسے بتایا...... ''یہ لڑکی ہمارے کام کی ہے اور وہ اس بوڑھے خاوند سے سخت نفرت کرتی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو اُسے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے۔ یہ کتنی خوب صورت ہے۔ اس میں شوخی بھی ہے اور اس کا جسم سختی برداشت کرسکتا ہے۔ تربیت کی ضرورت ہے''۔

''لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ شخص تو یہ کہتا تھا کہ اسے اپنی اس بیوی پر اعتماد ہے اور وہی پیغام رسانی کا کام کرسکتی ہے''...... صلیبی نے کہا...... ''اگر یہ لڑکی اس شخص سے نفرت کرتی ہے تو اسے دھوکہ دے گی اور ہم سب کو پکڑوا دے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اس معاملے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ آدمی ہمارے فریب میں آگیا ہے۔ مجھے مصری مسلمان اور وطن پرست سمجھتا ہے۔ ہمارا کام کرنے کو تیار ہوگیا ہے۔ اگر یہ لڑکی اُسے دھوکہ دینے کی سوچ سکتی ہے تو ہم اسے استعمال کرسکتے ہیں۔ میں اسے پرکھوں گا۔ تم رات کو تھوڑی دیر کے لیے اسے میرے پاس لے آنا کسی بہانے باہر چلی جانا''۔

کھانے کے کچھ دیر بعد لڑکیاں پھر اُسے ہنسنے کھیلنے اور گپ شپ کے لیے لے آئیں۔ اُسے پہلے سے زیادہ بے تکلف، بلکہ کسی حد تک بے حیا کرلیا۔ صلیبی آگیا اور لڑکیاں کسی بہانے سے باہر نکل گئیں۔ صلیبی نے زہرہ سے وہی باتیں کیں جو لڑکیاں اس کے ساتھ کرچکی تھیں۔ صلیبی نے اُسے اپنے معیار کے مطابق پرکھا اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنے قریب کرنے لگا تو زہرہ نے اپنا بازو چھڑا کر کہا...... ''میں ایسی عام اور سستی چیز نہیں کہ ذرا سے اشارے پر آپ کی گود میں گر پڑوں گی''۔

صلیبی کو اس کی یہ بات پسند آئی۔ لڑکی ہر کسی کے ہاتھ آنے والی نظر نہیں آتی تھی۔ البتہ اُس نے یہ دیکھ لیا کہ زہرہ میں وہ جوہر موجود ہیں جو ان کی جاسوس اور تخریب کار لڑکیوں میں ہوتے تھے۔ ذرا تربیت کی ضرورت تھی۔ اُسے بھی زہرہ نے بتایا کہ اسے اپنے خاوند سے نفرت ہے لیکن وہ چونکہ مجبور ہے اور نفرت کا اظہار نہیں کرسکتی، اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ وہ اسے چاہتی ہے۔

''اب بھی نفرت کا اظہار نہ کرنا''...... صلیبی نے اُسے کہا...... ''میں تمہیں اس سے آزاد کرالوں گا اور تم شہزادیوں کی طرح زندگی بسر کروگی...... تم یہیں بیٹھو۔ میں تمہاری سہیلیوں کو تمہارے پاس بھیج دیتا ہوں''۔

وہ کمرے سے نکل گیا اور لڑکیوں کے پاس چلا گیا۔ انہیں کہا...... ''لڑکی کام کی ہے۔ اُسے اپنے سائے میں لے لو۔ حبیب القدوس اسے بُری طرح چاہتا ہے۔ اس لڑکی کو ہم اس بات پر لائیں گے کہ وہ اس کے ساتھ دیوانہ وار محبت کا عملی اظہار کرتی رہے تاکہ وہ اپنے قابلِ اعتماد کمان داروں ڈوغیرہ کے ساتھ اس لڑکی کی معرفت رابطہ قائم کرسکے۔ یہ تمہارا کام ہے کہ لڑکی کو اپنے جال میں لے لو۔ اسے اپنی زندگی کا شاہانہ پہلو دکھاؤ اور تم جانتی ہو کہ اُسے کس طرح اور کس مقصد کے لیے تیار کرنا ہے''۔

☆

زہرہ حبیب القدوس کے ساتھ والہانہ محبت کا اظہار کرتی رہی اور صلیبی اور اس کے ساتھی لڑکیوں کو بتاتی رہی کہ اسے حبیب القدوس سے نفرت ہے۔ دونوں لڑکیوں نے اسے اپنے ساتھ رکھنا اور باہر لے جانا شروع کر دیا۔ اسے چشمے کے تالاب پر لے گئیں تو اس نے بلا جھجک تمام کپڑے اُتار دیئے اور لڑکیوں کے ساتھ پانی میں کھیلنے لگی۔ پھر یہ ان کا روزمرہ کا معمول بن گیا۔ رات وہ حبیب القدوس کے ساتھ گزارتی تھی۔ دن کا زیادہ تر وقت دونوں لڑکیاں اسے اپنے ساتھ رکھتیں اور کبھی صلیبی بھی اس کے ساتھ دوستانہ باتیں کرتا تھا۔ زہرہ چار پانچ دنوں میں ان لڑکیوں جیسی ہو گئی۔ اس کی شوخیاں بے حیائی کا رنگ اختیار کرنے لگیں اور لڑکیاں آہستہ آہستہ اُسے اپنی پُر اسرار زندگی کے متعلق بتانے لگیں۔

اس دوران صلیبی نے حبیب القدوس کے ساتھ بغاوت کا منصوبہ تیار کر لیا۔ حبیب القدوس نے یہ منصوبہ تیار کرنے میں بہت مدد دی۔ اب صلیبی کو اس پر اعتبار آ گیا تھا۔ اس نے حبیب القدوس کو مصری فوج کے ایک دو اعلیٰ حکام اور دو انتظامیہ کے حاکموں کے نام بتائے جو در پردہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف تھے اور بغاوت کی سوچ رہے تھے۔ انہوں نے ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ کسی طرح اسے ہاتھ میں لیا جائے۔ صلیبی نے اسے یہ نہ بتایا کہ وہ صلیبی ہے۔ وہ اپنے آپ کو مصری وطن پرست ہی بتاتا رہا۔ اس کا مقصد بغاوت کرانا تھا۔

زہرہ ان دونوں لڑکیوں میں اس قدر شیر و شکر ہو گئی تھی کہ اب یہ کہنا کہ وہ کسی شریف باپ کی بیٹی یا ایک مسلمان نائب سالار کی بیوی ہے، غلط تھا۔ حبیب القدوس اسے اپنی وفادار بیوی سمجھتا تھا۔ ایک روز اُس نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ اس کھنڈر سے اوپر پہاڑیوں میں گھری ہوئی دُنیا سے تنگ آ گئی ہے۔ لڑکیوں نے اسے کہا کہ وہ اُسے ان پہاڑیوں سے پرے کی دُنیا دکھلائیں گی۔ چنانچہ وہ اسے ایک پہاڑی راستے سے گزارتی ایک جھیل کے کنارے لے گئیں اور اس کے کنارے کنارے جب وہ اور آگے گئی تو اسے دریائے نیل نظر آیا۔ اسی کا پانی پہاڑی کے اندر آ کر جھیل بنا ہوا تھا۔ ایک جگہ پہاڑی کی اوٹ میں ایک کشتی چھپی ہوئی تھی جس میں دو چپو تھے۔ یہ جگہ بہت ہی خوب صورت تھی۔ زہرہ ان لڑکیوں کے ساتھ وہاں ہنستی کھیلتی رہی۔

''یہاں فرعونوں کی شہزادیاں کھیلا کرتی تھیں''...... ایک لڑکی نے کہا

''اور تم دونوں اُن کی بدروحیں لگتی ہو''...... زہرہ نے ہنس کر کہا۔

''تمہارے مقابلے میں ہم دونوں واقعی بدروحیں لگتی ہیں''...... دوسری لڑکی نے کہا۔

''سنو زہرہ!''...... ایک لڑکی نے اس سے کہا...... ''تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ تمہارا یہ بوڑھا خاوند یہاں کیوں چھپا بیٹھا ہے اور تمہیں کیوں لایا گیا ہے؟''

''وہ تو پہلے روز ہی اس نے بتا دیا تھا''...... زہرہ نے کہا...... ''میں یہ کام کر دوں مگر کہتے ہیں کہ چند دن رُک جاؤ''۔

''اور تم جانتی ہو کہ ہم آزاد مصر کی شہزادیاں ہوں گی؟''

''مجھے اس خاوند سے آزاد کرا دینا تو میں اپنے آپ کو شہزادی سمجھنے لگوں گی''...... زہرہ نے کہا۔

''یہ طے ہو چکا ہے لیکن تمہارے خاوند کو معلوم نہیں''...... لڑکی نے کہا...... ''کیا تم اس کام کے لیے تیار ہو جو اس سلسلے میں تمہیں کرنا ہو گا؟''

''وقت آئے گا تو دیکھنا''...... زہرہ نے کہا...... ''اگر مجھے یہ کام نہ کرنا ہوتا تو اپنے خاوند کو یہاں قتل کر چکی

ہوتی۔ یہاں اچھا موقعہ تھا''۔

☆

دوسرے دن بھی وہ لڑکیوں کے ساتھ دریا کے کنارے چلی گئی۔ لڑکیاں اُسے جس راستے دریا تک لے جاتی تھیں، وہ ایسا راستہ تھا کہ وہ اکیلی جاتی تو اُسے یہ راستہ کبھی نہ ملتا۔ یہ راستہ قدرتی تھا لیکن خفیہ۔ زہرہ نے انہیں ایک دو بار کہا تھا کہ کشتی پر دریا میں چلیں لیکن لڑکیوں نے اُسے روک دیا تھا۔ حبیب القدوس پر بھی اب پہلے جیسی پابندی نہیں رہی تھی۔ اس نے یقین دلا دیا تھا کہ وہ آزاد مصر کا حامی ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا تختہ اُلٹ کر دم لے گا۔ اب اس کا یہ حال تھا کہ صلیبی اس کے ساتھ اس موضوع پر اتنی باتیں نہیں کرتا تھا جتنی وہ خود کرنے لگا۔ اس شخص میں انقلاب آ گیا تھا۔

ایک دو روز بعد اس کھنڈر میں دو اور آدمی آئے۔ ان میں ایک سوڈانی تھا اور دوسرا مصری۔ انہیں حبیب القدوس سے ملایا گیا۔ وہ ان دونوں کو نہیں جانتا تھا۔ اُن کے پاس مصر، سوڈان اور عرب کے نقشے تھے۔ کچھ اور کاغذات بھی تھے۔ انہوں نے حبیب القدوس کے ساتھ بغاوت کے حقیقی پہلوؤں پر بڑی طویل بات کی۔ حبیب القدوس نے نہ صرف دلچسپی کا اظہار کیا بلکہ انہیں ایسے مشورے دیئے جو اُن کے ذہن میں نہیں آئے تھے۔ انہوں نے حبیب القدوس کو چند اور لوگوں کے نام بتائے جو مصر کی فوج اور انتظامیہ میں تھے اور در پردہ سلطان ایوبی کے خلاف زمین ہموار کر رہے تھے۔ ان دونوں آدمیوں نے یہ بھی بتایا کہ مصر کی سرحد پر مصری فوج کے جو دستے ہیں، انہیں غلط حکام دے کر سرحدی دفاع میں اتنا شگاف پیدا کر لیا جائے گا جس سے سوڈان کی فوج کے کچھ دستے اندر آ کر بغاوت میں جان ڈال سکیں گے۔

''بغاوت کامیاب ہونے کی صورت میں مصر کا امیر کون ہوگا؟''...... حبیب القدوس نے پوچھا۔

''چونکہ تنظیم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ سالارِ اعلیٰ آپ ہوں گے، اس لیے سب نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ امیر آپ ہی ہوں گے''...... مصری نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی یقیناً حملہ کرے گا اور جنگ طول پکڑ سکتی ہے، اس لیے آزاد مصر کا پہلا امیر سالار ہی ہونا چاہیے، کیونکہ جنگی حالات میں کسی غیر عسکری کو امارت کی گدی پر بٹھانا مناسب نہیں ہوگا۔ آپ میں جو خوبیاں ہیں وہ اور کسی سالار میں نہیں''۔

حبیب القدوس کا سینہ اور زیادہ پھیل گیا اور اس کی گردن تن گئی۔

''اُمید ہے کہ آپ کو اس پر اعتراض نہیں ہوگا کہ ضرورت پڑنے پر ہم نے صلیبیوں سے بھی مدد لینے کا انتظام کر لیا ہے''...... سوڈانی نے کہا۔

''انہیں معاوضہ کس شکل میں دیا جائے گا؟''...... حبیب القدوس نے پوچھا۔

''ان کے لیے یہی معاوضہ کافی ہے کہ ہم صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑیں گے اور مصر کو آزاد کرائیں گے''۔ مصری نے کہا۔ ''انہیں مصر نہیں چاہیے۔ وہ فلسطین کو ایوبی سے بچانے کی فکر میں ہیں۔ مصر ایوبی کے ہاتھ سے نکل گیا تو وہ اس فوج سے جو مصر میں موجود ہے، محروم ہو جائے گا اور اُسے یہاں سے جو رسد اور دیگر جنگی امداد ملتی ہے، وہ بند ہو جائے گی اور اگر اس نے مصر پر حملہ کیا تو اس کے ساتھ جو مصری سپاہی ہیں، وہ اپنے مصری بھائیوں کے خلاف نہیں لڑیں گے''۔

حبیب القدوس نے انہیں نہایت اچھی ترکیبیں بتائیں اور یقین دلایا کہ اس کے ماتحت پانچ ہزار نفری کے جو دستے ہیں، وہ اس کے اشارے پر بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اب یہ طے کرنا تھا کہ ان دستوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے کیا کیا طریقے اور ذریعے اختیار کیے جائیں۔

''صورت ایک ہی بہتر ہے کہ میں واپس چلا جاؤں''...... حبیب القدوس نے کہا...... ''مگر مجھے واپس نہیں جانا چاہیے، کیونکہ مجھ سے پوچھا جائے گا کہ میں کہاں رہا۔ مجھے اپنی بیوی نے بتایا ہے کہ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس یہ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنی مرضی سے دشمن کے پاس چلا گیا ہوں۔ اس شک کی بناء پر وہ مجھے حراست میں لے لیں گے، پھر ہمارا کھیل شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔ میں نے دراصل یہ غلطی کی ہے کہ بیوی کو یہاں بلا لیا ہے۔ اُسے اگر واپس بھیجا تو اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں ہوگا۔ مجھے یہیں رہنا چاہیے۔ ذرا مجھے سوچنے دیں کہ میں اپنے کون کون سے کمان دار سے آپ کا رابطہ کراؤں''۔

اب حبیب القدوس کی وفاداری پر کوئی شک نہ رہا۔

☆

''حلب کا محاصرہ کھیل نہیں ہوگا''...... سلطان صلاح الدین ایوبی فرات کے کنارے خیمے میں بیٹھا، اپنے سالاروں سے کہہ رہا تھا...... ''تم سب کو یاد ہوگا کہ ہم نے پہلے بھی ایک بار اس شہر کو محاصرے میں لیا تھا لیکن حلب والے ایسی بے جگری سے لڑے تھے کہ ہمیں محاصرہ اُٹھانا پڑا تھا۔ یہ حلب والوں کی بہادری تھی جس نے ہمیں آنے پر مجبور کر دیا۔ اب وہ حالات نہیں ہیں، پھر بھی ہمیں ہر خطرے کی پیش بندی کر لینی چاہیے۔ یہاں سے فوج میں جو بھرتی لی گئی ہے، اس پر ابھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ مصر سے کمک منگوانی پڑے گی۔ ہو سکتا ہے کہ میں نائب سالار حبیب القدوس کے دستوں کو بلا لوں''...... یہ کہہ کر سلطان ایوبی خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے دبی دبی سی آواز میں کہا...... ''میں مان نہیں سکتا کہ حبیب القدوس مجھے دھوکہ دے گیا ہے...... وہ آخر کہاں گیا؟...... میں جب مصر سے روانہ ہونے لگا تھا تو اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ مصر کا غم دل سے نکال دیں، صلیبیوں یا سوڈانیوں نے آپ کی غیر حاضری میں مصر پر حملہ کیا تو صرف میرے تین ہزار پیادے اور دو ہزار سوار اُن کے حملے کو پسپا کر دیں گے اور اگر کسی نے مصر کے اندر سے سر اُٹھایا تو اس کا سر اُس کے دھڑ کے ساتھ نہیں رہے گا...... ہم اللہ کے سپاہی ہیں لیکن وہ اللہ کا شیر ہے''۔

''معلوم ہوتا ہے اس کی انہی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے دشمن نے اسے غائب کر دیا ہے''...... ایک سالار نے کہا۔ ''اس کا آدھی فوج پر بڑا گہرا اثر ہے۔ اس لحاظ سے وہ اپنی ذات میں ایک طاقت ہے۔ دشمن نے ہمیں اس طاقت سے محروم کیا ہے''۔

''اگر وہ نہ ملا تو اُس کے دستوں کو یہاں بلا لوں گا''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''لیکن اتنی جلدی نہیں بلاؤں گا۔ مصر کا دفاع زیادہ ضروری ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ مصر کو باہر سے اتنا زیادہ خطرہ نہیں جتنا اندر سے ہے۔ ایمان فروش ہمارے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے فلسطین کو ہم سے بہت دُور کر دیا ہے''۔

اور اس وقت قاہرہ سے دُور پہاڑیوں میں گھرے ہوئے ایک ڈراؤنے کھنڈر میں سلطان ایوبی کا قابلِ اعتماد اور بڑا ہی قابل نائب سالار مصر میں بغاوت کا اہتمام کر چکا تھا۔ کھنڈر میں اس رات جشن منایا جا رہا تھا۔ اگر باہر کے لوگ اس رات کھنڈر میں آتے تو ڈر کر بھاگ جاتے۔ وہ ان چند ایک انسانوں اور اتنی حسین لڑکیوں کو جنات یا بدروحیں سمجھتے۔ صحیح معنوں میں جنگل میں منگل بنا ہوا تھا۔ آٹھ دس آدمی تھے۔ ان میں سے حبیب القدوس صرف اس صلیبی کو جو پہلے دن سے اس کے ساتھ تھا، مصری اور سوڈانی کو جن کے ساتھ اس نے بغاوت کے منصوبے کو آخری شکل دی تھی، جانتا تھا۔ دوسروں کو اس نے پہلی بار دیکھا۔ یہ سب اسی کھنڈر میں حبیب القدوس کے آنے سے پہلے موجود تھے لیکن پہاڑیوں کے اندر اور اوپر چھپ

چھپ کر پہرہ دیتے رہتے تھے۔ وہ انہی کا ایک ساتھی تھا جسے حبیب القدوس نے فرار کی کوشش میں قتل کر دیا تھا۔ اب پہرے کی ضرورت نہیں تھی۔ حبیب القدوس اُن کا قابلِ اعتماد دوست بن چکا تھا۔ اسے انہوں نے خفیہ طریقوں سے آزما بھی لیا تھا۔

آج رات یہ پورا گروہ جشن میں شامل تھا۔ ضیافت کا ویسا ہی انتظام تھا جیسا کسی محل میں ہوتا ہے۔ شراب کی صراحیاں خالی ہو رہی تھیں۔ ان کی دونوں لڑکیوں نے رقص بھی کیا تھا۔ حبیب القدوس جشن میں شریک تھا لیکن اس نے شراب پینے سے انکار کر دیا تھا، اُسے مجبور نہ کیا گیا۔ زہرہ نے دوسری لڑکیوں کی طرح شراب پیش کی لیکن خود نہ پی۔ صلیبی نے مصری اور سوڈانی سے کہہ دیا تھا کہ زہرہ کے متعلق محتاط رہیں، ورنہ حبیب القدوس بگڑ جائے گا۔ زہرہ نے دوسری لڑکیوں کی طرح بے حیائی کا مظاہرہ نہ کیا لیکن جشن میں دِل چسپی اور جوش وخروش سے حصہ لے رہی تھی۔

آدھی رات تک سب شراب میں مدہوش ہو چکے تھے۔ مصری اور صلیبی دونوں لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ بعض تو بے ہوش ہو گئے تھے۔ زہرہ نے حبیب القدوس کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ وہاں سے اُٹھ گیا۔ زہرہ نے اس کمرے میں جا کر جھانکا جہاں مصری اور سوڈانی لڑکیوں کو لے گئے تھے۔ وہ دونوں آدمی اور لڑکیاں برہنہ حالت میں پڑی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی ہوش میں نہیں تھا۔ زہرہ کو معلوم تھا کہ ہتھیار کہاں رکھے ہیں۔ وہ ایک برچھی، ایک تلوار، دو کمانیں اور تیروں سے بھرے دو ترکش اُٹھا لائی۔ حبیب القدوس اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ اس نے زہرہ کے ہاتھ سے تلوار لے لی۔ ایک کمان اور ترکش اپنے کندھوں سے لٹکایا اور دوسری زہرہ کے کندھوں سے لٹکا دی اور برچھی اسی کے پاس رہنے دی۔

''ان سب کو قتل نہ کر دیا جائے؟''...... زہرہ نے حبیب القدوس سے پوچھا۔

''یہاں سے فوراً نکلنا زیادہ ضروری ہے''...... حبیب القدوس نے کہا۔ ''مجھے دریا تک لے چلو''۔

زہرہ نے دریا تک راستہ دیکھ رکھا تھا، اگر پہلے یہ راستہ نہ دیکھا ہوتا تو وہ دونوں وہاں سے کبھی نہ نکل سکتے۔ زہرہ آگے آگے چل پڑی۔ وہ دبے پاؤں جا رہے تھے اور ان کے کان اِدھر اُدھر کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ حبیب القدوس نے تلوار اور زہرہ نے برچھی تان رکھی تھی۔ زہرہ حبیب القدوس کو کشتی تک لے گئی جو چھپا کر رکھی گئی تھی۔ دونوں نے کشتی کھولی۔ اس میں بیٹھے اور نہایت آہستہ آہستہ چپو مارنے لگے تاکہ آواز پیدا نہ ہو۔ ہر لحظہ ڈر تھا کہ کہیں نہ کہیں سے کوئی آدمی نکل آئے گا یا کہیں سے تیر آئے گا...... کچھ بھی نہ ہوا۔ کشتی پہاڑیوں کے تنگ راستے سے نکل گئی اور دریا کا شور شروع ہو گیا۔

''اللہ کا نام لو اور ایک چپو تم سنبھال لو''...... حبیب القدوس نے زہرہ سے کہا...... ''تم جہاد میں حصہ لینے کی خواہش مند رہتی تھی۔ اللہ نے تمہیں موقعہ دے دیا ہے۔ ہم ابھی خطرے سے نکلے نہیں۔ کشتی کو دریا کے درمیان لے چلتے ہیں''۔

ایک چپو زہرہ نے اور دوسرا حبیب القدوس نے لے لیا اور دونوں کشتی کھینے لگے۔ پہاڑیوں کے سیاہ بھوت پیچھے ہٹنے اور چھوٹے ہونے لگے۔

☆

اُن دنوں دریائے نیل کنارے سے کنارے تک بھرا ہوا اور پورے جوبن پر تھا۔ کناروں کے ساتھ ساتھ بہاؤ پُرسکون تھا، درمیان میں بہت تیز اور سرکش لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ حبیب القدوس کو وہاں تک نہیں جانا چاہیے تھا لیکن کنارے کے ساتھ ساتھ جانا بھی پُرخطر تھا۔ جونہی کشتی تیز بہاؤ میں پہنچی، یوں لگا جیسے کسی قوت نے اُسے اپنی طرف گھسیٹ لیا ہو۔ کشتی تیزی سے بہنے، اوپر اُٹھنے اور گرنے لگی۔ حبیب القدوس نے زہرہ سے کہا...... ''گھبرا نہ جانا۔ ہم ڈوبیں گے نہیں۔ میں ذرا سمت دیکھ لوں''۔

''آپ میری فکر نہ کریں''...... زہرہ نے کہا...... ''ڈوب گئے تو کیا ہو جائے گا۔ ان کافروں کی قید سے تو نکل آئے ہیں''۔

حبیب القدوس نے آنکھیں سکیڑ کر پہاڑوں کی طرف دیکھا جو ابھی زمین کے اُبھار کی طرح نظر آ رہے تھے، پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور پُر جوش لہجے میں بولا...... ''میں اس جگہ کو پہچانتا ہوں۔ اس پہاڑی خطے کی صحرا والی طرف اپنے دستوں کو پہاڑی جنگ کی مشق کرا چکا ہوں۔ اِدھر دریا والی طرف سے میں واقف نہیں تھا۔ ہم سیدھے قاہرہ جا رہے ہیں۔ نیل ہمیں بڑی تیزی سے قاہرہ لے جا رہا ہے...... اللہ کا شکر ادا کرو، زہرہ۔ یہ خدائی مدد ہے۔ اللہ نیتوں کو پہچانتا ہے...... لیکن ہمیں قاہرہ سے پہلے ایک اور جگہ رُکنا ہے۔ کچھ دور آگے دریا کا موڑ ہے۔ اس کے قریب ہماری فوج کی ایک چوکی ہے۔ دریائی گشت کے لیے اُن کے پاس کشتیاں ہیں۔ اس چوکی کی نفری سے میں ان سب آدمیوں کو پکڑ سکوں گا، مگر وہ بیدار ہو جائیں گے''۔

''مجھے اُمید ہے کہ کل دوپہر تک ان میں سے کوئی بھی بیدار نہیں ہو سکے گا''...... زہرہ نے کہا...... ''میرے ہاتھ سے انہوں نے شراب خاصی زیادہ پی لی تھی اور میں نے آخری بھری ہوئی صراحی سے انہیں جو ایک ایک پیالہ پلایا تھا، اس میں خاکی سے رنگ کا تھوڑا سا سفوف ملا دیا تھا''۔

''وہ کیا تھا؟''

''ان لڑکیوں پر میں نے جس طرح اعتماد پیدا کر لیا تھا، وہ تو آپ کو ہر رات تنہائی میں بتاتی رہی ہوں''...... زہرہ نے کہا...... ''کل کی بات ہے کہ انہوں نے حشیش دکھائی اور اس کا استعمال سمجھایا، پھر انہوں نے مجھے ایک ڈبیہ کھول کر یہ سفوف دکھایا اور کہا کہ بعض آدمیوں کو بے ہوش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ چٹکی بھر سفوف شربت یا پانی یا کھانے میں ملا دو تو آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اُسے جہاں جی چاہے، اُٹھا لے جاؤ...... آج رات جب میں شراب کے مٹکے سے آخری صراحی بھرنے گئی تو اس ڈبیہ سے آدھا سفوف اس میں ملا دیا۔ اگر اس کا اثر ویسا ہی ہے جیسا لڑکیوں نے بتایا ہے تو انہیں کل شام تک ہوش میں نہیں آنا چاہیے''۔

حبیب القدوس نے آنکھیں سکیڑ کر پہاڑوں کی طرف دیکھا اور پُر جوش لہجے میں بولا...... ''میں اس جگہ کو پہچانتا ہوں''۔ اُس کے آنسو پھوٹ آئے۔ یہ جذبات کی شدت اور خراجِ تحسین کے آنسو تھے۔ اُس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا...... ''میں نے تمہیں بہت سخت آزمائش میں ڈال دیا تھا زہرہ! میں نے تمہیں جس دُنیا کا بھید لینے کو کہا تھا، وہ گناہوں کی غلیظ مگر بڑی حسین دُنیا ہے۔ تم نے میرے لیے بہت بڑی قربانی دی ہے''۔

''آپ کے لیے نہیں اسلام کی عظمت کے لیے''...... زہرہ نے کہا...... ''میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہ مقدس فرض ادا کرنے کا موقعہ دیا۔ آپ شاید مجھ پر اعتبار نہ کریں۔ گناہوں کی پُرکشش دُنیا میں جا کر بھی اپنا دامن گناہ سے پاک رکھا ہے۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ مجھے یہاں لایا گیا تو انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ تنہا رہنے دیا، ورنہ آپ مجھے بتا نہ سکتے کہ یہ لوگ آپ کو بغاوت کرانے کے لیے اغوا کر کے لائے ہیں اور مجھے ان لڑکیوں میں بے حیا اور شوخ لڑکی بن کر یہ ظاہر کرنا ہے کہ مجھے آپ سے نفرت ہے اور میں اس سے بھاگنا چاہتی ہوں۔ آپ نے جب مجھے ان لڑکیوں کی خصلتیں اور ان کے کمالات بتائے اور کہا کہ میں بھی ایسی ہی بن جاؤں تو میں گھبرا گئی تھی، کیونکہ میں تو تصور میں بھی ایسا نہیں کر سکتی لیکن یہ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ یہ حرکتیں اور یہ سب باتیں مجھ سے بغیر کوشش کے ہو گئیں اور خدا نے مجھے کامیابی عطا فرمائی۔ اگر یہ لڑکیاں مجھے دریا تک کا راستہ نہ دکھاتیں تو

''نہیں!''...... حبیب القدوس نے کہا...... ''یہ صورت تمہارے آنے سے از خود پیدا ہوگئی ہے۔ میں نے کچھ اور سوچا تھا۔ تمہیں استعمال اپنی رہائی کے لیے ہی کرنا تھا۔ تمہیں فرضی پیغام رساں بنانا تھا لیکن ان لڑکیوں نے تم میں کسی اور ہی دِل چسپی کا اظہار کیا تو میرے دماغ میں یہ ترکیب آ گئی جس پر تم نے نہایت خوبی سے عمل کیا اور اب ہم آزاد ہیں...... میں نے اِن لوگوں پر اعتماد کر لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ لوگ غیر معمولی طور پر چالاک ہوتے ہیں لیکن ہم لوگ اپنے ہوش میں ایمان قائم رکھیں تو یہ لوگ احمق ہیں۔ میرے ساتھ جس آدمی کو تم نے دیکھا تھا، یہ اپنے آپ کو مصری مسلمان ظاہر کرتا تھا۔ میں پہلے روز ہی جان گیا تھا کہ یہ صلیبی ہے اور میں صلیبیوں کے جال میں آ گیا ہوں''۔

☆

وہ پہاڑی خطہ بہت دُور رہ گیا تھا۔ نیل کے درمیان کی رو بہت ہی تیز ہوگئی اور زیادہ جوش میں آ گئی تھی۔ کشتی اس کے رحم و کرم پر اوپر اُٹھتی گرتی اور اُٹھتی جا رہی تھی۔ چپو بے کار تھے۔ دریا کے جوش اور قہر میں جو اضافہ ہو گیا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دریا تنگ ہو گیا ہے اور آگے موڑ ہے۔ یہ وہی موڑ تھا جس سے کچھ آگے فوج کی چوکی تھی...... اچانک کشتی رُکی اور گھوم گئی۔ حبیب القدوس نے چپو تھام لیے۔ دریا کا شور بہت بڑھ گیا تھا۔ کشتی ایک چکر میں گھومنے لگی۔ کشتی بھنور میں آ گئی تھی۔ حبیب القدوس نے پوری طاقت سے چپو مارے مگر بھنور کے چکر کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ کشتی قابو میں نہیں رہی تھی۔ اُسے اپنے دونوں مسافروں سمیت دریا کی تہہ میں جانا تھا۔

''زہرہ!''...... حبیب القدوس نے چلا کر کہا...... ''میری پیٹھ پر آ جاؤ''۔

زہرہ اس کی پیٹھ پر سوار ہوگئی اور بازو اس کی گردن کے گرد لپیٹ لیے۔ حبیب القدوس نے اُسے کہا۔ ''مجھے اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لو اور مجھ سے الگ نہ ہونا''...... یہ کہہ کر اس نے چکر میں بھنور کے زور پر تیرتی کشتی سے دریا میں اس طرح چھلانگ لگائی کہ بھنور سے باہر پہنچ جائے۔

وہ زہرہ کے ساتھ پانی کے اندر چلا گیا اور جسم کی تمام تر قوتیں مرکوز کر کے اُبھر آیا۔ وہ بھنور کی زد سے نکل گیا لیکن یہ موڑ تھا اور دونوں طرف چٹانیں تھیں۔ پانی سکڑ گیا تھا اور موجیں زیادہ اونچی اور غضب ناک ہوگئی تھیں۔ زہرہ تیرنا نہیں جانتی تھی۔ اس نے خدا سے مدد مانگنی شروع کر دی۔ حبیب القدوس اس کے بوجھ تلے سیلابی موجوں سے لڑ رہا تھا۔ وہ اُسے چٹان کے ساتھ پٹختی تھیں اور وہ چٹان سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ اپنا اور زہرہ کا منہ پانی سے باہر رکھے لیکن موجیں اُسے بار بار ڈبو کر اوپر سے گزر جاتی تھیں۔

پھر موجیں اُسے موڑ سے نکال لے گئیں اور دریا چوڑا ہو گیا۔ حبیب القدوس کے بازو اور ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ اس نے طاقت کے آخری ذرے یکجا کیے اور اس تند رَو سے نکلنے کو زور لگایا۔ اس نے محسوس کیا کہ زہرہ کی گرفت ڈھیلی ہوگئی ہے۔ اس نے زہرہ کو پکارا مگر وہ نہ بولی۔ اس کے بازو بالکل ڈھیلے ہو گئے...... حبیب القدوس سمجھ گیا کہ زہرہ کے منہ اور ناک کے راستے پانی اندر چلا گیا ہے۔ اُسے بچانا اور تیرنا بہت مشکل ہو گیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اسے سنبھالا اور زور لگایا تو تند رو سے نکل گیا۔ کنارہ ابھی دور تھا۔ اب تیرنا آسان تھا۔ اس نے مدد کے لیے چلانا شروع کر دیا۔

اُس کا جسم اکڑ چکا تھا اور زہرہ گری جا رہی تھی کہ ایک کشتی اُس کے قریب آئی۔ اُسے آواز سنائی دی...... ''کون ہو؟''...... اُس نے آخری بار بازو مارے اور لپک کر کشتی کا کنارا پکڑ لیا۔ اُس نے کہا...... ''اسے میرے اُوپر سے اُٹھا لو''...... زہرہ کو کشتی والوں نے اوپر گھسیٹ لیا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ کشتی میں اُس کی فوج کے سپاہی تھے۔ اُن کی چوکی

یہیں تھیں۔ وہ حبیب القدوس کی پکار پر ادھر آئے تھے۔

چوکی میں جا کر اس نے بتایا کہ وہ نائب سالار حبیب القدوس ہے۔ چوکی کے کمان دار نے اُسے پہچان لیا اور بہت حیران ہوا۔ زہرہ بے ہوش پڑی تھی۔ حبیب القدوس نے اُسے پیٹ کے بل لٹا کر پیٹھ اور پہلوؤں پر اپنا وزن ڈالا تو اس کے منہ اور ناک سے بہت پانی نکلا۔ وہ ابھی ہوش میں نہیں آئی تھی۔ حبیب القدوس نے کمان دار سے کہا کہ دو بڑی کشتیوں میں دس دس سپاہی سوار کرواور پہاڑی خطے تک چلو۔ اس نے بتایا کہ پہاڑیوں کے اندر جو کھنڈر ہے، اس میں دس بارہ صلیبی تخریب کار بے ہوش پڑے ہیں، انہیں لانا ہےاور ہوسکتا ہے وہاں کچھ اور آدمی پہنچ چکے ہوں۔ مجھے خشکی کی طرف سے اندر جانے کے راستے کا علم نہیں۔

''میں ایک راستہ جانتا ہوں'' ۔کمان دار نے کہا...... ''خشکی سے آسان رہے گا''۔

☆

بیس گھوڑسواروں کے آگے حبیب القدوس اور چوکی کا کمان دار تھا۔ صبح کی روشنی ابھی دُھندلی تھی۔ جب وہ پہاڑیوں میں داخل ہو گئے۔ خاموشی کی خاطر انہوں نے گھوڑے باہر ہی رہنے دیئے اور پیدل آگے گئے۔ حبیب القدوس کی جسمانی حالت کو دریا نے چوس لیا تھا۔ پھر بھی چلا جارہا تھا۔ وہ اپنی بیوی کو بے ہوشی کی حالت میں چوکی میں چھوڑ آیا تھا۔ اُس کے لیے زیادہ ضروری تخریب کاروں کی گرفتاری تھی۔ وہ پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان بھول بھلیوں جیسے راستوں سے گزرتے گئے۔ کچھ دیر بعد انہیں کھنڈر نظر آنے لگا۔

سب سے پہلے حبیب القدوس کو صلیبی نظر آیا۔ اُس کے قدم ڈگمگا رہے تھے اور سر ڈول رہا تھا۔ اُسے پکڑا گیا تو وہ کچھ بڑبڑایا۔ سات آٹھ آدمی وہیں بے ہوش پڑے تھے، جہاں رات کو گرے تھے۔ کمرے میں مصری اور سوڈانی اور دونوں لڑکیاں برہنہ اور بے ہوش پڑی تھیں۔ ان سب کو سپاہیوں نے اُٹھالیا۔ اُن کا سامان بھی اُٹھالیا گیا اور ان سب کو گھوڑوں پر ڈال کر چوکی میں لے گئے۔ اُس وقت تک زہرہ ہوش میں آچکی تھی۔

دن کا پچھلا پہر تھا، جب یہ تخریب کار ہوش میں آنے لگے۔ اس وقت قاہرہ کے راستے میں تھے۔ وہ گھوڑوں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ بیس سپاہیوں کی حراست میں تھے۔ حبیب القدوس نے ان کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ قافلہ چلتا رہا۔

آدھی رات کے بعد علی بن سفیان کے ملازم نے اُسے جگایا اور کہا کہ امیر بلاتے ہیں۔ وہ فوراً پہنچا۔ وہاں غیاث بلبیس بھی موجود تھا۔ علی بن سفیان یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حبیب القدوس بھی بیٹھا تھا۔ اُس نے اُن تمام فوجی اور غیر فوجی حاکموں کے نام بتائے جو اُسے کھنڈر میں معلوم ہوئے تھے۔ یہ غدار تھے۔ انہیں بغاوت میں شامل ہونا اور کامیاب کرانا تھا۔ قائم مقام امیر کے حکم سے اسی وقت اُن سب کے گھروں پر چھاپے مارے گئے اور سب کو گرفتار کرلیا گیا۔ اُن کے گھروں سے جو زرو جواہرات برآمد ہوئے، وہ اُن کے جرم کو ثابت کررہے تھے۔

☆

اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی حلب کو محاصرے میں لینے کے لیے اس شہر کے قریب ایک مقام میدانِ الاخضر پر خیمہ زن تھا۔ اُس نے شام اور دوسرے مقامات سے اپنی فوج کے تھوڑے تھوڑے دستے بلا لیے تھے۔ حلب کے متعلق وہ اپنے سالاروں سے کہہ چکا تھا کہ اس شہر کے لوگ اسی طرح بے جگری سے لڑیں گے جس طرح وہ پہلے محاصرے میں لڑے تھے۔ گو اُس کے جاسوسوں نے جو حلب کے اندر تھے، اُسے یہ اطلاع دی تھی کہ اب اتنے برسوں کی خانہ جنگی سے

حلب کے لوگوں کے خیالات بدل گئے ہیں۔ خیالات بدلنے کے سلطان ایوبی نے بھی زمین دوز اہتمام کیا تھا۔ اب وہاں کا حکمران سلطان عمادالدین تھا جسے لوگ زیادہ پسند نہیں کرتے تھے، پھر بھی سلطان ایوبی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوا۔ اس نے اِدھر اُدھر سے دستے میدان الاخضر میں جمع کر لیے۔

وہ اپنے سالاروں کو آخری ہدایات دے رہا تھا کہ قاہرہ کا قاصد پہنچا۔ اُس نے جو پیغام دیا، اُسے پڑھ کر اس کا چہرہ چمک اُٹھا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا...... ''میرا دِل کہہ رہا تھا کہ حبیب القدوس مجھے دھوکہ نہیں دے گا۔ اللہ اسلام کی ہر بیٹی کو زہرہ کا جذبہ اور ایمان دے''۔ علی بن سفیان نے اسے نائب سالار حبیب القدوس کی واپسی کی ساری روئیداد لکھی تھی جس میں اس کی بیوی زہرہ کا تفصیلی ذکر تھا۔ اُس نے اسی وقت پیغام کا جواب لکھوایا جس میں ان غداروں کے لیے جو پکڑے گئے تھے، یہ سزا لکھی کہ انہیں گھوڑوں کے پیچھے باندھ کر گھوڑے شہر میں دوڑائے جائیں اور گھوڑے اس وقت روکے جائیں جب ان غداروں کا گوشت ہڈیوں سے الگ ہو جائے۔

دو روز بعد سلطان ایوبی نے حلب پر چڑھائی کر دی جو محاصرہ نہیں، یلغار تھی۔ بڑی منجنیقوں سے شہر کے دروازوں پر پتھر اور آتش گیر سیال کی ہانڈیاں ماری گئیں۔ شہر کی دیواروں پر اور اندر بھی ہانڈیاں پھینک کر آتشیں تیروں کا مینہ برسا دیا گیا۔ دیواریں توڑنے والے جیش دیواریں توڑنے لگے لیکن شہر والوں اور فوج کی طرف سے مزاحمت میں اتنی شدت نہیں تھی۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ حلب کے حکمران عمادالدین کے اُمراء، وزراء اُس کی خامیوں سے آگاہ تھے۔ اس نے صلیبیوں سے جنگی امداد کے علاوہ سونے کی صورت میں دولت بہت لی تھی۔ اس کے اُمراء وزراء کی نظر اس پر تھی۔ انہوں نے ایسے مطالبات پیش کیے کہ عمادالدین جو پہلے ہی سلطان ایوبی کی طوفانی یلغار سے خوف زدہ تھا، ان مطالبات سے گھبرا گیا۔

اس نے حلب کے قلعہ دار (گورنر) حسام الدین کو سلطان ایوبی کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ اسے موصل کا تھوڑا سا علاقہ دے دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے اس کی یہ شرط مان لی۔ یہ خبر جب شہر کے لوگوں نے سنی تو وہ عمادالدین کے محل کے سامنے اکٹھے ہو گئے۔ عمادالدین نے اعلان کیا کہ یہ خبر صحیح ہے کہ وہ حلب سے دست بردار ہو کر جا رہا ہے اور لوگ اپنا کوئی نمائندہ سلطان ایوبی کے پاس بھیج کر اس کے ساتھ صلح کر لیں یا جو کارروائی وہ کرنا چاہتے ہیں، کریں۔

شہر کے معززین نے عزالدین جردوک النوری اور زین الدین کو اپنی نمائندگی کے لیے سلطان ایوبی کے پاس بھیجا۔ جردوک النوری مملوک تھا۔ وہ ۱۱ جون ۱۱۸۳ء (۱۷ صفر ۵۷۹ ہجری) کے روز سلطان ایوبی کے پاس گئے اور اپنی تمام فوج کو شہر کے باہر بلا کر سلطان ایوبی کے حوالے کر دیا۔ فوج کے ساتھ حلب کے معززین اور اُمراء، وزراء بھی آئے تھے۔ سلطان ایوبی نے سب کو بیش قیمت لباس پیش کیے۔

چھٹے روز جب سلطان ایوبی اس فتح سے مسرور تھا۔ اُسے اطلاع ملی کہ اس کا بھائی تاج الملوک جو اسی جنگ میں زخمی ہو گیا تھا، چل بسا ہے۔ سلطان ایوبی کی مسرت گہرے غم میں بدل گئی۔ تاج الملوک کے جنازے میں عمادالدین بھی شامل ہوا۔ اس کے بعد عمادالدین حلب سے نکل گیا۔ سلطان ایوبی نے حلب کی حکومت سنبھال لی۔ بہاؤالدین شداد کے بیان کے مطابق اُس نے اپنی تمام فوج کو جو لمبے عرصے سے مسلسل لڑ رہی تھی، رُخصت پر گھروں کو بھیج دیا اور خود حلب کے انتظامی امور میں مصروف ہو گیا۔ اُس کی منزل بیت المقدس تھی۔

ایوبی نے قسم کھائی تھی

صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر اس روز رونق تھی اور آنکھوں میں وہ چمک جسے اُس کی ہائی کمانڈ کے سالار اور اس کے قریب رہنے والے سول حکام بڑی اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اس کے چہرے پر ایسی رونق اور آنکھوں میں ایسی چمک اُس وقت آیا کرتی تھی، جب وہ کوئی تاریخی فیصلہ کر چکتا تھا۔ وہ محرم ۵۸۳ ہجری (مارچ ۱۱۸۷ء) کا مہینہ تھا۔ سلطان ایوبی دمشق میں تھا۔ وہ اُن تمام مسلمان اُمراء، حکمرانوں اور قلعے داروں کو اپنا مطیع اور اتحادی بنا چکا تھا جو صلیبیوں کے دوست بن کر اس کے خلاف محاذ آرا ہو گئے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم حلب اور موصل کے والی عزالدین اور عمادالدین تھے۔ اُنہوں نے برسوں پر پھیلی ہوئی خانہ جنگی کے بعد سلطان ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ان کی فوجیں سلطان ایوبی کی مشترکہ کمان کے تحت آ گئی تھیں۔

وہ دمشق اُس وقت گیا تھا جب اس نے یہ عہد پورا کر لیا تھا کہ فلسطین کی طرف پیش قدمی سے پہلے ایمان فروشوں کو گھٹنوں بٹھاؤں گا تاکہ ان میں سے کوئی بھی اس کے اور قبلۂ اوّل کے درمیان حائل نہ ہو سکے۔ ان غداروں کو بزورِ شمشیر راہِ راست پر لا کر سلطان ایوبی نے اپنی زبان سے یہ نہیں کہا تھا کہ فاتح ہوں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اسلام کی تاریخ کا یہ باب بڑا ہی شرمناک ہوگا جس میں یہ واقعات بیان کیے جائیں گے کہ صلاح الدین ایوبی کا دور سیاہ دور تھا، جب صلیبی بیت المقدس پر قابض تھے اور مسلمان آپس میں لڑ رہے تھے۔ البتہ وہ ضرور کہا کرتا تھا کہ غداروں کو اپنا اتحادی بنا کر ہم نے صلیبیوں کے عزائم تباہ کر دیئے ہیں۔

اُس روز دمشق میں اس نے اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں، مشیروں اور فوج سے تعلق رکھنے والے غیر فوجی حکام کو کانفرنس کے لیے بلایا تو سب نے سلطان کے چہرے پر مخصوص رونق اور آنکھوں میں وہ چمک دیکھی جو کبھی کبھی دیکھنے میں آیا کرتی تھی۔ سب سمجھ گئے کہ ان کے سلطان نے اپنی منزل کو روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس میں کسی کو شک نہ تھا کہ اُس کی منزل بیت المقدس ہے۔ اب انہیں اس کی زبان سے یہ سننا تھا کہ کس روز اور کس وقت کوچ ہوگا اور کوچ کس ترتیب سے ہوگا اور راستہ کون سا ہوگا۔

''میرے دوستو! میرے رفیقو!'' ...... سلطان صلاح الدین ایوبی ٹھہری ہوئی آواز میں اُن سے مخاطب ہوا ...... ''آپ سب یقیناً میری تائید کریں گے کہ ہم بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کے لیے تیار ہیں۔ آج میں آپ سے جو باتیں کروں گا اور آپ اپنے شکوک رفع کرنے کے لیے مجھ سے جو سوال پوچھیں گے اور جو اعتراض کریں گے وہ ہماری تاریخ ہوگی۔ ہمارے الفاظ اور ہمارے عہد تاریخ کی تحریر بنیں گے اور یہ تحریر ہماری آخری نسل تک جائے گی۔ یہ بھی نہ بھولنا کہ ہم اس دُنیا میں یہ تحریر چھوڑ کر جائیں گے اور خدا کے حضور اپنے اعمال لے کر جائیں گے۔ یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ ہمیں اپنی آنے والی نسلوں کے آگے اور خدائے ذوالجلال کے آگے شرمسار ہونا ہے یا سرخرو۔ فتح کی ضمانت ہم میں سے کوئی بھی

نہیں دے سکتا مگر ہم سب یہ عہد کر سکتے ہیں کہ ہم لڑیں گے، مریں گے، واپس نہیں آئیں گے''۔

سلطان ایوبی نے سب کو دیکھا۔ اس کی نگاہیں سب پر گھومیں۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اُس نے کہا ''میں تمہیں خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں کروں گا لیکن آپ میں سے کسی کے دِل میں یہ ڈر ہو کہ صلیبیوں کے پاس جتنی فوج ہے ہم اس سے آدھی فوج تیار کر سکے ہیں اور ہم اتنی دُور لڑنے جار ہے ہیں۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم ہمیشہ تھوڑی سی کم نہیں بلکہ بہت کم تعداد سے کئی گنا زیادہ دشمن سے لڑے اور فتح پائی ہے۔ جنگ تعداد سے نہیں جذبے اور عقل سے لڑی جاتی ہے۔ ایمان مضبوط ہو تو بازو، تلواریں اور دِل بھی مضبوط ہو جاتے ہیں۔ ہمارے پاس ایمان کی کمی نہیں، عقل کی بھی کمی نہیں۔ اپنے ایمان کو مضبوط رکھیں اور عقل کو استعمال کریں''۔

''ہم میں کوئی ایک بھی نہیں جو اپنی اور دشمن کی فوجی طاقت کا موازنہ نہ کر رہا ہو''...... چھاپہ ماروں کے سالار صارم مصری نے اُٹھ کر کہا اور اپنے ساتھیوں پر نظریں دوڑائیں۔ ہر ایک نے اس کی تائید کی۔ صارم مصری نے کہا۔ ''البتہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہم بیت المقدس تک کس طرف سے اور کس انداز سے پہنچیں گے۔ احتیاط لازمی ہے۔ ہم تکبر سے گریز اور حقیقت کو تسلیم کریں گے''۔

''میں نے آپ کو یہی بتانے کے لیے بلایا ہے''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں نے پیش قدمی اور جنگ کا منصوبہ آپ کے مشوروں سے تیار کیا ہے اور میں نے کئی راتوں کی سوچ کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ ہماری پہلی منزل حطین ہوگی۔ آپ سب حطین کی جنگی اہمیت سے آگاہ ہیں، وہاں مجھے وہ زمین مل جائے گی جہاں میں صلیبیوں کو لڑانا چاہتا ہوں۔ جنگ کا یہ اصول جو میں آپ کو پہلے بھی کئی بار بتا چکا ہوں اپنے ذہن پر نقش کر لو کہ جنگ میں آپ کی بہترین دوست وہ زمین ہے جس پر آپ دشمن کو لا کر لڑاتے ہیں۔ زمین ایسی منتخب کرو جو آپ کو فائدے اور دشمن کو نقصان دے۔ یہ زمین ہمیں حطین کے علاقے میں میسر آئے گی، بشرطیکہ آپ برق رفتاری، راز داری اور پہل کاری سے اس زمین تک پہنچ جائیں اور دشمن کو تمام فائدوں سے محروم کر دیں......

''حطین کے علاقے میں بلندیاں بھی ہیں اور پانی بھی۔ آپ بلندیوں اور پانیوں پر قبضہ کر لیں تو سمجھ لیں کہ آپ آدھی جنگ جیت گئے، لیکن دشمن کو ایسی زمین پر لانا آسان نہیں۔ اگر ہمارے منصوبے کی ایک بھی کڑی پر عمل نہ ہو سکا تو سارا منصوبہ تباہ ہو جائے گا اور تباہی ہمیں وہاں تک لے جائے گی جہاں سے واپسی ناممکن ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ ہم اس ماہ کے وسط تک دمشق سے کوچ کر سکیں گے۔ میں نے حلب اور مصر قاصد بھیج دیئے ہیں۔ انہیں تیز رفتاری سے، کم سے کم پڑاؤ کر کے، فوجیں بھیجنی ہیں جو ہمیں راستے میں ملیں گی۔ ہمیں اپنی تمام فوجوں کو ایک جگہ جمع کرنا ہے۔ باہر سے آنے والی فوج اور یہاں کی فوج کو ملا کر اور اُن کے سالاروں کو مکمل منصوبہ بتا کر فوجوں کی تقسیم کرنی ہے۔ ہماری پیش قدمی فوج کے مختلف حصوں کی پیش قدمی ہوگی۔ ہر حصے کا راستہ الگ ہوگا......

''میں نے راز داری برقرار رکھنے کا انتظام حسب معمول کر دیا ہے۔ آپ کے سوا کسی اور کو، کسی کمان دار اور کسی سپاہی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ ہمارے جاسوس دشمن کے علاقے میں موجود ہیں۔ وہ دشمن کی ذرا ذرا سی حرکت کی اطلاعیں باقاعدگی سے بھیج رہے ہیں۔ اب ضرورت یہ ہے کہ دشمن کے ان جاسوسوں کو اندھا، بہرہ اور گمراہ کر دیا جائے جو ہمارے علاقے میں موجود ہیں۔ حسن بن عبداللہ نے اس کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ ایک بات میں آپ کو ابھی بتا دینا چاہتا ہوں [illegible] فوج کا ایک حصہ [illegible] ساتھ ہوگا جسے میں [illegible] کر کے لے جاؤں گا''۔

سلطان ایوبی اچانک خاموش ہوگیا۔ اس کا سر جھک گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر کو جھٹکا دے کر اوپر کیا اور بولا ...... ''چار سال گزرے میں نے ایک قسم کھائی تھی۔ مجھے یہ قسم پوری کرنی ہے''۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کی یہ قسم ایک تاریخی واقعہ تھا۔ اس نے کانفرنس میں چار سال پہلے کا یہ واقعہ سب کو یاد دلایا۔ اس سلسلے کی پہلی کہانیوں میں تفصیل سے سنایا جاچکا ہے کہ صلیبی حکمران اخلاق اور کردار سے ایسے عاری تھے کہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے تھے۔ یہ کام ان کی فوج کیا کرتی تھی جن دنوں حاجیوں کے قافلے حجاز کو جاتے اور واپس آتے تھے، ان دنوں صلیبی فوج کے دستے ان قافلوں کو لوٹنے کے لیے راستوں میں گھات لگاتے تھے۔ ایک صلیبی حکمران ارناط جو اُس وقت کرک پر قابض تھا، یہ کام اپنے حکم اور اپنے خاص دستوں سے کرایا کرتا تھا۔ اپنے اس جُرم پر وہ ناز بھی کیا کرتا اور حاجیوں کے قافلے کو لوٹ کر فخر سے اس کا ذکر کیا کرتا تھا جیسے اُس نے مسلمانوں پر بہت بڑی فتح حاصل کی ہو۔ اس کی اس رہزنی کا ذکر صرف مسلمان مورخوں نے ہی نہیں کیا۔ یورپی مورخوں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ وہ قافلوں کو لوٹنے کا انتظام کس طرح کیا کرتا تھا۔

۸۴-۱۱۸۳ء میں اُس کے ایک دستے نے حجاز سے مصر کو واپس جانے والے حاجیوں کے ایک قافلے پر حملہ کیا اور لوٹ لیا تھا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے لکھا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی بیٹی بھی اس قافلے میں تھی، لیکن اور کسی مورخ یا اُس وقت کے وقائع نگار نے یہ نہیں لکھا کہ اس قافلے میں سلطان ایوبی کی بیٹی تھی۔ قاضی بہاؤالدین شدّاد کی ڈائری مستند دستاویز ہے کیونکہ وہ واقعات کا عینی شاہد ہے۔ البتہ ایک اشارہ ایک وقائع نگار کی تحریر سے ملتا ہے جو اس طرح ہے کہ جب سلطان ایوبی کو اطلاع ملی کہ ارناط کی فوج نے مصر کے ایک قافلے کو لوٹ لیا ہے تو سلطان ایوبی کی غضب ناک اور گرج دار آواز سنائی دی تھی...... ''وہ میری بیٹی تھی۔ میں اس کا انتقام لوں گا۔ وہ میری بیٹی تھی''۔

قافلے میں کوئی نوجوان لڑکی تھی جسے صلیبی اُٹھا لے گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے اسی وقت قسم کھائی تھی...... ''ارناط کو میں آج سے اپنا ذاتی دشمن سمجھتا ہوں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اس سے اپنے ہاتھوں انتقام لوں گا''۔

سب جانتے ہیں کہ اُن کے سلطان نے اس انداز اور لب و لہجے میں کبھی بات نہیں کی۔ وہ بھڑک کر بات کرنے اور بڑ مارنے کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی ہر بات فیصلہ ہوا کرتی تھی۔ اس نے جب انتقام کی قسم کھائی تو سب سمجھ گئے کہ یہ سلطان کا عزم اور فیصلہ ہے۔ یوں تو ہر صلیبی حکمران اسلام کا دشمن تھا لیکن ارناط اسلام کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرتا تھا۔ مسلمان قیدیوں کو سامنے کھڑا کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وہ دشنام طرازی کرتا اور کہا کرتا...... ''بلاؤ اپنے رَبّ کعبہ کو تمہاری مدد کرے۔ پڑھو اپنے رسول کا کلمہ کہ تم آزاد ہو جاؤ''...... اور وہ قہقہے لگایا کرتا تھا۔ اس کی اس عادت سے سلطان ایوبی بھی واقف تھا، اس لیے وہ ارناط کا جب نام لیتا تو نفرت کا بھرپور اظہار کیا کرتا تھا۔

آج چار سال بعد سلطان ایوبی جب صلیبیوں کے خلاف فوج کشی کی ہدایات اپنے سالاروں کو دے رہا تھا تو اس نے یہ سارا واقعہ یاد دلا کر کہا...... ''اس بدبخت کافر (ارناط) سے مجھے اپنے ہاتھوں سے انتقام لینا ہے۔ اللہ مجھے یہ موقعہ اور ہمت عطا فرمائے کہ میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک کا انتقام لے سکوں''...... اس نے سالاروں کو مزید ہدایات دیتے ہوئے کہا...... ''مجھے اُمید ہے کہ ہم تین ماہ بعد اُس موسم میں حطین کے علاقے میں پہنچیں گے جب سورج کے شعلے پانی کے قطروں کو ریت کے ذرّوں میں بدل دیتے ہیں اور جب ریت کے یہ جلتے ہوئے ذرّے انسانوں کو

بھون ڈالتے ہیں اور جب ریگزار میں سراب اور آسمانوں کو اُٹھنے والے ریت کے بگولوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں صلیبیوں کو اس وقت لڑاؤں گا جب سورج سر پر ہوگا۔ صلیبی لوہے کے خودوں اور زرہ بکتر میں جل جائیں گے۔ لوہے کا جو لباس وہ تیروں، تلواروں اور برچھیوں سے بچنے کے لیے پہنتے ہیں، وہ ہر صلیبی کا اپنا اپنا جہنم بن جائے گا''۔

مورخوں اور جنگ کے یورپی ماہرین اور مبصروں نے سلطان ایوبی کے اس اقدام کی تعریف کی ہے کہ اس نے جنگ کے لیے جس موسم کا انتخاب کیا وہ جون جولائی کے دن تھے جب ریگزار بھٹی سے نکالی ہوئی سل کی طرح گرم ہوتا ہے۔ صلیبی فوجی آہنی چادروں کے لباس میں محفوظ ہوتے تھے۔ ان کے نائٹ (سردار) سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں ملبوس ہوتے تھے۔ تیر اور تلوار کا ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا مگر سلطان ایوبی نے لوہے کا یہ لباس اُن کی بہت بڑی کمزوری بنا دیا تھا۔ ایک تو وہ چھاپہ مار قسم کی جنگ لڑتا تھا۔ تھوڑی سی نفری سے پہلوؤں پر برق رفتار حملے کرتا اور حملہ آور دستے ضرب لگا کر وہاں رُکتے نہیں تھے۔ اس چال سے صلیبی فوج کو پھیلنا پڑتا اور رفتار تیز کرنی پڑتی لیکن زرہ بکتر کا وزن رفتار اتنی نہیں ہونے دیتا تھا، جتنی سلطان ایوبی کے دستوں کی ہوتی تھی۔

سلطان ایوبی نے زرہ بکتر کا دوسرا توڑ یہ سوچا کہ وہ اُس وقت جنگ شروع کرتا تھا جب سورج سر پر اور ریگستان شعلہ بنا ہوتا تھا۔ زرہ بکتر تنور کی طرح تپ جاتی تھی۔ پیاس سے جسم خشک ہو جاتا تھا اور پانی پر سلطان ایوبی جنگ سے پہلے قبضہ کر لیتا تھا۔ ریگستان کی جھلسا دینے والی تپش اسلامی فوج کے لیے بھی دشواریاں پیدا کرتی تھی، لیکن اس کے لباس ہلکے پھلکے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ سلطان ایوبی کی ٹریننگ بڑی سخت تھی۔ وہ گھوڑوں، اونٹوں اور تمام فوج کو لمبے لمبے عرصے کے لیے ریگستان میں رکھتا اور خود بھی ان کے ساتھ رہتا تھا۔ اس نے فوج کو بھوکا پیاسا رہنے کی ٹریننگ بھی دے رکھی تھی۔ رمضان کے مہینے میں وہ ٹریننگ اور جنگی مشقیں زیادہ کیا کرتا اور کہا کرتا تھا کہ اس مبارک مہینے میں خدائے ذوالجلال اپنے ہاتھوں ہماری تربیت کرتے ہیں۔

جسمانی ٹریننگ کے علاوہ اس نے سپاہیوں کی ذہنی بلکہ روحانی تربیت کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ سپاہیوں کو یہ ذہن نشین کرایا جاتا تھا کہ وہ اللہ کے سپاہی اور دین اسلام کے محافظ ہیں، کسی بادشاہ یا سلطان کی فوج کے ملازم نہیں۔ وہ مالِ غنیمت سپاہیوں میں تقسیم کرتا تھا لیکن انہیں تاثر یہ دیا جاتا تھا کہ جنگ مالِ غنیمت کے لیے نہیں لڑی جاتی اور مالِ غنیمت جہاد کا انعام بھی نہیں۔ انعام اللہ دیتا ہے۔ سب سے بڑی چیز غیرت تھی جو اُس نے ساری فوج میں پیدا کر رکھی تھی۔ وہ سب سے زیادہ ذکر اُن مسلمان لڑکیوں کا کرتا تھا جنہیں صلیبی اُٹھا لے جاتے تھے اور ان خواتین کا بھی جو صلیبیوں کے مقبوضہ علاقوں میں صلیبیوں کی درندگی کا شکار ہو رہی تھیں۔

''قوم کے شہیدوں کو اور قوم کی مظلوم بیٹیوں کو بھول جانے والی قوم کی قسمت میں کفار کی غلامی لکھ دی جاتی ہے''...... یہ الفاظ سلطان ایوبی کی زبان پر رہتے تھے۔ وہ سپاہیوں میں گھومتا پھرتا رہتا تھا، ان کی گپ شپ اور ان کی کھیل کود میں شامل ہو جایا کرتا تھا۔ ان سے وہ کہا کرتا تھا...... ''انتقام فوج لیا کرتی ہے۔ اگر فوج نے فرض ادا نہ کیا تو اس کے لیے اس دنیا میں بھی ذلت ہے اور اگلی دُنیا میں بھی۔

☆

سامنے صلیب الصلبوت رکھی تھی اور اس کے پاس اس صلیب کا محافظ کھڑا تھا جو عکرہ کا بڑا پادری تھا۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق یہ وہ اصل صلیب تھی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس چوبی

صلیب پر ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خون کے نشان موجود ہیں۔اسے صلیبِ اعظم بھی کہتے ہیں۔اسی لیے عکرہ کا پادری ''محافظ صلیب اعظم'' کہلاتا تھا اور اس کا حکم بادشاہوں کے حکم سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔بادشاہ بھی اس کے حکم کے پابند ہوتے تھے۔عیسائیوں اور یہودی لڑکیوں کو اسی کی اجازت سے مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی، کردارکشی اور نظریاتی تخریب کاری کے لیے بھیجا جاتا تھا جو لڑکی اس کام کی ٹریننگ مکمل کر کے باہر بھیج جاتی، اسے صلیب کا محافظِ اعظم اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا کرتا تھا۔

ان لڑکیوں سے صلیب الصلبوت پر ہاتھ رکھوا کر وفاداری کا اور صلیب کو دھوکہ نہ دینے کا حلف لیا جاتا تھا۔ایسا ہی حلف صلیبی فوج کے ہر افسر اور ہر سپاہی سے بھی لیا جاتا تھا۔اس کے بعد ایسی ہی ایک چھوٹی سی صلیب اس کے گلے میں لٹکا دی جاتی تھی۔

ناصرہ کے مقام پر صلیبی حکمران جمع تھے۔ان میں گائی آف لوزیناں، ریمانڈ آف تریپولی، گرینڈ ماسٹر گراڈ، ماؤنٹ فیرت، ہمفرے آف توران، امارلک اور شہزادہ ارناط آف کرک قابلِ ذکر ہیں..... اور وہاں عکرہ کا پادری ''محافظ صلیب اعظم'' بھی موجود تھا۔ان کے لیے جو شامیانے اور قناتیں لگائی گئی تھی، وہ کپڑوں کا ایک خوش نما محل تھا۔محل کی طرح اس کے کمرے، برآمدے اور غلام گردشیں تھیں۔رنگا رنگ روشنی والے فانوسوں کی روشنی نے اسے مرمر اور خارا محلات سے زیادہ حسین بنا رکھا تھا۔اس کے اردگرد رہائشی شامیانوں اور قناتوں کے کمرے تھے اور ان کے اِردگرد صلیبی نائٹوں کے خیمے اور ان کی فوج کے منتخب دستے خیمہ زن تھے۔شراب کے مٹکوں کے ساتھ ان حسین اور دِل کش لڑکیوں کی کچھ تعداد بھی موجود تھی جن کا طلسماتی حسن اور شوخیاں بھائی کو بھائی اور باپ کو بیٹے کا دشمن بنا دیتی تھیں۔

ایک شامیانے تلے جس پر پختہ محل کے کمرے کا گمان ہوتا تھا، صلیب الصلبوت رکھی ہوئی تھی اور اس کے پاس عکرہ کا پادری کھڑا تھا۔اس کے سامنے صلیبی حکمران اور ان کے جرنیل اور منتخب نائٹ بیٹھے تھے۔سب کو معلوم تھا کہ یہ ایک تاریخی اجتماع ہے اور تاریخ کا ایک نیا باب لکھا جانے لگا ہے۔اس باب کا عنوان تھا..... ''صلاح الدین ایوبی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دو''۔

''صلیب کے محافظو!''..... عکرہ کے پادری نے کہا..... ''یہ ہے وہ صلیب جس پر تم سب نے ہاتھ رکھ کر حلف اُٹھایا تھا۔آج یہ صلیب تمہارے سامنے اس لیے عکرہ سے لا کر رکھی گئی ہے کہ اس کے ساتھ تم نے جو عہد کیا تھا وہ تمہارے دلوں میں تازہ ہو جائے۔اب تمہیں ایک خون ریز اور فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہونا ہے۔یہ جنگ تمہیں لڑنی ہے۔تم سب جنگجو ہو، جرنیل ہو، تمہاری عمر میدانِ جنگ میں گزر گئی ہے۔میں اس میدان کا آدمی نہیں ہوں۔میں تمہارے مذہب کا پیشوا ہوں۔میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر دنیائے عرب پر صلیب کی حکمرانی قائم کرنی ہے۔یروشلم تو ہے ہی ہمارا، یہ مت بھولو کہ مکہ اور مدینہ پر بھی قبضہ کرنا ہے اور اس مقدس صلیب کو مسلمانوں کے خانہ کعبہ کے اوپر رکھنا اور اسے یسوع مسیح کی عبادت گاہ بنانا ہے.....

''یاد رکھو کہ تم مدینہ سے تین میل دُور تک پہنچ گئے تھے مگر مسلمانوں نے تمہیں اس سے آگے نہ بڑھنے دیا۔تمہیں بھی اسی جنون سے لڑنا ہے جس جنون سے مسلمان اپنے کعبے کے تحفظ کے لیے لڑے تھے۔صلاح الدین ایوبی کی نظریں یروشلم پر لگی ہیں۔وہ کہتا ہے کہ یہ بیت المقدس ہے اور یہاں کا قبلۂ اوّل ہے۔اگر اس سے یروشلم کو بچانا چاہتے ہو تو نظریں مکہ پر رکھو۔ذہن میں یہ یاد رکھو کہ ہماری جنگ صلاح الدین ایوبی سے نہیں، یہ صلیب اور اسلام کی جنگ

ہے۔ یہ دو مذہبوں کی، دو عقیدوں کی جنگ ہے۔ یہ جنگ ہم نہ جیت سکے تو ہماری اگلی نسل لڑے گی۔ وہ اسلام کا خاتمہ نہ کر سکی تو اس سے اگلی نسل لڑے گی، تا آنکہ دونوں میں سے ایک مذہب ختم ہو جائے گا۔ خاتمہ اسلام کا ہوگا اور ساری دُنیا پر صلیب کی حکمرانی ہوگی......

''ہم نے مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے دوسرے طریقے بھی اختیار کیے ہیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ تم سب کو یاد ہوگا کہ ہم اس مہم میں کتنی لڑکیاں ضائع کر چکے ہیں۔ ہم بے شمار دولت اور اسلحہ بھی ضائع کر چکے ہیں جو مسلمان اُمراء کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف دیتے رہے۔ ہم نے ان لڑکیوں اور زر و جواہرات نے یہ حاصل کیا ہے کہ مسلمانوں میں شراب اور عیاشی کی عادت پیدا کر دی ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہم چھ سات سال انہیں آپس میں لڑاتے رہے، ان کی اس خانہ جنگی سے ہم نے یہ فائدہ ضرور اُٹھایا ہے کہ مسلمانوں کی جنگی قوت خاصی حد تک ضائع کر دی ہے اور سلطان ایوبی کے بہترین اور تجربہ کار سپاہی اور ان کے کمانڈر خانہ جنگی میں مروا دیے ہیں۔ اس خانہ جنگی سے ہم نے یہ فائدہ بھی اُٹھایا ہے کہ سات آٹھ سال صلاح الدین ایوبی کو اس کے اپنے علاقوں سے باہر نہیں نکلنے دیا۔ اس عرصے میں ہم نے جنگی تیاریاں مکمل کر لیں اور یروشلم کا دفاع اتنا مضبوط کر لیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے لیے ان راستوں تک پہنچنا جو یروشلم کو جاتے ہیں۔ ناممکن ہو گیا ہے......

''مگر اس نے وہ کیفیت پھر حاصل کر لی ہے جو اُن کی خانہ جنگی سے پہلے تھی۔ حلب اور موصل کی فوجیں بھی اسے مل گئی ہیں۔ تمام مسلمان اُمراء اس کے حامی ہو گئے ہیں۔ مظفر الدین اور ککبوری جیسے سالار جو اس کے خلاف لڑے اور ہمارے دوست بن گئے تھے، اس کے پاس چلے گئے ہیں۔ غداروں کو اس نے اتنا کمزور اور بے بس کر دیا ہے کہ وہ اب ہمارے کسی کام کے نہیں رہے۔ اب کوئی مسلمان حکمران ایسا نہیں رہا جو صلاح الدین ایوبی پر عقب سے حملہ کرے۔ ہم نے حشیشین کو بھی آزما دیکھا ہے۔ وہ چار پانچ قاتلانہ حملوں میں بھی اُسے قتل نہیں کر سکے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار اور کوئی حل اور راستہ نہیں رہا کہ ہم مل کر سلطان صلاح الدین ایوبی پر یلغار کریں لیکن اپنے جرنیلوں نے یہ مشورہ دیا ہے کہ حملے میں پہل اُسے کرنے دیں۔ اس کی مجھے دو وجوہات بتائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی فوجوں کو اتنی دُور نہیں لے جانا چاہیے کہ رسد کے راستے مسدود اور خطرناک ہو جائیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی جس طریقے کی جنگ لڑتا ہے، اس سے ہمیں اپنی فوج دُور دُور تک پھیلانی پڑتی ہے۔ اب جب کہ دشمن کے علاقے میں ہمارا کوئی حامی نہیں رہا، اس لیے ہمیں حملے کا خطرہ سوچ سمجھ کر مول لینا چاہیے......

''ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق صلاح الدین ایوبی یروشلم کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کر چکا ہے۔ یہ تمہیں دیکھنا ہے کہ اس کی پیش قدمی کا راستہ کون سا ہوگا اور وہ سیدھا یروشلم کی طرف آئے گا یا کیا کرے گا۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہیے کہ ہم اکیلے اکیلے اُس کے خلاف نہیں لڑ سکتے۔ اب تم متحد ہو گئے ہو۔ صلیب اعظم کو یہاں اُٹھا لانے کا مقصد یہ ہے کہ تم سب ایک ہی بار صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف اُٹھاؤ کہ تم دشمن کے خلاف یک جان ہو کر لڑو گے اور ذاتی رنجشوں اور ذاتی مفادات کو نظر انداز کر کے متحدہ مفاد کے لیے لڑو گے اور یہ مفاد صلیب اعظم اور یسوع مسیح کے عقیدے کا ہوگا اور تم سب اسلام کے خاتمے کے لیے لڑو گے''۔

سب اُٹھے۔ انہوں نے صلیب پر ہاتھ رکھے اور عکرہ کے پادری نے حلف کے جو الفاظ کہے، وہ سب نے دُہرائے۔

☆

دوسرے دن سب بہت دیر سے جاگے۔ رات جب پادری نے انہیں چھٹی دی تو وہ شراب اور رقص میں مگن ہو گئے۔ وہ اپنی اپنی پسند کی لڑکیاں ساتھ لائے تھے۔ ان کے حسن و جمال، نیم عریاں جسموں، کھلے بکھرے ہوئے ریشمی بالوں، ناز و ادا اور شراب نے اس خطے کو جنتِ ارضی بنائے رکھا۔ دوسرے دن کا سورج طلوع ہو چکا تھا مگر صلیبیوں کے اس شاہانہ کیمپ میں نیند نے موت کا سکوت طاری کر رکھا تھا۔

شہزادہ ارناط کے خیمے سے ایک جواں سال لڑکی نکلی۔ بہت ہی خوب صورت اور لمبے قد کی لڑکی تھی۔ اس کا رنگ دلکش تھا اور اس کی آنکھوں میں سحر تھا لیکن یہ رنگ اور یہ آنکھیں صلیبی یا یہودی لڑکیوں جیسی نہیں تھی۔ یہ سوڈان، مصر یا دمشق جیسے علاقوں کی پیداوار معلوم ہوتی تھی۔ اس کے حسن کی یہی ضمانت کافی تھی کہ ارناط اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔

اسے دیکھ کر ایک بوڑھی خادمہ دوڑتی اس تک پہنچی۔ وہاں جو فوج ان حکمرانوں کے ساتھ گئی تھی۔ اس کی اتنی نفری نہیں تھی جتنی تعداد نوکروں اور نوکرانیوں کی ساتھ تھی۔ اس لڑکی کو ارناط پرنسیس للی کہا کرتا تھا۔ وہ شکل و صورت اور قد بت سے شہزادی ہی لگتی تھی۔ اس نے خادمہ سے کہا کہ صرف میرے لیے ناشتہ جلدی لاؤ اور بگھی تیار کرو، میں اس علاقے کی سیر کو جا رہی ہوں۔

ارناط گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اسے جاگنے کی کوئی جلدی نہیں تھی، وہاں تو صرف پادری صبح سویرے جاگا اور عبادت کر کے پھر سو گیا تھا۔ للی کے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ ناشتہ آنے تک وہ تیار ہو گئی اور جب ناشتہ کر چکی تھی تو بگھی آ چکی تھی۔ یہ دو گھوڑوں کی خوب صورت بگھی تھی۔ کرک سے ارناط کے ساتھ وہ اسی بگھی میں آئی تھی۔

بگھی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے بگھی بان سے کہا...... ''یہ علاقہ بہت خوب صورت لگتا ہے۔ میں سیر کے لیے جانا چاہتی ہوں۔ تم اس جگہ سے واقف تو نہیں ہو گے؟''

''اچھی طرح واقف ہوں شہزادی محترمہ!'' بگھی بان نے جواب دیا...... ''اگر آپ سیر کے لیے جانا چاہتی ہیں تو میں کمان اور ترکش لیے چلتا ہوں۔ آپ شکار بھی کھیل سکتی ہیں۔ یہاں ہرن زیادہ تو نہیں لیکن کہیں نظر آ جاتے ہیں۔ خرگوش عام ہیں۔ پرندے ہیں''۔

للی نے مُسکرا کر کہا...... ''کیا تم مجھے تیر انداز سمجھتے ہو؟...... جاؤ، لے آؤ''۔

''کوئی مشکل نہیں''۔ بگھی بان نے کہا...... ''آپ لڑائی پر تو نہیں جا رہیں۔ شکار پر چلایا ہوا تیر خطا ہو گیا تو کیا ہو جائے گا''۔

وہ دوڑتا گیا اور کمان اور ترکش اُٹھایا۔

بگھی خیمہ گاہ سے بہت دُور چلی گئی۔ یہ خطہ سرسبز تھا۔ درخت بھی خاصے تھے اور اونچی نیچی ٹیکریاں تھیں۔ مارچ اپریل کے دن تھے۔ بہار کا موسم تھا۔ اس سے یہ خطہ اور زیادہ خوب صورت ہو گیا تھا۔ بگھی آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی۔ ایک جھنڈ کے نیچے للی کے کہنے پر بگھی رُک گئی اور وہ اُتری۔ اُس کا بگھی بان سیبل نام کا عیسائی تھا اور انہی علاقوں کا رہنے والا تھا۔ اُس کی عمر تیس سال سے کچھ اوپر ہو گی۔ خوبرو اور دراز قد جوان تھا۔ اسی لیے اُسے ارناط نے بگھی کے لیے منتخب کیا تھا۔ للی کو بھی یہ آدمی پسند تھا۔ زندہ دل اور فرمانبردار تھا۔ للی جب ارناط کے پاس آئی، اس سے ایک سال بعد سیبل اُن کے پاس آیا تھا۔

''مسلمانوں کی سرحد کہاں سے شروع ہوتی ہے؟'' للی نے بگھی سے اُتر کر پوچھا

''جہاں تک کسی کی فوج پہنچ کر ڈیرے ڈال دے، وہ اُس کی سرحد بن جاتی ہے''۔ بگھی بان نے جواب دیا......''میں آپ کو اتنا بتا سکتا ہوں کہ یہاں سے آٹھ دس میل دُور سمندر کی طرح ایک وسیع جھیل ہے جس کا نام گیلیلی ہے۔ اس کے کنارے طبریہ نام کا ایک قصبہ ہے۔ اس سے کچھ اِدھر حطین نام کا ایک مشہور گاؤں ہے۔ اس جھیل سے آگے سے مسلمانوں کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے''۔

''یعنی مسلمانوں کا علاقہ یہاں سے دُور نہیں''۔ لِلی نے کہا......''کیا ہم بگھی پر جھیل تک جا سکتے ہیں؟''

''ہم کرک سے بگھی پر آئے ہیں''۔ سبیل نے کہا......''جھیل تو یہ قریب ہے۔ یہ دو گھوڑے بغیر تھکے وہاں تک پہنچا سکتے ہیں''۔

لِلی نے بچوں کی طرح اُس سے راستہ پوچھنا شروع کر دیا اور بگھی بان زمین پر لکیریں ڈال کر اُسے راستہ سمجھانے لگا۔

''دمشق کو بھی راستہ جاتا ہوگا؟'' لِلی نے پوچھا۔

بگھی بان نے اُسے دمشق تک کا راستہ سمجھا دیا۔

☆

لِلی نے ترکش سے تیر نکالا اور درختوں میں پرندے دیکھنے لگی۔ اُس نے ایک پرندے پر تیر چلایا جو خطا گیا۔ لِلی نے قہقہہ لگایا۔ بگھی بان نے اُسے شست لینے کا طریقہ سمجھایا۔ اس نے کچھ تیر اِدھر اُدھر چلائے۔

''اور آگے چلو''۔ لِلی نے بگھی میں بیٹھتے ہوئے کہا......''اُس جگہ چلو جہاں ہرن ہوں۔ میں ہرن کو تو مار لوں گی''۔

سبیل اُسے ڈیڑھ دو میل دُور لے گیا۔ ایک جگہ بگھی روک کر اس نے کہا کہ تھوڑی دیر انتظار کریں، شاید کوئی ہرن یا خرگوش نظر آ جائے۔ وہ خود ایک طرف کو چل پڑا۔ کوئی بیس قدم دُور ایک درخت تھا۔ سبیل اُس کے ساتھ کندھا لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ شہزادی لِلی کے لیے ہرن یا خرگوش دیکھ رہا تھا۔ لِلی کی طرف اُس کی پیٹھ تھی۔ لِلی نے کمان میں تیر ڈالا اور سبیل کی پیٹھ کا نشانہ لیا۔ اُسے کوئی دیکھتا تو یہی کہتا کہ لِلی مذاق کر رہی ہے۔ اُس نے کمان کھینچی۔ اُن کے ہاتھوں میں کمان کانپ رہی تھی۔ ایک آنکھ بند کیے وہ سبیل کی پیٹھ کا نشانہ لیے ہوئے تھی۔

اس نے کمان اور زیادہ کھینچی اور تیر چلا دیا۔ تیر سبیل کے کندھے کے بالکل قریب درخت کے تنے میں لگا۔ سبیل گھبرا کر ہٹا اور مُڑا۔ اُس نے درخت میں اُترے ہوئے تیر کو پھر لِلی کو دیکھا، مگر لِلی ہنس نہیں رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر ایسی سنجیدگی تھی جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر بھی اُس نے ہنس کر کہا......''آپ مجھ پر تیر اندازی کی مشق کر رہی ہیں؟''......اور وہ لِلی کی طرف چل پڑا۔

لِلی نے ترکش سے ایک اور تیر نکال کر کمان میں ڈال لیا اور بولی......''وہیں رُک جاؤ اور اِدھر اُدھر نہ ہونا''۔

سبیل رُک گیا اور لِلی نے کمان سامنے کر کے ایک بار پھر کھینچی۔ سبیل نے چلا کر کہا......''شہزادی آپ کیا کر رہی ہیں''۔

شہزادی کی کمان سے تیر نکلا۔ سبیل کی نظریں اُسی پر تھیں۔ وہ بیٹھ گیا اور تیر زنانے سے اُس کے قریب سے گزر گیا۔ سبیل شہزادی کا احترام اور اپنی حیثیت کو بھول گیا۔ لِلی ترکش سے ایک اور تیر نکال رہی تھی۔ سبیل بڑی ہی تیزی سے اس کی طرف دوڑا۔ لِلی اتنی جلدی تیر نکال کر کمان میں نہ ڈال سکی۔ سبیل اس پر لپکا تو لِلی دوڑ کر پرے ہو گئی لیکن سبیل مرد تھا

اور جوان بھی تھا۔ دوڑ کر للی تک پہنچا اور اُسے پکڑ لیا۔ اُس سے کمان چھین لی اور اُس کے کندھوں سے ترکش بھی اُتار لی۔

''میں اُن غلاموں میں سے نہیں ہوں جن پر اُن کے آقا ہر طرح کا ظلم کرتے ہیں'' ۔سیبل نے کہا اور ایک تیر کمان میں ڈال کر کمان للی پر تانی۔ بولا...... ''کیا تم مجھ پر مشق کرنا چاہتی ہو؟ کیا میری خدمات اور فرمانبرداری کا یہ صلہ ہے؟''

للی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے ہونٹ کانپے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سیبل نے کمان پرے پھینک دی اور آہستہ آہستہ اُس کے قریب گیا۔

''میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا کہ آپ نے مجھ پر تیر کیوں چلائے اور آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آ گئے ہیں؟'' سیبل نے پوچھا۔

''تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے؟'' للی نے ایسے لہجے میں کہا جو کسی شہزادی کا نہیں ایک ڈری ہوئی لڑکی کا لہجہ تھا۔

''میں آپ کی خاطر جان تک دے سکتا ہوں'' ۔سیبل نے کہا۔ ''کیسی مدد؟''

''انعام سے مالا مال کر دوں گی'' ۔للی نے کہا...... ''مجھے انعام کے طور پر مانگو گے تو یہ بھی قبول کروں گی۔ مجھے جبیل گیلیلی سے آگے مسلمانوں کے علاقے میں لے چلو...... دمشق تک چلو۔ وہاں یہ بگھی اور دونوں گھوڑے تمہارے ہوں گے۔ انعام الگ دلواؤں گی'' ۔

''مجھے شک ہے، آپ کے دماغ پر کوئی اثر ہو گیا ہے'' ۔سیبل نے کہا...... ''چلئے، واپس چلیں'' ۔

''اگر میری بات نہیں مانو گے تو واپس جا کر شہزادہ ارناط سے کہوں گی کہ تم نے یہاں مجھ پر دست درازی کی تھی'' ۔للی نے اس کی سنی اَن سنی کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہوا، آپ نے بتا دیا'' ۔سیبل نے کہا...... ''اب آپ واپس نہیں جائیں گی، نہ میں واپس جا رہا ہوں۔ آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر بگھی میں ڈال لوں گا اور کسی شہر میں جا کر آپ کو بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ ڈالوں گا...... مجھے بتاؤ مسلمانوں کے پاس کیوں جانا چاہتی ہو؟''

تب للی کو احساس ہوا کہ وہ ایک جال میں پھنس گئی ہے۔ وہ بیٹھ گئی اور سر گھٹنوں میں دے کر سسکنے لگی۔ سیبل اسے دیکھتا رہا۔ یہ لڑکی اس کے لیے اجنبی نہیں تھی لیکن اب وہ اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ اُس کے بال، اس کی رنگت اور اُس کی ڈیل ڈول صلیبی لڑکیوں جیسی نہیں تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ صلیبیوں کے پاس مسلمانوں کی اغوا کی ہوئی لڑکیاں بھی ہیں۔ یہ بھی شاید مغویہ ہو گی لیکن اُسے تو وہ تین سالوں سے خوش و خرم دیکھ رہا تھا۔ وہ اُس کے پاس بیٹھ گیا۔

''اگر مسلمان ہو تو بتا دو'' ۔سیبل نے کہا۔ ''تمہیں شاید اغوا کیا گیا تھا'' ۔

''اور تم شہزادہ ارناط کو بتا کر انعام لو گے'' ۔للی نے کہا...... ''اور اُسے بتاؤ گے کہ میں نے بھاگنے کی کوشش کی تھی'' ...... اُسے سیبل کے گلے میں ایک ڈوری لٹکتی نظر آئی۔ اس نے یہ ڈوری کھینچی تو چھوٹی سی صلیب ڈوری سے بندھی ہوئی باہر آ گئی۔ للی نے کہا...... ''اسے ہاتھ میں لے کر قسم کھاؤ کہ مجھے دھوکہ نہیں دو گے، ارناط کو نہیں بتاؤ گے کہ میں نے تم پر تیر کیوں چلائے تھے'' ۔

''سیبل اُس کی اصلیت سمجھ گیا اور بولا۔ ''صلیب پر کھائی ہوئی قسم جھوٹی ہو گی'' ۔اُس نے صلیب کی ڈوری گلے سے اُتاری اور صلیب پرے پھینک دی۔ کہنے لگا...... ''مسلمان صلیب پر قسم نہیں کھایا کرتے'' ۔

للی نے چونک کر سیبل کو دیکھا جیسے اُسے سیبل کے الفاظ پر یقین نہ آ رہا ہو۔ اُس نے صلیب کو دیکھا جو پرے

زمین پر پڑی تھی۔ کوئی صلیبی کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، صلیب کی توہین نہیں کرتا۔ سیبل کو بہرحال یقین آ گیا تھا کہ للی کسی مسلمان کی بیٹی ہے۔

''میں نے تم پر اپنا راز فاش کر دیا ہے''۔ سیبل نے کہا...... ''اب تم مجھے بتا دو کہ تمہیں کب اور کہاں سے اغوا کیا گیا تھا''۔

''میں حجِ کعبہ سے اپنے والدین کے ساتھ مصر کو واپس جا رہی تھی''۔ للی نے ڈرے ہوئے بچے کی طرح کہا...... ''بہت بڑا قافلہ تھا۔ اس وقت میری عمر سولہ سترہ سال تھی۔ چار ساڑھے چار سال گزر گئے ہیں۔ کرک کے قریب اِن کافروں نے قافلے پر حملہ کیا اور مال واسباب لوٹ لیا۔ انہوں نے بہت کشت وخون کیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے والدین مارے گئے تھے یا زندہ ہیں۔ یہ کافر مجھے اپنے ساتھ لے آئے۔ یہ شاید میری بدقسمتی تھی کہ میں اتنی خوب صورت تھی کہ والیٔ کرک شہزادہ ارناط نے مجھے پسند کر لیا اور اپنے لیے رکھ لیا۔ اگر میں اتنی خوب صورت نہ ہوتی تو معلوم نہیں کیسے کیسے درندوں کے ہاتھوں اب تک مر چکی ہوتی......

''شہزادہ ارناط کے آگے میں بہت روئی مگر بے کار تھا۔ اس نے کہا کہ میں اپنی بادشاہی چھوڑ دوں گا، تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ پھر اُس نے مجھے شہزادیوں کی طرح رکھا۔ اُس نے میرے ساتھ شادی نہیں کی اور مجھے اپنا مذہب قبول کرنے کو بھی نہیں کہا۔ میں اس کی عیاشی کا ذریعہ بنی رہی۔ اس کے پاس کئی اور جوان لڑکیاں تھیں۔ وہ میری دشمن بن گئیں لیکن ارناط صرف مجھے ساتھ رکھتا اور میری بات مانتا تھا۔ میں نے اپنی اس حالت کو قبول کر لیا۔ میں اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ عورت کی قسمت یہی ہوتی ہے کہ جس کے قبضے میں آ جائے، اس کی ملکیت اور اسی کی غلام ہوتی ہے''۔

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ سیبل کو غور سے دیکھ کر بولی...... ''کیا تم یہ ساری باتیں شہزادہ ارناط کو سنا دو گے؟ پھر وہ مجھے کیا سزا دے گا؟''

''اگر میں واقعی سیبل ہوتا تو یہی کرتا جو تمہیں ڈر ہے''۔ تبھی بان نے کہا...... ''میں شامی مسلمان ہوں۔ میرا نام بکر بن محمد ہے''۔

''تم اُن جاسوسوں میں سے تو نہیں جن کے متعلق ارناط کہا کرتا ہے کہ ہمارے ملک میں چھپے ہوئے ہیں؟'' لڑکی نے پوچھا اور بولی...... ''میرا نام کلثوم ہوا کرتا تھا''۔

''میں جو کچھ بھی ہوں''۔ بکر نے جواب دیا۔ ''مسلمان ہوں۔ میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں کہ ایک اغوا کی ہوئی مسلمان لڑکی کی ملاقات کسی ایسے مسلمان سے ہو گئی جو صلیبیوں کے پاس عیسائیوں کے بہروپ میں ملازم تھا۔ ایسے واقعات پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ یہاں تک بھی ہوا ہے کہ بھائی جاسوس بن کر صلیبیوں کے کسی شہر میں گیا تو وہاں اُس کی ملاقات اپنی اس بہن سے ہو گئی جو بہت عرصہ پہلے تمہاری طرح اغوا ہوئی تھی۔ حیران نہ ہو کلثوم! تم حجِ کعبہ سے واپس آ رہی تھیں۔ خدا نے تمہارا حج قبول کر لیا ہے۔ میں عالم فاضل نہیں کہ تمہیں بتاؤں کہ خدا نے تمہیں یہ سزا کیوں دی ہے۔ البتہ اب یوں نظر آتا ہے جیسے خدا نے تم سے کوئی نیکی کا کام کرانے کے لیے اس جہنم میں پھینکا تھا...... تم صرف فرار ہونا چاہتی ہو یا فرار کا کوئی مقصد بھی ہے؟''

''بہت بڑا مقصد''۔ کلثوم نے کہا...... ''تم شاید نہیں جانتے کہ عکرہ کے پادری نے اِن صلیبیوں کو یہاں کیوں بلایا ہے۔ رات ارناط جب اپنے خیمے میں آیا تو وہ نشے میں جھوم رہا تھا۔ اُس نے مجھے بازوؤں پر اُٹھا لیا اور بولا...... ''تم

بہت بڑے ملک کی ملکہ بننے والی ہو۔ صلاح الدین ایوبی چند دِنوں کا مہمان ہے۔ وہ ہمارے جال میں آ رہا ہے۔ بہت جلدی آ رہا ہے''...... میں نے خوشی کا اظہار کیا اور اس سے پوچھا کہ اُن کا منصوبہ کیا ہے۔ اُس نے مجھے پوری تفصیل سے بتادیا کہ یہاں جتنے صلیبی حکمران آئے ہیں، انہوں نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر اتحاد اور ایک دوسرے سے وفاداری کا حلف اُٹھایا ہے''۔

''کیا یہ صلاح الدین ایوبی کے کسی علاقے پر حملہ کریں گے؟''

''میرے فرار کا مقصد یہی ہے کہ سلطان ایوبی تک یہ خبر پہنچاؤں کہ صلیبیوں کے ارادے اور منصوبے کیا ہیں اور انہوں نے کتنی فوج جمع کر لی ہے اور اسے کہاں کہاں تقسیم کر کے پھیلایا ہے۔ ارناط نے مجھے بتایا ہے کہ یہ لوگ حملہ کرنے نہیں جائیں گے، بلکہ سلطان ایوبی کو حملے کا موقعہ دیں گے تاکہ وہ اپنے مستقر سے دُور آ جائے اور اس کی رسد کے راستے لمبے ہو جائیں۔ ان کا ارادہ یہ بھی ہے کہ اگر سلطان ایوبی نے کچھ عرصے تک حملہ نہ کیا تو یہ لوگ تین اطراف سے پیش قدمی اور یلغار کریں گے''۔

''تمہیں اچانک یہ خیال کیوں آیا ہے کہ یہ خبر سلطان ایوبی تک پہنچنی چاہیے؟'' بکر بن محمد نے پوچھا اور اسے بتایا...... ''کلثوم! میں اسی میدان کا مجاہد ہوں۔ اگر میں تمہیں کہوں کہ تم ارناط کے کہنے پر سلطان ایوبی کو غلط خبر دینے جا رہی ہو تاکہ وہ گمراہ ہو جائے تو اس کا کیا جواب دوگی؟''

''یہ کہ تم کم عقل آدمی ہو''...... کلثوم نے جواب دیا...... ''اگر تم سلطان ایوبی کے جاسوس ہو تو تم بے وقوف جاسوس ہو۔ تم اپنی فوجوں کو صلیبیوں کے ہاتھوں مرواؤ گے۔ اگر ارناط سلطان ایوبی کو گمراہ کرنے کی سوچتا تو وہ کوئی اور ذریعہ اختیار کر سکتا تھا؟ اگر وہ یہ کام مجھ سے ہی کرانا چاہتا تو مجھے رات کو بگھی پر بٹھا کر مسلمانوں کے علاقوں کے قریب نہ چھوڑ آتا...... سنو بکر! غور سے سنو۔ میں نے تم پر پہلا جو تیر چلایا تھا، اس کا ارادہ اچانک بجلی کی طرح میرے دماغ میں آیا تھا۔ میں تو صرف سیر کے لیے نکلی تھی۔ یہ تم تھے جس نے کہا تھا کہ تیر و کمان ساتھ لے چلیں، یہاں شکار ہوگا......

''یہاں آ کر میں نے تم سے مسلمانوں کی سرحد اور دمشق کے جو راستے پوچھے، وہ یہ معلوم کرنے کے لیے پوچھے تھے کہ میں اس سرحد سے کتنی دُور ہوں اور کیا میں آسانی سے وہاں تک پہنچ سکتی ہوں؟ تم نے جب بتایا کہ وہ علاقہ چند میل دور ہے تو میں سوچنے لگی کہ تمہیں کوئی لالچ دے کر ساتھ لے چلوں لیکن تمہیں میں عیسائی سمجھتی رہی اور بالکل اُمید نہیں رکھتی تھی کہ تم میری مدد کرو گے، بلکہ اُمید یہ تھی کہ تم ارناط سے انعام لینے کے لیے اسے بتا دو گے کہ یہ لڑکی مسلمانوں کی جاسوس ہے۔ میرے لیے کوئی راستہ نہیں تھا۔ تم مجھ سے تھوڑی دُور درخت کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے تو میں نے درخت پر ایک پرندے پر تیر چلانے کے لیے تیر کمان میں ڈالا۔ اس وقت میری نظریں تمہاری پیٹھ پر جم گئیں......

''تب مجھے اچانک خیال آیا کہ تم اتنے قریب ہو کہ تیر تمہاری پیٹھ میں گہرا اُتر جائے گا اور مجھے دوسرا تیر چلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم مر جاؤ گے تو میں بگھی بھگا کر اس راستے پر ہولوں گی جو تم نے مجھے سمجھا دیا تھا۔ میں نے کوئی اور خطرہ سوچا ہی نہیں تھا۔ شاید مجھ میں عقل کم اور جذبات زیادہ تھے اور ان جذبات میں انتقام کا جذبہ زیادہ تھا۔ میں نے کانپتے ہاتھوں سے تیر چلا دیا۔ مجھ میں یہ اتنی سی بھی عقل نہ رہی کہ تمہیں کہہ دیتی کہ تیر غلطی سے نکل گیا ہے۔ تم فوراً مان لیتے کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں نے کبھی کمان ہاتھ میں نہیں لی تھی۔ میں نے یہی راہِ نجات دیکھی کہ تمہیں مار ہی ڈالوں اور مسلمانوں کے علاقے کی طرف بھاگ جاؤں مگر میں کامیاب نہ ہو سکی''۔

''اس سے پہلے تمہیں کبھی بھاگنے کا خیال نہیں آیا تھا؟'' بکر بن محمد نے پوچھا۔

''ابتدا میں بھاگنے کا ہی خیال میرے دماغ پر سوار رہا مگر مجھے حقیقت کو قبول کرنا پڑا کہ میں بھاگ نہیں سکتی''۔

اُس نے جواب دیا...... ''اس میں کوئی شک نہیں کہ ارناط نے مجھے صحیح معنوں میں شہزادی بنا دیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مجھے کسی لڑکی سے کبھی ایسی محبت نہیں ہوئی تھی، جیسی تم سے ہوئی ہے۔ میں اُس کے ساتھ شراب بھی پیتی رہی۔ اس سے میں بچ نہیں سکتی تھی۔ جسمانی طور پر میں اس زندگی میں تحلیل ہو چکی تھی۔ ایسی شاہانہ زندگی تو میں کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتی تھی، لیکن تنہائی میں میرا دِل مسلمان ہو جاتا تھا اور یہ خیال مجھے تڑپا دیتا تھا کہ میں حجِ کعبہ سے آئی ہوں۔ کبھی کبھی میں خدا سے گلے شکوے بھی کیا کرتی تھی اور اکثر یوں ہوتا کہ میں خدا کو بھول جاتی تھی......

''اسی دوران سلطان ایوبی نے کرک کا محاصرہ کیا اور آتشیں گولے پھینک کر شہر کا بہت سا حصہ تباہ کر دیا تھا۔ میں تیار ہو گئی تھی کہ اپنی فوج شہر میں داخل ہو جائے گی اور میں ارناط کو اپنے ہاتھوں قتل کروں گی مگر ہوا یوں کہ ایک ماہ بعد سلطان ایوبی نے محاصرہ اُٹھا لیا اور واپس چلا گیا۔ ارناط قہقہے لگاتا میرے پاس آیا اور بولا...... ''میں نے اُسے پھر بے وقوف بنا لیا ہے۔ میں نے اُس کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے کہ آئندہ حاجیوں کے قافلوں پر ہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا اور میں نے اس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا بھی معاہدہ کر لیا ہے......

''میرے دِل کو بہت صدمہ ہوا۔ سلطان ایوبی کو واپس نہیں جانا چاہیے تھا۔ مجھے رہا کرائے بغیر اسے محاصرہ نہیں اُٹھانا چاہیے تھا''۔

''سلطان ایوبی کے سامنے اس سے زیادہ بڑی مہم ہے''۔ بکر نے کہا...... ''اُسے بلکہ ہمیں بیت المقدس آزاد کرانا ہے جہاں ہمارا قبلۂ اوّل ہے۔ ہمیں ارضِ فلسطین کو آزاد کرانا ہے جو ہمارے نبیوں اور پیغمبروں کی سرزمین ہے، اگر سلطان ایوبی ایک ایک مسلمان لڑکی کو آزاد کرانے نکل کھڑا ہو تو وہ اپنی منزلِ مقدس سے دُور بھٹکتا اور لڑتا ختم ہو جائے گا...... تو میں اتنے مقدس مقصد کی خاطر اپنے بچوں کو قربان کر دیا کرتی ہیں''۔

''ارناط کی ایک بُری عادت نے مجھے یہ فراموش نہ کرنے دیا کہ میں مسلمان ہوں''۔ کلثوم نے کہا...... ''وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا رہتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ سلطان ایوبی اپنے قبلۂ اوّل تک پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور ہم اُس کے خانہ کعبہ کو مسمار کرنے اور اپنی عبادت گاہ بنانے کے لیے جا رہے ہیں''۔

صلیبیوں کے ان عزائم کا تذکرہ یورپی مورخوں نے بھی کیا ہے کہ صلیبیوں نے خانہ کعبہ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا روضہ مبارک مسمار کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا تھا اور ایک بار وہ مدینہ منورہ سے تین میل دُور تک پہنچ بھی گئے تھے۔ کرک کا جو محاصرہ سلطان ایوبی نے کیا اور ایک ماہ بعد اُٹھا لیا تھا، یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے۔ محاصرہ اُٹھانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ارناط نے جنگ نہ کرنے اور آئندہ حاجیوں کے قافلوں پر حملے نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا۔ وہ تو سلطان ایوبی کو معلوم تھا کہ صلیبی معاہدے توڑنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔ محاصرہ اُٹھانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ بیت المقدس کی فتح کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ارناط نے اس معاہدے کے دو ہی سال بعد حاجیوں کے ایک اور قافلے پر حملہ کیا تھا۔ اس معاہدے کی میعاد ۱۱۸۸ء تک تھی۔ سلطان ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں حطین کی طرف پیش قدمی کی تھی اور اس عہد کے ساتھ وہ دمشق سے نکلا تھا کہ ارناط کو اپنے ہاتھوں قتل کرے گا۔

☆

کلثوم بکر کو بتا رہی تھی...... ''ارناط کے ساتھ میں خوش بھی رہی اور میرے دِل میں انتقام بھی موجود رہا۔ وہ کبھی

کبھی مجھے بتایا کرتا تھا کہ سلطان ایوبی کے جاسوس بھیس بدل کر آ جاتے ہیں اور یہاں کے راز لے جاتے ہیں۔ اُس نے یہ بھی بتایا تھا کہ بڑی ہی حسین صلیبی اور یہودی لڑکیاں مسلمانوں کے علاقوں میں مسلمانوں کی طرح کے ناموں سے اونچے رُتبوں اور عہدوں والے حاکموں کو جال میں پھانس لیتی اور انہیں صلیب کے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ارناط مجھے ان لڑکیوں کی کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ یہ سن کر مجھے کئی بار خیال آیا کہ یہ لڑکیاں اپنے مذہب کے لیے اپنی آبرو قربان کر دیتی ہیں۔ عصمت ہی وہ موتی ہے جس کے تحفظ کے لیے عورت جان پر کھیل جاتی ہے لیکن یہ لڑکیاں اتنی بڑی قربانیاں دے ڈالتی ہیں......

''میری آبرو تو لُٹ ہی چکی تھی۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اپنے مذہب کے لیے قربانی دوں گی مگر مجھے موقعہ نہیں ملتا تھا۔ اب یہاں آ کر ارناط نے مجھے ایسا راز دے دیا ہے جو سلطان ایوبی تک پہنچنا چاہیے۔ شاید خدا نے مجھے اسی نیکی کے لیے اس جہنم میں بھیجا تھا! کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اس خبر سے سلطان ایوبی کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟''

''بہت زیادہ''۔ بکر بن محمد نے کہا...... ''لیکن یہ خبر تم لے کر نہیں جاؤ گی۔ اگر تم یا ہم دونوں یہاں سے غائب ہو گئے تو شہزادہ ارناط فوراً سمجھ لے گا کہ ہم دونوں جاسوس تھے۔ اس طرح یہ اپنے منصوبوں میں ردّ و بدل کر دیں گے اور ہم سلطان ایوبی تک جو خبر پہنچائیں گے، وہ اس کی شکست کا باعث بن سکتی ہے''۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ اتنی اہم خبر سلطان ایوبی تک نہیں پہنچ سکتی''۔ کلثوم نے کہا۔

''پہنچ سکتی ہے اور پہنچائی بھی جائے گی''۔ بکر نے کہا...... ''لیکن کرک واپس جا کر یہ انتظام ہو گا''۔

''تم جاؤ گے؟'' کلثوم نے پوچھا...... ''میں یہاں سے بھاگنا بھی چاہتی ہوں''۔

''میں نہیں جاؤں گا''۔ بکر نے کہا...... ''تم بھی نہیں جاؤ گی۔ کرک میں میرے ساتھی موجود ہیں۔ خبریں لے جانے کا کام اُن کی ذمہ داری ہے۔ میرا کام خبریں حاصل کرنا ہے۔ اب یہ کام تم کرو گی۔ تمہارا کام ختم نہیں ہوا، ابھی شروع ہوا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ سلطان کو کس قسم کی معلومات کی ضرورت ہے۔ یہ معلومات تم مجھے دو گی اور میں انہیں دمشق تک پہنچاؤں گا''۔

''تو مجھے اس جہنم میں ہی رہنا پڑے گا؟'' کلثوم نے اُداس سا ہو کے پوچھا۔

''ہاں''۔ بکر نے جواب دیا۔ ''تمہیں اس جہنم میں اور مجھے موت کے منہ میں موجود رہنا پڑے گا...... کلثوم! تمہیں یہ قربانی دینی پڑے گی۔ سلطان کہا کرتے ہیں کہ ایک جاسوس یا ایک چھاپہ مار اپنی پوری فوج کی فتح یا شکست کا باعث بن سکتا ہے لیکن جاسوس ہر لحہ موت کے منہ میں کھڑا رہتا ہے۔ جاسوس جب دشمن کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے تو فوراً قتل نہیں کر دیا جاتا۔ اسے اذیتیں دی جاتی ہیں۔ اس کی کھال آہستہ آہستہ اُتاری جاتی ہے۔ اُسے مرنے نہیں دیا جاتا، اُسے جینے بھی نہیں دیا جاتا لیکن اپنے مذہب اور اپنے وطن کے لیے کسی نہ کسی کو اپنی زندہ کھال اُتروانی ہی پڑتی ہے۔ قوموں کا نام و نشان اس وقت مٹنا شروع ہوتا ہے جب ان میں قربانی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے...... تم نے جہاں چار سال گزار دیئے ہیں، وہاں چار مہینے اور گزار دو۔ تم اب ارناط کو اپنا آقا نہ سمجھو۔ اُس کے ساتھ پہلے سے زیادہ محبت کا اظہار کرو لیکن دل میں یہ سمجھو کہ تم نے ایک ایسے زہریلے ناگ پر قبضہ کر رکھا ہے جو تمہارے ہاتھ سے آزاد ہو گیا تو عالمِ اسلام کو ڈس لے گا''۔

''مجھے بتاؤ''۔ کلثوم نے بے تاب ہو کر کہا...... ''خدا کے لیے مجھے بتاتے رہو کہ میں اپنے خدا کے حضور کس طرح سرخرو ہو سکتی ہوں''۔

بکر نے اُسے بتانا شروع کر دیا۔ اُسے مکمل ہدایات دیں اور کہا..... ''سب کے سامنے یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ میرا اور تمہارا کوئی اور تعلق بھی ہے۔ یہاں ہمارے جاسوسوں کا سراغ لگانے والے صلیبی جاسوس بھیس بدل کر گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ صرف ہم دونوں جاسوس نہیں، ہمارے اور بھی بہت سے ساتھی ہیں۔ وہ ہر اُس شہر میں موجود ہیں جہاں صلیبی حکمران اور جرنیل موجود ہیں۔ ان میں ایک سے ایک بہادر اور عقل مند ہے۔ دِل میں خوش فہمی نہ رکھنا کہ ہم دونوں کوئی بہت بڑا کارنامہ کر رہے ہیں۔ خدا پر احسان نہ کرنا۔ یہ ہمارا فرض ہے جو ہمیں ادا کرنا ہے، خواہ ہمیں کیسی ہی اذیت میں کیوں نہ ڈال دیا جائے''۔

کلثوم جب خیمہ گاہ میں اپنے خیمے کے سامنے بگھی سے اُتری، اُس وقت وہ شہزادی للی تھی اور بکر بن محمد سیبل تھا۔ کلثوم جب بگھی سے اُتر رہی تھی اس وقت سیبل بگھی کے پاس کھڑا غلاموں کی طرح جھکا ہوا تھا۔ خیمے میں گئی تو ارناط ایک نقشے پر جھکا ہوا تھا۔ کلثوم نے اُسے کہا کہ وہ سیر کے لیے نکل گئی اور شکار بھی کھیلا تھا۔

''کیا مارا؟'' ارناط نے نقشے سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں''۔ کلثوم نے جواب دیا..... ''سب تیر خطا ہو گئے لیکن جلدی ہی شکار مارنے کے قابل ہو جاؤں گی''۔ یہ کہہ کر وہ بھی نقشے پر جھک گئی۔ اس نے پوچھا..... ''پیش قدمی کا نقشہ ہے یا دفاع کا؟''

''پیش قدمی صلاح الدین ایوبی کرے گا''۔ ارناط نے بے خیال کے عالم میں کہا..... ''اور دفاع بھی اسی کو کرنا پڑے گا کیونکہ ہم اُسے جال میں لا رہے ہیں۔ اس کا دم خم ختم کر کے ہم پیش قدمی کریں گے۔ ہمیں روکنے والا کوئی نہ ہوگا۔ تم اپنے خیمے میں جاؤ للی! مجھے بہت کچھ سوچنا ہے۔ آج رات ہماری جو کانفرنس ہوگی، اس میں جنگ کا منصوبہ اور نقشہ بنایا جائے گا۔ مجھے جو مشورے دینے ہیں، ان میں کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیے''۔

☆

''اس کا نام کلثوم ہے اور بکر بن محمد اس کے ساتھ ہے۔ وہ ارناط کا بگھی بان ہے''۔ سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا نائب سربراہ حسن بن عبداللہ اُسے کرک کے جاسوسوں کی بھیجی ہوئی پوری خبر سنا چکا تھا۔

سلطان ایوبی کی آنکھیں لال ہو گئیں۔ اس نے کہا..... ''کون بتا سکتا ہے کہ ہماری کتنی بیٹیاں ان کفار کے قبضے میں ہیں اور ان کی عیاشی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ میں ارناط کو نہیں بخشوں گا۔ خیال رکھنا حسن! اس لڑکی کو وہاں سے نکالنا ہے لیکن ابھی نہیں''۔

''کرک میں ہمارے جو آدمی ہیں، وہ اسے موزوں وقت پر نکال لائیں گے''۔ حسن بن عبداللہ نے کہا۔

عکرہ کا پادری اور یہ صلیبی اتحادی ناصرہ میں تین روز رہے اور انہوں نے پلان اور نقشہ تیار کر لیا تھا۔ کلثوم نے ارناط سے سب کچھ معلوم کر لیا تھا اور بکر کو بتا دیا۔ صلیبیوں کو بھی سلطان ایوبی کے کئی راز معلوم ہو گئے تھے۔ اُن کے جاسوس، موصل، حلب، دمشق، قاہرہ اور ہر جگہ موجود تھے۔ انہوں نے صلیبیوں کو صحیح اطلاعیں بھیجی تھیں۔ صلیبیوں کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ مصر سے بھی فوج آ رہی ہے۔ صلیبیوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان ایوبی بہت جلدی پیش قدمی کرنے والا ہے، لہٰذا انہوں نے دفاع میں لڑنے، پھر سلطان ایوبی کو گھیرے میں لینے کا پلان تیار کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے مختلف جگہوں پر فوج خیمہ زن کر دی تھی۔ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ سلطان ایوبی کدھر سے آئے گا اور میدانِ جنگ کون سا ہوگا۔ اپنے اندازے کے مطابق انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کی نفری، پیادہ اور سوار کا حساب لگا لیا تھا۔

حسن بن عبداللہ نے کرک سے آئے ہوئے اپنے آدمی سے تفصیلی رپورٹ لی۔ اس جاسوس نے کلثوم اور بکر کے متعلق بھی بتایا۔ حسن بن عبداللہ نے یہ رپورٹ سلطان ایوبی کو دی۔

''یہ اطلاع اُن تمام اطلاعوں کی تصدیق کرتی ہے جو ہمیں دوسری جگہوں کے جاسوسوں نے بھیجی ہیں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''یہ تو ہمیں پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ صلیبی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اب کرک کی اطلاع نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ اس میں نئی بات یہ ہے کہ چند ایک صلیبیوں نے اتحاد کر لیا ہے اور مجھے اُن کی متحدہ فوج سے لڑنا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ اطلاع نئی ہے کہ جنگی طاقت کتنی ہے۔ ان کے ساتھ دو ہزار دو سو نائٹ ہوں گے۔ یہ بلاشبہ بہت بڑی طاقت ہے۔ نائٹ سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں ملبوس اور محفوظ ہوتا ہے۔ نائٹوں کے گھوڑے عام جنگی گھوڑوں کی نسبت زیادہ طاقتور اور پھرتیلے ہوتے ہیں۔ میں انہیں گرمیوں کے عروج میں لڑاؤں گا''۔

''اور ان زرہ پوش نائٹوں کے ساتھ آٹھ ہزار سوار ہوں گے''۔ حسن بن عبداللہ نے کہا...... ''پیادہ فوج کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ بتائی گئی ہے۔

''میرے لیے یہ خبر نئی ہے کہ شاہ آرمینیا کی فوج بھی صلیبیوں کے پاس آ رہی ہے''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''یہ صلیبیوں کی تیس بتیس ہزار فوج کے علاوہ ہوگی۔ یہ ملا کر دشمن کی نفری چالیس ہزار ہو جائے گی۔ کرک کی اطلاع اور دوسری جگہوں سے آنے والی اطلاعوں سے یہ یقین ہو گیا ہے کہ صلیبی دفاعی جنگ لڑیں گے اور مجھے گھیرے میں لے لیں گے۔ اس کے مطابق میرا یہ فیصلہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ میں حطین کے مضافات میں لڑوں گا۔ اس علاقے سے میں اچھی طرح واقف ہوں''۔

☆

''میرے رفیقو! اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس فرض کی ادائیگی کے لیے نکل کھڑے ہوں جو خدائے ذوالجلال نے ہمیں سونپا ہے''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے دمشق میں اپنے بڑے کمرے میں سالاروں اور نائب سالاروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا...... ''ہم اقتدار کے لیے آپس میں لڑنے اور مرنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے تھے۔ ہم نے آپس میں بہت کشت و خون کر لیا ہے۔ اس دوران دشمن نے ارضِ فلسطین میں اپنے پنجے گہرے اُتار لیے ہیں۔ قوم نے ہمارے ہاتھ میں تلوار دی ہے اور اس اعتماد کے ساتھ دی ہے کہ ہم دشمنانِ دین کا خاتمہ کریں گے اور عرب کی مقدس سرزمین کو کفار کے ناپاک وجود سے پاک کریں گے......

''آپ کئی برسوں سے مسلسل لڑ رہے ہیں، لیکن اصل جنگ اب شروع ہو رہی ہے۔ اپنے ذہنوں میں اس جنگ کے مقصد کو تازہ کر لو۔ یہ فیصلہ کر لو کہ ہمیں ایک آزاد اور باوقار قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے اور ہمیں اپنے خدا کے عظیم مذہب کو کفر کے گھناؤنے سائے سے آزاد رکھنا ہے۔ ہمیں سلطنتِ اسلامیہ کو وہاں تک لے جانا ہے، جہاں تک محمد بن قاسم لے گیا تھا اور جہاں تک طارق بن زیاد لے گیا تھا۔ اُن کے بعد آنے والوں کا فرض یہ تھا کہ اللہ کا پیغام وہاں سے بھی آگے لے جاتے، جہاں تک قوم کے یہ بیٹے لے گئے تھے مگر اللہ کی سلطنت ایسی سکڑی کہ ہمارے دین کے دشمن ہمارے گھر میں آن بیٹھے ہیں اور وہ خانہ کعبہ اور روضۂ مبارک کو مسمار کرنے کے منصوبے بنائے ہوئے ہیں۔ کیوں؟...... یہ کیوں کر ممکن ہوا؟...... جہاں بادشاہی کا جنون دماغوں پر قابض ہوتا ہے، وہاں سرحدیں سکڑتی ہیں اور تخت و تاج کی خاطر اُمراء اپنے مذہب اور اپنی غیرت کو بھی ترک کر دیا کرتے ہیں......

''ہمارے زوال کا باعث تخت وتاج کا نشہ اور زرو جواہرات کی محبت ہے۔ کہاں وہ وقت کہ ہم دُنیا پر چھا گئے تھے اور کہاں ہمارا وقت کہ دُنیا ہم پر چھا گئی ہے اور ہم آخرت کو فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ ہم میں دوست اور دشمن کی پہچان نہیں رہی۔ عسکری جذبے پر فانی دُنیا کی جھوٹی لذتوں کا جادو چل گیا ہے۔ یاد رکھو، میرے رفیقو! میں آپ کو کئی بار کہہ چکا ہوں کہ قوم کی قسمت تلوار کی نوک سے لکھی جاتی ہے اور یہ تحریر ان مجاہدوں کی ہوتی ہے جن کے ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے۔ جب سالار تخت پر بیٹھ کر سر پر تاج رکھ لیتے ہیں تو اُن کے ہاتھوں میں طاقت نہیں رہتی کہ تلوار نیام سے باہر کھینچ سکیں۔ ان کے دِلوں میں اپنے عقیدے اور اپنی قوم کے وقار کے تحفظ کا جذبہ نہیں رہتا، پھر مذہب کا استعمال یہی رہ جاتا ہے کہ اپنی رعایا کو مذہب کے نام پر دھوکے دو اور دشمن کے ساتھ در پردہ دوستی کر لو تا کہ آرام سے اللہ کے نیک اور سادہ لوح بندوں پر حکومت کر سکو......

''ہم آج اسلام کی عظمت کی خاطر صرف اس لیے گھروں کو خیر باد کہنے اور دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے قابل ہوئے ہیں کہ ہم نے اقتدار کے پجاریوں کو ختم کر دیا ہے۔ ہم نے آستین کے سانپوں کا سر کچل ڈالا ہے۔ اگر ہم ہار گئے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ہماری نیت میں فتور تھا۔''

سلطان ایوبی ایسی جذباتی اور لمبی تقریر کرنے کا عادی نہیں تھا لیکن جس مہم کے لیے وہ نکل رہا تھا، اس کے لیے سب کو ذہنی اور روحانی طور پر تیار کرنا ضروری تھا۔ یہ اس کے وفادار اور قابلِ اعتماد سالار اور نائب سالار تھے۔ ان میں مظفر الدین جیسا قابل اور دلیر سالار بھی تھا جو کسی وقت میں اس کا ساتھ چھوڑ کر اس کے مخالف کیمپ میں چلا گیا اور اس کے خلاف لڑا بھی تھا۔ اس کے ساتھ تقی الدین اور افضل الدین، فرخ شاہ اور ملک العادل جیسے سالار بھی تھے جو اس کے اپنے خاندان اور اپنے خون کے رشتے کے تھے۔ سالار ککبوری اس کا دستِ راست تھا۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو فنی، تکنیکی اور جذباتی لحاظ سے کمتر ہوتا، لیکن سلطان ایوبی پہلی بار ارضِ فلسطین میں حملے کے لیے جا رہا تھا اور اس کی منزل بیت المقدس تھی۔

یہ مہم آسان نہیں تھی۔ صلیبیوں کی جنگی قوت زیادہ بھی تھی اور برتر بھی۔ صلیبیوں کو یہ فائدہ حاصل تھا کہ انہیں دفاع میں اپنی زمین پر لڑنا تھا، جہاں انہیں رسد کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا اور وہ اپنے مستقر کے قریب تھے۔ سلطان ایوبی اپنے مستقر سے دُور جا رہا تھا جہاں تک رسد کے راستے مخدوش تھے۔ جنگی فنون کے مطابق زیادہ دشواریاں حملہ آور کو پیش آتی ہیں اور حملہ آور کی نفری دشمن سے اگر سہ گنا نہیں تو دوگنی ضرور ہونی چاہیے مگر سلطان ایوبی کی نفری کم تھی۔ اسے یہی یقین تھا کہ یہ جنگ بہت طول پکڑے گی اور گھروں کو واپس آنا ممکن نہیں ہوگا، اس لیے اس نے یہ ضروری سمجھا کہ اپنے سالاروں کو بتا دے کہ وہ طارق بن زیاد کی اس کارروائی کو ذہن میں رکھیں جس میں اُس نے بحیرۂ روم پار کر کے کشتیاں جلا ڈالی تھیں کہ واپسی کا خیال ہی ذہن سے نکل جائے۔

قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی یادداشتوں بعنوان ''سلطان (صلاح الدین ایوبی) پر کیا افتاد پڑی'' میں لکھا ہے..... ''سلطان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا نے کفار کے خلاف لڑنے کا جو حکم دیا ہے، یہ اُس کا فرضِ اوّلین ہے جسے دُنیا کے ہر کام اور ہر فرض پر فوقیت حاصل ہے۔ کفار سے لڑنا اور اللہ کی حکمرانی قائم کرنا، اس کا ایسا فرض ہے جو خدا کے حکم سے اسے سونپا گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ملکوں کو اللہ کی سلطنت میں شامل کرنا اور بنی نوع انسان کو اطاعتِ الٰہی کی طرف لانا...... اس نے تمام فوجوں کو، جہاں جہاں وہ تھیں، العشترا کے مقام پر جمع ہونے کا جو حکم بھیجا، اس میں اللہ کے حکم کے الفاظ بھی لکھے''۔

☆

سلطان ایوبی کی نظریں مستقبل کی تاریکیوں میں جھانک رہی تھیں۔ اس نے حطین کے مقام کو میدانِ جنگ

بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ حطین فلسطین کا ایک گمنام سا گاؤں تھا لیکن سلطان ایوبی نے اُسے وہ عظمت بخشی کہ عیسائی دُنیا کے جنگی مبصر آج بھی تجزیے کرتے نظر آتے ہیں کہ صلیبی جنگوں کے اس ہیرو نے کس قسم کی چالوں اور سٹریٹیجی سے اتنے طاقتور اور برتر اسلحہ والے دشمن کو ایسی شرمناک شکست دی تھی کہ صلیبیوں کے ایک کے سوا باقی تمام حکمران جنگی قیدی ہو گئے تھے۔

جنگی علوم کی باریکیاں سمجھنے والے مبصروں اور مورخوں نے سلطان ایوبی کی دیگر خوبیوں کے علاوہ اس کے انٹیلی جنس اور کاؤنٹر انٹیلی جنس اور کمانڈو آپریشن کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ یہ ہے بھی حقیقت کہ بکر بن محمد جیسے جاسوس اپنی جانیں موت کے منہ میں رکھ کر اہم معلومات حاصل کر رہے تھے اور سلطان ایوبی تک پہنچا رہے تھے۔ کلثوم جیسی مظلوم لڑکیاں شاہانہ زندگی اور عیش و عشرت کو ٹھکرا کر اپنے طور پر اسلامی فوج کی مدد کر رہی تھیں۔ تاریخ ان گمنام غازیوں اور شہیدوں کے نام بتانے سے قاصر ہے جنہوں نے پس پردہ اور زمین دوز جہاد کیا اور حطین کو تاریخ اسلام کی عظمت کا نشان بنا دیا۔

سلطان ایوبی ہمیشہ جمعہ کے مبارک دن لڑائی کے لیے کوچ کیا کرتا تھا کہ یہ قبولیت کا دِن ہے۔ اس مبارک روز ہر مسلمان خدا کے حضور جھکا ہوا ہوتا ہے اور جب سپاہی اپنی قوم کو عبادت میں مصروف چھوڑ کر جہاد کے لیے نکلتا ہے تو ساری قوم کی دُعائیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ حطین کو کوچ کرنے کے لیے بھی اس نے جمعہ کا دِن منتخب کیا۔ یہ ۱۵ مارچ ۱۱۸۷ء کا دِن تھا۔ اس نے فوج کا صرف ایک حصہ ساتھ لیا اور کرک کے قریب جا کر خیمہ زن ہوا۔

صلیبی جاسوسوں نے فوراً اپنی اتحادی فوج کو خبر پہنچا دی کہ سلطان ایوبی کرک کے قریب خیمہ زن ہو گیا ہے۔ اس سے یہ مطلب لیا گیا کہ وہ کرک کا محاصرہ کرے گا لیکن اس کا مقصد یہ تھا کہ مصر اور شام کے قافلے حج کعبہ سے واپس آ رہے تھے، اِن پر کرک کے قریب ہی حملے ہوا کرتے تھے۔ والی کرک شہزادہ ارناط اس معاملے میں بڑا ہی بدطینت تھا۔ سلطان ایوبی ان قافلوں کو خیریت سے وہاں سے گزارنے کے لیے اس علاقے میں چلا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صلیبیوں کو دھوکہ دے اور وہ اپنا دفاع پھیلا دینے پر مجبور ہو جائیں۔ اس نے اپنے سالاروں کو بتا دیا کہ قافلے گزار کر وہ کہاں جائے گا۔

☆

کرک کے محل میں تو جیسے زلزلہ آ گیا تھا۔ شہزادہ ارناط کو نصف شب کے بعد جگا کر بتایا گیا کہ کوئی بہت بڑی فوج شہر سے کچھ دور خیمے گاڑ رہی ہے۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھا۔ یہ سلطان ایوبی کے سوا کون ہو سکتا تا۔ کلثوم اس کی خواب گاہ میں تھی۔ وہ ارناط کے ساتھ دوڑتی شہر کے بڑے دروازے کی اوپر والی دیوار پر گئی۔ وہاں سے سینکڑوں مشعلیں نظر آ رہی تھیں۔ زیادہ تر مشعلیں متحرک تھیں۔ خیمے گاڑے جا رہے تھے۔ رات کی خاموشی میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

ارناط نے اپنی فوج کو محاصرے میں لڑنے کے لیے دیواروں پر مورچہ بند کر دیا۔ دروازوں پر دفاعی انتظامات مضبوط کر دیئے گئے۔ ارناط بھاگ دوڑ رہا تھا۔ اسے کلثوم کا کوئی خیال نہیں تھا۔ کلثوم واپس گئی تو ارناط کا محافظ دستہ بیدار ہو کر حکم کا منتظر کھڑا تھا اور ایک جگہ وہ شاہی بگھی کھڑی تھی جس پر کلثوم ناصرہ گئی اور سیر کے لیے بھی گئی تھی۔ اس کے پاس بکر بن محمد چاک و چوبند کھڑا تھا، وہاں ہر آدمی اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا تھا۔

کلثوم نے حکم کے لہجے میں بکر سے کہا..... ”سیل! بگھی اِدھر لاؤ“۔

بکر بگھی لایا تو کلثوم اس میں بیٹھ گئی اور اسے کسی طرف لے گئی۔ ارناط کے حرم کی عورتیں بھی جاگ کر باہر آ گئی تھیں۔ انہوں نے کلثوم کو جو اُن کے لیے پرنسس بنی تھیں، بگھی بان کو حکم دیتے اور بگھی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا تو اُن میں سے

ایک نے دانت پیس کر کہا...... ''یہ بد بخت کسی مسلمان کی اولاد اپنے آپ کو ملکہ سمجھنے لگی ہے۔ اُسے ٹھکانے لگانا ہی پڑے گا''۔

''وقت آ گیا ہے''۔ دوسری نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی کا محاصرہ بہت خوف ناک ہوتا ہے۔ وہ آگ پھینکے گا، منجنیقوں سے پتھر پھینکے گا۔ اندر بھگدڑ راور تباہی مچے گی اور یہ وقت ہوگا، جب ہم اس منہ چڑھی ڈائن کو ٹھکانے لگا دیں گی''۔

''تمہارا چاہنے والا وہ جرنیل بھی تو کچھ نہیں کر سکا''۔ تیسری نے کہا۔

''اور بہت ہیں کچھ کرنے والے''۔ اس نے جواب دیا۔ ''کل شام تک شہر کی حالت دیکھنا، پھر شہزادہ ارناط کسی اور شہزادی لیلیٰ کو تلاش کرے گا''۔

اُس وقت کلثوم نے بگھی ایک اندھیری جگہ رکوا رکھی تھی۔ بکر بگھی کے ساتھ کھڑا تھا۔ کلثوم اس سے پوچھ رہی تھی...... ''ہمارے آدمی اندر سے کوئی دروازہ کھولنے کا انتظام کر سکیں گے؟''

کوشش کی جائے گی''۔ بکر نے کہا...... ''اگر یہ فوج ہماری ہے تو میں حیران ہوں کہ ہمیں پہلے اطلاع کیوں نہیں دی گئی۔ سلطان ایوبی ایسی غلطی نہیں کیا کرتے، مجھے کچھ شک ہے۔ یہ صبح پتہ چلے گا کہ یہ کس کی فوج ہے''۔

''کیا ہم یہاں سے فرار ہو سکیں گے؟'' کلثوم نے پوچھا۔

''حالات پر منحصر ہے''۔

''میں اس افراتفری میں ارناط کو آسانی سے قتل کر سکتی ہوں''

''ایسی حرکت نہ کرنا''۔ بکر بن محمد نے کہا...... ''فوج شہر میں داخل ہوگئی تو ہم نظر رکھیں گے کہ وہ فرار ہونے کی کوشش نہ کرے...... کوئی نئی خبر؟

''ارناط سلطان ایوبی کو دیکھ رہا تھا کہ کس طرف پیش قدمی کرتا ہے''۔ کلثوم نے کہا...... ''اب حالات کچھ اور ہو گئے ہیں۔ پہلے کہتا تھا کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ جھیل گیلیلی کو جا رہا ہے''۔

''زیادہ دیر نہ رکو''۔ بکر نے کہا...... چلو واپس چلیں''۔

☆

صبح طلوع ہوئی تو کرک کی دیواروں پر دُور مار کمانوں والے تیر انداز مستعد کھڑے تھے۔ پتھر اور آگ کی ہانڈیاں پھینکنے والی منجنیقیں نصب ہو چکی تھیں۔ فوج تیاری کی حالت میں کھڑی تھی اور شہزادہ ارناط دیوار پر کھڑا سلطان ایوبی کی فوج کو دیکھ رہا تھا۔ یہ یقین ہو گیا کہ یہ سلطان ایوبی کی فوج ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ سلطان خود بھی ساتھ ہے، مگر اس فوج میں محاصرے والی کوئی حرکت اور سرگرمی نہیں تھی۔ خیمے لگے ہوئے تھے اور سپاہی روزمرہ معمول میں لگے ہوئے تھے۔

یہ دِن گزر گیا، پھر پانچ چھ دِن گزر گئے۔ ارناط پر انتظار اور اضطراب کی کیفیت طاری رہی۔ اسے جو نظر نہیں آ رہا تھا، وہ یہ تھا کہ رات کو سلطان ایوبی نے اپنے گھوڑ سوار چھاپہ مار اُس راستے پر دُور تک پھیلا دیئے تھے جن پر حجاج کے قافلوں کو گزرنا تھا۔ چند دِنوں بعد پہلا قافلہ آتا نظر آیا۔ یہ مصر کا قافلہ تھا۔ گھوڑ سوار اس کے ساتھ ہو گئے۔ قافلہ سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ کے قریب پہنچا تو سلطان دوڑ کر آگے بڑھا اور حجاج سے مصافحہ کیا۔ اُس نے عقیدت اور احترام سے سب کے ہاتھ چومے اور اپنی خیمہ گاہ میں انہیں آرام اور کھانے کے لیے روکا اور اس کے چھاپہ مار دُور تک حجاج کے ساتھ گئے۔ ایک ہی روز بعد شامی حجاج کا قافلہ بھی آ گیا۔ اس کا بھی سلطان ایوبی نے استقبال کیا۔ کھانا کھلایا اور اپنے حفاظتی انتظامات میں اسے رخصت کیا۔

اتنے دن کرک کے اندر صلیبی فوج تیاری کی حالت میں رہی اور شہر پر خوف طاری رہا۔ سلطان ایوبی کے جاسوس اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ایک صبح ارناط کو اطلاع ملی کہ سلطان ایوبی کی فوج جا رہی ہے۔ ارناط اس کے سوا کچھ بھی نہ دیکھ سکا کہ حجاج کے دونوں قافلے سلطان ایوبی کی فوج کی حفاظت میں گزر گئے ہیں۔ سلطان ایوبی کے صرف جاسوسوں کو معلوم تھا کہ اصل قصہ کیا تھا۔ اس نے کوچ سے پہلے انہیں اطلاع بھجوادی تھی کہ فوج کہیں اور جا رہی ہے اور وہ (جاسوس) ارناط کی نقل و حرکت کی اطلاعیں دیتے رہیں۔

۲۷ مئی ۱۱۸۷ء (۱۷ ربیع الاوّل) کے روز سلطان ایشترو کے مقام پر جا خیمہ زن ہوا، وہاں مصر اور شام کی فوجیں اس سے جاملیں۔ اُس کا سب سے بڑا بیٹا الملک الافضل جس کی عمر سولہ سال تھی، ایک مشہور سالار مظفر الدین کے ساتھ جاملا۔ اس طرح اس کی ساری فوج جمع ہوگئی۔ اس نے تمام سالاروں، نائب سالاروں کو آخری ہدایات کے لیے جمع کیا اور کہا...... ''میرے رفیقو! اللہ تمہارا مددگار ہو۔ دِلوں سے اپنے عزیزوں اور اپنے گھروں کا خیال نکال دو اور دِلوں میں قبلۂ اوّل کو بسالو اور دِلوں میں خدائے ذوالجلال کا اسم مبارک نقش کرلو جس نے ہمیں یہ سعادت بخشی ہے کہ قبلۂ اوّل کو آزاد کرائیں اور اپنی بیٹیوں کی بے عزتی کا انتقام لیں جو کفار کے ہاتھوں بے آبرو ہوئیں......

''اب ہم جو بات کریں گے، وہ حقیقت کی کریں گے۔ ہماری تعداد دشمن کے مقابلے میں کم ہے اور آپ کا مقابلہ سات صلیبی بادشاہوں کی متحدہ فوج کے ساتھ ہے جس میں دو ہزار دو سو سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں ڈوبے ہوئے نائٹ ہیں۔ ان کی دوسری فوج نیم زرہ پوش ہے۔ اس فوج کو یہ سہولت حاصل ہے کہ اپنے مستقر کے قریب ہے اور یہ سارا علاقہ اس کا اپنا ہے جہاں اُسے رسد کی کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ ہمیں دو جنگیں لڑنی ہیں۔ ایک براہِ راست دشمن کے خلاف اور دوسری اِن دشواریوں کے خلاف جو ہمیں درپیش ہیں۔ یہ دشواریاں دشمن کی طرف منتقل کرنی ہیں''۔

اُس نے نقشہ پھیلا کر اپنی تلوار کی نوک سے سب کو بتایا کہ اس کا میدانِ جنگ کون سا ہوگا۔ جو سالار اس جگہ سے واقف تھے، انہوں نے چونک کر سلطان ایوبی کی طرف دیکھا۔ اُن کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ سلطان ایوبی ان کے استعجاب کو سمجھ گیا اور مُسکرایا۔

''یہ حطین کے مضافات کا میدان ہے''۔ اس نے کہا...... ''آپ سوچ رہے ہیں کہ یہ زمین سوکھے ہوئے درخت کی کھال کی طرح خشک، اونچی نیچی اور موسم کی بے رحمی سے کٹی پھٹی ہے اور یہ زمین اتنی پیاسی ہے کہ انسانوں اور ہمارے گھوڑوں کا خون پی جائے گی۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ اس کے اِردگرد اونچی نیچی ٹیکریاں ہیں۔ ہاں، یہ سب بے آب و گیاہ اور پیاسی ہیں۔ یہ لوہے کی طرح تپ رہی ہیں۔ آپ کی آنکھوں میں جو سوال ہے، وہ میں سمجھتا ہوں، وہ کون سی فوج ہے جو اس جہنم نما علاقے میں لڑے گی؟...... وہ ہماری فوج ہوگی۔ آپ کے ہلکے پھلکے سواروں کے دستے (لائٹ کیولری) یہاں تتلیوں کی طرح اُڑتے پھریں گے اور وہ لوہے کے لباس میں ملبوس نائٹوں اور نیم زرہ پوش صلیبی سواروں کو نچاتے پھریں گے۔ دشمن کے یہ سوار اور پیادے لوہے کی تپش سے، بہت جلدی پیاس سے بے حال ہو جائیں گے اور لوہے کا وزن انہیں اتنی پھرتی سے حرکت نہیں کرنے دے گا، جس تیزی سے ہمارے سوار بھاگیں دوڑیں گے......

''آپ جانتے ہیں کہ میں ہر کارروائی جمعہ کے مبارک روز کیا کرتا ہوں۔ میں اس وقت آگے بڑھوں گا، جب مسجدوں میں قوم خطبہ سن رہی ہوگی۔ یہ وقت قبولیت کا ہوتا ہے۔ میں نے ہر قصبے اور ہر گاؤں میں اطلاع بھجوادی تھی کہ جمعہ کے روز دعاؤں میں اپنے ان مجاہدین کو شامل رکھا کریں جو جمعہ کی نماز سے محروم ہو کر میدانِ جنگ میں زخمی ہو کر گرتے

ہیں۔ اُٹھتے ہیں اور جمعہ نہ پڑھ سکنے کا خراج لہو کے نذرانوں سے ادا کرتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہوگا جب سورج سر پر ہوگا اور لوہے کو بھٹی کی طرح گرم کردے گا......

''اور یہ دیکھو۔ یہ گیلیلی کی جھیل ہے اور یہ دریا ہے'' ۔اس نے تلوار کو چھڑی کی طرح نقشے پر مار مار کر بتایا......

''اور یہ واحد تالاب ہے جس میں پانی ہے۔ باقی تمام تالاب خشک ہوگئے ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جسے صلیب کے پجاری جون کہا کرتے ہیں۔ ہمیں پانی اور دشمن کے درمیان آنا ہے۔ میں الفاظ میں دشمن کو پانی سے محروم کر چکا ہوں، اُس کو عملی طور پر پیاسا مارنا آپ کا کام ہے۔ دشمن حطین کے میدان میں لڑنے سے گریز کرے گا، میں اُسے یہیں لڑاؤں گا۔ فوج کو میں نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مظفرالدین اور میرا بیٹا الافضل ہم میں نہیں ہیں۔ وہ ایک حصے کو ساتھ لے کر دریائے اُردن جھیل گیلیلی کے جنوب سے پار کر گئے ہیں۔ یہ دستے طبور (جبل طور) تک پہنچیں گے، شاید پہنچ چکے ہوں گے۔ یہ ایک دھوکہ ہے جو میں دشمن کو دے رہا ہوں''۔

اس نے فوج کے باقی تین حصوں کی تفصیلات اور اُن کے مشن بتائے۔ ان تین میں سے ایک حصہ (مین باڈی) اپنی کمان میں رکھا۔ مورخین کے مطابق یہی حصہ ریزرو اور ٹاسک فورس کے طور پر استعمال کرنا تھا۔ یہ فیصلہ کن کارروائی کے لیے تھا۔ ان حصوں کو مختلف مقامات سے دریا پار کرایا گیا۔ صلیبی اپنے مخبروں اور دیکھ بھال کے دستوں کے ذریعے یہ نقل و حرکت دیکھ رہے تھے لیکن یہ نہ سمجھ سکے کہ سلطان ایوبی کا پلان کیا ہے۔ سلطان ایوبی نے جھیل گیلیلی کے مغربی کنارے پر طبریہ کے مقام پر ایک پہاڑی پر جا ڈیرے ڈالے۔

☆

صلیبیوں کو ایک اور دھوکہ بھی ہوا۔ سلطان ایوبی اکثر چھاپہ مار قسم کی جنگ لڑا کرتا تھا، شب خون زیادہ مارتا تھا۔ کم سے کم نفری سے دشمن کی زیادہ تعداد پر ''ضرب لگاؤ اور بھاگو'' کے اصول پر حملے کرتا اور دشمن کو پھیلا دیتا تھا۔ صلیبی اس کی اسی جنگ کے لیے تیار تھے۔ اس کی فوج کا جو حصہ مظفرالدین اور الافضل کی زیر کمان دریا پار کر گیا تھا۔ اس نے صلیبیوں کی فوج کی چوکیوں (آؤٹ پوسٹوں) پر شب خون مارنے شروع کر دیئے تھے۔ اس سے صلیبیوں کو یہ دھوکہ ہوا کہ سلطان ایوبی اپنے مخصوص انداز سے لڑے گا، لیکن اب اس نے کوئی اور ہی انداز سوچ رکھا تھا۔ چھاپہ ماروں کو اُس نے حسب معمول وہی مشن دیئے، جو ہر جنگ میں انہیں دیا کرتا تھا۔

صلیبی فوج قلعہ بندیوں میں تھی اور باہر بھی تھی۔ سلطان ایوبی نے تیز رفتاری سے فوج کو اس طرح ڈیپلائے کیا کہ جھیل گیلیلی اور جو ایک دو پانی کے تالاب تھے، وہ اس کے قبضے میں آگئے۔ صلیبیوں کی فوج کے ایک حصے (فرنگیوں) نے سیفوریہ کے مقام پر اجتماع کیا لیکن سلطان ایوبی آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے کی بجائے طبریہ کے مقام پر رُکا رہا۔ وہ صلیبیوں کو حطین کے قریب لانا چاہتا تھا۔ صلیبی آگے آتے نظر نہ آئے تو اُس نے پیادہ دستے ذرا سا آگے بڑھا دیئے اور خود ہلکا رسالہ (لائٹ کیولری) لے کر طبریہ پر حملہ کر دیا اور حکم دیا کہ طبریہ کو تباہ و برباد کر کے شہر کو آگ لگا دی جائے۔ اس حکم پر عمل کیا گیا۔

طبریہ کا قلعہ ذرا ہٹ کر تھا۔ فوج قلعہ میں تھی۔ شہر کو بچانے کے لیے فوج قلعے سے نکل کر شہر کو روانہ ہوئی۔ سلطان ایوبی نے اس کا راستہ روک لیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کے دوسرے حصے مختلف سمتوں کو روانہ کر دیئے تھے۔ صلیبیوں کی فوج جو قلعے سے آئی تھی، اس کی کمان شاہ ریمانڈ کے ہاتھ میں تھی۔ طبریہ کی ٹکریوں پر اس کی اور سلطان ایوبی کی آمنے سامنے کی لڑائی ہوئی۔ قاضی بہاؤالدین شداد اس لڑائی کا آنکھوں دیکھا حال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

''دونوں فوجوں کے سواروں نے ایک دوسرے پر ہلہ بولا۔ ہراوّل کے سوار تیر چلاتے آ رہے تھے، پھر پیادہ دستوں کو بھی میدان میں اُتار دیا گیا۔ صلیبیوں کو موت نظر آنے لگی تھی اور مسلمانوں کو پیچھے دریا اور سامنے دشمن نظر آ رہا تھا۔ پیچھے ہٹنے کے لیے ان کے پاس کوئی جگہ نہیں تھی، اس لیے دونوں فوجیں اتنے قہر سے لڑیں جس کی مثال تاریخ پیش نہیں کر سکتی''۔

سارا دن لڑائی جاری رہی۔ رات مسلمان چھاپہ ماروں نے دشمن کو پریشان رکھا۔ دشمن کی فوج اور گھوڑے پیاسے تھے لیکن پانی پر مسلمان قابض تھے۔ چھاپہ مار دشمن کو پانی کی تلاش میں جانے بھی نہیں دیتے تھے۔ اگلے روز صلیبیوں نے ٹیکریوں پر چڑھ کر لڑائی لڑی۔ مسلمان بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے مگر صلیبی بلندیوں سے فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ مسلمانوں کا رسالہ چونکہ ہلکا تھا، اس لیے انہوں نے ٹیکریوں کا گھیرا کر کے اوپر چڑھنا شروع کیا، پیادہ تیر اندازوں نے اُن کے سروں کے اوپر سے تیر برسائے۔ اتنے میں صلیبیوں نے دیکھا کہ ان کے کمانڈر کا جھنڈا نظر نہیں آ رہا۔ یہ فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ ان کا بادشاہ ریمانڈ میدانِ جنگ سے بھاگ گیا ہے، حالانکہ اس نے صلیبِ اعظم پر ہاتھ رکھ کر اپنے اتحادیوں کا وفادار رہنے اور پیٹھ نہ دکھانے کا حلف اُٹھایا تھا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ صلیبِ اعظم حطین کی اس جنگ میں ساتھ لائی گئی تھی۔

صلیبیوں کے بھاگنے کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ وہ اب دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ بلندیاں اُن کی مدد کر رہی تھیں۔ یہ دِن بھی گزر گیا۔ مسلمان فوج نے بے انداز خشک گھاس اور لکڑیاں جمع کر کے صلیبیوں کے اردگرد آگ لگا دی۔ رات کو سلطان ایوبی کی فوج گھاس اور لکڑیاں جمع کرتی اور آگ تیز کرتی رہی۔ دِن بھر کے پیاسے اور تھکے ہوئے صلیبی ٹیکریوں پر جھلسنے لگے۔ ان میں سے ایک دستے نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ جانے دیا۔ دوسرے دِن صلیبی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے اور جرنیلوں سمیت سلطان ایوبی کی قید میں آ گئی۔

☆

سلطان ایوبی کی فوج کے دوسرے تین حصے مختلف جگہوں پر اس قسم کی جنگ لڑ رہے تھے کہ کبھی صلیبیوں کے پہلو پر حملہ کرتے اور نکل جاتے اور کبھی عقب پر حملہ کر کے اِدھر اُدھر ہو جاتے۔ ایک دو پیادہ دستے اس انداز سے دشمن کے سامنے رہے کہ آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹ آتے۔ اس طرح دشمن حطین کے میدان میں آ گیا مگر اُس وقت تک وہ اور اس کے گھوڑے پیاس سے اَدھ موئے ہو چکے تھے۔

۳ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی نے اپنے پلان کی اس کڑی پر کارروائی شروع کی جو اُس نے حطین کے لیے بنایا تھا۔ یہ بھی جمعہ کا مبارک دِن تھا۔ اسے پہلے سے جاسوسوں نے جن میں کلثوم اور بکر قابلِ ذکر ہیں، یہ بتا دیا تھا کہ سات صلیبیوں نے اتحاد کر لیا ہے، لہٰذا سلطان ایوبی کی جنگی طاقت جو تھی، سو تھی، اس نے اپنی چالوں، فوج کی تقسیم، چھاپہ ماروں کے استعمال، دیکھ بھال کے انتظام اور میدانِ جنگ میں برق رفتار نقل و حرکت کے انداز میں ردو بدل اور کارگر طریقے اور داؤ سوچ لیے تھے۔ دشمن کو وہ بڑی خوبی سے حطین میں لے آیا تھا۔ اِردگرد کی قلعہ بندیوں اور آبادیوں پر وہ قابض ہو چکا تھا۔ پانی اس کے قبضے میں تھا اور اب موسم کا قہر اُس کے حق میں تھا۔

دشمن جب حطین میں آیا تو وہ جان نہ سکا کہ وہ سلطان ایوبی کی نہایت خوبی سے تقسیم اور ذِپلائے کی ہوئی فوج کے نرغے میں آ گیا ہے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے دشمن کی دیکھ بھال کی چوکیوں اور گشتی جیشوں، آؤٹ پوسٹوں اور رسد کے لیے قیامت بپا کر رکھی تھی۔ رات کو وہ دشمن کو نہ آرام کرنے دیتے تھے، نہ جرنیلوں کو سوچنے کی مہلت دیتے تھے۔

۴ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی کی فوج کے درمیانی حصے نے آمنے سامنے حملہ کیا۔ ٹیکریوں کی وجہ سے

میدانِ جنگ تنگ تھا۔ صلیبی اِدھر اُدھر سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تو مسلمانوں کا لائٹ رسالہ حرکت میں آجاتا۔ تیر انداز بلندیوں پر تھے جہاں سے وہ صلیبیوں پر تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ سلطان ایوبی کی کیفیت یہ تھی کہ کبھی اوپر جاتا اور کبھی نیچے آتا اور اُس کے صبا رفتار قاصد پیغام لا اور لے جا رہے تھے۔ صلیبی نائٹوں کو زرہ بکتر جلا رہی تھی۔ ان کے گھوڑے پیاسے تھے۔ پانی سامنے نظر آرہا تھا جو پیاس کو بڑھا رہا تھا۔

صلیبیوں نے کمک منگوا کر ایک جوابی حملہ کیا جو اُن کی آخری اُمید تھی۔ جہاں انہوں نے حملہ کیا وہاں کی کمان تقی الدین کے ہاتھ تھی۔ اُس نے حملہ روکنے کے لیے اپنے دستوں کو نیم دائرے کی شکل میں کر دیا۔ دشمن سیدھا اور سرپٹ آیا۔ تقی الدین نے نیم دائرے کے سرے بند کر دیئے اور صلیبی گھیرے میں آگئے۔ مسلمان سواروں نے انہیں کاٹ اور کچل ڈالا۔

اب جنگ کی یہ صورت تھی کہ صلیبی حطین کے میدان میں دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ حطین سے دُور اِن کا اگر کوئی دستہ رہ گیا تھا تو اُسے مسلمانوں نے وہیں بے کار کر دیا جہاں وہ تھا۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ عکرہ کا پادری ''محافظ صلیبِ اعظم'' صلیب الصلبوت کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھا، یعنی جس صلیب پر صلیبیوں نے اسلام کو ختم کرنے کے حلف اُٹھائے تھے، وہ صلیب میدانِ جنگ میں لائی گئی تھی مگر صلیبی بادشاہوں نے پیٹھ دکھانی شروع کر دی۔ گائی آف لوزینان اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ بھاگ رہا تھا کہ اُسے مسلمان سواروں نے دیکھ لیا اور انہیں زندہ پکڑ لیا۔

عکرہ کا پادری مارا گیا اور صلیبِ اعظم مسلمانوں کے قبضے میں آگئی۔ مشہور مورخوں نے اس صلیب کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اُس دَور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد سلطان ایوبی نے صلیب وہاں کے عیسائیوں کو احترام سے لوٹا دی تھی۔

شام تک جنگِ حطین کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ صلیبیوں کے جانی نقصان کا کوئی شمار نہ تھا۔ باقی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ سلطان ایوبی کے سامنے جو قیدی لائے گئے، ان میں ریمانڈ کے سوا باقی چھ اتحادی تھے اور اُن میں کرک کا شہزادہ ارناط بھی تھا جسے اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی قسم سلطان ایوبی نے کھائی تھی۔ مورخ لکھتے ہیں اور اس کا تفصیلی ذکر قاضی بہاؤالدین شداد نے کیا ہے کہ سلطان ایوبی نے صلیبی بادشاہ جیفرے کو شربت پیش کیا۔ جیفرے نے آدھا شربت پی کر گلاس ارناط کو دے دیا۔

ارناط شربت پینے لگا تو سلطان ایوبی نے اپنے ترجمان سے گرج کر کہا...... ''اُسے (ارناط سے) کہو کہ اسے میں نے نہیں، اپنے بادشاہ نے شربت دیا ہے۔ عربی میزبان صرف اس دشمن کو شربت پیش کرتے ہیں جس کی وہ جان بخشی کر دیتے ہیں۔ میں نے ارناط کو شربت پیش نہیں کیا'' ...... بہاؤالدین شداد لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔

سلطان نے ملازموں سے کہا کہ ان سب کو کھانے پر بٹھاؤ۔ جب سب کھانے والے خیمے میں جا کر کھانا کھا چکے تو سلطان نے پھر جیفرے اور ارناط کو اپنے خیمے میں بلایا۔ اس نے ارناط سے کہا کہ تم ہمیشہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین کرتے رہے ہو۔ تمہاری نجات اس میں ہے کہ اسلام قبول کر لو۔ ارناط نے انکار کر دیا۔ سلطان ایوبی کو یہی توقع تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے تلوار نکالی اور ایک ہی وار سے ارناط کا ایک بازو جسم سے الگ کر دیا اور چلا کر کہا......

''مردود! تو نے میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توہین کی۔ اگر یہ گالیاں مجھے دیتا تو آج تو زندہ ہوتا'' ...... مورخ لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کے خیمے میں اس کے جو دو تین سالار تھے۔ انہوں نے تلواروں سے ارناط کو ختم کر دیا۔ سلطان نے

نفرت کے لہجے میں حکم دیا ......''اس ناپاک لاش کو باہر پھینک دو''۔

قاضی بہاؤالدین شداد لکھتا ہے..... ''سلطان ایوبی نے اس کی لاش خیمے سے باہر اور اس کی روح جہنم کے اندر پھینک دی''۔

بادشاہ جیفرے نے اپنے اتحادی کا یہ انجام دیکھا تو اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ وہ سمجھ گیا کہ اب اُس کی باری ہے۔ سلطان ایوبی نے اسے دیکھا تو آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور تحمل سے کہا ..... ''بادشاہ بادشاہوں کو قتل نہیں کیا کرتے لیکن اس کے گناہ ایسے تھے کہ مجھے اسے اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی قسم کھانی پڑی۔ آپ نہ ڈریں''۔

قیدی بادشاہوں کو قیدیوں کے خیموں میں بھیج دیا گیا اور سلطان ایوبی سجدے میں گر پڑا۔

☆

کرک کے محل میں رات خاموش تھی، وہاں ارناط بھی نہیں تھا اور اس کے جرنیل اور درباری بھی نہیں تھے، وہاں اس کے حرم کی عورتیں تھیں، کلثوم تھی اور ان کے نوکر اور نوکرانیاں تھیں اور قلعے میں مختصر سی فوج تھی۔ وہاں ابھی ارناط کی موت کی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔ رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ اس وقت تک کلثوم سو جاتی تھی۔

ایک عورت دبے پاؤں کلثوم کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ کلثوم کے پلنگ تک پہنچی۔ کمرے میں کوئی روشنی نہیں تھی۔ عورت نے خنجر والا ہاتھ بلند کیا اور پوری طاقت سے خنجر کا وار کیا لیکن اسے کوئی چیخ نہ سنائی دی۔ خنجر پلنگ میں اُتر گیا تھا۔ اس نے بستر پر ہاتھ پھیرا، وہاں کلثوم نہیں تھی۔ عورت یہ سمجھ کر کہ کلثوم کہیں نکل گئی ہوگی، پلنگ کے ساتھ چھپ کر بیٹھ گئی۔

ذرا سی دیر بعد کمرے میں دبے پاؤں کسی کی آہٹ سنائی دی جو پلنگ تک گئی۔ عورت نے اُٹھ کر اس پر خنجر کا وار کیا۔ فوراً بعد اس کے اپنے پیٹ میں خنجر اُتر گیا، پھر دونوں طرف سے خنجروں کے وار ہوئے، دونوں باہر کو دوڑیں اور باہر جا کر گر پڑیں۔ حرم کی دوسری عورتوں نے دیکھا کہ ان میں کلثوم نہیں تھی۔ یہ دونوں حرم کی عورتیں تھیں جو کلثوم کو قتل کرنے گئی تھیں۔ اسی روز دونوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا مگر یہ غلط فہمی رہی کہ قتل کرنے کون جائے گی۔ اندھیرے کمرے میں دونوں نے ایک دوسری کو کلثوم سمجھا۔

اُس وقت کلثوم محل سے ہی نہیں، کرک سے ہی نکل گئی تھی۔ اسی روز بکر بن محمد کو اپنے جاسوس ساتھیوں کے ذریعے اطلاع ملی تھی کہ حطین میں صلیبیوں کو بہت بُری شکست ہو رہی ہے۔ کرک کے جاسوسوں نے ہی بکر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کلثوم کو لے کر نکل جائے۔ کلثوم کے لیے رات قلعے کا دروازہ کھلوانا مشکل نہیں تھا۔ سب جانتے تھے کہ یہ شہزادہ ارناط کی چہیتی ہے۔ بکر بن محمد سیبل کے روپ میں اس کے ساتھ اور اُسے شاہی بگھی میں لے جا رہا تھا۔ حرم کی کوئی عورت کلثوم کو جاتے نہیں دیکھ سکی تھی۔

شہر سے دُور جا کر انہیں وہ دو گھوڑے مل گئے جو جاسوسوں کے انتظام کے تحت وہاں انتظار میں کھڑے تھے۔ بگھی وہیں چھوڑ دی گئی۔ کلثوم اور بکر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور غائب ہو گئے۔ دوسرے دن راستے میں انہیں اپنی فوج کے ایک قاصد نے بتایا کہ صلیبیوں کو شکست ہو چکی ہے، ارناط مارا جا چکا ہے اور سلطان ایوبی ابھی حطین اور ناصرہ کے علاقے میں ہے۔ کلثوم سلطان کے پاس جانا چاہتی تھی۔

وہ جھیل گیلیلی پہنچ گئے...... اور جب کلثوم کو سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا تو وہ سلطان کے پاؤں پر گر پڑی۔

''میری بیٹی!''......سلطان ایوبی نے اُسے اُٹھا کر شفقت سے گلے لگایا اور کہا......''میری فتح میں تم جیسی نہ جانے کتنی بیٹیوں کا ہاتھ ہے''۔

''میں اُس کی لاش دیکھنا چاہتی ہوں''......کلثوم نے کہا

''سب کی لاشیں دریا میں پھینک دی گئی ہیں''......سلطان ایوبی نے کہا......''اُسے میں نے اپنے ہاتھوں سزا دی ہے......تمہیں کل قاہرہ بھجوادیا جائے گا۔ مجھے ابھی بہت دُور جانا ہے، جہاں بھی رہو بیٹی! میرے لیے دُعا کرتی رہنا کہ میں آگے ہی آگے دُور ہی دُور جاتا رہوں اور جہاں شام کو سورج ڈوب جاتا ہے۔ وہاں تک اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام پہنچادوں''۔

حطین کی فتح اس لیے بہت اہم تھی کہ اس سے سلطان ایوبی نے ارضِ فلسطین کا دروازہ توڑ لیا اور اُس میں داخل ہوگیا تھا۔ اتنا وسیع علاقہ لے کر اس کے لیے بیت المقدس کی فتح آسان ہوگئی تھی۔ اس نے اس علاقے کو فوجی مستقر بنالیا اور بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کی تیاری اور اسلحہ اور رسد ذخیرہ کرنے لگا۔

فصلِ صلیبی جس نے کاٹی تھی

حطین میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے جو فتح حاصل کی تھی، وہ معمولی نوعیت کی نہیں تھی۔ سات صلیبی حکمران متحد ہو کر سلطان ایوبی کی جنگی قوت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے اور اس کے بعد مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پر قبضہ کرنے آئے تھے لیکن وہ اپنی جنگی قوت کا یہ حشر کرا بیٹھے جیسے صحرا کا ٹیلہ آندھی سے ریت کے ذرّوں کی صورت میں صحرا میں بکھر جاتا ہے۔ چار مشہور اور طاقت ور حکمران جنگی قیدی بنے جن میں یروشلم (بیت المقدس) کا حکمران گائی آف لوزینان قابلِ ذکر ہے۔ صلیبی فوج کا مورال ٹوٹ گیا اور سلطان ایوبی کی فوج کا مورال بلند ہو گیا۔

جنگ ختم ہو چکی تھی۔ چھاپہ ماروں کی جنگ جاری تھی۔ وہ بھاگنے والے صلیبی سپاہیوں کو پکڑ رہے تھے۔ صلیبیوں کے حوصلے اس حد تک پست ہو چکے تھے کہ قاضی بہاؤالدین شداد کے الفاظ میں "ایک شخص نے جس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ سچ بولتا ہے، مجھے بتایا کہ اُس نے اپنی فوج کے سپاہی کو دیکھا جو تیس صلیبی سپاہیوں کو خیمے کی ایک ہی رسی سے باندھے ہوئے لا رہا تھا"۔ ایسے مناظر تو کئی ایک دیکھنے میں آئے کہ ایک ایک مسلمان سپاہی کئی کئی صلیبی سپاہیوں کو نہتہ کر کے ہانک کر لا رہا ہے۔ بعض یورپی مورخوں نے صلیبیوں کی اس شکست کے اسی قسم کے کئی واقعات لکھے ہیں اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی جنگی اہلیت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

بحیرۂ روم کے ساحل پر اسرائیل کے شمال میں عکرہ ایک مشہور شہر تھا جسے بعض نے عکہ بھی لکھا ہے۔

اس شہر کی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں صلیبِ اعظم کا محافظ پادری رہتا تھا۔ پچھلی قسط میں سنایا جا چکا ہے کہ وہ صلیب عکرہ کے بڑے گرجے میں رکھی تھی جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اسی پر مصلوب کیا گیا تھا۔ اُسے صلیب الصلبوت کہتے تھے۔ سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے والے بلکہ دُنیائے عرب پر قبضہ کرنے کے لیے لڑنے والے عیسائی اسی صلیب پر حلف اُٹھاتے تھے۔ اسی لیے انہیں صلیبی کہا گیا تھا۔ حلف اُٹھانے والے ہر صلیبی کے گلے میں لکڑی کی چھوٹی سی صلیب تعویذ کی طرح ڈال دی جاتی تھی۔ لہٰذا جتنے صلیبی فوجی جنگ میں گرتے تھے، اتنی ہی صلیبیں گرتی تھیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس کو فصلِ صلیبی کہا ہے۔

حطین اور اس کے گرد و نواح کے میل ہا میل علاقے میں اور اس سے بھی دُور دُور جہاں جہاں جنگ لڑی گئی تھی، صلیبیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ مرنے والے تڑپ تڑپ کر مرے تھے۔ معمولی طور پر زخمی ہونے والے بھی مر گئے تھے، جس کی وجہ زخم نہیں پیاس تھی۔ آہن پوش نائٹوں کے لیے زرہ بکتر تنور بن گئی اور ان کی موت کا باعث بنی تھی۔ زخمیوں کو پانی پلانے والا کوئی نہ تھا، نہ کوئی ان کی مرہم پٹی کرنے والا تھا۔ ان میں مسلمان زخمی اور شہید بھی تھے۔ انہیں رات مشعلوں کی روشنی میں اُٹھا لیا گیا تھا۔

آج کے دور کا ایک مورخ انتونی ویسٹ اُس دور کے مورخوں کے حوالے سے لکھتا ہے کہ حطین کے میدانِ

جنگ میں لاشوں کی تعداد تیس ہزار سے اوپر تھیں۔ لاشیں اُٹھانے کا کوئی انتظام نہ کیا گیا۔ اُن کے جو ساتھی زندہ رہے، وہ جنگی قیدی ہو گئے یا تتر بتر ہو کر بھاگ گئے تھے۔ انتونی ویسٹ نے لکھا ہے کہ ان لاشوں کو مردار خور پرندوں اور درندوں نے کھایا۔ مردار خور اتنے نہیں تھے جتنی لاشیں تھیں۔ بہت سی لاشیں چند دنوں میں ہڈیوں کے سالم ڈھانچوں میں بدل گئیں۔ بلندی سے دیکھنے والے کو حد نگاہ تک زمین ہڈیوں کی وجہ سے سفید نظر آتی تھی۔ ان ہڈیوں میں ہزاروں چھوٹی چھوٹی صلیبیں بکھری ہوئی تھیں جیسے پکے ہوئی فصل سے پھل گر کر خشک ہو گیا ہو۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ فصل کاٹ ڈالی تھی۔ اسے اس علاقے کو لاشوں سے صاف کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اُسے وہاں رُکنا نہیں تھا۔ اس کی منزل بیت المقدس تھی لیکن وہ باتیں عکرہ کی کر رہا تھا۔ عکرہ کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ صلیب الصلبوت کی بدولت اسے وہی مقام حاصل ہو گیا تھا جو ہمارے لیے مکہ معظمہ کا ہے۔ تمام صلیبی حکمران عکرہ جا کر صلیب کے محافظِ اعظم سے دُعا لیتے اور صلیبِ اعظم کو چوم کر میدانِ جنگ میں جاتے تھے، لیکن اب یہ صلیب سلطان صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے باہر پڑی تھی۔ اُس کا محافظِ اعظم پادری مارا جا چکا تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ صلیبی دِل چھوڑ بیٹھے تھے۔

☆

''ہمیں اب سیدھا عکرہ پر یلغار کرنی ہے''...... سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور نائب سالاروں سے کہا...... ''اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے پورا محفوظہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی''...... اس نے سب پر نگاہیں دوڑائیں اور مسکرا کر کہا...... ''یہ نہ سمجھو کہ مجھے آپ کی اور آپ کے دوستوں کی تھکن کا احساس نہیں۔ اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔ تمہارا حج مسجد اقصیٰ میں ہو گا۔ اگر ہم یہاں آرام کرنے بیٹھ گئے تو صلیبی کہیں جمع ہو کر تازہ دم ہو جائیں گے۔ میں انہیں زخم چاٹنے کی بھی مہلت نہیں دینا چاہتا''۔

سالار قدرے حیران ہوئے۔ انہیں توقع تھی کہ سلطان بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کا حکم دے گا مگر اُس نے عکرہ پر حملے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس کے پیچھے صلیب الصلبوت رکھی تھی۔ اُس نے صلیب کو دیکھا اور کچھ دیر دیکھتا رہا۔ حاضرین پر خاموشی طاری رہی۔ اس نے اچانک تیزی سے سالاروں کی طرف گھوم کر کہا...... ''میرے رفیقو! یہ دو عقیدوں کی جنگ ہے۔ یہ حق اور باطل کا تصادم ہے۔ اس صلیب پر جما ہوا خون دیکھو۔ یہ خون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نہیں۔ یہ خون اس پادری کا نہیں جسے عیسائی دُنیا اس صلیب کا محافظ مانتی تھی اور یہ خون ان راہبوں کا بھی نہیں جنہوں نے یہ اتنی بڑی صلیب میدانِ جنگ میں اُٹھا رکھی تھی۔ وہ سب اللہ کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں، لیکن یہ خون اُن میں سے کسی کا بھی نہیں۔ یہ باطل کا خون ہے۔ یہ بے بنیاد عقیدے کا اور یہ انسانوں کے بنائے ہوئے نظریئے کا خون ہے''۔

سلطان ایوبی کی آواز میں جذبات کا جوش پیدا ہو گیا۔ اُس نے کہا...... ''میں ہر جنگی مہم جمعہ کے روز شروع کرتا ہوں۔ پیش قدمی جمعہ کے روز کرتا ہوں۔ جمعہ مبارک دِن ہے۔ میں ہر مہم کی ابتدا جمعہ کے خطبے کے وقت کیا کرتا ہوں کیونکہ یہ وقت قبولیت ایزدی کا ہوتا ہے اور جب تم دشمن سے لڑ رہے ہوتے ہو، تم پر تیروں کا مینہ برس رہا ہوتا ہے، دشمن کی منجنیقیں تم پر آگ اور پتھر برسا رہی ہوتی ہیں، اُس وقت قوم کے ہر فردِ بشر کے ہاتھ اللہ کے حضور تمہاری سلامتی اور فتح کے لیے اُٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے کوچ جمعہ کے روز کیا تھا اور اس جنگ کی ابتدا بھی جمعہ کے روز کی تھی؟ اور تم فاتح ہو۔ تمہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہے۔ یہ ہمارے عظیم عقیدے اور نظریئے کی فتح ہے۔ یہ چاند ستارے اور چوبی صلیب کا معرکہ تھا جو چاند ستارے نے جیت لیا...... میں تم سے یہ باتیں کیوں کہہ رہا ہوں؟ اس لیے کہ تم میں سے کسی کے

دِل میں اپنے عقیدے کے متعلق کچھ شک ہوتو وہ رفع ہو جائے اور تم اللہ کی رسّی کو اور زیادہ مضبوطی سے پکڑلو......

''تم شاید حیران ہو رہے ہو کہ میں نے عکرہ پر حملے کا فیصلہ کیوں کیا ہے۔ جذباتی لحاظ سے اس کی وجہ یہ ہے کہ صلیبیوں نے ایک بار مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ شہزادہ ارناط (کاؤنٹ ریجنالڈ) مکہ معظمہ سے صرف دو کوس دُور رہ گیا تھا۔ میں نے ارناط سے مکہ معظمہ کو بُری نظر سے دیکھنے کا انتقام لے لیا۔ اب مجھے صلیبیوں کے حکمرانوں اور نائٹوں سے انتقام لینا ہے۔ عکرہ ان کا مکہ ہے۔ میں اُسے تہہ تیغ کروں گا۔ مسجد اقصیٰ کی جو بے حرمتی ہو رہی ہے، میں اس کا انتقام لوں گا...... اور جنگی لحاظ سے بیت المقدس سے پہلے عکرہ پر قبضہ کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس سے صلیبیوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے''۔

سلطان ایوبی نے بہت بڑا نقشہ جو اُس نے اپنے ہاتھ سے بنا رکھا تھا، کھول کر سب کے آگے پھیلایا اور حطین پر اُنگلی رکھ کر کہا...... ''تم اس وقت یہاں ہو''...... وہ اپنی اُنگلی اس طرح عکرہ تک تیزی سے لے گیا جیسے اُس نے کچھ کاٹنے کے لیے خنجر کی نوک چلائی ہو۔ کہنے لگا...... ''میں صلیبیوں کے حکمرانوں کو دو حصوں میں کاٹ کر ان حصوں کے درمیان آ جاؤں گا۔ عکرہ پر قبضہ کر کے میں ٹائر، بیروت، حیفہ، عسقلان اور چھوٹے بڑے تمام ساحلی شہروں اور قصبوں کو تباہ و برباد کروں گا۔ کسی بھی صلیبی کو خواہ وہ فوجی ہے یا غیر فوجی ان علاقوں میں نہیں رہنے دوں گا۔ ساحلی علاقوں پر قبضہ اس لیے بھی ضرورت ہے کہ یورپ کی کچھ اور بادشاہیاں اپنے صلیبی بھائیوں کی مدد کے لیے اپنی فوجیں، مال و دولت اور جنگی سامان بھیجیں گی۔ ساحل تمہارا ہوگا تو دشمن کا کوئی بحری جہاز ساحل کے قریب نہیں آ سکے گا۔ یہاں سے ہم بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ ہمیں جنگ جاری رکھنی چاہیے''۔

اگر آپ فلسطین (موجودہ اسرائیل) اور لبنان کا نقشہ دیکھیں تو آپ کو جھیل گیلیلی کے کنارے پر حطین اور اس کے بالمقابل سمندر کے کنارے عکرہ نظر آئیں گے۔ جنوب میں یروشلم (بیت المقدس) ہے۔ حطین سے عکرہ پچیس میل اور حطین سے بیت المقدس ستر میل ہے۔ آج کے لبنان اور فلسطین پر صلیبی قابض تھے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے پلان بنایا ہے کہ حطین سے عکرہ تک اس طرح پیش قدمی کرے گا کہ راستے میں آنے والے علاقوں پر قبضہ کرتا جائے گا اور وہاں کے صرف مسلمان باشندوں کو وہاں رہنے دے گا اور صلیبیوں کو وہاں سے نکال دے گا۔ جنگی علوم کے ماہرین نے اُسے نہایت عمدہ پلان کہا ہے۔ سلطان ایوبی نے یہ پلان صلیبیوں کی جنگی قوت کو دو حصوں میں کاٹنے کے لیے ہی بنایا تھا۔ اس کی فوج صلیبیوں کے مقابلے میں صلیبیوں کے اتنے زیادہ جانی نقصان کے باوجود کم تھی، لیکن اُس کی جنگی چالیں صلیبیوں سے برتر اور نقل و حرکت کی رفتار بہت تیز تھی۔

☆

''عکرہ کا دفاع بہت مضبوط ہے''...... سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا...... ''ہمارے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ وہاں جوان اور تندرست مسلمان باشندے قید میں پڑے ہیں۔ عورتیں اور بچے بھی قید میں ہیں۔ وہاں کے عیسائی شہری شہر کے دفاع میں جان کی بازی لگا کر لڑیں گے۔ چونکہ مسلمان قید میں ہیں، اس لیے وہ اندر سے ہماری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ میں لمبا محاصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ تمہاری یلغار طوفانی ہونی چاہیے۔ عکرہ تک ہماری پیش قدمی کی حفاظت چھاپہ مار کریں گے۔ پیش قدمی پھیل کر ہوگی۔ راستے میں کوئی بستی آباد نہ رہے مگر سپاہی مالِ غنیمت کے لیے رُکیں نہیں۔ اس کام کے لیے الگ جیش مقرر کر دیے گئے ہیں''۔

عکرہ میں مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ کوئی بوڑھا یا اپاہج مسلمان آزاد ہوگا۔ باقی سب دہشت زدگی کی زندگی گزار رہے تھے۔ بہاؤ الدین شداد نے ان مسلمانوں کی تعداد جو قید میں تھے چار ہزار سے زائد لکھی ہے۔ شداد کے علاوہ اُس دور کے دو وقائع نگاروں نے پانچ اور چھ ہزار کے درمیان لکھی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیں کہ عکرہ مسلمانوں کے لیے قید خانہ تھا۔ کسی مسلمان کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ صلیبیوں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان چلتی پھرتی لاشیں بن کے رہ جائیں اور اُن کے بچوں میں مذہب اور قومیت کا احساس ہی پیدا نہ ہو، وہاں کی مسجدیں ویران ہوگئی تھیں۔

۴ جولائی ۱۱۸۷ء کے بعد وہاں کے مسلمانوں پر صلیبیوں نے ظلم و تشدد کا اضافہ کر دیا۔ گھروں میں جو مسلمان تھے، انہیں بھی ہانک کر کھلے قید خانے میں لے گئے۔ یہ ایک طرح کا بیگار کیمپ تھا۔ وہاں مسلمانوں سے مویشیوں کی طرح کام لیا جاتا تھا۔ ۵ جولائی ۱۱۸۷ء کے بعد انہیں کام کے لیے باہر نہ نکالا گیا اور اُس پر پہرہ اور سخت کر دیا گیا۔ اس سے ان بدنصیبوں نے اندازہ لگا لیا کہ صلیبیوں کو کہیں شکست ہوئی ہے یا اسلامی فوج نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ عورتیں خدا کے حضور گڑگڑانے لگیں۔ سجدوں پہ سجدے کرنے لگیں۔ قید خانے میں سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ ماؤں نے ننھے ننھے بچوں کے ہاتھ پکڑ کر دُعا کے لیے اُٹھائے اور کہا...... ''بیٹا! کہو اللہ اسلام کو فتح دے۔ کہو، میرے اللہ باہر کے مسلمانوں کو ہمت دے کہ ہمیں ظالموں کی بستی سے نکال لے جائیں''۔

سینکڑوں بچے اور سینکڑوں عورتیں اللہ کے حضور دست بدعا تھیں۔ بچے اپنی ماؤں کو سسکتا دیکھ کر رونے لگے تھے۔ انہیں آہ و بکا سنائی دی اور اس کے ساتھ کوڑوں کے زناٹے بھی سنائی دینے لگے۔ سب سہم گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ بہت سے قیدی لائے جا رہے تھے۔ یہ شہر کے وہ باشندے تھے جو گھروں میں تھے۔ اُن کی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے آئے تھے، اُن پر کوڑے برسائے جا رہے تھے۔

۶/۷ جولائی کی درمیانی رات آدھی گزر گئی تھی جب شہر میں بڑبونگ بپا ہوگئی اور آگ کے شعلے کہیں کہیں سے بلند ہونے لگے۔ تیر اس کھلے قید خانوں میں بھی گرنے لگے۔ ان قیدیوں کے اِردگرد خشک خاردار جھاڑیوں کی گھنی باڑ بچھی ہوئی تھی اور رسّوں کے جال بھی تنے ہوئے تھے۔ رات کو قید خانے کے اِردگرد جگہ جگہ مشعلیں جلا کر رکھ دی گئیں تاکہ قیدیوں پر نظر رکھی جا سکے۔ کسی قیدی نے باہر سے آیا ہوا ایک تیر اُٹھا کر مشعل کی روشنی میں دیکھا تو اس نے چلا کر کہا...... ''میں اس تیر کو پہچانتا ہوں۔ یہ اسلامی فوج کا تیر ہے''۔

رسّوں کے جال میں سے ایک تیر سنسناتا آیا جو اس قیدی کے سینے میں اُتر گیا۔ یہ کسی صلیبی سنتری نے اس مسلمان کو خاموش کرنے کے لیے چلایا تھا۔ شہر جاگ اُٹھا۔ شہر اور قلعے کی دیواروں پر بھاگ دوڑ اور شور میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور کمانوں سے تیر نکلنے کی آوازیں بڑھتی جا رہی تھی۔ باہر ''اللہ اکبر'' کے نعرے گرجنے لگے تھے۔ دھمک دھمک کی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ یہ بڑے بڑے پتھر تھے جو سلطان ایوبی کی فوج کی منجنیقیں دیوار کے کسی ایک مقام پر پھینک رہی تھیں۔

☆

یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا محاصرہ تھا جو محاصرہ کم اور یلغار زیادہ تھی۔ شہر میں آگ پھینکنے والی منجنیقوں کے علاوہ دروازوں اور دیوار پر وزنی پتھر پھینکنے والی بڑی منجنیقیں بھی استعمال کی جا رہی تھیں۔ بلند مچانیں ساتھ لائی گئی تھیں۔ ہر ایک مچان میں دس اور بیس تک سپاہی کھڑے ہو سکتے تھے۔ اُن کے نیچے پہیے تھے۔ انہیں گھوڑے یا اونٹ کھینچتے تھے۔ یہ

متحرک مچانیں دیوار تک لے جائی جاتی تھیں مگر صلیبی شہر کے دفاع میں بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ شہری بھی اپنی فوج کے دوش بدوش لڑ رہے تھے۔ وہ سلطان ایوبی کی متحرک مچانوں پر تیروں کی بوچھاڑیں مار کر مسلمان سپاہیوں کو ختم کر دیتے تھے۔ بعض مچانیں جو دیوار کے قریب چلی گئی تھیں، ان پر صلیبیوں نے جلتی ہوئی مشعلیں پھینکیں اور آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینک کر انہیں جلا ڈالا۔

اندر قیدی کیمپ میں اب یہ کیفیت تھی کہ ہزار ہا قیدی ایک ہی آواز میں لا الٰہ الا اللّٰہ کا بلند ورد کر رہے تھے۔ عورتوں نے جھولیاں پھیلا رکھی تھیں اور بہتے آنسوؤں سے مردوں کے ساتھ آواز ملا کر کلمہ شریف کا ورد کر رہی تھیں۔ پھر کسی نے بلند آواز سے کہا...... نصر" من اللّٰہ وفتح وقریب"...... فوراً ہی تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کی آوازیں ایک آواز بن گئی جو جنگ کے شور وغل سے زیادہ بلند تھیں اور سارے شہر میں سنائی دے رہی تھی۔

دو تین سنتری اندر آ گئے۔ وہ قیدیوں کو خاموش کرانے کی کوشش کرنے لگے۔ تین چار جوشیلے جوان اُٹھے اور سنتریوں پر ٹوٹ پڑے۔ پھاٹک کھلا تھا۔ باقی قیدی باہر کو دوڑے مگر تیروں کی بوچھاڑ نے آگے والوں کو گرا دیا، پھر گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے۔ سواروں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ قیدی اندر کو بھاگے اور جو پیچھے رہ گئے تھے، وہ سواروں کی برچھیوں سے شہید ہو گئے۔ فرار کامیاب نہ ہو سکا۔ عورتیں اور بچے اللّٰہ کے حضور سجدے کرنے لگے اور پھر سب ایک ہی آواز میں کلام پاک کا ورد کرنے لگے۔

رات بھر سلطان ایوبی کے جانباز جیش دیوار تک پہنچنے اور شگاف ڈالنے یا سرنگ کھودنے کے لیے آگے بڑھتے رہے اور اوپر سے صلیبی ان پر تیر، پتھر اور آگ پھینکتے رہے۔ سلطان ایوبی بے دریغ قربانی دے رہا تھا۔ شہر کی دیوار کے ایک مقام پر بڑی منجنیقوں سے وزنی پتھر مارے جا رہے تھے۔ صبح طلوع ہوئی تو دیوار پر ہر طرف عکرہ کے شہری اور فوجی مکھیوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ وہ تیر برسا رہے تھے۔ یہ بھی نظر آیا کہ دیوار ایک جگہ سے پھٹ رہی تھی۔ سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار ذرا پیچھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ جہاں سے دیوار پھٹ رہی ہے، اس کے اوپر اور دائیں بائیں سے دشمن پر تیروں کا مینہ برسا دو۔ اس نے دوسری طرف سے بھی تیر انداز بلا کر اسی مقام پر مرکوز کر دیئے۔ اُس نے سرنگیں کھودنے والے جیش سے کہا کہ دوڑ کر دیوار تک پہنچیں۔

جانبازوں کا جیش پہنچ گیا۔ دیوار کے اوپر اتنے زیادہ اور اتنے تیز تیر برسائے جا رہے تھے کہ اوپر والوں کے لیے سر اُٹھانا محال ہو گیا۔ جانبازوں نے دیوار میں اتنا شگاف ڈال لیا جس میں سے دو آدمی بیک وقت گزر سکتے تھے۔ سپاہیوں میں اس قدر جوش وخروش تھا کہ وہ حکم کے بغیر شگاف کی طرف اُٹھ دوڑے اور ایک دوسرے کے پیچھے اندر چلے گئے۔ صلیبیوں نے دیوار کے اوپر سے نیچے آتے اتنا وقت لگا دیا کہ بہت سے مسلمان سپاہی اندر چلے گئے۔ صلیبیوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا مگر ان مسلمان عورتوں اور معصوم بچوں کی دُعائیں جو اندر قید میں پڑے کفار کا ظلم وستم سہ رہے تھے، عرش تک پہنچ چکی تھیں۔ سلطان ایوبی کی دراصل قوت تو یہ تھی۔

☆

شہر کے اندر بھگدڑ بپا ہو گئی۔ وہاں یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی کہ صلیب الصلبوت مسلمانوں کے قبضے میں چلی گئی ہے اور اس کا محافظِ اعظم مارا گیا ہے۔ حطین کی جنگ سے بھاگے ہوئے صلیبی سپاہی بھی اس شہر میں آئے تھے۔ کچھ زخمی بھی پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اپنی شکست اور پسپائی کو برحق ثابت کرنے کے لیے بڑی دہشت ناک افواہیں پھیلائی تھیں۔ اُن

کے اثرات اس وقت سامنے آئے جب سلطان ایوبی کے جانبازوں نے دیوار توڑ ڈالی اور زرکے ہوئے سیلاب کی طرح اندر جانے لگے۔ صلیبیوں نے مقابلہ تو کیا لیکن شہریوں میں بھگدڑ برپا ہوگئی۔ وہ شہر سے بھاگنے کے لیے دروازوں پر ٹوٹ پڑے اور سپاہیوں کے روکنے کے باوجود تین دروازے کھول دیئے۔

شہریوں کا ہجوم دروازوں میں پھنس گیا۔ مسلمان سواروں نے اپنے کمان داروں کے حکم سے گھوڑوں کو ایڑ لگادی۔ گھوڑے شہریوں کو کچلتے ہوئے اندر چلے گئے، پھر مجاہدین کے سیلاب کو کوئی نہ روک سکا۔ تمام دروازے کھل گئے اور صلیبی ہتھیار ڈالنے لگے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے عکرہ کا حکمران سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے صلیبی فوج کے جرنیلوں اور دیگر کمانڈروں کو الگ کر دیا اور اُس جگہ چلا گیا جہاں مسلمانوں کے پورے پورے کنبے قید میں پڑے تھے۔ ان کے سنتری بھاگ گئے تھے اور قیدی پھاٹک اور رسوں کا جال توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سلطان ایوبی ان سے دُور ہی رُک گیا۔ یہ تو انسانی لاشیں تھیں۔ اُس نے عورتوں اور بچوں کو دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''جاؤ، رسے کاٹ دو۔ انہیں آزاد کردو''...... سلطان ایوبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا...... ''اور انہیں یہ نہ بتانا کہ میں شہر میں موجود ہوں۔ میں اُن کا سامنا نہیں کر سکتا''۔

سلطان ایوبی کے حکم پر چند ایک سوار سرپٹ گھوڑے دوڑا کر پہنچے۔ انہوں نے لکڑی کا پھاٹک توڑ دیا۔ کئی جگہوں سے رسوں کا جال کاٹ کر جھاڑیاں ہٹا دیں۔ قیدیوں کا ہجوم بھگدڑ کے انداز سے نکل رہا تھا۔ سواروں نے اُن پر قابو پانے کے لیے چلا چلا کر کہا...... ''آرام سے نکلو۔ اب تمہیں پکڑنے کوئی نہیں آئے گا۔ وہ دیکھو۔ قلعے پر تمہارا جھنڈا لہرا رہا ہے''۔

''انہوں نے ہمارے گناہوں کی سزا بھگتی ہے''...... سلطان ایوبی نے اپنے پاس کھڑے ایک سالار سے کہا...... ''یہ غداروں کے گناہ تھے جن کی سزا ان معصوموں کو ملی۔ اپنے دین کے دشمنوں کو دوست سمجھنے والوں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ قوم کا کیا حشر ہوگا۔ اگر میرا راستہ تخت و تاج کے شیدائی اور غدار نہ روک لیتے تو ہمارے ان ہزاروں بچوں اور بیٹیوں کی یہ حالت نہ ہوتی...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محبت اور امن کا سبق دیا تھا لیکن صلیب کے پجاریوں میں مسلمانوں کے خلاف اتنی نفرت بھری ہوئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے فرمان کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ دُنیا میں صرف دو مذہب باقی رہیں گے۔ اسلام اور عیسائیت۔ اگر ہم نے دِل سے دُنیا کی جھوٹی لذتوں کو نہ نکالا تو عیسائیت ہماری اس کمزوری سے اسلام کا خاتمہ کر دے گی''۔

سلطان ایوبی اُس جگہ گیا جہاں صلیبی جرنیل اور دیگر کمانڈر الگ کھڑے تھے۔ اُس نے کہا...... ''ان سب کو ساحل پر لے جاؤ اور سب کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دو۔ دوسرے جنگی قیدیوں میں سے چھانٹی کر لو، جنہیں زندہ رکھنا چاہتے ہو، انہیں دمشق بھیج دو اور باقی سب کو ختم کر دو۔ کسی نہتے شہری پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔ ان میں سے جو شہر سے جانا چاہتے ہیں انہیں مت روکو، جو یہاں رہنا چاہتے ہیں، انہیں عزت سے رہنے دو''۔

۸ جولائی ۱۱۸۷ء عکرہ پر قبضہ مکمل ہو چکا تھا۔

رات جب سلطان ایوبی کھانے سے فارغ ہوا تو اسے اطلاع دی گئی کہ ایک نہایت اہم قیدی اُس کے سامنے لایا جا رہا ہے۔

''کون ہے وہ؟''

''ہرمن''۔ سلطان کو بتایا گیا۔ ''صلیبیوں کا علی بن سفیان''۔

قارئین نے اس سلسلے کی پچھلی کہانیوں میں ہرمن کا نام کئی بار پڑھا ہوگا۔ یہ علی بن سفیان کی طرح صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا اور کردار کشی کا ماہر، جو صلیبی اور یہودی لڑکیاں مسلمان علاقوں میں جاسوسی اور کردار کشی کے لیے بھیجی جاتی تھیں، انہیں ٹریننگ دینے والا ہرمن تھا۔ وہ اپنی بہت سی لڑکیوں کے ساتھ عکرہ میں تھا اور پکڑا گیا۔ وہ شہر سے نکل رہا تھا لیکن ایوبی کا ایک جاسوس اس کے تعاقب میں تھا۔ اس نے ہرمن کو اس کے بہروپ میں بھی پہچان لیا۔ وہ لڑکیوں کو کسان عورتوں جیسا لباس پہنا کر ساتھ لے جا رہا تھا۔ جاسوس نے ایک کمان دار کو بتایا۔

کمان دار نے دو تین سپاہیوں کے ساتھ ہرمن اور اُس کے زنانہ قافلے کو گھیر لیا۔ ہرمن لڑکیوں کے علاوہ اپنے ساتھ سونا بھی لے جا رہا تھا۔ اس نے لڑکیاں کمان دار اور اس کے سپاہیوں کے سامنے کھڑی کر دیں اور سونا اُن کے آگے رکھ کر دیا۔ بولا...... ''جسے جو لڑکی پسند ہے لے لے اور یہ سونا بھی آپس میں بانٹ لو''۔

''مجھے تمام لڑکیاں پسند ہیں''۔ کمان دار نے کہا...... ''اور میں سارا سونا لے لوں گا۔ تم بھی میرے ساتھ چلو''۔

وہ ان سب کو ساتھ لے آیا اور ان سب کو سونے سمیت سلطان ایوبی کے ذاتی عملے کے حوالے کر دیا۔ ہرمن سلطان ایوبی کے لیے اہم اور قیمتی قیدی تھا۔ اُسے سلطان ایوبی کے کمرے میں داخل کر دیا گیا۔

''تم میری زبان جانتے ہو ہرمن!'' ......سلطان ایوبی نے کہا...... ''اس لیے میری زبان میں بات کرو۔ میں تمہارے فن اور تمہاری دانش مندی کا اعتراف کرتا ہوں۔ تمہاری قدر جتنی میں کر سکتا ہوں، اتنی تمہارے حکمران نہیں کر سکے۔ میں تمہارے ساتھ کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں''۔

''اگر آپ مجھ سے باتیں کیے بغیر میرے قتل کا حکم دے دیں تو زیادہ اچھا ہوگا''۔ ہرمن نے کہا...... ''اگر مجھے عکرہ کی فوج کے جرنیلوں اور کمانڈروں کی طرح قتل ہونا اور میری لاشوں کو مچھلیوں کی خوراک بننا ہے تو باتیں کرنے سے کیا حاصل؟''

''تم قتل نہیں ہو گے ہرمن!'' ......سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں جسے قتل کرایا کرتا ہوں، اس کی صرف صورت دیکھا کرتا ہوں، اُس سے کبھی بات نہیں کی''۔

سلطان نے دربان کو بلایا اور اُسے کہا کہ ہرمن کو شربت پیش کرے۔ ہرمن کے چہرے پر رونق آ گئی۔ وہ عرب کے اس رواج سے واقف تھا کہ عربی میزبان دشمن کو پانی یا شربت پیش کرے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے دل سے دشمنی نکال دی ہے اور اُس نے جاں بخشی کر دی ہے۔ دربان نے شربت پیش کیا جو ہرمن نے پی لیا۔

''آپ مجھ سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کون کون سے علاقے میں ہماری کتنی کتنی فوج ہے'' ...... ہرمن نے کہا...... ''اور آپ یہ جاننا چاہیں گے کہ اُن کی لڑنے کی اہلیت کیسی ہے''۔

''نہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''یہ تم مجھ سے پوچھو کہ تمہارے کس علاقے میں کتنی فوج ہے۔ میرے جاسوس تمہارے سینے کے اندر بیٹھے رہے ہیں...... اور اب مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کہاں کتنی فوج ہے۔ حطین میں تمہاری فوج تھوڑی نہیں تھی۔ تھوڑی فوج میری تھی۔ اب اور تھوڑی رہ گئی ہے۔ ارضِ مقدس سے اب مجھے کوئی فوج نہیں نکال سکتی۔ تم یہ خبر سنو گے کہ صلاح الدین ایوبی مر گیا ہے، پسپا نہیں ہوا''۔

''اگر آپ کے تمام کمان دار اس کمان دار کے کردار کے ہیں جو مجھے پکڑ لایا ہے تو میں آپ کو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کو بڑی سے بڑی فوج بھی یہاں سے نہیں نکال سکتی''۔ ہرمن نے کہا...... ''میں نے اسے جو لڑکیاں پیش کی تھیں، انہوں نے آپ کے پتھروں جیسے سالاروں اور قلعہ داروں کو موم کیا اور صلیب کے سانچے میں ڈھالا ہے اور سونا ایسی

چیز ہے جس کی چمک آنکھوں کو نہیں، عقل کو اندھا کر دیتی ہے۔ میں سونے کو شیطان کی پیداوار کہا کرتا ہوں۔ آپ کے کمان دار نے سونے کی طرف دیکھا تک نہیں۔ میری نظر انسانی فطرت کی کمزوریوں پر رہتی ہے۔ لذت اور ذہنی عیاشی ایمان کو کھا جاتی ہے۔ میں نے آپ کے خلاف یہی ہتھیار استعمال کیا ہے۔ جب یہ کمزوریاں کسی جرنیل میں پیدا ہو جاتی ہیں یا پیدا کر دی جاتی ہیں تو شکست اس کے ماتھے پر لکھ دی جاتی ہے۔ میں نے آپ کے ہاں جتنے غدار پیدا کیے ہیں، ان میں پہلے یہی کمزوریاں پیدا کی تھیں۔ حکومت کرنے کا نشہ انسانوں کو لے ڈوبتا ہے"۔

''میری فوج کے کردار کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''اگر آپ کی فوج کا کردار ویسا ہی ہوتا، جیسا میں بنانے کی کوشش کر رہا تھا تو آج آپ کی فوج یہاں نہ ہوتی'' ...... ہرمن نے کہا...... ''اگر آپ بدکردار حکمرانوں، امیروں، وزیروں اور سالاروں کو ختم نہ کر چکے ہوتے تو وہ آپ کو کبھی کے ہماری قید میں ڈال چکے ہوتے۔ میں آپ کی تعریف کروں گا کہ آپ نے دل میں حکومت کی خواہش نہیں رکھی''۔

''ہرمن!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں نے تمہاری جان بخشی کی ہے۔ تمہیں اپنا دوست کہا ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میں اپنی فوج کے کردار کو کس طرح مضبوط اور بلند رکھ سکتا ہوں اور میرے مرنے کے بعد یہ کردار کس طرح مضبوط رہ سکتا ہے"۔

محترم سلطان!'' ہرمن نے کہا...... ''میں آپ کو جاسوسی اور سراغ رسانی کا اُستاد سمجھتا ہوں۔ آپ صحیح مقام پر ضرب لگاتے ہیں۔ آپ کا جاسوسی کا نظام نہایت کارگر ہے۔ علی بن سفیان، حسن بن عبداللہ اور بلبیس جیسے جاسوسی کے ماہرین کی موجودگی میں آپ ناکام نہیں ہو سکتے، مگر میں آپ کو یہ بتا دوں کہ یہ صرف آپ کی زندگی تک ہے۔ ہم نے آپ کے ہاں جو بیج بویا ہے، وہ ضائع نہیں ہوگا۔ آپ چونکہ ایمان والے ہیں، اس لیے آپ نے بے دین عناصر کو دبا لیا ہے۔ خانہ جنگی کس نے کرائی تھی؟...... ہم نے۔ ہم نے آپ کے اُمراء کے دلوں میں حکومت، دولت، لذت اور عورت کا نشہ بھر دیا ہے۔ آپ کے جانشین اس نشے کو اُتار نہیں سکیں گے۔ میرے جانشین اس نشے کو تیز کرتے رہیں گے......

''محترم سلطان! یہ جنگ جو ہم لڑ رہے ہیں، یہ میری اور آپ کی، یا ہمارے بادشاہوں کی اور آپ کی جنگ نہیں۔ یہ کلیسا اور کعبہ کی جنگ ہے جو ہمارے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی۔ ہم میدانِ جنگ میں نہیں لڑیں گے۔ ہم کوئی ملک فتح نہیں کریں گے۔ ہم مسلمانوں کے دل و دماغ کو فتح کریں گے۔ ہم مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا محاصرہ کریں گے۔ ہماری یہ لڑکیاں، ہماری دولت اور ہماری تہذیب کی کشش، جسے آپ بے حیائی کہتے ہیں، اسلام کی دیواروں میں شگاف ڈالیں گی، پھر مسلمان اپنی تہذیب سے نفرت اور یورپ کے طور طریقوں سے محبت کریں گے۔ وہ وقت آپ نہیں دیکھیں گے، میں نہیں دیکھوں گا۔ ہماری روحیں دیکھیں گی''۔

سلطان ایوبی جرمن نژاد ہرمن کی باتیں بڑی غور سے سن رہا تھا۔ ہرمن کہہ رہا تھا...... ''ہم نے فارس، افغانستان یا ہندوستان پر جا قبضہ کیوں نہیں جمایا؟ ہم نے عرب کو کیوں میدانِ جنگ بنایا ہے؟...... صرف اس لیے کہ ساری دُنیا کے مسلمان اسی خطے کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اور یہاں مسلمانوں کا کعبہ ہے۔ ہم مسلمانوں کے اس مرکز کو ختم کر رہے ہیں۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد اقصیٰ سے آسمانوں پر گئے تھے۔ ہم نے اس کی منڈیر پر صلیب رکھ دی ہے اور وہاں کے مسلمانوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ اُن کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ اُن کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی یہاں آئے اور یہاں سے معراج کو گئے تھے"۔

''ہرمن!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں تمہارے نظریئے اور عزائم کی تعریف کرتا ہوں۔ اپنے مذہب کے

ساتھ ہر کسی کو اسی طرح وفادار ہونا چاہیے جیسے تم ہو۔ زندہ وہی قوم رہتی ہے جو اپنے مذہب اور اپنی معاشرتی اقدار کی پاسبانی کرے اور اُن کے گرد ایسا حصار کھینچے کہ کوئی باطل نظریہ انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ میں جانتا ہوں کہ یہودی ہمارے ہاں نظریاتی تخریب کاری کر رہے ہیں اور وہ تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں بیت المقدس جا رہا ہوں اور اسی غرض سے جا رہا ہوں جس غرض سے تم یہاں آئے ہو۔ یہ ہمارے عقیدوں کا مرکز ہے۔ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہاں سے معراج کی سعادت بخشی تھی۔ میں اسے صلیب کے قبضے سے چھڑاؤں گا''۔

''پھر کیا ہوگا؟'' ہرمن نے کہا...... ''پھر آپ اس دُنیا سے اُٹھ جائیں گے۔ مسجد اقصیٰ پھر ہماری عبادت گاہ بن جائے گی۔ میں جو پیشین گوئی کر رہا ہوں، یہ اپنی اور آپ کی قوم کی فطرت کو بڑی غور سے دیکھ کر، کر رہا ہوں۔ ہم آپ کی قوم کو ریاستوں اور ملکوں میں تقسیم کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیں گے اور فلسطین کا نام ونشان نہیں رہے گا۔ یہودیوں نے آپ کی قوم کے لڑکوں اور لڑکیوں میں لذت پرستی کا بیج بونا شروع کر دیا ہے۔ ان میں سے اب کوئی نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی پیدا نہیں ہوگا''۔

سلطان ایوبی کا ذہن فارغ نہیں تھا۔ اس نے ہرمن سے مُسکرا کر ہاتھ ملایا اور کہا...... ''تمہاری باتیں بہت قیمتی ہیں۔ میں تمہیں دمشق بھیج رہا ہوں، وہاں تمہیں معزز قیدیوں میں رکھا جائے گا''۔

''اور یہ لڑکیاں جو میرے ساتھ ہیں؟''

سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد بولا...... ''میں عورتوں کو جنگی قیدی نہیں بنایا کرتا، انہیں قتل کر کے سمندر میں پھینک سکتا ہوں''۔

''محترم سلطان! یہ بہت ہی خوب صورت لڑکیاں ہیں''۔ ہرمن نے کہا...... ''آپ انہیں ایک نظر دیکھیں تو آپ انہیں قتل نہیں کریں گے، قید میں بھی نہیں ڈالیں گے۔ آپ کے مذہب میں لونڈی کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت ہے۔ لونڈیوں کو حرم میں رکھا جا سکتا ہے''۔

''میرے مذہب نے ایسی عیاشی کی اجازت کبھی نہیں دی''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''میں اپنے گھر میں یا کسی بھی مسلمان کے گھر سانپ نہیں پال سکتا''۔

''مگر اُن کا کوئی قصور نہیں''۔ ہرمن نے کہا...... ''انہیں اس کام کے لیے بچپن سے تیار کیا گیا تھا''۔

''اسی لیے میں ان کے قتل کا حکم نہیں دے رہا''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں انہیں چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میں تمہاری اس سوچ کی تعریف کرتا ہوں کہ تم یہ شیریں زہر میری قوم میں پھیلانا چاہتے ہو لیکن میں بھی تمہاری طرح سوچ سکتا ہوں۔ انہیں کہہ دو کہ عکرہ سے نکل جائیں۔ ان میں کوئی بھی یہاں کہیں یا جہاں کہیں میں گیا نظر آ گئی تو اُسے قتل کر دیا جائے گا''۔

☆

سلطان ایوبی نے دو تین دنوں میں عکرہ میں اپنی حکومت قائم کر دی۔ مسجدوں کو صاف کرایا۔ جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا، اس میں سے خاصا حصہ اپنی فوج میں تقسیم کیا۔ کچھ اُن مسلمان گھرانوں کو دیا جو قید میں پڑے رہے تھے مگر اس کی دلچسپیوں کا مرکز فلسطین کا نقشہ تھا۔ اُس کی اُنگلی آج کے لبنان اور اسرائیل کے ساحل کے ساتھ ساتھ نقشے پر چل رہی تھی اور اس کے دل ودماغ پر بیت المقدس غالب تھا۔ اُسے اِدھر اُدھر کی کوئی ہوش نہیں تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اس کا کون سا دستہ

کہاں ہے۔ چھاپہ مار دستوں کی تقسیم نہایت اچھی تھی۔ اُن کا دوسرے دستوں کے ساتھ باقاعدہ رابطہ تھا۔

''سلطانِ عالی مقام!'' سلطان ایوبی کو حسن بن عبداللہ کی آواز سنائی دی۔

''حسن!'' سلطان نے نقشے سے آنکھیں ہٹائے بغیر کہا..... ''جو کہنا ہوتا ہے، فوراً کہہ دیا کرو۔ ہمارے پاس وقت نہیں کہ ہر بات سرکاری طور طریقوں سے کریں۔ میرا مقام اُس روز عالی ہوگا جس روز میں فاتح کی حیثیت سے بیت المقدس میں داخل ہوں گا''۔

''تریپولی سے اطلاع آئی ہے کہ ریمانڈ مر گیا ہے''۔

''زخمی تھا؟''

''نہیں سلطان!'' حسن بن عبداللہ نے جواب دیا..... ''وہ صحیح وسلامت تریپولی پہنچا تھا۔ دوسرے دن اپنے کمرے میں مرا ہوا پایا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ اُس نے خودکشی کی ہو''۔

''وہ اتنا خوددار اور غیور نہیں تھا''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''وہ پہلے بھی کئی بار شکست کھا کر میدان سے بھاگ چکا ہے۔ بہرحال مجھے اُس کے مرنے کا افسوس ہے۔ اس نے مجھے قتل کرانے کے لیے حشیشین سے تین حملے کرائے تھے''۔

مورخین نے ریمانڈ آف تریپولی (موجودہ لبنان) کی موت کی مختلف وجوہات لکھی ہیں۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے پھیپھڑوں کی بیماری لکھی ہے لیکن زیادہ تر نے لکھا ہے کہ اُسے حشیشین نے زہر دے دیا تھا۔ ریمانڈ دوغلے کردار کا اور سازشی ذہن کا صلیبی حکمران تھا۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی کرانے میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔ صلیبی حکمرانوں میں منافرت پھیلانے سے بھی باز نہیں آتا تھا۔ اُس کا یارانہ حسن بن صباح کے فدائیوں کے ساتھ تھا۔ سلطان ایوبی پر اُس نے ایک دو قاتلانہ حملے کرائے تھے۔ اُس نے ایک دو صلیبی حکمرانوں کو بھی فدائی حشیشین سے قتل کرانے کی کوشش کی تھی مگر نہ صرف ناکام رہا بلکہ جنہیں وہ قتل کرانا چاہتا تھا، انہیں اس کے منصوبے کا علم بھی ہوگیا تھا۔ اُس دور کے کاتبوں اور وقائع نگاروں کی غیر مطبوعہ تحریروں میں ایسے اشارے ملتے ہیں کہ ریمانڈ اتحادیوں کے ساتھ صلیب الصلبوت پر حلف اُٹھا کر حطین کے میدان میں گیا تھا لیکن بھاگ آیا۔ تریپولی پہنچا تو اگلے ہی روز اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ زندگی کی آخری رات حشیشین کا سردار شیخ سنان اُس کے پاس گیا تھا۔

اس سے پہلے ایک اور مشہور صلیبی حکمران بالڈون مر گیا تھا۔ یہ فرنگیوں (فرینکس) کا جنگجو بادشاہ تھا۔ آپ نے اس کا ذکر ان کہانیوں میں کئی بار پڑھا ہوگا۔ بیت المقدس اس کی عمل داری میں تھا۔ بالڈون جنگی امور کا ماہر تھا۔ وہ جانتا تھا سلطان ایوبی بیت المقدس کو فتح کرنا چاہتا ہے۔ بالڈون نے بیت المقدس کو بچانے کا یہ اہتمام کیے رکھا کہ اپنی فوجیں مسلمان علاقوں میں گھماتا پھراتا اور لڑتا رہا اور یہ اس کی قابلیت کا ثبوت ہے کہ اس نے عزالدین، سیف الدین اور گمشتگین کو متحد کر کے سلطان ایوبی کے خلاف محاذ آرا کر دیا تھا اور اس محاذ کو وہ جنگی ساز و سامان، شراب، زر و جواہرات اور حسین لڑکیوں سے مستحکم کرتا رہتا تھا۔ بوڑھا آدمی تھا۔ جنگِ حطین سے چند روز پہلے مر گیا۔ اس کی جگہ گائی آف لوزینان نے بیت المقدس کی حکومت سنبھال لی تھی۔

☆

تاریخ آج تک کمانڈو اور گوریلا آپریشن کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکی جیسی سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دستوں نے کی [illegible] تباہی بپا کر سکتے ہیں لیکن کسی علاقے پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ قبضہ فوج کیا کرتی ہے بشرطیکہ

وہ فوج تیز ہوا اور چھاپہ ماروں کی بپا کی ہوئی افراتفری اور تباہی کے فوراً بعد حملہ کر دے۔ سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں اور فوج کو مشن دے دیا تھا، جو مختصراً یوں تھا کہ بیت المقدس کے اِرد گرد، دُور دُور تک کے علاقوں سے صلیبی کو بے دخل اور تباہ کرنا، ساحلی علاقوں کی قلعہ بندیوں پر قبضہ کرنا اور دشمن کا جس قدر اسلحہ اور رسد ہاتھ آئے، اُسے محفوظ مقامات پر ذخیرہ کرنا۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو واضح مقصد دے رکھا تھا۔ یہی اُس کی اصل قوت تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہہ رکھا تھا کہ جس شہر اور قصبے پر قبضہ کرو، وہاں کے مسلمانوں کی حالت اپنے سپاہیوں کو دکھاؤ، انہیں وہ مسجدیں دکھاؤ، جنہیں صلیبیوں نے ویران کیا اور بے حرمتی کی تھی۔ انہیں وہ مسلمان خواتین دکھاؤ جو صلیبیوں کے ہاتھوں بے آبرو ہوتی رہیں۔ انہیں اچھی طرح دکھاؤ کہ ہمارا دشمن کیسا ہے اور اُس کے عزائم کیا ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج کا چھوٹے سے چھوٹا دستہ بڑے سے بڑے دستے پر قہر بن کر ٹوٹا۔ سپاہیوں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا جو سلطان ایوبی انہیں دکھانا چاہتا تھا۔ یہ دیوانگی کی کیفیت تھی، ایک جنون تھا، سلطان ایوبی کے کانوں میں ایک ہی آواز پڑتی تھی...... ''فلاں قصبے پر قبضہ کر لیا گیا ہے...... فلاں مورچے سے صلیبی پسپا ہو گئے ہیں''...... سپاہی آرام کے بغیر مسلسل لڑ اور بڑھ رہے تھے مگر ایک روز سلطان ایوبی سر سے پاؤں تک ہل گیا۔

وہ اپنے کمرے میں نقشے پر جھکا ہوا اپنی ہائی کمان کے سالاروں اور مشیروں سے اگلا پلان تیار کر رہا تھا، باہر شور اُٹھا۔ ''میں تمہارے سلطان کو بھی قتل کر دوں گا۔ تم صلیب کے پجاری ہو۔ چھوڑ دو مجھے...... نعرۂ تکبیر...... اللہ اکبر''...... یہ ایک ہی آدمی کی آواز تھی۔ اس کے ساتھ کئی اور آوازیں سنائی دے رہی تھیں...... ''یہاں سے لے جاؤ اُسے...... سلطان خفا ہوں گے...... مار دو۔ جان سے مار دو اسے...... اس کے منہ پر پانی پھینکو...... پاگل ہو گیا ہے''۔

سلطان ایوبی دوڑ کر باہر نکلا۔ اُسے توقع تھی کہ کوئی صلیبی سپاہی ہو گا مگر وہ اس کی اپنی فوج کا ایک کمان دار تھا جس کے دونوں ہاتھ خون سے لال تھے اور اُس کے کپڑوں پر خون ہی خون تھا۔ اُس کی آنکھیں خون کی طرح گہری لال تھیں اور اُس کے ہونٹوں کے کونوں سے جھاگ پھوٹ رہی تھی۔ اُسے چار آدمیوں نے بازوؤں سے جکڑ رکھا تھا، وہ قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

''چھوڑ دو اُسے''۔ سلطان ایوبی نے گرج کر کہا۔

''سلطان!'' اس کمان دار نے قہر بھری آواز میں کہا۔ ''یہاں آ کر تمہاری سب فوج بے غیرت ہو گئی ہے۔ کفار کیوں زندہ نکل رہے ہیں۔ تم ہمارے سلطان بنے پھرتے ہو، تم نے ان مسلمان عورتوں اور بچوں کو دیکھا تھا جو قید میں پڑے تھے؟''۔

سلطان کے محافظ دستے کے کمانڈر نے لپک کر اس کمان دار کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کمان دار نے اس کمانڈر کے بازو کو پکڑ کر اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ کمانڈر اس کے کندھوں کے اوپر سے ہوتا ہوا سلطان ایوبی کے سامنے جا پڑا۔

''مت روکو اسے بولنے سے''...... سلطان ایوبی نے ایک بار پھر گرج کر کہا...... ''آگے آؤ دوست! مجھے بتاؤ انہوں نے تمہیں کیوں پکڑ لیا ہے؟''۔

بات یہ کھلی کہ وہ ایک جیش کا کمان دار تھا۔ اسے یہ فرض سونپا گیا تھا کہ جو مسلمان کنبے قید میں پڑے رہے تھے، ان کے گھروں میں اناج وغیرہ پہنچائے اور ان میں جو بیمار ہیں، انہیں فوج کے طبیبوں کے پاس بھیجے۔ اس کام کے لیے سو سو سپاہیوں کے دو جیش مقرر کیے گئے تھے۔ یہ کمان دار مظلوم مسلمانوں کے گھروں میں جاتا رہا۔ ان سے اُسے معلوم ہوتا رہا کہ عیسائیوں نے اُن کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔ یہ تفصیلات بڑی ہی دردناک اور بڑی ہی شرمناک تھیں۔ اس کمان دار

نے اپنی فوج کے سپاہیوں کو مسجدیں صاف کرتے دیکھا۔ ایک مسجد میں دو عورتوں کی برہنہ لاشیں نکلیں جو گل سڑ رہی تھیں۔ یہ اس کمان دار نے دیکھ لیں۔

لاشیں نکالنے اور مسجد کو صاف کرنے والے سپاہیوں کے آنسو بہہ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کی یہ حالت ہوتی رہی اور ہمارے سلطان نے کفار کو اجازت دے دی ہے کہ جو یہاں سے جانا چاہے، اپنے کنبے کو لے کر چلا جائے''۔

اس کمان دار کا خون کھول اُٹھا۔ وہ آگے گیا تو پندرہ بیس لڑکیاں اُسے جاتی نظر آئیں۔ ان کے ساتھ اس کا ایک ساتھی کمان دار چند ایک سپاہیوں کے ساتھ جا رہا تھا۔ لڑکیاں بہت خوب صورت تھیں۔ کمان دار نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ یہ لڑکیاں کون ہیں اور اُن کے ساتھ سپاہی کیوں جا رہے ہیں؟

''یہ وہ لڑکیاں ہیں جنہوں نے مصر اور شام میں غدار پیدا کیے تھے''...... کمان دار نے اُسے بتایا۔ وہ اس قافلے کے ساتھ چل پڑا۔ اُس کے ساتھی نے اُسے سنایا...... ''اُن کی کارستانیاں تم سنتے رہے ہو۔ ان کا سردار (ہرمن) پکڑا گیا ہے۔ یہ سب صلیبی ہیں۔ سلطان نے ان کے سردار کو قید میں ڈال دیا ہے اور لڑکیوں کے متعلق حکم دیا ہے کہ انہیں شہر سے دُور لے جا کر اُن عیسائیوں کے حوالے کر دو جو عکرہ سے جا رہے ہیں''۔

''اور تم انہیں زندہ چھوڑ آؤ گے؟'' کمان دار نے پوچھا۔

''ہاں، حکم یہی ملا ہے''۔

''کیا یہ ہماری اُن بہنوں سے زیادہ پاک اور مقدس ہیں جن کی برہنہ لاشیں مسجدوں سے نکل رہی ہیں اور جنہیں قید میں رکھ کر بے آبرو کیا جاتا رہا ہے؟''۔

اس کے ساتھی نے آہ بھر کر کہا...... ''میں حکم کا پابند ہوں''۔

کمان دار رُک گیا اور اس قافلے کو جاتے دیکھتا رہا۔ اچانک اُس نے تلوار نکال لی اور اُن کی طرف دوڑ پڑا۔ اُس نے نعرہ لگایا...... ''میں کسی کا پابند نہیں''...... اس نے تلوار اس قدر تیز چلائی کہ پلک جھپکتے ہی تین چار لڑکیوں کے سر کاٹ ڈالے۔ ان کا محافظ کمان دار اُسے پکڑنے کو دوڑا۔ لڑکیاں چیختی چلاتی اِدھر اُدھر بھاگیں۔ کمان دار ایک ایک لڑکی کے پیچھے گیا اور مزید تین چار لڑکیوں کو ختم کر دیا۔ ایک سپاہی اُسے پکڑنے کے لیے قریب گیا تو اُس نے اس سپاہی کے پیٹ میں تلوار برچھی کی طرح گھونپ دی۔ پھر اُس کے قریب کوئی نہیں جاتا تھا۔ اُس نے باقی لڑکیوں کو دیکھا جو اِدھر اُدھر بھاگ گئی تھیں۔

اس طرح وہ شہر سے باہر نکل گئے۔ اُسے کچھ عیسائی شہر سے جاتے نظر آئے۔ کمان دار نے ان پر حملہ کر دیا۔ اُس کے سامنے جو آیا، اُسے اُس نے قتل کیا اور یہی نعرے لگاتا رہا...... ''میں بے غیرت نہیں ہوں۔ اللہ اکبر''۔

اُس کے ساتھی کمان دار کے واویلے پر کئی ایک سپاہی اکٹھے ہو گئے جنہوں نے اُسے گھیر کر پکڑ لیا۔ اُسے گھسیٹ کر لا رہے تھے کہ اُس عمارت کے قریب سے گزرے جہاں سلطان ایوبی اپنے عملے کے ساتھ قیام پذیر تھا۔ کسی نے کہا کہ اسے سلطان کے عملے کے حوالے کر دو۔ وہ ڈرتے تھے کہ سلطان کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ کسی نہتے شہری پر ہاتھ اُٹھانے کو جرم قرار دیا گیا تھا۔ یہ کمان دار [illegible] رہا تھا۔ اُس کا شور سن کر سلطان ایوبی باہر نکل آیا۔

سلطان ایوبی نے یہ واردات سنی اور کمان دار کی لعن طعن بھی سنی۔ سب ڈر رہے تھے کہ سلطان اسے قید میں ڈال دے گا لیکن سلطان نے اُسے گلے لگا لیا اور اندر لے گیا۔ اُسے شربت پلایا اور اُسے ذہن نشین کرایا کہ اُن کا مقصد صلیبیوں

کا قتل نہیں، بلکہ اپنے قبلۂ اوّل کو آزاد کر کے اس تمام سرزمین عرب سے صلیبیوں کو نکالنا ہے۔ کمان دار کی ذہنی حالت ٹھکانے نہیں تھی۔ اُسے سلطان ایوبی نے اپنے طبیب کے حوالے کر دیا۔

''فوج کو اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے''۔ سلطان ایوبی نے سالاروں اور مشیروں سے کہا...... ''لیکن ایمان دیوانگی کی حد تک ہی پختہ ہونا چاہیے۔ ہمارا یہ کمان دار ہوش اور عقل کھو بیٹھا ہے۔ اگر مسلمان اپنے دین کے دشمن کو دیکھ کر دیوانے ہو جائیں تو اسلام کا پرچم وہاں تک پہنچ جائے جہاں یہ زمین ختم ہو جاتی ہے''۔

ہرمن کی جو لڑکیاں اس کمان دار سے بچ کر بھاگ گئی تھیں، ان میں سے دو سمندر کے کنارے جا پہنچیں۔ سمندر دُور نہیں تھا۔ وہ خوف سے کانپ رہی تھیں اور پناہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئیں۔ فوراً بعد ایک کشتی کنارے آ لگی۔ اس میں دو ملاح تھے، تیسرا کوئی افسر معلوم ہوتا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کی بحریہ کا ایک افسر تھا جس کا نام الفارس بیدرین لکھا گیا ہے۔ بحریہ کا سب سے بڑا کمانڈر عبدالحسن تھا جو رئیس البحرین (دو سمندروں، بحیرۂ روم اور بحیرۂ احمر) کا ''ہائی ایڈمرل'' کہلاتا تھا۔ اس کے نیچے امیر البحر حسام الدین لولوء تھا۔

سلطان ایوبی کے حکم سے، بحری بیڑہ جس کا ہیڈ کوارٹر سکندریہ میں تھا، بحیرۂ روم میں گشت کرتا تھا کہ یورپ سے صلیبیوں کے لیے کمک اور سامان وغیرہ آئے تو اُن کے جہازوں کو راستے میں ہی روکا جا سکے۔ حسام الدین لولوء، بحیرۂ احمر میں تھا۔ سلطان ایوبی چونکہ ساحلی علاقے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، اس لیے مصری بیڑے کو حکم بھیجا تھا کہ چھ بحری جہاز ساحل کے ساتھ بھیج دیے جائیں۔ یہ جنگی جہاز تھے جن میں منجنیقوں کے علاوہ دُور مار تیر انداز اور لڑاکا دستے بھی تھے۔

رئیس البحرین نے الفارس بیدرین کی کمانڈ میں چھ جہاز بھیجے تھے اور الفارس اپنے بحری جہاز سے کشتی میں آیا تھا۔ وہ احکام لینے کے لیے سلطان ایوبی کے پاس جا رہا تھا۔ ساحل پر اُسے یہ دو صلیبی لڑکیاں نظر آئیں جو کسانوں کے لباس میں تھیں۔ الفارس اُن کے قریب چلا گیا اور پوچھا کہ وہ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہی ہیں؟ لڑکیوں نے بتایا کہ وہ خانہ بدوش قبیلے کی ہیں جو جنگ کی زد میں آ گیا تھا۔ ان کے بہت سے مرد مارے گئے اور باقی اِدھر اُدھر بھاگ گئے ہیں۔

''......اور ہم چھپتی پھر رہی ہیں''۔ ایک لڑکی نے کہا...... ''عیسائیوں سے ہم اس لیے ڈرتی ہیں کہ وہ ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں اور مسلمان ہمیں عیسائی سمجھتے ہیں''۔

''تم مسلمان ہو یا عیسائی؟''

''ہمارا مذہب وہی ہے جو ہمارے مالک کا ہوگا''۔ دوسری لڑکی نے کہا...... ''ہمیں کسی نہ کسی کے ہاتھ فروخت ہی ہونا ہے''۔

الفارس بیدرین بحری لڑائی کا ماہر اور غیر معمولی طور پر دلیر کمانڈر تھا۔ ان خوبیوں کے علاوہ اُسے اس لیے بھی پسند کیا جاتا ہے کہ وہ شگفتہ طبیعت کا زندہ مزاج آدمی تھا۔ اُس دور میں اس کی حیثیت کے آدمی بیک وقت دو دو تین تین بیویاں رکھتے تھے لیکن اُس نے شادی ہی نہیں کی تھی۔ وہ جنگ و جدل کا زمانہ تھا۔ بحریہ کو کئی کئی مہینے سمندر میں رہنا پڑتا اور خشکی دیکھنی نصیب نہیں ہوتی تھی۔ ہر بحری جہاز کا کپتان اپنی بیوی یا بیویوں کو ساتھ رکھتا تھا۔

الفارس کو ان لڑکیوں کے حسن نے ایسا متاثر کیا کہ اُس کے اندر یہ احساس بیدار ہو گیا کہ وہ تین مہینوں سے زیادہ عرصے سے سمندر میں گھوم پھر رہا ہے۔ اُس نے لڑکیوں سے پوچھا کہ وہ اس کے ساتھ رہنا پسند کریں تو انہیں اپنے جہاز میں رکھے گا۔

''ہم بے بس اور کمزور لڑکیاں ہیں، ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں ہونا چاہیے''۔

''میں تمہیں فروخت نہیں کروں گا''۔ الفارس نے کہا۔''مصر لے جاؤں گا اور دونوں کے ساتھ شادی کر لوں گا''۔

لڑکیوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ طے کیا اور الفارس کے ساتھ چلنے کی رضا مندی ظاہر کر دی۔ الفارس نے اپنی کشتی کے ملاحوں سے کہا............''انہیں میرے جہاز میں لے جاؤ۔ انہیں میرے کمرے میں کھانا دو اور انہیں وہیں چھوڑ کر واپس یہیں آجاؤ اور میرا انتظار کرو''۔

لڑکیوں کو کشتی میں بٹھا کر الفارس رومانی گیت گنگناتا عکرہ کو چل دیا۔

☆

''الفارس!'' سلطان ایوبی نے اُسے کہا......''میں تمہارے نام سے واقف ہوں۔ تمہارے دو تین بحری کارنامے بھی سنے ہیں، لیکن اب صورتِ حال کچھ اور ہے۔ پہلے تم اکاڈ کا معرکہ لڑتے رہے ہو۔ اب بڑے پیمانے کی بڑی جنگ کا امکان ہے۔ میں بیت المقدس فتح کرنے آیا ہوں لیکن اس سے پہلے میں تمام بڑی بڑی بندرگاہوں پر قبضہ کرنا اور شمال سے جنوب تک کے ساحلی علاقوں کو اپنی تحویل میں لینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان ساحلی شہروں میں بیروت، ٹائر اور عسقلان بہت اہم ہیں۔ تمہارے ساتھ میرا رابطہ قاصدوں سے ہوگا۔ تمہاری دو تین کشتیاں ساحل کے ساتھ موجود رہنی چاہئیں۔ میں خشکی پر جدھر جاؤں گا تمہیں اطلاع دیتا رہوں گا۔ تمہارے جہاز سمندر میں گشت کرتے رہیں گے...... تمہارے جہازوں میں اسلحہ اور رسد کی کمی تو نہیں؟''۔

''ہم ہر لحاظ سے تیار ہو کر آئے ہیں''۔ الفارس بیدرین نے جواب دیا۔

''بڑے پیمانے کی جنگ کا بھی امکان ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا......''صلیبیوں نے حطین میں جو شکست کھائی ہے اور جس بُرے طریقے سے یہ بھاگے ہیں، یہ دُنیائے صلیب کے لیے معمولی سا واقعہ نہیں۔ ان کے چار حکمران میری قید میں ہیں۔ ایک کو میں نے قتل کر دیا ہے۔ ریمانڈ مر گیا ہے۔ اُن کا بڑا ہی قابل اور دلیر بادشاہ بالڈوِن بھی مر گیا ہے۔ اُس کے فرنگی بہت بڑی طاقت ہیں۔ مجھے قاہرہ سے علی بن سفیان نے اطلاع دی ہے کہ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ اور جرمنی کا بادشاہ فریڈرک ارضِ فلسطین پر صلیب کی حکمرانی قائم رکھنے کے لیے اپنی فوجوں اور بحری بیڑے کے ساتھ آنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ وہ آئے تو میں فیصلہ کر سکوں گا کہ انہیں خشکی پر آنے دوں یا سمندر میں ہی روکنے کی کوشش کروں۔ انگلستان کے بحری بیڑے کے متعلق سنا ہے کہ زیادہ طاقت ور ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے بارود تیار کیا ہے اور ایسی نلکیوں میں بھرا ہے جنہیں آگ لگاؤ تو نلکیاں اُڑتی ہوئی آتی اور جہازوں کو آگ لگا دیتی ہیں۔ میں ایسی نلکیاں حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہم خود بنا لیں گے......بہر حال تم ساحل کے ساتھ اپنے جہازوں کو رکھنا۔ رئیس البحرین الحسن کھلے سمندر میں رہے گا''۔

الفارس نے مزید احکامات لیے اور چلا گیا۔ کشتی اُس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اپنے بحری جہاز میں جا کر اُس نے دوسرے جہازوں کے کپتانوں کو بلایا، انہیں ہدایات اور احکامات دے کر رخصت کر دیا اور اپنے کیبن میں چلا گیا جہاں دو لڑکیاں اُس کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ وہ بھولی بھالی بنی رہیں اور اس سے پوچھتی رہیں کہ وہ سمندر میں کیا کرتا ہے۔ الفارس لمبے عرصے سے سمندر میں تھا۔ اس پر ہنسنے کھیلنے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ان لڑکیوں کو مردوں کی اس کیفیت میں لانے اور انہیں اپنے رنگ میں استعمال کرنے کی مہارت حاصل تھی۔

۲۰ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز سلطان صلاح الدین ایوبی عکرہ سے نکلا۔ اُس کے چھاپہ مار دستوں نے اُس کے

لیے راستہ صاف کررکھا تھا۔ ساحل کے ساتھ ساتھ اُس نے کئی ایک قلعے اور قصبے فتح کر لیے۔ ۳۰ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز اُس نے بیروت کا محاصرہ کیا۔ صلیبیوں نے اس اہم شہر کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن سلطان ایوبی نے بے دریغ قربانی دے کر بیروت لے لیا۔ وہاں بھی مسلمانوں کی وہی حالت تھی جو عکرہ میں تھی۔

۲۹ جولائی تک بیروت کو اپنی عمل داری میں لے کر سلطان ایوبی نے ایک اور مشہور ساحلی شہر، ٹائر کا رُخ کیا۔ وہ جاسوسوں اور دیکھ بھال کے جیشوں سے رپورٹیں لیے بغیر پیش قدمی نہیں کیا کرتا تھا۔ اُسے بتایا گیا کہ اپنی فوج بہت زیادہ علاقے میں پھیل گئی ہے اور اِدھر اُدھر سے بھاگے ہوئے صلیبی ٹائر میں جمع ہو کر منظم ہو رہے ہیں۔ تمام فرنگی بھی ساحلی علاقے سے پسپا ہو کر ٹائر چلے گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے ٹائر پر حملے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ بیت المقدس کے لیے فوج بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔

اس دوران الفارس بیدرین کے بحری جہاز ساحل سے دُور گشت اور دیکھ بھال کرتے رہے۔ دونوں لڑکیاں اُس کے جہاز میں رہیں۔ وہ اُس کے دِل پر غالب آ گئی تھیں لیکن اُس نے اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کی۔ جب کوئی بحری جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوتا تھا، چھوٹی کشتیاں اس کے اِرد گرد گھومنے لگتی تھیں۔ یہ غریب دیہاتیوں کی کشتیاں تھیں جو پھل، انڈے اور مکھن وغیرہ ملاحوں اور فوجی دستوں کے پاس بیچتے تھے۔ جہازوں کے کپتان اُن میں سے کسی کو رسّہ پھینک کر جہاز میں اُٹھا لیتے اور اُس سے خشکی کی دُنیا کی خبریں سنتے تھے۔

ایک روز الفارس کا جہاز ساحل پر چلا گیا۔ اُسے وہاں سے بڑی فوج کے کسی کمان دار سے کچھ پوچھنا تھا۔ دونوں لڑکیاں جہاز کے عرشے پر جنگلے کا سہارا لیے کھڑی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی تین چار کشتیاں آ گئیں۔ ان میں پھل وغیرہ تھا۔ ان کے ملاح جہاز والوں کی منتیں کرنے لگے کہ وہ ان سے کچھ لے لیں۔ ایک کشتی میں ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا، جس کے جسم پر تہمند کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ بہت غریب معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے دونوں لڑکیوں کو جہاز میں کھڑے دیکھا تو کشتی قریب لے گیا۔

''کچھ لے لو شہزادی!'' اس نے کہا..... ''بہت غریب آدمی ہوں''۔

لڑکیوں نے اُسے نظر بھر کر دیکھا تو اُس نے بائیں آنکھ سے خفیف سے اشارہ کر دیا۔ دونوں نے حیران سا ہو کے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ اس آدمی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر سینے پر اُنگلی اوپر نیچے اور پھر دائیں بائیں چلا کر صلیب کا نشان بنایا۔ ایک لڑکی نے اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی پر دوسرے ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی رکھ کر کراس بنایا۔ آدمی مُسکرایا۔ ایک لڑکی نے جہاز کے ملاح سے کہا کہ اس آدمی کو اوپر لاؤ۔

ملاحوں کو معلوم تھا کہ یہ لڑکیاں ان کے جہاز کے کپتان کی ہیں جو تمام جہازوں کا کمانڈر ہے۔ انہوں نے فوراً رسّوں کی سیڑھی پھینکی۔ وہ آدمی ٹوکری میں مختلف چیزیں رکھ کر اوپر لے آیا اور ٹوکری لڑکیوں کے آگے رکھ دی۔ لڑکیاں چیزیں دیکھنے لگیں۔ کسی اور کو اُن کے قریب آنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔

''تم یہاں کیسے پہنچ گئی ہو؟'' کشتی کے ملاح نے پوچھا۔

''اتفاق کی بات ہے'' ۔ ایک لڑکی نے جواب دیا..... ''ہرمن پکڑا گیا ہے''..... اُس نے اس آدمی کو سارا واقعہ سنا دیا اور الفارس کے متعلق بتایا کہ وہ انہیں خانہ بدوش سمجھ کر اپنے ساتھ لے آیا ہے۔

''کچھ سوچا ہے کیا کرو گی؟'' ملاح نے پوچھا۔ ''جاؤ گی کہاں؟''

''ابھی تو صرف جان بچانے کا بندوبست کیا ہے'' لڑکی نے جواب دیا..... ''کمانڈر الفارس کی بیوی بن [illegible]

قبضہ کرلیا ہے۔ کہیں موقعہ ملا تو بھاگنے کی کوشش کریں گی۔ اگر تم رہنمائی کرو تو یہیں رہ کر کچھ اور کریں گی"۔
یہ غریب سا ماہی گیر ملاح صلیبیوں کا جاسوس تھا اور وہ ان لڑکیوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بھی اسے جانتی تھیں۔
اس نے کہا...... "ساحل پر اُتر کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ بہت بُری موت مرو گی۔ بیروت تک مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ہماری صلیبی فوج ہر جگہ سے پسپا ہو رہی ہے۔ اب ٹائر ایک جگہ رہ گئی ہے جہاں تمہیں پناہ مل سکتی ہے۔ ابھی اسی جہاز میں رہو۔ میں تمہیں ملتا رہوں گا۔ ہمارے لیے حالات بہت ہی خطرناک ہو گئے ہیں۔ ہر طرف مسلمان سپاہی دندناتے پھر رہے ہیں"۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"صلیب پر ہاتھ رکھ کر جو حلف اُٹھایا تھا، وہ پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں"۔ اس نے جواب دیا......"ان چھ جہازوں کی نقل و حرکت دیکھ رہا ہوں۔ انہیں تباہ کرانے کا انتظام کروں گا"۔

"اپنے جہاز کہاں ہیں؟"۔

"ٹائر کے قریب"۔ اُس نے بتایا......"یہ جہاز اُدھر گئے تو اپنے جہازوں کو پہلے سے اطلاع کر دوں گا۔ اب اتفاق سے تم کمانڈر کے جہاز میں آ گئی ہو۔ تم میری مدد کر سکو گی اور میں تمہیں اس جہاز سے نکال کر ٹائر پہنچا سکوں گا۔ مجھے اب جانا چاہیے۔ اشارے مقرر کر لو۔ میں ان جہازوں کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا ہوں۔ یہ جہاز کہیں بھی ساحل کے قریب لنگر ڈالے گا، وہاں اسی بھیس میں موجود ہوں گا"۔

انہوں نے اشارے مقرر کر لیے۔ لڑکیوں نے اُس کی ٹوکری میں سے کچھ چیزیں اُٹھا لیں۔ اُسے پیسے دیئے اور وہ رسّوں کی سیڑھی سے اپنی کشتی میں اُتر گیا۔

☆

۲ ستمبر ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی نے ایک اور مشہور ساحلی شہر عسقلان کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں بھی وزنی پتھر پھینکنے والی منجنیقیں اور پہیوں پر چلنے والی مچانیں استعمال کی گئیں۔ سرنگیں کھودنے والے جیش رات کو دیوار توڑنے کی کوشش کرتے رہے۔ قریب ہی ایک بلندی تھی۔ وہاں سے منجنیقوں سے شہر کے اندر پتھر اور آتشیں گولے پھینکے گئے۔ دوسرے دن محصورین نے گھبرا کر شہر کے دروازے کھول دیئے اور ہتھیار ڈال دیئے۔
اس شہر پر فرینکس نے ۱۹ ستمبر ۱۱۵۳ء میں قبضہ کیا تھا۔ پورے چونتیس برس بعد یہ شہر آزاد کرایا گیا۔
عسقلان سے بیت المقدس چالیس میل مشرق کی سمت واقع ہے۔ سلطان ایوبی کے تیز رفتار دستوں کے لیے یہ دو دن کا سفر تھا۔ اُس کے بعض دستے اور چھاپہ مار جیش پہلے ہی بیت المقدس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے صلیبیوں کی بیرونی چوکیاں تباہ کر دی تھیں۔ بچے کھچے صلیبی بیت المقدس پہنچ رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے اپنے بکھرے ہوئے دستوں کو عسقلان میں اکٹھا ہونے کا حکم دیا اور بیت المقدس پر حملے کی تیاری کرنے لگا۔
سلطان ایوبی کی فتوحات اور طوفانی پیش قدمی کی خبریں دمشق، بغداد، حلب، موصل اور اُدھر قاہرہ تک پہنچ چکی تھیں۔ آخری خبر یہ پہنچی کہ سلطان عسقلان میں ہے اور بیت المقدس پر حملہ کرنے والا ہے۔ قاضی بہاؤ الدین شداد جو اس حملے میں سلطان ایوبی کے ساتھ تھا، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کی فوج مسلسل فتوحات کی بدولت تھکن کے احساس سے بیگانہ تھی۔ وہ جوں جوں اِن مقبوضہ علاقوں میں مسلمانوں کی حالت دیکھتی گئی، قہر بنتی گئی جو بیت المقدس پر ٹوٹنے کو بے تاب تھا۔ یہ تو سلطان ایوبی کی جنگی قوت تھی۔ قاضی شداد لکھتا ہے کہ عسقلان میں سلطان ایوبی کے پاس روحانی قوت

بھی پہنچنے لگی۔ یہ دمشق، بغداد اور دیگر بڑے شہروں کے علماء درویش اور صوفی منش لوگ تھے۔ وہ سلطان ایوبی کے ساتھ بیت المقدس میں داخل ہونے آئے تھے۔ انہوں نے آ کر سلطان ایوبی کو دُعائیں دیں اور اُس کی فوج کو بیت المقدس کی اہمیت اور تقدس بتایا اور سپاہیوں کو آگ بگولا کر دیا۔ سلطان ایوبی علماء اور درویشوں کا بہت احترام کیا کرتا تھا۔ انہیں اپنے ساتھ دیکھ کر اُس کی تھکن ختم ہوگئی اور اس نے جوش جذبات سے کہا...... ''اب دُنیا کی کوئی طاقت مجھے شکست نہیں دے سکتی''۔

عسقلان سے کوچ سے دو چار روز پہلے سلطان ایوبی کے پاس حلب سے ایک مہمان آیا جسے دیکھ کر سلطان حیران رہ گیا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا...... یہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ رضیع خاتون تھی جس نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ کود کر گھوڑے سے اُتری اور دوڑی کر سلطان ایوبی کو گلے لگا لیا۔ دونوں کے جذبات اُبھر آئے اور اُن پر رقت طاری ہوگئی۔

ذرا دیر بعد اونٹوں کی ایک لمبی قطار آ رکی۔ ان پر کم و بیش دو سو لڑکیاں سوار تھیں۔

''یہ کیا؟'' سلطان ایوبی نے رضیع خاتون سے پوچھا۔

زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے تربیت یافتہ لڑکیاں''۔ رضیع خاتون نے جواب دیا۔ ''میں نے انہیں لڑائی کی تربیت بھی دے رکھی ہے۔ تیراندازی کی بھی انہیں خاصی مشق ہے...... مجھے معلوم ہے کہ تم عورت کو میدانِ جنگ میں نہیں دیکھنا چاہتے لیکن میرے اور اُن کے جذبے کو کچلنے کی کوشش نہ کرنا۔ تم نہیں جانتے کہ شام میں جوان لڑکیوں پر قابو پانا محال ہو رہا ہے، جسے دیکھو وہ محاذ پر پہنچنے کے لیے بے تاب ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں ایک ہزار لڑکیاں محاذ پر بھیج دوں۔ سپاہیوں کی طرح لڑیں گی، جن ماؤں کے بیٹے یہاں لڑ رہے ہیں، وہ مائیں اُن کی خیریت کی نہیں، فتح کی خبر سننا چاہتی ہیں۔ آبادیوں میں ایک ہی آواز سنائی دیتی ہے...... ''محاذ کی کیا خبر ہے؟''...... کہو صلاح الدین! کتنی لڑکیاں بھیجوں؟''۔

''میں انہیں اپنے ساتھ رکھ لوں گا''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اور کسی کو نہ بھیجنا''۔

''اس اونٹ پر ایک منبر لدا ہوا ہے''...... رضیع خاتون نے کہا۔ یہ کہتے ہی اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ذرا خاموش رہنے کے بعد کہنے لگی...... ''تمہیں شاید یاد نہیں، میرے مرحوم شوہر (نورالدین زنگی) نے یہ منبر اس عہد کے ساتھ بنوا کر پاس رکھ لیا تھا کہ بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد کرائے گا تو یہ منبر مسجد اقصیٰ میں رکھے گا۔ بہت خوب صورت منبر ہے۔ یہ دمشق میں رکھا تھا۔ اُٹھا لائی ہوں۔ اللہ تمہیں فتح دے صلاح الدین، اور میں دیکھوں کہ تم نے یہ منبر مسجد اقصیٰ میں رکھ کر میرے مرحوم شوہر کا عہد پورا کر دیا ہے''۔

سلطان ایوبی پر رقت طاری ہوگئی۔ اُس کے منہ سے سسکی سی نکلی...... ''اللہ یہ عہد مجھ سے پورا کرائے''۔

ایک جوان سال لڑکی اُن کے قریب آ کھڑی ہوئی اور سلطان ایوبی کو مُسکرا کر سلام کیا۔ رضیع خاتون نے کہا...... ''پہچانا نہیں صلاح الدین؟ یہ میری بیٹی شمس النساء ہے''...... سلطان ایوبی نے لپک کر اسے گلے لگا لیا اور پھر وہ اپنے آنسو نہ روک سکا۔ اس نے اس لڑکی کو اس وقت دیکھا تھا جب یہ بہت چھوٹی تھی۔

''یہ تمہارے ساتھ محاذ پر رہے گی''۔ رضیع خاتون نے کہا...... ''لڑکیاں اس کی کمان میں رہیں گی۔ مجھے واپس جانا ہے''۔

☆

وہ علماء اور درویش وغیرہ جو سلطان ایوبی کے پاس آ گئے تھے، ورد، وظیفے اور دعاؤں میں مصروف رہتے یا

سپاہیوں میں گھومتے پھرتے اور انہیں روحانی حوصلہ دیتے رہتے۔ وہ عسقلان سے باہر وہاں تک بھی گئے جہاں دستے اور جیش موجود تھے۔ اُن کے وعظ اور خطبوں کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے...... ''نوے سال سے کفار تمہارے قبلۂ اوّل پر قابض ہیں۔ قرآن کے احکام پڑھو تو قبلۂ اوّل کو کفار کے ناپاک قبضے سے چھڑانے تک کسی مسلمانوں کو نیند نہیں آنی چاہیے تھی۔ وہ مسجد اقصیٰ جہاں سے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بلاوے پر معراج پر تشریف لے گئے تھے، کفار کی عبادت گاہ بنی ہوئی ہے۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحِ مقدس ہم پر لعنت بھیج رہی ہے۔ ہم پر نیند، کھانا، پینا اور ہم پر اپنی بیویاں حرام ہونی چاہئیں تھیں مگر نوے سال سے ہم گہری نیند سورہے ہیں اور عیش و عشرت میں مگن ہیں......

''اللہ کے سپاہیو! ہمارے حکمرانوں نے صلیبیوں اور یہودیوں کے خوب صورت جال میں پھنس کر اُن کے خلاف خانہ جنگی کی، جنہوں نے قبلۂ اوّل کو آزاد کرانے کا عہد کیا تھا۔ بیت المقدس وہ پاک جگہ ہے جہاں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدم آئے اور اُن کی جبین مبارک نے یہاں سجدے کیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہمارے جانے کتنے انبیاء نے یہاں ورود فرمایا، مگر نوے سال سے یہاں مسلمانوں پر جو قہر ٹوٹ رہا ہے، وہ تم شہر میں جا کر دیکھو گے۔ مسجدِ اقصیٰ پر صلیب کھڑی ہے۔ مسجدیں اصطبل بنی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کا قتلِ عام اس طرح ہوا ہے کہ گلیوں میں خون ندی کی طرح چلتا رہا۔ مسلمان قید و بند کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہماری بیٹیاں کفار کی لونڈیاں بنا دی گئی ہیں......

''اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس پر مر مٹنے والو! اللہ نے یہ سعادت تمہیں عطا کی ہے کہ بیت المقدس کو آزاد کراؤ، پاک کرو اور اگر تم ناکام رہو تو وہاں سے تمہاری لاشیں اُٹھائی جائیں......اور تم سن کر حیران ہو گے کہ جس بیت المقدس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی نوع انسان کو محبت کا سبق دیا تھا، وہاں صلیب کے پجاریوں نے یہاں تک درندگی کی ہے کہ جب انہیں کسی محاذ پر فتح ہوتی تو وہ بیت المقدس میں جشن مناتے جس میں ہماری بیٹیوں کو برہنہ کر کے نچاتے اور چند ایک تندرست و توانا مسلمانوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت پکا کر کھاتے......اب تمہیں ایک ایک معصوم کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لینا ہے۔ دمشق سے سلطان نور الدین زنگی مرحوم کی بیوہ وہ منبر لائی ہے جو مرحوم نے مسجدِ اقصیٰ میں رکھنے کے لیے بنوایا تھا۔ یہ خاتون دو سو لڑکیوں کے ساتھ بہت دُور کا سفر کر کے آئی ہے۔ یہ عہد تمہیں پورا کرنا ہے''۔

اس دوران سلطان ایوبی اپنے دستوں کو یکجا کر کے اُن کی تقسیم کرتا رہا اور جاسوسوں کی رپورٹوں کے مطابق بیت المقدس کے محاصرے کا پلان بناتا رہا۔

ایوبی مسجدِ اقصیٰ کی دہلیز پر

لڑکیاں جو بحریہ کے کمان دار الفارس بیدرون کے جہاز میں تھیں اُسی کی طرح شگفتہ مزاج اور بذلہ سنج تھیں۔ سمندر کی تنہائی میں یہ دونوں لڑکیاں الفارس کے دِل کو نئی زندگی دے رہی تھی لیکن یہ اس کے لیے معمہ سا بن گئی تھیں اور اُن کے لیے الفارس عجیب آدمی بنا ہوا تھا۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ خانہ بدوش ہیں۔ اُن کا قبیلہ جنگ کی زد میں آ گیا تھا اور وہ دونوں بڑی مشکل سے چھپتی چھپاتی ساحل تک پہنچی ہیں، مگر الفارس دیکھ رہا تھا کہ دونوں کی عادتیں اور طور طریقے خانہ بدوشوں والے نہیں۔ خانہ بدوش حسین ہوسکتی تھیں مگر ان میں یہ شائستگی نہیں ہوسکتی تھی جو ان دونوں میں تھی۔ ان دونوں لڑکیوں میں کسی حد تک بے حیائی بھی تھی جو خانہ بدوش عورتوں میں عموماً نہیں ہوا کرتی تھی۔

لڑکیوں کے لیے الفارس عجیب آدمی تھا۔ لڑکیوں کو توقع تھی کہ وہ اُن کے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو ہر اُس مرد نے اُن کے ساتھ کیا ہے جس کے ذہن پر قبضہ کرنے کے لیے انہیں بھیجا گیا تھا۔ الفارس نے ان میں اس قسم کی دلچسپی کا اظہار نہ کیا جس سے یہ لڑکیاں ابتدا میں مایوس ہوئی لیکن انہوں نے اس کی ایک اور کمزوری بھانپ لی۔ وہ یہ تھی کہ وہ فرض کے معاملے میں جہاں بڑا ہی سخت گیر اور سخت کوش تھا وہاں فراغت کے وقت کھلنڈرہ بچہ بن جایا کرتا تھا۔ ان لڑکیوں کے ساتھ وہ ہم راز سہیلیوں کی طرح کھیلتا اور اُن کے حسن اور اُن کی شوخیوں سے لطف اُٹھاتا تھا، اُن کے بکھرے بکھرے ریشمی بالوں سے کھیلتا اور اُن میں مگن ہو کر دُنیا کو بھول جاتا تھا۔

ایک روز ایک لڑکی نے جب دوسری لڑکی کمرے میں نہیں تھی، اس کے جذبات کو مشتعل کرنے کی یا یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ اس آدمی کے اندر جذبات ہیں بھی یا نہیں تو الفارس نے یہ کھلے اشارے سمجھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے جب تمہیں پہلے روز ساحل پر کہا کہ میں تمہیں اپنے جہاز میں پناہ دے سکتا ہوں تو تم نے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے کہا تھا کہ تمہیں مصر لے جاؤں گا اور شادی کرلوں گا...... میں اپنے اس وعدے پر قائم رہنا چاہتا ہوں۔ شادی سے پہلے میں کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گا جس سے تمہیں یہ شک ہو کہ میں وقتی طور پر دِل بہلانے کے لیے تمہیں یہاں لایا ہوں۔ میں تمہاری مجبوری اور بے بسی سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتا۔ مصر جانے تک تم سوچ لو۔ اگر میرے ساتھ رہنا پسند نہیں کروگی تو جہاں کہوگی، وہاں بھیج دوں گا''۔

لڑکی نے بے تابی سے بازو اس کے گلے میں ڈال دیئے اور گال اس کے گال کے ساتھ لگا کر کہا...... ''ہم دونوں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی۔ تم پہلے مرد ملے ہو جس کے دِل میں انسانیت کی پاکیزگی ہے، شیطانیت اور حیوانیت نہیں''۔

لڑکی نے والہانہ محبت کا اظہار ایسے الفاظ میں اور ایسے انداز سے کیا کہ الفارس کو پانی پر تیرنے والا بحری جہاز فضا کی وسعتوں میں اُڑتا محسوس ہونے لگا۔ یہی اس کی کمزوری تھی جو انسانی فطرت کی سب سے زیادہ خطرناک کمزوری ہے۔

سمندر میں اتنا طویل عرصہ دن رات گشت کرتے رہنے سے اور وقتاً فوقتاً چھوٹی موٹی جھڑپیں لڑنے سے اُس کے اعصاب پر جو تھکن اور ذہن پر جو کوفت تھی، وہ ختم ہوگئی۔ اعصاب پُرسکون ہوگئے۔ اب تو اُس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھ جہازوں کی کمانڈ تھی اور وہ فلسطین کے ساحل سے کچھ دُور گشت کرتا رہتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بجلی کی طرح ارضِ فلسطین پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اس نے ساحلی علاقوں پر قبضہ کرلیا اور اب عسقلان میں بیت المقدس پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔ الفارس بیدرون کی ذمہ داری یہ تھی کہ سمندر کی طرف سے صلیبیوں کے لیے مدد اور رسد وغیرہ آئے تو اُسے ساحل تک نہ پہنچنے دے۔ اس ذمہ داری نے اس کی نیندیں بھی حرام کر رکھی تھیں۔ یہ دو لڑکیاں اس کے اعصاب کو سہلالیا کرتی تھیں۔

الفارس نے ان لڑکیوں سے ایک روز کہا کہ ان میں خانہ بدوشوں والی عادتیں نہیں، اُن کی بجائے ان میں شائستگی اور نفاست ہے۔ یہ ان میں کہاں سے آ گئی ہے۔

''ہم بڑے بڑے عیسائی گھروں میں نوکری کرتی رہی ہیں''...... ایک لڑکی نے جواب دیا...... ''انہوں نے ہمیں میزبانی کے آداب اور اونچے درجے کے مہمانوں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کے طور طریقے سکھا دیئے تھے۔ اگر آپ معمولی آدمی ہوتے تو ہم آپ کے ساتھ خانہ بدوشوں جیسا سلوک کرتیں۔ ہماری باتیں اور حرکتیں خانہ بدوشوں جیسی ہوتی۔ آپ بحریہ کے اتنے بڑے کمانڈر ہیں اور آپ کے دِل میں ہماری اتنی زیادہ محبت ہے کہ ہم آپ کے ساتھ اجڈوں جیسا سلوک نہیں کرسکتیں''۔

دوسرے پانچ جہازوں کے کپتانوں کو پتہ چل چکا تھا کہ اُن کا کمانڈر الفارس اپنے جہاز میں دو لڑکیاں لایا ہے۔ سب یہ خبر سن کر ہنسے یا مُسکرائے تھے، لیکن سب نے محسوس کیا تھا کہ جہاز میں جنگ کے دوران اپنی بیوی کو تو رکھا جاسکتا ہے، اجنبی لڑکیوں کو رکھنا خطرے سے خالی نہیں۔ انہوں نے الفارس سے بات کی تھی اور اس نے سب کو مطمئن کر دیا تھا۔ سب اس لیے جلدی مطمئن ہوگئے تھے کہ وہ الفارس کو عرصے سے جانتے تھے۔ وہ بدکار آدمی نہیں تھا۔ فرائض سے کوتاہی برداشت نہیں کرتا تھا۔

☆

بیت المقدس کے اندر کی کیفیت غیر معمولی تھی۔ یہاں مسلمانوں پر جو ظلم و تشدد ہو رہا تھا، اس کی مثال کم از کم فلسطین کے مقبوضہ علاقوں میں نہیں ملتی تھی۔ اس ظلم و تشدد کی تاریخ پرانی تھی۔ ۱۰۹۹ میں صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تھا۔ یہ مسلمانوں کی بے اتفاقی اور اقتدار کی خاطر غداری کرنے والوں کا کرشمہ تھا۔ تاریخ میں حملہ آوروں نے اس سے زیادہ بڑے اور اہم شہر فتح کیے ہیں لیکن صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تو اُسے اس قدر اہمیت دی جیسے انہوں نے آدھی دُنیا فتح کرلی ہو، سارے یورپ بلکہ تمام تر عیسائی دُنیا اور کلیسا کی نظریں بیت المقدس پر لگی ہوئی تھیں۔

اس اہمیت کی وجہ یہ تھی کہ بیت المقدس کو عیسائی اپنا مقدس مقام سمجھتے تھے۔ اُن کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی علاقے میں کہیں مصلوب کیا گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہیں سے معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ اس لحاظ سے مسجدِ اقصیٰ کا تقدس خانہ کعبہ سے کم نہ تھا۔ مسلمان بیت المقدس کو اپنا نظریاتی مرکز سمجھتے تھے۔ یہ ہمارے عقیدوں کا مرکز تھا (اور اب بھی ہے) عیسائی مسلمانوں کے اس نظریاتی سرچشمے پر قبضہ کرکے ہمارے نظریات اور عقائد کو باطل قرار دینا چاہتے تھے۔ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کے سربراہ ہرمن نے غلط نہیں کہا تھا کہ صلیبی جنگیں مسلمانوں اور عیسائیوں کے بادشاہوں کی نہیں، یہ کلیسا اور کعبہ کی جنگیں ہیں

جو اُس وقت تک لڑی جاتی رہیں گی جب تک دونوں میں سے ایک ختم نہیں ہو جاتا۔

جس طرح ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کو اور مسلمانوں کو شکست دینے کو اور مسلمانوں کو نہ صرف میدانِ جنگ میں بلکہ دھوکے سے بھی قتل کرنے کو مذہبی فریضہ قرار دے رکھا ہے، اسی طرح عیسائیوں کے پادریوں نے بھی مسلمان کے قتل کو کارِ ثواب قرار دے رکھا تھا۔ عیسائیوں کو جنگ کے احکام بڑے پادری (پوپ) کی طرف سے ملتے تھے۔ آپ نے پڑھ لیا ہے کہ حطین کی جنگ میں عکرہ کا پادری اُس صلیب کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ یہ ثبوت ہے اس حقیقت کا کہ کعبہ کے خلاف جنگ کلیسا نے شروع کی تھی اور یہ دو مذہبوں اور دو نظریات کی جنگ تھی۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ صلیبی جنگوں میں شامل ہونے والے بادشاہوں، جرنیلوں اور ادنیٰ سپاہیوں تک سے صلیب الصلبوت پر صلیب سے وفاداری اور جان و مال کی قربانی کا حلف لیا جاتا تھا۔ اس حلف سے وہ صلیبی کہلائے اور بیت المقدس کے لیے جو جنگیں لڑی گئیں، انہیں صلیبی جنگیں کہا گیا۔ عیسائی دُنیا میں مسلمانوں کے خلاف جنگ اور سرزمین عرب پر قبضہ کرنے کو ایسا جنون بنا دیا گیا تھا کہ عورتیں اپنے زیورات اور مال و دولت کلیسا کے حوالے کر دیتی تھیں۔ جنون کی انتہا یہ تھی کہ جوان لڑکیوں نے اپنی عصمتیں صلیب کی فتح اور مسلمانوں کی شکست کے لیے پیش کر دیں۔ کلیسا نے کھلی اجازت دے دی کہ مسلمانوں کی کردار کشی اور نظریاتی تخریب کاری کے لیے عیسائی لڑکیوں کو استعمال کیا جائے۔ لڑکیوں کو یقین دلایا گیا کہ کلیسا کے مقاصد اور عزائم کی خاطر عصمت قربان کرنے والی لڑکی بہشت میں جائے گی۔

اسی عقیدے کے تحت خوب صورت لڑکیوں کو باقاعدہ تربیت دے کر مسلمانوں کے علاقوں میں بھیجا گیا۔ یہ مسلمان اُمراء کے حرموں میں داخل ہوئیں اور وہ تباہی بپا کی جو آپ اس سلسلے کی کہانیوں میں پوری تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ اس مقابلے میں مسلمان آپس میں ٹکراتے رہے اور صلیبیوں کے پھیلائے ہوئے اس حسین جال میں ایسے آئے کہ مذہبی نظریات اور عقائد کو نظر انداز کر کے تخت و تاج کے شیدائی ہو گئے۔ انہوں نے ایمان نیلام کر دیئے۔ پھر بھی کچھ لوگ ابھی زندہ تھے جن کی روحیں ایمان کے نور سے منور تھیں۔ وہ بیت المقدس کی پاسبانی کرتے اور لہو کے نذرانے دیتے رہے مگر یہ قانونِ فطرت ہے کہ ایک غدار ساری قوم کو بے وقار کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور جب غدار صاحبِ اقتدار ہو تو دشمن سے دس گنا زیادہ فوج بھی شکست کھا جاتی ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ صلیبی ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ (۲۳ شعبان ۴۹۲ ہجری) کے روز بیت المقدس پر قابض ہو گئے۔ اس فتح میں جن مسلمان اُمراء اور ریاستوں کے حکمرانوں نے صلیبیوں کو مدد دی اور جس طرح مدد دی، وہ ایک طویل اور شرمناک کہانی ہے۔ مثال کے طور پر اتنا ہی بتانا کافی ہوگا کہ جب صلیبی فوج بیت المقدس کی طرف بڑھ رہی تھی تو شہزاء کے امیر نے نہ صرف یہ کہ اس فوج کو نہ روکا بلکہ اسے رسد بھی دی اور رہبر (گائیڈ) بھی دیئے۔ حماۃ اور ترپولی کے مسلمان اُمراء نے بھی صلیبی فوج کو راستہ دے کر رسد بلکہ تحائف بھی دیئے اور اپنے قبلۂ اول کی طرف روانہ کیا۔ راستے میں کئی ایک مسلمان ریاستیں آتی تھیں۔ انہوں نے اپنی ریاست اور حکومت کے تحفظ کی خاطر صلیبیوں کے دل کش اور حسین تحفے قبول کیے اور ان کے عوض صلیبی فوج کی ضروریات پوری کیں۔

عرقہ کا امیر مردِ مومن تھا جس کی جنگی طاقت صلیبیوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی لیکن اس نے صلیبی فوج کے جرنیلوں کے مطالبے پر بھی انہیں کچھ نہ دیا بلکہ اُن کے چیلنج کو قبول کر کے انہیں مقابلے کے لیے للکارا۔ صلیبی فوج نے

عرقہ کو محاصرے میں لے لیا۔ ۱۴ فروری سے ۱۳ مئی ۱۰۹۹ تک عرقہ کے مسلمانوں نے ایسی بے جگری سے مقابلہ کیا کہ صلیبی فوج نے بہت سا جانی نقصان اُٹھا کر محاصرہ اُٹھالیا اور راستہ بدل کر آگے چلی گئی۔ اگر یہ تمام مسلمان اُمراء اپنے اپنے علاقے میں بیت المقدس کی طرف بڑھتی ہوئی صلیبی فوج کے سامنے مزاحم ہوتے رہتے تو اُن کا اپنا نقصان تو ضرور ہوتا لیکن صلیبی فوج کا خون قطرہ قطرہ بہہ کر ختم ہو جاتا۔ یہ فوج اپنے پلان سے دواڑھائی سال تاخیر سے بیت المقدس پہنچتی اور اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ نہ ہوتا۔

☆

یہ کہنا غلط نہیں کہ صلیبیوں کو بیت المقدس تک مسلمان اُمراء نے تازہ دم اور رسد سے مالا مال کر کے پہنچایا۔ اس کی سزا اُن مسلمانوں کو ملی جو بیت المقدس میں آباد تھے۔ وہاں مسلمان زائرین بھی گئے ہوئے تھے، وہ بھی کچلے گئے۔ ۷ جون ۱۰۹۹ء کے روز صلیبیوں نے اس عظیم اور مقدس شہر کا محاصرہ کیا، وہاں حکومتِ مصر کا گورنر افتخار الدولہ تھا، جس نے محاصرے میں بے مثال شجاعت اور عسکری ذہانت سے مقابلہ کیا۔ شہر کے جیش قلعے سے نکال کر صلیبیوں پر حملے کرائے گئے مگر صلیبیوں کے پاس ساز و سامان کی افراط تھی اور فوج تو بے شمار تھی۔ ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء صلیبی فوج شہر میں داخل ہوگئی۔

تمام تر یورپ اور ہر عیسائی ملک میں جشن منائے گئے مگر بھیانک اور ہولناک جشن وہ تھا جو فاتح صلیبیوں نے بیت المقدس کے اندر منایا۔ صلیبی سپاہی مسلمانوں کے گھروں میں گھس گئے۔ لوٹ مار کی، کسی گھر میں کسی فرد کو، خواہ وہ بوڑھا تھا یا دُودھ پیتا بچہ، زندہ نہ چھوڑا۔ زندہ رہنے دیا تو صرف جوان لڑکیوں کو جو اُن کی درندگی کی اذیتوں سے مریں۔ گلیوں میں بھاگتے ہوئے مسلمان بچوں، عورتوں اور مردوں کو وحشیانہ طریقے سے قتل کیا گیا۔ صلیبی ننھے ننھے بچوں کو برچھیوں کی انیوں میں اُڑس کر اوپر اُٹھاتے اور چیخ چیخ کر قہقہے لگاتے تھے۔ کھلے عام آبروریزی اور مقتولین کے سر کاٹ کر انہیں ٹھڈ مارنا صلیبیوں کا من پسند کھیل بن گیا تھا۔

مسلمانوں کو ایک ہی پناہ نظر آتی تھی جس کے متعلق انہیں یقین تھا کہ جان کی امان ملے گی اور کسی بھی مذہب کا پیروکار وہاں اُن پر زیادتی کرنے کو گناہ سمجھے گا۔ یہ تھی مسجدِ اقصیٰ۔ مسلمان اپنے بال بچوں کو لے کے مسجدِ اقصیٰ میں چلے گئے جنہیں وہاں پاؤں رکھنے کو بھی جگہ نہ ملی۔ وہ بابِ داؤد اور دوسری مسجدوں میں چلے گئے۔ خود عیسائی مورخین لکھتے ہیں کہ ان پناہ گزین مسلمانوں کی تعداد ستر ہزار کے لگ بھگ تھی۔ صلیبی جو مسجدِ اقصیٰ کو اپنی عبادت گاہ کہتے تھے، اُس کے احترام کا ذرّہ بھر خیال نہ کیا۔ وہ پناہ گزینوں پر ٹوٹ پڑے۔ کسی ایک کو زندہ نہ چھوڑا۔ مسجدِ اقصیٰ، بابِ داؤد اور تمام مسجدیں لاشوں سے اَٹ گئیں اور خون باہر بہنے لگا۔ مورخین نے ان الفاظ میں یہ کیفیت بیان کی ہے..... ''صلیبیوں کے گھوڑوں کے پاؤں ٹخنوں تک مسلمان شہریوں کے خون میں ڈوب گئے تھے''۔

لڑکیوں کو مسجدوں اور مسلمانوں کے دیگر مقدس مقامات میں لے جا کر بے آبرو کیا جاتا تھا۔ سب سے زیادہ بدنصیب یہ لڑکیاں تھیں اور اُن کے جنگی قیدی۔ جنگی قیدیوں کو مویشی بنالیا گیا تھا۔ انہیں کھانے کو کم دیا جاتا اور مشقت زیادہ لی جاتی۔ جن کاموں میں پہلے گھوڑے اور اونٹ استعمال ہوتے تھے۔ ان میں اب جنگی قیدی استعمال ہونے لگے۔ اُن کے ہاتھوں مسجدیں مسمار کرائی گئیں۔ جنہوں نے انکار کیا، انہیں بے دردی سے قتل کیا گیا۔ کسی وحشی صلیبی نے ایک جنگی قیدی کو قتل کر کے اس کے جسم کا گوشت کاٹا اور پکا کر کھا گیا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ گوشت لذیذ ہے۔ اس کے بعد صلیبیوں نے انسان خوری (بلکہ مسلمان خوری) شروع کردی۔ جب بھی کوئی جشن یا تقریب مناتے ایک دو تندرست

اور توانا مسلمانوں کو قتل کر کے ان کا گوشت کھاتے تھے۔

اس کی تردید عیسائی مورخین نے کی ہے لیکن انسان خوری کے واقعات خود یورپین مورخوں نے ہی اپنی تحریروں میں بیان کیے ہیں۔

مسجدوں کو حرام کاری کے لیے استعمال کرنے کے علاوہ صلیبیوں نے اِن میں گھوڑے باندھے۔ مسجدِ اقصیٰ میں مختلف مسلمان سلاطین اور دیگر دولت مند زائرین نے سونے اور چاندی کے فانوس اور قندیلیں لگوائی تھیں۔ تحفے کے طور پر سونے اور چاندی کی کئی ایک اشیاء رکھی تھیں۔ صلیبیوں نے یہ تمام فانوس، قندیلیں اور بیش قیمت اشیاء اُٹھالیں اور مسجد کے مِنڈیر پر صلیب نصب کر دی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کو بیت المقدس کی بے حرمتی اور وہاں کے مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کی یہ روئیداد اُس کے باپ نجم الدین ایوبی نے بچپن سے سنانی شروع کر دی تھی۔ نجم الدین ایوبی کو یہ روئیداد اس کے باپ (سلطان ایوبی کے دادا) شادی نے سنائی تھی۔ یہ روئیداد سلطان ایوبی کے خون میں شامل ہوگئی تھی۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ بیت المقدس کو آزاد کرائے گا، اب جبکہ وہ اس مقدس شہر کو فتح کرنے نکلا تھا تو اُس کے دو بیٹے، الملک الافضل اور الملک الظاہر جوان تھے اور اس کی فوج میں تھے۔ بیت المقدس کے متعلق جو باتیں اُسے اپنے باپ نے سنائی تھیں، وہ اس نے اپنے بیٹوں کو یوں سنادی تھیں جیسے ایک قیمتی ورثہ اُن کے حوالے کیا ہو۔

"بے مقصد جینے سے قبل از وقت مرجانا بہتر ہے"۔ اُس نے اپنے بیٹوں کی جنگی تربیت مکمل کر کے انہیں اپنی فوج میں شامل کرتے وقت کہا تھا..... "یہ الفاظ تمہارے دادا مرحوم کے ہیں جو انہوں نے مجھے اُس وقت کہے تھے جب میں چچا شیرکوہ کے ساتھ صلیبیوں کے خلاف پہلی جنگ لڑنے کے لیے چلا تھا۔ انہوں نے کہا تھا، مجھے نظر آرہا ہے کہ تم کسی جگہ کے حکمران ہو گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم سلطان بن جاؤ۔ یاد رکھو بیٹے! تم آج سے میرے بیٹے نہیں، قوم کے بیٹے ہو۔ قرآن کا حکم ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرو۔ اب تمہارے ماں باپ قوم اور سلطنت ہے۔ اولاد کو ماں باپ پر حکم چلانے اور اُن کا دِل دکھانے سے اللہ نے منع کیا ہے۔ خیال رکھنا یوسف! قوم کا دِل نہ دکھانا۔ دیکھنا کہ تم پر قوم کے کیا کیا حقوق ہیں۔ یہ ادا کرنا۔

"اور میرے عزیز بیٹو! تمہارے دادا نے کہا تھا کہ جو لوگ قوم کی آن پر، اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں، انہیں نہ بھولنا۔ جو قوم اپنے شہیدوں کو بھول جاتی ہے، اُس قوم کو خدا بھول جاتا ہے۔ جس قوم سے خدا نظریں پھیر لیتا ہے، تم نہیں جانتے کہ یہ دُنیا اُس کے لیے جہنم بن جاتی ہے۔ اُس کی عبادت گاہیں اصطبل اور اُس کی بیٹیاں دشمن کی عیاشی کا سامان بن جاتی ہیں۔ اُس قوم کی تقدیر اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے..... جب تمہیں حکومت کی مسند پر بٹھایا جائے گا تو قوم کو رعایا نہ سمجھنا۔ بندوں پر حکومت کا حق صرف اللہ کا ہے، بندوں پر حکومت کر کے اللہ کی برابری کا گناہ کرو گے تو انجام مصر کے فرعونوں والا ہوگا۔ حکومت کا مطلب وہ ذمہ داری ہوتی ہے جو قوم کی طرف سے اللہ اُس کے حکمران پر عائد کرتا ہے۔ حکمران کی اپنی کوئی ذات نہیں رہتی۔ وہ فرد کی حیثیت سے مرجاتا ہے۔ وہ قوم کا امین اور قوم کا حصہ بن جاتا ہے۔ قوم کو فاقے کرنے پڑیں تو حکمران کو اپنا پیٹ نہیں بھرنا چاہیے۔ وہ اپنے منہ میں نوالہ ڈالے تو اُسے یقین کر لینا چاہیے کہ قوم کے ہر فرد کے منہ میں ایسا ہی نوالا جا رہا ہے۔ وہ جب گھوڑے پر سوار ہو تو دیکھے کہ اُس کی گردن مسجد کے مینار کی طرح اکڑ کر سیدھی تو نہیں ہوگئی؟......

''اور میرے عزیز بیٹو! تمہارے دادا نے کہا تھا کہ گردن اُس روز اونچی کرنا جس روز مسجدِ اقصیٰ کو کفار سے آزاد کرالو گے۔ اطمینان کی نیند اُس رات سونا جس رات مسجدِ اقصیٰ میں فتح کے نفل پڑھ لو گے اور اس مسجد کی دہلیز جہاں سے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کے لیے اللہ کے حضور گئے تھے، اپنے آنسوؤں سے دھوؤ گے...... اور میرے بیٹو! وہ بچے جو بیت المقدس کی گلیوں اور مسجدوں میں قتل ہوئے تھے اور قوم کی وہ وہ بیٹیاں جو وہاں بے آبرو ہوئی تھیں، مجھے راتوں کو سونے نہیں دیتیں۔ جس مسجد میں میرے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدم گئے اور جس مسجد میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک جبیں نے سجدے کیے تھے، اس مسجد کی اینٹیں رات بھر میرے اوپر گرتی رہتی ہیں۔ میں بدک بدک جاتا ہوں۔ کبھی درد سے کراہتی ہوئی ایسی صدائیں سنائی دیتی ہیں جیسے مسجدِ اقصیٰ میں قتل ہونے والے بچے بزبانِ گریہ اذانیں دے رہے ہوں...... وہ تمہیں پکار رہے ہیں میرے بیٹو! وہ مجھے پکار رہے ہیں......

''اور تمہارے دادا نے بڑھاپے سے کانپتے ہوئے ہاتھ مجھے دکھا کر کہا تھا کہ میں نے اپنی جوانی تمہیں دے دی ہے جو کام میں نہیں کر سکا وہ تم کرو۔ بیت المقدس جاؤ اور یہی تمہارے جینے کا مقصد ہوگا۔ سلطنت کی مسند پر بیٹھ کر اپنے دشمن کو اس لیے نظر انداز کیے رکھو گے کہ اطمینان سے قوم پر حکومت کر سکو تو اس مسند کی عمر طویل نہیں ہوگی۔ شہیدوں کی رُوحیں جنات بن کر تمہاری مسند کو اُلٹ دیں گی۔ جینے کا مقصد وہ رکھو جو خدا کو عزیز ہو اور جس میں قرآن کا حکم شامل ہو......

''میرے عزیز بیٹو! آج میں اپنے باپ کا ورثہ تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ آج سے تم میرے نہیں سلطنتِ اسلامیہ کے بیٹے ہو۔ میں نے تمہاری ماں سے کہہ دیا کہ بھول جا تیری کوکھ نے کوئی بیٹے جنے تھے۔ اگر انہیں بھول نہ سکی تو اُن کی زندگی کی دُعا نہ کرنا، میں انہیں وہاں ذبح کرانے لے جا رہا ہوں جہاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ پر قربان کرنے کے لیے اس کی گردن پر چھری رکھی تھی۔ اگر دُعا کرنی ہے تو اللہ سے یہ التجا کرنا کہ تو نے جو دودھ ان بچوں کو پلایا ہے، یہ نور سے منور خون بن کر مسجدِ اقصیٰ کا فرش دھوڈالے...... اور اللہ کرے گا ایسا ہی ہوگا۔ عہد کرو میرے بیٹو! میں زندہ نہ رہا تو بیت المقدس کو تم آزاد کراؤ گے''۔

اُس نے دونوں بیٹوں کو ۱۰۹۹ء کی خونچکاں داستاں سنائی اور جب اُس نے بیٹوں کو جانے کی اجازت دی تو انہوں نے سلطان ایوبی کو اُس طرح سلام نہ کیا جس طرح بیٹے اپنے باپ کو کیا کرتے ہیں۔ وہ اُٹھے اور الافضل جو بڑا تھا، بولا...... ''سلطانِ عالی مقام! صرف شہید ہونا کوئی کارنامہ نہیں۔ ہم شہادت سے پہلے بیت المقدس کی گلیوں میں دشمنوں کا اتنا خون بہائیں گے کہ آپ کے گھوڑے کے پاؤں پھسلیں گے اور ہم دیکھیں گے کہ آپ مسجدِ اقصیٰ سے صلیب اپنے ہاتھوں اُتار کر صلیبیوں کے غلیظ خون میں پھینک رہے ہیں''۔

''مگر یہ خون نہتے شہریوں کا نہیں ہوگا، الافضل''...... سلطان ایوبی نے کہا۔

''یہ خون زرہ پوش صلیبیوں کا ہوگا''...... الافضل نے کہا...... ''یہ خون اس لوہے سے ٹپکے گا جس سے صلیبیوں نے اپنے جسم ڈھانپ رکھے ہیں۔ ایمان کی تلوار باطل کے فولاد کو کاٹنے کی طاقت رکھتی ہے''۔

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے''...... سلطان ایوبی نے کہا۔

بیٹوں نے فوجی انداز سے باپ کو سلام کیا اور باہر نکل گئے۔

☆

تھا جو اپنے شکار پر جھپٹنے کے لیے تیار ہو۔ جذباتی طور پر وہ فوراً بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کرنے کو تیار تھا، لیکن وہ جنگ کے حقائق کو دیکھ رہا تھا۔ یہ چالیس میل کا فاصلہ تو جیسے آتش فشاں چٹانوں سے بھرا پڑا تھا۔ بیت المقدس کا دفاع ہی ایسا تھا۔ صرف شہر کے اردگرد ہی دیوار نہیں تھی بلکہ اس شہر کے اِردگرد دُور دُور تک کے علاقے میں چھوٹی چھوٹی قلعہ بندیاں اور صلیبی فوج کی چوکیاں (آؤٹ پوسٹیں) تھیں۔ گشتی پہرے کا انتظام بھی تھا۔ گھوڑسوار پارٹیاں اُن راستوں پر گھومتی پھرتی رہتی تھیں جن سے بیت المقدس تک پہنچا جا سکتا تھا۔ اب یہ دفاعی انتظامات پہلے سے زیادہ سخت کر دیئے گئے تھے۔ بیت المقدس کے اندر جو فوج تھی اس کے جرنیلوں کو سلطان ایوبی کی ہر ایک نقل و حرکت کا علم تھا، مگر اُن میں اب اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ سلطان ایوبی کو عسقلان میں روک لیتے یا اُس پر جوابی حملہ کرتے۔ حطین سے عسقلان تک سلطان ایوبی نے اُن کی عسکری قوت کا بہت زیادہ خون نکال لیا تھا۔

بیت المقدس کا حکمران گائی آف لوزینان تھا جو حطین میں جنگی قیدی ہو گیا اور اب دمشق کے قید خانے میں تھا۔ وہ جو فوج اپنے ساتھ لے گیا تھا اس کا کچھ حصہ مارا گیا۔ کچھ جنگی قیدی ہوا اور باقی فوج ایسی بھاگی کہ اب اُس کے افسر، سپاہی اور زرہ پوش نائٹ زخمی یا خوف زدگی کی حالت میں بیت المقدس میں آ رہے تھے۔ نائٹوں کے مورال میں کچھ جان تھی کیونکہ انہیں اپنے رتبے اور اعزاز کا پاس تھا۔ دیگر فوج نے شہر میں جا کر دہشت پھیلا دی۔ جرنیلوں نے نائٹوں کو از سرِ نو منظم کر لیا۔ اس طرح بیت المقدس کے اندر کی تعداد ساٹھ ہزار ہو گئی تھی۔ چونکہ یہ تمام آبادی کو معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان ایوبی شہر پر شہر فتح کرتا آ رہا ہے، اس لیے شہری بھی لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ شہر کے دفاع کو اور زیادہ مستحکم کر لیا گیا۔

شہر کے ایک دو دروازوں کو دن کے دوران کھلا رکھنا پڑتا تھا کیونکہ میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے صلیبی اکیلے اکیلے اور دو دو چار چار کی ٹولیوں میں آتے رہتے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوس پہلے ہی شہر میں موجود تھے، اب بھاگے ہوئے صلیبیوں کے بھیس میں چند اور جاسوس اندر چلے گئے اور شہر کے دفاعی انتظامات اور دیوار کو اچھی طرح دیکھ کر نکل بھی آئے۔ مسلمانوں پر پابندیاں پہلے سے زیادہ سخت کر دی گئیں۔

☆

بیت المقدس سے دس بارہ میل عسقلان کی طرف صلیبیوں کی ایک چوکی تھی جس میں ایک سو کے قریب صلیبی فوجی رہتے تھے، انہوں نے خیمے نصب کر رکھے تھے۔ ستمبر ۱۱۸۷ء کی ایک رات اُن کی چوکی کے قریب ایک دھماکا سا ہوا، پھر دو تین اور ایسے ہی دھماکے ہوئے۔ اُن کے فوراً بعد شعلے اُٹھے اور تین چار خیمے جلنے لگے۔ سپاہی جاگ کر اِدھر اُدھر بھاگے۔ جونہی فوجیوں میں ہلچل مچی، اُن پر ہر طرف سے تیر آنے لگے۔ جلتے خیموں کی روشنی میں وہ نظر آ رہے تھے۔ یہ آتش گیر سیال کی ہانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کے ایک چھاپہ مار جیش نے چھوٹی منجنیق سے پھینکی تھیں۔ یہ چوکی میں گر کر ٹوٹیں تو جہاں یہ گری تھیں وہاں جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلائے گئے۔ آتش گیر سیال جل اُٹھا۔

صلیبی اِدھر اُدھر بھاگے تو انہیں پتہ چلا کہ وہ گھیرے میں آئے ہوئے ہیں اور زندہ نکل نہیں سکیں گے۔ چھاپہ ماروں نے للکارنا شروع کر دیا...... "زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال کر ایک طرف کھڑے ہو جاؤ"...... شعلوں کی دہشت اور تباہ کاری تو اپنی جگہ تھی، سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کی للکار نے صلیبیوں کا رہا سہا دم خم بھی ختم کر دیا۔ وہ ہتھیار ڈال کر چھاپہ ماروں کی حراست میں آ گئے۔ اُن کی تعداد پچیس تیس رہ گئی تھی۔ اُن سے ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ لے کر پیچھے بھیج دیا گیا۔

صبح طلوع ہوئی تو اس جلی ہوئی چوکی میں سلطان ایوبی کے ہراول دستے کا ایک جیش پہنچ چکا تھا۔ اس سے فوج

کی پیش قدمی خاصے دُور علاقے تک محفوظ ہوگئی۔ چھاپہ ماروں کی حالت جنگل کے درندوں کی سی ہوگئی تھی۔ دو دو جانباز جھاڑیوں، ٹیکریوں اور چٹانوں میں چھپ چھپ کر گھومتے پھرتے رہتے تھے، جہاں انہیں گشتی سواروں یا پیادہ سپاہیوں کی آواز آتی، وہ چھپ جاتے اور جب صلیبی قریب آتے یہ اُن پر ٹوٹ پڑتے۔ دو آدمی اگر چھ آدمیوں پر ٹوٹ پڑیں تو دو کا کیا حشر ہوتا ہوگا۔ اس سے چھاپہ مار شہید بھی ہوتے تھے، زخمی بھی۔

یہ اُن کی انفرادی جنگ تھی۔ انہیں کوئی کمانڈر نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ کہیں اِدھر اُدھر چھپے رہتے تو کوئی پوچھنے والا نہیں تھا لیکن جسمانی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ انہیں جو روحانی اور ذہنی ٹریننگ دی گئی تھی، اس نے انہیں آگ بگولا کر رکھا تھا۔ حطین کی فتح کے بعد سلطان ایوبی نے جو بڑے شہر فتح کیے تھے، وہاں کے مسلمانوں کی حالت فوج کو دکھائی گئی تھی۔ انہیں مسجدوں کی بربادی اور بے حرمتی دکھائی گئی تھی اور انہیں بتایا گیا تھا کہ یہ جنگ کسی بادشاہ کی بادشاہی کے تحفظ کے لیے نہیں لڑی جارہی بلکہ یہ اسلام کے تحفظ اور اس عظیم مذہب کے دشمن کے خلاف لڑی جارہی ہے۔ اس ٹریننگ سے یہ جنگ اُن کے ایمان کو جزو بن گئی تھی۔

عسقلان میں سلطان ایوبی رات کو سوتا بھی کم ہی تھا۔ چھاپہ ماروں کی طرف سے قاصد آتے رہتے تھے اور بیت المقدس سے کوئی جاسوس بھی آجاتا تھا۔ یہ رات کو بھی آتے تھے۔ سلطان ایوبی نے حکم دے رکھا تھا کہ کہیں سے کوئی پیغام کسی بھی وقت آئے تو اُسے اُسی وقت دیا جائے، خواہ وہ گہری نیند سو رہا ہو۔ چھاپہ ماروں کی رپورٹیں یہی ہوتی تھیں کہ فلاں مقام پر صلیبیوں کی ایک چوکی پر حملہ کیا گیا۔ اتنے صلیبی مارے گئے اور اتنے چھاپہ مار شہید اور زخمی ہوئے ہیں اور فلاں راستہ صاف کرلیا گیا ہے۔ اس کے مطابق سلطان ایوبی نقشے پر پیش قدمی کے راستے کی لکیر میں ردوبدل کرتا رہتا تھا۔

☆

سلطان ایوبی نے سالاروں اور نائب سالاروں کی آخری کانفرنس منعقد کی۔ اس میں بحریہ کے کپتان الفارس بیدرَون کو بھی بلایا گیا۔ الفارس کے پاس جب قاصد پہنچا، اُس وقت اس کا جہاز عسقلان کے بیس میل دُور کھلے سمندر میں تھا۔ کشتی اُس تک پہنچتے آدھا دِن لگ گیا اور الفارس اسی کشتی میں رات کو عسقلان پہنچا۔ قاصد نے اُسے بتایا تھا کہ سلطان نے تمام سالاروں کو بلایا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ بیت المقدس پر حملے کے متعلق اجلاس ہوگا۔ جہاز سے قاصد کے ساتھ روانہ ہوتے وقت اس نے دونوں لڑکیوں کو بتایا کہ وہ عسقلان جارہا ہے۔

''سلطان نے بلایا ہے؟'' ایک لڑکی نے پوچھا۔

''کیوں بلایا ہے؟'' دوسری نے پوچھا۔

''میرے سرکاری فرائض کے متعلق تم پوچھنا کیوں ضروری سمجھتی ہو؟'' الفارس نے انہیں کہا...... ''تمہیں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میری ذات کے سوا کچھ اور نہ پوچھا کرو''۔

دونوں ہنس پڑیں۔ ایک بولی۔ ''اگر ہم اس قابل ہوتیں تو آپ کی غیر حاضری میں آپ کے جہاز کو سنبھالے رکھتیں اور دشمن کے جہاز آجاتے تو اُن سے لڑائی کرتیں''۔

''تم جس قابل ہو، میں تم سے وہی کام لوں گا''۔ الفارس نے کہا...... ''میری غیر حاضری میں زیادہ وقت نیچے ہی گزارنا۔ اوپر جاکر ملاحوں اور عسکریوں کے کام میں دخل نہ دینا''۔

''آپ کب واپس آئیں گے؟''

''رات شاید نہ آسکوں''۔ الفارس نے جواب دیا۔''کل شام تک آسکوں گا''۔

الفارس لڑکیوں میں پوری طرح گھل مل گیا تھا۔ وہ اُس سے سلطان ایوبی کے آئندہ اقدامات کے متعلق اکثر پوچھتی تھیں۔ یہ بھی پوچھا کرتیں کہ بحیرۂ روم میں مصر اور شام کا بحری بیڑہ بندرگاہوں میں ہے یا سمندر میں اور کل کتنے جہاز ہیں، ان میں فوج کتنی ہے۔ الفارس نے انہیں ٹالنے کی بجائے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس سے ایسے سوال نہ پوچھا کریں۔ اس کے باوجود وہ اپنے حُسن اور ناز و ادا کا طلسم طاری کر کے اُس سے کوئی ایسی بات پوچھ ہی بیٹھتیں تھیں جو فوجی راز ہوتا تھا۔ الفارس جذباتی مدہوشی سے فوراً بیدار ہو جاتا اور انہیں پیار سے ڈانٹ دیا کرتا تھا۔

نشے کی حالت میں اِنسان دِل میں چھپائی ہوئی بات اُگل دیا کرتا ہے۔ نشہ خواہ شراب کا ہو یا کسی دوائی کا مگر الفارس شراب نہیں پیتا تھا، نہ جہاز میں کسی کو شراب یا کوئی اور نشہ آور چیز رکھنے کی اجازت تھی۔ الفارس بدکار بھی نہیں تھا مگر وہ اپنے آپ پر ان لڑکیوں کا نشہ طاری کر لیا کرتا تھا جس سے اُس کی تھکن دُور ہو جاتی اور وہ تازہ دم ہو جایا کرتا تھا۔ یہ لڑکیاں تربیت یافتہ تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ الفارس میں نہ شراب کی عادت ہے، نہ اُس کے جذبات سفلی اور حیوانی ہیں تو انہوں نے اس پر پیار اور محبت کا نشہ طاری کرنا شروع کر دیا تھا، مگر الفارس اپنے فرائض اور ذمہ داری کا اتنا پکا تھا کہ جذبات پر مدہوشی طاری ہوتی تو بھی اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرتا تھا۔

☆

ایک رات الفارس گہری نیند سویا ہوا تھا۔ لڑکیاں اپنے کیبن میں تھیں۔ دونوں اوپر چلی گئیں اور عرشے کے جنگلے کے سہارے سمندر پر چاندنی کے بکھرے اور چمکتے ہوئے موتیوں سے لطف اُٹھانے لگیں۔

''روزی!'' ایک لڑکی نے دوسری سے کہا..... ''مجھے اپنے سامنے گہرا اندھیرا نظر آتا ہے۔ الفارس لگتا موم ہے لیکن کوئی ایسی ویسی بات پوچھو تو پتھر بن جاتا ہے۔ میرا خیال ہے ہم اپنا یہاں کام نہیں کر سکیں گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اینڈریو آئے تو اُسے کہیں کہ ممکن ہو تو ہمیں یہاں سے لے جائے؟''

اینڈریو وہ آدمی تھا جو چھوٹی سی کشتی جہازوں کے قریب لے جا کر کھانے پینے اور ضروریات کی اشیاء جہاز کے ملاحوں اور سپاہیوں کے ہاتھ بیچتا تھا۔ آپ نے پچھلی قسط میں پڑھا ہے کہ یہ آدمی ان لڑکیوں کو اتفاق سے ملا تھا۔ وہ غریب ماہی گیروں کے بہروپ میں اپنی کشتی پر الفارس کے جہاز کے قریب چیزیں بیچنے آیا تھا۔ اس نے لڑکیوں اور لڑکیوں نے اُسے پہچان لیا تھا اور انہوں نے رسّیوں کی سیڑھی نیچے کروا کر اُسے چیزیں خریدنے کے بہانے اوپر بلا لیا تھا۔ اُس نے لڑکیوں کو بتایا تھا کہ وہ الفارس کے ان چھ جہازوں کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا ہے اور وہ موقع ملتے ہی ان جہازوں کو تباہ کرا دے گا۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ کس طرح الفارس سے ملی تھیں اور انہوں نے خانہ بدوش بن کر اس جہاز میں پناہ لے لی ہے۔ لڑکیوں نے اُسے یہ بھی بتایا کہ وہ پناہ کے بہانے جاسوسی اور تباہ کاری کریں گی۔

اس آدمی کا نام اینڈریو تھا اور وہ تخریب کار جاسوس تھا۔ پہلی ملاقات کے بعد وہ دوبارا اپنے بہروپ میں آیا اور لڑکیوں سے ملا تھا۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ الفارس اُن کے جال میں نہیں آ رہا اور وہ کوئی راز نہیں دیتا۔ اینڈریو یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ جہاز کب تک اس ڈیوٹی پر رہیں گے اور یہ ٹائر کی طرف جائیں گے یا نہیں۔ اس نے لڑکیوں سے کہا تھا..... ''معلوم ہوتا ہے تم اپنا فن بھول گئی ہو۔ اس جہاز میں اکیلا الفارس نہیں، اُس کا نائب بھی ہے اور اُس کے نیچے ایک اور بھی...

چلاؤ۔ تم کیا نہیں جانتیں؟ سب جانتی ہو"۔
اُس رات ایک لڑکی دوسری سے مایوس ہو کر کہہ رہی تھی کہ روزی، اینڈریو آئے تو اُسے کہتی ہیں کہ ہمیں یہاں سے نکال لے جائے۔
"سنو فلوری!" روزی نے اُسے جواب دیا..... "اینڈریو ہمیں یہاں سے نہیں نکال سکے گا۔ یہ جنگی جہاز ہے۔ تم دیکھ رہی ہو کہ رات کو عرشے پر، بلکہ وہ اوپر دیکھو، مستول پر مچان بنائے ایک بحری سپاہی کھڑا ہے۔ فرار کی کوشش میں ہمارے ساتھ اینڈریو کے پکڑے جانے کا بھی امکان ہے۔ ہمیں اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہیے"۔
"دوسرا حربہ استعمال کریں؟" فلوری نے پوچھا۔
"کرنا پڑے گا"۔ روزی نے کہا..... "الفارس کا نائب کپتان تو پہلے ہی ہمیں بھوکی نظروں سے دیکھتا اور مُسکراتا رہتا ہے۔ یہ لوگ بڑے لمبے عرصے سے سمندر میں ہیں۔ ان کے سروں پر موت منڈلاتی رہتی ہے۔ خدا نے مرد میں عورت کی جو کمزوری پیدا کی ہے، وہ اسی کیفیت میں اُبھرتی ہے۔ اشارے کی دیر ہے۔ یہ بتا دو کہ یہ کام میں کروں یا تم کرو گی۔ تمہیں مجھ سے زیادہ تجربہ حاصل ہے"۔
"میں ہی کر لیتی ہوں"۔ فلوری نے کہا۔
"لیکن اس کام کے اصول یاد رکھنا"...... روزی نے کہا..... "راز لے لینا لیکن اس کی قیمت صرف دکھا دینا، ادا نہ کرنا۔ اس شخص میں اتنی تشنگی بلکہ دیوانگی پیدا کرنا کہ یہ شخص تمہیں یا الفارس کو قتل کرنے کی باتیں کرنے لگے"۔
الفارس کا نائب رؤف کُرد تھا۔ وہ اِن لڑکیوں کو دیکھتا اور مُسکراتا رہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ الفارس کی بیویاں یا داشتہ نہیں اور یہ خانہ بدوش ہیں، جنہیں الفارس نے اپنے جہاز میں پناہ دی ہے۔ رؤف کُرد کے دِل میں لڑکیوں نے ہلچل بپا کر دی تھی۔ اُس رات جب یہ لڑکیاں عرشے پر جنگلے کا سہارا لیے باتیں کر رہی تھیں، رؤف اپنی ڈیوٹی پر کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ الفارس سلطان ایوبی کے بلاوے پر جا چکا تھا۔ اب جہاز رؤف کُرد کی تحویل میں تھا۔
فلوری عرشے کے جنگلے کے ساتھ کھڑی رہی۔ روزی ٹہلنے کے انداز سے وہاں سے چل پڑی اور رؤف کُرد کے قریب سے گزرتے مُسکرائی۔ رؤف کُرد نے اُسے اپنے پاس بلایا اور رسمی سی باتیں کیں۔ روزی چلنے لگی تو رؤف کُرد نے اُسے رُکنے کو کہا۔
"میں آپ کے پاس رُکی رہتی تو وہ (فلوری) ناراض ہوگی"۔ روزی نے کہا۔
"ناراض کیوں ہوگی؟"
"اپنے اپنے دِل کی بات ہے"۔ روزی نے کہا..... "ایک روز الفارس نیچے سو رہے تھے اور میں اوپر آپ کے پاس کھڑی تھی تو اس (فلوری) نے دیکھ لیا۔ بعد میں کہنے لگی..... "میری ملکیت پر قبضہ نہ کرو۔ رؤف میرا ہے۔ جب ہم مصر جائیں گے تو میں اس کے ساتھ چلی جاؤں گی"..... یہ الفارس کو پسند نہیں کرتی اور اس ڈر سے آپ کے قریب نہیں آتی کہ الفارس ناراض ہوگا"۔
رؤف کُرد کے جذبات میں زلزلے بپا ہوگئے۔ مردانہ فطرت کی کمزوری نے اُس سے ہتھیار ڈلوا لیے۔ اُس نے فلوری اور روزی سے زیادہ خوب صورت لڑکیاں بھی دیکھی تھیں لیکن ان کے حُسن اور ڈیل ڈول میں جو زہر شکن کشش تھی، وہ اس نے کسی لڑکی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اب اُسے یہ پتہ چلا کہ ان میں سے ایک اُسے چاہتی ہے تو اُس کا دِل

جذبات کے بنائے اُس راستے پر چلنے لگا جس پر مرد جاتے نظر آتے ہیں، واپس آتے دکھائی نہیں دیتے۔ روزی اُسے طلسم ہوشربا میں چھوڑ کر چلی گئی۔ اُس نے اپنے کیبن میں اُترنے والی سیڑھیوں پر پاؤں رکھ کر پیچھے دیکھا۔ رؤف کُرد آہستہ آہستہ فلوری کی طرف جارہا تھا۔

''آج رات سوؤ گی نہیں جواشی؟'' رؤف کُرد نے فلوری کا وہ نام لیا جو اُس نے الفارس کو بتایا تھا۔ روزی نے اپنا نام ازمیر بتایا تھا۔ خانہ بدوشوں کے نام اسی قسم کے ہوا کرتے تھے۔

رؤف کُرد کو اپنے قریب کھڑا دیکھ کر وہ ٹریننگ کے مطابق ایسے انداز سے شرمائی اور مُسکرائی کہ اس انداز سے کنواری دُلہن بھی نہ شرماتی ہوگی۔ رؤف کُرد نے اُس کندھے پر ہاتھ رکھا تو فلوری سکڑ گئی۔

''ازمیر نے مجھے تمہارے متعلق کچھ بتایا ہے''...... رؤف کُرد نے کہا...... ''کیا یہ سچ ہے؟''

فلوری نے اُس کی طرف دیکھا اور فوراً گردن گھما کر سمندر کی طرف دیکھنے لگی۔ رؤف کُرد نے اپنا سوال دُہرایا اور فلوری کے اس ہاتھ پر ہاتھ رکھا جو جنگلے پر رکھا تھا۔ فلوری نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اُلٹا کر کے اُنگلیاں رؤف کُرد کی اُنگلیوں میں اُلجھا دیں...... تھوڑی ہی دیر بعد فلوری اُس جگہ رؤف کُرد کے ساتھ بیٹھی تھی، جہاں اُس کی ڈیوٹی تھی۔ جہاز نے لنگر ڈال رکھے تھے۔ دو تین چار بتیاں سمندر پر تیر رہی تھیں۔ یہ الفارس کے جہاز تھے جو گشت کر رہے تھے۔

آدھی رات کو رؤف کُرد کی جگہ اُس کے ایک ماتحت افسر کو ڈیوٹی پر آنا تھا۔ رؤف کُرد نے فلوری سے کہا کہ وہ اس کے کیبن میں چلے اور وہ آتا ہے۔ فلوری چلی گئی۔

جہاز کے عرشے سے صبح کی اذان کی آواز آئی تو فلوری رؤف کُرد کے کیبن سے نکلی۔ اُس نے الفارس کے اس نائب کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ اُسے دِل و جان سے چاہتی ہے اور الفارس کو وہ خاوند کی حیثیت سے کبھی قبول نہیں کرے گی۔ اُس نے رؤف کُرد سے یہ بھی کہا...... ''الفارس مجھے کہتا تھا کہ رؤف کے ساتھ بات نہ کرنا، بہت بُرا آدمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود بہت بُرا آدمی ہے۔ اس نے ہمیں پناہ تو دی ہے لیکن ہماری مجبوری سے پورا پورا فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ اگر ہم اتنی مجبور نہ ہوتی تو اتنی زیادہ قیمت کبھی نہ دیتیں''۔

رؤف کُرد کے دِل میں اپنی محبت کا دھوکہ اور الفارس کی دشمنی پیدا کر کے وہ اس کے کیبن سے نکل آئی اور جو باتیں اُسے الفارس نے کبھی نہیں بتائی تھیں، وہ رؤف کُرد نے اُسے بتا دیں۔

اُس رات سلطان ایوبی سویا نہیں۔ رات اجلاس میں گزر گئی۔ وہ ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا جس سے بیت المقدس کا محاصرہ ناکام ہو جائے۔ اس نے سالاروں وغیرہ کو بیت المقدس تک پہنچنے کا راستہ نقشے پر دکھایا۔ اُس نے نقشے پر اُن جگہوں پر نشان لگا رکھے تھے جہاں کچھ دن پہلے صلیبیوں کی چوکیاں تھیں اور اب وہاں اپنے چھاپہ مار تھے یا ہراول کی تھوڑی تھوڑی نفری تھی یا وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ راستہ صاف تھا۔ ایسی جگہوں پر بھی اُس نے نشان لگا رکھے تھے جہاں صلیبیوں کی قلعہ بندیوں کی ساخت کی چوکیاں ابھی موجود تھیں اور اُن میں نفری کچھ زیادہ تھی۔ سلطان ایوبی نے سب کو بتایا کہ اس نے اُن پر قبضہ کرنے کی کوشش ہی نہیں کیونکہ وہ اپنی جنگی طاقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا علاج اس نے یہ بتایا کہ یہ سب چوکیاں بلندیوں پر ہیں، اس لیے انہیں نظر انداز کر کے ذرا سا دُور سے گزرنا ہے۔ ان میں جو فوج ہے وہ ان میں بیٹھی رہے۔ یہ تھوڑی تھوڑی نفری باہر آ کر ہمارا راستہ روکنے کی جرأت نہیں کرے گی۔

''لیکن دُور سے ہمیں دیکھ کر ان میں سے قاصد بیت المقدس جا خبر دیں گے''۔ ایک سالار نے کہا۔ ''پھر ہم

بیت المقدس والوں کو بے خبری میں نہیں لے سکیں گے"۔

"بے خبری میں جالینے کی اُمید دل سے نکال دو"۔ سلطان ایوبی نے کہا...... "صلیبیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم بیت المقدس جا رہے ہیں۔ ان کا انداز بتاتا ہے کہ وہ بیت المقدس کے راستے میں ہمارے مقابلے میں نہیں آئیں گے۔ ایک تو شہر میں پہلی فوج ہے جو کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئی۔ یہ شہر کے دفاع کے لیے محفوظ اور تیار رکھی گئی ہے، وہاں سے جاسوس اطلاع لائے ہیں کہ یہ فوج دِن رات محاصرے میں لڑنے اور محاصرہ توڑنے کی مشق کرتی رہتی ہے۔ اس میں اضافہ یوں ہوا ہے کہ ہم نے جو مقامات فتح کیے وہاں کی بھاگی ہوئی فوج بھی بیت المقدس چلی گئی ہے۔ اس میں زرہ پوش نائٹ بھی ہیں۔ ہمارے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ محاصرے کے دوران یہ نائٹ دروازوں سے باہر آ کر حملے کریں گے اور ہر حملے کے بعد شہر میں چلے جائیں گے۔ انہوں نے یہ طریقہ ہم سے سیکھا ہے۔ چھپٹا مارو اور غائب ہو جاؤ۔ لہٰذا یہ نہ سمجھو کہ تم دشمن کو بے خبری میں جالو گے۔ دشمن تمہارے انتظار میں تیار کھڑا ہے، پھر بھی میں نے انتظام کر رکھا ہے کہ صلیبیوں کی کسی چوکی سے کوئی قاصد بیت المقدس نہ پہنچ سکے۔ بیت المقدس اور اُن کی چوکیوں کے درمیان ہمارے چھاپہ مار موجود ہیں۔ کسی کو زندہ نہیں جانے دیں گے......

"فوج کی تعداد کے متعلق جاسوس مختلف اطلاعیں لائے ہیں۔ ان سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ بیت المقدس کے اندر صلیبیوں کی باقاعدہ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار سے کچھ زیادہ ہو سکتی ہے، کم نہیں ہوگی۔ یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ وہاں مسلمان قید اور نظر بندی میں ہیں، اس لیے وہ اندر سے ہماری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ اس مقابلے میں عیسائی شہری اپنی فوج کے دوش بدوش محاصرے میں بے جگری سے لڑیں گے۔ عیسائیوں نے اپنے بچوں کو بھی تیر اندازی کی تربیت دے رکھی ہے۔ شہر کی دیواروں کے اوپر سے ہم پر تیر صحیح معنوں میں موسلا دھار بارش کی طرح آئیں گے۔ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ صلیبی تیر پھینکنے کے لیے ایک نئی کمان لائے ہیں جس کی شکل صلیب کی سی ہے۔ اس سے تیر دُور بھی جاتا ہے اور نشانہ بھی صحیح ہوتا ہے"۔

سلطان ایوبی نے نقشے پر حاضرین کو تمام جگہیں اور راستے وغیرہ دکھائے پھر محاصرے کے متعلق ہدایات دیں اور سب سے پوچھا کہ یہ آخری اجلاس ہے، اس لیے کسی کے ذہن میں کوئی ذرا سا بھی شک ہو تو وہ رفع کر لے اور کوئی سوال خواہ وہ کتنا ہی بے معنی کیوں نہ ہو، پوچھ لے۔ قاضی بہاؤ الدین شداد جو اس تاریخی جنگی مہم میں سلطان ایوبی کے ساتھ تھا، اپنی ڈائری "سلطان یوسف پر کیا افتاد پڑی" میں لکھتا ہے...... "سلطان ایوبی نے (اس آخری اجلاس میں) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سنائی...... "جس کے لیے کامیابی کا دروازہ کھل جاتا ہے، اُسے فوراً داخل ہو جانا چاہیے، معلوم نہیں، یہ دروازہ کب بند ہو جائے۔ سلطان ایوبی بہت تیزی سے مقبوضہ علاقے اور قلعے فتح کرتا آ رہا ہے، اس لیے وہ بیت المقدس پر یلغار کو التوا میں ڈالنے کے سخت خلاف تھا۔ اُس نے کہا...... "خدا نے ہماری کامیابی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ بند ہونے سے پہلے اس میں داخل ہو جاؤ"۔

"میرے رفیقو!" اُس نے نقشہ الگ رکھتے ہوئے کہا...... "حطین کی جنگ سے پہلے میں نے تمہیں ایک دو باتیں کہی تھیں، انہیں دُہرانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد ہم باتیں نہیں کر سکیں گے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ہم ایک دوسرے کو زندہ ملیں گے بھی یا نہیں۔ اس سے پہلے ہم نے صرف لڑائیاں لڑی ہیں۔ خانہ جنگی میں ایک دوسرے کا خون بہایا اور دشمن کو وقت اور مواقع فراہم کیے ہیں کہ ہمارے علاقوں میں اپنے قلعے مضبوط اور بیت المقدس کا دفاع مستحکم کر لے، پھر ہم زمین دوز جنگ لڑتے رہے۔ صلیبی طلسماتی حُسن والی اور ناز و ادا اور چرب زبانی کی ماہر لڑکیاں ہمارے امیروں،

وزیروں، فوجی اور شہری حاکموں کے پاس بھیجتے رہے۔ صلیبیوں نے تخریب کاری اور سازش کے ماہرین ہماری صفوں میں داخل کیے۔ ان لڑکیوں اور ان آدمیوں نے جو تباہی مچائی، اس سے تم میں سے کوئی بھی بے خبر نہیں۔ علی بن سفیان، غیاث بلبیس اور ان کے محکموں نے بڑی جانفشانی سے اس نظر نہ آنے والے محاذ پر دشمن کا مقابلہ کیا۔ میرے ہاتھوں تجربہ کار حکام اور سالار غداری کے جرم میں قتل ہوئے۔ بغاوتیں ہوئیں اور ہم نے دبائیں......

''دشمن کا مقصد کیا تھا؟...... نظریاتی تخریب کاری اور ہمارے مذہب اور ایمان کو کمزور کرنا اور ہماری اُٹھتی ہوئی نسل کو ذہنی عیاشی کا عادی بنا دینا۔ دشمن نے ہمارے درمیان ایمان فروش پیدا کیے۔ دشمن کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے قبلۂ اوّل پر قابض رہے اور ہمارے ایمان فروش بھائیوں کی مدد سے مکہ معظمہ پر بھی قابض ہو جائے، تم بھولے نہیں ہو گے کہ پانچ سال گزرے جب میں شمالی علاقوں میں دشمن سے اُلجھا ہوا تھا، ریجنالڈ (شہزادہ ارناط) مدینہ منورہ سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا تھا۔ یہ میرے بھائی الملک العادل اور امیر البحر حسام الدین لولوء کا کمال تھا کہ انہوں نے بروقت حرکت کی اور اس صلیبی کو پسپا کیا۔ میں نے اُسے اپنے ہاتھوں قتل کر کے انتقام لے لیا ہے......

''دشمن کا مقصد ہمارے مذہب کے سرچشموں کو بند کرنا اور انہیں عیسائیت کا منبع بنانا ہے۔ ہمیں دشمن کے مقصد اور عزائم کو تباہ کرنا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس جنگ کے اس پہلو کو سامنے رکھو، یہ ہماری نظریاتی جنگ ہے۔ مذہب تلوار کے زور سے پھیلا تھا یا نہیں لیکن مذہب کے تحفظ کے لیے میں تلوار کو ضروری سمجھتا ہوں۔ قوم نے تلوار سپاہی کے ہاتھ میں دی ہے اور قوم کی تاریخ نے نظر ہم پر لگا دی ہیں۔ خدائے ذوالجلال کی نظریں بھی قوم کے سپاہی پر لگی ہوئی ہیں۔ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رُوحِ مبارک ہمیں دیکھ رہی ہے۔ ذرا غور کرو، ہماری ذمہ داری کتنی مقدس اور ہمارا فرض کتنا عظیم ہے۔ اللہ کا سپاہی حکومت نہیں کرتا، اللہ کی حکومت کا تحفظ کیا کرتا ہے''۔

سلطان ایوبی نے جذباتی سی آہ لے کر کہا...... ''آہ میرے رفیقو! سولہ ہجری کا ربیع الاوّل یاد کرو جب عمرو بن العاصؓ اور ان کے ساتھی سالاروں نے بیت المقدس کو کفار سے آزاد کرایا تھا۔ حضرت عمرؓ اُس وقت خلیفہ تھے۔ وہ بیت المقدس گئے۔ حضرت بلالؓ اُن کے ساتھ تھے۔ ان سب نے مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھی تھی اور اس نماز کی اذان بڑی مدت بعد حضرت بلالؓ نے دی تھی۔ حضرت بلالؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد ایسے خاموش ہوئے تھے کہ لوگ اُن کی پُرسوز آواز کو ترس گئے تھے۔ انہوں نے اذان دینی چھوڑ دی تھی، لیکن مسجدِ اقصیٰ میں آ کر حضرت عمرؓ نے انہیں کہا کہ بلالؓ! مسجدِ اقصیٰ اور بیت المقدس کے در و دیوار نے بڑی لمبی مدت سے اذان نہیں سنی۔ آزادی کی پہلی اذان تم نہ دو گے؟''...... حضور مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد پہلی بار حضرت بلالؓ نے اذان دی اور جب انہوں نے کہا ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' تو مسجدِ اقصیٰ میں سب کی دھاڑیں نکل گئی تھیں......

''میرے عزیز دوستو! ہمارے دَور میں ایک بار پھر مسجدِ اقصیٰ اذان کو ترس رہی ہے۔ نوّے برسوں سے اس عظیم مسجد کے در و دیوار کسی مؤذن کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ یاد رکھو، مسجدِ اقصیٰ کی اذانیں ساری دُنیا میں سنائی دیتی ہیں۔ صلیبی ان اذانوں کا گلا گھونٹ رہے ہیں...... اس مقدس مقصد کو سامنے رکھو۔ ہم کوئی عام سی جنگ لڑنے نہیں جا رہے ہیں، ہم اپنے خون سے تاریخ کا وہ باب پھر لکھنے جا رہے ہیں جو عمرو بن العاصؓ اور اُن کے ساتھیوں نے لکھا اور ان کے بعد آنے والوں نے اس درخشاں باب پر سیاہی پھیر دی تھی، اگر چاہتے ہو کہ خدا کے حضور ماتھوں پر روشنی لے کر جاؤ اور اگر چاہتے ہو کہ آنے والی نسلیں تمہاری قبروں پر آ کر پھول چڑھایا کریں تو تمہیں بیت المقدس میں یہ منبر رکھنا ہو گا جو بیس سال گزرے نور

الدین الدین زنگی مرحوم و مغفور نے وہاں رکھنے کے لیے بنوایا تھا''۔

اُس نے یہ منبر سب کو دکھایا اور کہا...... ''یہ منبر زنگی مرحوم کی بیوہ اور اُس کی بیٹی لائی ہیں۔ ہمیں اس بیٹی کی لاج رکھنی ہے جو قوم کی دو سو بیٹیاں کو ساتھ لائی ہے کہ ہم میں سے کوئی میدانِ جنگ میں پیاسا نہ مر جائے۔ کوئی زخموں سے اس لیے نہ مر جائے کہ مرہم پٹی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ تم جانتے ہو کہ میں میدانِ جنگ میں عورتوں کو لانے کے حق میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ ان لڑکیوں کو میں نے اس لیے رکھ لیا ہے کہ غیرت اور قومی وقار کی یہ علامت ہمارے سامنے رہے اور ہم سب یاد رکھیں کہ ہماری اسی قسم کی بیٹیاں بیت المقدس میں کفار کی درندگی اور عیاشی کا شکار ہو رہی ہیں۔ یاد رکھو میرے رفیقو! قوم کی بیٹی اور قوم کے شہید کو فراموش کر دینے والی قوم کو خدا بھی فراموش کر دیا کرتا ہے اور اُس کی لوحِ تقدیر پر عمر بھر کی لعنت لکھ دی جاتی ہے...... یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ تم روزِ قیامت لعنتیوں میں اُٹھائے جاؤ گے یا اُن میں جن کے متعلق رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خدا سے کہیں گے کہ یہ ہیں وہ سرفروش جنہوں نے کفر کے طوفان کو روکا اور تیرے مذہب کا نام بلند کیا تھا''۔

سلطان ایوبی ایسی جذباتی باتیں کرنے کا عادی نہیں تھا لیکن (قاضی بہاؤ الدین شداد اور اُس دور کے وقائع نگاروں کی غیر مطبوعہ تحریروں کے مطابق) بیت المقدس کے معاملے میں وہ اس قدر جذباتی تھا کہ جب بھی اُس کا ذکر کرتا، اُس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے یا وہ غصے میں ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کے گھونسے مارنے لگتا اور بے چینی سے اُٹھ کر ٹہلنے لگتا تھا۔ اس آخری جنگی اجلاس میں اُس نے سالاروں وغیرہ کے جذبات کی یہ حالت کر دی کہ وہ جب باہر نکلے تو انہوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی۔ اُن کی چال ڈھال ہی بدل گئی تھی۔ وہ سیدھے اپنے اپنے دستوں میں گئے اور اپنے کمان داروں کی بھی جذباتی حالت وہی کر دی جو اُن کی اپنی اور سلطان ایوبی کی تھی۔

☆

سب چلے گئے تو سلطان ایوبی نے بحریہ کے کمانڈر الفارس بیدرون کو اپنے پاس بلایا اور اُس سے پوچھا کہ سمندر کی کیا خبر ہے۔ الفارس نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ اس کے جہاز گشت کرتے رہتے ہیں اور سکندریہ سے اُسے پیغام ملتے رہتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلیبیوں کے بحری بیڑے کے کوئی آثار نہیں۔ ٹائر کی بندرگاہ میں اُن کے جنگی جہاز موجود ہیں۔ میرے جاسوس چھوٹی بادبانی کشتیوں میں ماہی گیروں کے بہروپ میں وہاں جاتے رہتے ہیں۔ ٹائر اور اس سے آگے صلیبیوں کے بیڑے میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ جو بیڑہ موجود ہے، یہ تیاری کی حالت میں ہے اور صلیبیوں نے جہازوں میں جل کر اُڑنے والے بارود کی نلکیاں لگا دی ہیں جو دُور سے آتی ہیں اور بادبانوں کو آگ لگا دیتی ہیں۔

''یہ نلکیاں اتنی ہی دُور سے آسکتی ہیں جتنی دُور تمہارے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر جا سکتے ہیں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں''۔

''ہم میں سے کسی کے بھی دِل میں ڈر نہیں''۔ الفارس نے کہا...... ''بحری چھاپہ مار اس حد تک تیار ہیں کہ بحری جنگ کے دوران وہ چھوٹی کشتیوں میں دشمن کے جہازوں کے قریب جا کر اُن میں سوراخ کرنے اور اُن پر آگ پھینکنے کو تیار ہیں''۔

''بشرطیکہ جنگ رات کو ہو''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''دِن کے وقت کسی چھاپہ مار کو سمندر میں نہ اُتارنا۔ جوش میں آکر جانیں ضائع ہوں گی...... محتاط رہنا الفارس! جس طرح تم ماہی گیروں کے بہروپ میں اپنے جاسوس ٹائر تک بھیجتے ہو، اسی طرح دشمن کے جاسوس تمہارے جہازوں کے قریب آتے ہوں گے۔ اپنے جہازوں کو ایک دوسرے سے دُور رکھنا تا کہ اچانک حملے کی صورت میں سب گھیرے میں نہ آجائیں۔ انہیں اس طرح پھیلا رکھو کہ دشمن کو گھیرے میں لے سکو۔

آپس کا رابطہ دن میں جھنڈیوں سے اور رات کو بتیوں سے رکھو"۔

جب الفارس سلطان ایوبی سے رخصت ہوا، سحر کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ نماز کے لیے وہیں رُک گیا۔

"الفارس!" اُسے اپنے قریب آواز سنائی دی۔ اُس نے دیکھا۔ وہ انٹیلی جنس کا کمانڈر حسن بن عبداللہ تھا، اُس نے الفارس سے ہاتھ ملا کر پوچھا..... "مبارک ہو بھائی! ایک ہی بار دو لڑکیوں سے شادی کر لی ہے؟ دونوں کو ساتھ رکھا ہوا ہے؟ اپنے ساتھ مروانے کا ارادہ ہے؟"

"اوہ حسن!" الفارس نے اندھیرے میں اُسے پہچانتے ہوئے کہا..... "وہ تو یار، پناہ گزین لڑکیاں ہیں، یہیں ساحل پر چھپی ہوئی تھیں۔ خانہ بدوش ہیں۔ کہتی تھیں کہ اُن کا سارا قبیلہ جنگ کی زد میں آکر گھوڑوں تلے کچلا گیا ہے"۔

"اور یہ محض اتفاق ہے کہ یہ دو لڑکیاں زندہ رہیں اور ساحل تک پہنچ گئیں"۔ حسن بن عبداللہ نے کہا..... "صلیبیوں نے باقی سب خانہ بدوشوں کو گھوڑوں تلے روند ڈالا اور اتنی زیادہ خوب صورت دو لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا..... سمندر میں رہ رہ کر تم خشکی پر رہنے والے انسانوں کی فطرت کو شاید بھول گئے ہو"۔

الفارس ہنس پڑا اور بولا..... "حسن بھائی! جاسوسی کرتے کرتے تم اب چیلوں اور کوؤں کو بھی صلیبیوں کے جاسوس سمجھنے لگے ہو۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ یہ لڑکیاں دشمن کی جاسوس ہوں گی"۔

"ہو سکتی ہیں"۔ حسن نے کہا..... "تم کچھ زیادہ ہی زندہ دِل ہو، الفارس! ان لڑکیوں کو ٹائر کے قریب ساحل پر اُتار آؤ۔ اجنبی لڑکیوں کو جنگی جہاز میں رکھنا مناسب نہیں"۔

"یہ نیکی نہیں ہوگی کہ میں انہیں مصر لے جا کر اُن کے ساتھ شادی کر لوں؟" الفارس نے کہا..... "یا ایک کے ساتھ شادی کر لوں اور دوسری کی شادی کسی اور اچھے آدمی سے کرا دوں؟ غریب لڑکیاں ہیں۔ انہیں ساحل پر اُتار دو تو تم جانتے ہو کہ صلیبی اُن کے ساتھ کیا سلوک کریں گے"۔

"ہو سکتا ہے، وہ صلیبی ہی ہوں"۔ حسن بن عبداللہ نے کہا..... "سنو الفارس! تم بچے نہیں ہو۔ معمولی سپاہی بھی نہیں ہو، بحریہ کے تجربہ کار کمانڈر ہو۔ سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم فرصت کا سارا وقت ان لڑکیوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے گزارتے ہو۔ ہزار قسمیں کھاؤ، میں نہیں مانوں گا کہ تم نے انہیں پاک صاف اور نیک لڑکیاں بنا کے رکھا ہوا ہے۔ وہ اگر تمہیں دھوکہ نہ دیں تو تم اپنے آپ کو دھوکہ دے سکتے ہو۔ حسین اور جوان عورت کا جادو فرائض سے گمراہ کر دیتا ہے..... بہت کچھ ہو سکتا ہے الفارس! ان لڑکیوں کو کہیں چھوڑ آؤ"۔

"اگر میں نے تمہارا کہنا نہ مانا تو؟"

"تو مجھے دیکھنا پڑے گا کہ یہ لڑکیاں کیسی ہیں"۔ حسن بن عبداللہ نے کہا..... "اگر مشکوک ہیں تو میں انہیں تمہارے جہاز سے اُتروا کر اپنے پاس بلا لوں گا، مگر میں تم پر چھوڑتا ہوں۔ ہم پرانے دوست ہیں۔ تم خود ہی کوشش کرو کہ میں فرض کی ادائیگی میں دوستی کو قربان نہ کر دوں"۔

"مجھ سے کسی بے ہودگی کی توقع نہ رکھو حسن!" الفارس نے کہا..... "تم دوستی کی بات کرتے ہو۔ میں تو فرض کی ادائیگی میں اپنی جان بھی قربان کر دوں گا۔ یہ لڑکیاں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ مجھے ان پر ذرا سا بھی شک ہوا تو انہیں ساحل پر اُتاروں گا نہیں، زندہ سمندر میں پھینک دوں گا"۔

"واپس کس وقت جا رہے ہو؟" حسن بن عبداللہ نے پوچھا۔

''نماز پڑھ کر کچھ دیر سوؤں گا۔ بہت تھک گیا ہوں''۔ الفارس نے کہا..... ''پھر چلا جاؤں گا۔ شام تک کشتی جہاز تک پہنچا دے گی''۔

☆

الفارس سے فارغ ہو کر حسن بن عبداللہ اُس کمرے کی طرف چلا گیا جہاں اُس کے محکمے کے آدمی رہتے تھے۔ ان میں سے ایک کو باہر بلا کر اُسے کہا کہ الفارس بیدرون کا جہاز فلاں مقام پر لنگر انداز ہے۔ وہ کشتی میں جہاز تک جائے اور الفارس کے نائب رؤف کُرد سے کہے کہ اُسے حسن بن عبداللہ نے بھیجا ہے۔ رؤف کُرد کے نام حسن نے پیغام دیا کہ اِس آدمی کو کسی ڈیوٹی پر لگا لے۔ اُسے دونوں لڑکیوں کے متعلق معلوم کرنا ہے کہ جہاز میں ان کی کوئی درپردہ سرگرمی تو نہیں؟ اگر ہے تو لڑکیوں کو جہاز سے ہٹا کر اپنے پاس بلا لیا جائے۔

حسن بن عبداللہ نے اپنے اس آدمی کو ہدایات دیں اور ایک بادبانی کشتی کا انتظام کر کے اُسے رخصت کر دیا۔ ہوا کا رُخ بڑا اچھا تھا اور ہوا تیز تھی۔ کشتی جلدی جہاز تک پہنچ گئی۔ جہاز سے رسہ لٹکا کر اس آدمی کو اُوپر کر لیا گیا۔ وہ رؤف کُرد سے ملا۔ اُسے پیغام دیا اور اپنا مقصد زبانی بھی بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ تجربہ کار جاسوس ہے۔ رؤف کُرد کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اُسے یہ آدمی اچھا نہیں لگا، لیکن اس آدمی کے خلاف وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے دِل میں جتنی قدر ایک جاسوس کی ہے، اتنی سالار کی بھی نہیں اور ایک جاسوس کی رپورٹ پر ایک سالار کو سزائے موت دی جاسکتی ہے، چنانچہ اس نے حسن بن عبداللہ کے اس جاسوس کی خاطر تواضع کی۔

''آپ لڑکیوں کو پہلے دِن سے دیکھ رہے ہیں''۔ جاسوس نے رؤف کُرد سے پوچھا..... ''اُن کے متعلق آپ کو ذرا سا بھی شک ہے تو بتا دیں۔ ہم انہیں عسقلان تفتیش کے لیے لے جائیں گے''۔

''میں نے ابھی تک اِن کی کوئی حرکت مشکوک نہیں دیکھی''۔ رؤف کُرد نے جواب دیا..... ''زیادہ تر الفارس کے کمرے میں رہتی ہیں''۔

رؤف کُرد کو فوراً فلوری کا خیال آ گیا تھا۔ اگر جاسوس ایک روز پہلے آتا تو رؤف کُرد کا جواب یہ ہوتا کہ اِن لڑکیوں کو یہاں سے لے جاؤ کیونکہ چھ جہازوں کا کمانڈر ان لڑکیوں کے ساتھ مگن رہتا ہے، مگر فلوری نے گزشتہ رات اُسے بتایا تھا کہ وہ اُسے دِل و جان سے چاہتی ہے۔ روزی اُن کی ہم راز تھی۔ اب رؤف کُرد کسی قیمت پر فلوری سے جُدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس کے دِل میں الفارس کی دشمنی پیدا ہو گئی تھی لیکن وہ الفارس کو لڑکیوں سے محروم نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ خود فلوری سے محروم ہو جاتا۔

''مجھے اب آپ کے ساتھ رہنا ہے''۔ جاسوس نے کہا..... ''الفارس کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ میں جاسوسی کے لیے یہاں آیا ہوں۔ آپ نے حکم پڑھ لیا ہے۔ میں خود دیکھوں گا کہ لڑکیاں کیسی ہیں اور کیا کرتی ہیں۔ مجھے اگر ان پر جاسوسی کا نہیں، صرف یہ شک بھی ہوا کہ الفارس ان میں فرائض کے اوقات میں محو رہے ہیں تو میں ان لڑکیوں کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ اگر الفارس کو پتہ چل گیا کہ میں یہاں جاسوسی کر رہا ہوں تو مجھے آپ کے خلاف یہ بیان دینا پڑے گا کہ میرے متعلق الفارس کو آپ نے بتایا ہے کیونکہ آپ کے سوا کسی کو علم نہیں کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں''۔

یہ جنگی جہاز تھا جس میں جہاز کا عملہ بھی تھا اور اس میں بحری لڑائی کی تربیت یافتہ بڑی فوج بھی تھی۔ جہاز کی صفائی وغیرہ، کھانا پکانے اور دیگر کاموں کے لیے فوجی ملازم بھی تھے۔ وہاں ایک آدمی کا اصل روپ چھپائے رکھنا مشکل نہ

تھا۔ الفارس کمانڈر تھا۔ وہ اِن چھوٹے ملازموں اور سپاہیوں میں سے کسی کو الگ کر کے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ آدمی اجنبی ہے جسے اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ رؤف کُرد جگہ جگہ گھوم پھر سکتا تھا مگر رؤف کو یہ شخص بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

جاسوس نے اُسی روز دونوں لڑکیوں کو دیکھ لیا اور اس نے اُسی روز رؤف کُرد سے کہہ دیا ..... ''یہ لڑکیاں خانہ بدوش نہیں اور یہ مصیبت زدہ بھی نہیں۔ مجھے شک ہوگیا ہے''۔

''اتنے دنوں سے ہمارے ساتھ ہیں''۔ رؤف کُرد نے کہا..... ''مجھے ان پر کوئی شک نہیں ہوا''۔

''آپ کی آنکھ وہ نہیں دیکھ سکتی جو میری آنکھ دیکھ سکتی ہے''۔ جاسوس نے کہا..... ''ٹھنڈے علاقوں کی خانہ بدوش عورتوں کے رنگ ایسے ہی ہوتے ہیں لیکن اُن کی آنکھوں کا رنگ ایسا نہیں ہوتا اور ان میں یہ نفاست اور نزاکت نہیں ہوتی..... محترم! ہماری جنگ ایسی ہی لڑکیوں سے رہتی ہے۔ یہ لڑکیاں یہاں نہیں رہیں گی''۔

''کچھ دن دیکھ لو''۔ رؤف کُرد نے کہا..... ''کہیں ایسا نہ ہو کہ جو واقعی مصیبت زدہ ہوں اور تم انہیں کسی اور مصیبت میں ڈال دو''۔

''ہاں!'' جاسوس نے کہا۔ ''میں جلدی بازی نہیں کروں گا۔ کچھ دن دیکھ کر یقین کروں گا''۔

☆

سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے ٹھیک کہا تھا کہ بیت المقدس میں جو صلیبی جرنیل ہیں، انہیں معلوم ہے کہ اسلامی فوج بیت المقدس پر آرہی ہے۔ اِدھر جب سلطان ایوبی اپنے سالارں کو آخری ہدایات دے رہا تھا، اُدھر بیت المقدس میں صلیبی ہائی کمانڈ اپنے جرنیلوں کو محاصرے میں لڑنے کے لیے تیار کر رہی تھی۔

''ہم صلاح الدین ایوبی کو راستے میں نہیں روکیں گے''..... اُن کا کمانڈر اِن چیف کہہ رہا تھا ''بے شک اس کی فوج تعداد میں کم ہے لیکن اُسے اسلحہ اور رسد کی کوئی پریشانی نہیں۔ اُس کے امدادی انتظامات مضبوط اور قابلِ اعتماد ہیں۔ اُسے بیت المقدس کا محاصرہ کرنے دو۔ ہمارے پاس لمبے عرصے کے لیے خوراک اور دیگر سامان موجود ہے۔ اگر محاصرہ طویل اور خوراک کم رہ گئی تو ہم مسلمانوں کو بھوکا اور پیاسا رکھیں گے۔ اس سے خوراک بچے گی اور کھانے والے بھی کم ہو جائیں گے۔ مجھے سب سے زیادہ بھروسہ نائٹوں پر ہے۔ انہیں باہر نکل کر حملے کرنے اور واپس آنا ہے۔ میں آپ سب کو یقین دلاتا ہوں کہ محاصرہ ناکام رہے گا''۔

''آپ نے فوج کی حالت کو پیشِ نظر نہیں رکھا''۔ ایک جرنیل نے کہا..... ''شہر میں فوج کی آدھی نفری ایسی ہے جو حطین سے عسقلات تک کی لڑائیوں سے بھاگی ہوئی ہے اور اُن کا لڑنے کا جذبہ سرد پڑ گیا ہے، بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ان پر صلاح الدین ایوبی کی فوج کا خوف طاری ہوگیا ہے۔ تازہ دم دستے وہی ہیں جو شہر میں موجود رہے ہیں، میدانِ جنگ میں نہیں گئے''۔

''ہم نے اس مسئلے کا حل نکال لیا ہے''..... کمانڈر اِن چیف نے کہا..... ''پادری فوج میں گھومنے پھرنے لگے ہیں۔ وہ سپاہیوں کو انجیل کے حوالے دے کر ذہن نشین کرا رہے ہیں کہ اسلامی فوج کو شکست دینا کیوں ضروری ہے اور یہ مذہبی فریضہ ہے..... اگر جرنیل اور دیگر کمانڈر اُسے مذہبی جنگ سمجھ کر لڑیں گے تو سپاہی بھی مذہبی جوش و خروش سے لڑیں گے۔ اگر ہم بیت المقدس کی جنگ ہار گئے تو تیرہ روم بھی ہمیں پناہ نہیں دے سکے گا۔ صلاح الدین ایوبی کیوں کامیاب ہوا

اُس نے خانہ جنگی بھی جیت لی۔ ہم نے جن مسلمان حکمرانوں کو اُس کے خلاف کیا تھا وہ اُس کے مطیع ہو گئے۔ ہم نے اپنی بیٹیوں کی عصمتوں سے اُس کی جنگی طاقت اور سلطنت کو کمزور کرنے کی کوشش کی، مگر یہ قربانی بھی ضائع ہوئی۔ یہ شاید ہماری غلطی تھی کہ ہم نے عورت کو استعمال کیا اور اس اُمید پر بیٹھ گئے کہ صلاح الدین ایوبی گھر بیٹھے مر جائے گا"۔

"ہماری کوئی قربانی ضائع نہیں ہوئی"۔ بطریقِ اعظم جو وہاں موجود تھا، بولا...... "آپ کی یہ سوچ غلط ہے کہ دو مذہبوں کی جنگ صرف فوجیں لڑا کرتی ہیں۔ اپنے مذہب کے فروغ اور دشمن مذہب کی تباہی کے لیے بے شک تلوار ضروری ہے لیکن دشمن کے ذہن اور اُس کی رُوح کو گمراہ کرنے کے لیے یہ طریقے ضروری تھے جن کے متعلق آپ کہہ رہے ہیں کہ قربانیاں ضائع ہوئیں۔ ہم اپنی ان بیٹیوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جنہوں نے اپنے غیر معمولی حُسن کی بدولت بڑے اونچے درجے کے حاکموں کی بیویاں بننا اور شاہانہ زندگی گزارنی تھی مگر انہوں نے اپنا آپ اور اپنا مستقبل صلیب پر قربان کر دیا اور وہ مسلمانوں کے حرموں اور درباروں میں ذلیل وخوار ہوئیں۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی انہوں نے کرائی۔ مسلمان حکمرانوں کے ایمان ان لڑکیوں نے خریدے۔ ایک ہی حکمران کے اہم حاکموں میں رقابت پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا......

"صلیب کے جرنیلو! یہ مت بھولو کہ دشمن کو مارنے کا بہترین طریقہ ہے کہ اُس میں ذہنی عیاشی اور جنسی جذبات پرستی پیدا کر دو۔ اُسے راگ رنگ اور جھوٹی لذتوں کا عادی بنا دو۔ اُس کے حکمرانوں کو تخت وتاج اور زر وجواہرات کی ہوس میں مبتلا کر دو۔ مسلمان دُنیا بھر کا مانا ہوا اور دلیر سپاہی ہے۔ جنگی جذبہ اور مذہبی جنگ (جہاد) کا جتنا جنون مسلمانوں میں ہے، اتنا ہم میں نہیں۔ جتنے اعلیٰ جرنیل مسلمانوں نے پیدا کیے ہیں، اتنے ہم نہیں کر سکے۔ یہ اُن کی روایت ہے۔ اگر ہم نے اُن کے ذہن بدلنے کی کوشش نہ کی تو ان کا جذبہ، مذہبی جنون اور ان کی روایت زندہ رہے گی۔ اگر اُن کی روایت زندہ رہی تو صلیب زندہ نہیں رہ سکے گی۔ اسلام یورپ تک گیا، ہندوستان اور اس سے اوپر چین تک گیا۔ چین کا امیر البحر مسلمان رہا۔ وہاں کے بعض جرنیل اب بھی مسلمان ہیں، ہندوستان کے مشرق میں بڑے بڑے جزیروں میں چلے جاؤ تو وہاں بھی تمہیں عربوں کی یعنی اسلام کی حکمرانی نظر آئے گی......

"آپ یہ طوفان صرف تلوار سے نہیں روک سکتے۔ یہ دوسرے طریقوں سے روکا جا سکے گا۔ ہمیں اسلام کے اس مرکز کو جسے مسلمان خانہ کعبہ کہتے ہیں، مردہ کرنا پڑے گا۔ بیت المقدس پر قبضہ برقرار رکھنا پڑے گا۔ مسلمان حکمران اور بادشاہ جہاں کہیں بھی ہیں، انہیں جنگی اور مالی مدد دے کر بے کار کرنا ہوگا اور اُس کے ساتھ ہی اُن کے حرموں میں اپنی تجربہ کار لڑکیاں اسی طرح داخل کرتے رہیں گے جس طرح عرب کی ریاستوں میں کرتے رہے ہیں۔ ہم نے یہ طریقہ یہودیوں سے سیکھا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی کردار کشی اور مذہبی بیخ کنی کا نہایت دانش مند منصوبہ بنا رکھا ہے اور وہ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ وہ ہماری مدد کر رہے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ وقت تیزی سے آرہا ہے کہ بیت المقدس پر ہمارا مستقل قبضہ ہو جائے گا۔ اس کے اردگرد دور دور کے علاقے بھی ہمارے قبضے میں ہوں گے۔ مسلمان ریاستوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اگر دشمن نہ ہوئے تو اُن میں اتحاد بھی نہیں ہوگا۔ یہودیوں کے دانشوروں نے صحیح کہا ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو بادشاہ سمجھیں گے لیکن ان کی بادشاہی اور آزادی کی باگ دوڑ ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ یہ کام آپ ہم پر چھوڑیں۔ یہ درپردہ اور زمین دوز کام دانشوروں کا اور مذہبی پیشواؤں کا ہے۔ آپ فوجی ہیں۔ میدانِ جنگ کی بات کریں۔ آپ کا بڑا ہی خطرناک دشمن بیت المقدس پر آرہا ہے۔ آپ اس کو شکست دینے کی سوچیں"۔

☆

وہ اتوار کی صبح تھی اور ۱۱۸۷ء کے ماہِ ستمبر کی بیس تاریخ تھی، جب سلطان ایوبی حیران کن تیز رفتاری سے بیت المقدس پہنچ گیا۔ ہجری کیلنڈر کے مطابق ۱۵ ار جب ۵۸۳ ہجری کا روز تھا۔ صلیبیوں کو سلطان ایوبی کا انتظار تھا لیکن انہیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس قدر تیزی سے آئے گا۔ اُس نے راستے میں صلیبیوں کی بلندیوں والی قلعہ بندیوں اور پوسٹوں کو نظر انداز (بائی پاس) کیا اور فوج کو گزار کر لے گیا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ قلعہ بندیوں سے صلیبیوں نے بیت المقدس کو قبل از وقت اطلاع دینے کے لیے قاصد روانہ کیے ہوں گے لیکن کوئی بھی وہاں تک نہ پہنچ سکا جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب سلطان ایوبی کے ہراول دستے شہر تک پہنچے تو اُس وقت اوپر دیوار پر دو چار سنتری کھڑے تھے۔ شہر کے دروازے بند تھے۔ اندر سے گرجوں کے گھنٹوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

نقارے اور بگل بج اُٹھے۔ دیوار پر ہر طرف انسانوں کے سر اُبھرنے لگے۔ اُن سروں پر فولادی خودیں تھیں اور کمانیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ ان سروں میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور پھر یوں نظر آنے لگا جیسے دیوار کے اوپر انسانی سروں کی ایک فصیل کھڑی کر دی گئی ہو۔ شہر کے مغرب کی جانب کچھ علاقہ چٹانی تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے خصوصی دستوں کو وہاں خیمہ زن کر دیا اور خود شہر کے اِردگرد یہ دیکھنے کے لیے گھومنے پھرنے لگا کہ دیوار کس جگہ سے کمزور ہے اور نقب کہاں لگائی جا سکتی ہے یا کہیں سے سرنگ کھودی جا سکتی ہے یا نہیں۔ سلطان ایوبی کے نقب زن جیش جانبازی میں مشہور تھے۔

اسلامی فوج شہر کے ہر طرف موجود تھی لیکن بڑا اجتماع مغرب کی جانب تھا جس جانب شہر کی دیوار کے دو مستحکم بُرج تھے۔ ایک داؤد بُرج اور دوسرا اتنکرڈ بُرج تھا۔ اِن میں دُور مار تیر انداز تھے اور وہاں منجنیقیں بھی نصب تھیں۔ سلطان ایوبی شہر کے اِردگرد دیوار کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ اس دوران مغرب کی جانب والے دستوں کے سالار نے آگ اور پتھر پھینکنے والی منجنیقیں نصب کرنی شروع کر دی۔ صلیبیوں نے بہادری کا یہ مظاہرہ کیا کہ اپنی دفاعی سکیم کے مطابق شہر کا ایک دروازہ کھول دیا۔ اس میں سے زرہ پوش نائٹ گھوڑوں پر سوار، ہاتھوں میں برچھیاں تانے سرپٹ گھوڑے دوڑاتے نکلے اور منجنیقیں نصب کرنے والے مجاہدین پر ہلّہ بول دیا۔ اُن کے پیچھے دروازہ بند کر دیا گیا۔

گھوڑوں کے گھومنے پھرنے کے لیے جگہ کافی تھی۔ نائٹ آہن پوش تھے۔ اس لیے اُن پر تیر کوئی اثر نہیں کرتے تھے۔ اُن کا ہلّہ (چارج) اس قدر تیز، شدید اور غیر متوقع تھا کہ مجاہدین کو پُر اثر مزاحمت کی مہلت نہ ملی۔ ان میں سے کئی نائٹوں کی برچھیوں سے زخمی اور شہید ہوئے اور پیچھے آنے والے گھوڑوں تلے کچلے گئے۔ گھوڑے بگولے کی طرح آئے تھے۔ اپنی اُڑاتی ہوئی گرد میں گھومیں اور جب دروازے کے قریب پہنچے تو دروازہ بند ہو گیا۔ وہ اپنے پیچھے خاک و خون میں تڑپتے کئی ایک مسلمان مہندس (منجنیقیں چلانے والے) چھوڑ گئے۔

سپاہی اُنہیں اُٹھانے کو دوڑے تو دو تین نسوانی آوازیں سنائی دیں...... ''پیچھے رہو، یہ ہمارا کام ہے''۔ اُس کے ساتھ ہی بہت سی لڑکیاں دوڑتی آئیں۔ اُنہوں نے درختوں کی ٹہنیوں کے بنے ہوئے سٹریچر اُٹھا رکھے تھے۔ بعض لڑکیوں کے کندھوں سے پانی کے چھوٹے مشکیزے لٹک رہے تھے۔ اوپر سے صلیبیوں کے تیر آ رہے تھے، جن سے دو تین لڑکیاں گر پڑیں۔ بہت سے مسلمان تیر انداز دوڑ کر لڑکیوں اور اوپر سے آنے والے تیروں کے درمیان آ گئے اور انہوں نے بُرجوں پر تیز تیر اندازی شروع کر دی جو تیر انداز پیچھے تھے، انہوں نے بھی بُرجوں اور دیوار کے اوپر بڑی ہی تیز تیر اندازی شروع کر دی۔ اوپر سے تیروں کا مینہ تھم گیا اور دونوں طرف کے تیروں کے سائے میں لڑکیاں زخمیوں کو اُٹھا لائیں اور پیچھے درختوں کے سائے میں لے گئیں۔

اسد الاسدی جو اُس دور کا وقائع نگار تھا، اپنی ایک غیر مطبوعہ تحریر میں لکھتا ہے کہ سپاہی ہر جنگ میں زخمی ہوتے تھے۔ انہیں اُٹھا کر جراحوں کے خیموں تک پہنچا دیا جاتا تھا مگر انہیں اُٹھانے والے انہی کی طرح مرد اور سپاہی ہوتے تھے اور اس معاملے میں کوتاہی بھی نہیں کرتے تھے لیکن بیت المقدس کے محاصرے میں لڑکیوں نے زخمیوں کو اُٹھایا اور جراحوں کے جیش کے ساتھ اُن کی مرہم پٹی میں ہاتھ بٹایا اور زخمیوں کے سر اپنی گودیوں میں رکھ کر پانی پلایا تو کئی ایک زخمی جو ہوش میں تھے جوش میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور للکارنے لگے۔ ''یہ زخم ہمیں لڑنے سے نہیں روک سکتے''...... اور ایسی آوازیں بھی سنائی دیں۔ ''ہم بیت المقدس کے اندر جا کر زخموں پر پٹی باندھیں گے''...... اور جب زخمیوں نے دیکھا کہ تین چار لڑکیوں کو بھی تیر لگے ہیں تو زخمیوں کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ لڑکیوں نے سب کے جوش اور جذبے میں آگ بھر دی تھی۔

☆

اسی مقام پر منجنیقیں نصب کرنے کے لیے مہندسوں کا ایک اور جیش آگے بڑھا۔ تیر اندازی تیز کر دی گئی۔ منجنیقیں نصب ہو گئیں۔ اُن سے وزنی پتھر اور آگ کے گولے پھینکے جانے لگے جو دیوار پر بھی گرتے تھے اور اندر بھی۔ دروازہ ایک بار پھر کھلا اور نائٹوں کے گھوڑے منجنیقوں کی طرف ہوا کی رفتار سے آئے تو اُن کے پہلو سے مسلمان سوار اُن پر ٹوٹ پڑے۔ عقب سے مزید مسلمان سوار اُن کی واپسی کا راستہ روکنے کو آ گئے۔ مسلمانوں نے نائٹوں کے گھوڑوں کو برچھیوں اور تلواروں سے زخمی کرنا شروع کر دیا۔ نائٹوں کی زرہ بکتر انہیں محفوظ رکھے ہوئے تھی۔

گھوڑوں کے ساتھ نائٹ بھی گرنے لگے۔ زمین پر انہیں گھائل کرنا اتنا مشکل نہ تھا، مگر وہ تجربہ کار لڑاکا سوار تھے۔ سب کو نہ گرایا جا سکا۔ اس کی بجائے وہ کئی ایک مسلمان سواروں کو گرا گئے۔ وہ واپس ہوئے تو مسلمان سواروں نے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر جو نائٹ گھوڑوں کی پیٹھوں پر رہے وہ اندر چلے گئے اور دروازہ بند ہو گیا...... اس کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بُرج داؤد کے سامنے اس طرح کے جو معرکے لڑے گئے وہ رفتار، شدت، خون ریزی اور دونوں طرف کی شجاعت کے لحاظ سے بے مثال مانے جاتے ہیں۔ دونوں فوجوں کے عزم اور جذبے کی پختگی کا اندازہ اِن معرکوں سے ہوتا تھا۔ مورخ بیان کرتے ہیں کہ بیت المقدس نے دونوں فوجوں پر جنون کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ وہ صلیبی سوار جو زخمی ہوئے اور باہر ہی گر پڑے وہ اس لحاظ سے بدقسمت تھے کہ انہیں اُٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ ستمبر کی گرمی اور دوپہر کا سورج انہیں زرہ بکتر میں جلا جلا کر مار رہا تھا۔ اُن کے مقابلے میں مسلمان زخمیوں کو لڑکیاں فوراً اُٹھا لے جاتیں، انہیں پانی پلاتیں، اُن کے منہ سر دھوتیں، ان کے کپڑے تبدیل کرتیں اور اُن میں کچھ لڑکیاں مشکیزے اُٹھائے چٹانوں میں کہیں سے پانی لا لا کر اُدھ موئی ہوئی جا رہی تھیں۔

سلطان ایوبی نے بھی یہ معرکے دیکھے۔ اُس پر بھی جنونی کیفیت طاری تھی۔ چٹانوں اور وادیوں سے وزنی پتھر لانے کے لیے خچر گاڑیاں مصروف تھیں۔ منجنیقیں رات کو بھی دیوار پر اور اندر پتھر پھینکتی رہتی تھیں۔ بُرجوں میں سے بھی پتھر اور آتش گیر سیال گولے آنے لگے۔ اُن کے پیچھے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیروں نے آگ لگا دی۔ دو تین منجنیقیں آگ کی لپیٹ میں آ گئیں اور ان کے مہندس جھلس گئے مگر سنگ باری جاری رہی۔

دیوار کی دیگر اطراف سے بھی پتھر اور آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینکی جا رہی تھیں۔ باہر کہیں کہیں زمین بلند تھی۔ وہاں سے پتھر اور ہانڈیاں (آتش گیر گولے) دیوار کے اوپر سے دُور اندر چلے جاتے تھے۔ اُن کے پیچھے فلیتے والے تیر بھی چلتے جاتے تھے۔ انہوں نے شہر میں کئی جگہوں پر آگ لگا دی۔ دھواں باہر سے نظر آ رہا تھا۔

☆

صلیبی فوج جو پہلے سے شہر میں اندر موجود تھی، اس کا مورال مضبوط تھا۔ دوسرے علاقوں سے جو فوجی بھاگ کر آئے تھے، اُن میں ایسے بھی تھے جو اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے حوصلہ منداور جوشیلے تھے اور اُن میں ایسے بھی تھے جن پر دہشت طاری تھی۔ یہ سب جم کر مقابلہ کر رہے تھے۔ اُن کے جوش وخروش سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو پسپا کر دیں گے۔ ایک اور دروازے سے بھی سوار باہر جا کر محاصرے پر حملہ کرنے لگے تھے، مگر شہریوں کی کیفیت فوجیوں سے مختلف تھی۔ شہریوں میں عکرہ اور عسقلان وغیرہ سے آئے ہوئے پناہ گزین عیسائی بھی تھے، وہ تو سراپا دہشت بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے سارے شہر میں دہشت پھیلا رکھی تھی۔ اُن کے سامنے سلطان ایوبی کی فوج نے کئی بستیاں سلطان کے حکم سے نذرِ آتش کی تھیں۔

بیت المقدس کے تمام گرجوں کے گھنٹے مسلسل بج رہے تھے۔ دن اور رات ایک ہو گئے تھے۔ عیسائی گرجوں میں ہجوم کیے ہوئے تھے اور پادریوں کے ساتھ آواز ملا کر بلند آواز سے دعائیہ گیت گا رہے تھے۔ شہر کے باہر سلطان ایوبی کی فوج کے نعرے شہر کے اندر یوں سنائی دیتے تھے جیسے گھٹائیں گرجتی آ رہی ہوں۔ شہر میں جلتے شعلے عیسائیوں کا دم خم ختم کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کے جو جاسوس شہر میں عیسائیوں کے بھیس میں موجود تھے، وہ اس طرح نفسیاتی حملے کر رہے تھے کہ دہشت ناک افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ایک افواہ یہ پھیلائی گئی کہ سلطان ایوبی بیت المقدس پر قبضہ نہیں کرے گا بلکہ شہر کو تباہ و برباد کر کے تمام عیسائیوں کو قتل کر دے گا اور اُن کی جوان لڑکیوں کو اور تمام مسلمان آبادی کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ دہشت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سب کو معلوم تھا کہ صلیب الصلبوت سلطان ایوبی کے قبضے میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یسوع مسیح عیسائیوں سے ناراض ہیں۔

اس دور کے مفکروں کی جو تحریریں ملتی ہیں، اُن سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائیوں کو اپنے وہ گناہ خوف زدہ کر رہے تھے جن کا تختۂ مشق انہوں نے وہاں کے مسلمانوں کو بنایا تھا (اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے) انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا، بچوں کو برچھیوں پر اُٹھا کر قہقہے لگائے اور مسلمان خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔ مسجدوں اور قرآن کی بے حرمتی کی تھی اور نوے برسوں سے مسلمان اُن کے وحشیانہ سلوک اور بربریت کا مسلسل شکار ہو رہے تھے۔ عیسائیوں نے اپنے عقیدے کے مطابق گرجوں میں جا کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا شروع کر دیا۔

موجودہ صدی کا ایک امریکی تاریخ دان انتھونی ویسٹ بہت سے مورخوں کے حوالوں سے لکھتا ہے کہ بیت المقدس کے عیسائی محاصرے میں اس قدر دہشت زدہ ہو گئے تھے کہ بہت سے عیسائی گلیوں میں نکل آئے۔ ان میں سے بعض سینہ کوبی کرنے لگے اور بعض اپنے آپ کو کوڑے مارنے لگے۔ یہ خدا سے گناہ بخشوانے کا ایک طریقہ تھا۔ جو عیسائی لڑکیاں جوان تھیں، اُن کی ماؤں نے اُن کے سروں کے بال بالکل صاف کر دیئے اور انہیں پانی میں غوطے دینے لگیں۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اس طرح یہ لڑکیاں بے آبرو ہونے سے بچ جائیں گی۔ پادریوں نے بہت کوشش کی کہ لوگوں کو اس خوف اور دہشت سے نجات دلائیں مگر اُن کے وعظ بے اثر ہو گئے تھے۔

مسلمان آبادی کی کیفیت کچھ اور تھی۔ تین ہزار سے زیادہ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے قید میں تھے۔ گھروں میں جو مسلمان تھے وہ نظر بندی کی زندگی گزار رہے تھے۔ عیسائیوں سے ڈرتے کسی مسجد میں نہیں جاتے تھے۔ تمام مسلمانوں کو پتہ چل گیا کہ سلطان ایوبی نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا ہے۔ انہوں نے عیسائیوں کی خوف زدگی اور بزدلی کے مظاہرے دیکھے تو کئی ایک جوشیلے مسلمان جوانوں نے چھتوں پر چڑھ کر اذانیں دینی شروع کر دیں۔ قید میں جو مسلمان

تھے، انہوں نے بلند آواز سے آیاتِ قرآنی اور درود شریف کا ورد شروع کر دیا۔ عورتیں گھروں میں تھیں یا قید میں، انہوں نے اللہ کے حضور آہ وزاری اور حمد وثنا شروع کر دی۔

عیسائی انہیں دیکھتے تھے مگر چپ رہے کیونکہ وہ پہلے ہی یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں پر جو وحشیانہ اور غیر انسانی ظلم وتشدد کیا ہے، انہیں اس کی سزا مل رہی ہے۔ وہ آنے والی سزا کے تصور سے کانپ رہے تھے، اس لیے اب وہ مسلمانوں کو اذان اور ورد وظیفے سے روکنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کا یہ رویہ دیکھا تو جواں سال مسلمان گلی گلی چلانے لگے..... ''امام مہدی آ گیا ہے''..... ہمارا نجات دہندہ آ گیا ہے..... شہر کی دیواروں کے اوپر سے آ رہا ہے..... دروازے توڑ کر آ رہا ہے''۔

شہر کے اندر حق اور باطل کی، گرجوں کے گھنٹوں اور اذانوں کی معرکہ آرائی تھی۔ باہر گھوڑوں، تلواروں، برچھیوں اور تیروں کے معرکے لڑے جا رہے تھے۔ جوں جوں گرجوں میں دُعائیہ گیت بلند ہوتے جا رہے تھے، تلاوتِ قرآنِ پاک بھی بلند سے بلند ہوتی جا رہی تھی۔ ننھے ننھے بچے بھی خدا کے حضور سجدہ ریز تھے..... مگر باہر سلطان ایوبی کو ابھی تک کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی جہاں سے دیوار میں شگاف ڈلوا سکتا یا سرنگ کھدوا سکتا۔ دیوار کے اوپر سے تیر موسلا دھار بارش کی مانند آ رہے تھے۔ مسلمان مہندسوں اور پتھر لانے والے سپاہیوں کے ہاتھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ زرہ پوش نائٹ ابھی تک باہر نکل نکل کر حملے کر رہے تھے اور انتہائی خون ریز معرکے لڑے جا رہے تھے۔

☆

چالیس میل دُور بحیرۂ روم میں الفارس بیدردن کے چھ جہاز پھیلے ہوئے گشت کر رہے تھے، تاکہ ٹائر میں صلیبیوں کا جو بحری بیڑہ ہے، وہ فوج اور سامان لے کر اِدھر نہ آ سکے۔ دونوں لڑکیاں اس کے جہاز میں تھیں مگر اُسے اب لڑکیوں کی طرف توجہ دینے کی مہلت نہیں ملتی تھی۔ سلطان ایوبی اور رئیس البحرین الحسن نے اُسے بڑی نازک ذمہ داری سونپی تھی۔ کبھی کبھی وہ خود مستول کے اوپر بنی ہوئی مچان پر چڑھ جاتا اور سمندر کی وسعت کو گہری نظروں سے دیکھتا رہتا تھا۔ دوسرے جہازوں میں بھی جاتا رہتا، تاکہ ہر جہاز کا عملہ اپنے فرائض سے غافل نہ ہو جائے۔

اس کے جہاز میں اس کا نائب رؤف کرد فلوری سے ملتا رہتا تھا جو بہت حد تک چوری چھپے کی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ حسن بن عبداللہ کا بھیجا ہوا جاسوس دونوں کو دیکھتا اور اُن پر گہری نظر رکھتا تھا۔

مصر کا بحری بیڑہ بحیرۂ روم میں دُور دُور تک گشت کرتا تھا، کیونکہ خطرہ تھا کہ یورپ، خصوصاً انگلستان سے بیت المقدس کو بچانے کے لیے مدد آئے گی۔ سلطان ایوبی کی طوفانی پیش قدمی اور صلیبیوں کے ہر قلعے اور شہر پر یلغار دیکھی تو انہوں نے جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک اور انگلستان کے شہنشاہ رچرڈ کو ان الفاظ کے پیغام بھیج دیئے تھے کہ عرب سے صلیب اکھڑ رہی ہے اور بیت المقدس کو بچانا مشکل نظر آ رہا ہے۔ ان پیغامات کا لبِ لباب یہ تھا کہ آؤ اور ہمیں بچاؤ۔ سلطان ایوبی کی توقع یہی تھی کہ بیت المقدس کی جنگ بحیرۂ روم میں بھی لڑی جائے گی جو بڑی خوفناک جنگ ہو گی، مگر جرمنی اور انگلستان سے کسی حرکت کی کوئی اطلاع نہیں آ رہی تھی۔ شکست خوردہ صلیبیوں کا بحری بیڑہ ٹائر کی بندرگاہ میں دبکا ہوا تھا۔ تاہم سلطان ایوبی کا رئیس البحر دشمن کی بحریہ کی اس خاموشی کو کسی خطرے کا پیش خیمہ سمجھ رہا تھا، اس لیے پوری طرح چوکنا تھا۔

☆

محاصرے کی چوتھی رات تھی۔ کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ صلیبی نائٹوں اور دیگر سواروں نے باہر آ کر

بڑے ہی دلیرانہ حملے کیے اور جانوں کی قربانی دی تھی۔ سلطان ایوبی نے جب چار دنوں کے اپنے زخمیوں اور شہیدوں کا حساب کیا تو اُس کے ماتھے کے شکن گہرے ہو گئے۔ اُس کے پاس اسلحہ اور سامان کی کمی نہیں تھی۔ مفتوحہ جگہوں سے اُس نے لمبی جنگ کے لیے اسلحہ وغیرہ اکٹھا کر لیا تھا مگر کمی نفری کی تھی۔ نفری تیزی سے کم ہو رہی تھی اور بیت المقدس کی دیوار اُس کے لیے بدستور چیلنج بنی ہوئی تھی۔

پانچویں دن سلطان ایوبی نے مغرب کی جانب یعنی داؤدبُرج کے سامنے سے کیمپ اُکھاڑ دیا اور وہاں کی لڑائی بند کرا دی۔ اس نے شمال کی طرف ایک جگہ دیوار کو کمزور دیکھا تھا۔ مغرب سے جب منجنیقیں ہٹائی جا رہی تھی اور دور پیچھے جو خیمے لگے ہوئے تھے، وہ اُکھاڑے جا رہے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سلطان ایوبی محاصرہ اُٹھا کر جا رہے ہیں۔ دیوار کے اوپر جو شہری عیسائی تھے انہوں نے شہر میں خبر پھیلا دی کہ محاصرہ اُٹھ گیا ہے اور مسلمانوں کی فوج پسپا ہو رہی ہے۔ سلطان ایوبی دیوار سے دُور فوج کو منتقل کر رہا تھا اور شام ہو گئی۔

شہر میں جہاں آہ وزاری، دہشت زدگی اور دعاؤں کا واویلا تھا، وہاں خوشی کے نعرے گرجنے لگے۔ رات ہی رات عیسائی گرجوں میں جمع ہو کر خدا کا شکر ادا کرنے لگے۔ عیسائی جو شام تک اپنے گناہوں کی بخشش مانگ رہے تھے۔ مسلمان شہریوں پر ظلم و تشدد کا از سرِ نو آغاز کرنے کا پروگرام بنانے لگے۔ اس کی ابتدا انہوں نے طعنوں اور گالیوں سے کی۔ مسلمان بجھ کے رہ گئے۔

دوسرے دن (۲۵ ستمبر ۱۱۸۷ء) بروز جمعہ دیوار پر کھڑے صلیبیوں نے دیکھا کہ شمال کی جانب جبلِ زیتون پر سلطان ایوبی کا جھنڈا لہرا رہا ہے اور اس سے آگے، دیوار سے ذرا ہی دُور مسلمانوں نے منجنیقیں نصب کر دی ہیں اور کم و بیش دس ہزار فوج (سوار اور پیادہ) حملے کے لیے تیار کھڑی ہے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی ہر جنگی مہم کا آغاز جمعہ کے روز اس وقت کیا کرتا تھا جس مسجدوں میں خطبے دیئے جا رہے ہوتے تھے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ دُعاؤں کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ بیت المقدس پر بھی اُس نے پوزیشن اور پلان بدل کر جمعہ کے روز فیصلہ کن حملہ کیا۔

شہر پر پہلے سے زیادہ پتھر اور ہانڈیاں گرنے لگیں۔ شہر میں فوراً خبر پھیل گئی کہ مسلمانوں کی اور زیادہ فوج آ گئی ہے اور اب شہر ایک دو دن کا مہمان ہے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ شہر میں دہشت زدگی کی نئی لہر آئی۔ لوگ گھروں سے نکل کر گلیوں اور بازاروں میں واویلا بپا کرنے لگے۔ مسلمانوں کی اذانیں ایک بار پھر سنائی دینے لگیں۔ عیسائیوں کی حالتِ زار سے خود پادری متاثر ہوئے۔ وہ صلیبیں ہاتھوں میں اُٹھائے گلی گلی، کوچہ کوچہ پھرنے لگے۔ وہ بھی روتے تھے اور دُعائیں مانگتے تھے۔

صلیبی سواروں نے ایک بار پھر نکل کر منجنیقوں پر ہلّہ بولا مگر سلطان ایوبی نے اب یہ معرکہ اپنی نگرانی میں لے لیا تھا۔ اُس کے سوار تین اطراف سے صلیبی سواروں کی طرف سرپٹ رفتار سے بڑھے اور انہیں پیس کر رکھ دیا۔ صلیبی مہندسوں تک پہنچ ہی نہ سکے اس کے بعد صلیبیوں نے دو اور ہلّے بولے لیکن مسلمان شاہسواروں نے انہیں دروازے سے زیادہ آگے نہ آنے دیا۔ سلطان ایوبی نے پہلی بار اپنے ایک نقب زن جیش (سرنگیں کھودنے اور دیواریں توڑنے والوں) کو آگے بڑھایا۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ ہر ایک کے ہاتھ میں لمبی ڈھال تھی جس کے پیچھے وہ سر سے پاؤں تک چھپا ہوا تھا۔ ان ڈھالوں کے علاوہ انہیں اوپر سے آنے والے تیروں سے بچانے کے لیے سلطان ایوبی کے ہزاروں تیر اندازوں نے نہایت تیزی سے دیوار کے اس حصے پر تیر برسانے شروع کر دیئے جس حصے کے نیچے نقب لگائی یا سرنگ کھودنی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس قدر زیادہ برسائے جا رہے تھے کہ دیوار اُن کے پیچھے چھپ گئی تھی اور دیوار کے اوپر کسی صلیبی کا سر نظر نہیں آتا تھا۔

وہاں ایک دروازہ تھا جس کے اوپر عمارت بنی ہوئی تھی۔ اس دروازے کے پیچھے بھی ایسا ہی ایک مضبوط دروازہ تھا۔ دونوں کے درمیان ڈیوڑھی تھی جس کے اوپر عمارت تھی۔ سلطان ایوبی اُس کے نیچے سرنگ کھدوانا چاہتا تھا۔ اس دروازے سے کچھ دُور دیوار ذرا کمزور نظر آتی تھی، وہاں بڑی منجنیقیں جو نورالدین زنگی مرحوم نے اپنی زندگی میں بنوائی تھیں، کئی کئی من وزنی پتھر مار رہی تھیں۔ دیوار خاصی چوڑی تھی، لیکن مسلسل ایک ہی جگہ سنگ باری سے اس میں شگاف پڑنے لگا تھا۔ پتھروں کے دھماکے شہر والوں کا خون خشک کر رہے تھے۔

دن کے وقت نقب زن جیش ڈھالوں کی اوٹ میں تیروں کے سائے میں دروازے تک پہنچ گئے۔ اب اوپر سے ان پر کوئی تیر نہیں چلا سکتا تھا۔ رات کے وقت سینکڑوں جانبازوں نے مل کر دروازے یعنی ڈیوڑھی کے نیچے تیس گز سے زیادہ لمبی سرنگ کھود لی، جو ڈیوڑھی جتنی چوڑی تھی۔ اوپر کی عمارت کو مضبوط شہتیروں سے سہارا دیا گیا۔ اس مہم میں دو دن صرف ہوئے۔ شہتیر آگے پہنچانے میں کئی مجاہد شہید ہوگئے۔ پھر اس سرنگ میں گھاس اور لکڑیاں بھر کر اُن پر آتش گیر سیال اور مادہ پھینکا گیا اور اُسے آگ لگادی گئی۔ تمام نقب زن جانباز وہاں سے بھاگ آئے۔

آگ نے شہتیروں کو بھی جلا دیا اور اوپر سے عمارت دھنسنے ہی پھر مہیب گڑگڑاہٹ سے گر پڑی۔ اُدھر دیوار پر جس جگہ وزنی پتھر مارے جارہے تھے، وہاں بھی شگاف ہوگیا۔ اب ملبے کے اوپر سے گزر کر شہر میں داخل ہونا تھا مگر یہ بڑا ہی خطرناک اقدام تھا، یہاں سے ملبہ ہٹانے کی مہم شروع ہوئی۔

☆

شہر میں گرجوں کے گھنٹے اور زیادہ تیزی سے بجنے لگے۔ اذانوں کی مقدس اور فاتحانہ آوازیں اور زیادہ بلند ہونے لگیں۔ صلیبی جرنیلوں اور حکمران ٹولے کے بھی حوصلے پست ہوگئے۔ انہوں نے کانفرنس بلائی جس میں جرنیلوں نے یہ تجویز پیش کی کہ تمام تر فوج اور جتنے بھی عیسائی شہری رضا کارانہ طور پر ہمارے ساتھ آسکتے ہیں، ایک ہی بار باہر نکل کر سلطان ایوبی کی فوج پر ہلّہ بول دیں۔ یہ تجویز طریقِ اعظم ہرکولیز نے اس لیے منظور نہ کی کہ شکست کی صورت میں شہر میں عورتیں اور بچے رہ جائیں گے جو مسلمانوں کے انتقام کا نشانہ بنیں گے۔ آخر کار یہ تجویز منظور ہوئی کہ سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کی بات چیت کی جائے۔ اُس کی نمائندگی ایک عیسائی سردار بالیان کو دی گئی۔

باہر سے سلطان ایوبی کی فوج نے دیکھا کہ دروازے کی گری ہوئی عمارت کے ملبے پر سفید جھنڈا لہرا رہا ہے۔ تیر اندازوں کو روک دیا گیا۔ جھنڈے کے ساتھ تین چار آدمی نمودار ہوئے۔ ایک نے بلند آواز سے کہا..... ''ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کی بات چیت کرنا چاہتے ہیں''...... سلطان ایوبی سن رہا تھا۔ اُس نے کہا کہ انہیں آگے لے آؤ۔

سلطان ایوبی نے اُن کا استقبال کیا اور انہیں اپنے خیمے میں لے گیا۔ بات صلیبی سردار بالیان نے شروع کی اور کہا کہ مسلمان فوج محاصرہ اُٹھا کر واپس چلی جائے اور سلطان ایوبی اپنی شرائط بتائے۔ صلیبی دراصل بیت المقدس سے دستبردار نہیں ہونا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی بیت المقدس لیے بغیر ٹلنے والا نہیں تھا مگر اس کا ابھی ایک بھی سپاہی شہر میں داخل نہیں ہوسکا تھا۔ وہ ابھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا تھا کہ اُس نے شہر لے لیا ہے۔ ابھی صلیبی یہ کہہ سکتے تھے کہ شہر پر ان کا قبضہ ہے۔ ادھر صلح کی بات چیت ہورہی تھی، اُدھر محاصرے کی جنگ جاری تھی۔ سلطان ایوبی معاہدوں اور مذاکرات کا قائل نہیں تھا۔ بات چیت کے ساتھ اس نے جنگ جاری رکھی تھی، دیوار کا شگاف کھل گیا تھا۔ ادھر مجاہدین نے جوش سے گرتی ہوئی عمارت کے ملبے پر ہلّہ بول دیا۔ دیوار کے شگاف میں سے بھی جانباز اندر جانے لگے اور نقب زن

کی سہولت کے لیے شگاف کو کھلا کرنے لگے، مگر صلیبی اس شہر سے دست بردار نہ ہونے کا پختہ عزم کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے دونوں جگہوں سے حملہ آوروں کو باہر دھکیل دیا۔ باہر سے دستے سیلاب اور طوفان کی طرح بڑھے۔ آگے جانے والے صلیبیوں کے تیروں اور برچھیوں سے گرے۔ پیچھے والے انہیں روندتے ہوئے آگے گئے۔ بڑا ہی خون ریز معرکہ لڑا گیا۔ ان دوران کسی جانباز نے شہر کے بڑے دروازے کے بُرج سے لال کراس والا جھنڈا اُتار پھینکا اور وہاں اسلامی جھنڈا چڑھا دیا۔ عیسائی شہریوں نے ایسی بھگدڑ مچائی کہ صلیبی فوج کے لیے رکاوٹ اور مسئلہ بن گئے۔

سلطان ایوبی کے جانباز دیوانے ہوئے جارہے تھے۔ ان میں سے کچھ مسجدِ اقصیٰ میں داخل ہوگئے اور اوپر سے صلیب اُتار کر دُور پھینک دی، وہاں بھی اسلامی پرچم لہرانے لگا لیکن شہر میں دونوں فوجیں ایک دوسری کا بُری طرح کشت و خون کررہی تھیں۔ یہ ضرور نظر آرہا تھا کہ صلیبیوں کی جارحیت اور مزاحمت کی شدت تیزی سے کم ہورہی تھی۔

☆

سلطان ایوبی صلیبیوں کے وفد کے ساتھ صلح کی بات چیت کررہا تھا۔ اُسے باہر کی اور شہر کی ابھی کچھ خبر نہیں تھی۔ اُس نے بالیان سے کہا..... ''میں نے بیت المقدس کو اپنی طاقت سے آزاد کرانے کی قسم کھائی تھی۔ اگر آپ لوگ یہ شہر مجھے اس طرح دے دیں جیسے میں نے فتح کیا ہے تو میں صلح کی بات سن لوں گا''۔

''صلاح الدین!'' بالیان نے ذرا دبدبے سے کہا..... ''اس شہر کا نام ابھی یروشلم ہے، بیت المقدس نہیں۔ اگر صلح نہیں کرنا چاہتے تو ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے لیکن یہ سن لو کہ اس شہر میں آپ کے چار ہزار فوجی ہمارے جنگی قیدی ہیں اور جو مسلمان شہری ہماری قید میں ہیں، ان کی تعداد تین ہزار ہے۔ ہم ان تمام قیدیوں کو اور شہر کے ہر ایک مسلمان باشندے کو، خواہ وہ عورت ہے یا بچہ، جوان ہے یا بوڑھا، قتل کردیں گے''۔

سلطان ایوبی کی آنکھیں غصے سے لال ہوگئیں اور اُس کے ہونٹ کانپے۔ وہ کچھ کہنے لگا تھا کہ خیمے کا پردہ اُٹھا۔ اس کا ایک کمان دار اندر آیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے اشارہ سے اپنے پاس بلایا۔ کمان دار نے اس کے کان میں سرگوشی کی..... ''شہر لے لیا گیا ہے۔ بڑے دروازے اور مسجدِ اقصیٰ پر جھنڈے چڑھادیئے گئے ہیں''۔

سلطان ایوبی کو بالیان کی دھمکی کا جواب مل گیا۔ اُس کی لال انگارہ آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہوئی۔ اُس نے بڑے زور سے اپنی ران پر ہاتھ مار کر صلیبی سردار بالیان سے کہا..... ''فاتح مفتوح کے ساتھ صلح کی بات نہیں کیا کرتے، کوئی ایک بھی مسلمان تمہارا قیدی نہیں''..... وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی بڑے تحمل سے بات کیا کرتا تھا، مگر بالیان کی دھمکی کے ساتھ ہی فتح کی خبر سن کر اُس کی آواز میں قہر اور گرج پیدا ہوگئی۔ اُس نے کہا..... ''تم سب قیدی ہو۔ تمہاری ساری فوج میری قیدی ہے۔ شہر میں رہنے والا ہر ایک عیسائی میرا قیدی ہے۔ اس شہر سے اب وہ عیسائی نکل کر جاسکے گا جو میرا مقرر کیا ہوا زرفدیہ ادا کرے گا۔ جاؤ، اندر جاکر دیکھو، یہ یروشلم ہے یا بیت المقدس۔

بالیان اور اس کے ساتھ آئے ہوئے صلیبی گھبرا گئے۔ خیمے سے نکل کر دیکھا۔ سلطان ایوبی کی فوج کا بیشتر حصہ شہر میں داخل ہوچکا تھا اور بڑے دروازے پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔

یہ اتفاق تھا یا سلطان ایوبی نے پلان ہی ایسا بنایا تھا، یا خدائے ذوالجلال کا منشا یہی تھا کہ سلطان ایوبی بروز جمعہ ۲ اکتوبر ۱۱۸۷ء بمطابق ۲۷ رجب ۵۸۳ ہجری شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا۔ غور فرمایئے یہ رجب کی ستائیسویں رات تھی اور یہ وہ رات ہے جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی مقام سے معراج کو تشریف لے گئے تھے۔ تمام مسلم

اور غیر مسلم مورخین نے بیت المقدس کی فتح کی یہی تاریخ لکھی ہے۔

☆

سلطان ایوبی جب شہر میں داخل ہوا تو مسلمان گھروں سے نکل آئے۔ عورتوں نے سروں سے اوڑھنیاں اُتار کر اُس کے راستے میں پھینک دی۔ سلطان ایوبی کے باڈی گارڈوں نے گھوڑوں سے اُتر کر اوڑھنیاں راستے سے اُٹھالیں کیونکہ سلطان اپنی پرستش اور خوشامد سے سخت نفرت کرتا تھا۔ ظلم و تشدد کے مارے ہوئے مسلمان چیخ چیخ کر نعرے لگا رہے تھے اور بعض سجدے میں گر پڑے۔ آنسو تو سب کے جاری تھے۔ یہ بڑا ہی جذباتی اور دردناک منظر تھا۔ عینی شاہدوں کے مطابق، سلطان ایوبی اس قدر جذباتی ہو گیا تھا کہ نعروں کے جواب میں ہاتھ بلند کر کے ہلاتا تھا لیکن اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ نہیں تھی، بلکہ وہ ہونٹوں کو بھینچتا اور دانتوں میں دبانے کی کوشش کرتا تھا۔ یہ کوشش جذباتیت کو دبانے اور سسکیاں روکنے کی تھی۔

عیسائی شہری گھروں میں دبکے خوف سے کانپ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی جوان لڑکیوں کو چھپا لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اکثر لڑکیوں کو مردانہ لباس پہنا دیئے گئے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ مسلمان سپاہی خواتین کی بے حرمتی کا انتقام لینے کے لیے اُن کی بیٹیوں کو بے آبرو کریں گے، لیکن یورپی مورخ لین پول لکھتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنے آپ کو ایسا عالی ظرف اور کشادہ دِل کبھی ثابت نہیں کیا جتنا اُس وقت کیا، جب اس کی فوج صلیبی فوج سے شہر کا قبضہ لے رہی تھی۔ اُس کی فوج کے سپاہی اور افسر گلی کوچوں میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے گھوم پھر رہے تھے اور اُن کی نظر اس پر تھی کہ کوئی مسلمان شہری کسی عیسائی شہری پر انتقاماً حملہ نہ کر دے۔ سلطان ایوبی کے احکام ہی ایسے تھے۔ البتہ کسی عیسائی کو شہر سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

سلطان ایوبی سب سے پہلے مسجدِ اقصیٰ میں گیا۔ جذبات کی شدت سے وہ مسجد کی دہلیز پر گھٹنوں کے بل جیسے گر پڑا ہو۔ وہ دہلیز پر سجدہ ریز ہو گیا اور بہاؤ الدین شداد اور احمد بیلی مصری کے مطابق، سلطان ایوبی کے آنسو اس طرح بہہ رہے تھے کہ اس عظیم مسجد کی دہلیز دُھل رہی تھی...... مسجد کی حالت بہت بُری تھی۔ کئی ایک مسلمان حکمرانوں نے وقتاً فوقتاً مسجد میں سونے اور چاندی کے فانوس اور شمع دان رکھے تھے۔ انہوں نے عقیدت کے طور پر مسجد میں طرح طرح کے بیش قیمت تحائف بھی رکھے تھے۔ صلیبی تمام فانوس، شمع دان اور قیمتی تحائف اُٹھا لے گئے تھے۔ فرش سے جگہ جگہ خارا اور مرمر کی سلیں غائب تھیں۔ مسجد مرمت طلب تھی۔

مرمت کی طرف توجہ دینے سے پہلے سلطان ایوبی نے شکست خوردہ عیسائیوں کے متعلق فیصلہ کرنا ضروری سمجھا، اس نے اپنی مشاورتی مجلس سے مشورہ کیا اور حکم نامہ جاری کیا کہ ہر عیسائی مرد دس اشرفی (دینار) عورت پانچ اشرفی اور ہر بچہ ایک اشرفی زرِ فدیہ ادا کر کے شہر سے باہر نکل جائے۔ کوئی بھی عیسائی وہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ بُرج داؤد کے نیچے والا دروازہ کھول دیا گیا، جہاں مسلمان حاکم فدیہ وصول کرنے کے لیے بیٹھ گئے اور عیسائی آبادی کا انخلاء شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے عیسائیوں کا سربراہ بالیان شہر سے نکلا۔ اُس کے پاس انگلستان کے بادشاہ ہنری کی بھیجی ہوئی بے اندازہ رقم تھی۔ اس میں سے اُس نے تیس ہزار اشرفی طلائی زرِ فدیہ ادا کی اور اُس کے عوض دس ہزار عیسائیوں کو رہا کرا لیا۔

بابِ داؤد پر باہر جانے والے عیسائیوں کا تانتا بندھ گیا۔ وہ پورے پورے خاندان کا زرِ فدیہ ادا کر کے جا رہے تھے۔ یہ رواج تھا کہ مفتوحہ شہر کو فوج بُری طرح لوٹ لیتی تھی...... بیت المقدس تو وہ شہر تھا جہاں صلیبیوں نے فتح کے بعد مسلمانوں کا قتلِ عام کیا اور اُن کے گھر لوٹ لیے اور اُن کی بیٹیوں اور مسجدوں کی بے حرمتی کی مگر مسلمانوں نے یہ شہر فتح کیا

تو لوٹ مار کی بجائے یوں ہوا کہ سلطان ایوبی کے فوجیوں نے اور باہر سے فوراً پہنچ جانے والے مسلمان تاجروں نے عیسائیوں کے گھروں کا سامان خریدا تا کہ وہ زرِفدیہ دینے کے قابل ہو جائیں۔ اس طرح وہ عیسائی خاندان بھی رہا ہو گئے جن کے پاس زرِفدیہ پورا نہیں تھا۔

اس موقع پر ایک تضاد دیکھنے میں آیا جو کئی ایک مورخوں اور اُس دور کے وقائع نگاروں نے بیان کیا ہے۔ بیت المقدس کے سب سے بڑے پادری بطریقِ اعظم ہرکولیز نے یہ حرکت کی کہ تمام گرجوں کی جمع شدہ رقم اپنے قبضے میں لے لی۔ گرجوں سے سونے کے پیالے اور دیگر بیش قیمت اشیاء چرالیں۔ کہتے ہیں کہ یہ دولت اتنی زیادہ تھی کہ اس سے سینکڑوں غریب عیسائیوں کے خاندانوں کو رہا کرایا جاسکتا تھا مگر ان کے اس سب سے بڑے پادری نے کسی ایک کا بھی زرِفدیہ نہ دیا۔ وہ اپنا فدیہ ادا کر کے نکل گیا۔ کسی مسلمان فوجی نے دیکھ لیا کہ یہ شخص بہت سی دولت ساتھ لے جارہا ہے۔ اس فوجی کی رپورٹ پر کسی حاکم نے سلطان ایوبی سے کہا کہ اُسے اتنی دولت اور اتنا سونا نہ لے جانے دیا جائے۔

''اگر اُس نے زرِفدیہ ادا کر دیا ہے تو اُسے نہ روکا جائے''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''میں اِن لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ کسی سے فالتو رقم نہیں لی جائے گی، جو کوئی جتنا ذاتی سامان ساتھ لے جاسکتا ہے، لے جائے۔ میں اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں ہونے دوں گا''۔

بطریقِ اعظم اپنے گرجوں سے چرائی ہوئی دولت اور قیمتی سامان لے گیا۔

سلطان ایوبی نے زرِفدیہ ادا کرنے کی میعاد چالیس دِن مقرر کی تھی۔ چالیس دن پورے ہو گئے تو ابھی تک ہزاروں غریب اور نادار عیسائی شہر میں موجود تھے۔ نوے برس پہلے جب صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تو دُور دُور سے عیسائی یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ کبھی یہاں سے نکلنا بھی پڑے گا۔ یہ حالت دیکھ کر سلطان ایوبی کا بھائی العادل اُس کے پاس آیا۔

''محترم سلطان!'' العادل نے کہا..... ''آپ جانتے ہیں کہ اس شہر کی فتح میں میرا اور میرے دستوں کا کتنا ہاتھ ہے۔ اس کے عوض مجھے ایک ہزار عیسائی بطورِ غلام دے دیں''۔

''اتنے غلام کیا کرو گے؟'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔

''یہ میری مرضی پر ہوگا، میں جو چاہوں کروں''۔

سلطان ایوبی نے العادل کو ایک ہزار عیسائی دینے کا حکم دے دیا۔ العادل نے ایک ہزار عیسائی منتخب کیے اور انہیں بابِ داؤد لے جا کر سب کو رہا کر دیا۔

''سلطانِ محترم!'' العادل نے واپس آکر سلطان ایوبی سے کہا..... ''میں نے اِن تمام عیسائی غلاموں کو شہر سے رخصت کر دیا ہے۔ اُن کے پاس زرِفدیہ نہیں تھا''۔

''میں جانتا تھا، تم ایسا ہی کرو گے''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''ورنہ میں تمہیں ایک بھی غلام نہ دیتا۔ انسان انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ اللہ تمہاری یہ نیکی قبول کرے''۔

یہ واقعات افسانے نہیں، مورخوں نے بیان کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ عیسائی عورتوں کا ایک ہجوم سلطان ایوبی کے پاس آیا۔ پتہ چلا کہ یہ اُن صلیبی فوجیوں کی بیویاں، بیٹیاں یا بہنیں ہیں جو مارے گئے ہیں یا قید ہو گئے ہیں اور اُن کے پاس زرِفدیہ نہیں۔ سلطان ایوبی نے سب کو صرف رہا ہی نہ کیا بلکہ انہیں کچھ رقم دے کر رخصت کیا۔ اُس کے بعد اُس نے

عام حکم جاری کر دیا کہ تمام عیسائیوں کو جو شہر میں رہ گئے ہیں، زرِ فدیہ معاف کیا جاتا ہے، وہ جا سکتے ہیں۔ صلیبیوں کی صرف فوج قید میں رہی۔

اس سے پہلے سلطان ایوبی نے مسجدِ اقصیٰ کی صفائی اور مرمت کروائی تھی۔ اُس دور کی تحریروں کے مطابق سلطان ایوبی خود سپاہیوں کے ساتھ اینٹیں اور گارا اُٹھاتا رہا۔ ۱۹ اکتوبر ۱۱۸۷ء جمعہ کا مبارک دن تھا۔ سلطان ایوبی جمعہ کی نماز کے لیے مسجدِ اقصیٰ میں گیا تو وہ منبر جو نورالدین زنگی مرحوم نے بنوایا تھا اور مرحوم کی بیوہ اور بیٹی لائی تھی، اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے منبر اپنے ہاتھوں مسجد میں رکھا۔ جمعہ کا خطبہ دمشق سے آئے ہوئے ایک خطیب نے پڑھا۔

اس کے بعد سلطان ایوبی نے مسجدِ اقصیٰ کی آرائش کی طرف توجہ دی۔ مرمر کے پتھر منگوا کر فرش میں لگوائے اور مسجد کو جی بھر کے خوب صورت بنایا۔ وہ خوب صورت پتھر جو سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھوں لگوائے تھے، آج بھی مسجد اقصیٰ میں موجود ہیں اور اُن کی خوب صورتی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

☆

بیت المقدس کی فتح تاریخ اسلام کا بہت بڑا واقعہ اور عظیم کارنامہ تھی، مگر سلطان ایوبی کا جہاد ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اُسے سرزمینِ عرب اور فلسطین کو صلیبیوں سے پاک کرنا تھا۔ اُس نے بیت المقدس کو جہاں ایک مضبوط چھاؤنی اور عسکری مستقر بنایا، وہاں اس مقدس مقام کو علم و فضل کا مرکز بنا دیا۔ ۵ رمضان المبارک ۵۷۳ ہجری (۸ نومبر ۱۱۸۷ء) کے روز اُس نے بیت المقدس سے کوچ کیا۔ اُس کا رُخ شمال کی طرف تھا۔ اُس نے اپنے بیٹے الملک لظاہر کو جو کسی اور جگہ تھا، پیغام بھیجا کہ اپنے دستے لے کر اُس کے پاس آئے۔ سلطان ٹائر پر حملہ کرنے جا رہا تھا۔ یہ صلیبیوں کی مضبوط چھاؤنی تھی اور بندرگاہ تھی۔ سلطان ایوبی نے بحریہ کے کمانڈر الفارس بیدرون کو پیغام بھیجا کہ وہ ٹائر سے کچھ دُور تک آ جائے اور جب سلطان اس شہر کا محاصرہ کرے تو الفارس صلیبی بیڑے پر حملہ کر دے۔ سلطان ایوبی نے الفارس کو حملے کے جو دن بتائے، وہ دسمبر کے آخر یا جنوری کے شروع کے تھے۔

دونوں لڑکیاں الفارس کے جہاز میں تھیں۔ حسن بن عبداللہ کا بھیجا ہوا، جاسوس وہاں نہیں تھا۔ حسن بن عبداللہ بیت المقدس کی جنگ پھر فتح کے بعد کاموں میں مصروف رہا۔ اِدھر سے فارغ ہو کر اُسے خیال آیا کہ اُس نے اپنا ایک آدمی الفارس کے جہاز میں بھیجا تھا۔ اُس نے ایک قاصد رؤف کُرد کے پاس یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا کہ اُس کا آدمی کیا کر رہا ہے۔ اس قاصد کو جہاز تک پہنچتے کئی دن لگ گئے۔ رؤف کُرد نے قاصد کو بتایا کہ حسن بن عبداللہ کا بھیجا ہوا جاسوس بہت دن ہوئے چلا گیا تھا۔

جاسوس اُس وقت تک بحیرۂ روم کی تہہ میں مچھلیوں کی خوراک بن چکا تھا اور رؤف کُرد اُس کے اِس انجام سے اچھی طرح واقف تھا۔ کچھ روز پہلے جاسوس نے رؤف کُرد سے کہا تھا کہ اِن لڑکیوں کو وہ یہاں نہیں رہنے دے گا۔ اُس نے دیکھا تھا کہ جب جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوتا ہے تو چھوٹی چھوٹی کشتیاں اُس کے قریب آ جاتی اور ماہی گیر قسم کے لوگ مختلف چیزیں فروخت کرتے ہیں۔ ان میں ایک آدمی کو اُس نے تین، چار جگہوں پر دیکھا تھا۔ لڑکیاں اُسے رسّے کی سیڑھی لٹکا کر اوپر بلاتی ہیں اور اُس سے کچھ خریدنے کی بجائے اُس کے ساتھ باتیں کرتی رہتی ہیں۔ جہاز اگر دس پندرہ میل دور ساحل کے ساتھ کہیں لنگر انداز ہوا تو وہاں بھی یہ آدمی کشتی لے کے آ گیا۔ جاسوس کو اِس آدمی پر شک تھا۔

فلوری نے رؤف کُرد کی عقل مار دی تھی۔ وہ اس سے راز کی باتیں پوچھتی اور وہ اُسے سب کچھ بتا دیتا تھا۔

الفارس بہت مصروف رہتا تھا۔ وہ دوسرے جہازوں میں بھی چلا جاتا تھا۔ ایک روز رؤف کُرد نے فلوری کے طلسم سے مسحور ہو کر اُسے بتا دیا کہ جہاز میں ایک خطرناک آدمی ہے، اس کے ساتھ کوئی بات نہ کرنا۔ رؤف کُرد ان لڑکیوں کو ابھی تک خانہ بدوش سمجھ رہا تھا اور وہ اُن کے اصلی ناموں، فلوری اور روزی سے واقف نہیں تھا۔ لڑکیاں دراصل تجربہ کار جاسوس تھیں۔ وہ سمجھ گئیں کہ جس آدمی کے متعلق رؤف کُرد نے بات کی ہے، وہ جاسوس ہے۔ رؤف کُرد کو گوارا نہ تھا کہ فلوری جہاز سے چلی جائے۔ اُس نے اِن لڑکیوں کو یہ بھی بتا دیا کہ یہ جاسوس ہے۔

ایک رات الفارس کسی دوسرے جہاز میں گیا ہوا تھا۔ آدھی رات کے وقت رؤف کُرد اور فلوری عرشے پر جنگلے کے ساتھ ایسی جگہ چھپے ہوئے تھے جہاں پیچھے اور دائیں بائیں سامان پڑا تھا۔ حسن بن عبداللہ کا جاسوس دانستہ یا اتفاقیہ اُدھر آنکلا۔ رؤف کُرد گھبرانے یا کوئی جھوٹ بولنے کی بجائے اُٹھ کر اُسے ذرا پرے لے گیا اور کہا کہ وہ اُس لڑکی کو لالچ وغیرہ دے کر پوچھ رہا تھا کہ وہ دونوں کون ہیں۔ اُس نے جاسوس سے کہا کہ میں چلا جاتا ہوں، تم اس کے پاس بیٹھ جاؤ اور اپنے تجربے اور علم کے مطابق اس سے باتیں کر کے بھید لو کہ یہ ہیں کون؟

جاسوس کو فلوری کے پاس بھیج کر اُس نے روزی کو جا جگایا اور اُسے کہا کہ شکار فلاں جگہ ہے، تم بھی چلی جاؤ۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہوں گا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔

روزی اوپر آئی۔ رؤف کُرد نے اُسے گز بھر لمبی رسّی دی اور وہ اُس جگہ چلی گئی جہاں جاسوس اور فلوری بیٹھے تھے، وہاں اندھیرا تھا۔ روزی اُن کے پاس بیٹھ گئی۔ جاسوس گپ شپ کے انداز سے اُن کی اصلیت کا بھید حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ روزی نے رسّی اُس کی گردن کی گرد لپیٹ دی۔ لڑکیاں تربیت یافتہ تھیں۔ فلوری نے فوراً رسّی کا دوسرا سرا پکڑ لیا۔ پیشتر اس کے جاسوس اپنا بچاؤ کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا، اُس کی گردن کا پھندا لڑکیوں نے رسّی اپنی اپنی طرف کھینچ کر تنگ کر دیا۔ وہ ذرا دیر تڑپا پھر اُس کا جسم ساکت ہو گیا۔

رؤف کُرد ذرا پرے کھڑا تھا۔ وہاں اگر کوئی ملازم تھا تو اُسے اُس نے کوئی کام بتا کر وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ لڑکیوں نے جاسوس کی لاش سمندر میں پھینک دی۔ روزی چلی گئی۔ فلوری وہیں بیٹھی رہی۔ رؤف کُرد اُس کے پاس چلا گیا اور دونوں ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔

☆

الفارس کو معلوم ہی نہ تھا کہ اُس کے جہاز میں کوئی جاسوس آیا یا رؤف کُرد نے کسی نئے آدمی کو جہاز میں کسی کام پر لگایا تھا۔ اُس کے قتل کے دو چار روز بعد الفارس کو خیال آیا کہ اُس کے اپنے اور دوسرے پانچ جہازوں کے ملاح اور بحری سپاہی تو مہینوں سے سمندر میں ہیں اور وہ سب اُکتا گئے ہوں گے۔ اُس نے دوسرے جہازوں میں جا کر ملاحوں اور سپاہیوں کی کیفیت دیکھی تھی۔ وہ خشکی کی رونق سے دُور فراغت اور بے یقینی کیفیت سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اگر کبھی کبھی بحری معرکہ ہو جایا کرتا تو اُن کی ذہنی حالت یہ نہ ہوتی۔ چنانچہ اُس نے فیصلہ کیا کہ ایک رات وہ تمام جہازوں کو اکٹھا کر کے لنگر ڈال دے گا اور جشن منائے گا۔ ملاح اور سپاہی گائیں بجائیں گے اور سب کو اچھا کھانا دیا جائے گا۔

اُس نے رؤف کُرد اور اپنے ماتحت افسروں سے بات کی۔ اُس وقت دونوں لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ ناچیں گی۔ الفارس زندہ دِل انسان تھا۔ وہ خود بھی جشن اور راگ رنگ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے ابھی کوئی رات مقرر نہ کی، کیونکہ اُسے خشکی سے سلطان ایوبی کے قاصد کا انتظار تھا۔ دسمبر کا آخری ہفتہ تھا۔

دو روز بعد قاصد آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ سلطان ایوبی ٹائر سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا ہے اور الفارس اپنے جہازوں کو ٹائر کے قریب لے جائے تاکہ محاصرے کے وقت وہ کم وقت میں ٹائر پہنچ سکے۔ قاصد نے خاص طور پر کہا تھا کہ اب دن اور رات چوکس رہیں کیونکہ صلیبی جہاز قریب ہی موجود ہیں...... الفارس نے قاصد کو رخصت کیا اور اُس شام اپنے بکھرے ہوئے جہازوں کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کا اشارہ دے دیا۔ اُس نے رؤف کُرد کو بتایا کہ چند روز بعد شاید انہیں بحری جنگ لڑنی پڑے، اس لیے دو رات بعد جشن منالیا جائے۔

رؤف کُرد نے بتا دیا کہ فلاں رات جہاز اکٹھے ہوں گے اور رونق میلہ ہوگا۔

اینڈریو کی کشتی آتی رہتی تھی۔ حسن بن عبداللہ کے جاسوس نے اُسے کئی جگہوں پر دیکھا تھا۔ اب جہاز ساحل کے قریب آ کر رُکا تو اینڈریو آ گیا۔ لڑکیوں نے حسبِ معمول اُسے اوپر بلا لیا اور اُس سے کچھ خریدا اور اُس کے کان میں یہ قیمتی اطلاع ڈال دی کہ فلاں رات جہاز اکٹھے کھڑے ہوں گے اور عرشوں پر جشن ہوگا۔ اینڈریو دیکھ رہا تھا کہ دُور سے الفارس کے دوسرے جہاز آ رہے تھے۔ وہ لڑکیوں کو یہ کہہ کر چلا گیا...... ''اُس رات اسی طرف میری کشتی آ جائے گی۔ سیڑھی پھینک کر اُتر آنا''۔

☆

وہ رات آ گئی۔ چھ جہاز بادبان لپیٹے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ جہازوں کے کپتان اور دیگر افسر الفارس کے جہاز میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ پُر تکلف کھانا ہو رہا تھا۔ ملاح اور سپاہی اپنے اپنے جہازوں میں ناچ، کود اور گا رہے تھے۔ الفارس کے جہاز میں دونوں لڑکیاں رقص کر رہی تھیں۔ دف اور ساز موجود تھے۔ جہازوں پر بہت سی مشعلیں جلا دی گئی تھیں۔ رات کو دن بنا دیا گیا تھا۔

یہ رونق جب عروج پر پہنچی تو رات خاصی گزر چکی تھی۔ صلیبیوں کے دس بارہ جنگی جہاز بتیاں بجھائے ہوئے الفارس کے جہازوں کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ وہ نئے چاند کی ترتیب میں تھے۔ وہ قریب آ گئے تو بھی کسی کو پتہ نہ چلا۔ اِدھر چھوٹی سی ایک کشتی الفارس کے جہاز کے قریب ہو رہی تھی۔ اچانک الفارس کے جہازوں پر جلتے ہوئے گولے گرنے لگے اور تیروں کی ایسی بوچھاڑیں آئیں کہ کئی ملاح اور سپاہی تڑپنے لگے۔ الفارس اور اُس کے کپتانوں نے اس اچانک حملے سے نکلنے کی کوشش کی مگر جہازوں کا نکالنا ممکن نہ تھا۔ سپاہیوں نے تیروں سے جواب دیا۔ منجنیقوں سے آگ پھینکی۔ ایک صلیبی جہاز کو آگ لگی مگر صلیبی اپنا کام کر چکے تھے۔ اُن کے جہاز واپس چلے گئے۔

معرکہ جس طرح اچانک شروع ہوا تھا، اسی طرح اچانک ختم ہو گیا۔ قاضی بہاؤالدین شداد کی تحریر کے مطابق الفارس کے پانچ جہاز جل کر تباہ ہو گئے۔ دو کپتان اور بہت سے بحری سپاہی شہید ہو گئے۔ قاضی شداد نے اس کی تاریخ ۲۷ شوال ۵۸۳ ہجری (۳۰ دسمبر ۱۱۸۷ء) لکھی ہے۔

چونکہ جہاز جل رہے تھے، اس لیے روشنی بہت تھی۔ کسی نے دیکھا کہ ایک کشتی جا رہی ہے جس میں دو مرد اور دو عورتیں تھیں۔ الفارس نے اپنے جہاز سے ایک کشتی اُتروائی اور اُس کشتی کو پکڑنے کی کوشش کی گئی۔ اُس کشتی سے تیر آنے لگے۔ اِدھر سے بھی تیر چلے اور کشتی کو گھیر لیا گیا۔ دونوں مرد اور ایک لڑکی تیروں کا نشانہ بن گئی۔ ایک بچ گئی۔ بعد میں اسی لڑکی کے بیان سے تباہی کی اصل حقیقت کھلی۔

اُس وقت سلطان ایوبی ٹائر سے کچھ دُور خیمہ زن تھا۔ یہاں سے اُسے سیدھا ٹائر پر یلغار کرنی تھی۔ کوچ سے

ایک ہی روز پہلے اُسے اطلاع ملی کہ چھ میں سے پانچ جہاز تباہ ہو گئے ہیں۔ سلطان ایوبی بجھ کے رہ گیا۔ وہ ایسی بُری خبر سننے کے لیے تیار نہیں تھا اور وہ اتنی جلدی دِل چھوڑنے والا بھی نہیں تھا۔ اُس نے پیش قدمی ملتوی کر دی اور الفارس اور دوسرے کپتانوں کو بلایا۔ الفارس نے اُسے صاف الفاظ میں بتا دیا کہ ملاح اور سپاہی فراغت اور سمندر سے اُکتائے ہوئے تھے، اس لیے اُس نے جشن کا اہتمام کیا تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور مشیروں کا اجلاس بلایا اور یہ صورتِ حال سب کے سامنے رکھی۔ سب نے یہ مشورہ دیا کہ سخت سردی پڑ رہی ہے اور بارشیں شروع ہو چکی ہیں۔ اس موسم میں جنگ جاری نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کے علاوہ سپاہی مسلسل جنگ اور تیز رفتار کوچ اور پیش قدمی سے اتنے تھک چکے تھے کہ انہیں جذبات میں لا کر لڑاتے رہنا ظلم ہے اور اس کا نتیجہ شکست بھی ہو سکتا ہے۔ انہوں نے بحری بیڑے کی تباہی کی مثال دے کر کہا کہ اتنا طویل عرصہ سپاہیوں کو گھروں سے دُور رکھنے کے اثرات ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیت المقدس کی عظیم فتح ہمارے لیے کوئی اور حادثہ بن جائے۔

سلطان ایوبی ڈکٹیٹر نہیں تھا۔ اُس نے یہ مشورہ منظور کر لیا اور حکم دیا کہ مفتوحہ علاقوں سے جو عارضی فوج بنائی گئی تھی، وہ توڑ دی جائے اور ان لوگوں کو کچھ رقم دے کر گھروں کو بھیج دیا جائے۔ اُس نے اپنی باقاعدہ فوج کے بھی کچھ حصے کو تھوڑی چھٹی دے کر گھروں کو بھیج دیا اور ۳۰ جنوری ۱۱۸۸ء کے روز عکرہ کو روانہ ہو گیا۔ مارچ ۱۱۸۸ء تک وہ عکرہ میں رہا۔

آنسو جو مسجدِ اقصیٰ میں گرے

صلیبی جنگ عروج کو پہنچ گئی تھی۔ بیت المقدس کی فتح نے سارے یورپ کو زلزلے کے بڑے ہی شدید جھٹکے کی طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی زندگی کا مشن پورا کر دیا تھا لیکن بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے سے چھڑا لینا ہی کافی نہیں تھا۔ اس مقدس شہر کا دفاع مستحکم کرنا تھا جو صرف شہر کی دیواریں مضبوط کر لینے تک محدود نہیں تھا۔ بیت المقدس کو صلیبیوں سے بچائے رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ اردگرد، دُور دُور کے علاقے پر قبضہ کیا جائے اور ساحل کو بھی اپنی تحویل میں رکھا جائے۔ بہت سے اہم مقامات پر سلطان ایوبی نے پہلے قبضہ کر لیا تھا، جو باقی رہ گئے تھے، ان پر سلطان ایوبی کی فوج حملے کرتی اور قابض ہوتی چلی جا رہی تھی۔

مفتوحہ مقامات سے عیسائی آبادی بھاگتی چلی جا رہی تھی جن مقامات پر عیسائیوں کا قبضہ تھا، وہاں انہوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ اُن کے لیے مسلمانوں کا قتلِ عام روزمرہ کا معمول اور مذہبی فریضہ تھا۔ اس کے برعکس سلطان ایوبی جو جگہ فتح کرتا تھا وہاں کے عیسائی باشندوں کو اپنی فوج کی حفاظت میں نکال دیتا تھا، سوائے جنگی قیدیوں یعنی صلیبی فوجیوں کے۔ ارضِ فلسطین کی اب یہ کیفیت تھی کہ سلطان ایوبی ہر ایک دستے کو خواہ وہ اُس کے ہیڈ کوارٹر سے کتنی ہی دُور کیوں نہ تھا، رابطے اور اپنے احکام کا پابند رکھے ہوئے تھا۔ چھاپہ مار جیش عقابوں اور چیتوں کی طرح پہاڑیوں، جنگلوں اور صحراؤں میں گھومتے پھرتے رہتے تھے، جہاں انہیں صلیبی فوج کا کوئی دستہ یا رسد کا قافلہ نظر آیا، وہ اُس پر ٹوٹ پڑتے، شب خون مارتے، اور انہیں ہلاک، زخمی اور تتر بتر کر کے اُن کے گھوڑے، اسلحہ اور رسد اُٹھا لاتے۔

ان چھاپہ ماروں نے جو شب خون مارے، وہ ہماری تاریخ کی ولولہ انگیز، ایمان افروز اور مافوق الفطرت شجاعت کی داستانیں ہیں۔ ہر ایک کا بیان شروع ہو جائے تو یہ داستان بڑی لمبی مدت تک ختم نہ ہو۔ یہ ارضِ فلسطین کے پاسبان تھے جو اکیلے اکیلے، دو دو اور چار چار کی ٹولیوں میں کئی کئی سو نفری کے دستوں اور دشمن کے کیمپوں پر شب خون مارتے اور شب کی تاریکی میں گم یا اپنے خون میں ڈوب جاتے تھے۔ انہوں نے دشمن سے رسد چھین کر اپنی فوجوں کو دی اور خود دشمن کی تلاش میں بھوکے بھٹکتے رہے، لڑتے اور کٹتے رہے، اپنی لگائی ہوئی آگ میں زندہ جلتے رہے۔ انہیں کفن نصیب نہ ہوئے، کسی نے ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی اور وہ کسی قبر میں دفن نہ ہوئے۔

وہ قہر تھے جو دشمن پر ٹوٹتے رہے۔ انہی کے بھروسے سلطان ایوبی بیت المقدس کی فتح کے بعد پورے فلسطین میں شیر کی طرح دندناتا، دھاڑتا اور گرجتا رہا۔ سلطان ایوبی کی ان گوریلا اور کمانڈو (چھاپہ مار) پارٹیوں کے متعلق مشہور و معروف یورپی مورخ لین پول لکھتا ہے..... "یہ بے دین (مسلمان) ہمارے نائٹوں (جنگجو سرداروں) کی طرح وزنی زرہ بکتر نہیں پہنتے تھے لیکن ہمارے زرہ پوش نائٹوں کو ناکوں چنے چبوا دیتے تھے۔ اُن پر حملہ کیا جاتا تو بھاگتے نہیں تھے۔ اُن کے گھوڑے ساری دُنیا میں تیز رفتار مانے گئے تھے۔ وہ جب دیکھتے تھے کہ (صلیبی) اُن کے تعاقب سے ہٹ گئے ہیں تو وہ

پھر واپس آ جاتے تھے۔ ان (مسلمان چھاپہ ماروں) کی حالت اُن کبھی نہ تھکنے والی مکھیوں جیسی تھی جنہیں اڑا دو تو ایک لمحے کے لیے اُڑ کر پھر تمہارے اوپر بیٹھ جاتی ہیں، اگر انہیں ہر وقت دُور رکھنے کی کوشش کرتے رہو تو وہ دُور رہتے تھے۔ جونہی یہ کوشش ترک کر دی جاتی، وہ شب خون مار جاتے...... وہ پہاڑی علاقے کی طوفانی بارش کی طرح چھوٹی چھوٹی پارٹیوں میں آتے اور صلیبی فوج کی ترتیب توڑ کر غائب ہو جاتے۔ ہمارے نائٹوں کو وہ قدم قدم پر پریشان کرتے اور ہماری فوج کی پیش قدمی کو سست کیے رکھتے''۔

☆

یہ خطہ جو آج اسرائیل کہلاتا ہے، سلطان ایوبی کے دور میں ارضِ مقدس تھا جسے صلیبیوں سے پاک کرنے کے لیے اللہ کے ایک ایک سپاہی نے وہاں اپنے خون کا نذرانہ دیا۔ سلطان ایوبی نے بعض بستیاں تباہ و برباد کرا دی تھیں۔ بعض اوقات یوں لگتا تھا جیسے اُس کے دِل میں رحم کا ایک ذرہ بھی نہیں رہا لیکن اُس نے رحم دلی کے ایسے مظاہرے کیے کہ صلیبی مورخوں نے بھی اُسے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس سے رحم کی بھیک مانگنے کے لیے صلیبیوں کی ایک ملکہ بھی آئی اور ایک غریب صلیبی عورت بھی۔

ملکہ [illegible] تھا۔۔ وہ مشہور حکمران ریمانڈ کی بیوی تھی۔ جنگِ حطین کے وقت وہ طبریہ کے قلعے کی ملکہ تھی۔ آپ پچھلی اقساط میں پڑھ چکے ہیں کہ ریمانڈ جنگِ حطین کے میدان سے بھاگ گیا تھا۔ اس کی بیوی نے طبریہ کا قلعہ سلطان ایوبی کے حوالے کر دیا تھا اور سلطان ایوبی نے اُسے قید نہیں کیا تھا۔ اسی جنگ میں سلطان ایوبی نے بیت المقدس کے حکمران گائی آف لوزینان کو جنگی قیدی بنا لیا تھا۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد جب سلطان ایوبی عکرہ کے مقام پر خیمہ زن تھا، اُسے اطلاع ملی کہ ملکہ سبیلا اُسے ملنے آ رہی ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسے آنے سے نہ روکا بلکہ آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

''صلاح الدین!''...... ملکہ سبیلا جو شکست کھا چکنے کے بعد بھی ملکہ ہی کہلانا پسند کرتی تھی، کیوں کہ اپنے خاوند کے قتل کے بعد وہ تریپولی کی حکمران تھی، بولی...... ''کیا آپ کو معلوم ہے کہ کتنے ہزار یا کتنے لاکھ عیسائی گھروں سے بے گھر ہو گئے ہیں؟ ان پر ظلم آپ کے حکم سے ہوا ہے''۔

''اور جن بے گناہ مسلمانوں کا آپ نے قتلِ عام کرایا اور کرایا جا رہا ہے، وہ کس کے حکم سے کرایا جا رہا ہے؟''...... سلطان ایوبی نے اُس کا جواب سنے بغیر کہا...... ''اگر میں خون کا بدلہ خون سے لوں تو ایک بھی عیسائی زندہ نہ رہے...... آپ کیوں آئی ہیں؟...... یہی شکایت مجھ تک پہنچانے؟''

''نہیں''۔ ملکہ سبیلا نے جواب دیا...... ''میں ایک درخواست لے کر آئی ہوں...... گائی آف لوزینان آپ کے پاس جنگی قیدی ہے۔ میں اُسے رہا کرانے آئی ہوں''۔

''میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ اُسے کیوں رہا کرانا چاہتی ہیں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں یہ ضرور پوچھوں گا کہ کس شرط پر میں اُسے رہا کروں؟''

''اگر آپ کا بیٹا یا بھائی قید ہو جائے تو کیا آپ اُسے رہا کرانے کی کوشش نہیں کریں گے؟''...... ملکہ سبیلا نے پوچھا۔

''میرے وہ کمان دار، عہدے دار اور سپاہی جو آپ کے جنگی قیدی ہیں، وہ سب میرے بیٹے اور میرے بھائی ہیں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اگر میں خود قید ہو گیا تو میں بھی آپ سے رہائی کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ میرا کوئی بیٹا اور میرا کوئی بھائی میری رہائی کے لیے آپ کے پاس نہیں جائے گا''۔

''صلاح الدین!'' ملکہ سبیلا نے کہا۔'' آپ خود بادشاہ ہیں۔ کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ ایک بادشاہ کا قید میں پڑے رہنا، اُس کی کتنی توہین ہے۔ وہ یروشلم اور گردونواح کے دُور دُور کے علاقے کا حکمران تھا''۔

''یروشلم نہیں بیت المقدس'' ...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''گائی اس خطے کا غاصب تھا۔ کسی غاصب کو ہم بادشاہ نہیں کہا کرتے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ وہ اسلام کا خاتمہ کر کے یہاں صلیب کی حکمرانی قائم کرنے آیا تھا تو میں آپ کی بھی اور اُس کی بھی قدر کرتا۔ میں ہر اُس انسان کی قدر دِل و جان سے کرتا ہوں جو اپنے مذہب اور عقیدے کا قدردان ہوتا ہے۔ اُس کا مذہب چاہے بے بنیاد اور جھوٹے عقیدوں کا ہی مجموعہ کیوں نہ ہو۔ میں نہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا ہوں، نہ کسی کی بادشاہی کو تسلیم کرتا ہوں۔ بادشاہی صرف اللہ کی ذات کی ہے اور ہم اُس کی بادشاہی کے محافظ ہیں۔ ہم اللہ کے سپاہی ہیں''۔

''ہم بھی خدا کی حکمرانی کے لیے کوشاں ہیں'' ...... ملکہ سبیلا نے کہا۔

''اگر آپ اُس خدا کی قائل ہوتیں جس کا میں قائل ہوں تو آپ ایک بادشاہ کی رہائی کی بجائے یہ درخواست لے کر آتیں کہ اِس بادشاہ کے سپاہیوں کو رہا کر دو''۔ سلطان نے کہا...... ''آپ کو اس سے انکار نہیں ہونا چاہیے کہ یہ خطہ ہمارا ہے، آپ کا نہیں۔ یہاں صلیبی امن پسند باشندوں کی طرح رہ سکتے ہیں، بادشاہ بن کر نہیں۔ اپنے صلیبی دوستوں کو بتا دیں کہ انسانوں کی قتل و غارت سے باز آجاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ۔ آپ کا ہر حربہ ناکام ہو چکا ہے۔ آپ نے اپنی معصوم بیٹیوں کو گناہوں کی تربیت دی اور ان کی عصمتیں داؤ پر لگائیں۔ آپ نے ہمارے مذہبی پیشواؤں کے بہروپ میں اپنے تخریب کار بھیج کر میری قوم کے عقیدوں کو مجروح کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے زرو جواہرات، شراب اور دِل کش لڑکیوں کے ذریعے میری قوم میں غداری کا بیج بویا اور خانہ جنگی کرائی۔ آپ نے حشیشین سے مجھے قتل کرانے کی کئی بار کوشش کی۔ آپ نے مسلمانوں میں خانہ جنگی کرائی اور ہماری جنگی طاقت کو تباہ کر دیا...... ہاں ملکۂ صلیب میں اعتراف کرتا ہوں کہ آپ اس میں کامیاب ہوئیں کہ اسلامی سلطنت کو ٹکڑوں میں کاٹ دیا اور مسلمان نے مسلمان کا خون بہایا......''

''میرے عزیز سلطان!'' ملکہ سبیلا نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا...... ''میں اتنی لمبی اور پیچیدہ بحث کے لیے نہیں آئی۔ میں ایک درخواست لے کر آئی ہوں کہ گائی آف لوزینان کو رہا کر دو''۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ اس کے بعد میرے پاس نہیں آئیں گی'' ...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ میرے اس خیمے سے ہی ہمیشہ کے لیے نہیں چلی جائیں گی بلکہ آپ اس خطے سے جا رہی ہیں، پھر آپ کبھی اِدھر کا رُخ نہیں کریں گی۔ آپ جب اِدھر کا کبھی رُخ کریں گی تو بحیرۂ روم کا پانی آپ کے جہازوں کے لیے اُبلتا ہوا سمندر بن جائے گا۔ میں آپ کو کسی بحث میں اُلجھانا نہیں چاہتا، آپ کو ایک پیغام دے رہا ہوں اور آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ یہ پیغام اپنی صلیب کے تمام پجاریوں تک پہنچا دینا......

''کہاں ہے آپ کی صلیب الصلبوت جس پر آپ سب حلف اُٹھا کر آئے تھے کہ سرزمینِ عرب کو تہ تیغ کریں گے۔ مسجدِ اقصیٰ اور خانہ کعبہ کو مسمار کر کے اپنی عبادت گاہیں بنائیں گے؟ ...... وہ صلیب میرے قبضے میں ہے اور آپ کے عزائم میرے رحم و کرم پر ہیں۔ آپ جسے یروشلم کہتے ہیں، وہ پھر بیت المقدس ہے اور ہمیشہ بیت المقدس رہے گا''۔

''آپ کی فوج بہتر اور زیادہ ہے'' ...... ملکہ سبیلا نے کہا...... ''ہماری فوج کی قیادت ناقص ہے''۔

کی علامت ہوتی ہے۔ میری فوج کبھی بھی صلیب کی فوج سے زیادہ نہیں ہوئی۔ کبھی بہتر بھی نہیں ہوئی۔ میری فوج کو کبھی زرہ نصیب نہیں ہوئی۔ میرے سالاروں کو ایسی حسین لڑکیاں کبھی نہیں ملیں جو آپ کے سالاروں کے خیموں میں رہتی ہیں۔ میری فوج کا اسلحہ آپ سے بہتر نہیں۔ البتہ راز کی ایک بات آپ کو بتا دیتا ہوں۔ میری فوج کے پاس صرف ایک قوت ہے جس سے آپ کی فوج محروم ہے۔ اُسے ہم ایمان اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں۔ اگر آپ کا عقیدہ سچا ہوتا تو آپ کی قوم خدا کو عزیز ہوتی، مگر اُس خدا کو جو وحدہٗ لاشریک ہے، آپ نے ایک بیٹے کا باپ بنا رکھا ہے۔ آپ خدا کو انسان کی سطح پر لے آئے ہیں اور اُس کی حکومت کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنے آپ کو بادشاہ کہتے اور کہلاتے ہیں''۔

''کیا آپ مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں؟'' ملکہ سبیلا نے کہا۔

''ملکہ سبیلا!''...... سلطان ایوبی نے اُس کے لہجے میں طنز کی جھلک دیکھتے ہوئے کہا...... ''میرے خدا نے قرآن کی معرفت مجھے بتایا ہے کہ ہم نے انہیں دماغ دیئے ہیں لیکن وہ سوچتے نہیں، ہم نے انہیں آنکھیں دی ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں، ہم نے انہیں کان دیئے ہیں لیکن وہ سنتے نہیں...... اور خدائے ذوالجلال نے فرمایا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جب سزا دینے پر آتے ہیں تو ان کے دلوں اور دماغوں پر مہر ثبت کر دیتے ہیں...... آپ اسلام قبول نہ کریں۔ میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ فتح اُسے ملتی ہے جس کے دِل میں ایمان ہوتا ہے۔ میری قوم کے قائدین کے دلوں سے جب آپ نے دولت، عورت اور شراب کے ذریعے ایمان نکال دیا تھا تو ہم آپس میں لڑتے اور ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے۔ خدا نے ہمیں سزا دی۔ ساری قوم گناہگار نہیں ہوا کرتی، قائدین گناہگار ہوتے ہیں مگر سزا پوری قوم کو ملتی ہے۔ قوم گناہگار نہیں ہوتی، اُسے گمراہ کیا جاتا ہے......

''میری اصل قوت یہ ہے کہ میں نے شکست کھائی تو اس کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ میں نے اپنے سالاروں سے بھی یہی کہا کہ غلطی ہے تو ہم سب کی۔ بدقسمتی ہے تو ہم سب کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں شکست ہوئی ہے اور اب قومی وقار کا تقاضا یہ ہے کہ شکست کو فتح میں بدلو۔ اگر شکست کی ذمہ داری ایک دوسرے پر پھینکتے اور اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرتے رہو گے تو ایک اور شکست سے دوچار ہو گے اور سلطنتِ اسلامیہ جو آج دو دھڑوں میں بٹ گئی ہے، کل کئی ٹکڑوں میں بٹے گی اور کفار ایک ایک ٹکڑے کو نگل لیں گے...... محترمہ، ہماری خانہ جنگی کا ذمہ دار الملک الصالح تھا یا سیف الدین غازی، آپ تھے یا گمشتگین، مگر میں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ یہ بھی میری ذمہ داری ہے۔ میں نے ہر حربہ استعمال کیا اور اللہ کے سپاہیوں نے اپنے خون سے سلطنت کے ٹکڑے جوڑ دیئے۔ خون سے جوڑے ہوئے ٹکڑے پھر کبھی الگ نہیں ہوتے ملکہ سبیلا!...... آج دیکھ لیں۔ وہ وقت یاد کریں جب آپ کی فوجیں مدینہ منورہ تک جا پہنچی تھیں، مگر آپ میرے پاس اپنے ایک بادشاہ کی رہائی کی بھیک مانگ رہی ہیں۔ یہ کس عمل کا نتیجہ ہے؟...... صرف اس عمل کا کہ اللہ کی ذات نے مجھ پر جو فرض عائد کیا تھا، وہ میں نے جان کی بازی لگا کر ادا کیا اور اللہ نے مجھے انعام سے نوازا''۔

ملکہ سبیلا سلطان ایوبی کی باتیں انہماک سے سن رہی تھی لیکن اُس کے ہونٹوں پر جن میں جوانی، کشش اور حسن ابھی قائم تھا، طنزیہ سی مُسکراہٹ تھی۔

''میں آپ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت نہیں دے رہا''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''آپ کی مُسکراہٹ بتا رہی ہے کہ میرے خیمے سے نکل کر آپ میری باتوں کو ذہن سے اس طرح پھینک دیں گی جس طرح آپ کی فوج نے حطین اور بیت المقدس میں ہتھیار پھینکے تھے۔ میں آپ کو یہ باتیں صرف اس لیے سنا رہا ہوں کہ یہ میرے خدا اور میرے رسول صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم ہے کہ جن کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے، ان کی پٹی کھول دو اور انہیں دکھاؤ کہ حق کیا اور باطل کیا ہے..... غور کرو ملکۂ محترمہ! آپ کے خاوند نے حسن بن صباح کے فدائیوں سے مجھے قتل کرانے کے لیے چار قاتلانہ حملے کرائے۔ ایک بار میں گہری نیند سویا ہوا تھا، جب انہوں نے مجھ پر حملہ کیا لیکن ہوا کیا؟ وہ خود قتل ہو گئے۔ ایک بار میں اکیلا اُن کے گھیرے میں آ گیا تھا لیکن میں بچ گیا اور وہ مارے گئے...... اور اب آپ اس حقیقت سے کس طرح انکار کر سکتی ہیں کہ آپ کا خاوند جو مجھے فدائیوں سے قتل کرانے کی کوشش کرتا رہا، انہی کے ہاتھوں خود قتل ہوا۔ اُسے کوئی نہ بچا سکا......

''غور سے سنو ملکہ! حطین کے میدان سے آپ کا خاوند لڑے بغیر بھاگ گیا۔ آپ نے لڑے بغیر طبریہ کا قلعہ میرے حوالے کر دیا۔ آپ سب نے جس صلیب الصلبوت پر لڑنے اور لڑتے ہوئے مرنے کی قسم کھائی تھی، وہ اسی میدانِ جنگ میں آپ کے اُسی پادری کے خون میں ڈوب گئی جسے آپ اس صلیب کا محافظِ اعظم کہتے تھے۔ یہ صلیب اب میرے قبضے میں ہے اور آپ میرے پاس التجا لے کر آئی ہیں کہ گائی کو رہا کر دوں''۔

''آپ مجھے یہ باتیں کیوں یاد دلا رہے ہیں؟'' ملکہ سبیلا نے جھنجلا کر کہا۔

''اس لیے کہ آپ خدا کے ان واضح اشاروں کو سمجھیں''۔ سلطان ایوبی نے جواب دیا۔ ''آپ کی آنکھوں پر شہنشاہیت کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ آپ کو شہنشاہیت پر بھروسہ ہے اور آپ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کریں گی کہ آپ کو اس پر بھی ناز ہے کہ آپ عورت ہیں اور حسین عورت ہیں۔ میں یہ کہہ کر آپ کو خوش کر سکتا ہوں کہ آپ واقعی حسین ہیں مگر یہ کہہ کر آپ کو مایوس کروں گا کہ میں کوئی فیصلہ آپ کے حسن سے متاثر ہو کر نہیں کروں گا۔ آپ کا یہ نیم عریاں جسم مجھے صراطِ مستقیم سے ہٹا نہیں سکتا''۔

ملکہ سبیلا ایک عام عورت کی طرح ہنس پڑی اور بولی...... ''مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ پتھر ہیں''۔

سلطان ایوبی نے مُسکرا کر کہا...... ''آپ کے لیے میں یقیناً پتھر ہوں مگر میں ایسا موم ہوں جو ایمان کی حرارت سے پگھل جاتا ہے اور اُسے رحم کا جذبہ بھی پگھلا دیتا ہے۔ جسمانی لذت اور آسائش انسان کو نہ اپنے کام کا رہنے دیتی ہے، نہ قوم کے کام کا اور اُسے خدا بھی دھتکار دیتا ہے''۔

''میں آپ کے دِل میں رحم کا جذبہ ہی بیدار کرنے آئی ہوں'' ...... ملکہ سبیلا نے کہا...... ''گائی کو رہا کر دیں۔ میں نے سنا ہے کہ سچے مسلمان کے گھر اُس کا دشمن چلا جائے تو وہ اُسے بھی بخش دیتا ہے''۔

اس کے بعد ملکہ سبیلا منت سماجت پر آ گئی۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا کہ وہ گائی کو اس شرط پر چھوڑ دے گا کہ وہ تحریری عہد کرے کہ میرے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھائے گا۔ ملکہ سبیلا نے کہا کہ تحریری عہد نامہ دیا جائے گا اور یہ بھی تحریر کر دیا جائے گا کہ گائی اس عہد سے پھر جائے اور پھر کبھی گرفتار ہو جائے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ آخر یہی طے ہوا۔ ملکہ سبیلا چلی گئی۔ سلطان ایوبی نے اسی روز گائی آف لوزینان کی رہائی کا حکم نامہ قاصد کو دے کر دمشق روانہ کر دیا۔ تین چار دِنوں بعد گائی کو سلطان ایوبی کے پاس لایا گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے ترجمان سے جس کی معرفت وہ صلیبیوں کے ساتھ بات چیت کیا کرتا اور اُن کی سمجھا کرتا تھا، کہا کہ اسے اس عہد نامے کا ترجمہ اس کی زبان میں سنا دو اور اگر یہ چاہے کہ اس کا ترجمہ اس کی زبان میں بھی تحریر کیا جائے تو کر دو اور اس پر اس کے دستخط کرا لو۔

''اور اُسے یہ بھی کہہ دو کہ میں اُس کے ساتھ کوئی بات نہیں کرنا چاہتا''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''اُسے کہہ دو کہ میں جانتا ہوں کہ یہ عہد نامے کی خلاف ورزی کرے گا اور میرے خلاف لڑے گا۔ اُسے کہہ دو کہ میں نے ملکہ سبیلا سے متاثر ہو کر

آپ نے رہا نہیں کیا۔ میں اُسے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں اس جیسے گناہگار آدمی کو بھی بخش سکتا ہوں میں اللہ کی راہ میں لڑ رہا ہوں، کسی سے میں ذاتی انتقام نہیں لینا چاہتا..... اور یہ جہاں جانا چاہتا ہے، وہاں تک اُسے محافظوں کی حفاظت میں پہنچا دو۔"

گائی آف لوزینان جو بیت المقدس کا حکمران تھا اور جنگ حطین میں جنگی قیدی ہوا تھا، عہد نامے پر دستخط کر کے سلطان ایوبی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے ہاتھ بڑھایا۔ گائی نے پُر جوش طریقے سے ہاتھ ملایا اور کہا..... "ایوبی! تم عظیم ہو"......اور خیمے سے نکل گیا۔

گائی کی رہائی کو یورپی مورخوں نے کھل کر بیان کیا ہے اور اُسے ملکہ سبیلا کا کارنامہ لکھا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے جیسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے ملکہ سبیلا سے متاثر ہو کر اور گائی کو اپنے جیسا بادشاہ سمجھ کر رہا کیا تھا اور جیسے اُسے عام اور غریب لوگوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ قاضی بہاؤ الدین شداد نے جو صلیبی جنگوں میں سلطان ایوبی کے ساتھ تھا اور اس کی وفات تک اس کے ساتھ رہا، اپنی یادداشتوں میں ایک غریب عیسائی عورت کا واقعہ تحریر کیا ہے۔

یہ اُن دِنوں کا واقعہ ہے جب گائی آف لوزینان کی رہائی کے بعد صلیبیوں نے ساحلی شہر عکرہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ (اس محاصرے کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا) صلیبی فوج کے کیمپ کے ساتھ ہی اُن عیسائی شہریوں کا کیمپ تھا جو دوسری جگہوں اور بیت المقدس سے نکل کر یہاں جمع ہو گئے تھے۔ محاصرہ دو سال طویل ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے ایک تو چھاپہ مار تھے جو محاصرہ کرنے والی صلیبی فوج کے کسی نہ کسی حصے پر شب خون مارتے رہتے تھے، دوسرے کچھ غیر فوجی مسلمان تھے جو انہی علاقوں کے رہنے والے تھے۔ انہیں اجازت دی گئی تھی کہ صلیبی فوج کو پریشان کرتے رہیں، چونکہ عیسائی شہری اپنی فوج کے ساتھ تھے، اس لیے وہ فوج کی بہت مدد کرتے تھے۔

مسلمان غیر فوجی گروہ ان عیسائی شہریوں کو بھی پریشان کرتے رہتے تھے۔ رات کو اُن کے کیمپ میں گھس جاتے اور اُن کا سامان اُٹھا لاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک دو عیسائیوں کو بھی اُٹھا لاتے اور انہیں جنگی قید میں دے دیتے۔ عیسائی شہری اپنی فوج سے شکایت کرتے رہتے تھے کہ "مسلمان چور اور ڈاکو" رات کو آ کر اُن کا سامان چوری کر لیتے ہیں۔ فوج نے پہرے کا انتظام کر دیا۔ اس کے باوجود "چوری چکاری" اور اغوا کا سلسلہ جاری رہا۔

ایک رات ایک آدمی عیسائیوں کے کیمپ سے تین ماہ عمر ایک بچی اُٹھا لایا۔ ماں کی یہ ایک ہی بچی تھی اور وہ بھی دودھ پیتی بچی۔ اُس نے واویلا بپا کر دیا۔ وہ صلیبی کمانڈروں کے پاس گئی۔ وہ پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ کسی کے ہاتھ نہیں آتی تھی۔ صلیبیوں کے اعلیٰ کمانڈر تک وہ جا پہنچی۔ اُس نے اس عورت کو اجازت دے دی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا کیمپ قریب ہی ہے، اُس کے پاس چلی جاؤ۔ سب کو یقین تھا کہ بچی کو مسلمان اُٹھا لے گئے ہیں۔

ممتا کی ماری ہوئی ماں پوچھتی بھٹکتی سلطان ایوبی کے کیمپ میں آن پہنچی۔ قاضی بہاؤ الدین شداد لکھتا ہے کہ اُس وقت وہ سلطان ایوبی کے پاس کھڑا تھا اور سلطان کہیں جانے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا۔ کسی نے اُسے بتایا کہ ایک غریب سی عیسائی عورت روتی آئی ہے اور سلطان سے ملنا چاہتی ہے۔ سلطان ایوبی نے کہا کہ اُسے فوراً لے آؤ، اُس پر یقیناً ہماری طرف سے زیادتی ہوئی ہوگی۔

عورت جب سلطان ایوبی کے سامنے آئی تو وہ گھوڑے کے قریب زمین پر پیٹ کے بل لیٹ گئی۔ وہ بار بار ماتھا زمین پر رگڑتی اور روتی تھی۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا کہ اُٹھو اور بتاؤ کہ تم پر کس نے زیادتی کی ہے؟۔

"مجھے اپنے فوجی کمانڈروں نے کہا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس چلی جاؤ۔ وہ بہت رحم دل ہے اور فریاد

سنے گا''.....عورت نے کہا....''آپ کے آدمی میری دودھ پیتی بچی اُٹھالائے ہیں''۔

قاضی بہاؤ الدین شداد لکھتا ہے کہ عورت جس انداز سے روتی تھی اور جو فریادیں کرتی تھی، اس سے سلطان ایوبی کی بھی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بچی کو اغوا ہوئے چھ سات دِن گزر چکے تھے۔ سلطان ایوبی گھوڑے سے اُتر آیا۔ اُس نے حکم دیا کہ ابھی معلوم کرو کہ بچی کون لایا ہے۔ اُس نے عورت کو کھانا کھلانے کو کہا اور جہاں کہیں وہ جا رہا تھا، وہاں نہ گیا۔ وہ مسلمان شہری جو عیسائی کیمپ میں سامان وغیرہ اُٹھانے جاتے تھے، فوج کے ساتھ رہتے تھے۔ ان میں جو آدمی بچی اُٹھالایا تھا، وہ وہاں موجود تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے پاس آگیا۔ اس نے بتایا کہ بچی اسی نے اغوا کی تھی اور اُسے وہ فروخت کر آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا کہ اس آدمی کے ساتھ اُس شخص کے پاس جاؤ جس نے اس سے بچی خریدی ہے اور اُس نے جو قیمت دی تھی، وہ اُسے دے کر بچی لے آؤ۔

سلطان ایوبی بچی کی واپسی تک اپنے خیمے میں موجود رہا۔ بچی دُور نہیں گئی تھی۔ جلدی مل گئی۔ اس کی قیمت واپس کر دی گئی۔ سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھوں بچی ماں کے ہاتھوں میں دی۔ ماں نے بچی کو فوراً اپنی چھاتیوں کے ساتھ لگالیا اور ایسی بے تابی سے پیار کیا کہ (شداد کے الفاظ میں) ہم سب پر رقت طاری ہوگئی۔ سلطان ایوبی نے اُسے ایک گھوڑی پر رخصت کیا۔

بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور ارضِ فلسطین میں صلیبیوں کو ہر مقام پر شکست ہوئی تو صلیبی دُنیا میں بھونچال آگیا۔ اُس وقت تین بادشاہیاں جنگی لحاظ سے بہت طاقتور مانی جاتی تھیں۔ ایک تھی فرانس، دوسری جرمنی اور تیسری انگلستان۔ اُن کے پوپ (پاپائے روم اربانوس ثانی) نے خود ہر ایک کو پاس جا کر انہیں جنگ کے لیے تیار کیا۔ اس کی زبان پر ہر جگہ یہی الفاظ تھے:

''اگر تم صلاح الدین ایوبی کے خلاف نہ اُٹھے تو سارے یورپ سے صلیب اُٹھ جائے گی اور ہر جگہ تمہیں اسلامی جھنڈے لہراتے نظر آئیں گے۔ یہ جنگ صلاح الدین ایوبی کی ذاتی جنگ نہیں۔ یہ عیسائیت اور اسلام کی جنگ ہے۔ صلیبِ اعظم مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ یروشلم پر مسلمانوں کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ ہزارہا عیسائی عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں چلی گئی ہیں۔ وہ مسلمان فوج میں تقسیم کی جارہی ہیں۔ کیا تم گھر بیٹھے اسلام کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روک سکو گے؟ تم کس طرح برداشت کر رہے ہو کہ وہ صلیب جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا، مسلمانوں کے قبضے میں چلی جائے؟''

پوپ نے اس قسم کی جھوٹی سچی باتیں سنا کر بڑے بڑے صلیبی بادشاہوں کو مشتعل کر دیا۔ جرمنی کا بادشاہ فریڈرک دو لاکھ فوج لے کر سب سے پہلے آگیا۔ یہ فوج اتنی زیادہ تھی کہ اُس نے کسی صلیبی بادشاہ کو اپنا اتحادی نہ بنایا۔ اُس نے اپنا پلان بنا رکھا تھا۔ اس کے مطابق اُس نے دمشق پر حملہ کیا۔ اس کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ سلطان ایوبی کے طریقۂ جنگ سے واقف نہیں تھا۔ وہ دو لاکھ نفری کے لشکر کے بھروسے پر سرزمینِ عرب پر قبضہ کرنے آیا تھا۔ دمشق پر اُس کے حملے کو دوسری صلیبی جنگ کہتے ہیں، جو فریڈرک نے اپنی کثیر افواج کے زعم میں لڑنے کی کوشش کی اور جس میں دمشق کی وہ ایک اینٹ بھی نہ اکھاڑ سکا۔ مسلمان چھاپہ ماروں نے اُس کی رسد پر ایسے دلیرانہ چھاپے مارے کہ اُس کے سینکڑوں گھوڑے اور گھوڑا گاڑیاں اپنے ساتھ لے آئے۔ رسد جو اُن کے ہاتھ لگی، وہ انہوں نے اپنی فوج کے حوالے کر دی۔

فریڈرک بُری طرح ناکام ہوا۔ اُس کے پاس رسد کی کمی ہوگئی اور فوج کا جانی نقصان بھی بہت ہوا۔ اُس نے

پانی کے ذخیروں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کی تاریخ ۲۰ جنوری ۱۱۹۱ء (۲۲ ذی الحج ۵۸۶ ہجری) لکھی گئی ہے۔ اس کے ماتم میں جرمنوں نے اپنے کیمپ میں جگہ جگہ لڑکیاں جمع کر کے اس طرح آگ لگائی جیسے ان کا کیمپ جل رہا ہو۔ ادھر مسلمان سپاہیوں نے وہ رات خوشی سے دف اور نقارے بجاتے اور ناچتے گاتے گزار دی۔

جرمن فوج کی کمان اس کے بیٹے نے سنبھال لی۔ اُسے معلوم تھا کہ شاہ فرانس فلپس آگسٹس اور شہنشاہ انگلستان رچرڈ بھی آ رہے ہیں۔ وہ بحری جہاز سے آ رہے تھے۔ فریڈرک کے بیٹے نے فلسطین کے ساحلی شہر عکرہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو ہدایات دے رکھی تھیں۔ ان کے مطابق اُس کی فوج پر جوابی حملہ نہ کیا بلکہ اُسے جانے دیا۔ ان سالاروں کو معلوم تھا کہ راستے میں اپنے چھاپہ مار جیش موجود ہیں۔ ان چھاپہ ماروں کا انداز یہ تھا کہ دشمن کی فوج کے آخری حصے پر شب خون مارتے اور غائب ہو جاتے۔ یہ زیادہ نفری کے جیش تھے۔ رات کو جرمن پڑاؤ کرتے تو چھاپہ مار آتش گیر سیال کی ہانڈیاں چھوٹی منجنیقوں سے جرمنوں کے کیمپ پر پھینکتے اور اُن کے پیچھے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلاتے جن سے کیمپ میں آگ لگ جاتی۔

جرمن فوج جب عکرہ پہنچی تو اس کی نفری صرف بیس ہزار رہ گئی تھی۔ یہ فوج جب ارضِ مقدس میں داخل ہوئی تھی تو اس کی نفری دو لاکھ تھی۔ اس میں سے کچھ دمشق پر حملے کے دوران تباہ ہوئی، کچھ بیماری، بھوک اور پیاس کی نذر ہوگئی، کچھ دمشق سے عکرہ تک کوچ کے دوران چھاپہ ماروں کا شکار ہوگئی اور اُن سپاہیوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی جو فوج سے بھگوڑے ہو گئے تھے، جو بیس ہزار نفری رہ گئی تھی وہ بُری طرح بددل ہو چکی تھی۔ اس کے دل سے صلیب کا احترام اور اپنا حلف صاف ہو چکا تھا۔

اُدھر سے شاہ فرانس اور شہنشاہ انگلستان سمندر کے راستے چلے آ رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو جاسوسوں نے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ انگلستان کی فوج جو اُس وقت قبرص میں پہنچ چکی تھی، کیسی ہے اور اس کی نفری کتنی ہے۔ اس کی نفری ساٹھ ہزار تھی۔ فرانس کی فوج کی نفری بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔ بیس ہزار جرمن فوج تھی۔ صلیبیوں کی کچھ فوج پہلے سے ارضِ مقدس میں موجود تھی۔

سلطان ایوبی کو جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ گائی آف لوزینان جو یہ عہد نامہ کر کے سلطان ایوبی کی جنگی قید سے رہا ہوا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھائے گا، کاؤنٹ کونراڈ کے ساتھ مل کر الگ فوج جمع کر چکا ہے جس میں سات سونائٹ (زرپوش سردار) ہیں، نو ہزار فرنگی فوج اور بارہ ولندیزی اور دیگر یورپی افسر اور سپاہی ہیں۔ اس طرح صرف اس فوج کی نفری تقریباً بائیس ہزار ہوگئی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق صلیبی فوج کی مجموعی نفری چھ لاکھ تھی جو اسلحہ اور دیگر جنگی سازوسامان کے لحاظ سے اسلامی فوج سے برتر تھی۔

سلطان ایوبی کے ساتھ دس ہزار مملوک تھے۔ یہ اس کی منتخب فوج تھی جس پر اُسے پورا پورا بھروسہ تھا۔ عکرہ نہایت اہم مقام تھا۔ یہ بندرگاہ بھی تھی جسے قدرت نے ایسا بنایا تھا کہ بحریہ کا بہت بڑا اور محفوظ اڈہ بن سکتی تھی۔ عکرہ شہر میں سلطان ایوبی کی فوج کی نفری دس ہزار تھی۔ سلطان ایوبی بیت المقدس سے کمک نہیں لے سکتا تھا کیونکہ یہی وہ شہر تھا جس کی خاطر صلیبیوں نے اتنا زیادہ لشکر اکٹھا کیا تھا۔ اس شہر کے دفاع کو کمزور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے شہروں اور قلعوں سے بھی فوج کو نہیں نکالا جا سکتا تھا۔ انگلستان کا بحری بیڑہ بہت طاقتور اور خوفناک تھا۔ سلطان ایوبی کو اچھی طرح احساس تھا کہ اس کا مصری بحری بیڑہ انگلستان کے بیڑے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سلطان ایوبی کے لیے یہ اتنا بڑا اور زیادہ خطرناک چیلنج تھا جو اُسے قبول کرنا تھا مگر اس کا مقابلہ مخدوش نظر آ رہا

تھا۔ اُسے ایک خطرہ اور بھی نظر آ رہا تھا جو یہ تھا کہ اس کی فوج چار سال سے لڑ رہی تھی۔ اس کے چھاپہ مار اتنی لمبی مدت سے جنگلوں اور پہاڑوں میں لڑ اور مر رہے تھے اور وہ وہیں زندگی بسر کر رہے تھے۔ جنگ کے جسمانی پہلو کو دیکھا جائے تو یہ فوج لڑنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ مذہب کی لگن کے جذبے کے زور پر وہ اس قلیل اور تھکی ہوئی فوج کو چھ لاکھ تازہ دم صلیبی فوج کے خلاف کس طرح لڑا سکتا تھا۔

قاضی بہاؤ الدین شداد جو اُس کی مجلس مشاورت کا رُکن اور اس کا مشیر خاص اور ہم راز بھی تھا، لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ ہر وقت گہری سوچ میں غرق رہتا اور ذہن میں جنگ کے نقشے بناتا رہتا تھا۔ اُس کی صحت گر رہی تھی اور ایک بار وہ بیمار پڑ گیا۔ چوتھے روز اُٹھ بیٹھا لیکن اس کی صحت میں پہلے والی جان نہیں رہی تھی۔ اس کی عمر ۵۴ برس ہوگئی تھی۔ وہ نوجوانی میں میدانِ جنگ میں اُترا تھا اور ابھی تک جنگلوں، پہاڑوں اور صحراؤں میں لڑ رہا تھا۔ اُس نے بیت المقدس کی فتح کی قسم کھائی تھی جو اُس نے پوری کر دی تھی۔ اس کے بعد اُس نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے جیتے جی بیت المقدس سے اسلامی پرچم نہیں اُترنے دے گا۔ یہ تھا وہ عہد جس نے اُسے نیند اور آرام سے محروم کر دیا تھا۔

☆

امریکی تاریخ دان اور محقق، اینتھونی ویسٹ نے ہیرلڈلیم، لین پول، گبن اور ارنول جیسے مشہور و معروف مورخوں کے حوالے سے لکھا ہے۔ ''سلطان ایوبی مسجدِ اقصیٰ میں جا بیٹھا اور سارا دِن خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دُعا کرتا رہا کہ خدا اُسے اس نازک موقعے پر اسلامی فوج کی صحیح عسکری قیادت کی توفیق عطا فرمائے۔ ایک شخص کے بیان کے مطابق، جس نے اُسے مسجد میں پڑے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ شام ہوئی تو وہ مسجد سے نکلا۔ اُس وقت اُس کے چہرے پر اطمینان اور سکون تھا''۔

یہ صحیح ہے کہ سلطان ایوبی مسجدِ اقصیٰ میں جا کر سجدہ ریز ہوا اور اس نے رو رو کر خدائے ذوالجلال سے مدد اور رہبری مانگی تھی لیکن اُس وقت کے عینی شاہدوں اور وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ دن کے وقت نہیں بلکہ رات کے وقت مسجدِ اقصیٰ گیا تھا۔ اس نے ساری رات نوافل، دُعا اور ورد وظیفے میں گزاری اور صبح کی نماز پڑھ کر باہر آیا تھا۔

اُس رات وہ مسجد میں اکیلا نہیں تھا۔ مسجد کے صحن میں ایک کونے میں کوئی آدمی اپنے اوپر کمبل ڈالے بیٹھا تھا۔ وہ کبھی ایک سجدہ کرتا، کبھی دو اور دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے ہاتھ منہ پھیرتا، پھر سجدے میں چلا جاتا تھا۔ اُسے نماز پڑھنی نہیں آتی تھی یا وہ کوئی ایسا ورد یا وظیفہ کر رہا تھا جس میں اسی طرح سجدے اور دُعا کرنی تھی۔ یہ شخص اُس وقت مسجد کے کونے میں آبیٹھا تھا جس وقت عشاء کی نماز پڑھ کر آخری نمازی مسجد سے نکل گیا تھا۔ اُس کا چہرہ کمبل میں چھپا ہوا تھا۔

صبح جب موذن نے اذان دی تو وہ اُٹھا اور اپنے آپ کو کمبل میں چھپا کر مسجد سے نکل گیا تھا۔ ایک آدمی جو مسجد کے دروازے میں داخل ہو رہا تھا، اُسے دیکھ کر رُک گیا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا، پھر اس کے پیچھے چل پڑا۔ کمبل والے نے گھوم کر دیکھا اور قدم تیز کر لیے۔ اُس کے تعاقب میں جانے والا بھی تیز تیز چلنے لگا۔ آگے ایک اور آدمی کھڑا تھا۔ کمبل والا اُس کے پاس رُکا اور کچھ کہہ کر آگے چلا گیا۔ دوسرا آدمی وہیں کھڑا رہا۔ تعاقب میں جانے والے نے اُس سے پوچھا کہ یہ کون تھا۔

''اوہ! یہ تم ہو''۔ اُس آدمی نے کہا۔ ''تم اُس کا تعاقب کر رہے ہو؟''

''میں نے اس کے پاؤں دیکھے ہیں''...... تعاقب کرنے والے نے کہا...... ''یہ مرد نہیں، عورت ہے۔ تمہاری

رشتہ دار ہے؟ تم اُسے جانتے ہو؟''

''احتشام دوست!'' ......اُس آدمی نے کہا...... ''میں جانتا ہوں تم اپنا فرض ادا کر رہے ہو۔ ہر کسی پر نظر رکھنا تمہارے فرائض میں شامل ہے اور میرا فرض ہے کہ میں تم سے کچھ بھی نہ چھپاؤں، لیکن ایک عورت کا مسجد میں جانا گناہ تو نہیں''۔

''بالکل نہیں'' ......احتشام نے کہا...... ''مجھے شک اس سے ہوا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کمبل میں کیوں لپیٹ رکھا ہے؟...... سنو العاص رات کو ہم تین آدمی مسجد کے اردگرد پہرے پر پھرتے رہے ہیں کیونکہ سلطان نے رات مسجد میں گزاری ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ ہم بہروپ میں اُن کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتے رہے ہیں۔ سلطان کسی کو بتائے بغیر مسجد میں آئے تھے۔ انہیں معلوم نہیں کہ اُن کے باوردی محافظوں کے علاوہ بھی کوئی اُن کی حفاظت پر مامور ہے۔ یہ حسن بن عبداللہ کا انتظام ہے۔ تم خود فوج کے کمان دار رہو اور مجھے اچھی طرح جانتے ہو، اس لیے تمہیں یہ سب کچھ بتا رہا ہوں''۔

''ضرور بتاؤ احتشام!'' ......العاص نے جواب دیا...... ''بیت المقدس میں اور مسجد اقصیٰ کے اتنی قریب کھڑے ہو کر مسلمان جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں تمہیں بتادوں گا کہ یہ کون ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے اس پر کیوں شک کیا ہے؟''

''میں نے رات اُسے صحن کے کونے میں دیکھا'' ......احتشام نے جواب دیا...... ''سلطان کی حفاظت کے لیے ضروری تھا کہ اُسے وہاں سے اُٹھا دیا جاتا۔ عشاء کا وقت گزر گیا تھا۔ اس آدمی کو چلے جانا چاہیے تھا۔ اس وقت سلطان اندر منبر کے سامنے عبادت اور وظیفے میں مصروف تھا۔ یہ آدمی جو کمبل میں لپٹا ہوا تھا۔ سلطان پر قاتلانہ حملہ کر سکتا تھا لیکن کسی کو مسجد سے اُٹھایا اور نکالا نہیں جا سکتا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ شخص عجیب طریقے سے عبادت کر رہا تھا۔ سجدے سے اُٹھتا اور دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا لیتا۔ اُس نے باقاعدہ نماز نہیں پڑھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ میرے دونوں ساتھیوں نے باری باری اندر آ کر اس طرح اسے دیکھا کہ اُسے پتہ نہ چل کہ اُسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ میرے اس ساتھی نے باہر آ کر بتایا کہ اس پر نظر رکھو لیکن اُسے اُٹھانا نہیں، کیونکہ میں نے اُس کے بالکل پیچھے بیٹھ کر اُس کی سسکیاں سنی ہیں اور اس کے بعض الفاظ ایسے سنے ہیں جیسے یہ اپنے گناہوں کی بخشش اور صلیبیوں کی شکست کی دُعا کر رہا ہے......

''اس سے مجھے اور زیادہ شک ہوا۔ وہ اتنا بے خبر نہیں ہو سکتا تھا کہ اُسے یہ بھی پتہ نہ چل سکتا کہ اُس کے پیچھے کوئی آ کر بیٹھ گیا ہے۔ ہم کوئی فیصلہ نہ کر سکے کہ کیا کیا جائے۔ اس شش و پنج میں رات گزر گئی۔ صبح کی اذان کے ساتھ ہی یہ آدمی مسجد سے نکلا۔ ہم نے باری باری ساری رات اس پر نظر رکھی تھی۔ میں نے مسجد کی روشنی میں دیکھا کہ یہ جب باہر آ رہا تھا تو کمبل میں سے اُس کے پاؤں نظر آ رہے تھے اور میں نے اس کے ہاتھ بھی دیکھے جو اُس نے فوراً کمبل میں چھپا لیے تھے۔ میں اس کے تعاقب میں چل پڑا''۔

''ہاں میرے دوست!'' ......العاص نے کہا...... ''تم نے ٹھیک دیکھا ہے۔ یہ مرد نہیں، عورت ہے اور بڑی ہی خوب صورت اور جوان عورت ہے اور میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ یہ ایک گناہگار عورت ہے جو دس سال ہمارے خلاف جاسوسی کرتی رہی ہے''۔

[illegible] ''کیا صلیبی ہے؟'' [illegible]

[illegible] ''صلیبی تھی!'' ......العاص نے جواب دیا...... ''اب مسلمان ہے۔ میں نے اُسے ایک مسلمان گھر میں رکھا ہوا ہے ... تم مجذوب کہہ سکتے ہو۔ درویشوں کی طرح باتیں کرتی ہے''۔

[illegible] ''... تم لوگ اس کی باتوں میں آ گئے ہو'' ......احتشام نے کہا...... ''تم میدانِ جنگ میں لڑنے والے فوجی اِن

عورتوں کی چالبازیوں کو نہیں سمجھ سکتے"۔

"تو میرے ساتھ آؤ"......العاص نے کہا......"تم اُسے دیکھو، اُس کی باتیں سنو۔ اپنا شک رفع کرو۔ ہمیں بھی کچھ بتاؤ۔ یہ تمہارا فن ہے تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس کی باتوں کا قائل ہو گیا ہوں۔ میں نے اُسے پناہ دلوائی ہے۔ میرے ساتھ آؤ"۔

اور احتشام العاص کے ساتھ چلا گیا۔

☆

وہ ایک بزرگ کا مکان تھا جو مدت سے بیت المقدس میں رہتا تھا۔ احتشام اور العاص اُس کے ڈیوڑھی میں جا بیٹھے۔ یہ بزرگ انسان جو عالم فاضل بھی تھا، نماز کے لیے مسجد میں چلا گیا تھا۔ احتشام نے العاص سے کہا کہ اس عورت کو دیکھنے سے پہلے میں تم سے پوچھوں گا کہ یہ عورت کہاں سے آئی ہے۔ اس کے متعلق تم جو کچھ جانتے ہو۔ مجھے بتادو"۔

"یہ پچھلی گرمیوں کا واقعہ ہے"......العاص نے احتشام کو سنایا......"میں مصر کی سرحد سے تھوڑی دُور چھاپہ ماروں کے ایک دستے میں تھا۔ بیت المقدس فتح ہو چکا تھا۔ ہماری زندگی ٹیلوں، ٹیکریوں اور صحرا میں گزر رہی تھی۔ اس علاقے میں ہمارا وہ کام نہیں رہ گیا تھا جو اِدھر کے چھاپہ مار ابھی تک کر رہے ہیں۔ آخر ہمیں واپسی کا حکم مل گیا۔ مجھے ایک جیش کی کمان دے دی گئی۔ میرے ساتھ سولہ چھاپہ مار تھے۔ ہر ایک جیش اپنے اپنے طور پر واپس آرہا تھا۔ ایک جگہ ٹیلے ستونوں کی طرح کھڑے تھے اور بعض کی شکلیں بڑی ڈراؤنی اور عجیب عجیب سی تھیں۔ میرے ایک چھاپہ مار نے مذاق سے کہا کہ یہ جنات اور چڑیلوں کے محل ہیں، یہاں خوب صورت اور بدکار عورتوں کی بدروحیں بھی ہوں گی۔ ہم یہ سن کر ہنس پڑے اور ان ٹیلوں میں داخل ہو گئے......

"ہمیں ان ٹیلوں نے کیا ڈرانا تھا۔ ہم نے تو ان ٹیلوں سے زیادہ خوفناک جگہوں میں راتیں گزاری ہیں۔ ہم اُس جگہ بھی رات کو سوئے ہیں جہاں انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے اور کھوپڑیاں بکھری ہوئی تھیں لیکن ان ٹیلوں کے اندر گئے تو ہم ٹھٹھک کر رُک گئے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار محسوس کیا کہ خوف کیا ہوتا ہے۔ میرا سارا جیش رُک کر کلمہ شریف کا ورد کر رہا تھا......سامنے ایک ٹیلے کے سائے میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جو مادر زاد برہنہ تھی۔ اس کے سامنے ایک عورت پیٹھ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ وہ بھی برہنہ تھی۔ بیٹھی ہوئی عورت جوان لگتی تھی۔ اس کا چہرہ بادامی رنگ کا تھا۔ ہونٹ ریت کے ڈھیلے کی طرح خشک اور پھٹے پھٹے۔ اُس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ برہنہ جسم کی ہڈیاں نظر آرہی تھیں۔ اس حالت میں بھی پتہ چلتا تھا کہ وہ بہت خوب صورت ہے......

"یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ دونوں انسان ہوتیں۔ یہ راستہ نہیں تھا کہ کوئی قافلہ یہاں سے گزرا ہوتا اور ڈاکوؤں نے انہیں لوٹ لیا ہوتا اور یہ بچ بچا کر یہاں چھپ گئی ہوتیں۔ میں اپنے سپاہیوں کو ڈرانا نہیں چاہتا تھا مگر میں خود ڈر گیا اور انہیں دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ یہ گناہگار عورتوں کی بھٹکتی ہوئی روحیں ہیں۔ میں اس اُمید پر دُور ہی رُکا رہا کہ یہ غائب ہو جائیں گی، مگر جو عورت بیٹھی ہوئی تھی، بیٹھی رہی اور جو لیٹی ہوئی تھی، وہ لیٹی رہی۔ بیٹھی ہوئی عورت پھٹی پھٹی نظروں سے ہمیں دیکھتی رہی۔ میرے ایک ساتھی نے آہستہ سے کہا......"پیچھے کو لوٹ چلو"......ایک اور نے کہا......"ہاں......پیچھے کو چلو، لیکن اُن کی طرف پیٹھ نہ کرنا"......"ہمارا اُن سے فاصلہ پندرہ قدم ہو گا۔ ہم سب نہایت آہستہ آہستہ ایک ایک قدم پیچھے ہٹے۔ تب بیٹھی ہوئی عورت نے سر کا اشارہ کیا جیسے ہمیں بلا رہی ہو۔ میں نے ایک قدم اور پیچھے اُٹھایا تو اس نے سر سے

پھر اشارہ کیا۔ مجھے صاف نظر آیا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ میں بتا نہیں سکتا کہ میں نے واقعی کوئی آواز سنی تھی یا میرے دل میں خیال آیا تھا۔ مجھے اپنے آپ میں آواز سنائی دی...... ''بھاگو مت العاص! دیکھ لو۔ یہ انسان ہی نہ ہوں''...... اچانک میرا ہاتھ اپنی کمر پر پڑا اور اس ہاتھ سے تلوار نیام سے نکال لی۔ میرے قدم اپنے آپ آگے کو اُٹھنے لگے۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ مجھے آگے جانے سے روک رہے تھے۔ میری زبان پر آیۃ الکرسی کا ورد تھا......

''میں اس سے تین چار قدم دُور رُک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ اُٹھی۔ پھر اُس نے میری طرف قدم اُٹھایا۔ اُس کا سر ڈولنے لگا۔ اس نے دوسرا قدم اُٹھایا۔ اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ اس طرح گری کہ اس کا سر میرے پاؤں کے قریب آ کر اور اس کے بال میرے پاؤں پر بکھر گئے۔ میں برہنہ عورت کو ہاتھ لگانے سے گھبرا رہا تھا۔ وہ برہنہ نہ ہوتی تو بھی میں گھبرایا ہوا تھا، لیکن مجھے دیکھنا تھا کہ یہ انسان ہے یا کوئی شرشرار۔ میں بیٹھ گیا اور اس کی نبض دیکھی۔ نبض چل رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ جنات اور چڑیلوں کی نبض شائد نہیں ہوتی۔ میں نے اُس سے ہٹ کر اُس عورت کی نبض پر ہاتھ رکھا جو لیٹی ہوئی تھی۔ اتنی جھلسا دینے والی گرمی کے باوجود اُس عورت کا جسم غیر معمولی طور پر سرد تھا جیسے رات کو صحرا کی ریت سرد ہو جاتی ہے۔ اس کی نبضوں میں جان نہیں تھی۔ اُس کا منہ کھلا ہوا اور آنکھیں ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھیں۔ جسم سفید تھا۔ میں نے اس میں موت کی تمام نشانیاں دیکھیں......

''اور وہ جو میرے سامنے گری تھی، اس کا جسم گرم تھا۔ یہ بدروحیں یا جنات نہیں ہو سکتی تھیں۔ اللہ نے مجھے عقل اور دلیری عطا فرمائی۔ میں نے اپنے جیش کو بلایا۔ ہمارے پاس پانی کے چھوٹے مشکیزے تھے۔ کھانے کا سامان بھی تھا جو تین ٹٹوؤں پر لدا ہوا تھا۔ میرا جیش پیادہ تھا۔ میں نے کہا کہ فوراً پانی اور دو چادریں لاؤ۔ میرے ساتھی پانی اور چادریں لے آئے۔ سورج ابھی سر پر نہیں آیا تھا۔ وہاں عمودی ٹیلے کا سایہ تھا۔ میں نے بے ہوش عورت پر چادر ڈالی اور اُسے سیدھا کر کے ٹیلے کے دامن میں کر دیا۔ اس کے جسم کو اچھی طرح لپیٹ دیا۔ دوسری چادر نیچے بچھا کر اس پر لٹا دیا اور اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، اُس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اس میں پانی ٹپکایا جو اس کے حلق میں اُترتا چلا گیا......

''مجھے ساتھی روکتے رہے کہ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالوں لیکن مجھ پر اب نہ ڈر کا اثر تھا، نہ اپنے ساتھیوں کی باتوں کا اثر۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں۔ اُس کے ہونٹ بند ہوئے اور پھر کھل گئے۔ میں نے اس کے منہ میں اور پانی ٹپکایا، پھر ایک کھجور کی گٹھلی نکال کر کھجور اس کے منہ میں رکھی، وہ کھانے لگی۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی تو میں نے اُسے سہارا دے کر بٹھا دیا''۔

☆

العاص احتشام کو سنا رہا تھا...... ''اُسے میں نے کھانے کو دیا جو کچھ ہمارے پاس تھا۔ اُس نے اور پانی پیا، پھر ہم نے اُسے کھانے پینے سے روک دیا کیونکہ اس کا پیٹ بہت دِنوں سے خالی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے نحیف آواز میں کہا ''میں تمہاری زبان سمجھتی اور بولتی ہوں...... یہ مر گئی ہے''...... پھر اُس نے پوچھا کہ ہم کون ہیں۔ میں نے بتایا کہ ہم اسلامی فوج کے چھاپہ مار ہیں۔ بیت المقدس کو جا رہے ہیں۔ اس نے کہا ''پھر مجھے تم سے رحم کی توقع نہیں رکھنی چاہیے''...... میں نے اسے کہا کہ تم مسلمان معلوم نہیں ہوتی۔ اس نے کہا...... ''میں جھوٹ نہیں بولوں گی لیکن سچ بولوں گی تو تم پچھتاؤ گے کہ تم نے مجھے مرنے کیوں نہ دیا''...... میں نے اُسے کہا...... ''تم صرف یہ یقین دلا دو کہ تم انسان ہو''...... اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ اُس کے جسم میں خون حرکت میں آ رہا تھا......

''اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ کھانے اور پانی سے اُسے نیند آ رہی تھی۔ وہ بچوں کی طرح لڑھک گئی اور گہری نیند سو گئی۔ ہم نے بہت قتل و غارت کی تھی۔ بہت شب خون مارے تھے۔ ہمارے کئی ساتھی ہمارے سامنے شہید ہوئے تھے۔ مرنا اور مارنا ہمارے لیے بچوں کا کھیل تھا لیکن ایک عورت پر، خواہ وہ ہماری دشمن ہی تھی، ہاتھ اُٹھانا ہمارے لیے گناہِ کبیرہ تھا۔ میں نے اپنے جیش سے کہا کہ سورج سر پر آ رہا ہے۔ جھکے ہوئے ٹیلے دیکھو اور اُن کے سائے میں آرام کر لو۔ یہ جاگے گی تو اُسے ساتھ لے جائیں گے......

''میرے ایک دو ساتھیوں نے کہا کہ جاسوس معلوم ہوتی ہے، لیکن باقی سب کہہ رہے تھے کہ اس جگہ جاسوس عورتوں کا کیا کام، یہ انسان نہیں۔ میری رائے یہ تھی کہ چونکہ ہمارے چھاپہ مار جیش مصر اور فلسطین کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ سرگرم تھے، اس لیے ان لڑکیوں کو یہاں بھیجا گیا ہوگا کہ ہمیں گمراہ کریں، لیکن مجھے یقین نہیں آتا تھا۔ ان کے ساتھ ایک دو مردوں کا ہونا ضروری تھا......

''غروبِ آفتاب سے ذرا پہلے وہ جاگی اور اُٹھ بیٹھی۔ میں اس کے قریب جا بیٹھا۔ اس نے پانی پیا اور کھانے کو کچھ اور مانگا۔ میں نے اُسے کھانا دیا۔ اب وہ اچھی طرح بول سکتی تھی۔ اُس نے مری ہوئی عورت کی طرف اشارہ کر کے کہا...... ''اسے دفن کر دو''۔ میرے سپاہی دین دار تھے۔ ایک نے اپنی چادر دے دی۔ لاش کو چادر میں لپیٹ دیا گیا۔ سپاہیوں نے قبر کھودی اور اسے دفن کر دیا''۔

☆

العاص نے احتشام کو بتایا...... ''اس عورت نے یہ بتانے کی بجائے کہ وہ کون ہے، وہ دونوں کہاں سے آ رہی تھیں اور کہاں جا رہی تھیں، اس نے پوچھا...... ''تم نے اپنے خدا کو کبھی دیکھا ہے؟''...... میں نے جو جواب زبان پر آیا دے دیا۔ اُس نے کہا...... ''میں نے تمہارا خدا دیکھ لیا ہے۔ ابھی ابھی اُسے دیکھا ہے۔ تم کہو گے کہ تم نے خواب دیکھا ہے لیکن یہ خواب نہیں تھا۔ خدا نے مجھے کہا ہے کہ میں نے تجھے وہ آنکھیں دے دی ہیں جو آنے والے وقت کے اندھیرے میں دیکھ سکیں گی۔ خدا نے مجھے یہ بھی کہا ہے کہ تو نے گناہ کی پھر کبھی سوچی تو تیرے اپنے ہاتھ تیرے خنجر سے تیری آنکھیں نکال دیں گے۔ خدا نے مجھے کہا ہے کہ میں تجھے اس جگہ لے جا رہا ہوں جہاں سے میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے پاس بلایا تھا''......

''اُس نے ایسی بہت سی باتیں کیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ صحرا کے سفر اور صعوبتوں نے اُس کے دماغ پر اتنا اثر کیا ہے کہ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ مثلاً اس نے یہ بھی کہا...... ''تم نے میرا جسم کیوں ڈھانپ دیا ہے؟ اسے ننگا رہنے دیتے تو کیا ہو جاتا؟...... میں اب جسم نہیں، صرف روح ہوں۔ روح پاک ہو جائے تو جسم کے گناہ دُھل جاتے ہیں''......
وہ زیادہ تر اسی قسم کی باتیں کرتی رہی۔ ان سے مجھے یقین تو ہو گیا کہ یہ انسان ہے، بدروح نہیں اور مجھے اس کے بتانے کے بغیر ہی پتہ چل گیا کہ یہ اُن صلیبی لڑکیوں میں سے ہے جو ہمارے امیروں، وزیروں اور سالاروں کو غدار بنانے اور راز لے کر اپنے ملک کو بھیجنے کے لیے ہماری طرف بھیجی جاتی ہیں لیکن اُس کی اِن باتوں سے مجھے یہ شک ہونے لگا کہ اس کے دماغ پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا اور یہ اس قسم کی باتیں کر کے مجھے بے وقوف بنا رہی ہے تاکہ میں اُسے وہاں تک حفاظت سے پہنچا دوں جہاں یہ جانا چاہتی ہے......

''میں نے اُسے کہا کہ مجھے صحیح صحیح بتا دو کہ تم دونوں کہاں جا رہی تھیں۔ میں نے اُسے دھمکیاں دیں، پھر یہ بھی ظاہر کیا کہ میں بے وقوف بن چکا ہوں اور وہ مجھے استعمال کر سکتی ہے مگر اُس کے انداز اور اس کی مجذوبانہ باتوں میں کوئی

تبدیلی نہ آئی۔ سورج غروب ہونے کے بعد میں نے اُسے سامان والے ٹٹو پر بٹھا دیا اور ہم چل پڑے۔ سفر رات کو ہی کرنا ہوتا تھا۔ دن کو صحرا جلنے اور جلانے لگتا تھا۔ میں نے اپنے جیش سے کہہ دیا تھا کہ مجھ پر کوئی شک نہ کرنا، اگر اسے تنہا میں لے جاؤں تو اس سے میرا مقصد صرف یہ ہوگا کہ میں اس سے بھید لینے کی کوشش کر رہا ہوں......

''میرا جیش آگے آگے چلتا رہا اور میں اس عورت کے ٹٹو کے ساتھ بہت پیچھے رہا۔ وہ اب سنبھلتی جا رہی تھی لیکن اس کی باتیں درویشوں کی طرح ہی رہیں۔ آدھی رات کے بعد ہم نے پڑاؤ کیا۔ اسے میں نے سب سے الگ رکھا اور خود بھی اس کے ساتھ رہا۔ میں نے اس سے ایک بار پھر پوچھا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے۔ اس نے جواب دیا...... ''قید خانے میں بھی خدا ہوتا ہے''...... پھر میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ میں نے سفلہ پن کا حیوانیت کا مظاہرہ کیا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ میرے ساتھ سودا بازی کرے گی یا کہے گی کہ میں اسے کسی ایسے شہر میں پہنچا دوں جو صلیبیوں کے قبضے میں ہو۔ لیکن اس پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اُس نے میری طرف توجہ ہی نہ دی۔ اگلی رات اُس نے بتایا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے......

''اس نے بتایا کہ وہ ڈیڑھ سال سے قاہرہ رہی ہے، وہاں کسی امیر کبیر تاجر کی بیٹی بنی رہی۔ ایک مسلمان حاکم کی داشتہ رہی اور دو حاکموں کو اس کا دشمن بنایا، پھر تینوں کو آپس میں ٹکرایا۔ قاہرہ کے سرکاری کاموں میں گڑبڑ کرائی۔ دو صلیبی جاسوسوں کو قید خانے سے رہا کرایا۔ ایک بڑے خطرناک جاسوس اور تخریب کار کو جسے سزائے موت دی جانے والی تھی، ان مسلمان حاکموں کی مدد سے فرار کرایا۔ اس نے اور بھی بہت سے کام کیے۔ آخر میں وہ جاسوسی اور سراغ رسانی کے اُستاد اور سربراہ علی بن سفیان کو قتل کرانے کا بندوبست کر رہی تھی......

''اسے جنگ حطین کے نتیجے کی اطلاع ملی۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ صلیب الصلبوت سلطان ایوبی کے قبضے میں آگئی ہے اور اس صلیب کا محافظِ اعظم میدانِ جنگ میں مارا گیا ہے۔ اُسے یہ بھی پتہ چلا کہ کچھ صلیبی حکمران مارے گئے اور جنگی قیدی ہو گئے ہیں اور بیت المقدس کا حکمران گائی آف لوزینان بھی قید ہو گیا ہے۔ یہ خبریں اُس کے دماغ پر ہتھوڑوں کی طرح پڑتی رہیں، پھر اُسے دو اور خبریں ملیں۔ ایک یہ کہ اُس کا پیر استاد ہرمن (جو لڑکیوں کو ٹریننگ دے کر مسلمان علاقوں میں بھیجا کرتا تھا) قید ہو گیا ہے اور بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ان خبروں نے اس کا دماغ ہلا ڈالا۔ اسے تربیت دے کر اور تیار کر کے قاہرہ بھیجا گیا اور گناہوں کی تربیت کہیں لڑکپن کے آغاز میں شروع کی گئی تھی۔ اس کے اندر جذبات کی جگہ فریب اور دھوکہ بھر دیا گیا لیکن مذہب کے معاملہ میں یہ کوری نہیں تھی۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ اسے صلیب الصلبوت اور یسوع مسیح کی خوشنودی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے، اسے تربیت کے بعد آخری اشیر باد عکرہ کے بڑے گرجے میں صلیب الصلبوت کے پادری نے دی تھی جسے محافظِ اعظم کہتے ہیں......

''اُس نے اُسے بتایا تھا کہ صلیب کی حکمرانی ناقابلِ تسخیر ہے اور اس کا مرکز یروشلم ہے۔ جس کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ اسلام کوئی مذہب نہیں اور مسلمانوں کو عیسائیت میں لانا یا انہیں قتل کرنا ثواب کا کام ہے اور یہ کہ جو لڑکیاں صلیب کے نام پر عصمتیں قربان کر رہی ہیں، انہیں اگلے جہان بہشت کی حوریں بنایا جائے گا۔ ایسی ہی کچھ اور باتیں تھیں جو اُس کے ذہن اور دل پر نقش کر کے عقیدہ بنا دی گئیں اور وہ گناہوں کو نیکی سمجھتی رہی۔ فریب کاری اور دھوکہ دہی کو کارِ ثواب سمجھتی رہی......

''اُسے جب پتہ چلا کہ صلیب الصلبوت بھی نہیں رہی۔ اس کا محافظِ اعظم پادری بھی نہیں اور یسوع مسیح کی حکمرانی کا مرکز یروشلم بھی نہیں رہا...

ساتھی یعنی صلیبی جاسوس تھے، وہ وہاں سے بھاگنے لگے تھے، پھر ایک روز وہ اپنے کسی ساتھی کی تلاش میں نکلی تو پتہ چلا کہ وہ غائب ہے۔ اُسے ایک اور ساتھی ملا۔ اُس نے اُسے کہا کہ ہماری مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ مسلمان ہو کر کسی سے شادی کر لو یا یہاں سے بھاگ جاؤ......

''اب تو اس پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔ اُس نے اپنی اس سہیلی کو ساتھ لیا۔ اپنے چاہنے والے ایک مسلمان حاکم سے دو گھوڑے شوقیہ سواری اور سیر سپاٹے کے لے لیے اور دونوں شام کے وقت نکلیں۔ اندھیرا گہرا ہوا تو شہر سے نکل آئیں۔ انہوں نے کھانے اور پانی کا کچھ انتظام کر رکھا تھا مگر انہیں صحرا کے سفر کی ذراسی بھی سوجھ بوجھ نہیں تھی، نہ انہیں اپنی منزل کا کچھ پتہ تھا۔ انہیں اُمید تھی کہ راستے میں انہیں صلیبی فوج کا کوئی دستہ مل جائے گا۔ اُن کی بدقسمتی اور بہت بڑی حماقت تھی کہ راستے کے متعلق کچھ بھی نہ جانتے ہوئے، چل پڑیں......

رات تو گزر گئی۔ انہوں نے گھوڑے سرپٹ دوڑائے تھے۔ دوسرے دن جب سورج اوپر آ کر صحرا کو جلانے لگا تو گھوڑے تھکن اور پیاس سے بے حال ہونے لگے۔ ان لڑکیوں کا اپنا حال بہت بُرا ہونے لگا۔ انہیں صحرا میں پانی اور سبزہ زار کے سراب نظر آنے لگے اور وہ ان کے پیچھے گھوڑے دوڑانے لگیں۔ اس روز تو گھوڑوں نے کچھ ساتھ دیا مگر دوسرے دن بھی انہیں کچھ کھانے کو اور پانی نہ ملا تو دونوں گھوڑے پہلے رُکے، پھر گرے اور پھر کبھی نہ اُٹھے......

''اُس کے بعد جوان دونوں کا سفر شروع ہوا اُسے احتشام دوست! تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ظالم صحرا اس قسم کے مسافروں کو کس انجام تک پہنچایا کرتا ہے۔ اس لڑکی نے اپنی زبان سے مجھے بتایا کہ میں نے جو دھوکے لوگوں کو دیئے تھے، اس سے زیادہ ظالمانہ دھوکے مجھے صحرا نے دیئے۔ میں نے صحرا میں ندیاں بہتی دیکھیں۔ اُن کے قریب گئی تو وہ دُور ہٹتی گئیں۔ ہم دونوں اُن کے پیچھے بھاگتی رہیں۔ میں نے نخلستان دیکھے، گلستان دیکھے اور میں نے صحرا میں بحری جہاز اور بادبانی کشتیاں تیرتی دیکھیں۔ ہم ہاتھ اوپر کر کے ہلاتی، چلاتی اور ان کے پیچھے دوڑتی رہیں، بعض جگہوں پر ہمیں پانی مل بھی گیا۔ ہم نے ایسی ہر جگہ کئی دن گزارے......

''لڑکی نے مجھے بتایا کہ صحرا میں اُس کا وہ وجود مر گیا جس نے قاہرہ کے حاکموں پر جادو کر رکھا تھا۔ اُسے ہمارے خدا کا خیال آ گیا اور اُس کے اندر یہ احساس کانٹے کی طرح چبھنے لگا کہ صلیب الصلبوت کے محافظِ اعظم نے اُسے دھوکہ دیا ہے اور اب وہ دوسروں کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہے۔ اس پر یہ حقیقت کھلی کہ اپنی عصمت پیش کر کے کسی کو دھوکہ دینا ثواب کا کام نہیں ہو سکتا۔ اسے یہ خیال بھی آ گیا کہ مسلمان اپنی لڑکیاں کو اس طرح استعمال نہیں کرتے۔ ایک روز صحرا میں اُسے یہ احساس بھی ہوا جیسے وہ اور اُس کی سہیلی مر چکی ہیں اور وہ دوزخ میں پھینک دی گئی ہیں یا وہ بدروحیں بن چکی ہیں اور دوزخ کی طرح جلتے ہوئے میدان میں بھٹک رہی ہیں......

''ایک رات اُس نے اپنی سہیلی سے کہا کہ وہ اپنے عقیدے سے دِل برداشتہ ہو گئی ہے اور اب وہ مسلمانوں کے خدا کو پکارے گی۔ دونوں کے ہونٹ اور زبانیں لکڑی کی طرح ہو گئی تھیں۔ حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے اور وہ بڑی مشکل سے بات کرتی تھیں۔ اس کی سہیلی نے بہت بُرا منایا کہ وہ اپنے عقیدے سے منحرف ہو رہی ہے اور اپنے دشمن کے عقیدے کو اپنانا چاہتی ہے۔ اس نے اُس کی نہ سنی۔ اس کی جب سہیلی سو گئی تو یہ اُس سے کچھ دُور چلی گئی۔ اس نے سجدے کیے اور ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر خدا کو پکارتی اور گناہوں کی بخشش مانگتی رہی۔ وہ ساری رات روتی رہی۔ سجدے کے سوا عبادت کا اُسے کوئی

''اسی رات اس کے دماغ میں اثر ہو گیا یا واقعی خدا نے اُسے کوئی اشارہ دیا۔ یہ کہتی ہے کہ اسے اپنے سامنے دھوئیں کی طرح ایک باریش انسان کھڑا نظر آیا۔ اس نے کہا..... ''اگر تو نے دِل سے توبہ کی ہے تو اس ریگستان میں جہاں سے انسانوں کا گزر نہیں ہوا کرتا، وہ انسان آئیں گے جن کے خدا کو تو نے پکارا ہے۔ تُو یہاں سے زندہ نکل جائے گی'..... اسے یاد نہیں کہ اس سے کتنی مدّت بعد میں اپنے جیش کے ساتھ وہاں سے گزرا۔ اُسے زندہ دیکھا اور اس کی سہیلی مر چکی تھی......

''تم جانتے ہو کہ یہ برہنہ کیوں تھیں۔ صحرا کا بھٹکا ہوا مسافر جب جلنے لگتا ہے تو پہلے اپنا سامان پھینکتا ہے، پھر اپنے جسم سے ایک ایک کپڑا اُتارتا اور پھینکتا جاتا ہے۔ یہ کام وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں کرتا اور چلتا رہتا ہے، حتیٰ کہ وہ کہیں گر پڑتا ہے۔ اس لڑکی کو یاد نہیں کہ اُس نے اور اس کی سہیلی نے کپڑے کب اور کہاں اُتار پھینکے تھے......

''ہم دس بارہ روز بعد بیت المقدس پہنچے۔ اس کی صحت بحال ہو گئی تھی۔ اس کی خوب صورتی نکھر آئی تھی لیکن یہ باتیں مجذوبوں کی طرح کرتی رہی۔ اگر یہ ایسی باتیں تمہارے ساتھ کرتی تو تم بھی اس سے متاثر ہو جاتے۔ اُس نے بار بار کہا..... ''بیت المقدس پر اب صلیبیوں کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ خدا انہیں راستے میں غرق کرے گا''..... وہ اسی طرح کی پیشین گوئیاں کرتی رہی۔ رات کو اس کی عبادت شروع ہوتی تھی۔ طریقہ یہی تھا کہ سجدے کرتی، روتی اور دعا مانگتی تھی......

''اب یہ جن کے گھر رہتی ہے، انہیں میں بہت عرصے سے جانتا ہوں۔ یہ عالم فاضل بزرگ ہیں۔ میں اُن کا معتقد ہوں۔ میں نے اُسے ان کے حوالے کر دیا''۔

☆

العاص یہ باتیں سنا رہا تھا اور یہ بزرگ نماز پڑھ کر آ گیا۔ اس نے احتشام سے کہا..... ''یہ ضروری نہیں کہ خدا سے یہ فضیلت اُسی کو عطا ہوتی ہے جس کے پاس علم و فضل ہوتا ہے۔ معلوم نہیں کس وقت کیسی فریاد اس کے سینے سے نکلی جو خدا نے سن لی اور اس لڑکی کو یہ مقام عطا کر دیا۔ یہ مجذوب ہے۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ پاگل نہیں اور یہ دھوکہ بھی نہیں دے رہی۔ اُس نے اپنی خواہش پر اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں نے اُسے نماز پڑھانے اور سکھانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن اس کی عبادت کا اپنا ہی طریقہ ہے۔ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتی ہے اور جب بولتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اُسے غیب سے کوئی اشارہ ملا ہے''۔

''یہ مسجدِ اقصیٰ میں جاتی رہتی ہے؟'' احتشام نے پوچھا

''نہیں''۔ بزرگ نے کہا..... ''رات کو پہلی بار مسجد میں گئی ہے۔ العاص صبح آیا تو میں نے اُسے بتایا کہ وہ مسجد میں چلی گئی ہے۔ العاص اس کے پیچھے چلا گیا اور وہ اُسے شاید راستے میں مل گئی''۔

''یہیں سے شک پیدا ہوتا ہے کہ یہ اُسی رات کیوں مسجد میں گئی جس رات سلطان مسجد میں موجود تھے؟''

''میں اس کا جواب نہیں دے سکتا''۔ بزرگ نے کہا۔

احتشام نے کہا کہ میرا فرض ہے کہ میں لڑکی کو حسن بن عبداللہ کے پاس لے جاؤں۔ یہ اُس کی مرضی ہے کہ اُسے آپ کے حوالے کر دے یا سلطان کے پاس لے جائے۔

لڑکی کو جب بتایا گیا کہ اُسے احتشام کے ساتھ جانا پڑے گا تو وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔ العاص بھی ساتھ گیا۔ حسن بن عبداللہ نے اس کی کہانی العاص اور احتشام سے سن کر لڑکی سے کچھ باتیں پوچھیں تو اس نے یہی جواب دیا..... ''اب تو سمندر سے آئے ہوئے بیڑے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ مجھ سے کیوں ڈرتے ہو..... مجھے اپنے

سلطان کے پاس لے چلو۔ اُس نے رات کو جو دُعا کی تھی، وہ خدا نے قبول کر لی ہے"۔

بہت کوشش کے باوجود اُس نے کچھ نہ بتایا تو اس کے متعلق سلطان ایوبی کو اطلاع دی گئی۔ سلطان کو اسی روز عکرہ جانا تھا۔ اُس نے کہا کہ لڑکی کو لے آؤ..... لڑکی سلطان ایوبی کے سامنے گئی تو دوزانو ہو کر سلطان کا دایاں ہاتھ چوما، پھر اُٹھی اور سلطان ایوبی کی آنکھوں میں قریب ہو کر دیکھا۔ اُس نے اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے لہجے میں کہا..... "ان آنکھوں سے رات سجدے میں آنسو گرے تھے۔ مجھے تمہارے دشمن کے جہاز ان آنسوؤں میں ڈوبتے نظر آ رہے ہیں۔ بیت المقدس کی دیواروں تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا..... خون کا سمندر بہہ جائے گا..... وہ راستے میں مر جائیں گے..... وہ تباہ ہو رہے ہیں۔ آنسو جو خدا کے حضور سجدے میں بہتے ہیں، انہیں فرشتے موتی سمجھ کر اُٹھا لیتے ہیں۔ خدا ان موتیوں کو ضائع نہیں کرتا۔ نیت صاف ہو تو راستے صاف ملتے ہیں"۔

بہت کوشش کی گئی کہ لڑکی کو اُس کے اصلی روپ میں لایا جائے، لیکن وہ ایسی باتیں کرتی رہی جیسے اُسے آنے والا وقت نظر آ رہا ہو۔ اسے آخر مجذوب سمجھ کر اسی بزرگ کے حوالے کر دیا گیا اور اُسے ہدایت دی گئی کہ وہ اس پر نظر رکھے۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی نے مسجدِ اقصیٰ میں خدا کے حضور جو آنسو بہائے تھے، وہ فرشتوں نے موتی سمجھ کر اُٹھا لیے۔ سب سے پہلے اُسے یہ اطلاع ملی کہ جرمنی کا شہنشاہ فریڈرک مر گیا ہے۔ اس سے چند دن بعد ایک صلیبی حکمران کاؤنٹ ہنری کے مرنے کی اطلاع ملی۔ یہ بھی صلیبی فوج کا ایک اتحادی تھا اور بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے آیا تھا۔ قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ کاؤنٹ ہنری کی موت کو صلیبیوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اس کا انکشاف اس طرح ہوا کہ سلطان ایوبی کے بحری چھاپہ ماروں نے صلیبیوں کی دو جنگی کشتیاں پکڑیں جو فلسطین کے ساحل سے کچھ دُور سے گزر رہی تھیں۔ اس میں پچاس صلیبی بحری سپاہی تھے۔ انہیں قیدی بنا لیا گیا۔

اس سے اگلے ہی روز صلیبیوں کی ایک بڑی کشتی پکڑی گئی۔ اس میں ایک کوٹ تھا جس پر ہیرے جواہرات لگے ہوئے تھے۔ یہ کسی شاہ کا کوٹ ہو سکتا تھا۔ صلیبی قیدیوں نے بتایا کہ یہ کاؤنٹ ہنری کا کوٹ ہے اور وہ مر گیا ہے۔ اس کشتی میں ایک قیدی اور بھی تھا جو بحری کمانڈر معلوم ہوتا تھا۔ اس کے متعلق انکشاف ہوا کہ کاؤنٹ ہنری کا بھانجا ہے۔ ان سب کو جنگی قید میں ڈال دیا گیا۔

کاؤنٹ ہنری کی موت کے متعلق تین مختلف روائتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دریا میں ڈوب گیا تھا۔ مسلمان مورخ کہتے ہیں کہ صرف ایک گز گہرے پانی میں گرا اور مر گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ دریا میں نہانے اُترا تو بیمار پڑ گیا اور مر گیا۔

سلطان ایوبی جس کے متعلق سب سے زیادہ سنجیدہ بلکہ متفکر تھا، وہ انگلستان کا جنگجو بادشاہ رچرڈ تھا جو بلیک پرنس (سیاہ شہزادہ) کے نام سے مشہور تھا اور اسے "شیر دِل رچرڈ" بھی کہا جاتا تھا۔ وہ جنگ کا ماہر تھا۔ ذاتی طور پر بہت دلیر اور اسے قدرت نے یہ وصف عطا کیا تھا کہ اس کا قد لمبا اور بازو بھی لمبے تھے۔ اس سے اُسے یہ فائدہ حاصل تھا کہ اس کی تلوار دشمن تک پہنچ جاتی تھی مگر دشمن کی تلوار اس تک مشکل سے ہی پہنچتی تھی۔ صلیبی دُنیا میں سب کی نظریں اسی پر لگی ہوئی تھیں۔ اس کی جنگی قوت بھی زیادہ تھی اور اُس کی بحری جنگی قوت اس وقت دُنیا کی سب سے زیادہ طاقتور تھی۔ سلطان ایوبی کو یہی خطرہ نظر آ رہا تھا۔

البحرین عبد المحسن تھا۔ سلطان ایوبی کو جب یہ اطلاع ملی کہ رچرڈ اپنے بحری بیڑے کے ساتھ آرہا ہے تو اس نے المحسن کو یہ حکم بھیجا کہ وہ رچرڈ کے بیڑے کے سامنے نہ آئے اور اپنے جہاز بکھیر کر رکھے۔ حسام الدین لولو کو اس نے چند ایک جہازوں اور جنگی کشتیوں کے ساتھ عسقلان بلا لیا تھا اور اُسے کہا تھا کہ دشمن کے جہازوں پر نظر رکھے لیکن آمنے سامنے کی ٹکر نہ لے۔ اس کی بجائے بحری چھاپہ ماروں کو دشمن کے اکیلے دکیلے جہازوں کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کرے۔

سلطان ایوبی نے دیکھ لیا تھا کہ سمندر میں بھی اُسے چھاپہ مار جنگ لڑنی پڑے گی۔ یہ وہ دن تھے جو سلطان ایوبی کے لیے بڑے ہی اذیت ناک تھے۔ وہ رات کو سوتا بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنی مجلسِ مشاورت میں کہا کہ ہمیں ایک ساحلی شہر قربان کرنا پڑے گا اور وہ عکرہ ہی ہو سکتا ہے۔ میں دشمن کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ جو کچھ ہے عکرہ میں ہے اور اگر عکرہ لے لیا گیا تو مسلمانوں کی کمر ٹوٹ جائے گی پھر بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانا آسان ہو جائے گا۔ سلطان ایوبی نے مجلسِ مشاورت کو بتایا کہ وہ دشمن کو عکرہ میں لانے میں کامیاب ہو گیا تو دشمن عکرہ کی دیواروں کے ساتھ ہی سر پٹختا رہے گا۔ مجلسِ مشاورت نے اسے اجازت دے دی کہ جس طرح وہ مناسب اور سودمند سمجھتا ہے کرے۔

☆

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بیت المقدس اور ارضِ مقدس کو سلطان ایوبی کے وہ آنسو ہی بچا سکتے تھے جو اُس نے مسجدِ اقصیٰ میں بہائے تھے اور وہ دعائیں بچا سکتی تھیں جو اُس نے اُس رات مسجدِ اقصیٰ میں سجدے میں گر کر مانگی تھیں...... دُعائیں اس لڑکی نے بھی مسجدِ اقصیٰ میں ہی مانگی تھیں جس نے سلطان ایوبی کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا...... ''تمہارے دشمن کے جہاز تمہارے آنسوؤں میں ڈوبتے نظر آ رہے ہیں''۔

یہ تو کوئی مورخ نہیں بتا سکتا کہ رات سلطان ایوبی نے خدائے ذوالجلال سے کیا کیا باتیں کی تھیں، البتہ یہ حقیقت ہر مورخ نے بیان کی ہے کہ رچرڈ کا وہ بحری بیڑہ جس سے ایوبی جیسا مردِ خدا بھی خوف زدہ تھا، انگلستان سے روانہ ہوا تو بحیرۂ روم میں داخل ہوتے ہی ایک خوف ناک طوفان کی لپیٹ میں آ گیا۔ تمام جہاز بکھر گئے۔ ایک اندازے کے مطابق اس بیڑے میں پانچ سو بیس چھوٹے جہاز تھے۔ ان میں چند ایک بڑے جنگی جہاز تھے۔ یہ سب فوج، گھوڑوں، رسد اور سازوسامان سے بھرے ہوئے تھے۔

طوفان میں بیڑہ ایسا بکھرا کہ رچرڈ کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ طوفان کے بعد جب کئی دنوں کی تگ ودو سے بیڑہ یکجا کیا گیا تو پتہ چلا کہ پچیس جہاز غرق ہو گئے ہیں اور دو بہت بڑے باربردار جہاز بھی ڈوب گئے ہیں۔ ان میں بے انداز اسلحہ اور دیگر سامان تھا۔ رچرڈ کو جو سب سے زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑا، وہ ایک خطیر رقم تھی جو وہ اپنے ساتھ لا رہا تھا۔ یہ بے بہا خزانہ تھا جو بحیرۂ روم کی تہہ میں چلا گیا۔

رچرڈ قبرص کے جزیرے میں لنگر انداز ہوا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے بیڑے کے تین چار جہازوں کو طوفان نے قبرص کے ساحل پر پہنچا دیا ہے۔ ان میں سے ایک میں اس کی نوجوان بہن جوآنا بھی تھی اور اس کی منگیتر بیرنگاریا بھی۔ ان دونوں کے متعلق اُس نے سمجھ لیا تھا کہ ڈوب مری ہیں لیکن وہ زندہ سلامت تھیں، البتہ قبرص کے بادشاہ آئزک نے رچرڈ کے لیے یہ مسئلہ کھڑا کر رکھا تھا کہ اس نے اپنے ساحل کے ساتھ آنے والے ان تین جہازوں سے سامان نکلوا کر اپنے قبضے میں لے لیا اور تمام آدمیوں کو رچرڈ کی بہن اور منگیتر سمیت قید میں ڈال دیا تھا۔ رچرڈ کو آئزک کے خلاف جنگ لڑنی پڑی۔ آئزک کو شکست دے کر اُسے ایک خیمے میں قید کیا مگر آئزک رات کو اس طرف سے خیمہ پھاڑ کر جدھر کوئی پہرہ دار نہیں تھا،

فرار ہوگیا۔ رچرڈ پندرہ بیس روز اُسے جزیرے میں ڈھونڈتا پھرا۔ آخر وہ اُسے مل گیا۔ رچرڈ نے اس کا گھوڑا لے لیا۔ یہ غیر معمولی طور پر تیز رفتار گھوڑا تھا۔ رچرڈ ارضِ مقدس میں لڑنے آیا تو یہی گھوڑا اس کے پاس تھا۔

☆

رچرڈ جب ارضِ مقدس کے ساحل کے قریب آیا تو اس وقت اس کے اتحادی صلیبی عکرہ کو محاصرے میں لے چکے تھے۔ سب سے پہلے جس کی فوج نے محاصرہ کیا وہ گائی آف لوزینان تھا جسے ملکہ سبیلا نے اس عہدنامے پر رہا کرایا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کے خلاف نہیں لڑے گا۔ اس کے ساتھ فرانس کے بادشاہ فلپس آگسٹس کی فوج آن ملی اور محاصرہ مستحکم ہوگیا۔ شہر کے اندر مسلمان فوجوں کی تعداد دس ہزار تھی اور رسد کم و بیش ایک سال کے لیے کافی تھی۔ محاصرہ ۱۳ اگست ۱۱۸۹ء کے روز شروع ہوا۔

عکرہ کے شہر کے محلِ وقوع کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے ایک طرف L شکل کی دیوار تھی اور تین اطراف کو سمندر تھا۔ سمندر میں صلیبیوں کا بحری بیڑہ موجود تھا۔ جہاز بکھیر کر کھڑے کیے گئے تھے۔ دیوار سے دور صلیبی فوج نے ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ اس طرح خشکی کے تمام راستے بند ہوگئے تھے۔ سلطان ایوبی شہر کے اندر نہیں، باہر تھا۔ اُس نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے اور اپنی نقل و حرکت کی جھلک دکھا کر دشمن کو عکرہ میں گھسیٹ لیا تھا۔ صلیبیوں نے جب اس شہر کا محاصرہ کیا، اس وقت انہیں یہی بتایا گیا تھا کہ سلطان ایوبی شہر میں ہے مگر جب انہوں نے تمام فوج محاصرے میں لگا دی تو اس کے ایک حصے پر عقب سے حملہ ہوا۔ تب انہیں پتہ چلا کہ سلطان ایوبی باہر ہے اور اُس نے اس صلیبی فوج کو محاصرے میں لے لیا جس نے عکرہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔

سلطان ایوبی کی یہ دشواری تھی کہ اس کے پاس فوج کی کمی تھی۔ تاہم اُسے توقع تھی کہ وہ محاصرہ توڑ لے گا لیکن وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ محاصرہ زیادہ مدت تک رہے تاکہ صلیبیوں کی طاقت یہیں پر صرف ہوتی رہے۔ ۱۴ اکتوبر ۱۱۸۹ء کے روز صلیبیوں پر زبردست حملہ کیا۔ صلیبی مقابلے کے لیے تیار تھے۔ بڑی ہی خون ریز جنگ ہوئی، جس میں نو ہزار صلیبی مارے گئے لیکن ان کے پاس چھ لاکھ کا لشکر تھا۔ نو ہزار کے مرجانے سے کوئی فرق نہ پڑا۔ انہوں نے شہر کو فتح کرنے پر زیادہ توجہ مرکوز رکھی لیکن ان کی فوج دیوار کے قریب جانے سے ڈرتی تھی کیونکہ دیوار کے اوپر سے مسلمان ان پر تیروں کے علاوہ آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینکتے تھے۔

صلیبیوں نے دیوار کے قریب پہنچنے، شہر کے اندر پتھر اور آگ برسانے اور دیوار پھلانگنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ بہت اونچے دبابے (بُرج) تیار کیے جو لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ ان کے نیچے لکڑی کے پہیے لگائے گئے اور یہ بُرج اتنے بڑے تھے کہ ان میں کئی سو سپاہی سما جاتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے پھینکے ہوئے آتشیں سیال اور آگ سے بچانے کے لیے ان کے فریموں پر تانبا چڑھا دیا گیا تھا۔ یہ بُرج جب دیوار کے قریب لے جائے گئے تو دیوار سے مسلمانوں نے ان پر آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینکنی شروع کر دیں۔ سیال بُرجوں پر بھی پھیلا اور ان کے اندر جو سپاہی کھڑے تھے، ان پر بھی پڑا۔ جب چند ہانڈیاں پھینکنے کے بعد برج بھیگ گئے تو صرف ایک ایک جلتی ہوئی لکڑی آئی۔ ہر بُرج سے ایک لکڑی ٹکرائی اور برج مہیب شعلوں کی لپیٹ میں آگئے۔ ان میں سے ایک بھی سپاہی زندہ نہ رہا۔

دیوار کے باہر ایک خندق تھی جسے پار کرنا صلیبیوں کے لیے مشکل تھا۔ انہوں نے اس خندق کو مٹی سے بھرنا شروع کر دیا لیکن شہر کے اندر کی فوج اس قدر دلیر تھی کہ اس کے جیش باہر آ کر صلیبیوں پر حملہ کرتے اور واپس چلے جاتے۔

صلیبیوں نے خندق بھرنے کے لیے یہاں تک کیا کہ اس میں اپنے مرے ہوئے سپاہیوں کو لاشیں پھینک دیں، پھر اُن کے جتنے سپاہی مرتے، ان سب کی لاشیں خندق میں پھینک دیتے، عقب سے اُن پر سلطان ایوبی نے وسیع پیانے کے شب خونوں کے انداز کے حملے کیے مگر صلیبیوں کا محاصرہ ٹوٹنے کی بجائے مستحکم ہوتا گیا۔

شہر والوں کے ساتھ سلطان ایوبی نے پیامبر کبوتروں کے ذریعے رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ ایک آدمی جس کا نام عیسیٰ العوام تھا، چمڑے میں پیغام باندھ کر کمر کے ساتھ باندھ لیتا اور سمندر میں اُتر جاتا۔ وہ رات کو یہ کام کرتا تھا۔ وہ دشمن کے لنگر انداز جہازوں کے نیچے سے گزر آیا کرتا تھا۔ وہ پیغام لاتا اور لے جاتا تھا۔ ایک رات وہ اسی طرح آیا۔ اُسے شہر میں لے جانے کے لیے سونے کے ایک ہزار سکوں سے بھری ہوئی تھیلی اور تحریری پیغامات دیئے گئے۔ قاضی بہاؤالدین شداد لکھتا ہے...... ''وہ جب خیریت سے شہر میں داخل ہو جایا کرتا تھا تو ایک کبوتر اُڑا دیتا تھا جو ہمارے پاس آ جاتا تھا۔ اس سے ہم سمجھ لیتے تھے کہ عیسیٰ خیریت سے پہنچ گیا ہے۔ ہم اس کے کبوتر کو واپس اُڑا دیتے تھے جس رات وہ ایک ہزار سونے کے سکے لے کر گیا، اس سے اگلے دن اس کا کبوتر نہ آیا۔ ہم سمجھ گئے کہ وہ پکڑا گیا ہے۔ کئی روز بعد شہر سے اطلاع ملی کہ عیسیٰ کی لاش عکرہ کے ساحل کے ساتھ تیرتی ہوئی ملی تھی۔ سونے کے سکے اس کے جسم کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ لاش کی حالت بہت بُری تھی۔ وہ سونے کے وزن سے تیر نہ سکا اور ڈوب گیا''۔

عکرہ کا حاکم میر قراقوش تھا اور سپہ سالار علی ابن احمد المشطوب تھا۔ وہ بار بار سلطان ایوبی کو یہی پیغام بھیجتے تھے کہ وہ ہتھیار نہیں ڈالیں گے لیکن باہر سے صلیبیوں پر حملے جاری رکھے جائیں اور کسی نہ کسی طرح شہر میں فوج، اسلحہ اور رسد پہنچائی جائے۔

یہی سلطان ایوبی کے سامنے ایک پیچیدہ مسئلہ تھا کہ شہر تک مدد کس طرح پہنچائے۔ اُس کی اپنی حالت یہ تھی کہ بخار سے اس کا جسم جل رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ شب بیداری، دوسری وجہ اعصاب پر بوجھ اور تیسری وجہ یہ تھی کہ وہاں لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ گلی سڑی لاشوں کی اتنی زیادہ بدبو تھی کہ وہاں ٹھہرا نہیں جا سکتا تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کی بیماری میں اضافہ کیا۔ تین چار روز تو وہ اُٹھ بھی نہ سکا۔ اُسے عکرہ ہاتھ سے جاتا نظر آ رہا تھا۔

پھر شمع بجھ گئی

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے خیمے میں بیمار پڑا تھا۔ اُس سے تھوڑی ہی دُور عکرہ کے باہر اُس کے جانباز دستے اس صلیبی لشکر پر حملے کررہے تھے جس نے عکرہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔ فلسطین کی تاریخ میں سب سے زیادہ خون ریز معرکے لڑے جارہے تھے مگر محاصرہ ٹوٹتا نظر نہیں آرہا تھا۔ شہر کے اندر سلطان ایوبی کی محصور فوج کی نفری دس ہزار تھی اور محاصرہ کرنے والے صلیبیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ تھی۔ سلطان ایوبی صلیبیوں کے عقب میں یعنی شہر سے باہر تھا۔ اُس کے پاس دس ہزار مملوک تھے جن پر اُسے بہت بھروسہ تھا۔ مملوک عقب سے صلیبیوں پر بڑے ہی جانبازانہ حملے کرتے تھے مگر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوتی تھی۔ دشمن کی تعداد زیادہ ہونے کے علاوہ محاصرہ نہ ٹوٹ سکنے کی وجہ یہ تھی کہ صلیبیوں نے عکرہ کے اِردگرد مورچے کھود لیے تھے جو سلطان ایوبی کی فوج کے لیے خطرناک تھے۔ سوار جب حملہ کرتے تو گھوڑے مورچوں میں گر پڑتے تھے۔

عکرہ کے باہر میلوں وسعت میدانِ جنگ بنی ہوئی تھی۔ لاشوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ عکرہ کی دیوار کے باہر دیوار جتنی لمبی اور اتنی چوڑی خندق تھی جسے عبور کرنا مشکل تھا۔ صلیبیوں نے اس خندق کے ایک حصے میں اپنے مرے ہوئے فوجیوں کی لاشیں اور مرے ہوئے گھوڑے پھینکنے شروع کردیئے تھے، تاکہ یہاں سے خندق بھر جائے اور خندق سے گزر کر دیوار تک پہنچا جائے۔ جنگ کا شوروغل اتنا زیادہ تھا کہ فضا میں سوائے گدھوں کے کوئی اور پرندہ نظر نہیں آتا تھا۔ گدھ کہیں اُترتے، لاشوں کو کھاتے اور اُڑ جاتے تھے۔

اِن گدھوں کے درمیان تقریباً ہر روز ایک کبوتر عکرہ سے اُڑتا اور سلطان ایوبی کے کیمپ میں جا اُترتا تھا اور بہت دیر بعد کیمپ سے اُڑ کر عکرہ کو واپس چلا جاتا تھا۔ محاصرے اور خون ریز معرکوں کے دوران ایک روز یہ کبوتر عکرہ سے اُڑا۔ انگلینڈ کا بادشاہ رچرڈ اپنے خیمے سے باہر کھڑا تھا۔ اُس کی ساتھ اس کی بہن جوآنا بھی تھی۔

''اس کبوتر پر نظر رکھو''۔ رچرڈ نے حکم دیا۔ ''جونہی نظر آئے، اس پر باز چھوڑ دو۔ یہ کبوتر ہماری شکست کا باعث بن سکتا ہے''۔

اُس کے پاس اُس کی بہن جوآنا اور اُس کی منگیتر بیرنگاریا کھڑی تھیں۔ رچرڈ کی عمر خاصی ہوگئی تھی اور اب اس نوجوان لڑکی کو اپنے ساتھ اس ارادے سے لایا تھا کہ بیت المقدس فتح کر کے اس سے شادی کرے گا۔ اُس کی بہن جوآنا تھوڑا ہی عرصہ پہلے تک سسلی کے بادشاہ کی بیوی تھی۔ بادشاہ مرگیا تو جوآنا جوانی میں بیوہ ہوگئی۔ وہ اس قدر خوب صورت تھی کہ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس لڑکی کی شادی ہوئی تھی۔ رچرڈ انگلستان سے آئے ہوئے اسے سسلی سے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ رچرڈ کو جوآنا کی ہنسی سنائی دی۔ رچرڈ نے اُس کی طرف دیکھا تو جوآنا نے اُس سے پوچھا۔ ''میرے بھائی! کیا اس کبوتر کے مرجانے سے صلاح الدین ایوبی بھی مرجائے گا''۔

''یہ کبوتر پیامبر ہے جوآنا!''......رچرڈ نے کہا......''اس کی ایک ٹانگ کے ساتھ عکرہ والوں کا پیغام بندھا ہوتا ہے جو صلاح الدین ایوبی کے پاس جاتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی اس پیغام کا جواب اسی کبوتر کے ساتھ بھیجتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی ہم پر باہر سے جو حملے کرتا ہے، وہ عکرہ والوں کے پیغاموں کے مطابق ہوتے ہیں۔ عکرہ والوں کا جوش اور جذبہ اور ہتھیار نہ ڈالنے کا عزم اس کبوتر کی وجہ سے قائم ہے، ورنہ کوئی محصور فوج اتنے شدید حملے زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی۔ تم دیکھ رہی ہو کہ ہماری منجنیقوں کے پھینکے ہوئے پتھروں نے کئی جگہوں سے دیوار کا اوپر کا حصہ گرا دیا ہے اور ہماری پھینکی ہوئی آگ نے شہر میں تباہی بپا کر رکھی ہے مگر وہ ہتھیار نہیں ڈال رہے''۔

''آپ کا اصل مقصد اور منزل یروشلم ہے جو ابھی بہت دُور ہے''۔ جوآنا نے کہا...... ''اگر عکرہ کی فتح میں کئی سال گزر گئے تو کیا آپ اپنی زندگی میں یروشلم تک پہنچ سکیں گے؟ ہمارے جاسوس اور مسلمان جنگی قیدی بتاتے ہیں کہ شہر کے اندر صرف دس ہزار تعداد کی فوج ہے۔ ہماری تعداد ابتدا میں چھ لاکھ تھی۔ اب پانچ لاکھ رہ گئی ہوگی۔ محاصرہ پچھلے سال (۱۱۸۹ء) ۱۳ اگست کے روز شروع ہوا تھا۔ اب ۱۱۹۱ء کا اگست آ گیا ہے۔ دو سال...... میرے بھائی! دو سال...... ابھی آپ دس ہزار نفری کے محصورین سے ہتھیار نہیں ڈلوا سکے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کو محاصرے میں شامل ہوئے ابھی چند مہینے گزرے ہیں لیکن چند مہینوں میں نے آپ نے عکرہ کی تھوڑی سی دیوار توڑنے اور منجنیقوں سے شہر کے کچھ حصے کو آگ لگانے کے سوا کیا کامیابی حاصل کی ہے؟ مجھے تو یہ نظر آ رہا ہے کہ اس شہر کے کھنڈر ہی آپ کو ملیں گے''۔

رچرڈ نے اپنی منگیتر کو وہاں سے چلے جانے کو کہا۔ وہ چلی گئی تو رچرڈ اپنی بہن سے مخاطب ہوا۔ ''صلیب الصلبوت اور یروشلم کے وقار اور تقدس کا مطالبہ یہ ہے کہ تم بھول جاؤ کہ تم میری بہن ہو۔ تم اس صلیب کی بیٹی ہو جو مسلمانوں کے قبضے میں ہے اور یروشلم جہاں ہمارے پیغمبر کی عبادت گاہ ہے، اس پر بھی مسلمان قابض ہیں۔ تم جانتی ہو کہ ہمیں اسلام کو ختم کرنا ہے اور تم یہ بھی دیکھ رہی ہو کہ مسلمان خودکشی کی طرح لڑ رہے ہیں۔ یہ لوگ موت کی پروا نہیں کرتے۔ یہ فتح حاصل کرنے کے لیے لڑتے ہیں۔ میں پہلی بار یہاں آیا اور انہیں لڑتے دیکھا ہے۔ اُن کے جذبے کے جنون کی جو کہانیاں سنی تھیں وہ اپنی آنکھوں دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مسلمان کو عورت مار سکتی ہے۔ اُن کے درمیان جو خانہ جنگی ہوئی تھی، وہ ہمارے بادشاہوں نے اُن پر ایک سازش کے تحت بادشاہی، زر و جواہرات، شراب اور عورت کا نشہ طاری کر کے کرائی تھی مگر صلاح الدین ایوبی ایسا پتھر نکلا کہ اس کے عزم کو متزلزل نہ کر سکے۔ اُس نے اپنے اُن بھائیوں کو جو ہمارے ہاتھ میں آ گئے تھے، تلوار کے زور سے اپنا مطیع کر لیا یا اُن کے دِلوں میں اسلامی جذبہ بیدار کر لیا''۔

''میں نے بھی یہ سنا ہے''۔ جوآنا نے کہا...... ''میں نے اُن لڑکیوں کے ایثار کی کہانیاں بھی سنی ہیں جنہیں مسلمان اُمرا اور حاکموں کے پاس جاسوسی اور دیگر تخریب کاری کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ میرے خیال میں یہ طریقہ کامیاب نہیں رہا''۔

''میں اسے ناکام بھی نہیں کہتا''......رچرڈ نے کہا......''اگر مسلمانوں کے قومی جذبے کو تباہ کرنے کے لیے یہ لڑکیاں استعمال نہ کی جاتیں تو یہ لوگ بہت عرصہ پہلے نہ صرف یروشلم کو فتح کر چکے ہوتے بلکہ آدھے یورپ پر بھی قابض ہو چکے ہوتے۔ ہم نے عورت کے حُسن اور جسم کے جادو سے اور اُن میں سے بہت سے امیروں، وزیروں اور سالاروں کو سلطان بنانے کے لالچ سے اُن کا اتحاد توڑ دیا تھا۔ اُن کی جنگی قوت انہیں آپس میں لڑا کر تباہ کر دی تھی، مگر یہ پھر متحد ہو گئے ہیں''۔

''آپ یہ باتیں مجھے کیوں سنا رہے ہیں؟'' جوآنا نے کہا......''آپ کے بولنے کے انداز میں مایوسی کیوں ہے؟ میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟''

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم بھول جاؤ کہ تم میری بہن ہو۔ تم صلیب کی بیٹی ہو۔ صلیب کی فتح کے لیے تم بہت کچھ کر سکتی ہو...... تم دیکھ رہی ہو کہ ہم مسلمانوں کے خلاف لڑ بھی رہے ہیں اور ہماری آپس میں ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی طرف اپنے ایلچی بھیجتے رہتے ہیں۔ میری ملاقات صلاح الدین ایوبی کے بھائی العادل سے بھی ہو چکی ہے۔ میں اُن سے اپنی شرائط منوانے کی کوشش کر رہا ہوں جو وہ نہیں مان رہے ہیں۔ میں انہیں کہہ رہا ہوں کہ یروشلم اور صلیب الصلبوت ہمارے حوالے کر دو اور تم ان علاقوں سے نکل جاؤ جن پر صلیبیوں کا قبضہ تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے ایک بھی شرط ماننے سے انکار کر دیا ہے''۔

''آپ صلاح الدین ایوبی سے کیوں نہیں ملتے؟''

''وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتا''۔ رچرڈ نے جواب دیا...... ''وہ بیمار بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کا بھائی العادل اُسی جیسا پُرعزم اور پکا مسلمان ہے۔ وہ صلاح الدین ایوبی کی جگہ لے رہا ہے۔ میں نے اِس میں یہ کمزوری دیکھی ہے کہ جوان ہے اور زندہ دِل بھی لگتا ہے۔ میں اس شخص کے دِل پر قبضہ کرنے کی سوچ رہا ہوں۔ میں اُسے دوست بنا سکوں گا لیکن جو کام تمہارا ہے، وہ میں کیسے کر سکتا ہوں؟''...... کیا تم نے اُسے پسند نہیں کیا تھا؟''

''آپ مجھ سے وہ کام لینے کی سوچ رہے ہیں جو ہماری تربیت یافتہ لڑکیاں بہت مدّت سے کر رہی ہیں''۔

''ہاں!'' رچرڈ نے کہا...... ''اس کے دِل پر قبضہ کرو۔ محبت کا والہانہ اظہار کرو اور اُسے کہو کہ تم اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو۔ میں درمیان میں آجاؤں گا اور صلاح الدین ایوبی سے کہوں گا کہ وہ اگر ساحلی علاقے اپنے بھائی اور میری بہن کو دے دے تو میں اپنی بہن کی شادی العادل کے ساتھ کرنے کو تیار ہوں۔ تم العادل کو تیار کرنا کہ وہ اپنا مذہب ترک کر کے عیسائیت کو قبول کر لے۔ اُسے یہ لالچ دو کہ وہ ساحلی علاقے کی اتنی وسیع سلطنت کا سلطان بن جائے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ تم اُسے صلاح الدین ایوبی کے خلاف کر سکو گی''۔

جوآنا کچھ دیر خاموش رہی۔ رچرڈ اُسے دیکھتا رہا۔ آخر جوآنا نے آہ لی اور بولی۔ ''میں کوشش کروں گی''۔

''مسلمانوں کو اسی دھوکے سے مارا جا سکے گا''۔ رچرڈ نے کہا...... ''میں میدانِ جنگ میں انہیں شکست دینے کی پوری کوشش کروں گا لیکن بہت لمبی مدت درکار ہو گی۔ میں شاید اُس وقت تک زندہ نہ رہوں۔ مجھے واپس انگلستان بھی جانا ہے، وہاں کے حالات مخدوش ہیں۔ مخالفین میری غیر حاضری سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

☆

جو کبوتر رچرڈ کے اوپر سے گزر کر آ گیا تھا، وہ صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے سامنے بنی ہوئی ایک کھپریل پر آن بیٹھا۔ دربان نے دوڑ کر اُس کی ٹانگ سے بندھا ہوا پیغام کھولا اور خیمے میں لے گیا۔ سلطان ایوبی کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اُسے آرام کی سخت ضرورت تھی لیکن وہ اُٹھ بیٹھا اور پیغام پڑھنے لگا۔ شہر کے اندر کی فوج کے ساتھ سلطان ایوبی کا رابطہ پیامبر کبوتروں کے ذریعے قائم تھا۔ یہ پیغام عکرہ کے دونوں حاکموں المشطوب اور بہاؤالدین قراقوش کا تھا۔ قاضی بہاؤالدین شداد جو سلطان ایوبی کی مجلسِ مشاورت کا اہم رُکن اور اُس کا ہم راز دوست بھی تھا، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے کہ یہ دونوں غیر معمولی طور پر دلیر اور ذہین سالار تھے، محاصرے میں اُن کی حالت بہت بُری ہو گئی تھی۔ شہر تباہ ہو رہا تھا لیکن یہ دونوں ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ باہر والے ہر وقت یہ خبر سننے کے لیے تیار رہتے تھے کہ عکرہ کی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

اس پیغام میں بھی المشطوب اور قراقوش نے سلطان ایوبی کو وہی کچھ لکھا تھا جو وہ ہر پیغام میں لکھتے ہیں۔ اب

کے انہوں نے زیادہ زور دے کر لکھا تھا کہ ہم سے یہ توقع نہ رکھنا کہ ہم جیتے جی ہتھیار ڈال دیں گے لیکن آپ کی مدد یہ ہمارے لیے بے حد ضروری ہوگئی ہے کہ صلیبیوں پر باہر سے حملے زیادہ کر دیں۔ سپاہیوں سے کہیں کہ وہ اسی جذبے سے لڑیں جس جذبے سے شہر والے مقابلہ کر رہے ہیں۔ آدھا شہر جل چکا ہے۔ فوج بھی آدھی رہ گئی ہے لیکن شہریوں کے جذبے کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ عورتیں بھی ہمارا ساتھ دے رہی ہیں۔ لوگ کھانا خود کم کھاتے اور فوج کو زیادہ کھلاتے ہیں۔

انہوں نے دیوار کی یہ کیفیت لکھی کہ صلیبیوں کی منجنیقوں کی مسلسل سنگ باری سے دیوار کئی جگہوں سے ٹوٹ گئی ہے۔ بالائی حصہ ختم ہو چکا ہے۔ بُرج گر پڑے ہیں۔ دشمن نے باہر خندق کو کئی جگہوں سے اپنے سپاہیوں کی لاشوں اور مرے ہوئے گھوڑوں اور مٹی سے بھر لی ہے جہاں سے وہ دیوار کے قریب آکر دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ جب ڈھولوں کی آوازیں سنیں، عقب سے صلیبیوں پر بہت ہی سخت حملہ کریں۔ ہم ڈھول اُس وقت بجایا کریں گے جب صلیبی دیوار پر حملہ کیا کریں گے۔ آپ ایسے جانباز تیار کریں جو سمندر کی طرف سے ہم تک اسلحہ پہنچائیں۔

سلطان ایوبی کمزوری اور بخار کے باوجود اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے پیغام کا جواب لکھوایا جس میں اُس نے عکرہ والوں کی حوصلہ افزائی کی۔ یہ بھی لکھا کہ جانباز پہلے ہی شہر تک اسلحہ پہنچانے کے لیے جا چکے ہیں۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اسلام پر بڑا ہی سخت وقت آن پڑا ہے۔ یہ میری ہی کوشش تھی کہ صلیبی بیت المقدس کی طرف بڑھنے کی بجائے عکرہ کا محاصرہ کریں تاکہ میں انہیں یہیں اُلجھا کر اُن کی جنگی طاقت کمزور کر دوں۔ تم لوگ عکرہ کے دفاع کے لیے نہیں، مسجدِ اقصیٰ کے دفاع کے لیے لڑ رہے ہو۔

یہ پیغام کبوتر کے ذریعے بھجوا کر سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ میرے پاس ہر ایک کمان دار اور ہر ایک سپاہی کے پاس جانے کا وقت نہیں رہا۔ میرے جسم میں جو طاقت رہ گئی ہے، اُسے میں جہاد میں صرف کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے کمان داراور سپاہیوں سے کہو کہ اپنے اللہ، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے مذہب کے لیے لڑو۔ اب یہ نہ سوچو کہ تم اپنے سلطان کے حکم سے لڑ رہے ہو، یہ بھی نہ سوچو کہ تمہیں اب زندہ رہنا ہے۔ اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔

قاضی بہاؤالدین شداد لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی ایسا جذباتی کبھی نہیں ہوا تھا۔ اُس کی جذباتی حالت بالکل اُس ماں سے ملتی جلتی تھی جس کا بچہ کھو گیا ہو۔ وہ سوتا نہیں تھا۔ آرام نہیں کرتا تھا۔ میں نے اُسے کئی بار کہا کہ سلطان! اپنی صحت کا خیال رکھو۔ تم اپنے اعصاب کو تباہ کر رہے ہو۔ اللہ کو یاد کرو۔ فتح و شکست اسی کے ہاتھ میں ہے...... سلطان کے آنسو نکل آئے۔ اُس نے جذباتیت سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا...... بہاؤالدین شداد! میں صلیبیوں کو بیت المقدس نہیں دوں گا۔ میں اس مقدس جگہ کی بے حرمتی نہیں ہونے دوں گا جہاں سے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے حضور گئے تھے۔ اُس جگہ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ کیا تھا...... وہ گرج کر بولا...... نہیں...... بہاؤالدین! نہیں۔ میں مر کے بھی صلیبیوں کو بیت المقدس نہیں دوں گا"۔

قاضی شداد آگے چل کر لکھتا ہے کہ ایک رات وہ اس قدر بے چین تھا کہ میں بہت دیر اس کے ساتھ رہا۔ اُسے نیند نہیں آرہی تھی۔ میں نے اُسے قرآن کی دو تین آیتیں بتائیں اور کہا کہ یہ پڑھتے رہو۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور اُس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ وہ آیتیں پڑھ رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ سوتے میں بڑبڑایا...... "یعقوب کی کوئی خبر نہیں آئی؟...... وہ شہر میں داخل ہو جائے گا"...... پھر وہ سو گیا لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ نیند میں بھی بے چین تھا۔

سلطان ایوبی کے خیمے سے عکرہ کی دیوار نظر آتی تھی۔ اس کے باہر صلیبی لشکر یوں دکھائی دیتا تھا جیسے چیونٹیاں کسی چیز پر اکٹھی ہوگئی ہوں۔ رات کو عکرہ کی دیواروں پر مشعلیں چلتی پھرتی رہتی تھیں اور رات کے اندھیرے میں آگ کے گولے دیوار کے اوپر سے اندر جاتے نظر آتے تھے۔ دیوار سے بھی ایسے گولے باہر آتے تھے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار راتوں کو دشمن پر شب خون مارتے رہتے تھے۔

☆

نیند میں سلطان ایوبی جس یعقوب کا نام لے رہا تھا۔ وہ اس کی بحریہ کا ایک بڑا ہی دلیر کپتان تھا۔ عکرہ شہر کے اندر رسد اور اسلحہ پہنچانا ناممکن ہوگیا تھا۔ پچھلی قسط میں بیان کیا جا چکا ہے کہ شہر کے ایک طرف سمندر تھا اور ادھر صلیبیوں کے بحری جہاز بکھرے ہوئے تھے۔ شہر والوں کو سامان پہنچانا بڑا ہی ضروری تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے اس بحری بیڑے سے اس مہم کے لیے رضا کار مانگے تھے۔ یعقوب نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں، قاضی بہاؤالدین شداد اور دو اور مورخوں نے یعقوب کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ حلب کا رہنے والا تھا۔ اُس نے بحریہ اور فوج کے سپاہی منتخب کیے۔ اُن کی تعداد چھ سو پچاس تھی۔ انہیں یعقوب اپنے جہاز میں لے گیا اور بیروت چلا گیا وہاں سے اُس نے جہاز کو (جو بڑا جنگی جہاز تھا) رسد اور اسلحہ سے بھر لیا۔ یہ اتنا زیادہ سامان تھا جو عکرہ والوں کو بڑے لمبے عرصے تک لڑنے کے قابل بنا سکتا تھا۔

یعقوب نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ جانیں قربان کر دینی ہے، یہ سامان عکرہ تک پہنچانا ہے۔ جہاز جب عکرہ سے کچھ ہی دُور رہ گیا تھا کہ صلیبیوں کے چالیس جہازوں نے اُسے گھیر لیا۔ یعقوب کے جانبازوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ جہاز چلتا رہا اور یعقوب اُسے عکرہ کے ساحل کی طرف لے جاتا رہا۔ جانبازوں نے دشمن کے جہازوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ ایک فرانسیسی مورخ ڈی ونسوف نے لکھا ہے کہ وہ جنات اور بدروحوں کی طرح لڑے لیکن دشمن کے گھیرے سے نہ نکل سکے۔ آدھے سے زیادہ مسلمان سپاہی تیروں کا نشانہ بن گئے۔

یعقوب نے جب دیکھا کہ جہاز بادبان برباد ہو جانے سے کھلے سمندر کی طرف بہہ گیا ہے اور اب دشمن جہاز پر قبضہ کرلے گا تو اُس نے اپنے جانبازوں سے چلا کر کہا...... ''خدا کی قسم! ہم وقار سے مریں گے۔ دشمن کو نہ یہ جہاز ملے گا نہ اس میں سے کوئی چیز اُس کے ہاتھ آئے گی...... جہاز میں سوراخ کر دو۔ سمندر کو جہاز کے اندر آنے دو''...... عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ جو جانباز زندہ رہ گئے تھے، انہوں نے عرشے کے نیچے جا کر جہاز کو توڑنا شروع کر دیا۔ تختے ٹوٹے تو سمندر جہاز میں داخل ہونے لگا۔ کسی بھی جانباز نے جہاز سے کود کر جان بچانے کی کوشش نہ کی۔ سب جہاز کے ساتھ سمندر کی تہہ میں چلے گئے۔

اس واقعہ کی تاریخ ۸ جون ۱۱۹۱ء لکھی گئی ہے۔

سلطان ایوبی کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ خیمے سے نکلا۔ اُس کا گھوڑا ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اُس نے بلند آواز سے حکم دیا...... ''دف بجاؤ''۔ دف بج اُٹھے...... یہ حملے کا سگنل تھا۔ ذرا سی دیر میں اُس کے دستے حملے کی تیاری کے لیے جمع ہو گئے...... ''سلطان ایوبی نے اتنا ہی کہا...... ''آج دشمن کو چیر کر دیوار تک پہنچنا ہے''...... اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس کے تمام دستے، سوار اور پیادے اُس کے پیچھے گئے یہ بظاہر اندھا دھند حملہ تھا لیکن سلطان ایوبی نے پہلے ہی فوج کو ترتیب بتا رکھی تھی۔ صلیبیوں نے مسلمانوں کو یوں قہر و غضب سے آتے دیکھا تو اُن کے پیادہ دستے کمانوں میں تیر ڈال کر دیوار کی مانند کھڑے ہو گئے۔ صلیبی فوج کے مورچے بھی تھے۔ انہوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔

حملے کی قیادت سلطان ایوبی خود کر رہا تھا۔ اس لیے اُس کے مملوک بجلیوں کی طرح صلیبیوں پر ٹوٹے مگر صلیبیوں

کی تعداد بہت ہی زیادہ تھا۔ مسلمان یوں لڑے جیسے وہ زندہ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ گھوڑ سوار گھوڑے گھما گھما کر لاتے اور حملے کرتے تھے۔ یہ معرکہ اُسوقت ختم ہوا جب شام تاریک ہوگئی۔ صلیبیوں کا نقصان بہت ہی زیادہ ہوا تھا مگر وہ کامیابی حاصل نہ کی جا سکی جس کے لیے سلطان ایوبی نے حملہ کرایا تھا۔

ایسا حملہ پہلا اور آخری نہیں تھا۔ عکرہ دو سال محاصرے میں رہا۔ اس دوران سلطان ایوبی نے عقب سے ایسے کئی حملے کرائے۔ ہر حملے میں جانبازوں نے بہادری کی ایسی مثالیں پیش کیں جو اس سے پہلے وہ خود بھی پیش نہیں کر سکے تھے۔ اس دوران سلطان ایوبی کو مصر سے بھی کمک ملی اور کئی ایک مسلمان امارتوں نے اُسے اپنی فوجیں اور سامان بھیجا۔ اگر ہر حملے کا ذکر تفصیل سے کیا جائے تو سینکڑوں صفحے درکار ہوں گے۔ یہ جہاد کا جذبہ نہیں، بلکہ جنون تھا۔ ان حملوں سے عکرہ کا محاصرہ تو نہ توڑا جا سکا لیکن صلیبیوں پر یہ خوف طاری ہوگیا کہ مسلمان انہیں یہاں سے زندہ نہیں نکلنے دیں گے۔ صلیبیوں کا چونکہ لشکر زیادہ تھا، اس لیے ان کا جانی نقصان بھی زیادہ ہوتا تھا۔ اتنی زیادہ لاشوں اور زخمیوں کو دیکھ دیکھ کر صلیبیوں کا حوصلہ مجروح ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کے قہر کا اثر خود رچرڈ کے دِل پر پڑ رہا تھا۔

اس دوران رچرڈ سلطان ایوبی کے پاس صلح کے لیے اپنے ایلچی بھیجتا رہتا تھا۔ اس کا ایلچی العادل کے پاس آیا کرتا اور العادل صلح کا پیغام سلطان ایوبی تک پہنچایا کرتا تھا۔ اُس کے مطالبات یہ تھے کہ بیت المقدس جسے وہ یروشلم کہتے تھے، انہیں دے دیا جائے۔ صلیب الصلبوت انہیں واپس دے دی جائے اور صلیبی جن علاقوں پر حطین کی جنگ سے پہلے قابض ہو چکے تھے، وہ علاقے صلیبیوں کو واپس دے دیئے جائیں...... سلطان ایوبی یروشلم کا نام سن کر بھڑک اُٹھتا تھا۔ تاہم اُس نے العادل کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ رچرڈ کے ساتھ صلح کی بات چیت جاری رکھے۔ تقریباً تمام مورخ لکھتے ہیں کہ رچرڈ اور العادل دوست بن گئے تھے اور العادل جب رچرڈ کے پاس جاتا یا رچرڈ اُسے ملنے آتا تو رچرڈ کی بہن جوآنا بھی ساتھ ہوتی تھی۔ اس دوستی کے باوجود العادل رچرڈ کی شرائط تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔

ان ملاقاتوں کے ساتھ عکرہ کی جنگ جاری تھی۔ خون ریزی بڑھتی جا رہی تھی اور عکرہ والوں کی حالت بہت ہی بُری ہوتی جا رہی تھی۔ محاصرہ کرنے والوں میں دوسرے صلیبی بادشاہ بھی تھے جن میں قابلِ ذکر فرانس کا بادشاہ تھا۔ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ ان سب کا لیڈر بن گیا تھا۔

☆

''میں نے یہ کامیابی حاصل کر لی ہے کہ اُس نے میری محبت قبول کر لی ہے''...... جوآنا نے اپنے بھائی رچرڈ سے کہا...... ''لیکن میں نے اس میں وہ کمزوری نہیں دیکھی جو آپ بتاتے تھے کہ ہر مسلمان امیر اور حاکم میں پائی جاتی ہے۔ وہ میرے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہوگیا ہے لیکن اپنا مذہب چھوڑنے کی بجائے مجھے اسلام قبول کرنے کو کہتا ہے''۔

''معلوم ہوتا ہے تم نے اپنا جادو اس طرح نہیں چلایا جس طرح اس فن کی ماہر لڑکیاں چلاتی رہتی ہیں''...... رچرڈ نے کہا...... ''یہ میں نے بھی دیکھ لیا ہے کہ العادل کردار کا پکا ہے۔ میں اُسے کہہ چکا ہوں کہ اگر وہ تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں تو عیسائیت قبول کر لے اور اپنے بھائی سے کہے کہ ساحلی علاقہ اُسے دے دے جس پر اُس کی اور تمہاری حکمرانی ہوگی۔ اُس نے جواب دیا کہ اپنا مذہب ترک کرنا ہوتا تو اتنے خون خرابے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے اُس سے پوچھا، کہ تم میری بہن کو پسند کرتے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ اپنی بہن سے پوچھو، میں اُسے اتنا ہی چاہتا ہوں جتنا وہ مجھے چاہتی ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے اُن کے میل ملاقات اور محبت پر کوئی اعتراض نہیں...... شکار جال میں آگیا ہے۔ اب یہ تمہارا کمال

ہوگا کہ اُسے شیشے میں اُتارلو"۔

"مجھے یاد آیا"...... جوآنا نے کہا...... "میری دونوں خادمائیں کہیں نظر نہیں آرہیں۔ رات یہیں تھیں۔ صبح سے غائب ہیں"۔

"میرا خیال ہے، وہ اَب غائب ہی رہیں گی"۔ رچرڈ نے کہا۔ "وہ مسلمان تھیں"۔

"وہ سسلی کی مسلمان تھیں"...... جوآنا نے کہا...... "اور وہ اُس وقت سے میرے ساتھ تھیں، جب میری شادی ہوئی اور میں سسلی گئی تھی"۔

"مسلمان کہیں کا بھی رہنے والا کیوں نہ ہو، سب کا جذبہ ایک سا ہوتا ہے"...... رچرڈ نے کہا...... "اسی لیے ہم اس قوم کو خطرناک سمجھتے ہیں اور ہم اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ان کا اتحاد ٹوٹ جائے۔ ان دونوں نے یہاں آکر دیکھا کہ ہم اُن کی قوم کے خلاف لڑ رہے ہیں تو وہ اُن کے پاس چلی گئی"۔

رچرڈ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اُس وقت یہ دونوں عورتیں سلطان ایوبی کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ اُن کی چھان بین کر کے انہیں سلطان کے پاس لے جایا گیا۔ انہوں نے سلطان سے ملنے کی خواہش کی تھی اور کہا تھا کہ وہ کچھ باتیں صرف سلطان کو بتانا چاہتی ہیں۔ انہوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ سسلی میں جنی پلی ہیں اور لڑکپن میں شاہی محل میں ملازم ہوگئی تھیں، جب جوآنا بادشاہ کی بیوی بن کر آگئی تو ان دونوں کو جسمانی چستی اور اچھی شکل وصورت کی وجہ سے جوآنا کی خاص خادمائیں بنا دیا گیا...... سسلی میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، اس لیے وہاں اسلام زندہ تھا۔ ان دونوں کو بھی اپنا مذہب یاد رہا۔ جوآنا بیوہ ہوگئی تو شہنشاہ رچرڈ آ گیا۔ وہ جوآنا کو اپنے ساتھ لایا تو ان دونوں کو بھی ساتھ آنا پڑا۔ یہاں انہوں نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑتے دیکھا تو کفار کی نوکری سے اُن کا دِل اچاٹ ہوگیا۔

یہ دونوں عورتیں صرف جسمانی طور پر ہی چست اور چالاک نہیں تھیں، ذہنی طور پر بھی ہوشیار تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ جوآنا رچرڈ کی منگیتر کو بتا رہی تھی کہ اُس نے صلاح الدین ایوبی کے بھائی العادل کو پھانس لیا ہے۔ وہ کہتی تھی کہ العادل کے دِل میں اُس کی اور اُس کے دِل میں العادل کی محبت پیدا ہوگئی ہے اور اگر العادل نے اپنا مذہب ترک کر دیا تو اُن کی شادی ہو جائے گی پھر صلاح الدین ایوبی کو مارنا اور یروشلم پر قبضہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ ان عورتوں نے اس شک کا بھی اظہار کیا کہ العادل اور جوآنا کہیں ملتے ملاتے بھی ہیں۔ یہ خبر سلطان ایوبی تک پہنچانے کے لیے دونوں عورتیں وہاں سے بھاگ آئیں۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں ان عورتوں کے نام نہیں لکھے، یہ لکھا ہے کہ سلطان ایوبی نے ان دونوں کو نہایت عزت واحترام اور انعام واکرام کے ساتھ دمشق بھیج دیا۔

☆

سلطان ایوبی نے ان عورتوں کی اطلاع پر تو یقین کر لیا لیکن اُسے یہ یقین نہیں آرہا تھا کہ اُس کا سگا بھائی اُسے دھوکہ دے رہا ہے۔ اُسے اپنے ہر سالار پر اعتماد تھا لیکن العادل اور اپنے دو بیٹوں (الافضل اور الظاہر) کی موجودگی میں وہ بہت سی پریشانیوں سے آزاد تھا۔ صلیبیوں پر عقب سے جو حملے کیے جاتے تھے۔ اُن کی قیادت یہ تینوں کرتے یا وہ خود کرتا تھا۔ اس کے علاوہ العادل ہی صلیبی حکمرانوں، خصوصاً رچرڈ سے ملتا اور بات چیت کرتا تھا۔ تاہم اُس نے العادل کے ساتھ بات کر لینا مناسب سمجھا مگر عکرہ کی جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی کمک آرہی تھی۔ العادل کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کے متعلق سلطان ایوبی کو یہی اطلاعیں ملتی تھیں کہ آج اُس نے فلاں جگہ حملہ کیا ہے اور آج فلاں جگہ۔ سلطان ایوبی کو

اپنے بیٹے بھی نہیں ملتے تھے۔ اب تو اُس کی اپنی یہ حالت تھی کہ صحت کی خرابی کے باوجود جنگ میں شریک رہتا تھا۔
عکرہ کی دیوار ایک جگہ سے مسلسل سنگ باری سے گر پڑی تھی۔ صلیبی وہاں سے اندر جانے کی کوشش کرتے تو مسلمان جانوں کی بازی لگا کر انہیں روکتے تھے۔ دُور سے نظر آنے لگا تھا کہ یہ شگاف دونوں فریقوں کی لاشوں سے بھرتا جا رہا ہے۔ آخر اندر سے کبوتر یہ پیغام لایا...... ''اگر کل تک ہمیں مدد نہ پہنچی یا آپ نے باہر سے محاصرہ توڑنے کی کوشش نہ کی تو ہمیں ہتھیار ڈالنے پڑیں گے، کیونکہ شہریوں کے بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ شہر جل رہا ہے اور فوج تھوڑی رہ گئی ہے اور جو رہ گئی ہے وہ مسلسل دو سال بغیر آرام کیے لڑلڑ کر لاشیں بن گئی ہے''۔
سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔ اُس نے اسی وقت اپنے تمام تر دستے یکجا کر کے بڑا ہی شدید حملہ کیا۔ ایسی خون ریزی ہوئی کہ تاریخ کے ورق پھڑپھڑانے لگے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ انسانی ذہن ایسی خون ریزی کو تصور میں نہیں لا سکتا۔ رات کو بھی مسلمانوں نے صلیبیوں کو چین نہ لینے دیا۔ آدھی رات کے بعد سلطان ایوبی اس طرح اپنے خیمے میں آیا اور پلنگ پر گرا جیسے اُس کا جسم زخموں سے چور ہو گیا ہو۔ اس نے ہانپتی کانپتی آواز میں حکم دیا کہ صبح پھر ایسا ہی حملہ ہوگا، مگر صبح کی روشنی نے اُسے جو منظر دکھایا، اس سے اُس پر نیم غشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ عکرہ کی دیواروں پر صلیبیوں کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ صلیبیوں کا لشکر شگاف سے اندر جا رہا تھا...... یہ جمعہ کا دِن تھا۔ تاریخ ۱۷ جمادی الثانی ۵۸۷ ہجری (۱۲ جولائی ۱۱۹۲ء) تھی۔
المشطوب اور قراقوش نے صلیبیوں سے شرائط طے کر لی تھیں۔ اس کے باوجود سلطان ایوبی کو یہ منظر بھی دیکھنا پڑا کہ فرنگی تقریباً تین ہزار مسلمان قیدیوں کو رسّوں سے باندھے عکرہ سے باہر لائے۔ ان میں فوجی تھے اور شہری بھی۔ انہیں ایک جگہ کھڑا دیا گیا اور چاروں طرف سے صلیبیوں کی فوج کے سوار اور پیادہ دستوں نے ان بندھے ہوئے نہتے قیدیوں پر حملہ کر دیا۔ سلطان ایوبی کی فوج کو بالکل توقع نہیں تھی کہ صلیبی اس قدر درندگی اور ذلت کا مظاہرہ بھی کر سکتے ہیں۔ جب صلیبی فوج قیدیوں پر ٹوٹ پڑی۔ مسلمان فوج کسی کے حکم کے بغیر اُٹھ دوڑی اور صلیبیوں پر پورے قہر سے حملہ کیا مگر تمام قیدی شہید کیے جا چکے تھے۔ دونوں فوجوں میں بڑا سخت تصادم ہوا۔

☆

اِس دوران رچرڈ پر بھی سلطان ایوبی کی طرح بیماری کے شدید حملے ہوئے۔ دُنیائے صلیب کو اس پر بڑا ہی بھروسہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شیر دِل تھا مگر عکرہ کے محاصرے میں جہاں وہ کامیاب ہوا تھا، وہاں اُس کا حوصلہ بھی ٹوٹ گیا تھا، اُسے توقع نہیں تھی کہ مسلمان اتنی بے جگری سے لڑتے ہیں۔ اس کی منزل اب بیت المقدس تھی۔ اُس نے ساحل کے ساتھ ساتھ کوچ کیا۔ آگے عسقلان اور حیفہ جیسے بڑے شہر اور قلعے تھے۔ سلطان ایوبی نے اس کا ارادہ بھانپ لیا۔ وہ ان شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر کے یہاں اپنے اڈے بناتا اور بیت المقدس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔
سلطان ایوبی نے بیت المقدس کی خاطر بہت بڑی قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے حکم دیا۔ ''عسقلان کو تباہ کر دو، قلعے اور شہر کو ملبے کا ڈھیر بنا دو''...... سالاروں اور مشیروں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اتنا بڑا شہر؟ اتنا مضبوط قلعہ؟......
سلطان ایوبی نے گرج کر کہا...... ''شہر پھر آباد ہو جائیں گے۔ انسان پیدا ہوتے رہیں گے، مگر بیت المقدس کو صلیبیوں سے بچائے رکھنے کے لیے صلاح الدین ایوبی شاید پھر پیدا نہ ہو...... اپنے تمام شہر اور بچے مسجدِ اقصیٰ پر قربان کر دو''۔
سلطان ایوبی بے شک جذباتی ہو گیا تھا لیکن اُس نے فنِ حرب و ضرب اور حقائق سے چشم پوشی نہ کی۔ اپنے چھاپہ مار دستوں کو صلیبی لشکر کے پیچھے ڈال دیا۔ یہ دستے بکھر کر رچرڈ کے لشکر پر جو کوچ کر رہا تھا، عقبی حصے پر شب خون

مارتے اور غائب ہو جاتے۔ اس طرح اس لشکر کا کوچ بہت ہی سست رہا۔ دشمن کی رسد محفوظ نہ رہی۔ رچرڈ عسقلان جا رہا تھا، وہاں پہنچا تو قلعہ اور شہر ملبے کا ڈھیر بن چکے تھے۔ وہاں جو مسلمان فوج تھی، اُسے بیت المقدس کے دفاع کے لیے بھیج دیا گیا تھا۔ رچرڈ کے راستے میں جتنے قلعے آئے وہ سب مسمار ہو چکے تھے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ رچرڈ کا دماغ خراب ہونے لگا تھا کہ مسلمان ایسی قربانی بھی دے سکتے ہیں۔ وہ جان گیا کہ بیت المقدس پر قبضہ آسان نہیں۔

اس پر یہ افتاد بھی پڑی کہ فرانس کا بادشاہ اُس کا ساتھ چھوڑ گیا۔ انہوں نے عکرہ لے تو لیا تھا لیکن مسلمانوں نے اس کامیابی میں اُن کی کمر توڑ دی تھی۔ سلطان ایوبی کو عکرہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا بہت افسوس تھا لیکن اُس کی یہ چال کامیاب تھی کہ اُس نے صلیبیوں کا جنگی طاقت کا گھمنڈ توڑ دیا تھا۔ اُس نے اب پھر اپنا مخصوص طریقہ جنگ شروع کر دیا تھا۔ یہ شب خونوں اور چھاپوں کا سلسلہ تھا۔ یورپی مورخوں نے لکھا ہے کہ مسلمان چھاپہ مار رات کی تاریکی میں طوفان کی طرح آتے اور صلیبی فوج کے عقبی حصے پر شب خون مار کر بے تحاشہ نقصان کرتے اور غائب ہو جاتے تھے۔ اس طرح صلیبیوں کے لیے ایک ماہ کا سفر تین ماہ کا ہو جاتا تھا۔ سلطان ایوبی نے صلیبیوں کے کوچ کی رفتار سست کر کے بیت المقدس کا دفاع مضبوط کر لیا۔

☆

''جو آنا کچھ کرو...... صلیب کی خاطر کچھ کرو'' ...... رچرڈ نے اپنی بہن سے کہا...... ''العادل کو ہاتھ میں لو۔ ہم لڑ کر بیت المقدس نہیں لے سکتے''۔

''وہ مجھے چاہتا ہے'' ...... جو آنا نے جواب دیا...... ''کوچ کے دوران بھی میری اس سے ملاقات ہو چکی ہے، میں یہ بھی کہہ سکتی ہوں کہ وہ مجھے والہانہ طور پر چاہنے لگا ہے لیکن کہتا ہے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ وہ میری کوئی شرط ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا''۔

اُدھر سلطان ایوبی نے العادل، اپنے بیٹوں کو سالاروں کو بلا رکھا تھا۔ اس کی زبان پر اب دو ہی لفظ رہتے تھے...... ''اسلام اور بیت المقدس'' ...... اس نے ان سب کو بیت المقدس کے دفاع کی ہدایات دیں۔ کانفرنس کے بعد العادل اُسے تنہائی میں ملا اور کہا...... ''رچرڈ مجھے اپنی بہن پیش کر رہا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اپنا مذہب ترک کر دوں''۔

''تمہیں اسلام سے زیادہ محبت ہے یا رچرڈ کی بہن سے؟''

''دونوں سے''۔

''تو اُسے اپنے مذہب میں لاؤ اور شادی کر لو'' ...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں اجازت دیتا ہوں''۔

''میں آپ سے شادی کی اجازت لینے نہیں آیا'' ...... العادل نے کہا...... ''میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ رچرڈ جیسا دلیر اور جنگجو بادشاہ بھی ان ذلیل ہتھکنڈوں پر اُتر آیا ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے اس کی بہن اچھی لگتی ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے مذہب سے غداری نہیں کروں گا''۔

''اور وہ بھی اپنے مذہب سے غداری نہیں کرے گی''۔

''جائے جہنم میں'' ...... العادل نے کہا...... ''ان حربوں سے رچرڈ بیت المقدس نہیں لے سکتا''۔

سلطان ایوبی کے چہرے پر رونق آگئی۔ یورپی مورخوں نے رچرڈ کی اس حرکت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رچرڈ نے اس شرط پر اپنی بہن العادل کو پیش کی تھی کہ وہ عیسائی ہو جائے لیکن رچرڈ کی بہن نے العادل کو دھتکار دیا تھا۔

کی جنگ سے زیادہ خون ریز معرکوں کی توقع تھی، لیکن رچرڈ نے اپنی وہی شرائط پیش کرنی شروع کر دیں جو وہ پہلے کر چکا تھا۔ ایک بار سلطان ایوبی نے اس کے ایلچی کی بے عزتی کر دی اور اُسے فوراً واپس چلے جانے کو کہہ دیا۔ اس دوران سلطان ایوبی کو پتہ چلا کہ رچرڈ اتنا زیادہ بیمار ہو گیا ہے کہ اُس کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں رہی۔ سلطان ایوبی رات کو اپنے خیمے سے نکلا اور رچرڈ کے خیموں کا رُخ کر لیا۔ اس نے صرف العادل کو بتایا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ العادل نے ہنس کر کہا کہ فلاں جگہ رچرڈ کی بہن میرے انتظار میں کھڑی ہوگی۔ اُسے بھی ساتھ لے جانا۔

جوآنا وہاں کھڑی تھی۔ اُس نے گھوڑے کے قدموں کی آہٹ سنی تو دوڑ کر آئی اور بولی...... ''تم آگئے العادل؟''...... سلطان ایوبی گھوڑے سے اُترا اور جوآنا کو گھوڑے پر بٹھا کر خاموشی سے رچرڈ کی خیمہ گاہ کی طرف چل پڑا۔ جوآنا کچھ کہہ رہی تھی۔ سلطان ایوبی نے عربی زبان میں کہا...... ''تمہاری زبان میرا بھائی سمجھ سکتا ہے میں نہیں سمجھتا''...... یہ جوآنا نہ سمجھ سکی۔

سلطان ایوبی رچرڈ کے خیمے میں داخل ہوا۔ رچرڈ واقعی سخت بیمار تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کے ساتھ بات کرنے کے لیے اپنا ترجمان بلا لیا۔ سلطان ایوبی نے پہلی بات یہ کہی...... ''اپنی بہن کو سنبھالو۔ میرا بھائی اپنا مذہب ترک نہیں کرے گا...... اور مجھے بتاؤ کہ تمہیں تکلیف کیا ہے۔ میں تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں مرتا دیکھ کر میں حملہ کر دوں گا۔ صحت یاب ہو جاؤ گے تو دیکھا جائے گا''۔

رچرڈ حیرت سے اُٹھ بیٹھا اور بے ساختہ بولا...... ''تم عظیم ہو صلاح الدین ایوبی...... تم سچے جنگجو ہو''...... اس نے اپنی تکلیف بتائی۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''ہمارے علاقے میں بیمار ہونے والے کو ہمارے ہی طبیب ٹھیک کر سکتے ہیں جس طرح انگلستان کی فوج یہاں آ کر بے کار ہو جاتی ہے، اسی طرح تمہارے ڈاکٹر بھی ہاں آ کر اناڑی ہو جاتے ہیں۔ میں اپنا طبیب بھیجوں گا''۔

''صلاح الدین! ہم کب تک ایک دوسرے کا خون بہاتے رہیں گے؟''...... رچرڈ نے کہا...... ''آؤ، صلح اور دوستی کر لیں''۔

''لیکن میں دوستی کی وہ قیمت نہیں دوں گا جو تم مانگ رہے ہو''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''تم خون خرابے سے ڈرتے ہو، بیت المقدس کی خاطر میری پوری قوم اپنا خون قربان کر دے گی''۔

وہاں سے واپس آ کر سلطان ایوبی نے اپنا طبیب رچرڈ کے علاج کے لیے بھیجا۔ اُسے صحت یاب ہوتے ہوتے بہت دن گزر گئے۔ سلطان ایوبی جنگ کے لیے تیار ہو چکا تھا لیکن حملے کی بجائے رچرڈ کی طرف سے صلح کی نئی شرطیں آ گئیں۔ رچرڈ بیت المقدس سے دست بردار ہو گیا تھا۔ اُس نے صرف یہ رعایت مانگی کہ عیسائی زائرین کو بیت المقدس میں داخلے کی اجازت دے دی جائے اور ساحل کا کچھ علاقہ صلیبیوں کو دے دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے یہ شرائط مان لیں۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ سلطان ایوبی کی فوج مسلسل لڑ رہی تھی اور شہادت اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ اب کم تعداد سے اتنی بڑی فوج سے لڑنا ممکن نہیں رہا تھا۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے یہ بھی لکھا ہے کہ دو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ سپاہی دن رات لڑتے رہے تھے۔ وہ ذہنی طور پر شل ہو چکے تھے۔ بعض دستوں میں احتجاج بھی شروع ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی جسمانی طور پر تھکی ہوئی اور ذہنی طور پر پژمردہ فوج کے بل بوتے پر بیت المقدس کو خطرے میں ڈالنے سے گریز کر رہا تھا۔

رچرڈ مسلمانوں کی بے خوفی اور جذبے سے گھبرا رہا تھا۔ اُس کی صحت بھی جواب دے گئی تھی۔ اس کے علاوہ

اس کے اپنے ملک میں اس کے مخالفین سر اُٹھا رہے تھے۔ انگلستان کا تخت و تاج خطرے میں پڑ گیا تھا۔

اس معاہدے پر ۲ ستمبر ۱۱۹۲ء (۲۲ شعبان ۵۸۸ ہجری) کے روز دستخط ہوئے۔ رچرڈ ۹ اکتوبر ۱۱۹۲ء کے روز اپنی فوج کے ساتھ انگلستان کے لیے روانہ ہوا۔ اس معاہدے کی میعاد تین سال مقرر کی گئی۔ رچرڈ نے بوقتِ رخصت سلطان ایوبی کو پیغام بھیجا کہ میں معاہدے کی میعاد گزرنے کے بعد یروشلم فتح کرنے آؤں گا...... اُس کے بعد کوئی صلیبی بیت المقدس کو فتح نہ کر سکا۔ اس صدی میں جون ۱۹۶۷ء میں عربوں کی بے اتفاقی نے اور اُن کی انہی کمزوریوں نے جو کفار سلطان ایوبی کے دور میں مسلمان اُمراء میں پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے، بیت المقدس یہودیوں کے حوالے کر دیا ہے۔

رچرڈ کی روانگی کے بعد سلطان ایوبی نے اعلان کیا کہ اس کی فوج کے جو افراد حج کے لیے جانا چاہتے ہیں، اپنے نام دے دیں، انہیں سرکاری انتظامات کے تحت حج کے لیے بھیجا جائے گا۔ فہرستیں تیار ہو گئیں اور اُن سب کو حج کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ خود سلطان ایوبی کی دیرینہ خواہش تھی کہ حج کعبہ کو جائے مگر جہاد نے اُسے مہلت نہ دی اور جب مہلت ملی تو اُس کے پاس سفر خرچ کے لیے پیسے نہیں تھے۔ اُسے سرکاری خزانے سے پیسے پیش کیے گئے جو اُس نے یہ کہہ کر قبول نہ کیے کہ یہ خزانہ میرا ذاتی نہیں۔ اس نے اپنے آپ کو حج کی سعادت سے محروم کر دیا، سرکاری خزانے سے ایک پیسہ نہ لیا۔ مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید لکھتا ہے کہ وفات کے وقت سلطان ایوبی کی کل دولت ۴۷ درہم چاندی کے اور ایک ٹکڑا سونے کا تھا۔ اس کا ذاتی مکان بھی نہیں تھا۔

پھر شمع بجھ گئی

سلطان صلاح الدین ایوبی ۴ نومبر ۱۱۹۲ء کے روز بیت المقدس سے دمشق پہنچا۔ اُس کے چار ماہ بعد سلطان خالقِ حقیقی سے جاملا۔ دمشق پہنچنے سے وفات تک کا آنکھوں دیکھا حال قاضی بہاؤ الدین شداد کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے:

''......اُس کے بچے دمشق میں تھے۔ اُس نے ستانے کے لیے اسی شہر کو پسند کیا۔ اُس کے بچے اُسے دیکھ کر تو خوش ہوئے ہی تھے، دمشق اور گردونواح کے لوگ اپنے فاتح سلطان کو دیکھنے کے لیے ہجوم در ہجوم آ گئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی قوم کی یہ بے تابانہ عقیدت مندی دیکھی تو اگلے ہی روز (۵ نومبر بروز جمعرات) دربارِ عام منعقد کیا جس میں سلطان کو ملنے اور اگر کسی کو کوئی شکایت ہو تو بیان کرنے کی ہر کسی کو اجازت تھی...... مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، امیر، غریب، حاکم اور عوام سلطان صلاح الدین ایوبی سے ملنے جمع ہو گئے۔ شاعروں نے اس تقریب میں سلطان ایوبی کی شان میں نظمیں سنائیں......

''سلطان صلاح الدین ایوبی کو مسلسل جہاد اور سلطنت کی مصروفیات نے نہ دن کو کبھی چین لینے دیا، نہ راتوں کو اطمینان کی نیند سونے دیا تھا۔ وہ جسمانی طور پر بھی نڈھال ہو چکا تھا اور ذہنی طور پر بھی۔ تھکے ہوئے اعصاب کو تازہ دم کرنے کے لیے اُس نے دمشق کے علاقے میں ہرنوں (غزال) کے شکار کو شغل بنالیا۔ وہ اپنے بھائیوں اور بچوں کے ساتھ شکار کھیلا کرتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ کچھ روز آرام کر کے مصر چلا جائے گا مگر دمشق میں بھی سرکاری کاموں نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا......

''میں اُس وقت بیت المقدس میں (وزیر) تھا۔ ایک روز دمشق سے مجھے سلطان صلاح الدین ایوبی کا خط ملا۔ اُس نے مجھے دمشق میں بلایا تھا۔ میں فوراً روانہ ہونے لگا، مگر مسلسل موسلا دھار بارشوں نے راستوں کو دلدل بنادیا تھا۔ اس قدر کیچڑ اور اتنی بارش میں میں انیس روز بعد بیت المقدس سے نکل سکا۔ میں ۲۳ محرم الحرام بروز جمعہ وہاں سے روانہ ہوا اور ۱۲ صفر بروز منگل دمشق پہنچا۔ اُس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کے ملاقات کے کمرے میں اُمراء اور دیگر حکام سلطان ایوبی کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو میری آمد کی اطلاع دی گئی۔ اُس نے مجھے فوراً اپنے خاص کمرے میں بلالیا۔ میں جب اُس کے سامنے گیا تو وہ بازو پھیلا کر اُٹھا اور مجھ سے بغلگیر ہو گیا۔ میں نے اُس کے چہرے پر ایسا اطمینان اور سکون کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے......

''اگلے روز اُس نے مجھے بلایا۔ اس کے خاص کمرے میں پہنچا تو اُس نے مجھ سے پوچھا کہ ملاقات کے کمرے میں کون لوگ بیٹھے ہیں۔ میں نے اُسے بتایا کہ (اُس کا بیٹا) الملک الافضل، چند ایک اُمراء اور بہت سے دوسرے لوگ آپ کی ملاقات کے لیے بیٹھے ہیں۔ اُس نے جمال الدین اقبال سے کہا کہ ان لوگوں سے میری طرف سے معذرت کر کے کہہ دو کہ آج میں کسی سے نہیں مل سکوں گا۔ اس نے میرے ساتھ کچھ ضروری باتیں کیں اور میں چلا آیا......

''دوسرے دن اُس نے مجھے علی الصبح بلالیا۔ میں گیا تو وہ اپنے باغیچے میں بیٹھا، اپنے بچوں کے ساتھ کھیل رہا

تھا۔ اُس نے پوچھا کہ ملاقات کے کمرے میں کوئی ملاقاتی ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ فرنگیوں (فرینکس) کے ایلچی آئے بیٹھے ہیں۔ سلطان ایوبی نے کہا کہ فرنگی ایلچیوں کو یہیں بھیج دو۔ اس کے بچے وہاں سے چلے گئے۔ اس کا سب چھوٹا بچہ امیر ابو بکر جس سے سلطان ایوبی کو بہت پیار تھا، وہیں رہا۔ جب فرنگی آئے تو بچے نے اُن کے بغیر داڑھیوں کے چہرے اور اُن کا لباس دیکھا تو بچہ ڈر کر رونے لگا۔ بچے نے بغیر داڑھی کے کبھی کوئی انسان نہیں دیکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے فرنگیوں سے معذرت کی کہ اُن کے حلیے کو دیکھ کر بچہ رو پڑا ہے، مگر سلطان نے بچے کو اندر بھیجنے کی بجائے فرنگیوں سے کہا کہ وہ آج اُن سے نہیں مل سکے گا۔ اُس نے انہیں بغیر بات چیت کیے رخصت کر دیا......

''اُن کے جانے کے بعد اُس نے کہا...... ''جو کچھ پکا ہے لے آؤ'' ......اس کے آگے ہلکی پھلکی غذا رکھی گئی جس میں کھیر بھی تھی۔ اُس نے بہت تھوڑا کھایا۔ میں نے محسوس کیا جیسے اُس کی بھوک مر چکی ہو۔ میں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ اُس نے بتایا کہ وہ ملاقاتیں کم کر رہا ہے کیونکہ وہ بدہضمی اور کمزوری محسوس کرتا ہے۔ کھانے کے بعد اُس نے مجھ سے پوچھا...... ''حاجی واپس آگئے ہیں؟'' ...... میں نے اُسے بتایا کہ راستے میں کیچڑ زیادہ ہے۔ شاید کل تک حاجی آجائیں۔ سلطان نے کہا...... ''ہم ان کے استقبال کے لیے جائیں گے'' ...... یہ کہہ کر اُس نے ایک حاکم کو بلا کر حکم دیا کہ حاجی آرہے ہیں اور راستے میں کیچڑ اور پانی ہے۔ فوراً آدمیوں کو بھیجو اور جس راستے سے حاجی آرہے ہیں، اس راستے سے کیچڑ اور پانی صاف کر دو۔ میں اس سے اجازت لے کر چلا آیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کا جوش و خروش اور اُس کی مستعدی ماند پڑ گئی تھی......

''دوسرے دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر حاجیوں کے استقبال کے لیے نکلا۔ میں بھی گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کے پیچھے گیا۔ اُس کا بیٹا الملک الافضل بھی آ گیا۔ لوگوں میں جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پھیل گئی کہ سلطان باہر آیا ہے۔ لوگ کام کاج چھوڑ کر اُٹھ دوڑے۔ وہ اپنے فاتح سلطان کو قریب سے دیکھنا اور اُس سے ہاتھ بھی ملانا چاہتے تھے۔ جب سلطان عقیدت مندوں کے اس بے صبر اور بے قابو ہجوم میں گھر گیا تو اُس کے بیٹے الملک الافضل نے گھبراہٹ کے عالم میں مجھے کہا کہ سلطان نے سواری والا لباس نہیں پہن رکھا۔ (یہ زرہ بکتر کی قسم کا لباس ہوا کرتا تھا، سلطان صلاح الدین ایوبی اس لباس کے بغیر کبھی باہر نہیں نکلا تھا) ہمیں پریشانی ہوئی۔ سلطان کے ساتھ باڈی گارڈ بھی نہیں تھے۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ (سلطان ایوبی پر اس سے پہلے قاتلانہ حملے ہو چکے تھے۔ اب بھی حملہ ہو سکتا تھا) میں ہجوم کو چیرتا ہوا سلطان تک پہنچا اور اُسے کہا کہ آپ اپنے مخصوص لباس میں نہیں ہیں۔ وہ اس طرح چونکا جیسے نیند سے جگا دیا گیا ہو۔ اُس نے کہا کہ میرا لباس یہیں لایا جائے مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا جو اُسے لباس لا دیتا۔ مجھے کچھ زیادہ ہی خطرہ محسوس ہونے لگا......

''مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کوئی حادثہ ہونے والا ہو۔ میں نے اُسے کہا کہ میں یہاں کے راستوں سے واقف نہیں۔ کیا کوئی ایسا راستہ ہے، جہاں لوگ کم ہوں اور آپ واپس جاسکیں؟ اُس نے کہا کہ ایک راستہ ہے۔ اُس نے گھوڑا اس رُخ کو موڑ لیا۔ لوگوں کا ہجوم بے پناہ تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے گھوڑا باغوں کے درمیانی راستے پر ڈال دیا۔ میں اور الملک الافضل اُس کے ساتھ تھے۔ میرا دل بوجھل تھا۔ میں اُس کی جان کو بھی خطرے میں محسوس کر رہا تھا اور اُس کی صحت کو بھی۔ ہم المسینہ کے چشمے سے ہوتے ہوئے قلعے میں داخل ہوئے......

''جمعہ کی شام سلطان ایوبی نے غیر معمولی کمزوری محسوس کی۔ آدھی رات سے ذرا پہلے اُسے بخار ہو گیا۔ یہ صفراوی بخار تھا جسم کے اندر زیادہ تھا، باہر کم لگتا تھا۔ صبح (۲۱ فروری ۱۱۹۳ء) وہ نقاہت سے نڈھال ہو چکا تھا۔ جسم کو ہاتھ لگانے سے حرارت کم لگتی تھی۔ میں اُسے دیکھنے گیا۔ اس کا بیٹا الملک الافضل اُس کے پاس تھا۔ سلطان نے بتایا کہ اُس نے

رات بڑی تکلیف میں گزاری ہے۔ اُس نے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ ہم نے گپ شپ میں اُن کا ساتھ دیا۔ اس سے اُس کی مزاجی شگفتگی بحال ہوگئی۔ دن کے دوسرے پہر تک وہ خاصا بہتر ہوگیا۔ ہم وہاں سے اُٹھنے لگے تو اُس نے کہا کہ الملک الافضل کے ساتھ کھانا کھا کر جائیں۔ میرے ساتھ قاضی الفضل بھی تھا۔ وہ کسی اور کے ہاں کھانا کھانے کا عادی نہ تھا۔ وہ معذرت کر کے چلا گیا۔ میں کھانے کے کمرے میں چلا گیا۔ صلاح الدین ایوبی سے رخصت ہوتے ہوئے مجھے یوں لگا جیسے میں اپنا دل سلطان ایوبی کے پاس چھوڑ چلا ہوں۔ کھانے کے کمرے میں گیا۔ دستر خوان بچھ چکا تھا۔ بہت سے افراد بیٹھے تھے۔ الملک الافضل اپنے باپ کی جگہ بیٹھا تھا۔ بے شک الافضل صلاح الدین ایوبی کا بیٹا تھا لیکن سلطان کی جگہ بیٹے کو بیٹھا دیکھ کر بہت دُکھ ہوا۔ کھانے پر جو لوگ بیٹھے تھے، اُن کی بھی جذباتی حالت میرے جیسی تھی۔ ان میں سے بعض کے تو آنسو نکل آئے......

''اس روز کے بعد سلطان ایوبی کی صحت بگڑتی چلی گئی۔ میں اور قاضی الفضل روزانہ کئی بار اُس کمرے میں جاتے تھے جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی بیمار پڑا تھا۔ اُسے تکلیف میں ذرا سا بھی افاقہ ہوتا تو ہمارے ساتھ باتیں کرتا تھا، ورنہ اکثر یوں ہوتا کہ وہ آنکھیں بند کیے پڑا رہتا اور ہم اُسے دیکھتے رہتے۔ اُس کی جان کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اُس کا طبیب خاص غیر حاضر تھا (قاضی بہاؤالدین شداد نے یہ نہیں لکھا کہ طبیب خاص کہاں چلا گیا تھا) سلطان کا علاج چار طبیب مل کر رہے تھے مگر مرض بڑھتا جا رہا تھا......

''بیماری کے چوتھے روز چاروں طبیبوں نے فیصلہ کیا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جسم سے خون نکال دیا جائے۔ اسی وقت سلطان کی حالت زیادہ بگڑ گئی اور اس کے بعد اہم غدود بے کار ہوگئے۔ اس سے اُس کے جسم میں اندر کی رطوبتیں خشک ہونے لگیں۔ سلطان ایوبی نقاہت کی آخری حد تک جا پہنچا۔ چھٹے دن ہم نے اُسے سہارا دے کر بٹھایا۔ اُسے ایک دوائی دی گئی جس کے بعد ہلکا گرم پانی پینا ضروری تھا۔ پانی لایا گیا۔ اُسے ہلکا گرم ہونا چاہیے تھا۔ سلطان ایوبی کے منہ سے پیالہ لگایا گیا تو اس نے کہا کہ پانی بہت گرم ہے۔ اُس نے نہ پیا۔ پانی ذرا ٹھنڈا کر کے لایا گیا تو سلطان ایوبی نے کہا کہ یہ بالکل ٹھنڈا ہے۔ اُس نے غصے یا خفگی کا اظہار نہ کیا۔ مایوسی کے لہجے میں اتنا ہی کہا...... ''او خدا! کوئی بھی نہیں جو مجھے ہلکا گرم پانی دے سکے''......

''میری اور الفضل کی آنکھوں میں آنسو آگئے (دُنیائے صلیب پر دہشت طاری کر دینے والا انسان بالکل بے بس ہوگیا تھا)...... ہم دونوں دوسرے کمرے میں آگئے۔ قاضی الفضل نے کہا...... ''قوم کتنے عظیم انسان سے محروم ہو جائے گی۔ بخدا اُس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو پانی کا یہ پیالہ اُس کے سر پر دے مارتا جو اُس کی پسند کا پانی نہیں لایا تھا''......

ساتویں اور آٹھویں روز صلاح الدین ایوبی کی حالت اتنی زیادہ بگڑ گئی کہ اُس کا ذہن بھٹکنے لگا۔ نویں روز اس پر غشی طاری ہوگئی۔ وہ پانی بھی نہ پی سکا۔ شہر میں خبر پھیل گئی کہ سلطان ایوبی کی حالت تشویش ناک ہوگئی ہے۔ تمام شہر پر موت کی اُداسی طاری ہوگئی۔ ہر جگہ اور ہر زبان پر اُس کی صحت یابی کی دُعائیں تھیں۔ تاجر اور سوداگر ایسے ڈرے کہ انہوں نے بازاروں سے اپنا مال اُٹھانا شروع کر دیا۔ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا کہ ہر ایک فرد کس طرح اُداس اور کتنا پریشان تھا......

''میں اور قاضی الفضل رات کا پہلا پہر سلطان ایوبی کے پاس رہتے اور اُسے دیکھتے رہتے تھے۔ وہ بول اور دیکھ نہیں سکتا تھا۔ باقی رات ہم باہر کھڑے رہتے۔ کوئی اندر سے آتا تو اُس سے پوچھ لیتے کہ سلطان کی حالت کیسی ہے۔ ہم جب علی الصبح وہاں سے باہر نکلتے تو باہر لوگوں کا ہجوم کھڑا دیکھتے۔ اب لوگ ہم سے یہ پوچھنے سے بھی ڈرتے تھے کہ سلطان کی

صحت کیسی ہے۔ وہ ہمارے چہروں سے جان لیتے تھے کہ سلطان کی حالت ٹھیک نہیں۔ ہجوم چپ چاپ ہمیں دیکھتا اور ہم ہجوم کو دیکھ کر سر جھکا لیتے تھے...... دسویں روز طبیبوں نے اُسے انتڑیاں صاف کرنے والی دوا دی جس سے اُسے کچھ افاقہ ہو گیا۔ اس کے بعد جب سب کو پتہ چلا کہ سلطان ایوبی نے جو کا پانی پیا ہے تو سب نے خوشی منائی۔ اُس رات ہم چند گھنٹے اس کے پاس جانے کا انتظار کرتے رہے، لیکن محل میں چلے گئے جہاں جمال الدین اقبال بیٹھا تھا۔ اس سے صلاح الدین ایوبی کی حالت پوچھی۔ وہ اندر چلا گیا اور توران شاہ سے پوچھ کر ہمیں بتایا کہ سلطان کے دونوں پھیپھڑوں میں نمی اور ہوا آنے جانے لگی ہے۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ہم نے جمال الدین سے کہا کہ خود جا کر دیکھے کہ باقی جسم پر پسینے کے آثار ہیں یا نہیں۔ اُس نے اندر جا کر دیکھا اور واپس آ کر بتایا کہ پسینہ بہت آ رہا ہے۔ یہ ایک خوش خبری تھی۔ ہم سکون اور اطمینان سے چلے آئے......

''دوسرے دن جو منگل کا دِن تھا، صفر کی ۲۶ تاریخ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی علالت کا گیارہواں روز تھا، ہم سلطان کو دیکھنے گئے۔ اندر نہ جا سکے۔ ہمیں بتایا گیا کہ پسینہ اس قدر زیادہ نکل رہا ہے کہ بستر میں سے ہوتا ہوا فرش پر ٹپک رہا ہے۔ یہ خبر اچھی نہیں تھی۔ جسم کی رطوبت تیزی سے ختم ہو رہی تھی...... طبیبوں نے حیرت سے بتایا کہ جسم اندر سے خشک ہو جانے کے باوجود سلطان کے جسم میں ابھی توانائی موجود ہے......

''صلاح الدین ایوبی کے بیٹے الملک الافضل نے دیکھا کہ سلطان کی صحت یابی کی کوئی اُمید نہیں رہی تو اُس نے اُمراء اور وزراء سے حلف وفاداری لینے کا فوری انتظام کیا۔ اُس نے تمام قاضیوں کو رضوان محل میں بلایا اور انہیں کہا کہ نئے حلف کا مسودہ تیار کریں جس میں صلاح الدین ایوبی جب تک زندہ ہے، اُس کی وفاداری کا حلف نامہ ہو اور اُن کی وفادت کے بعد الملک الافضل کی وفاداری کا۔ الافضل نے معذرت اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسا حلف نامہ کبھی تیار نہ کراتا لیکن سلطان ایوبی کی حالت تشویش ناک مرحلے میں داخل ہو چکی ہے......

''حلف نامہ تیار ہو گیا۔ دوسرے دِن حلف اُٹھانے کے لیے متعلقہ اُمراء اور وزراء کو بلایا گیا۔ سب سے پہلے دمشق کے گورنر سعد الدین مسعود نے حلف اُٹھایا۔ اس کے بعد نصر الدین آیا جو سہیون کا گورنر تھا، اس نے اس شرط پر حلف اُٹھایا کہ جس قلعے کا وہ گورنر ہے وہ سلطان ایوبی کی وفات کے بعد اُس کی (نصر الدین کی) ذاتی ملکیت سمجھا جائے گا۔ تمام اُمراء، وزراء اور گورنروں نے حلف اُٹھالیا۔ دو تین نے اپنی شرائط منوا کر حلف اُٹھایا۔ حلف نامے کے الفاظ یہ تھے......''اس لمحے سے میں متحدہ مقصد کی خاطر الملک النصر (صلاح الدین ایوبی) کا وفادار رہوں گا جب تک کہ وہ زندہ ہے۔ اس کی حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے اَن تھک اور مسلسل کوشش کرتا رہوں گا۔ اس کی خاطر اپنی جان، اپنا مال، اپنی تلوار اور اپنی فوج اور اپنی رعایا کو وقف کیے رکھوں گا۔ میں اس کا ہر حکم مانوں گا اور اس کی ہر خواہش کی تکمیل کروں گا۔ میں خدا کو گواہ ٹھہرا کر اعلان کرتا ہوں کہ سلطان کے بعد میں یہی وفاداری اس کے بیٹے الافضل کے لیے وقف کر دوں گا اور اُس کے بعد الافضل کے بیٹوں کے لیے۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اس کے احکام کی تعمیل کروں گا۔ اس کے لیے میں اپنی جان، اپنا مال، اپنی تلوار اور اپنی فوج کو وقف کیے رکھوں...... میں اپنے حلف وفاداری میں خدا کو گواہ ٹھہراتا ہوں''......

''حلف نامے کی دوسری شق یہ تھی......''اگر میں اپنے حلف کی خلاف ورزی کروں تو میں حلفیہ تسلیم کرتا ہوں کہ صرف اس خلاف ورزی کی بناء پر میری بیویاں مطلقہ ہو جائیں (یعنی بیویاں میری نہیں رہیں گی) اور مجھے تمام ذاتی اور سرکاری خادموں سے محروم کر دیا جائے گا اور مجھے لازم ہو گا کہ میں ننگے پاؤں یا پیادہ حج کعبہ کو جاؤں''......

''۲۶ صفر ۵۸۹ ہجری (۳ مارچ ۱۱۹۳ء) منگل کی شام تھی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی بیماری کا

گیارہواں روز۔ اُس کی توانائی بالکل ختم ہوگئی اور اُمید دم توڑ گئی۔ رات کو ایسے وقت مجھے، قاضی الفضل اور ابنِ ذکی کو بلایا گیا جس وقت پہلے کبھی نہیں بلایا گیا تھا۔ ابنِ ذکی کا پورا نام ابوالمعالی محمد محی الدین تھا اور ابنِ ذکی کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت عثمانؓ کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ قانون، علم اور سائنس کا عالم تھا۔ صلاح الدین ایوبی کا بہت احترام کرتا تھا۔ جب سلطان ایوبی نے یروشلم فتح کیا تو مسجدِ اقصیٰ میں پہلے جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے سلطان ایوبی نے اسی کو منتخب کیا تھا۔ بعد میں اُسے دمشق کا قاضی مقرر کر دیا گیا تھا......

''ہم گئے تو الملک الافضل نے کہا کہ ہم تینوں ساری رات اُس کے ساتھ رہیں۔ وہ سوگوار تھا اور گھبرایا ہوا بھی۔ قاضی الفضل نے اعتراض کیا اور کہا رات بھر لوگ باہر کھڑے سلطان کی صحت کی خبر سننے کا انتظار کرتے ہیں۔ اگر ہم ساری رات اندر رہے تو وہ کچھ اور سمجھ لیں گے اور شہر میں غلط خبر پھیل جائے گی۔ الافضل سمجھ گیا۔ اُس نے کہا کہ ہم لوگ چلے جائیں۔ ہماری بجائے اُس نے امام ابوجعفر کو اس مقصد کے لیے بلا لیا کہ اگر رات کو صلاح الدین ایوبی پر نزع کا عالم طاری ہو گیا تو امام اُس کے سرہانے قرآن پڑھے گا۔ ہم وہاں سے آ گئے۔

''اس کے بعد امام ابوجعفر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی آخری رات کی جو روئیداد سنائی، وہ میں تحریر کرتا ہوں۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے سلطان کے سرہانے قرآن خوانی کی۔ اس دوران سلطان پر کبھی غشی طاری ہو جاتی، کبھی ہوش میں آ جاتا اور کبھی اُس کا ذہن بھٹک جاتا۔ آدھی رات کے بعد ۲۷ صفر ۵۸۹ ہجری (۴ مارچ ۱۱۹۳ء) کی تاریخ شروع ہو چکی تھی۔ امام ابوجعفر نے بتایا...... ''میں بائیسویں پارے کی سورۂ الحج پڑھ رہا تھا۔ میں نے جب پڑھا...... ''خدا ہی قادرِ مطلق ہے، برحق ہے اور وہ مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''...... تو میں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی نحیف سی سرگوشی سنی۔ وہ کہہ رہا تھا...... ''یہ سچ ہے۔ یہ سچ ہے''...... یہ اُس کے آخری الفاظ تھے۔ اُس کے فوراً بعد صبح کی اذان سنائی دی۔ میں نے قرآن پاک بند کر دیا۔ اذان ختم ہوتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نہایت سکون اور اطمینان سے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا''...... امام ابوجعفر نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اذان شروع ہوئی تو وہ ایک آیت پڑھ رہا تھا...... ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اُسی سے مدد مانگتے ہیں''...... تو سلطان ایوبی کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آ گئی۔ اُس کا چہرہ دمک اُٹھا اور وہ اسی کیفیت میں اپنے خدا کے حضور گیا......

''میں جب پہنچا اس وقت صلاح الدین ایوبی فوت ہو چکا تھا۔ خلفائے راشدین کے بعد اگر قوم پر کوئی کاری ضرب پڑی ہے تو وہ سلطان ایوبی کے انتقال کی تھی۔ قلعے، شہر، وہاں کے لوگوں اور دُنیا بھر کے مسلمانوں پر غم کی ایسی گھٹا چھا گئی جو صرف خدا جانتا ہے کہ کتنی گہری تھی۔ میں نے لوگوں کو اکثر کہتے سنا ہے کہ انہیں جو شخص سب سے زیادہ عزیز ہے، اُس کے لیے وہ اپنی جان قربان کر دیں گے لیکن میں نے کبھی کسی کو کسی کے لیے جان قربان کرتے نہیں دیکھا۔ البتہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سلطان ایوبی کی زندگی کی آخری رات ہم سے کوئی پوچھتا کہ سلطان ایوبی کی جگہ کون مرنے کو تیار ہیں تو ہم میں سے بہت سے لوگ اپنی جانیں قربان کر کے سلطان ایوبی کو زندہ رکھتے......

''اُس روز شہر میں جسے دیکھا بے اختیار آنسو بہاتے دیکھا۔ لوگ رونے کے سوا کچھ اور سوچتے ہی نہیں تھے۔ کسی شاعر کو مرثیہ سنانے کی اجازت نہ دی گئی۔ کسی امام، کسی قاضی اور کسی عالم نے لوگوں کو صبر کی تلقین نہ کی۔ وہ خود رو رہے تھے۔ ہچکیاں لے رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کے بچے روتے چیختے، گلیوں میں نکل گئے۔ انہیں روتا دیکھ کر لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے...... ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اُس وقت سلطان ایوبی کی میت کو آخری غسل دے کر کفن پہنایا جا چکا تھا۔ غسل

عدالت کے ایک اہل کار الدلائی نے دیا تھا۔ غسل کے لیے مجھے کہا گیا تھا مگر میرا دِل اتنا مضبوط نہ تھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ میت باہر لا کر رکھی گئی۔ جنازے پر جو کپڑا ڈالا گیا وہ قاضی الفضل نے دیا تھا۔ جب جنازہ لوگوں کے سامنے رکھا تو مردوں کی دھاڑوں اور عورتوں کی چیخوں سے آسمان کا جگر چاک ہونے لگا۔ دمشق کی عورتوں کے بین سنے نہیں جاتے تھے......

''قاضی محی الدین ابن ذکی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ میں کچھ نہیں بتا سکتا کہ جنازے میں کتنے لوگ تھے۔ البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ سب نمازِ جنازہ میں کھڑے تھے مگر نماز پڑھنے کی بجائے سب ہچکیاں لے رہے تھے اور بعض بے قابو ہو کر دھاڑیں مار اُٹھتے تھے۔ اِرد گرد عورتوں کا بے انداز ہجوم بین کرر ہا تھا۔ نمازِ جنازہ کے بعد میت باغیچے کے اُس مکان میں رکھی گئی جہاں مرحوم نے علالت کے دِن گزارے تھے۔ عصر سے کچھ دیر پہلے سلطان ایوبی کو قبر میں اُتار دیا گیا۔ لوگ گھروں کو واپس گئے تو یوں لگتا تھا جیسے لاشوں کا ہجوم چلا جا رہا ہو۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ قبر پر قرآن خوانی کرتا رہا......

''منکہ بہاؤالدین ابن شداد نے یہ یادداشتیں خلیفہ کی اجازت سے قلم بند کی ہیں اور اس تحریر کو الملک الناصر ابوظفر یوسف ابن نجم ایوب صلاح الدین ایوبی کی وفات پر ختم کیا ہے۔ خدا اُس پر رحمت فرمائے۔ اس تحریر سے میرا مقصد خدا کی خوشنودی ہے اور میرا مقصود یہ بھی ہے کہ اُسے یاد رکھو جو نیک تھا اور صرف نیکی پر دھیان رکھو''۔

ان یادداشتوں کے بعد یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ سلطان ایوبی کی ایک خواہش یہ تھی کہ فلسطین کو صلیبیوں سے پاک کریں۔ اُس کی یہ خواہش پوری ہوگئی۔ اس کی دوسری خواہش یہ تھی کہ فتح فلسطین کے فریضہ کے بعد فریضہء حج ادا کرے مگر اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ اس کی وجہ بیماری نہیں تھی بلکہ یہ کہ اُس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے۔ اُس کی ذاتی جیب خالی تھی۔ بلالِ نو کی درانتی سے فصلِ صلیبی کاٹنے والا مردِ مجاہد، مصر، شام اور فلسطین کا سلطان جس کے قدموں میں سلطنت کے خزانے تھے، وہ اتنا غریب تھا کہ حج کو نہ جا سکا اور اُسے جو کفن پہنایا گیا تھا۔ وہ قاضی بہاؤالدین شداد، قاضی الفضل ابن ذکی نے درپردہ پیسے جمع کر کے خریدا تھا...... آج فلسطین سلطان صلاح الدین ایوبی کا ماتم اسی طرح کر رہا ہے جس طرح ۴ مارچ ۱۱۹۳ء کے روز دمشق کی بیٹیوں نے بین کیے تھے۔

عنایت اللہ کی بہترین کتابیں

داستان ایمان فروشوں کی (تین جلد) سیٹ	فردوس ابلیس (دو جلد)	فتح گڑھ سے فرار	اور نیل بہتا رہا (دو جلد)
ایک اور بت شکن پیدا ہوا (دو جلد)	خاکی وردی لال لہو	شمشیر بے نیام (دو جلد)	ڈوب ڈوب کے ابھری ناؤ
حجاز کی آندھی	اکھیاں میٹ کے سپنا تکیا	دمشق کے قید خانے میں	ستارہ جو ٹوٹ گیا
اندلس کی ناگن	ہماری شکست کی کہانی	بی آر بی بہتی رہے گی	میں کسی کی بیٹی نہیں
لاہور کی دہلیز پر	پرچم اڑتا رہا	دو پلوں کی کہانی	ہیرے کا جگر
اس نے کہا	کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس	چار دیواری کی دنیا	بدر سے باٹا پور تک
طاہرہ	لہو جو ہم بہا کے آئے	پاک فضائیہ کی داستانِ شجاعت	سزا اس گناہ کی
پانچویں لڑکی	1857ء کی داستانِ شجاعت	بھٹکے ہوؤں کی داستان	منزل اور مسافر (دو جلد)
پتن پتن کے پاپی	فتح گڑھ سے فرار	اُستانی اور ٹیکسی ڈرائیور	ناقابل فراموش
میں گناہ گار تو نہیں	پاکستان-ایک پیاز دو روٹیاں	جب میں تحفہ بنی	میں کسی کی بیٹی نہیں
چھوٹی بہن کا پگلا بھائی	اُلجھے راستے	پیاسی رُوحیں	جوانی کے جنگل میں
ایوبی، غزنوی اور محمد بن قاسم	اُس نے کہا		

واحد تقسیم کار

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40-اُردو بازار، لاہور۔

فون: 37232336'37352332 فیکس: 37223584

www.ilmoirfanpublishers.com

E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com